المصباح المنیر

تہذیب وتحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید، صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں



سورۂ فاتحہ —— سورۂ آل عمران

امام ابو الفدا، عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ

۷۰۱-۷۷۴ھ

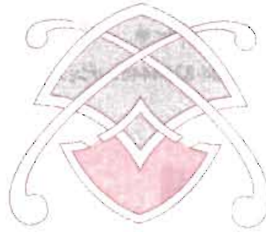
ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ، مولانا محمد عبد الجبار حفظہ اللہ

تہذیب، تخریج، تحقیق ونظر ثانی:

شعبہ تحقیق وتصنیف وترجمہ دار السلام





المصباح المنیر

تہذیب وتحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید، صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

1

© مكتبة دار السلام، ١٤٢٨ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
ابن كثير، اسماعيل بن عمر
تفسير ابن كثير - الجزء الاول. / اسماعيل بن عمر بن كثير - الرياض ١٤٢٨ هـ
ص: ٧٧٥ مقاس: ١٤×٢١ سم
ردمك: ١-١-٩٩١٩-٩٩٦٠
(النص باللغة الاردية)
١- القرآن - التفسير بالمأثور أ. العنوان
ديوي ٢٢٧,٣٢ ١٤٢٨/٢٣٧٥
رقم الإيداع: ١٤٢٨/٢٣٧٥
ردمك: ١-١-٩٩١٩-٩٩٦٠

سعودی عرب (ہیڈ آفس)
پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.dar-us-salam.com

● طریق مکہ۔ العلیا۔ الریاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 ● الملز۔ الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221
● سویلم فون: 2860422 1 00966 ● جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270
● مدینہ منورہ: 8234446-04-00966 فیکس: 8151121-04 ● خمیس مشیط فون: 2207055 7 00966 موبائل: 0500710328
● الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551

شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624
لندن فون: 4885 539 208 0044 فیکس: 5394889 208
امریکہ ❶ ہوسٹن فون: 7220419 713 001 فیکس: 7220431
❷ نیویارک فون: 6255925 718 001 فیکس: 6251511

پاکستان (ہیڈ آفس ومرکزی شوروم)
❶ 36۔ لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 7110081-711023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com
❷ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703
❸ مون مارکیٹ اقبال ٹاؤن۔ لاہور فون: 7846714

کراچی شوروم (D.C.H.S) Z-110,111 مین طارق روڈ کراچی
فون: 0092-21-4393936 فیکس: 4393937
Email: darussalamkhi@darussalampk.com

اسلام آباد شوروم F-8 مرکز، اسلام آباد فون: 051-2500237

المصباح المنیر

تہذیب وتحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید، صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

1

امام ابوالفداء عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ

۷۰۱ـ ۷۷٤ھ

ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ، مولانا محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

تہذیب، تخریج، تحقیق و نظر ثانی:

شعبہ تحقیق و تصنیف و ترجمہ دارالسلام





ارشادِ باری تعالیٰ

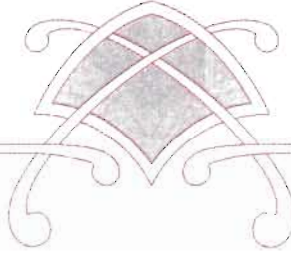
اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ

”بے شک یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔“ (بنی اسرآءیل: ۱۷/ ۹)

فرمانِ نبوی

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِينَ

”یقیناً اللہ تعالیٰ اس کتاب (پر عمل کرنے کی وجہ) سے قوموں کو سربلندی سے نوازتا اور اس سے (اعراض کرنے والی) دوسری قوموں کو پست کر دیتا ہے۔“ (صحیح مسلم: 817)



تاجدارِ عالمِ بطحا کا جو فرمان تھا
کچھ نہ تھا اس کے سِوا سُنت تھی یا قرآن تھا
جب تلک یہ دیں مُسلمانوں کا حرزِ جان تھا
اُن دِنوں اقبال اِن کے در پہ اِک دربان تھا

اجمالی فہرست

فہرست

عناوین	صفحہ

عرضِ ناشر

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو انسانوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ، شفاعت کا زینہ، شفا کا وسیلہ، علوم وفنون کا سرچشمہ اور حکمت ومعرفت کا منبع بنایا ہے۔ اس کی ضیاء پاشیاں زندہ دلوں کو روشنی اور مثبت ذہنوں کو جلا بخشتی ہیں۔ اسی لیے باری تعالیٰ نے اسے ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ﴾ ''وہ کتاب جس میں کوئی شک نہیں۔'' ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ ''پرہیز گاروں کے لیے ہدایت۔'' ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ ''لوگوں کے لیے رہنما۔'' ﴿الْفُرْقَانِ ۚ﴾ ''حق اور باطل میں فرق کرنے والا۔'' ﴿الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝﴾ ''حکمتوں سے بھری کتاب۔'' ﴿هُدًى وَّ شِفَآءٌ ۭ﴾ ''(اہل ایمان کے لیے) ہدایت اور شفا۔'' ﴿الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝﴾ ''روشن کتاب'' ﴿لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝﴾ ''بڑی فضیلت اور حکمت والی کتاب۔'' ﴿اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝﴾ ''وہ بڑے رتبے والا قرآن جو کتابِ محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔'' اور ﴿قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝﴾ ''عظیم الشان قرآن جو لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔'' قرار دیا ہے۔

نزولِ قرآن کے آغاز ہی سے اس کی تعلیم وتفہیم اور نشر واشاعت کا سلسلہ جاری ہے اور روزِ محشر تک جاری وساری رہے گا۔ ہر ذی فہم اس کتاب کے متعلق کچھ کہہ کر، ہر صاحبِ قلم کچھ لکھ کر، ہر ذی شعور کچھ سمجھ کر، ہر صاحبِ علم کچھ سمجھا کر اور ہر طابع کچھ چھپوا کر اسے اپنے لیے باعثِ صد افتخار بناتا ہے۔ اسی سعادت کے حصول کے لیے محدثین کرام رحمہم اللہ نے کتب احادیث میں تفسیر قرآن، فضائل قرآن اور قراءات وغیرہ کے ابواب قائم کیے ہیں۔ جبکہ یہ کتب قرآن مجید کی زندہ تعبیر، یعنی رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ پر بھی روشنی ڈالتی ہیں۔ اور بعض محدثین ومفسرین رحمہم اللہ نے اس سلسلے میں انفرادی طور پر کتب ترتیب دیں جن کی وضاحت ''سخنہائے مترجم'' میں فاضل مترجم نے بطریق احسن کی ہے۔

علمائے امت نے مختلف ادوار میں قرآن کریم کے مضامین کی تفسیر کی اور اس میں بیان کردہ حِکَم واحکام، معانی وبیان، دلائل وبراہین، اصول ومبادیات، حادثات وواقعات، تجوید وقراءات، قراءتوں کا اختلاف، وجوہ اعراب، لہجوں کی اقسام، مضامینِ قرآن حتی کہ جغرافیائی اعتبار سے مقامات اور تاریخی اعتبار سے شخصیات کے متعلق گراں قدر تصنیفات رقم کیں۔ قرآن مجید کی تفسیروں میں سے اکثر کسی نہ کسی امتیازی خصوصیت کی حامل ہیں جو اہل علم کے نزدیک بہت وقیع اور مسلمہ ہیں لیکن بعض تفاسیر بقولِ اقبال ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

کی مصداق ہیں۔ اور کچھ تفاسیر محض عقلی وفلسفی موشگافیوں کے تناظر میں لکھی گئی ہیں۔ اس لیے تفسیر قرآن کا سب سے بہتر اسلوب وہی ہے جس میں خود قرآن، صاحب قرآن ﷺ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، ائمۂ عظام رحمہم اللہ اور سلف صالحین کی طرف سے رہنمائی حاصل ہو۔

مفسر قرآن، محدث جلیل اور مؤرخ عظیم حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اسی قابل اعتماد اسلوب کو اپنایا ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ مفسر رحمہ اللہ نے قرآنی آیات کو ایک دوسری کے استشہاد پر اس طرح پیش کیا ہے، گویا قرآنی آیتیں آپ کے سامنے موضوعاتی ترتیب کی لڑیوں میں پرودی گئی ہوں، آپ نے جسے زیادہ مناسب سمجھا اسے لکھ دیا اور باقی آیات کی طرف اشارہ کر دیا۔اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے ہاں صاحبِ قرآن نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے استدلال کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی تفسیر میں بیان کردہ صرف مرفوع احادیث کی تعداد اعداد و شمار کے آئینے میں 7629 ہے۔اور یہ تعداد صحیح بخاری کی کل احادیث سے زیادہ ہے جبکہ کتب ستہ کی باقی پانچ کتب میں سے ہر ایک کی احادیث کی تعداد صحیح بخاری کی احادیث سے کم ہے۔تفسیر ابن کثیر میں اقوالِ سلف کی تعداد بھی 5000 سے متجاوز ہے۔اور اسی پر اکتفا نہیں، تفسیر میں صرف ونحو کی بحثیں بھی ہیں، فقہ کے مسائل بھی، ائمہ کے اقوال بھی ہیں اور فقہاء کی آراء بھی، قراءتوں کا اختلاف بھی ہے اور حدیث کی تصحیح و تضعیف کا اہتمام بھی۔ان سب خصوصیات کی بنا پر تفہیم قرآن کا یہ منفرد انداز اسے دوسری تمام تفاسیر سے ممتاز کر دیتا ہے کیونکہ جس ہستی پر قرآن کا نزول ہوتا رہا اس سے بہتر اس کے مفہوم کی ادائیگی اور کون کر سکتا ہے؟ اور جو متلاشیانِ حق براہِ راست اس چلتے پھرتے قرآن کی ورق گردانی کرتے رہے ان سے بہتر تفسیر و توضیح کس سے ممکن ہے؟ تفسیر قرآن کا یہ وہ اسلوب ہے جس کے سامنے جاہلیت کی شاعری اور ادب ولغت لب بستہ ہو جاتے ہیں۔

تفسیر ابن کثیر کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ دیگر کتب تفاسیر، جو احادیث و آثار ہی پر مبنی ہیں، ان کے مقابلے میں جس کثرت کے ساتھ تفسیر ابن کثیر میں قرآنی آیات سے استشہاد اور آیات ہی کے ذریعے سے دوسری آیات کی تفسیر و توضیح کا کام لیا گیا ہے، ان میں وہ گوئے سبقت لے گئی ہے، نیز متقدمین میں تمام ائمہ تفسیر نے اپنی اپنی سند سے احادیث و آثار کو بیان کیا ہے۔ اس سے کتاب کی اہمیت تو دو چند ہو جاتی ہے لیکن ایسی بہت سی احادیث اور آثار رہ جاتے ہیں جنھیں مؤلف نے اپنے شیوخ سے اخذ نہ کیا ہو۔مگر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں کتب سماویہ، کتب تفسیر اور اس کے اصول، کتب احادیث، خواہ وہ مسانید ہوں یا سنن، جوامع ہوں یا معاجم، ان کا تعلق اصول حدیث سے ہو یا شروح حدیث سے، تاریخ سے ہو یا سیَر سے، مغازی سے ہو یا تراجم سے، لغت سے ہو یا فضائل سے، تقریباً ہر قسم کی بنیادی کتب سے استفادہ کیا ہے۔ان کی مجموعی تعداد ڈاکٹر اسماعیل عبدالعال نے اپنی کتاب "ابن كثير و منهجه في التفسير" میں 217 بتائی ہے۔اور یہ ایسی کتب ہیں جنھیں بنیادی مصادر و مراجع کی حیثیت حاصل ہے۔

تفسیر ابن کثیر کی انھی خصوصیات کے پیش نظر دارالسلام نے افادۂ عام کے لیے عربی میں اس کے متعدد ایڈیشن شائع کرنے کی سعادت حاصل کی، بعدازاں اس کی تہذیب "المصباح المنير في تهذيب تفسير ابن كثير" کے نام سے شائع کی جس کو دارالسلام، الریاض کی علمی مجلس کے علمائے کرام قاری محمد اقبال عبدالعزیز حفظہ اللہ، حافظ عبدالمتین راشد حفظہ اللہ، شکیل احمد سلفی حفظہ اللہ نے مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کی نگرانی میں تہذیب کیا تھا۔ پھر اسی تہذیب کو انگریزی زبان میں پہلی دفعہ شائع کرنے کی سعادت بھی دارالسلام کو حاصل ہوئی، اور اب الحمد للہ اسے اردو میں شائع کیا گیا ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔اس اردو ایڈیشن کی خصوصیات ''اسلوبِ تحقیق وتخریج'' میں درج ہیں۔

تفسیر ابن کثیر کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کا کام فاضل مترجم مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ نے بطریق احسن نبھایا ہے۔قاری کے لیے پڑھتے ہوئے یہ فیصلہ مشکل ہوگا کہ یہ باقاعدہ کوئی کتاب ہے یا اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔مزید براں اگر قاری عربی متن سامنے

رکھے گا تو اسے محسوس ہوگا کہ یہ ترجمہ الفاظ کے کس قدر قریب تر ہے۔اس کی عبارات میں دریا کی سی روانی بھی ہے اور بلا کی سلاست بھی۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء! میں اس سلسلے میں فاضل مترجم کا انتہائی ممنون ہوں۔علاوہ ازیں دارالسلام لاہور کے جنرل مینجر عزیزم حافظ عبدالعظیم اسد ﷾ بھی میرے شکریے کے بجاطور پر مستحق ہیں جن کی نگرانی میں یہ اہم ترین کام تکمیل کو پہنچا۔اور میں شعبۂ تحقیق وتصنیف کے ذیلی شعبۂ ''تفسیر'' کے فضلاء قاری حافظ محمد اقبال صدیق مدنی، حافظ عبدالحمید، قاری حافظ عزیر احمد راشد، مولانا محمد عمران اقبال، حافظ عطاء الرحمٰن، مولانا مختار احمد ضیاء، مولانا تنویر احمد، حافظ محمد ندیم اور عزیزم حافظ محمد نعمان فاروقی کا بھی تہ دل سے شکرگزار ہوں جنھوں نے انتہائی لگن سے تفسیر ابن کثیر کی تحقیق، تخریج اور تصحیح ونظر ثانی کا کام انجام دیا۔ جزاهم الله عنا وعن سائر المسلمين خير الجزاء .

اسی طرح میں شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی ﷾ کا سپاس گزار ہوں جنھوں نے اس کا ''ابتدائیہ'' علمی انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ اور مولانا محمد عبدالجبار ﷾ نے امام ابن کثیر ؒ کے حالات زندگی قلمبند کیے اور محسن فارانی ﷾ نے تفسیر میں مقامات واعلام کے حوالے سے کمپیوٹر پر نقشے بنوا کر شامل کیے، میں ان دونوں حضرات، نیز کمپوزنگ سیکشن سے حفیظ الرؤف ہاشمی، آصف فراز انصاری، عتیق الرحمٰن، ابوذر اور زاہد محمود کا بھی نہایت ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور تمام مسلمانوں کے لیے نافع بنائے۔ آمین یا رب العلمین.

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر دارالسلام، الریاض، لاہور

رجب 1427ھ / اگست 2006ء

اسلوبِ تحقیق وتخریج

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی أَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتَابَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا، أَمَّا بَعْدُ:

ہمارے ہاں تحقیق کا مفہوم صرف روایت کی صحت وسقم تک محدود ہے جبکہ کسی کتاب کی تحقیق سے مراد اس کے متن کی مراجعت (نظر ثانی) بھی ہوتی ہے جس میں کتاب اور اس کے مخطوطوں کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور مؤلف کا مافی الضمیر اور الفاظ کی ترکیب بھی ملحوظ خاطر ہوتی ہے۔ مزید براں اُس کتاب میں بیان کردہ احادیث وآثار، اسماء الرجال، واقعات اور ان سب کے مصادر ومراجع کے متعلق جانچ پڑتال بھی فن تحقیق کا ایک اہم باب ہے جس پر دستک دینے سے بیسیوں انکشافات اور سیکڑوں تسامحات کی نقاب کشائی ہوتی ہے۔ چنانچہ جب تفسیر ابن کثیر اردو ایڈیشن کی تحقیق وتخریج کے حوالے سے کام کا آغاز کیا گیا تو اس کے عربی نسخوں میں باہمی فرق کی بنا پر ہم نے یہ تجویز کیا کہ آج تک جن جن نسخوں پر تحقیقی کام ہوا ہے ان سے بھرپور استفادہ کیا جائے۔ ادارے نے ہماری ان تجاویز سے اتفاق کرتے ہوئے تفسیر سیکشن کا الگ سے اہتمام کیا جس میں کمپیوٹرائزڈ ریسرچ کے لیے مکتبہ تفسیر، مکتبہ حدیث، مکتبہ اصول فقہ، مکتبہ البانی اور دیگر بنیادی مراجع کی سی ڈیز مہیا فرمائیں جس سے حوالے کی تلاش اور اصل مراجع تک پہنچنے میں بے حد آسانی اور کام میں تیزی آ گئی۔ جزاھم اللہ أحسن الجزاء.

اس سلسلے میں تفسیر ابن کثیر کے متن کی مراجعت کے حوالے سے فضیلۃ الشیخ سامی بن محمد سلامہ ﷾، فضیلۃ الشیخ عبدالرزاق مہدی ﷾ اور فضیلۃ الشیخ محمد حسین شمس الدین ﷾ کے محقق نسخے، نیز حال ہی میں شائع ہونے والا محقق نسخہ (مطبوعہ، دار عالم الکتب/ المملکۃ العربیۃ السعودیۃ 1425ھ-2004م) جس میں پانچ محققین کی عرق ریزی شامل ہے، بھی ہمارے پیش نظر رہے۔ اس کے علاوہ فضیلۃ الشیخ مقبل بن ہادی ﵀ فضیلۃ الشیخ ابو اسحاق حوینی اثری ﷾ کے نامکمل نسخوں سے بھی کچھ نہ کچھ مدد لی گئی۔

تفسیر ابن کثیر کی اس نہج پر تحقیق کے لیے ہمارے شوق کو معلم انسانیت ﷺ کے اس فرمان نے مہمیز لگائی: [نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِیثًا، فَبَلَّغَہٗ کَمَا سَمِعَہٗ] ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے ہم سے کسی حدیث کو سنا، پھر اسے جوں کا توں (آگے) پہنچادیا۔'' (ابن حبان: 66) اور حفظِ حدیث اور حدیث کی نشر واشاعت کے شائقین کے لیے یہ گرانقدر اقدام ہے کہ متن حدیث کی مکمل تحقیق ہو اور ہو بھی محدثین کرام کی طرز پر کہ فلاں راوی سے یہ الفاظ موصول ہوئے اور فلاں راوی نے ان الفاظ سے حدیث رسول کو بیان کیا۔

ہمارے اس اقدام کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث کے سیاق وسباق کے مختلف ہونے یا سبب ورود کے بدل جانے سے حدیث کا مفہوم بدل جاتا ہے جیسا کہ دورانِ مطالعہ آپ کا گزران عقدہ کشائیوں سے ہوگا۔

اس طرزِ کار کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بسا اوقات تفسیر ابن کثیر میں کسی حدیث کا اختصار مفہوم میں باعثِ خلل محسوس ہوا اور بعض مقامات پر حدیث کو منسوب کرنے میں کچھ تسامحات معلوم ہوئے، غرضیکہ یہ ایک ایسا پنہاں پہلو تھا جس کی طرف توجہ کی اشد ضرورت تھی

مگراب تک چھپنے والے تفسیر ابن کثیر کے محقق نسخے بھی بجز معمولی سی تبدیلی کے اس سے خالی تھے۔

اس سلسلے میں علماء، کہنہ مشق محققین اور ماہرین کی مشاورت سے کام کے اسلوب کا مکمل جائزہ لیا گیا جس کی روشنی میں مندرجہ ذیل امور دوران تحقیق پیش نظر رکھے گئے:

- امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے جس روایت کو باسند بیان کیا ہے اس میں اور مرجع میں ذکر کردہ الفاظِ حدیث میں اگر معمولی اختلاف ہے جس سے مفہوم میں فرق نہیں پڑتا، اسے بغیر نشاندہی کے مرجع کے مطابق کر دیا گیا ہے اور جہاں تفسیر اور مرجع میں کوئی تعارض، تناقض یا مفہوم کی تبدیلی واقع ہوئی ہے وہاں نشاندہی کر دی گئی ہے کہ تفسیر میں یہ الفاظ اس طرح تھے اور مرجع میں اس طرح ہیں۔
- اگر تفسیر میں بیان کردہ مکمل حدیث مرجع کے مطابق ہے تو بہت خوب، بصورت دیگر جو حصہ جس کتاب میں جس صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کی مکمل وضاحت کی گئی ہے، خواہ اس طرح حدیث کے تین اجزا بن جائیں۔ اجزا کی علامت کے لیے یہ بریکٹ [ ] استعمال کی گئی ہے جبکہ کچھ مقامات پر کامے "، " اور واؤ "و" ہی کو علامت بنایا گیا ہے۔
- اور اگر ایک حصہ مختلف ہے یا کچھ الفاظ میں فرق ہے تو انھیں قوسین ( ) میں لکھ کر یہ وضاحت کی گئی ہے کہ قوسین والے الفاظ فلاں کتاب کے ہیں۔
- اگر اختصار کے پیش نظر امام موصوف رحمہ اللہ نے کچھ حصہ حذف کیا ہے تو وہاں ''......'' کا نشان ہے اور جہاں اختصار، روایت میں خلل کا باعث ہے وہاں حاشیے میں ''ملحوظہ'' لکھا گیا ہے۔
- تخریج میں مطوّلاً اور مختصراً دونوں اسلوبوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔
- اگر حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کا سیاق مختلف ہے تو اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔
- جن روایات کے متعلق یہ مذکور نہیں تھا کہ یہ روایت کس صحابی سے مروی ہے، تو تخریج میں ان کے نام کی صراحت کر دی گئی ہے۔
- تخریج میں واللفظ لہ یعنی ''یہ الفاظ فلاں کتاب کے ہیں'' کا اہتمام بھی کیا گیا ہے لیکن اگر الفاظ تخریج میں درج پہلے حوالے کے مطابق ہیں تو وہاں واللفظ لہ نہیں لکھا گیا کیونکہ اس حوالے کا پہلے نمبر پر آنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ الفاظ اس کتاب کے مطابق ہیں۔
- جن مقامات پر مفسر رحمہ اللہ نے احادیث بیان کرتے وقت، جوامع، مسانید اور کتب سنن وغیرہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہاں حتی المقدور تمام کتب کے حوالے درج کرنے کی سعی کی گئی ہے، اسی طرح اگر امام صاحب نے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے تو ان احادیث کی بھی مکمل تخریج کر دی گئی ہے۔
- اسی طرح اگر حدیث بیان کرنے میں کسی غیر معروف کتاب کا حوالہ دیا گیا تھا تو اس حدیث کی تخریج میں کسی معروف کتاب کا حوالہ دینے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔
- اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس ایڈیشن میں آیاتِ قرآنی، احادیث مبارکہ، اقوال صحابہ وائمہ حتی کہ فقہاء کی آراء اور اجتہادات کی تخریج بھی شامل ہے۔

تصحیح و تنقیح:

- المصباح المنیر فی تھذیب تفسیر ابن کثیر (عربی) جسے عالم اسلام کے مایۂ ناز اسکالر مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ

کی علمی رہنمائی میں دارالسلام الریاض کے شعبۂ تحقیق نے بڑی محنت سے تیار کیا تھا اور اسے علمی حلقوں میں بے حد پذیرائی نصیب ہوئی، اسی عربی نسخے کا اردو ایڈیشن تیار کرتے ہوئے مزید بعض ضعیف روایات کی تہذیب کا اہتمام کیا اور کچھ پر حکم ضعف لگا دیا گیا ہے۔ بعض روایات کے متعلق محققین کی آراء مختلف ہوتی ہیں، اس سلسلے میں ہم نے تساہل اور تشدد دونوں سے کنارہ کشی کی ہے۔ تخریج میں قارئین کو علامہ البانی رحمہ اللہ کے السلسلة الصحيحة، السلسلة الضعيفة اور إرواء الغليل وغیرہ کے حوالے بھی جا بجا ملیں گے۔ یہ حوالے بھی ہمارے اسی اسلوب کی تکمیل ہیں۔

- ''دیکھیے'' کا لفظ وہاں لکھا گیا ہے جہاں مزید کوئی فائدہ مقصود ہے۔
- بسا اوقات ہم نے شروحات کو مدنظر اور حدیث کے بہت سے طرق کو سامنے رکھتے ہوئے حدیث کا ترجمہ کیا ہے کیونکہ (اَلْحَدِيثُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا یعنی ایک حدیث دوسری حدیث کی وضاحت کرتی ہے۔) ممکن ہے قاری کے سامنے ایسی چیزیں بھی آئیں کہ اس نے ان کا مفہوم اس سے مختلف پڑھا، لکھا، سمجھا یا سنا ہو تو اس سلسلے میں ہمارا پیش کردہ مفہوم اس کے لیے باعث تشویش نہ بنے۔
- تخریج کے لیے ہم نے جن کتابوں کے مطبوعہ نسخوں سے مدد لی ہے ان کے نام پہلی جلد کے آخر میں درج کر دیے ہیں اور ہر طبع کے اس صفحہ نمبر کا اعتبار کیا ہے جو قدیم طبع کے مطابق ایک طرف درج ہوتا ہے۔
- وللہ الحمد...... اس تخریج میں بے شمار ملحوظات، ان گنت فوائد اور سیکڑوں تعلیقات شامل ہیں۔
- مفسر رحمہ اللہ نے جہاں یہ فرمایا ہے کہ اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے یا آگے آئے گی تو آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ یہ کس آیت کے ذیل میں کس عنوان کے تحت گزری ہے یا کہاں آئے گی۔
- اس تحقیقی نسخے میں اہم مقامات کے مستند اور رنگین توضیحی نقشے بھی دیے گئے ہیں جو رکن ادارہ محترم محسن فارانی حفظہ اللہ کی فنی کاوش کا مظہر ہیں۔
- تمام اسماء، مقامات اور انساب کا صحیح تلفظ بھی اس ایڈیشن کی خوبیوں کو دو چند کرتا ہے۔
- اسلوبِ تفسیر کو بہتر سے بہتر اور جدید بنانے کے لیے رنگوں (کلر سکیم) سے بھی مدد لی گئی ہے۔

ان تمام تحقیقی کاوشوں میں دارالسلام لاہور کے شعبۂ تصنیف وتالیف کے مدیر محترم حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی لحہ بہ لحہ رہنمائی وسرپرستی اور دیگر رفقائے ادارہ کی علمی معاونت حاصل رہی ہے۔ جزاهم الله أحسن الجزاء في الدنيا والآخرة.

ہماری اس حقیر سی کاوش میں جو بھی خوبی ہے وہ اللہ احکم الحاکمین کی طرف سے ہے اور جو خامی ہے وہ ہماری کوتاہی ہے۔ علمائے کرام، محققین اور قارئین سے التماس ہے کہ اس تحقیقی کاوش میں کوئی فروگزاشت یا سہو دیکھیں تو ہماری رہنمائی فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے! آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہماری اس سعی کو عامۃ المسلمین کے لیے سود مند بنائے۔

آمین، یارب العٰلمین!

شعبۂ تفسیر
ذیلی شعبۂ تحقیق وتصنیف وترجمہ
دارالسلام۔ لاہور

رجب 1427ھ / اگست 2006ء

سخنہائے مترجم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہِ الصَّادِقِ الأَمِینِ ، مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہِ وَصَحبِہٖ أَجمَعِینَ، وَمَن تَبِعَھُم بِإِحسَانٍ إِلٰی یَومِ الدِّینِ.

قرآن مجید اس اللہ رب ذوالجلال والاکرام، مالک الملک اور احکم الحاکمین کا کلام ہے کہ آسمان کے ستارے، سورج کی روشنی، چاند کی چمک، ستاروں کی جگمگاہٹ، زمین کی وسعت اور کائنات کا ذرہ ذرہ جس کی عظمت ورفعت اور کبریائی وجلالت کا گواہ ہے۔ اور کلام کا اندازہ متکلم کی عظمت وشان سے لگایا جاتا ہے، اس معیار اور پیمانے کے مطابق بھی یہ کلام پاک تمام مخلوقات کے کلام سے بلند و بالا اور ارفع واعلیٰ ہے۔ خود اسے نازل کرنے والے نے فرمایا ہے:

﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط﴾ (الحشر 59:21)

’’اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اس کو دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا (اور) پھٹا جاتا ہے۔‘‘

انسانی دل کی پہاڑوں کی قوت وطاقت کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم اور رحمت کے ساتھ اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر کا اس اَفشردۂ نور کے نازل کرنے کے لیے انتخاب فرمایا اور انھیں اس کے تحمل کی استعداد اور صلاحیت عطا فرما دی، پھر کائنات کے اس امام اور سب سے بڑے قاری نے جب اسے پڑھا تو زمین وآسمان وجد میں آ گئے، فرشتے دم بخود رہ گئے، جنوں کے لبوں پر سکوت کی مہریں لگ گئیں اور انسان جھک جھک پڑے ؎

دریا کا جوش رک گیا، طوفاں تھم گیا
جو تھا جہاں لرز کے اس جا پہ جم گیا

قرآن مجید کی عظمت واہمیت کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے جس میں قرآن مجید کے پڑھنے اور پڑھانے والے کو سب سے بہتر قرار دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [خَیرُکُم مَّن تَعَلَّمَ القُرآنَ وَعَلَّمَہٗ] ’’تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔‘‘①

قرآن مجید کے پڑھنے اور نہ پڑھنے والے میں جو فرق ہے، نبی اکرم ﷺ نے اسے ان مثالوں سے واضح فرمایا ہے:

[اَلمُؤمِنُ الَّذِی یَقرَأُ القُرآنَ وَیَعمَلُ بِہٖ کَالأُترُجَّۃِ، طَعمُھَا طَیِّبٌ وَّرِیحُھَا طَیِّبٌ، وَّالمُؤمِنُ الَّذِی لَایَقرَأُ القُرآنَ وَیَعمَلُ بِہٖ کَالتَّمرَۃِ طَعمُھَا طَیِّبٌ وَّلَا رِیحَ لَھَا، وَمَثَلُ المُنَافِقِ الَّذِی یَقرَأُ القُرآنَ

① صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب: خیرکم من ......، حدیث:5027.

كَالرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ، وَّطَعْمُهَا مُرٌّ، وَّمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَالْحَنْظَلَةِ، طَعْمُهَا مُرٌّ أَوْ خَبِيثٌ وَّرِيحُهَا مُرٌّ]

''وہ مومن جو قرآن پڑھتا اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے، نارنگی یا سنگترے کی طرح ہے کہ اس کا ذائقہ بھی لذیذ اور خوشبو بھی عمدہ ہے اور وہ مومن جو قرآن نہیں پڑھتا مگر اس کے مطابق عمل کرتا ہے، کھجور کی طرح ہے کہ اس کا ذائقہ اچھا ہے مگر اس میں خوشبو نہیں اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے، پھول کے مانند ہے کہ اس کی خوشبو عمدہ مگر ذائقہ کڑوا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا تُمّے کی طرح ہے کہ اس کا ذائقہ کڑوا یا ناپسندیدہ ہے اور اس کی خوشبو بھی کڑوی ہے۔''[1]

قرآن مجید کی فضیلت کے بارے میں بے شمار احادیث ہیں، اختصار کے پیش نظر ہم صرف ایک اور حدیث بیان کرنے پر اکتفا کریں گے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا، رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: [مَنْ نَّفَّسَ عَنْ مُّؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَّسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَّسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَّلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِّنْ بُيُوتِ اللّٰهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ، وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ] ''جو شخص کسی مومن کی دنیا کی پریشانیوں میں سے کسی پریشانی کو دور کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کے دن کی پریشانیوں میں سے کسی پریشانی کو دور فرما دے گا اور جس نے کسی تنگدست کے ساتھ آسانی کی تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانیاں فرمائے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب بندہ اپنے کسی بھائی کی مدد کرتا ہے۔ اور جو شخص طلب علم کے راستے پر چلا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی راہ کو آسان بنا دے گا۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر کتاب اللہ کی تلاوت کریں اور آپس میں اسے سیکھیں اور سکھائیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، انھیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے، انھیں فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) میں کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں۔ اور (یاد رہے) جس کو اس کا عمل پیچھے چھوڑ گیا، اس کو اس کا نسب آگے نہ لے جا سکے گا۔''[2]

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن مجید کی صرف فضیلت ہی بیان نہیں فرمائی بلکہ اس کی تفسیر و تشریح کی اور اس کا مفہوم بھی سمجھایا کیونکہ یہ آپ کے فرائض میں سے تھا۔ قرآن مجید کے چار مقامات پر آپ کے فرائض منصبی کے ضمن میں تعلیم کتاب و حکمت کو بھی بیان کیا گیا ہے،[3] علاوہ ازیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (النحل 44:16) ''اور ہم نے آپ پر (یہ) کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل کیے گئے ہیں، ان کی تشریح آپ ان کے سامنے بیان کریں اور تاکہ وہ غور کریں۔''

---

[1] صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب إثم من راءى بقراءة القرآن......، حدیث:5059. [2] صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن......، حدیث:2699. [3] البقرة 151,129:2 وآل عمران 164:3 والجمعة 2:62.

رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت درحقیقت قرآن مجید ہی کے اجمال کی تفصیل، اطلاق کی تقیید، عموم کی تخصیص اور احکام ومسائل کی تشریح ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ حدیث وسنت نبوی قرآن مجید کے متن کی تفسیر ہے کیونکہ آپ کا ہر ارشاد اور ہر عمل قرآن مجید کی تفسیر وتشریح ہی تھا، علاوہ ازیں اگر آپ کسی آیت کے بارے میں ضرورت محسوس فرماتے تو اس کا مفہوم واضح فرما دیتے یا کسی کو کسی آیت کریمہ کے سمجھنے میں کوئی اشکال پیش آتا تو وہ آپ کی طرف رجوع کر کے اپنی تشفی کر لیتا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تفسیر کرنا سنت ہے، آپ سے ثابت ہے اور آپ نے اس کے بارے میں حکم بھی دیا ہے الغرض! تفسیر کا علم نہایت مقدس ومبارک بھی ہے اور انتہائی احتیاط کا متقاضی بھی، کیونکہ اس کا موضوع کتاب اللہ ہے اور اس سے مقصود ومطلوب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کا صحیح علم حاصل کر کے اس کی اطاعت بجالائے تاکہ دنیا وآخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں سے سرفراز ہو سکے۔

مسلمانوں کی علمی ترقی کا پہلا کارنامہ قرآن مجید کی تفسیر ہی کی صورت میں سامنے آیا اور انھوں نے اس کے الفاظ واحکام اور ان سے مسائل کے استنباط واستخراج میں اپنی عمروں کو کھپا دیا۔ انھوں نے تفسیر قرآن سے متعلق ہر شعبے میں ایسے وسیع اور قیمتی ذخائر چھوڑے ہیں کہ سابقہ ادیان ومذاہب کے لوگوں کے ہاں اپنی مذہبی کتب کے حوالے سے ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اور عہد صحابہ سے اب تک یہ سلسلہ جاری وساری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

صحابۂ کرام کی تفسیری خدمات: حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے خصوصاً خلفائے راشدین کا تفسیر قرآن میں مقام بہت بلند تھا۔ اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی تفسیر سے خصوصی شغف تھا۔ امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ نے ان کی روایت کا ذکر کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں: اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! کتاب اللہ میں نازل ہونے والی ہر ہر سورت کے بارے میں، میں یہ جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی؟ اور کتاب اللہ کی ہر ایک نازل شدہ آیت کے متعلق میں جانتا ہوں کہ یہ کن کن کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ اور اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ کسی کو کتاب اللہ کا مجھ سے زیادہ علم ہے تو میں اس کی خدمت میں حاضر ہونے میں قطعاً دریغ نہ کروں گا، خواہ کتنا طویل سفر کر کے جانا پڑے۔''[1]

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تفسیر کے باب میں ایک بہت اونچا نام حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے برادر عم زاد تھے اور آپ کی دعا کی برکت سے ترجمان القرآن کے منصب پر فائز تھے، آپ نے ان کے لیے دعائیں فرمائیں: [اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ] ''اے اللہ! انھیں کتاب کا علم عطا فرما۔''[2] [اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ] ''اے اللہ! انھیں دین میں فقاہت نصیب فرما۔''[3] [اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ] ''اے اللہ! انھیں حکمت ودانش سکھا۔''[4]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تفسیر میں آپ کے مقام ومرتبے کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ ابن عباس قرآن مجید کے بہترین مفسر ہیں۔[5]

① صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب القراء من أصحاب رسول الله ﷺ، حديث:5002 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن مسعود وأمه رضي الله عنهما، حديث:2463. ② صحيح البخاري، العلم، باب قول النبي ﷺ......، حديث:75.
③ صحيح البخاري، الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء، حديث:143. وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل عبدالله بن عباس رضي الله عنهما، حديث:2477. ④ صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب ذكر ابن عباس رضي الله عنهما، حديث:3756.
⑤ تفسير الطبري:61/1 والمصنف لابن أبي شيبة:386/6، حديث:32210.

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے قرآن مجید کی جو تفسیریں منقول ہیں اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتابی صورت میں بھی لکھی گئی تھیں، ان میں سے تفسیر ابن عباس اور تفسیر ابی بن کعب رضی اللہ عنہم اب تک موجود ہیں، یہ زیادہ تر مفرد اور غریب الفاظ کی تشریح، آیات احکام سے متعلق احادیث یا بعض آیات کی فقہی نقطۂ نظر سے تفسیر و تشریح پر مشتمل ہیں۔

تابعین اور تفسیر: تابعین میں سے امام مجاہد بن جَبْر تفسیر میں بہت اونچے مقام پر فائز تھے، وہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ابتدا سے آخر تک مکمل قرآن مجید تین بار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح پڑھا کہ ان سے ایک ایک آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے سوال کا جب جواب دیتے تو فرماتے کہ اسے لکھ لو۔[1] ابن ابومُلیکہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے مجاہد کے پاس اس وقت وہ دستاویزات بھی دیکھیں جن پر وہ لکھا کرتے تھے۔[2] مجاہد کے علاوہ سعید بن جبیر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، عطا بن ابورباح، حسن بصری، مسروق بن اجدع، سعید بن مسیّب، ابوالعالیہ، ربیع بن انس، قتادہ، ضحاک بن مُزاحم کے علاوہ اور بھی بہت سے تابعین نے تفسیری خدمات انجام دیں۔ تفسیر کے باب میں ان کا اسلوب بھی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جیسا ہی تھا، البتہ اپنے زمانے کے بدلتے ہوئے حالات میں پیش آنے والے نئے مسائل کے حل کی خاطر انھوں نے خود اپنی علمی بصیرت سے کام لے کر بھی تفسیر و تشریح کی۔

تبع تابعین اور تفسیر: تبع تابعین رحمہم اللہ کے دور میں کتب تفسیر کی باقاعدہ تالیف کا آغاز ہو گیا تھا اور اس دور کی کتب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی تفاسیر اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے اقوال کو جمع کیا گیا جیسا کہ ابو عمرو بن علاء، شعبہ بن حجاج، سفیان ثوری، امام مالک، یونس بن حبیب اور وکیع بن جراح رحمہم اللہ کی کتب تفسیر میں یہی اسلوب اختیار کیا گیا تھا، گویا یہ تفسیر بالماثور اسلوب کی پہلی کوشش تھی۔

تیسری صدی: اسی طرح تیسری صدی ہجری میں ابوعبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ (223ھ) نے لغوی اور عقلی زاویہ نظر سے، علی بن حسن بن فضال رحمہ اللہ (224ھ) نے شیعی نقطۂ نظر سے، ابوسہل بن عبداللہ تُستَری رحمہ اللہ (283ھ) نے متصوفانہ اسلوب سے کتب تفسیر لکھیں۔ علاوہ ازیں بقی بن مَخْلَد قرطبی رحمہ اللہ (276ھ) کا بھی اسی دور سے تعلق ہے اور امام ابن حزم نے ان کی تفسیر کو بے نظیر تفسیر قرار دیا ہے۔

چوتھی صدی: چوتھی صدی ہجری میں ابوعلی جبائی (303ھ) نے معتزلی نقطۂ نظر سے، ابوالحسن اشعری (324ھ) نے اشعری، ابومنصور (333ھ) نے ماتریدی زاویۂ نگاہ سے تفسیریں لکھیں جبکہ اس دور کی جس تفسیر کو شہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہوا ہے، وہ امام المفسرین ابن جریر طبری رحمہ اللہ (224-310ھ) کی تفسیر جامع البیان ہے جو "تفسیر طبری" کے نام سے معروف ہے اور تفسیر بالماثور کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔

پانچویں صدی: پانچویں صدی ہجری میں علامہ ابن فُورک رحمہ اللہ (406ھ) نے کلامی انداز سے معانی القرآن، ابوعبدالرحمٰن سُلمی (412ھ) نے صوفیانہ اسلوب سے حقائق التفسیر، ابواسحاق احمد بن محمد ثَعلَبی رحمہ اللہ (427ھ) نے لغوی و فقہی طریقے سے الکشف

---

[1] المعجم الكبير للطبراني:77/11، حديث: 11097 والمصنف لابن أبي شيبة، فضائل القرآن، في درس القرآن وعرضه:153/6، حديث:30278. [2] تفسير الطبري:62/1.

والبیان فی تفسیر القرآن اور ابوجعفر طُوسی (460ھ) نے شیعی نقطۂ نظر سے البیان فی تفسیر القرآن کے نام سے کتب تفسیر لکھیں، ان میں سے مؤخر الذکر کتاب خاصی ضخیم ہے اور بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔

چھٹی صدی: چھٹی صدی ہجری میں جو کتب تفسیر منظر عام پر آئیں، ان میں سے امام بَغوی رحمہ اللہ (516ھ) کی معالم التنزیل بطور خاص قابل ذکر ہے جو تفسیر بالماثور کے اصول کے تحت لکھی گئی اور جس میں فقہی واحکامی چاشنی بھی موجود ہے۔ علامہ زَمَخشَری (528ھ) کی مشہور تفسیر الکشاف بھی اسی دور کی یادگار ہے جس میں لغت، بلاغت اور علم کلام کے مسائل پر خصوصی توجہ مبذول کی گئی ہے جبکہ عقائد میں معتزلی رنگ غالب ہے۔ علامہ طَبرِسی (528ھ) نے بھی اسی دور میں شیعی نقطۂ نظر سے مجمع البیان اور جوامع الجامع کے نام سے تفسیر کی دو کتابیں لکھیں۔

ساتویں صدی: ساتویں صدی ہجری میں لکھی جانے والی کتب تفسیر میں سے امام رازی رحمہ اللہ (606ھ) کی مفاتیح الغیب جو تفسیر کبیر کے نام سے معروف ہے، امام ابوعبداللہ القرطبی المالکی رحمہ اللہ (671ھ) کی الجامع لأحکام القرآن جو تفسیر قرطبی کے نام سے مشہور ہے اور قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (682ھ) کی أنوار التنزیل وأسرار التأویل جس نے تفسیر بیضاوی کے نام سے شہرت پائی، بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔

آٹھویں صدی: آٹھویں صدی ہجری کی کتب تفسیر میں اگرچہ حافظ عبداللہ بن احمد نَسَفی رحمہ اللہ (701ھ) کی مدارك التنزیل اور دیگر کئی مفسرین کی کتب خاص مشہور ہیں لیکن اس میدان میں جو شہسوار سب پر سبقت لے گیا وہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (774ھ) ہیں جن کی تفسیر القرآن العظیم کو، جو تفسیر ابن کثیر کے نام سے متداول ہے، وہ شہرت عام اور بقائے دوام نصیب ہوا جو کسی اور کتاب کے حصے میں نہ آسکا۔ سطور بالا اسی جلیل القدر مفسر کی عظیم تفسیر کے تعارف کی تمہید کے طور پر لکھی گئی ہیں۔

تفسیر القرآن العظیم معروف بہ تفسیر ابن کثیر: آپ کی کتب میں سے سب سے زیادہ مشہور اور متداول تفسیر القرآن العظیم ہے جو تفسیر ابن کثیر کے نام سے معروف ہے۔ اس تفسیر کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کو پیش نظر رکھا گیا ہے، نیز احادیث نبویہ، آثار صحابہ وتابعین اور اقوال سلف کی روشنی میں تفسیر کو بیان کیا گیا ہے۔ امام ابن کثیر احادیث کو اسانید کے ساتھ ذکر کرتے، ان کی تخریج کرتے اور جرح وتعدیل کے اعتبار سے بھی ان پر بحث فرماتے ہیں، نیز آپ تفسیر، علوم القرآن، حدیث اور اس کے اصول ورجال اور تاریخ، فقہ اور کلام کی جن کتب مصادر وماخذ سے استفادہ کرتے ہیں، ان کا باقاعدہ ذکر کرتے ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں جس منہج اور اسلوب کو اختیار کیا اور اسے خود کتاب کے مقدمے میں ذکر فرمایا ہے جیسا کہ قارئین کرام آگے ملاحظہ فرمائیں گے، اسی نمایاں اسلوب کی وجہ سے اس کتاب کو وہ قبولیت وپذیرائی حاصل ہوئی جو کتب تفسیر میں کسی اور کتاب کے حصے میں نہ آسکی۔ جلیل القدر علماء، محدثین اور محققین نے اس کتاب کی بے حد تعریف فرمائی ہے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے لیے یہ بات بے حد باعث فخر ہے کہ بقول علامہ بُستانی رحمہ اللہ آپ کے استاد گرامی منزلت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اس کتاب کی تعریف کی ہے۔① آپ کے دوسرے شیخ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے آپ کا ذکر ''مفسر نقاد'' کے نام سے کیا ہے۔② اور علامہ سیوطی نے آپ کی اس کتاب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: اس اسلوب میں اور کوئی کتاب ایسی نہیں لکھی گئی۔③

① دائرة المعارف: 477/3. ② ذیل الحسینی :58 (بحوالہ المعجم المختص للذہبی رحمہ اللہ). ③ ذیل السیوطی :361.

امام شوکانی رحمہ اللہ نے اسے احسنِ تفاسیر میں سے شمار کیا ہے۔ ① ابن فہد نے کتبِ تفسیر بالروایہ میں سے اسے سب سے مفید قرار دیا ہے۔ ②

شیخ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ نے حواشی وتعلیقات کے لیے اس کتاب کے انتخاب کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہم نے جس قدر کتبِ تفسیر دیکھی ہیں، امام المفسرین ابوجعفر طبری کی تفسیر کے بعد سب سے اچھی عمدہ اور بہتر تفسیر ہے بلکہ ان دونوں کے ساتھ کسی اور دوسری تفسیر کا مقابلہ ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہم نے کوئی دوسری تفسیر ایسی نہیں دیکھی جو ان جیسی ہو، انھوں نے حدیث کے طلبہ کے لیے بھی اس کتاب کو مُعَلِّم و مُرْشِدُ قرار دیا ہے کیونکہ اس کتاب کے مطالعے سے حدیث کے طلبہ کو بھی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اسانید ومتون پر کس طرح نقد کیا جاتا ہے اور صحیح وغیر صحیح میں کس طرح تمیز کی جاتی ہے؟ گویا تعلیمی اعتبار سے بھی یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے جس کی افادیت بے حد زیادہ ہے۔ ③ ڈاکٹر صلاح الدین المُنَجِّد نے بھی اسے احسن تفاسیر میں سے قرار دیا ہے۔ ④ اور شیخ احمد شرباصی نے لکھا ہے کہ آپ کی یہ خوب صورت تفسیر آپ کے علم اور سنت کے بارے میں معلومات کی وسعت کی دلیل ہے۔ ⑤

جیسا کہ ہم نے قبل ازیں ذکر کیا ہے کہ اس کتاب کو بہت زیادہ قبولیت عامہ کا شرف حاصل ہوا، بہت سے اہلِ علم نے اسے اپنے ہاتھ سے لکھنے کی سعادت حاصل کی جیسا کہ دنیا بھر کی لائبریریوں میں موجود اس کتاب کے بہت زیادہ مخطوطات سے معلوم ہوتا ہے۔ بعض مؤلفین نے اس کا اختصار کیا، مثلاً: شمس الدین محمد بن علی البَعْلی المعروف بابن الیونانیہ (707-793ھ) نے چار جلدوں میں اس کا اختصار کیا جو اصل کتاب کے حجم سے نصف کے برابر ہے، پھر عفیف الدین ابن مسعود الکازرونی نے البدر المنیر کے نام سے اس کا اختصار کیا۔

اسی طرح شیخ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ (1958ء) نے ازہر کے مخطوطے اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے مصادر ومراجع کو سامنے رکھ کر عمدۃ التفسیر عن الحافظ ابن کثیر کے نام سے اس کی تلخیص کی۔ اس تلخیص کے بعد شیخ شاکر کا یہ بھی ارادہ تھا کہ اصل کتاب کو بھی محقق، مہذب، منقح اور مصحح کر کے بہترین علمی اسلوب میں زیورِ طبع سے آراستہ کریں مگر پیمانۂ عمر لبریز ہو جانے کے باعث وہ اپنے اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکے بلکہ عمدۃ التفسیر (تلخیص) کی بھی تکمیل نہ کر سکے۔

اسی طرح ڈاکٹر محمد ابراہیم البنّا، محمد احمد عاشور اور عبدالعزیز غنیم کی تحقیق کے ساتھ اس کتاب کا ایک محقق ایڈیشن دار القہرمان للنشر والتوزیع استنبول سے 1984ء میں طبع ہوا۔ ان کے علاوہ اور بھی تلخیصات ہیں جو شائع شدہ ہیں۔

المصباح المنیر فی تہذیب تفسیر ابن کثیر: اب کتاب وسنت کی اشاعت کے عالمی ادارے دار السلام نے بھی اس عظیم کتاب کی طباعت واشاعت کا خصوصی اہتمام کیا ہے کہ پہلے تو تصحیح وتنقیح اور شیخ عبدالقادر الارناؤوط کے مقدمے کے ساتھ 1999ء میں اسے چار جلدوں میں طبع کیا، پھر اس کا ایک بہت خوبصورت ایڈیشن ایک جلد میں طبع کرایا، نیز اس کے انگریزی زبان میں ترجمے کو بھی شائع کیا لیکن اس کتاب کے حوالے سے دار السلام کا قابلِ فخر کارنامہ یہ ہے کہ اس نے علماء ومحققین کی ایک جماعت سے اس طرح تلخیص کروائی کہ اصل بات میں کوئی خلل نہ آئے اور اس تلخیص کے لیے دار السلام ہی کے مطبوعہ اس نسخے کو پیشِ نظر رکھا گیا جو

① البدر الطالع:153/1. ② حاشیہ ذیل الحسینی:59,58. ③ عمدۃ التفسیر:6/1. ④ الامام ابن کثیر رحمہ اللہ، ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خان ندوی، ص:97. ⑤ حوالۂ مذکور.

دار إحياء الكتب العربية عيسى البابي الحَلَبِي کے مطبوعہ نسخے کے مطابق تصحیح کے بعد طبع کیا گیا تھا۔ اور جس کی طرف قبل ازیں اشارہ کیا جا چکا ہے، نیز دیگر پانچ مطبوعہ نسخوں کے ساتھ بھی تقابل کیا گیا تھا۔ بہر حال اس میں تلخیصِ مباحث کے ساتھ اس بات کا بھی اہتمام کیا گیا کہ ضعیف روایات کو حذف کر دیا گیا اور صرف صحیح یا حسن روایات کے باقی رکھنے پر اکتفا کیا گیا اور ان کی تخریج کر دی گئی، نیز کتب رجال کی طرف مراجعت کر کے اسماء الرجال کی غلطیوں کی اصلاح کر دی گئی، پھر اس سارے کام پر فضیلۃ الشیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری نے نظر ثانی فرمائی اور اسے المصباح المنير في تهذيب تفسير ابن كثير کے نام سے موسوم کر کے دارالسلام نے اپنی جلیل وجمیل روایت کے مطابق بہت حسین انداز میں زیورِ طبع سے آراستہ کرایا، اللہ تعالیٰ نے اسے شرف قبولیت سے سرفراز فرمایا اور اس کے کئی ایڈیشن بہت قلیل عرصے میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں یہ اسی کتاب المصباح المنير في تهذيب تفسير ابن كثير کا ترجمہ ہے۔

راقم الحروف اور دارالسلام کے شعبۂ تحقیق وتصنیف وترجمہ سے وابستہ وہ تمام خدام ومتوسلین جنھوں نے اس کتاب کی تیاری اور طباعت میں کسی طرح بھی حصہ لیا، ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خاطر کتاب اللہ کی یہ ادنیٰ سی خدمت ہے تاکہ بندگانِ الٰہی کے لیے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق کتاب اللہ کے فہم کو زیادہ سے زیادہ آسان بنایا جا سکے اور ہم اسے سمجھ کر اور اس پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت کی سعادتوں اور کامرانیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ سکیں۔

ہماری تاریخ کا یہ بھی ایک بڑا المیہ ہے کہ بار بار ہم پر ایسے دور گزر رہے ہیں کہ پوری انسانیت کو جادۂ راستی وعدل دکھانے والے ہم حاملینِ قرآن اور مشعل بردارانِ حق خود طرح طرح کے اندھیروں میں بھٹک جاتے رہے ہیں، دنیا بھر سے پسند کر کے سمیٹے ہوئے اندھیرے، نورِ ہدایت کو بیچ کر خریدے ہوئے اندھیرے اور خود ایجاد کردہ اندھیرے...... ایسے ہر دور میں ہمیں ٹامک ٹوئیاں مارتے دیکھ کر قرآن ہمیں پکارتا رہا: ﴿ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴾ (التكوير 26:81) ”پھر مجھے چھوڑ کر کدھر جا رہے ہو؟“

آج پھر ہم ایک ایسے ہی دور سے گزر رہے ہیں جو ﴿ ظُلُمَٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ﴾ (النور 40:24) ”اندھیرے ہی اندھیرے ہیں ایک پر ایک چھایا ہوا۔“ کا منظر پیش کر رہا ہے اور جدید مادہ پرستانہ باطل فلسفوں کے اندھیرے میں اتفاقاً جدھر کہیں ذاتی مفادات کا کوئی ادنیٰ سا اُڑتا ہوا ذرّہ کسی جگنوں کی طرح چمک دکھاتا ہے، ہم اندھا دھند اُدھر لپک جاتے ہیں مگر اچانک وہ لمحہ بھر کی چمک غائب ہو جاتی ہے اور ہم پھر اندھیروں کے سمندر میں ڈوب جاتے ہیں۔

کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنی اس غلط روش کا احساس کریں؟ ہم اپنے آپ کو ازسرِ نو پہچان کر فخر ومسرت سے یہ شعور تازہ کریں کہ ہم مسلمان ہیں؟ ہم قرآن کے نور سے دنیا میں کرن کرن اجالا کر دینے کے لیے برپا کیے گئے ہیں؟ ﴿ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ ﴾ (المآئدة 15:5) ”تمھارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب آ چکی ہے۔“ کا پیغام پہنچانے کے لیے مأمور کیے گئے ہیں، ہم دوسروں کے پیچھے بھٹکنے کے لیے نہیں بلکہ دنیا کی قیادت کے لیے بھیجے گئے ہیں۔

اگر ہماری سوئی ہوئی غیرت جاگ اٹھے، ہماری حمیّت حرکت میں آ جائے اور قرآن سے ہمارا رشتۂ وفا استوار ہو جائے تو تہذیبوں کے تصادم کے اس دور میں قرآن ہماری تلوار بھی ہے اور ہماری ڈھال بھی، قرآن کے حقائق کو اسلحہ بنا کر اگر ہم عصرِ حاضر کے فرعونوں اور طاغوتی طاقتوں کے خلاف صف آرا ہو جائیں تو ہماری تقدیر بدل سکتی ہے۔ اور ان سب باتوں سے پہلے یہ از بس

ضروری ہے کہ ہم قرآن مجید کو پڑھیں، اس کے معانی ومطالب کو سمجھیں اور اس کی پاکیزہ تعلیمات کے مطابق عمل کریں۔

فہم قرآن کو آسان بنانے کے لیے اس کتاب کو قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔ دارالسلام کی طرف سے اس عظیم کتاب کو اُردو کے قالب میں منتقل کرنے کا کام جب راقم کے سپرد کیا گیا تو اپنی کم مائیگی کے باعث مجھے تردّد تھا کہ میں اس ''تفسیر عظیم'' کے ترجمے کی ذمہ داری کے اہم فرض سے عہدہ برآ ہوسکوں گا کہ نہیں؟ مگر یہ محض اللہ رب ذوالجلال والاکرام کا فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنے اس بے حد عاجز وناتواں بندے کو اس کی توفیق عطا فرمائی، اگر اس میں کچھ کامیابی ہے تو یہ محض اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت سے ہے اور اس توفیقِ ربانی پر میرے جسم کا ہر ہر بُنِ مو اپنے رب تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہے اور اگر اس میں کسی جگہ کوئی لغزش وخطا سرزد ہوئی ہو تو یہ میرے قصورِ فہم کا نتیجہ ہے اور میں اس کے لیے اپنے رب تعالیٰ سے عفو ودرگزر کا خواستگار ہوں۔

آخر میں ایک بار پھر میں اپنے رحمان ورحیم آقا ومولیٰ کا اس توفیق عطا فرمانے پر بے حد وحساب شکر ادا کرتا ہوں اور اسی کے حضور دست بدعا ہوں کہ وہ اس ادنیٰ سی کوشش کو محض اپنی رضا کی خاطر شرفِ قبولیت سے سرفراز فرمائے اور مجھے، میرے والدین، اہل وعیال، اعزہ واقارب اور اساتذہ کو دنیا وآخرت کی حسنات وبرکات سے سرفراز فرمائے، اہلیہ اور عزیزم سفیان خالد کو بہترین جزا عطا فرمائے کہ انھوں نے اس کام کے دوران میں مجھے ہر طرح کی سہولت بہم پہنچائی اور میرے راحت وآرام کا پورا پورا خیال رکھا۔

میں دارالسلام کے مدیر مولانا عبدالمالک مجاہد ﷾، دارالسلام پاکستان کے مدیر حافظ عبدالعظیم اسد ﷾ اور دارالسلام سے وابستہ جملہ حضرات کے لیے بھی دعاگو ہوں کہ انھوں نے جس طرح کتاب وسنت کے گلہائے رنگارنگ کا یہ چمن زار سجا رکھا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کی کوششوں کا بہترین صلہ عطا فرمائے اور انھیں فردوس بریں کے جنات نعیم سے شادکام فرمائے۔

اے مالک الملک! اے ذوالجلال والاکرام! اپنے ان عاجز وناتواں بندوں کی طرف سے اس ادنیٰ سی محنت کو محض اپنے فضل وکرم سے شرفِ قبولیت سے سرفراز فرما اور اپنے اس قرآن عظیم کو دنیا میں ہمارے لیے راہنما، قبر میں رفیق اور حشر میں ہمارے لیے دلیل وبرہان بنا اور ہم سب کو صاحب قرآن سید الاوّلین وسید الآخرین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔

آمِينَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِينَ.

محمد خالد سیف
اسلام آباد
21 شوال 1426ھ
24 نومبر 2005ء

ابتدائیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى أَشْرَفِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ النَّبِيِّينَ الَّذِي أَرْسَلَهُ اللّٰهُ مُبَيِّنًا لِّكِتَابِهِ الْحَكِيمِ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّينِ، أَمَّا بَعْدُ:

قرآن مجید کے مطالعے اور اس سے استفادے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ یہ کیا ہے؟ یعنی قرآن مجید کا تعارف بزبان قرآن حاصل کیا جائے۔ اس کے بعد یہ معلوم کیا جائے کہ اس کا منبع اور سرچشمہ کیا ہے، یعنی یہ کہاں سے آیا ہے اور اسے کس نے نازل فرمایا ہے؟ پھر یہ معلوم کیا جائے کہ یہ کیوں آیا ہے، یعنی اس کا مقصد نزول اور اس کی آمد کی غرض وغایت کیا ہے؟ تعارف ہی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ یہ انسانوں تک براہِ راست اور بلاواسطہ پہنچا ہے یا کسی کے ذریعے سے پہنچا ہے؟ اگر بالواسطہ پہنچا ہے تو اس واسطے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ جب تک ان باتوں اور قرآن کریم کا بنیادی تعارف حاصل نہیں ہوتا، اس سے صحیح استفادے اور اس کے اثرات، برکات اور ثمرات سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل جوہری خصوصیات ہی اس کا تعارف ہیں:

قرآن ایک یقینی، قطعی اور غیر مشتبہ کتاب ہے: قرآن کی سب سے اہم اور اساسی خصوصیت اور امتیاز اس کا یقینی اور غیر مشتبہ ہونا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۖ فِيْهِ ۚ﴾ (البقرۃ 2:2) ''یہ کامل کتاب ہے اس میں کسی شک وشبہے کی (مطلق) گنجائش نہیں۔'' دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (یونس 10:37) ''یہ (قوانین واحکام) کی تفصیل وبیان ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں (کیونکہ یہ) جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔'' نیز فرمایا: ﴿وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝﴾ (حٰم السجدۃ 41:41، 42) ''یہ نہایت وقیع کتاب ہے جس میں غیر واقعی بات نہ اس کے آگے سے آسکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے، حکیم، ستودہ صفات کی طرف سے اتاری گئی ہے۔'' ایک اور جگہ فرمایا: ﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝﴾ (ھود 11:1) ''(یہ) ایک عظیم کتاب ہے جس کی آیات مضبوط کی گئی ہیں، پھر ان کی تفصیل حکیم باخبر ذات کی طرف سے کی گئی ہے۔''

قرآن محکم اور مفصل ہے: اس میں دین کے اصول اور کلیات بیان کیے گئے ہیں اور وہ علم جو انسان کی دنیوی اور اخروی کامیابی وکامرانی کے لیے ضروری ہے وہ نہایت واضح اور مفصل طریقے سے صاف صاف بیان کیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ﴾ (الأنعام 6:114) ''کیا پھر میں اللہ کے سوا کوئی (اور) حکم چاہوں، حالانکہ اس نے تمھاری طرف مفصل کتاب اتاری ہے؟'' ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰي عِلْمٍ﴾ (الأعراف 7:52) ''ہم نے ان کے پاس ایسی کتاب پہنچا دی ہے جس کو ہم نے اپنے علم سے کھول کھول کر بیان کیا ہے۔'' نیز فرمایا: ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ

الْحَكِيْمِ۝ ﴾ (لقمٰن 31:2) ”یہ ایک محکم کتاب کی آیات ہیں۔“

قرآن حق و باطل کی امتیازی کسوٹی ہے: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا۝ ﴾ (الفرقان 25:1) ”بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر امتیاز کرنے والی کتاب اتاری ہے تاکہ وہ جہان والوں کو آگاہ کردے۔“ قرآن مجید میں ایمان و کفر، ہدایت و ضلالت، حق و باطل، جائز و ناجائز، صحیح و غلط، حلال و حرام، یقین و ظن، توحید اور شرک میں قیامت تک کے لیے ایسا فاصلہ اور امتیاز قائم کردیا گیا ہے کہ اس سلسلے میں کسی قسم کا کوئی ادنیٰ سا احتمال اور کمزور سے کمزور سا اشتباہ بھی باقی نہیں چھوڑا۔ ”تاکہ جسے ہلاک و تباہ ہونا ہے، وہ اتمام حجت کے بعد تباہ و برباد ہو اور زندہ رہنے والا اتمامِ حُجت کے بعد زندہ رہے۔“ (الأنفال 8:42)

قرآن سابقہ کتابوں کا مصدق اور نگران ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ﴾ (المآئدة 5:48) ”اور ہم نے آپ کی طرف بامقصد کتاب اتاری ہے جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والی اور ان کے مضامین کی نگران و نگہبان ہے۔“

قرآن نگران و نگہبان اس لیے ہے کہ (ا) دین کے اصول و کلیات تمام کتب سماوی اور آسمانی تعلیمات میں یکساں اور مشترک ہیں، چنانچہ فرمایا: ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ﴾ (الشورٰی 42:13) ”تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے اور جس کی تاکید ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو کی تھی، یہ کہ تم دین کو قائم کرو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو۔“ نیز فرمایا: ﴿ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ (الأنبيآء 21:92) ”بے شک تمھارا یہ طریقہ، ایک ہی طریقہ ہے۔“ یعنی تمھاری یہ امت ایک ہی امت ہے۔

(ب) قرآن سے پہلی کتب اور صحیفے اپنے اپنے وقت کے لیے تھے اور اس کا ایک حصہ تھے، چنانچہ فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ (آل عمران 3:23) ”کیا آپ نے ان لوگوں کے حال پر غور نہیں فرمایا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا تھا، انھیں اللہ کی (پوری) کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے۔“ چنانچہ یہ صحیفے ایک خاص وقت تک محفوظ رہے مگر بعد میں محفوظ نہ رہ سکے اور تحریف و تغیر کا شکار ہو گئے۔

(ج) قرآن دائمی صحیفہ اور آخری کتاب ہے، اس میں دین کے تمام اصول و ضوابط کامل شکل میں پوری طرح آ گئے ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (المآئدة 5:3) ”آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارا دستورِ زندگی مکمل کر دیا اور اپنی نعمت (شریعت) تم پر پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بطور ضابطۂ حیات پسند کر لیا۔“

اسی لیے اللہ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود لی ہے، ارشاد باری ہے: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝ ﴾ (الحجر 15:9) ”بے شک (یہ) ذکر (قرآن) ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

قرآن مجید وہ آئینہ ہے جس میں مختلف عقائد، افکار و خیالات، متفرق اخلاق و اعمال اور سیرت و کردار کے لوگ اپنا اپنا چہرہ

دیکھ سکتے ہیں اور اس کسوٹی اور میزان پر اپنی جانچ پڑتال کر سکتے ہیں۔ اس میں کہیں اشارتاً کہیں صراحتاً، کہیں پچھلے اشخاص اور گزشتہ قوموں کے حالات کے پیرائے میں اور کہیں براہ راست قرآن کے مخاطب افراد کا تذکرہ موجود ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (الأنبيآء 21:10) ''بلاشبہ ہم نے تمھاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے جس میں تمھارا ہی تذکرہ ہے تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟''

امام ابوعبداللہ محمد بن نصر مروزی (202-294ھ) نے اپنی کتاب ''قیام اللیل'' میں جلیل القدر تابعی اور حلم و بردباری میں ضرب المثل سردار احنف بن قیس کا ایک عبرت انگیز اور سبق آموز واقعہ بیان کیا ہے جس سے اس آیت کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور سلف کے زاویۂ نگاہ اور تدبرِ قرآن کے اسلوب پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت احنف بن قیس ایک جگہ تشریف فرما تھے کہ انھیں یہ آیت سُنائی دی: ﴿ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ (الأنبيآء 21:10) یہ آیت سن کر وہ چونک پڑے اور فرمایا: ذرا قرآن مجید لاؤ، میں اس میں اپنا تذکرہ تلاش کروں اور دیکھوں کہ میں کس درجے میں ہوں، کن لوگوں کے ساتھ ہوں اور میری کن سے مماثلت یا مشابہت ہے؟ قرآن مجید میں کچھ لوگوں کا تذکرہ ان الفاظ میں آیا ہے: ﴿ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:64) ''وہ (لوگ جو) اپنے رب کے حضور سجدے اور قیام کر کے رات گزارتے ہیں۔''

پھر انھوں نے قرآن میں ان لوگوں کا تذکرہ پڑھا جو راتوں کو اپنے بستروں سے الگ ہو کر اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں۔ اور وہ لوگ بھی سامنے آئے جو راتوں کو تھوڑا سا سوتے ہیں اور سحری تک اپنے اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں، اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینے والوں اور کبیرہ گناہوں، فواحش و منکرات سے بچنے والوں کا تذکرہ پڑھ کر کہنے لگے: ''میرا تو ان لوگوں میں شمار نہیں ہے۔'' پھر ورق گردانی کی تو قرآن میں کلمے کا انکار اور تکبر کرنے والوں اور اللہ وحدہ لاشریک کے ذکر سے ناخوش اور بتوں کی یاد سے خوش ہونے والوں، بے نماز، کھانا نہ کھلانے والوں اور قیامت کا انکار کرنے والوں کا ذکر پڑھ کر فرمانے لگے: ''اے اللہ! ان لوگوں سے تیری پناہ! میں ان لوگوں سے بری ہوں۔''

اب وہ اپنے تذکرے کی تلاش میں قرآن پڑھتے پڑھتے ان آیات پر رُک گئے: ﴿ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (التوبة 9:102) ''اور کچھ دیگر لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور ملے جلے عمل کیے۔ کچھ اچھے اور کچھ برے، امید ہے اللہ ان پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائے گا، بلاشبہ اللہ بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

اس موقع پر ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا: ''ہاں، ہاں! بے شک یہی میرا تذکرہ ہے۔''[1]

قرآن مجید ایک معجز کتاب ہے: اس نے اپنے معجز ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ان لوگوں کو دعوت مقابلہ دی ہے جو اس کے کتابِ الٰہی ہونے کا انکار یا اس میں شک وشبہے کا اظہار کرتے ہیں: ﴿ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ ﴾ (بنی إسرآءيل 17:88) ''(اے نبی!) فرما دیجیے: اگر سارے آدمی اور جنات مل کر بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن لے آئیں تب بھی اس طرح کا نہیں لا سکیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔''

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے مختصر قیام اللیل: 64-66.

پھر اس میں تخفیف کی اور فرمایا: ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ ﴾ (هود 11: 14,13) ''کیا وہ کہتے ہیں: اس نے قرآن گھڑ لیا ہے؟ فرما دیجیے! اگر تم سچے ہو تو دس سورتیں اس جیسی (گھڑی ہوئی) لے آؤ، اور اللہ کے سوا جن جن کو بلا سکتے ہو بلا لو، پھر اگر یہ تمھاری بات نہ مانیں تو یقین کر لو کہ یہ صرف اللہ کا علم لے کر اترا ہے۔''

مزید تخفیف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ ﴾ (يونس 10: 38) ''کیا یہ لوگ کہتے ہیں: اس نے اسے (یونہی) جھوٹ موٹ بنا لیا ہے؟ فرما دیجیے: اگر تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ اور اللہ کے سوا جن کو بلا سکتے ہو بلا لو۔''

رسول اللہ ﷺ سے پہلے جس قدر انبیاء اور رسل گزرے ہیں، ان سب کو اللہ تعالیٰ نے ایسے ایسے معجزات سے نوازا تھا جو ان کی نبوت ورسالت کی دلیل بن سکتے تھے، چونکہ ان کی نبوت ورسالت ایک محدود وقت اور ایک مخصوص قوم کے لیے ہوتی تھی، اس لیے ان کے معجزات ان کے ہاتھوں ظاہر ہوتے اور ان کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے تھے لیکن حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت چونکہ عالمگیر اور دائمی ہے، یعنی جب تک یہ دنیا قائم ہے، آپ کی رسالت برقرار رہے گی، اس لیے آپ کو ایسا معجزہ دیا گیا جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللّٰهُ إِلَيَّ] ''ہر نبی کو ایسا معجزہ دیا گیا جس کی بنا پر لوگ ایمان لا سکتے تھے اور جو معجزہ مجھے دیا گیا ہے وہ ایک ایسی وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف کی ہے۔''①

اس لیے جب آپ سے معجزات کا مطالبہ کیا گیا تو یہ ارشاد باری تعالیٰ نازل ہوا: ﴿ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ ﴾ (العنكبوت 29: 51) ''کیا (یہ بطور نشانی) ان کے لیے کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر (کامل) کتاب اتاری ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے رحمت اور یاد دہانی (نصیحت) ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔''

اہل کتاب اور مشرکین کو قرآن کا مثل لانے کا چیلنج کیا گیا، پھر یہ چیلنج دس سورتوں تک محدود کر دیا، پھر صرف ایک ہی سورت کا مثیل لانے کا چیلنج دیا۔ حق یہ ہے کہ کوئی کلام یا کتاب، قرآن یا اس کی کسی سورت کی مثل اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک اس کے اعجاز کے تمام پہلوؤں اور اس کی تمام خصوصیات کی حامل نہ ہو۔ قرآن صرف اپنے الفاظ وتراکیب، فصاحت وبلاغت ہی کے اعتبار سے معجزہ نہیں ہے بلکہ وہ جس طرح اپنے الفاظ وتراکیب اور فصاحت وبلاغت میں لاثانی، بے مثل اور معجزہ ہے اسی طرح اپنے معانی ومضامین، اپنے بلند پایہ حقائق ومعارف، اپنی غیبی معلومات، حقائق ابدی اور اپنی پیش کی ہوئی دینی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور مدنی واجتماعی تعلیمات میں بھی سراسر معجزہ ہے۔ حتیٰ کہ اپنے اثرات ونتائج، انقلاب انگیزی اور پیش گوئیوں میں بھی لاجواب ہے۔ اگر صرف الفاظ اور تراکیب میں، جو اس کے اعجاز کا محض ایک پہلو ہے، اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکا تو اس کے اعجاز کے تمام پہلوؤں کا مقابلہ بھلا کس کے بس کی بات ہے؟!!

① صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب كيف نزل الوحي......، حديث: 4981 عن أبي هريرة ؓ.

اعجازِ قرآن کے چند گوشے: (1) قرآن مجید کا سب سے بڑا اور بنیادی اعجاز اس کا ایک مکمل دستورِ حیات اور نظامِ زندگی پیش کرنا ہے۔ قرآن حکیم نے ایمان، عقائد، افکار ونظریات، اقتصاد ومعیشت، امارت ومشاورت، نظامت وعدالت، معاشرت ومعاملات، علم وعمل، غرضیکہ دین ودنیا کے ہر گوشے کے بارے میں ایسا آخری ہدایت نامہ اور نظامِ عمل پیش کیا ہے کہ اس سے زیادہ محکم ومستحکم اُستوار، جامع، واضح اور نافع ہدایت نامہ دنیا میں آج تک پیش نہیں کیا جا سکا۔ اس سے پہلے کے ادیان اور الہامی کتب بھی چونکہ اپنے وقت کے ساتھ محدود ومخصوص تھیں، اس لیے وہ بھی اس کے مقابلے میں ناقص ہیں۔ اس نے انسانی زندگی کے انفرادی واجتماعی، جسمانی وروحانی، معاشی ومعاشرتی، تہذیبی وتمدنی، عدالتی وتجارتی، سیاسی وعمرانی اور حکمرانی وفرمانروائی، غرض زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں ایسے احوال وکلیات پیش کیے ہیں کہ اب ان میں کسی قسم کی کمی بیشی، ترمیم وتنسیخ اور تغیر وتبدل کی ضرورت نہیں بلکہ قرآن کے جملہ محاسن اور کمالات کا استقصا اور استیعاب بھی حدِ امکان سے باہر ہے۔

قرآن کے حقائق ومعارف: قرآن کا دوسرا عظیم اعجازی پہلو اس کے بے پایاں علوم ومعارف اور حقائق ودقائق ہیں۔ انسان کا علم جس قدر ترقی کرتا جائے گا اور اس کی آنکھوں سے جتنے پردے اٹھیں گے، قرآنی علوم ومعارف اسی قدر نکھر کر سامنے آتے جائیں گے۔ مشہور فرانسیسی محقق موریس بوکائے کی کتاب (The Bible, the Quran and Science) کے عنوان سے چھپی ہے۔ اس کا عربی ترجمہ "دراسة الكتب المقدسة في ضوء المعارف الحديثة" کے عنوان اور اردو ترجمہ ''بائبل، قرآن اور سائنس'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ محقق موصوف نے اس کتاب کے باب اول میں لکھا ہے: ''ان سائنسی خیالات نے جو قرآن کے ساتھ زیادہ مماثلت رکھتے ہیں، مجھے ہکا بکا کر دیا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک ایسی تحریر میں جو تیرہ صدیوں سے بھی پہلے ظاہر ہوئی اور جس میں انتہائی مختلف النوع مضامین بیان ہوئے ہیں، میرے لیے یہ ممکن ہو گا کہ میں اس میں سے ایسے بیانات ڈھونڈ نکالوں گا جو جدید سائنسی معلومات سے کلی طور پر ہم آہنگ ہوں گے۔''[1] اور کتاب کے آخر میں لکھا ہے: ''حضرت محمد ﷺ کے زمانے کی معلومات کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے یہ بات ناقابلِ تصور معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کے بہت سے وہ بیانات جو سائنس سے متعلق ہیں، کسی بشر کا کلام ہو سکتے ہیں، لہٰذا یہ بات مکمل طور پر صحیح ہے کہ قرآن کو وحیِ آسمانی کا اظہار سمجھا جائے۔''[2]

یہ حقیقت ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن مجید میں ان حقائق واشیاء کا تذکرہ ہوا ہے جن کا تعلق تاریخ، جغرافیہ، طبیعیات، فلکیات، اجرامِ سماوی، علم الحیاۃ، انسان کی تخلیق، اس کے جسم کی تکوین وترکیب اور دوسرے ایسے علوم سے ہے جن کے بارے میں اس دورِ جدید میں حقائق ومعارف کا نیا عالم منکشف ہوا ہے اور پرانے انسانی علوم کے زمین وآسمان بدل گئے ہیں، وہ قرآن کا اصل موضوع ومقصد نہیں ہیں۔ قرآن کا موضوع انسان اور اصل مقصد انسان کو اللہ رب العزت کی بندگی کی دعوت دینا ہے۔ اس لیے قرآن مجید میں جدید علمی حقائق تلاش کرنا اور ان کو جدید تحقیقات اور نت نئے انکشافات سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرنا ایک مختلف، نازک اور پرخطر کام ہے کیونکہ علم وتحقیق کے جو نتائج اس وقت ثابت شدہ حقائق نظر آتے ہیں، وہ آئندہ ادوار میں بدل سکتے ہیں یا ان کا ثبوت وقطعیت مشکوک ومجروح بھی ہو سکتی ہے۔ اس لیے قرآنی حقائق ومعارف کو کسی قدیم یا جدید نظریے سے تطبیق دینے کی ضرورت نہیں۔ علم وتحقیق کی تاریخ میں اس کا تجربہ کئی بار ہو چکا ہے کہ ایک دور کے مسلّمات وحقائق دوسرے دور میں یکسر بدل گئے۔ کبھی زمین کو مرکزِ کائنات ٹھہرایا گیا اور

[1] بائبل، قرآن اور سائنس: 192. [2] بائبل، قرآن اور سائنس: 402.

کبھی آفتاب کو، زمین کبھی مُسطّح ثابت ہوئی اور کبھی گول، سیاروں پر آبادی کبھی ناممکن قرار دی گئی اور کبھی ممکن، کبھی زمین متحرک ٹھہری اور کبھی ساکن، البتہ یہ بات قطعی اور یقینی ہے کہ قرآن مجید میں ہرگز کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے خلاف واقعہ ثابت کیا جا سکے۔ قرآنی حقائق ومعارف کی جدید سائنسی تحقیقات سے تطبیق جدید علم وتحقیق سے مرعوبیت کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہے۔

اعجازِ قرآن کا تیسرا پہلو: اس کے بیان کردہ غیبی واقعات ہیں۔ قرآن مجید میں انبیائے سابقین اور گزشتہ امم کے بارے میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں، وہ بجائے خود قرآن کا ایک مستقل معجزہ ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ان کی اطلاعات کا سرچشمہ اور مأخذ، علمِ الٰہی کے فیض اور وحی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ تمام واقعات وحیٔ الٰہی کا کرشمہ ہیں۔ اعجاز کے اس پہلو کی طرف قرآن مجید بار بار توجہ دلاتا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے واقعات کی بعض جزئیات بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَھُمْ اَيُّھُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران 3:44) ''یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اور آپ اس وقت ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنے اپنے قلم پھینک رہے تھے (کہ قرعہ ڈال کر فیصلہ کرلیں) کہ کون مریم کی کفالت کرے اور نہ آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔''

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۃ ﴾ (ھود 11:49) ''یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس (وحی) سے پہلے نہ آپ یہ خبریں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔''

قرآن مجید نے کفار کے اس الزام کی کہ یہ واقعات آپ کی پرانی یا قلمی یادداشت ہیں، تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:5,6) ''اور وہ کہتے ہیں (یہ قرآن) اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں جو اس نے لکھوار کھے ہیں جو صبح وشام اس کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ فرما دیجیے: اس (قرآن) کو اسی نے اتارا ہے جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے، بے شک وہ بڑا بخشنے والا، انتہائی مہربان ہے۔''

سورۂ عنکبوت میں آپ کی ان چیزوں سے بے گانگی اور آپ کی ناخواندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ آپ اس ماحول سے قطعاً ناآشنا اور علم کے سامان ولوازم سے بالکل بیگانہ تھے، اس لیے شکوک وشبہات کا اظہار کرنے والوں کے لیے آپ کے علم کے ماخذ ومصدر میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 29:48) ''اور آپ اس (قرآن) سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے (اگر ایسا ہوتا) تو یہ باطل پرست ضرور شبہ کرتے۔''

اس لیے یہ دعویٰ اور خیال کہ قرآن مجید کے واقعات تورات وانجیل سے ماخوذ ہیں، بالکل بے بنیاد اور بے اصل ہے، یہ دعویٰ کرنے والے کتب قدیمہ اور قرآن مجید دونوں سے ناآشنا ہیں۔ قرآن مجید اور تورات وانجیل دنیا میں موجود ہیں، ان کا آپس میں تقابل آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے جس کے نتیجے میں حقیقت فوراً اُجاگر ہو سکتی ہے۔

موریس بوکائے نے بائبل اور قرآن کے بہت سے موضوعات کا تقابل کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے: ''قرآن اور بائبل میں بڑے اختلافات ہیں، یہ اختلافات اس دعوے کو غلط ثابت کر دیتے ہیں جس میں بغیر کسی شہادت یا ثبوت کے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے قرآن کا متن پیش کرنے کے لیے بائبل کی نقل کر ڈالی۔''[1]

قرآن مجید کا چوتھا اعجازی پہلو: اس کی پیش گوئیاں ہیں کیونکہ معجزہ اس چیز کو کہتے ہیں جو خرقِ عادت طریقے پر محض قدرتِ خداوندی سے کسی رسول کی تصدیق کے لیے ظاہر ہو اور انسانی عقل اس کی ظاہری توجیہ وتعلیل سے قاصر ہو۔ جن حالات میں یہ پیش گوئیاں کی گئی ہیں اور جس طرح ان کا ظہور ہوا ہے وہ ایک معجزہ ہے، ان میں اعجاز کے دو پہلو ہیں: (1) بظاہر نا موافق حالات میں ان بعید از عقل اور اہم واقعات کی خبر واطلاع۔ (2) اس اطلاع کے عین مطابق ان کا ظہور اور وقوع۔ ان سب پیش گوئیوں میں سب سے زیادہ صاف اور محیر العقول پیش گوئی رومیوں کا غلبہ ہے جسے سورۂ روم کے آغاز میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح موحد اور مطیع مسلمانوں کی حکومت وخلافت کی پیش گوئی سورۂ نور، آیت: 55 ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ میں، دین کے غلبے کی پیش گوئی سورۂ توبہ، آیات: 33,32 سورۂ فتح، آیت: 28 سورۂ صف، آیات: 9,8 میں، فتح مکہ کی پیش گوئی سورۂ فتح، آیات: 1-3 اور سورۂ صف، آیت: 13 میں، صلح حدیبیہ اور غنائم کے حصول کی پیش گوئی، سورۂ فتح، آیات: 18-20، میں، قرآن مجید کے جمع واشاعت اور تبیین کی پیش گوئی سورۂ قیامہ، آیات: 17-19 میں، رسول اکرم ﷺ کی وفات کے قرب اور اسلام کی اشاعت کی پیش گوئی سورۂ نصر میں کی گئی ہے۔ اسی طرح اور بھی پیش گوئیاں ہیں جو حرف بحرف پوری ہوئیں۔

قرآنی ہدایت کا انقلابی پہلو: رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید اور اس کی عملی تفسیر، یعنی خود اپنی سیرت مقدسہ اور کردار واخلاق [كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ] ''آپ کا اخلاق قرآن ہی ہے۔''[2] کے ذریعے سے جو ذہنی، فکری، اعتقادی، روحانی، اخلاقی، نفسیاتی، معاشرتی، اجتماعی اور سیاسی انقلاب برپا فرمایا، پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہ پہلے ملتی ہے، نہ آپ کے بعد، یہ قرآن کا ایک معجزہ ہے۔ اس انقلاب کے زیرِ اثر جو افراد اور جماعتیں وجود میں آئیں ان میں سے ہر جلیل القدر صحابی خصوصاً عشرۂ مبشرہ، حضرت ابو ہریرہ، عبادلۂ اربعہ (عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم) وغیرھم میں سے ہر ایک انفرادی طور پر بجائے خود علوم دین کا مستقل سرچشمہ ہے۔ انسانی تاریخ میں کسی وقت کسی جگہ اور کسی گروہ میں اتنے قلیل عرصے میں اس قدر وسیع انقلاب کا مشاہدہ نہیں ہو سکا۔ اس میں اعجاز کا پہلو یہ ہے کہ یہ ہمہ گیر انقلاب ان تمام وسائل وذرائع کے بغیر رونما ہوا جن سے دنیا آشنا ہے۔ قرآن مجید نے اعجاز کے اس پہلو کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ وہ لوگ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، ان میں بے مثل قلبی مودت ومحبت اور وحدت ویگانگت کس طرح پیدا کی، اسی کے متعلق فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (الأنفال 8: 63,62) ''وہی تو ہے جس نے اپنی نصرت اور مومنوں کے ذریعے سے آپ کو قوت بہم پہنچائی اور مسلمانوں کے دلوں کو جوڑ دیا (ان میں الفت پیدا کر دی) اگر آپ ساری زمین کا مال بھی خرچ کر دیتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ان کے مابین الفت پیدا کر دی، بلاشبہ وہ غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔''

[1] بائبل، قرآن اور سائنس: 402. [2] مسند أحمد: 216/6 عن عائشة رضی اللہ عنہا.

زمانۂ جاہلیت اور دور اسلام کا فرق نمایاں کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾ (آل عمران 3:103) ''اور تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت (احسان) کو یاد کرو جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے باعث بھائی بھائی بن گئے۔''

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت: عرب قرآن مجید کے اولین مخاطب تھے، یہ علم وفن سے کورے ان پڑھ لوگ تھے مگر فصاحت و بلاغت ان کا پیدائشی وصف اور کمال تھا جس میں وہ اپنے آپ کو ساری دنیا سے ممتاز سمجھتے تھے۔ بلکہ دوسروں کو اپنے مقابلے میں عجمی (گونگے) قرار دیتے تھے۔ قرآن مجید نے ان کو مقابلے کا چیلنج دیا۔ اگر قرآن کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس چیلنج کو قبول کرنے کے لیے تمام انسانوں میں سب سے زیادہ باصلاحیت عرب ہی تھے۔ عرب سرداروں نے قرآن اور صاحب قرآن کو مغلوب کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ وہ مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو سمیت ہر متاع پر حملہ آور ہوئے لیکن یہ جرأت نہ کر سکے کہ قرآن کے مقابلے میں کوئی کلام پیش کریں۔ اس کے برعکس تاریخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی خصوصی نجی مجالس و محافل میں اس کے بے مثل ہونے کا خود اعتراف کیا۔ ولید بن مغیرہ بنو مخزوم کا ایک فرد تھا، اس نے کہا: [وَاللّٰهِ! إِنَّ لِقَوْلِهِ حَلَاوَةً وَّإِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً] ''اللہ کی قسم! اس کے قول میں بڑی شیرینی اور بڑی رونق و شادابی ہے۔'' ایام حج کے موقع پر اس نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا: ایام حج میں عرب کے مختلف وفود آئیں گے۔ اس لیے محمد کے بارے میں کوئی مناسب بات طے کر لو، پھر تم میں سے کوئی اس بات کی مخالفت نہ کرے۔ لوگوں نے طرح طرح کی باتیں کہیں، یہ کاہن ہے، یہ مجنون ہے، یہ شاعر ہے، یہ جادوگر ہے۔ ولید نے ہر بات کو رد کر دیا۔ جب کوئی بات قابل قبول نہ ٹھہری تو لوگوں نے ولید سے کہا: تم ہی کوئی بات بتا دو تو اس نے عاجز آ کر کہا: ''بس یہی کہو کہ وہ جادوگر ہے کیونکہ اس نے ایسا کلام پیش کیا ہے جس سے باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر بیوی، غرضیکہ خاندان بھر میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔''[1]

اس قسم کے واقعات عتبہ بن ربیعہ، نضر بن حارث وغیرہ سے بھی منقول ہیں۔ مزید براں اس چیلنج میں اعجاز کا ایک پہلو یہ ہے کہ قرآن مجید میں یہ پیش گوئی بھی موجود ہے کہ وہ قرآن کا یہ چیلنج قبول نہیں کر سکتے اور باہم مل کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے، جیسے سورۂ بقرہ میں فرمایا: ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ﴾ (البقرة 2:23،24) ''اور اگر تمھیں اس کلام کے بارے میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے تو اس کی ہم پلہ ایک سورت ہی بنا لاؤ، اور اللہ کے سوا جتنے تمھارے حمایتی ہیں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے اور کر بھی نہ سکو گے تو تم آگ سے بچو۔''

اس چیلنج کے قبول کرنے کے محرکات اور دواعی موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں لیکن آج تک کوئی شخص، کوئی گروہ اور کوئی قوم قرآن مجید کا مقابلہ نہیں کر سکی اور نہ آئندہ ہی کر سکے گی۔

قرآن کی فصاحت و بلاغت کا اعجاز الفاظ، تراکیب، اسلوب، نظم، قصص اور امثال ہر اعتبار سے درخشاں ہے۔[2]

[1] المستدرك للحاكم، التفسير، سورة المدثر: 507/2، حديث: 3872 اور تفصیل کے لیے دیکھیے السيرة النبوية لابن هشام: 271,270/1.

[2] تفصیل کے لیے دیکھیے التحرير والتنوير المعروف بتفسير ابن عاشور، المقدمة العاشرة فی إعجاز القرآن.

حفاظتِ قرآن: قرآن سے پہلے کے آسمانی صحیفے اور کتابیں ہمیشہ تحریف وتغیر کا نشانہ اور تلف وتباہی کا ہدف بنتے رہے کیونکہ وہ ایک خاص اور محدود مدت کے لیے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے حفظ وبقا کی ذمہ داری خود نہیں اُٹھائی اور یہ تاریخی طور پر ثابت شدہ ایک علمی حقیقت ہے جس کا اعتراف خود ان لوگوں نے بھی کیا ہے جن کے پاس وہ صحیفے اور کتابیں آئی تھیں۔ عہد عتیق (تورات) کے صحیفے برابر غارت گری اور آتش زدگی کا نشانہ بنتے رہے، یہودی مؤرخین کے اعتراف کے مطابق تخریب وتضیع کا یہ کام تین دفعہ ہوا:

(1) پہلی دفعہ جب بابل کے بادشاہ بُختُ نَصّر نے ریاست یہودیہ پر 586 ق م میں حملہ کیا اور بیت المُقدّس کو آگ لگا دی جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے تورات کی تختیاں اور آل موسیٰ وآل ہارون کے تبرکات محفوظ کر رکھے تھے۔ بعد میں انھیں حضرت عزیر علیہ السلام نے اپنے حافظے کی مدد سے دوبارہ لکھوایا، پھر ان میں اضافے ہوتے رہے۔

(2) دوسری دفعہ انطاکیہ کے بادشاہ انطوکوس چہارم (Antiochus iv) نے بیت المقدس پر 168 ق م میں حملہ کیا اور صحف مقدسہ کو جلا دیا۔

(3) تیسری دفعہ رومن سپہ سالار ٹائٹس (Titus) نے بیت المقدس پر 70 ق م میں حملہ کیا اور اس کو ہیکل سلیمانی سمیت برباد کر ڈالا۔

عہد نامۂ جدید (انجیل) کا معاملہ عہد عتیق سے بھی گیا گزرا ہے۔ یہ انجیلیں مذہبی کونسلوں اور مختلف زمانوں میں برابر تغیر وتبدل اور اصلاح وترمیم کا نشانہ بنتی رہیں۔ یوں یہ آسمانی کتابیں وحی والہام پر مبنی ہونے کے بجائے سیر وسوانح اور واقعات وحکایات کا مجموعہ بن گئی ہیں۔[1]

لیکن عہد قدیم اور عہد جدید (بائبل، کتاب مقدس) کی کتابوں کے برعکس قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب ہے، اس کی حفاظت اور اسے ہر قسم کی تحریف وترمیم اور کمی وبیشی سے پاک رکھنے کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر 15:9) ''ہم ہی نے ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' نیز فرمایا: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ (حٰمٓ السجدة 42:41) ''باطل (جھوٹ) کا اس میں دخل ہی نہیں، نہ آگے سے نہ پیچھے سے۔''

ان آیات میں یہ پیش گوئی کر دی گئی ہے کہ قرآن کریم، اپنی اصل شکل میں ہمیشہ محفوظ رہے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹانے یا اس میں تحریف وترمیم کرنے کی مذموم کوشش میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ قرآن کریم میں آج تک ایک نقطے کی بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔ قرآن میں قلم لگانے اور کسی بھی نوعیت کا ردوبدل کرنے کی جس نے بھی جسارت کی وہ بری طرح ناکام ہوگیا۔ آج بھی یہودی اور عیسائی اس ناپاک مقصد کے لیے سرگرداں ہیں لیکن سپر طاقت کی پشت پناہی کے باوجود منہ کی کھا رہے ہیں۔ ''حفاظت'' بہت وسیع المعنی لفظ ہے۔ اس میں قرآن مجید کے حفظ وبقا، نشر واشاعت، قراءت وتلاوت اور اس کے معانی ومطالب، سب کی حفاظت کی ابدی ضمانت مضمر ہے۔

قرآن کا سرچشمہ: قرآن مجید کی مذکورہ بالا خصوصیات اور امتیازات اس بنا پر ہیں کہ اس کا سرچشمہ اور ماخذ علم الٰہی ہے اور اس کے نزول کا واسطہ وذریعہ وحی ہے اور یہ وہ سرچشمہ ہے جو ہر قسم کے عیب ونقص، شک وشبہ، ریب وارتیاب، ظن وتخمین اور تعارض واختلاف سے یکسر پاک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی اور ابدی ہے اور وہ خالق کائنات ہونے کے اعتبار سے انسان اور اس کی فطرت کا خالق ہے

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے ''مختصر اظہار الحق'' کا ترجمہ از شیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری، پہلا باب اور ''بائبل، قرآن اور سائنس'' کے بائبل سے متعلقہ ابواب۔

اور انسان کی ہر قسم کی ضروریات اور اس کے مسائل ومشکلات سے پوری طرح آگاہ ہے۔ ﴿اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴾ (الملك 67:14) ''کیا جس نے پیدا کیا اسے معلوم نہیں؟ وہ تو از حد باریک بین اور بڑا باخبر ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز پر حاوی اور محیط ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَسِعَ كُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ﴾ (طٰہٰ 20:98) ''(اس نے) ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿لَا یَضِلُّ رَبِّیۡ وَ لَا یَنۡسَی ﴾ (طٰہٰ 20:52) ''میرا رب نہ بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّهَادَةِ ﴾ (الحشر 59:22) ''وہ غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے۔'' ﴿لَا یَعۡزُبُ عَنۡهُ مِثۡقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ ﴾ (سبا 34:3) ''آسمانوں میں اور زمین میں ذرہ برابر کوئی چیز بھی اس سے چھپی نہیں رہ سکتی۔'' قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کے علم سے ماخوذ ہے، اس لیے وہ اس کی خصوصیات کا حامل اور اس کی صفات کا مظہر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ لَقَدۡ جِئۡنٰهُمۡ بِكِتٰبٍ فَصَّلۡنٰهُ عَلٰی عِلۡمٍ هُدًی وَّ رَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴾ (الأعراف 7:52) ''اور ہم نے ان کے سامنے ایسی کتاب پیش کی ہے جسے ہم نے اپنے علم وآگہی سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جو ایمان والوں کے لیے ہدایت ورحمت ہے۔''

انسانوں تک قرآن پہنچنے کا واسطہ: انسانوں تک قرآن مجید بلا واسطہ نہیں پہنچا کیونکہ ہر انسان اس کے تحمل اور قبول کی صلاحیت و استعداد سے بہرہ مند نہیں ہے۔ ﴿اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ ﴾ (الأنعام 6:124) ''اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کسے سونپے۔'' بسا اوقات یہ صورت پیش آتی ہے کہ کسی علم واطلاع کا اصل منبع اور سرچشمہ تو پورے طور پر صاف اور محفوظ ہوتا ہے لیکن دوسروں تک پہنچنے کا وسیلہ قابلِ وثوق اور لائق اعتماد نہیں ہوتا۔ اپنے اصل سرچشمے سے چیز صحیح اور محفوظ روانہ ہوتی ہے لیکن اپنے منتہیٰ تک پہنچتے پہنچتے اس میں تغیر وتبدل ہو جاتا ہے۔

لیکن رسول اکرم ﷺ تک قرآن مجید پہنچنے کا ذریعہ اور واسطہ وحی الٰہی ہے۔ فرمان باری ہے: ﴿اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی ﴾ (النجم 53:4,5) ''وہ تو بس وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے، اسے ایک بڑی قوتوں والی شخصیت (جبریل) نے سکھایا ہے۔'' جو ﴿ذِیۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَكِیۡنٍ ۙ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ﴾ (التکویر 81:20,21) ''وہ بڑی قوت والا اور صاحب عرش کے ہاں بڑا درجہ رکھنے والا ہے۔ وہاں اس کا کہا مانا جاتا ہے اور وہ قابل اعتماد ہے۔'' اور اس کی قراءت اور بیان کی ذمے داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے: ﴿لَا تُحَرِّكۡ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعۡجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَهٗ وَ قُرۡاٰنَهٗ ﴾ (القیمة 75:16,17) ''اس (وحی) کو لینے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں تاکہ آپ اسے جلد از جلد لے سکیں بلکہ اسے (آپ کے سینے میں) جمع کرنا اور (آپ کو) پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔'' اس لیے انسانوں تک پہنچانے والا رسول بھی اسے تبدیل نہیں کر سکتا۔ ﴿قُلۡ مَا یَكُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِیۡ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ۚ﴾ (یونس 10:15) ''فرما دیجیے! میرے بس میں نہیں ہے کہ میں اس کو اپنی طرف سے بدل ڈالوں، میں تو بس جو چیز میری طرف وحی کی جاتی ہے اُسی کی پیروی کرتا ہوں۔''

نزولِ قرآن کے مقاصد: جب اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو آباد کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس میں حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو بھیجا تو فرمایا: ﴿قَالَ اهۡبِطَا مِنۡهَا جَمِیۡعًۢا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّكُمۡ مِّنِّیۡ هُدًی ۬ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشۡقٰی ﴿۱۲۳﴾ وَ مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِیۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیۡشَةً ضَنۡكًا ﴾ (طٰہٰ 20:123,124) ''تم دونوں (آدم وابلیس) اکٹھے یہاں سے اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، پس اگر تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ راہ راست سے پھرے گا نہ

ناکام ہوگا (نہ شقاوت وبدبختی کا شکار ہوگا) اور جو میرے ذکر (یاددہانی) سے اعراض کرے گا، اس کی گزر بسر تنگ ہوگی۔''

اس وعدۂ الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم علیہ السلام کی ہدایت ورہنمائی کے لیے دین اسلام کو ضابطۂ حیات اور دستور زندگی بنا کر بھیجنے کا آغاز فرمایا۔ اور اس ضابطۂ حیات اور دستور زندگی کی تکمیل اپنے آخری صحیفۂ ہدایت کے ذریعے سے کردی جو خاتم النبیین ﷺ کے ذریعے سے انسانوں تک پہنچا۔ جو انسانوں کے لیے برہان، نور، موعظت، شفا، ہدایت اور رحمت ہے بشرطیکہ وہ اس صحیفۂ ہدایت کو اپنا دستور العمل بنالیں اور اپنی پوری زندگی کا ہر ہر گوشہ اس کے مطابق سنوار لیں جیسا کہ فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ○ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ○﴾ (النسآء 4:174،175) ''اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے آقا و مالک کی طرف سے ایک کھلی دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمھاری طرف واضح روشنی اتاری ہے۔ سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس (برہان ونور) کو مضبوطی سے تھام لیا تو اللہ انھیں اپنی رحمت سے سرفراز فرمائے گا اور اپنے فضل سے نوازے گا اور انھیں اپنی طرف پہنچنے کی سیدھی راہ پر چلائے گا۔'' نیز فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ○﴾ (یونس 10:57) ''اے لوگو! یقیناً تمھارے پاس تمھارے آقا و مالک کی طرف سے (قرآن کی) نصیحت آگئی ہے اور یہ (ان بیماریوں کے لیے) شفا ہے جو سینوں میں ہیں اور مومنوں کے لیے ہدایت ورحمت ہے۔'' نیز فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَّشِفَاءٌ﴾ (حمٓ السجدة 41:44) ''فرما دیجیے! یہ (کتاب) ان لوگوں کے لیے ہدایت اور شفاء ہے جو ایمان والے ہیں۔''

انسان کی حقیقی زندگی اور شفا و تندرستی کا انحصار دل پر ہے کیونکہ ﴿فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ○﴾ (الحج 22:46) ''تو حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل جو سینوں میں ہیں اندھے ہو جاتے ہیں۔''

اور یہ وحی الٰہی جو قرآن کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہے، آدمی کی روح اور زندگی ہے، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: [أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ] ''خبردار! بے شک جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ صحیح اور صالح ہوتا ہے تو تمام بدن (کا فعل) صالح اور درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگاڑ اور فساد سے دوچار ہوتا ہے تو سارا بدن بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے، خبردار! یہ ٹکڑا دل ہے۔''[1] ...... کسی شاعر نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

دل کے بگاڑ ہی سے بگڑتا ہے آدمی
جس نے اِسے سنبھال لیا وہ سنبھل گیا

قرآن دل کی روح ہے اور اصلاحِ قلب کا مؤثر ترین عامل ہے۔ جب دل زندہ و بیدار ہو جاتا ہے تو انسانی زندگی کے تمام گوشے قرآنی ہدایت کے نور سے منور ہو جاتے ہیں۔ اور انسان اللہ کے فضل ورحمت کا حقدار بن جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، حديث:52 و صحيح مسلم، المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، حديث:1599.

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ (الشورٰی 42:52,53) ’’اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے روح (قرآن) کی وحی کی، آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب (قانون وشریعت) کیا ہے اور ایمان (کی حقیقت وتفصیلات) کیا ہیں لیکن ہم نے اس (وحی وروح) کو نور بنا دیا، ہم اس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں جسے چاہتے ہیں سیدھی راہ پر گامزن کر دیتے ہیں۔ اور بلاشبہ آپ سیدھی راہ دکھاتے ہیں، اللہ کی راہ جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا خالق ومالک ہے۔‘‘

اور یہ قرآن ہی اس راہ کی دعوت دیتا ہے اور اسے بیان کرتا ہے جو تمام راہوں سے زیادہ سیدھی سچی اور سدھار کا باعث ہے۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (بنی إسرآءیل 17:9) ’’بلاشبہ یہ قرآن اس راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے۔‘‘

قرآن کے ترجمے اور تفسیر کی ضرورت: چونکہ قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے قیامت تک آخری صحیفۂ ہدایت ہے جو ایسا دستورِ زندگی اور لائحہ عمل پیش کرتا ہے جسے اپنانے اور نظام حیات بنانے میں انسانوں کی دنیوی واخروی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ اس کے بغیر دنیا امن وسکون کا گہوارہ نہیں بن سکتی، نہ وہ حقیقی اور ابدی زندگی جو موت کے بعد حاصل ہوگی، خوش بختی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس کا سمجھنا، ازبس ضروری ہے تاکہ ہم اس کے مطابق زندگی بسر کر سکیں، قرآن کے علم وفہم کے بغیر اس پر عمل ممکن نہیں ہے اور عمل کے بغیر قرآن کے برکات وثمرات سے فیض یاب ہونے کی تمنا کرنا دیوانے کا خواب ہے۔

آج کل کا انسان قرآن مجید کے فہم وعلم اور اس پر عمل کرنے کا جس قدر محتاج ہے وہ محتاجِ وضاحت نہیں قرآن کریم کا فہم وعلم حاصل کر کے اور اس پر عمل پیرا ہو کر ہمارے اسلاف صحابہ اور تابعین نے جس قدر عروج وترقی حاصل کی تھی اس کی تاریخ انسانیت میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ اسی لیے قرآن مجید بار بار غور وفکر اور تدبر وتعقل کی دعوت دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (ص 38:29) ’’یہ ایک عظیم بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر سوچ بچار کریں اور عقل مند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔‘‘ نیز فرمایا: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ (محمد 47:24) ’’کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں؟‘‘ نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (یوسف 12:2) ’’بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی میں اتارا ہے تاکہ تم اسے سمجھو۔‘‘ نیز فرمان ہے: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (النحل 16:44) ’’اور ہم نے آپ کی طرف ذکر (قرآن) اتارا ہے تاکہ لوگوں کے لیے جو کچھ اتارا ہے آپ اسے ان کے سامنے کھول کر بیان کر دیں اور تاکہ وہ (خود بھی) اس پر غور وفکر کریں۔‘‘

قرآن بلکہ کسی بھی کلام میں تدبر وتفکر اس کے معانی ومطالب سمجھے بغیر ممکن نہیں۔ اور قرآن مجید چونکہ ایک ضابطۂ حیات اور دستورِ زندگی ہے اس لیے اس کا فہم اور تدبر وتفکر اس کے نزول کے ساتھ ہی شروع ہو گیا۔ اور رسول اکرم ﷺ کا فریضۂ منصبی یہی تھا کہ وہ تلاوتِ آیات کے ساتھ ساتھ کتاب وحکمت کی تعلیم دیں اور کتاب وحکمت کی روشنی میں عقائد، اعمال اور اخلاق کی تطہیر وتزکیہ فرمائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ (الجمعة 62:2) ’’(ملک، قدوس، عزیز اور حکیم ہی ہے) جس نے (اپنی ان صفات کے اظہار کے لیے) امیوں میں، انھی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے، انھیں پاک کرتا ہے اور کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔‘‘

صحابۂ کرام اہل زبان تھے، ان کے سامنے قرآن اتر رہا تھا لیکن اس کے باوجود آپ انہیں پڑھ کر سناتے، اس کے معانی ومطالب اور حقائق ومعارف سکھاتے اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ سمجھاتے تھے اور فرمانِ الٰہی: ﴿ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ (النحل 16:44) کے امتثال میں اس کی علمی وعملی توضیح وتبیین فرماتے تھے۔ امام ابوعبدالرحمٰن سلمی بیان کرتے ہیں: ہمیں قرآن کی تعلیم دینے والے صحابہ کرام حضرت عثمان بن عفان اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہ نے بتایا کہ جب وہ دس آیات سیکھ لیتے تھے تو اس وقت تک ان سے آگے نہ بڑھتے جب تک کہ ان آیات کے علم وعمل کو نہ سیکھ لیتے۔ انھوں نے کہا: اسی طرح ہم نے پڑھا اور علم وعمل سیکھا۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب کوئی سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تھا تو وہ ہماری نظروں میں جلیل القدر آدمی ٹھہرتا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے صرف سورۂ بقرہ کے حفظ کرنے پر آٹھ برس صرف کر دیے تھے۔ ①

ظاہر ہے یہ آٹھ برس محض الفاظ یاد کرنے پر صرف نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ یہ قرآن کی حکمت اس کے حقائق ومعارف جاننے اور ان پر عمل پیرا ہونے پر صرف ہوئے تھے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر قرآن اتارا، آپ کی زبان پر اسے جاری کیا اور پڑھایا اسی طرح اس کے معانی ومطالب کی بھی تعلیم دی، ارشاد باری ہے: ﴿ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ ﴾ (القيمة 75:19) ''اس کا بیان اور توضیح بھی ہمارے ذمے ہے۔'' اسی لیے آپ پر حکمت بھی اتاری، تنہا قرآن نہیں اتارا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ ﴾ (النسآء 4:113) ''اور آپ پر اللہ نے کتاب وحکمت اتاری اور آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے۔'' حکمت سے مراد رسول اللہ ﷺ کے وہ اقوال وافعال اور تقاریر ہیں جن کے بغیر قرآن کو سمجھنا ناممکن ہے۔

اسی طرح صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن پڑھنا، اس کے معانی ومطالب سمجھنا اور اس پر عمل کرنا سیکھا اور ان تینوں چیزوں کی تعلیم اپنے تلامذہ تابعین عظام کو دی۔ علم وعمل اور تعلیم وتعلّم کی یہ روایت تابعین سے تبع تابعین تک پہنچی، یوں یہ سلسلہ قرناً بعد قرنٍ اور نسلاً بعد نسلٍ آج تک قائم ہے۔ علاوہ ازیں زبانی تعلیم وتعلّم کے علاوہ دوسری صدی ہجری سے قرآنِ کریم کی توضیح وتفسیر کے لیے تحریری کام کا بھی آغاز ہوا اور ان علماء نے جو علوم قرآن وحدیث کے جامع تھے، قرآن مجید کی تفسیریں لکھیں ان میں سب سے زیادہ جامع تفسیر، تفسیر طبری ہے۔ انھی مفسرین میں سے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ہیں جن کی تفسیر کو متعدد وجوہ سے عوام وخواص میں سب سے زیادہ پذیرائی ملی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر قرآن کے فرمودات، رسول اکرم ﷺ کی احادیث اور صحابہ وتابعین کے علم وعمل کی روشنی میں لکھی ہے، اسی بنا پر یہ ایک بلند پایہ تفسیر ہے جسے تفسیری کتابوں میں ممتاز مقام حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ مکتبہ دارالسلام کے مدیر محترم مولانا عبدالمالک مجاہد، ان کے خصوصی معاون عزیزم حافظ عبدالعظیم صاحب اسد، عزیزم حافظ محمد نعمان فاروقی اور مکتبہ کے تمام رفقاء کو اجر جزیل اور ثواب عظیم سے نوازے جو اس تفسیر کے اختصار کو اردو میں پیش کرنے کا ذریعہ بنے ہیں اور برادرم محمد خالد سیف کے حُسنِ خیال کے پیرائے میں اِسے طباعتی سولہ سنگھار کے ساتھ نہایت خوبصورت انداز میں پیش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس حُسنِ عمل سے ان کی حسنات کا پلڑا بھاری رکھے اور انھیں دنیوی واخروی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین!

حافظ عبدالعزیز علوی

(شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ۔ فیصل آباد)

(ذوالحجہ 1426ھ - جنوری 2006ء)

① مجموعة الفتاوٰى لابن تيمية: 331/13.

مختصر حالاتِ زندگی

مُفسّرِ عظیم، مُحدّثِ کبیر، مُورّخِ شہیر حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ

از: ابوعبداللہ محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

نام ونسب: آپ کا نام اسماعیل، کنیت ابوالفداء اور لقب عماد الدین ہے اور ابن کثیر کے عرف سے مشہور ہیں۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع البُصْروی الدِّمَشْقی۔[1]

ولادت اور تعلیم وتربیت: آپ کی پیدائش 701ھ (1302ء) میں مِجدَل بستی میں ہوئی۔ یہ بستی ملک شام کے مشہور شہر بُصریٰ کے اطراف میں واقع ہے۔ آپ ایک معزز اور علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد ماجد شیخ ابوحفص شہاب الدین عمراس بستی کے خطیب تھے۔ ابھی آپ نے عمر کی صرف چار بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ والد کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے تو آپ کے بھائی شیخ عبدالوہاب نے آپ کی پرورش اور تعلیم وتربیت کا بیڑا اٹھایا جو خود بھی ایک جید عالم دین اور ممتاز فقیہ تھے، پھر جب آپ کی عمر پانچ برس ہوئی تو 706ھ میں بھائی کے ساتھ دمشق منتقل ہو گئے اور یہیں پلے بڑھے اور تعلیم وتربیت حاصل کی۔

اساتذہ ومشائخ: امام ابن کثیر نے بہت سے اساتذہ سے کسب فیض کیا لیکن شروع میں آپ نے ابتدائی فقہ کی تعلیم اپنے بڑے بھائی سے حاصل کی۔ اس بھائی کی بابت آپ فرماتے ہیں: ''ہمارا بڑا بھائی ہمارے ساتھ نہایت مہربانی، محبت اور شفقت والا برتاؤ کیا کرتا تھا۔'' بعدازاں انھوں نے مختلف علوم وفنون میں دسترس رکھنے والے متعدد مشاہیرِ وقت اساتذہ اور شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے جن میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

- برہان الدین ابراہیم بن عبدالرحمٰن فَزاری المتوفی 729ھ۔ یہ ابن الفرکاح کے نام سے مشہور ہیں۔
- شام کے جلیل القدر عالم اور مشہور مؤرخ بہاء الدین القاسم بن مظفر بن النجم محمود بن تاج الأُمناء ابن عساکر المتوفی 723ھ۔
- دمشق میں عیسیٰ بن المطعم سے سماع کیا۔
- محمد بن زرّاد سے حدیث کا سماع کیا۔
- عماد الدین محمد بن الشیرازی المتوفی 749ھ۔
- عفیف الدین بن یحییٰ الآمدی المتوفی 725ھ۔ یہ ظاہریوں کے شیخ گردانے جاتے ہیں۔

[1] ''البُصْرَوِی'' یا ''البُصْری'' اور ''الدِّمَشْقِی'' دونسبتیں پیدائش اور تعلیم وتربیت کے اعتبار سے ہیں۔ چونکہ آپ کی پیدائش ''بُصریٰ'' کے علاقے میں ہوئی اس لیے ''البصروی'' یا ''البصری'' کہلائے۔ اور کم سنی ہی میں برادر بزرگ کے ہمراہ دمشق منتقل ہو گئے تھے اور وہیں تعلیم وتربیت حاصل کی، اس لیے تعلیم وتربیت کی نسبت کے اعتبار سے ''الدمشقی'' کہلائے۔ دیکھیے الباعث الحثیث، ص: 23.

- حافظ ابوالحجاج جمال الدین یوسف بن عبدالرحمٰن بن یوسف القاضی الکَلْبِی الدِّمَشْقِی المِزِّی المتوفی 742ھ۔
- شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہ الحَرَّانی المتوفی 728ھ۔
- الشیخ الامام الحافظ المؤرخ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی المتوفی 748ھ۔

ان اساطین علم کے علاوہ کئی جلیل القدر علماء نے امام ابن کثیر کو اپنی روایات بیان کرنے کی اجازت بھی دی تھی، مثلاً: ابوموسیٰ القَرَافی الحسینی، ابوالفتح الدَّبُوسی، علی بن عمر الوانی اور یوسف الخُتَنِی وغیرہ۔ اس زمانے میں دستور تھا کہ جب کوئی طالب علم کسی فن میں دسترس اور کمال حاصل کر لیتا تو وہ اس فن کی کوئی مختصر سی کتاب حفظ کرتا، چنانچہ اس دستور کے مطابق آپ نے بھی شیخ ابواسحٰق شیرازی المتوفی 476ھ کی فقہ میں کتاب التنبیہ فی فروع الشافعیۃ زبانی یاد کر کے 18 سال کی عمر میں سنا دی۔ اسی طرح اصول فقہ میں علامہ ابن حاجب مالکی المتوفی 646ھ کی مختصر کو حفظ کیا۔ کتب اصول آپ نے ''مختصر ابن حاجب'' کے شارح علامہ شمس الدین محمود بن عبدالرحمٰن اصفہانی المتوفی 749ھ سے پڑھیں۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ (ذیل تذکرۃ الحفاظ: 239,238/5 میں) رقمطراز ہیں: ''آپ نے حجّار اور اس طبقے کے اہل علم سے سَماع (حدیث) کیا۔'' سابقہ سطور میں حجار کے ہم طبقہ علماء میں سے کئی مشاہیر کا ذکر ہو چکا ہے۔

مذکورہ تمام اہل علم وفضل میں سے سب سے زیادہ جس صاحب علم وکمال شیخ سے آپ نے خوشہ چینی کی وہ ہیں اسماء الرجال کی شہرۂ آفاق کتاب تہذیب الکمال کے جلیل القدر مصنف، محدّثِ شام حافظ جمال الدین مزی رحمۃ اللہ۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ (ذیل تذکرۃ الحفاظ: 239/5 میں) لکھتے ہیں: ''انھوں نے شیخ مزی (کے زیر تربیت رہ کر ان) سے علم حاصل کیا، عرصۂ دراز تک ان کے پاس رہے اور اپنے تمام ساتھیوں سے فائق ہو گئے۔''

مایہ ناز مصنف شیخ احمد محمد شاکر مصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''شیخ جمال الدین یوسف بن الزکی المزی رحمۃ اللہ (742ھ) صاحب تہذیب الکمال سے طویل عرصے تک کسب فیض کیا، ان سے مستفید ہوئے، فاضل بنے اور انھی کی لخت جگر آپ کے حِبالۂ عقد میں آئیں۔'' (الباعث الحثیث، ص: 24) پھر ''تہذیب الکمال'' جیسی عظیم الشان مُطَوَّل کتاب کا سماع بھی انھی سے کیا۔ عرصۂ دراز تک شیخ مزی کی خدمت اور صحبت میں رہ کر اپنی علمی پیاس بجھائی اور کتاب وسنت کے اس چشمۂ صافی سے خوب خوب سیر ہوئے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کے ساتھ قربت اور مصاحبت کا نہایت خصوصی تعلق تھا جس نے آپ کی زندگی پر گہرے نقوش مرتب کیے۔ یہ خصوصی تعلق آپ کی علمی اور عملی زندگی پر بہت زیادہ اثر انداز ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بھی ایسے مسائل میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ سے متاثر تھے جن میں امام صاحب جمہور اسلاف سے متفرد ہیں۔ اس بنا پر آپ آزمائش میں مبتلا کیے گئے اور ستائے گئے۔

مشاہیر اہلِ علم کا خراج تحسین: شیخ احمد محمد شاکر مصری رحمۃ اللہ (الباعث الحثیث، ص: 24 پر) یوں رقم طراز ہیں: ''انھوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ سے بہت کچھ پڑھا، لمبا عرصہ ان کی شاگردی اور صحبت میں رہے، ان سے بہت محبت کی اور ان کے علوم وفنون سے بڑا فائدہ اٹھایا۔''

اسی طرح مشہور مؤرخ حافظ شمس الدین الذہبی رحمۃ اللہ سے بھی بہت کچھ حاصل کیا۔ حافظ ذہبی المعجم المختص میں اپنے

عظیم شاگرد رشید امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے متعلق رقمطراز ہیں: ''وہ امام، مفتی، محدث، نہایت با کمال، گونا گوں اوصاف کے مالک، فقیہ اور مفسر قرآن تھے اور ان کی کتب بہت مفید ہیں۔'' (الدرر الکامنة: 374,373/1)

اقلیم حدیث کے تاجدار حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنی کتاب (الدرر الکامنة: 374,373/1) میں ابن کثیر رحمہ اللہ کی بابت لکھتے ہیں: ''وہ رجال حدیث اور متونِ حدیث کے مطالعہ میں مشغول رہے...... اور ان کا استحضار بلا کا تھا، نہایت ہنس مکھ اور خوش طبع تھے۔ ان کی تصانیف ان کی زندگی ہی میں دور دراز تک پہنچ چکی تھیں اور لوگوں نے ان کی وفات کے بعد بھی ان کی کتب سے بہت فائدہ اٹھایا۔'' آخر میں فرماتے ہیں: ''ان کا شمار تو فقہاء محدثین میں ہوتا تھا۔''

المؤرخ الشہیر ابوالمحاسن جمال الدین یوسف بن سیف الدین المعروف بابن تغری بُردِی حنفی اپنی کتاب المنهل الصافي والمستوفي بعد الوافي میں تحریر کرتے ہیں: ''بحرِ بے کراں امام ابوالفداء عماد الدین نے علم اور مطالعۂ حدیث کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔ یہ عادت ان کی فطرت ثانیہ بن گئی۔ انھوں نے علم حاصل کیا، لکھا اور فقہ، تفسیر اور حدیث میں ممتاز مقام پر فائز ہوئے۔ انھوں نے بہت سے اساتذہ سے بہت سا علم جمع کیا، تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں منہمک رہے۔ حدیث، تفسیر، فقہ اور عربی زبان وغیرہ میں وسیع الاطلاع اور بڑی معلومات کے حامل تھے۔ تاحیات مسند فتوی اور مسند درس و تدریس پر متمکن رہے۔'' اور واقعتاً وہ اس کے اہل بھی تھے۔

استاد احمد شاکر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''امام ابن کثیر رحمہ اللہ ضبط و تحریر میں مشہور ہوئے، تاریخ و حدیث اور تفسیری علم کی سربراہی ان پر ختم ہو گئی۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے شعر و سخن کے میدان میں بھی طبع آزمائی کی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس میدان کے لیے منتخب ہی نہیں کیا تھا۔ (الباعث الحثيث، ص:25)

تلامذہ: امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ساری زندگی درس و تدریس میں بسر فرمائی، اپنے دور کے بڑے بڑے علمی مراکز میں مسند تدریس پر فائز رہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ تذکرہ نگاروں نے آپ کے شاگردوں میں سے، جن کی تعداد بہت زیادہ تھی، صرف ایک دو کا نام ذکر کیا ہے، البتہ ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خان ندوی بہت تحقیق اور تلاش و جستجو کے بعد آپ کے درج ذیل چودہ شاگردوں کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوئے ہیں:

(1) ابن الیونانیہ (707-793ھ) شمس الدین محمد بن علی بن احمد بن محمد الیونانی البَعلی۔ ابن العماد نے لکھا ہے کہ انھوں نے تفسیر ابن کثیر کی تلخیص بھی کی تھی۔

(2) ابن سند (729-792ھ) شمس الدین ابوالعباس محمد بن موسیٰ بن محمد بن سند بن نعیم اللَّخمِی

(3) یحییٰ الرَّجبی (715-794ھ) محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن یوسف بن یعقوب بن احمد بن یحییٰ الرجبی

(4) محمد الزرکشی (745-794ھ) بدر الدین محمد بن بہادر بن عبداللہ

(5) ابن عنقہ البسکری (م 804ھ) ابوجعفر محمد بن محمد

(6) سعد النواوی (729-805ھ) سعد الدین سعد بن یوسف

(7) ابن الحریری (738-813ھ) شہاب الدین احمد بن محمد

(8) علی الرَّدّماوِی (741-813ھ) ابوزید وابوالحسن علی بن زید

(9) ابن الحسبانی (749-815ھ) شہاب الدین ابوالعباس احمد بن اسماعیل

(10) مسعود الاَنطاکی (م 815ھ) شرف الدین مسعود بن عمر بن محمود

(11) ابن حجّی السعدی (751-816ھ) شہاب الدین ابوالعباس احمد بن العلاء

(12) محمد الحبتی (745-825ھ) شمس الدین ابوالمعالی محمد بن احمد

(13) ابن الجَزَرِی (751-833ھ) شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد

(14) عبدالعزیز بن عثمان بن یوسف بن المجد الشیرازی [1]

شاگردوں کا خراج تحسین: ابن حجّی اپنے استاد محترم رحمہ اللہ کو ان الفاظ کی ساتھ خراج تحسین پیش کرتے ہیں: ''جن اساطین علم کو ہم نے پایا ہے ان میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ متون حدیث کے سب سے بڑے حافظ تھے، نیز علم جرح وتعدیل اور صحیح وضعیف احادیث کے بہت بڑے عارف وماہر تھے۔ ان کے ہم درس، ہم عصر اور ان کے شیوخ بھی ان کی ان خوبیوں اور کمالات کا اعتراف کرتے تھے۔ میں ان کی خدمت میں بکثرت حاضر ہوا ہوں اور ان سے استفادہ ہی کیا ہے۔'' (شذرات الذهب: 232,231/6)

امام ابن کثیر، ابن رافع، مغلطائی اور حافظ حسینی، ان چار ہم عصر اہل علم کی بابت حافظ زین الدین عراقی سے کسی شخص نے پوچھا کہ ان معاصرین میں سے کون سب سے بڑا عالم ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ ان چاروں میں سے متون اور تاریخ کے سب سے زیادہ حافظ وعالم امام ابن کثیر رحمہ اللہ ہیں۔ سب سے زیادہ ٹک کر علم حدیث حاصل کرنے والے اور مؤتلف ومختلف کے بڑے عالم ابن رافع ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ معلومات کے حامل اور وسیع الاطلاع اور انساب کے عالم مغلطائی ہیں اور سب سے زیادہ تخریج کے علم سے واقف اور سب سے زیادہ ہم عصر شیوخ سے باخبر حافظ حسینی ہیں۔

مشہور مؤرخ، فقیہ، ادیب ابوالفلاح عبدالحیٔ بن العماد حنبلی المتوفی 1089ھ اپنی تالیف (شذرات الذهب فی أخبار من ذهب: 231/6) میں یوں رقم طراز ہیں: ''حافظ عماد الدین نے اٹھارہ برس کی عمر میں ''التنبیه'' حفظ کر کے سنا دی۔ وہ کثیر الاستحضار، قلیل النسیان اور جید الفہم تھے۔''

درس وتدریس، افتاء اور ذکر الٰہی: امام موصوف نے علمی مشغولیت کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ خوب محنت کر کے علم حاصل کیا، بہت سی کتب تصنیف کیں، فقہ، تفسیر، علم حدیث، عربیت، رجال، علل اور نحو میں مہارت حاصل کی، بہت سی کتب جمع کیں، درس دیا، حدیث بیان کی، تاحیات مسند افتاء وتدریس پر جلوہ افروز رہے، ضبط وتحریر میں خاصی شہرت پائی۔ تاریخ، حدیث اور تفسیر کے علم میں اپنے دور میں سب سے اونچے مقام پر فائز تھے۔ اپنے استاذ امام ذہبی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد مدرسہ امام صالح میں شیخ الحدیث کی سند سنبھالی، امام جلیل ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔

تصنیفات: آپ نے مختلف علوم وفنون، خصوصًا تفسیر، حدیث اور تاریخ میں بہت سی کتب تصنیف فرمائیں جو بے حد مفید اور نافع

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں الامام ابن کثیر رحمہ اللہ، ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خان الندوی، ص: 78-87 طبع دار ابن کثیر دمشق، بیروت۔

ہیں اور ان میں سے بعض مطوّل، بعض متوسط اور بعض مختصر حجم کی ہیں، ان میں سے بعض زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور بعض ابھی تک مخطوطات کی صورت میں دنیا کی مختلف لائبریریوں کی زینت ہیں۔ آپ کی تمام تصنیفات کی تعداد 34 ہے جن میں سے چند اہم کے نام حسب ذیل ہیں:

کتب مطبوعہ:

(1) تفسیر القرآن العظیم ...... یہی تفسیر ابن کثیر ہے۔ اس کے بارے میں بحث گذر چکی ہے۔

(2) الهدی والسنن فی أحادیث المسانید والسنن: ابن کثیر رحمہ اللہ کی یہی کتاب جامع المسانید کے نام سے مشہور ہے۔ آپ نے اس کتاب میں ان دس کتب حدیث کی روایات کو جمع کر دیا ہے: کتب ستہ، یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداود، سنن نسائی، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند امام احمد بن حنبل، مسند ابوبکر البزار، مسند حافظ ابویعلی الموصلی اور المعجم الکبیر للطبرانی۔ مزید برآں ان مذکورہ دس کتب حدیث کی مجموعہ روایات کے علاوہ اور بھی احادیث ذکر کی ہیں۔ امام صاحب کا اپنا بیان ہے، فرماتے ہیں: ''میں اس کتاب (جامع المسانید والسنن) میں (مذکورہ) دس کتب کی روایات کے علاوہ بسا اوقات اور کتب کی روایات بھی ذکر کرتا ہوں۔'' (جامع المسانید والسنن: 10/1) اس کتاب میں مختلف موضوعات از قسم احکام، تفسیر، تاریخ، رقائق، فضائل وغیرہ کی بابت ایک لاکھ سے زیادہ صحیح، حسن، ضعیف، موضوع اور مکرر احادیث بیان کی گئی ہیں۔ اس کتاب کی بابت کہا گیا ہے: ''امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی تصانیف میں سے یہ مفید ترین تصنیف ہے۔'' اس کتاب کا قلمی نسخہ دار الکتب المصریة میں موجود ہے۔

(3) البدایة والنهایة: فن تاریخ میں یہ کتاب بڑی معرکۃ الآراء تصنیف شمار ہوتی ہے۔ اور کچھ اس طرح سے مرتب کی گئی ہے کہ سال اور مہینے وغیرہ کی ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے، یعنی پہلے ایک سال میں واقع ہونے والا واقعہ، پھر اس کے بعد والے سال کا، پھر اس کے بعد والے کا۔ اس کتاب میں امام صاحب نے قرآن کریم اور حدیث شریف میں مذکور انبیاء ورسل علیہم السلام اور سابقہ اقوام وامم کے قصے اور واقعات ترتیب وار بیان کیے ہیں۔ ان قصص اور واقعات میں غرائب ومناکیر اور اسرائیلی روایات کا ذکر کرتے ہیں۔ اور کئی مقامات پر ان کا ضعف اور کمزوری بھی لکھتے ہیں۔ اور اس میں سیرت النبی ﷺ اور خلافت راشدہ کا بیان ہے حتیٰ کہ اپنے عہد تک کی مفصل تاریخ بیان کی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے 767ھ یعنی اپنی وفات سے تقریباً چھ سات سال قبل تک کی تقریباً مکمل تاریخ بیان کر دی ہے۔ مؤرخ ابن تغری اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں: ''یہ (البدایة والنهایة) بہت خوب کتاب ہے۔'' بدرالدین عینی نے اپنی تاریخ میں عموماً اسی پر انحصار کیا ہے۔ اس کتاب میں اگرچہ رطب ویابس، قصص اور واقعات درج کیے گئے ہیں لیکن سیرت النبی ﷺ والا حصہ بہترین ہے۔ بہت سے اہل علم کا تذکرہ موجود نہیں لیکن اس سب کچھ کے باوجود فن تاریخ میں دوسری کتابوں کی نسبت قدرے بہتر ہے۔

(4) الاجتهاد فی طلب الجهاد: یہ کتاب امام صاحب نے امیر منجک بن عبداللہ سیف الدین یوسفی المتوفی 776ھ کی ترغیب اور خواہش پر لکھی۔ اس کا ایک قلمی نسخہ دار الکتب المصریة میں موجود ہے۔ یہ کتاب آٹھویں صدی میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین واقع ہونے والے معرکوں اور حوادث کے بیان پر مشتمل ہے اور ایک معتبر تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی

ہے کیونکہ اس کتاب میں مصنف نے اس دور میں وقوع پذیر ہونے والے حوادثات کو امانت و دیانت اور سچائی کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ کتاب کے مقدمے میں مصنف رحمہ اللہ نے وہ آیات ذکر کی ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ پر ابھارتی ہیں، پھر احادیث نبویہ میں سے تیرہ حدیثیں بیان کی ہیں۔ اس کے بعد وہ حدیث بیان فرمائی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان واقع ہونے والی کشمکش اور ٹکراؤ کا بیان فرمایا ہے، پھر فرنگیوں کے اسکندریہ کے قلعے پر حملہ آور ہونے اور مسلمانوں کی مزاحمت کا بیان ہے۔ بعد ازاں مسلمانوں کی جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلے میں اس مسلسل جدوجہد، مخلصانہ کوشش اور لازوال خدمات کا ذکر ہے جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زریں دور میں شام کے علاقوں میں سرانجام دیں۔ اور جو کچھ اس کے بعد ہوا، مثلاً: فرنگیوں کا بیت المقدس پر قابض ہونا اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا ان کی اچھی طرح ''ٹھکائی'' کر کے بیت المقدس کو ان کے ناپاک اور غلیظ ہاتھوں سے چھڑانا وغیرہ۔

(5) اختصار علوم الحديث: فن اصول حدیث پر لکھی گئی علامہ ابن صلاح کی کتاب علوم الحديث جو ''مقدمہ ابن صلاح'' کے نام سے معروف ہے یہ کتاب اس کا اختصار ہے۔ مؤلف نے کئی مقامات پر اس میں مفید اضافے بھی کیے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کتاب کی بابت فرماتے ہیں: ''اس کتاب (اختصار علوم الحديث) میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے بہت سے فوائد ہیں۔'' مصر کے مشہور سلفی عالم اور ماضی قریب کے محدث شیخ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ نے الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث کے نام سے اس کی بہترین اور عمدہ شرح لکھی ہے جس میں شیخ نے جابجا مفید اضافے بھی کیے ہیں۔

(6) شمائل الرسول و دلائل نبوته و فضائله و خصائصه: سیرت رسول امین ﷺ پر لکھنا ہر مسلمان مصنف کا خواب ہوتا ہے۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے اور یہ سعادت ہر ایک مؤلف کو حاصل بھی نہیں ہوتی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کو یہ سعادت بھی حق تعالیٰ کی طرف سے نصیب ہوئی کہ انھوں نے سیرت النبی ﷺ پر ایک بڑی مفصل اور طویل کتاب لکھی۔

(7) اختصار السيرة النبوية: یہ بھی سیرت ہی پر لکھی گئی ایک مختصر کتاب ہے۔ امام صاحب نے اس کا ذکر اپنی تفسیر میں سورۂ احزاب میں غزوۂ خندق کے بیان میں کیا ہے۔ یہ کتاب 1358ھ میں مصر سے الفصول في اختصار سيرة الرسول کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا ایک قلمی نسخہ مدینہ طیبہ میں کتب خانہ شیخ الاسلام میں موجود ہے۔ والله أعلم.

(8) رسالة في فضائل القرآن: یہ رسالہ اپنے موضوع پر مختصر مگر جامع اور مفید ہے۔

(9) أحاديث التوحيد والرد على الشرك: اس کتاب کی بابت کہا گیا ہے کہ 1297ھ میں دہلی میں طبع ہوئی۔

کتب مخطوطہ:

(1) طبقات الشافعية: اس کتاب میں فقہائے شافعیہ کا بہت خوبصورت تذکرہ ہے۔

(2) مناقب الشافعي: اس رسالے میں مصنف نے امام شافعی رحمہ اللہ کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب (کشف الظنون: 1840/2) میں اس کتاب کا نام الواضح النفيس في مناقب الإمام ابن إدريس ذکر کیا ہے۔ خود امام

ابن کثیر نے اس کا ذکر اپنی کتاب البداية والنهاية میں امام شافعی رحمہ اللہ کے تذکرے میں کیا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ بھی طبقات الشافعیہ کے ساتھ مجلد ہے۔

کتب مفقودہ:

(1) الأحكام: امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے احادیث احکام کے متعلق ایک ضخیم کتاب لکھنی شروع کی تھی لیکن اس کو مکمل نہ کر سکے، صرف کتاب الحج تک لکھ سکے۔

(2) مسند الشيخين: اس کتاب میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے شیخین کریمین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی امارت کی کیفیت اور ان کے فضائل وشمائل ذکر کیے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث کو بھی یہ کتاب شامل ہے۔ اور تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

(3) السماع: امام ابن کثیر کی اس کتاب کا ذکر حاجی خلیفہ نے (کشف الظنون:1002/2) میں کیا ہے۔

(4) شرح صحيح البخاري: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے أَصَحُّ الْكُتُبِ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ قرآنِ مقدس کے بعد کرۂ ارض پر صحیح ترین کتاب صحيح البخاري کی شرح لکھنی شروع کی تھی مگر اس کو مکمل نہ کر سکے۔ پس تھوڑے سے حصے ہی کی شرح کر سکے تھے۔ دیکھیے (كشف الظنون:550/1)

(5) تخريج أحاديث أدلة التنبيه في فروع الشافعية.

(6) تخريج أحاديث مختصر ابن حاجب: مذکورہ دونوں کتابیں التنبيه اور مختصر ابن حاجب وہی کتابیں ہیں جن کو امام صاحب نے زمانۂ طالب علمی میں تقریباً اٹھارہ سال کی عمر میں حفظ کر لیا تھا اور التنبيه تو سنا بھی دی تھی۔

(7) الكواكب الدراري في التاريخ: یہ کتاب، امام صاحب کی اپنی ہی کتاب البداية والنهاية ہی سے انتخاب ہے۔ (كشف الظنون:1521/2)

(8) كتاب المقدمات: مصنف رحمہ اللہ نے اس کا ذکر مختصر مقدمہ ابن صلاح (اختصار علوم الحديث) میں کیا ہے۔

(9) مختصر كتاب، المدخل إلى كتاب السنن، للبيهقي: اس کا ذکر بھی امام صاحب نے اختصار علوم الحديث ہی میں کیا ہے۔

(10) التكميل في معرفة الثقات والضعفاء والمجاهيل: یہ فن رجال کی کتاب ہے۔ اس میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنے دو اساتذۂ کرام امام مزی اور امام ذہبی رحمہ اللہ کی دو کتابیں تهذيب الكمال اور ميزان الاعتدال جمع کر دی ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے بھی بہت سے مفید اضافے کیے ہیں۔ اس کتاب کے متعلق خود مصنف کے اپنے الفاظ یہ ہیں: ''یہ کتاب ایک ماہر فقیہ اور محدث کے لیے بہت ہی مفید ہے۔''

(11) مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو حروف کے اعتبار سے ترتیب دیا تھا اور اس کے ساتھ مسند أبي يعلى اور المعجم للطبراني سے زوائد بھی درج کیے تھے۔

ان مذکورہ تصنیفات کے علاوہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی اور بھی کئی تصنیفات از قسم ذیول، شروح اور اختصار وغیرہ ہیں۔ کئی

کتب کا صرف نام ہی ملتا ہے۔

وفات: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ اور ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝﴾ کے قانون قدرت کے عین مطابق تصنیف وتالیف کے بادشاہ اور مسندِ افتاء وتدریس کے شہسوار حافظ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بقول صاحب المنهل الصافی بروز جمعرات، 26 شعبان، 774ھ کو دمشق میں اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ کم وبیش 74 برس قبل طلوع ہونے والا علم تفسیر وحدیث، تاریخ واصول حدیث، فن رجال وعلل اور نحو وغیرہ کا یہ مہتاب غروب ہوگیا اور دمشق میں اپنے محبوب اور جلیل القدر استاذ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے پہلو میں دفن ہوا۔ ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝﴾ نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُمَا وَجَعَلَ الْجَنَّةَ مَثْوَاهُمَا.

مثلِ ایوانِ سَحر مَرقَد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شَبستاں ہو ترا
آسماں تری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نَورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آخری عمر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ آپ کی وفات پر آپ کے کسی شاگرد نے بڑا ہی دردناک مرثیہ لکھا جس کے دو شعر یہ ہیں:

لِفَقْدِكَ طُلَّابُ الْعُلُومِ تَأَسَّفُوا
وَجَادُوا بِدَمْعٍ لَّا يَبِيدُ غَزِيرٌ
وَلَوْ مَزَجُوا مَاءَ الْمَدَامِعِ بِالدِّمَا
لَكَانَ قَلِيلًا فِيكَ يَا ابْنَ كَثِيرٌ

''آپ کی موت کی وجہ سے شائقین علم رنجیدہ اور مغموم ہیں۔ وہ اس قدر کثرت سے آنسو بہا رہے ہیں جو تھمنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اے ابن کثیر! اگر وہ آنسوؤں کے ساتھ لہو بھی ملا دیتے تب بھی یہ (تمھاری یاد میں بہائے ہوئے آنسو) تھوڑے ہی تھے۔''[1]

اولاد: آپ نے پسماندگان میں دو نامور فرزند چھوڑے تھے۔ ایک زین الدین عبدالرحمٰن جنھوں نے 792ھ میں وفات پائی اور دوسرے بدرالدین ابوالبقاء۔ یہ بہت بڑے محدث تھے۔ انھوں نے 803ھ میں وفات پائی۔

[1] النجوم الزاهرة فی ملوك مصر والقاهرة، لابن تغری بردی: 124/11.

مقدمہ ابن کثیر رحمہ اللہ

شیخ، امام یکتائے روزگار، ماہر، حافظ، متقی و پرہیزگار عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن خطیب ابو حفص عمر بن کثیر شافعی، اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے اور ان سے راضی ہو جائے، فرماتے ہیں:

تمام تعریفیں اس اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے حمد کے ساتھ اپنی کتاب کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝﴾ (الفاتحة 1:2-4) ”تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، بڑا مہربان نہایت رحم والا، بدلے کے دن کا مالک ہے۔“ اور اس نے اپنی مخلوق کی تخلیق کا آغاز بھی حمد ہی سے کیا اور فرمایا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۥ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝﴾ (الأنعام 6:1) ”ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیروں اور روشنی کو بنایا، پھر بھی کافر اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر ٹھہراتے ہیں۔“

اور اس کے اختتام (کے ذکر) کو بھی حمد ہی سے کیا، چنانچہ اہل جنت اور اہل جہنم کے انجام کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ (الزمر 39:75) ”اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرد گھیرا باندھے ہوئے ہیں (اور) اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں۔ اور ان میں حق (و انصاف) کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔“ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝﴾ (القصص 28:70) ”اور وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، دنیا اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے اور اسی کا حکم (چلتا) ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“

چنانچہ دنیا و آخرت میں اسی کی تعریف ہے، یعنی ان تمام مخلوقات میں، جن کو اس نے پیدا فرمایا ہے اور جن کو وہ پیدا فرمائے گا، صرف وہی قابل تعریف ہے جیسا کہ نمازی بھی اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے: [اَللّٰهُمَّ ! رَبَّنَا! لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمَاوَاتِ وَمِلْءَ الْأَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ] ”اے اللہ! ہمارے پروردگار! تیرے ہی لیے تعریف ہے اتنی کہ جس سے آسمان بھر جائیں اور زمین بھر جائے اور اس کے بعد وہ چیز بھر جائے جس کو تو چاہے۔“ [1]

اور سب طرح کی تعریف اسی اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا جو ﴿ مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ ودعائه بالليل، حديث:771 مطوّلًا عن علي ﷺ، و سنن النسائي، التطبيق، باب ما يقول في قيامه ذلك، حديث:1067 عن ابن عباس ﷺ واللفظ له.

لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ﴾ (النسآء 165:4) ''خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے ہیں تا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے۔'' اور تمام پیغمبروں کے بعد، سب سے آخر میں اس نے اپنے نبی اُمّی، عربی، مکی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا جو سب سے زیادہ واضح راستے کی طرف رہنمائی کرنے والے تھے اور (اس طرح) انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ مکمل فرما دیا۔ آپ ﷺ کو بعثت سے لے کر قیامت تک کے تمام انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ا۟لَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝ ﴾ (الأعراف 158:7) ''(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں (وہ) جس کے پاس آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگانی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، لہٰذا اللہ اور اس کے رسول اُمّی نبی پر، جو خود اللہ اور اس کے تمام کلمات پر ایمان رکھتے ہیں، ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو تا کہ ہدایت پاؤ۔'' اور فرمایا: ﴿ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ ﴾ (الأنعام 19:6) ''تا کہ میں اس (قرآن) کے ذریعے سے تم کو اور جس جس تک وہ پہنچ سکے، آگاہ کردوں۔'' چنانچہ جس عربی وعجمی، سیاہ وسرخ اور انسان وجنّ تک یہ قرآن پہنچ جائے تو یہ اسے آگاہ کرنے والا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ ﴾ (هود 17:11) ''اور جو کوئی اور گروہوں میں سے اس سے منکر ہو تو اس کا ٹھکانا آگ ہی ہے۔'' پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ واضح نص ہے کہ مذکورہ بالا لوگوں میں سے جو کوئی بھی قرآن کا انکار کرے گا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ ﴾ (القلم 44:68) ''لہٰذا چھوڑ دیجیے مجھے اور اسے جو اس حدیث (قرآن) کو جھٹلاتا ہے، ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔'' اور رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے: [وَبُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ] ''اور مجھے سرخ وسیاہ کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔''① امام مجاہد فرماتے ہیں کہ سرخ وسیاہ سے مراد انسان اور جن ہیں،② پس رسول اللہ ﷺ تمام انسانوں اور جنوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ان تک اس کتاب عزیز کو پہنچانے والے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر بذریعہ وحی نازل کیا اور جس کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 42:41) ''اس (کتاب) پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہوسکتا ہے نہ پیچھے سے (اور یہ) دانا (اور) خوبیوں والے (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے۔''

قرآن میں غور کرنے کی تلقین: رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں تلقین فرمائی ہے کہ وہ قرآن مجید کو سمجھنے کی کوشش کریں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۝ ﴾ (النسآء 82:4) ''بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ یقیناً اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔'' اور فرمایا: ﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْۤا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝ ﴾ (صٓ 29:38) ''(یہ) کتاب جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے بابرکت ہے تا کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تا کہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔'' نیز فرمایا: ﴿ اَفَلَا

① صحيح مسلم، كتاب وباب المساجد ومواضع الصلاة، حديث: 521 عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه ومسند أحمد: 145/5 واللفظ له عن أبي ذر رضي الله عنه. ② المستدرك للحاكم، التفسير، سورة سبا: 424/2، حديث: 3587 وتفسير القرطبي: 217/16.

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝﴾ (محمد 47: 24) ''بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں؟'' لہٰذا علماء پر واجب ہے کہ وہ کلام اللہ کے معانی کو واضح کریں، اس کی تفسیر بیان کریں اور اسے اس کے مراجع وماخذ سے حاصل کریں، نیز اسے سیکھیں اور دوسروں کو بھی سکھائیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝﴾ (آل عمران 3:187) ''اور جب اللہ نے ان لوگوں سے، جن کو کتاب عنایت کی گئی تھی، عہد لیا کہ (اس میں جو کچھ لکھا ہے) اسے ضرور صاف صاف بیان کرتے رہنا اور اس (کی کسی بات) کو نہ چھپانا تو انھوں نے اس کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت حاصل کی، لہٰذا یہ جو کچھ حاصل کرتے ہیں برا ہے۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰۗىِٕكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ (آل عمران 3: 77) ''جو لوگ اللہ کا عہد اور اپنی قسموں (کو بیچ ڈالتے ہیں اور ان) کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کرتے ہیں ان کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ قیامت کے روز ان سے اللہ نہ تو ان سے کلام کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی اس وجہ سے مذمت فرمائی ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی اس کتاب سے منہ پھیر لیا تھا جو ان کی طرف نازل کی گئی تھی، نیز انھوں نے دنیا اور اس کی دولت کے جمع کرنے ہی کو مقصود اصلی بنالیا تھا۔ علاوہ ازیں کتاب اللہ کی پیروی کے بجائے، جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا، وہ دوسری ہی چیزوں میں مشغول ہو گئے تھے۔

لہٰذا اے مسلمانو! ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کاموں سے باز آجائیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی ہے اور اسے بجالائیں جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کو سیکھیں جو اس نے ہماری طرف نازل فرمائی ہے اور اسے دوسروں کو بھی سکھائیں، اسے خود بھی سمجھیں اور دوسروں کو بھی سمجھائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝﴾ (الحدید 57: 16،17) ''کیا ابھی تک مومنوں کے لیے اس کا وقت نہیں آیا کہ اللہ کی یاد کرنے کے وقت اور (قرآن) جو حق تعالیٰ (کی طرف) سے نازل ہوا ہے، اس کے سننے کے وقت ان کے دل نرم ہو جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو (ان سے) پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر ان پر زمان طویل گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ تم جان رکھو کہ اللہ ہی زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے، ہم نے اپنی نشانیاں تم سے کھول کھول کر بیان کر دی ہیں تاکہ تم سمجھو۔''

یہاں پہلی آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو دوسری آیت ﴿ اِعْلَمُوْٓا ...... ﴾ کا ذکر فرمایا ہے تو اس سے یہ بات سمجھانا مقصود ہے کہ جس طرح وہ زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے اسی طرح وہ دلوں کو بھی گناہوں اور معصیتوں سے سخت ہو جانے کے بعد ایمان اور ہدایت کے ساتھ نرم کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے اور دعا بھی کہ وہ ہمارے دلوں کو بھی ایمان اور ہدایت سے نرم فرما دے۔ إِنَّهُ جَوَّادٌ كَرِيمٌ.

اصول تفسیر: اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ تفسیر کا سب سے بہتر طریقہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تفسیر کا سب سے صحیح طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی کے ساتھ کی جائے کیونکہ قرآن مجید میں ایک چیز کو اگر ایک جگہ اجمال سے بیان کیا گیا ہے تو دوسری جگہ اسے تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے اگر کسی جگہ دشواری پیش آئے تو پھر قرآن کی سنت کے ساتھ تفسیر کریں کیونکہ سنت قرآن کی شرح اور وضاحت کرنے والی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ۝ ﴾ (النسآء 4:105) ''(اے پیغمبر!) ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ اللہ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اور دغا بازوں کے حمایتی نہ بنیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ ﴾ (النحل 16:44) ''اور ہم نے آپ پر بھی یہ ذکر (قرآن) نازل کیا ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل کیے گئے ہیں وہ ان پر واضح کر دیں اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔''

اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے: [أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ] ''سن رکھو! بے شک مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی۔'' ① مثل سے مراد سنت ہے، سنت بھی آپ پر بذریعہ وحی اسی طرح نازل ہوتی تھی جس طرح قرآن نازل ہوتا تھا، ہاں! البتہ سنت کی اس طرح تلاوت نہیں کی جاتی جس طرح قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ آپ قرآن کی تفسیر سب سے پہلے قرآن ہی سے طلب کریں، اگر قرآن سے نہ ملے تو پھر اسے سنت سے حاصل کریں اور اگر کسی مقام کی تفسیر قرآن اور سنت دونوں ہی سے نہ ملے تو پھر ہم اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف رجوع کریں گے کیونکہ وہ دوسرے لوگوں کی نسبت قرآن کی تفسیر کو سب سے زیادہ جانتے تھے، اس لیے کہ انھوں نے ان قرائن اور حالات کا مشاہدہ کیا جو انھی کے ساتھ مخصوص تھے اور وہ فہم و بصیرت، علم صحیح اور عمل صالح کی نعمتوں سے بہرہ ور تھے، خصوصاً وہ جن کا علماء اور کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتا ہے، مثلاً: ائمۂ اربعہ یعنی حضرات خلفائے راشدین، و دیگر ائمہ مہتدین و مہدیین اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم۔

امام ابوجعفر ابن جریر نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! کتاب اللہ میں نازل ہونے والی ہر آیت کے بارے میں، میں یہ جانتا ہوں کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی، اگر مجھے یہ علم ہو کہ کوئی شخص کتاب اللہ کا مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے تو میں اس کی خدمت میں ضرور حاضری دوں، خواہ (وہ اس قدر دور ہو کہ) سواریوں پر سوار ہو کر اس کے پاس پہنچنا پڑے۔ ②

انھی مفسر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک امت کے بڑے عالم اور بحر علم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور آپ کی دعا کی برکت سے ترجمان القرآن تھے، رسول اللہ ﷺ نے آپ کے لیے یہ دعا فرمائی تھی: [اَللّٰھُمَّ! فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ] ''اے اللہ! انھیں دین میں فقاہت عطا فرما اور قرآن مجید کی تفسیر (کا علم) سکھا۔'' ③

① مسند أحمد: 130/4 و سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، حديث: 4604 عن المقدام رضی اللہ عنہ. ② تفسير الطبري: 56/1 اور دیکھیے صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب القرّاء من أصحاب رسول الله ﷺ، حديث: 5002 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ، حديث: 2463,2462. ③ پہلا جز صحيح البخاري، الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء، حديث: 143 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن عباس رضی اللہ عنہما، حديث: 2477 کے مطابق ہے اور دوسرا جز صحيح البخاري، حديث: 75 میں اس طرح ہے: [اَللّٰھُمَّ! عَلِّمْهُ الْكِتَابَ] و مسند أحمد: 314/1، و اللفظ له.

امام ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابن عباس قرآن مجید کے بہت اچھے ترجمان ہیں۔ [1] اس قول کی سند صحیح ہے۔ صحیح قول کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا 32ھ میں انتقال ہوا جبکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے بعد چھتیس سال تک زندہ رہے۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ ابن مسعود کے بعد انھوں نے کیا کیا علوم نہ سیکھے ہوں گے؟ اعمش نے ابووائل سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو امیر حج مقرر کیا، آپ نے حج کا خطبہ دیا اور اپنے خطبے میں سورۂ بقرہ۔ اور ایک روایت کے مطابق سورۂ نور۔ کی تلاوت کی اور اس کی اس قدر شاندار تفسیر بیان فرمائی کہ اگر اسے رومی، ترکی اور دیلمی لوگ سن لیتے تو مشرف بہ اسلام ہو جاتے۔ [2]

یہی وجہ ہے کہ اسماعیل بن عبدالرحمٰن سُدّی کبیر کی اپنی تفسیر میں اکثر و بیشتر روایات انھی دونوں صحابیوں ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ہیں۔ سُدّی بسا اوقات ان سے اہل کتاب کے وہ اقوال بھی نقل کر دیتے ہیں جنھیں بیان کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز قرار دیا ہے اور فرمایا ہے: [بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً، وَّحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ] ''مجھ سے آگے پہنچاؤ، خواہ (تمھیں) ایک آیت (ہی معلوم) ہو اور بنی اسرائیل سے بیان کرو اس میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن جس نے جان بوجھ کر میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کی تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔'' [3] اس حدیث کو امام بخاری نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو جنگ یرموک کے دن اہل کتاب کی کتابوں کے دو ڈھیر ملے تھے اور وہ ان سے بیان کرتے تھے کیونکہ مذکورہ بالا حدیث سے انھوں نے یہ سمجھا تھا کہ اہل کتاب سے روایت کرنے کی اجازت ہے۔

اسرائیلی روایات کا مقام: لیکن ان اسرائیلی روایات کو دلیل کے طور پر نہیں بلکہ صرف بطور استشہاد پیش کیا جاتا ہے۔ اور ان کی تین اقسام ہیں: (1) جن کے بارے میں ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ صحیح ہیں کیونکہ کتاب و سنت (یا ان کے اصول) ان کے صحیح ہونے کی شہادت دیتے ہیں تو یہ روایات صحیح ہیں۔ (2) جن کے بارے میں ہمیں یہ معلوم ہے کہ یہ اسرائیلی روایات جھوٹی ہیں کیونکہ کتاب و سنت (اور ان کے اصول) سے ان کی مخالفت ثابت ہے اور (3) وہ روایات جن کے بارے میں کتاب و سنت (اور ان کے اصول) خاموش ہیں۔ یہ روایات نہ پہلی قسم میں سے ہیں اور نہ دوسری قسم میں سے، لہٰذا ہم نہ ان کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب، ہاں! البتہ مذکورہ دلیل کے پیش نظر انھیں بیان کرنا جائز ہے لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر روایات ایسی ہیں جن میں کوئی دینی فائدہ نہیں ہے، مثلاً: وہ روایات جن میں اصحاب کہف کے نام، ان کے کتے کا رنگ اور ان کی تعداد کو بیان کیا گیا ہے، عصائے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ کس درخت کا تھا، ان پرندوں کے ناموں کا ذکر ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے زندہ کیا تھا، گائے کے اس بعض حصے کا تعین ہے جسے مقتول کے جسم کے ساتھ لگایا گیا تھا، اس درخت کی نوعیت کے بارے میں بیان کیا گیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ اور اس طرح کی دیگر باتیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان نہیں فرمایا کیونکہ ان کے بیان کرنے میں انسانوں کے لیے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ نہ تھا۔

تابعین عظام رحمہم اللہ کی تفسیر کا مقام و مرتبہ: جب قرآن کی تفسیر قرآن سے، سنت سے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ ملے تو پھر بہت

[1] تفسیر الطبری: 61/1 و المستدرک للحاکم، معرفۃ الصحابۃ، ذکر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: 537/3، حدیث: 6291. [2] تفسیر الطبری: 57/1. [3] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب ما ذکر عن بنی إسرائیل، حدیث: 3461.

سے ائمہ اقوال تابعین، مثلاً: مجاہد بن جبر رحمہ اللہ کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں، وہ تفسیر بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھے۔ محمد بن اسحاق نے ابان بن صالح کے واسطے سے امام مجاہد سے یہ روایت کیا ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اول سے آخر تک مکمل قرآن مجید تین بار اس طرح پڑھا کہ میں ہر آیت (کے اختتام) پر انھیں روکتا تھا اور ان سے اس کی تفسیر کے بارے میں سوال کرتا تھا۔① ابن جریر نے ابن ابومُلَیکَہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے مجاہد رحمہ اللہ کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تفسیر قرآن کے بارے میں سوال کرتے ہوئے دیکھا، ان کے پاس ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیری دستاویزات بھی تھیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ان سے فرماتے کہ اسے لکھ لو، چنانچہ انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مکمل قرآن مجید کی تفسیر کے بارے میں سوالات کیے تھے۔② اسی وجہ سے سفیان ثوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تفسیر مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہو تو وہ تمھیں کافی ہے۔③

اسی طرح سعید بن جُبَیر، عِکرِمہ مولیٰ ابن عباس، عطاء بن ابورَباح، حسن بصری، مسروق بن اَجدَع، سعید بن مسیَّب، ابوالعالیہ، ربیع بن انس، قتادہ، ضَحّاک بن مُزَاحم رحمہم اللہ اور دیگر کئی تابعین اور ان کے علاوہ اتباع تابعین اور ان کے بعد کے لوگ ہیں جن کے اقوال کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، چنانچہ ایک آیت کے سلسلے میں ان کے اقوال ذکر کیے جاتے ہیں تو ان کی عبارت کے الفاظ مختلف ہوتے ہیں، لاعلمی کی وجہ سے کچھ لوگ اسے اختلاف پر محمول کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایک ہی مفہوم کے لیے مختلف اقوال بیان کر دیتے ہیں، حالانکہ ان میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ کچھ ائمہ ایک چیز کو اس کے لازم یا نظیر کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور کچھ بعینہ اسی چیز کو بیان کر دیتے ہیں، اکثر مقامات پر اس طرح کے مختلف اقوال کے معنی ایک ہی ہوتے ہیں، عقل مند آدمی کو یہ نکتہ خوب ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ وَاللّٰهُ الْهَادِي.

تفسیر بالرائے: محض رائے کے ساتھ قرآن مجید کی تفسیر کرنا حرام ہے۔ محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ أَوْ بِمَا لَا يَعْلَمُ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ] ''جو شخص قرآن مجید کے بارے میں کوئی بات اپنی رائے سے یا بغیر علم کے بیان کرے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔''④ اس حدیث کو امام ترمذی اور نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔⑤ اور ابوداود نے بھی روایت کیا ہے۔⑥ اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

معلوم کی تفسیر اور نامعلوم کے بارے میں سکوت: یہی وجہ ہے کہ سلف میں سے ایک جماعت نے علم کے بغیر تفسیر بیان کرنے میں حرج محسوس کیا ہے جیسا کہ ابن جریر نے ابومعمر کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: [أَيُّ أَرْضٍ تُقِلُّنِي وَأَيُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِي إِذَا قُلْتُ فِي الْقُرْآنِ بِمَا لَا أَعْلَمُ] ''جب میں قرآن مجید کے بارے میں کوئی ایسی بات کہہ دوں جسے میں جانتا نہیں تو مجھے کون سی زمین سمائے گی اور کون سا آسمان چھپائے گا؟''⑦

① تاریخ دمشق لابن عساکر: 47/60 و تفسیر الطبری: 62/1 و المعجم الکبیر للطبرانی: 77/11. ② تفسیر الطبری: 62/1.
③ تفسیر الطبری: 62/1. ④ تفسیر الطبری: 54/1. ⑤ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ما جاء فی الذی یفسر القرآن برأیه، حدیث: 2950 و السنن الکبریٰ للنسائی، فضائل القرآن، باب من قال فی القرآن بغیر علم: 31/5، حدیث: 8085 و شرح السنۃ: 257/1، حدیث: 117 و قال: هذا حدیث حسن. ⑥ الشیخ ابواسحاق حُوَینی حفظہ اللہ تفسیر ابن کثیر پر اپنی تحقیق میں فرماتے ہیں: لیکن یہ روایت ابوداود کے اس نسخے میں ہے جو علی بن حسن بن العبد انصاری رحمہ اللہ سے مروی ہے: 123/1، بحوالہ تخریج الإحیاء للعراقی: 37/1 والاتحاف للزبیدی: 526/4 اور دیکھیے تحفۃ الأشراف: 337,336/4. ⑦ تفسیر الطبری: 55/1.

ابن جریر ہی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کی: ﴿ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ﴾ (عبس 31:80) تو فرمایا کہ ﴿ وَّ فَاكِهَةً ﴾ ''پھل/میوے'' کو تو ہم جانتے ہیں مگر یہ [أَبّ] کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرمانے لگے کہ عمر! یہ تکلف ہے۔① عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ آپ دونوں، یعنی حضرت عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما نے چارے کی کیفیت کو معلوم کرنا چاہا تھا ورنہ ظاہر ہے کہ اس سے مقصود زمین کی نباتات ہیں اور اس سے لاعلم ہونا ناممکن ہے (بلکہ) یہ آیت اسی طرح واضح اور ظاہر ہے جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا ۝ ﴾ (عبس 28,27:80) ''پھر ہم نے اس میں اناج اگایا اور انگور اور ترکاریاں۔''

ابن جریر نے ابن ابوملیکہ سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک آیت کے بارے میں سوال کیا گیا۔ اگر تم میں سے کسی سے اس کے بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ اس کا ضرور جواب دیتا۔ مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے بارے میں کچھ کہنے سے انکار فرما دیا۔② اس روایت کی سند صحیح ہے۔ ابن جریر ہی نے ابن ابوملیکہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ ﴾ (السجدة 5:32) ''وہ ایک روز جس کی مقدار ہزار برس ہوگی'' کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ ﴿ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝ ﴾ (المعارج 4:70) ''اس روز جس کا اندازہ پچاس ہزار برس کا ہوگا'' سے کیا مراد ہے؟ اس نے کہا: میں نے تو آپ سے سوال کیا تھا تاکہ آپ مجھے بیان کریں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان دو دنوں کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے بارے میں وہی زیادہ جانتا ہے۔ (اس روایت سے معلوم ہوا کہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس بات کو ناپسند کیا کہ اللہ کی کتاب کے بارے میں کوئی ایسی بات کہیں جسے وہ جانتے نہیں ہیں۔③

لیث نے یحییٰ بن سعید سے اور انھوں نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ وہ قرآن مجید کے بارے میں صرف وہی تفسیر بیان کرتے تھے جس کا انھیں علم ہوتا تھا۔④ ایوب، ابن عون اور ہشام دَستُوائی نے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ میں نے عَبِیدہ سَلمانی سے قرآن مجید کی ایک آیت کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ لوگ چلے گئے ہیں جو یہ جانتے تھے کہ قرآن کس کے بارے میں نازل کیا گیا ہے، اللہ سے ڈرو اور راہ راست پر چلتے رہو۔⑤ شعبی نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ تفسیر بیان کرنے سے بچو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرنا ہے۔⑥

یہ اور اس طرح کی دیگر صحیح روایات جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمۂ سلف سے مروی ہیں، انھیں اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ وہ علم کے بغیر تفسیر بیان کرنے میں حرج محسوس کرتے تھے لیکن جس شخص کو لغت اور شریعت کا علم ہو تو اس کے لیے تفسیر بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا حضرات اور ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالح سے تفسیری اقوال مروی بھی ہیں اور ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ جس بات کا انھیں علم تھا، اسے انھوں نے بیان کر دیا اور جس کا علم نہیں تھا، اس کے بارے میں سکوت فرمایا۔ اور ہر شخص کے لیے واجب ہے کہ وہ یہی طرز عمل اختیار کرے کیونکہ جس طرح اس چیز کے بارے میں سکوت اختیار کرنا واجب ہے جس کا علم نہ ہو اسی طرح اسے بیان کرنا بھی واجب ہے جس کا اسے علم ہو کیونکہ ارشاد باری

① تفسیر الطبری:75/30 والمستدرك للحاكم،التفسير،باب تفسير سورة عبس:514/2، حديث:3897. ② تفسیر الطبری:59/1.
③ تفسیر الطبری:89/29. ④ تفسیر الطبری:59/1. ⑤ تفسیر الطبری:59/1. ⑥ مجموع الفتاوٰی لابن تیمیة:374/13.

تعالیٰ ہے: ﴿لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ﴾ (آل عمران 3:187) ''کہ تم اسے لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرتے رہو گے اور اس (کی کسی بات) کو نہ چھپاؤ گے۔'' اور کئی سندوں سے مروی حدیث میں ہے: [مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهٗ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ] ''جس شخص سے علم کے بارے میں سوال کیا گیا اور اس نے اسے چھپایا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔'' ①

تفسیر کے اعتبار سے آیات کی اقسام: ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تفسیر کی چار قسمیں ہیں: (1) جسے عرب، عربی کے اپنی زبان ہونے کی وجہ سے جانتے ہیں۔ (2) وہ جس کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو معذور نہیں سمجھا جا سکتا (جس کا علم ہر شخص کو ہو سکتا ہے۔) (3) جسے صرف علماء جانتے ہیں اور (4) وہ تفسیر جسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ ②

مکی اور مدنی سورتیں: ہمام نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی درج ذیل سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں: البقرة، آل عمران، النسآء، المآئدة، برآءة، الرعد، النحل، الحج، النور، الأحزاب، محمد، الفتح، الحجرات، الرحمن، الحديد، المجادلة، الحشر، الممتحنة، الصف، الجمعة، المنافقون، التغابن، الطلاق، التحريم کی ابتدائی دس آیات، الزلزال اور النصر اور ان کے علاوہ باقی تمام سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں تھیں۔ ③

قرآن کریم کی آیات کی تعداد: قرآن عظیم کی آیات کی تعداد چھ ہزار تو ہے ہی مگر اس پر مزید کتنی آیات ہیں؟ اس زائد تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک دو سو چار (204) آیات زیادہ ہیں، بعض کے نزدیک دو سو چودہ (214) آیات، بعض کے نزدیک دو سو انیس (219) آیات، بعض کے نزدیک دو سو پچیس (225) یا دو سو چھبیس (226) آیات اور بعض کے نزدیک دو سو چھتیس آیات زیادہ ہیں۔ ④ ان تمام اقوال کو ابو عمرو عثمان بن سعید دانی نے اپنی کتاب ''البیان'' میں ذکر کیا ہے۔ ⑤

کلمات وحروف کی تعداد: قرآن مجید کے کلمات کے بارے میں فضل بن شاذان نے عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ ان کی تعداد ستتر ہزار چار سو انتالیس (77439) ہے۔ ⑥ حروف کے بارے میں عبداللہ بن کثیر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ہمارے شمار کے مطابق ان کی تعداد تین لاکھ اکیس ہزار ایک سو اسی (3,21,180) ہے۔ ⑦ فضل، عطاء بن یسار سے روایت کرتے ہیں ان کی تعداد تین لاکھ تیئس ہزار پندرہ (3,23,015) ہے۔ سلّام ابو محمد حمّانی بیان کرتے ہیں کہ حجاج نے قراء، حفاظ اور کاتبوں کو جمع کیا اور ان سے کہا: مجھے یہ بتاؤ کہ سارے قرآن مجید میں کل کتنے حروف ہیں؟ ہم نے جب ان کا شمار کیا تو ہم سب کا اس بات پر اتفاق تھا کہ ان کی تعداد تین لاکھ چالیس ہزار سات سو چالیس (3,40,740) ہے۔ ⑧

---

① سنن أبي داود، العلم، باب كراهية منع العلم، حديث:3658 و جامع الترمذي، العلم، باب ما جاء في كتمان العلم، حديث:2649 و سنن ابن ماجه، المقدمة، باب من سئل عن علم فكتمه، حديث:266 و اللفظ له عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. ② تفسير الطبري:54/1. ③ الإتقان، النوع الأول:11/1-16. ④ دیکھیے تفسير القرطبي:65/1. ⑤ البيان في عدّ آي القرآن للداني، باب ذكر جملة آي القرآن: 79 اور یہ آخری قول ہی درست ہے۔ ⑥ تفسير القرطبي:65/1. ⑦ تفسير القرطبي:65/1. ⑧ البيان في عدّ آي القرآن للداني، باب ذكر جملة عدد كلم القرآن: 74 و تفسير القرطبي:64/1.

قرآن کریم کی دیگر تقسیمات: پھر حجاج نے کہا: یہ بتاؤ کہ قرآن مجید کا نصف کہاں ہوتا ہے؟ تو اسے بتایا گیا کہ سورۂ کہف کے کلمہ ﴿ وَلْيَتَلَطَّفْ ﴾ (الکهف 18:19) کے حرف ''فا'' پر نصف ہو جاتا ہے۔ ثلث اول سورۂ براءت کی آیت نمبر:100 پر ہے۔ ثلث دوم سورۂ شعراء کی آیت نمبر:100 یا 101 پر ہے اور ثلث سوم آخر تک ہے، اگر اسے سات حصوں میں تقسیم کیا جائے، تو پہلا حصہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ ﴾ (النسآء 4:55) کے حرف ''دال'' تک ہے، دوسرا حصہ سورۂ اعراف میں ﴿ حَبِطَتْ ﴾ (الأعراف 7:147) کے حرف ''تا'' تک ہے، تیسرا حصہ سورۂ رعد میں ﴿ اُكُلُهَا ﴾ (الرعد 13:35) کے دوسرے ''الف'' تک ہے، چوتھا حصہ سورۂ حج میں ﴿ جَعَلْنَا مَنْسَكًا ﴾ (الحج 22:34) کے ''الف'' تک ہے۔ پانچواں حصہ سورۂ احزاب میں ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ ﴾ (الأحزاب 33:36) کے حرف ''ہائے سکتہ'' تک ہے۔ چھٹا حصہ سورۂ فتح میں ﴿ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ﴾ (الفتح 48:6) کے حرف ''واؤ'' تک ہے اور ساتواں حصہ یہاں سے لے کر قرآن مجید کے آخر تک ہے۔

سلاّم ابو محمد حِمّانی بیان کرتے ہیں کہ یہ اعداد و شمار ہم نے چار ماہ میں معلوم کیے۔ ان لوگوں کا بیان ہے کہ حجاج ہر رات قرآن مجید کے ایک چوتھائی حصے کی تلاوت کیا کرتا تھا، چنانچہ پہلا ربع سورۂ انعام کے آخر تک، دوسرا رُبع سورۂ کہف کے ﴿ وَلْيَتَلَطَّفْ ﴾ تک، تیسرا رُبع سورۂ زمر کے آخر تک اور چوتھا رُبع قرآن مجید کے آخر تک تھا۔ شیخ ابو عمرو دانی نے اپنی کتاب ''البیان'' میں ان تمام اعداد و شمار کے بارے میں اختلاف بھی بیان کیا ہے۔[1] واللّٰہ أعلم.

قرآن کریم کے حصے اور اجزا: جہاں تک قرآن مجید کے حصوں اور اجزا (پاروں) کا تعلق ہے تو قرآن مجید کے تیس پارے ہیں جیسا کہ مدارس وغیرہ میں یہ رائج ہے۔ اور اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے قرآن مجید کے حصے مقرر کر کے تلاوت کرنے کے بارے میں مسند احمد، سنن ابوداود، سنن ابن ماجہ اور دیگر کتب میں اَوس بن حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ آپ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید کے کس طرح حصے مقرر کیا کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم اس کے تین، پانچ، سات، نو، گیارہ یا تیرہ حصے اور مفصل سورتوں کو ایک حصہ بنا لیا کرتے تھے۔[2]

سورت کے معنی اور اشتقاق: سورت کے معنی اور اس کے اشتقاق کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ اِبانۃ اور ارتفاع کے معنی میں ہے، یعنی منزل اور بلندی۔ نابغہ نے کہا ہے ؎

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَعْطَاكَ سُورَةً
تَرَى كُلَّ مَلِكٍ دُونَهَا يَتَذَبْذَبُ

''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی سربلندی عطا فرمائی ہے کہ ہر بادشاہ اس مرتبے سے (بہت) نیچے حیران و پریشان ہے۔''

ایک سورت کی تلاوت کے بعد دوسری سورت کی تلاوت کرتے ہوئے قاری گویا ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف منتقل ہوتا

---

[1] البیان فی عدّ آيِ القرآن للدانی، باب ذکر أجزاء القرآن: 302,301. [2] مسند أحمد: 9/4 و سنن أبي داود، الصلاة، باب تحزیب القرآن، حدیث: 1393 و سنن ابن ماجه، الصلوات، باب فی کم یستحب یختم القرآن، حدیث: 1345 اور دیکھیے سورۂ قٓ کا آغاز۔

ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ شرف و بلندی کی وجہ سے اسے سورت کہا جاتا ہے، گویا یہ سُورُ الْبُلْدان سے مشتق ہے جس کے معنی شہر پناہ کی دیوار کے ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ سورت کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ یہ قرآن مجید کا ایک قطعہ اور ایک حصہ ہوتا ہے اور یہ أَسْآرُ الْإِنَاء سے ماخوذ ہے جس کے معنی برتن کی باقی ماندہ چیز کے ہوتے ہیں۔ اس صورت میں یہ اصل میں ہمزہ کے ساتھ ہے، یعنی سؤر یا سئر ہمزہ کو واؤ سے بدل کر سؤر بنا دیا گیا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اپنے مضمون میں تمام و کمال کی وجہ سے اسے سورت کہا جاتا ہے، اس لیے کہ عرب کامل عمر کی اونٹنی کو سورۃ کہتے ہیں۔ میرے نزدیک اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اپنی آیات کے جمع و احاطے کی وجہ سے اسے سورت کے نام سے موسوم کیا گیا ہو جیسا کہ شہر پناہ کی فصیل کو سُورُ الْبَلَد کہتے ہیں کہ اس نے بازاروں اور گھروں کا احاطہ کیا ہوتا ہے۔ سورت کی جمع سُوَر (واؤ کے فتحہ کے ساتھ) نیز سُورَات اور سُوَرَات بھی ہے۔

آیت کے معنی: آیت اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ سابقہ کلام اگلے کلام سے منقطع اور الگ ہے، یعنی ایک آیت دوسری آیات سے جدا اور منفرد ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ ﴾ (البقرة 2:248) ''ان کی بادشاہت کی نشانی۔'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت کو آیت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بہت عجیب کلام ہے کہ بشر اس طرح کے کلام کے بولنے سے عاجز و قاصر ہے۔ سیبویہ نے کہا ہے کہ آیت، اصل میں أَيَيَةٌ ہے جیسے أَكَمَةٌ اور شَجَرَةٌ ہے۔ یاء کے ماقبل فتحہ ہونے کی وجہ سے اسے الف سے بدل دیا گیا اور پہلے الف کے بعد مد کا اضافہ بھی کر دیا گیا آيَةٌ ہو گیا۔ کسائی نے کہا: یہ اصل میں آيِيَةٌ بروزن آمِنَةٌ ہے، پھر اسے الف سے بدل کر حذف کر دیا گیا۔ اور فرّاء نے کہا: یہ اصل میں أَيَّةٌ (یا مشدد کے ساتھ) ہے، پہلی یا کو الف سے بدل دیا تو آيَةٌ ہو گیا۔ اس کی جمع آيٌ، آيَاتٌ اور آيَايٌ ہے۔

کلمہ کے معنی: کلمہ ایک لفظ کو کہتے ہیں، کبھی یہ دو حرفوں سے مرکب ہوتا ہے، مثلاً: ما اور لا، کبھی اس سے زیادہ سے بھی مرکب ہوتا ہے۔ ایک کلمہ زیادہ سے زیادہ دس حروف پر مشتمل ہوتا ہے، مثلاً: ﴿ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ ﴾، ﴿ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا ﴾، ﴿ فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ﴾ ایک کلمہ کبھی ایک مستقل آیت ہوتا ہے، مثلاً: ﴿ وَالْفَجْرِ ۝ ﴾، ﴿ وَالضُّحٰى ۝ ﴾، ﴿ وَالْعَصْرِ ۝ ﴾، اسی طرح کوفیوں کے قول کے مطابق ﴿ الٓمّٓ ۝ ﴾، ﴿ طٰهٰ ۝ ﴾، ﴿ يٰسٓ ۝ ﴾ اور ﴿ حٰمٓ ۝ ﴾ وغیرہ بھی مستقل آیت ہیں جبکہ ﴿ حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ ﴾ کو وہ دو کلمے کہتے ہیں۔ کوفیوں کے علاوہ دیگر لوگ ان کو آیات شمار نہیں کرتے بلکہ انھیں سورتوں کے افتتاحیے قرار دیتے ہیں۔ ابو عمرو دانی کہتے ہیں کہ (ان فواتح السور، یعنی الٓمّٓ، طٰهٰ، يٰسٓ، وغیرہ کے علاوہ) میرے علم کے مطابق سورۂ رحمٰن کے کلمہ ﴿ مُدْهَآمَّتٰنِ ۝ ﴾ کے سوا اور کوئی کلمہ ایسا نہیں ہے جو اکیلا ہی ایک آیت ہو۔ ①

عجمیت اور قرآن: امام قرطبی فرماتے ہیں کہ مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن مجید میں عجمی ترکیب نہیں ہے، ہاں! البتہ اس میں عجمی نام، مثلاً: ابراہیم، نوح اور لوط ضرور موجود ہیں۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ ان عجمی ناموں کے علاوہ قرآن مجید میں کچھ اور بھی عجمی لفظ ہے یا نہیں؟ بَاقِلَّانِی اور طبری کا قول ہے کہ قرآن مجید میں اس کے علاوہ اور کچھ عجمی نہیں ہے اور اگر قرآن مجید کے کچھ الفاظ و کلمات عجمیت کے مطابق ہیں تو یہ مختلف لغات کے ایک دوسرے کی موافقت کے قبیل سے ہیں۔

① البيان في عدّ آي القرآن للداني، باب ذكر البيان عن معنى السورة:126.

سُورَةُ الفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ①

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

رُكُوعُهَا: 1
اٰيَاتُهَا: 7

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ② الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ③

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں (جو) پالنے والا ہے سارے جہانوں کا ۔نہایت مہربان ،

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ④ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ⑤

بڑا رحم کرنے والا ہے۔ مالک ہے روزِ جزا کا۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ

مدد چاہتے ہیں ۔ دکھا ہمیں سیدھا راستہ ، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا، جن پر تیرا

عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦ ع

غضب نہیں ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔

تفسیر سُورۂ فاتحہ

سورۂ فاتحہ کے مختلف نام اور ان کے معنی: اس سورت کو فاتحہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے قرآن مجید کے آغاز میں لکھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں نمازوں کے شروع میں قراءت کی ابتدا اس سے کی جاتی ہے۔ جمہور کے نزدیک اسے اُمُّ الکتاب کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے جسے امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ أُمُّ الْقُرْآنِ وَأُمُّ الْكِتَابِ وَالسَّبْعُ الْمَثَانِي] ''سورۂ فاتحہ ام القرآن، ام الکتاب اور سبع مثانی (بار بار پڑھی جانے والی سات آیات) ہے۔''[1] اس کو قرآن عظیم بھی کہا جاتا ہے۔[2] اور اس کا نام اَلحمد بھی ہے، اسے الصّلاۃ ''نماز'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: حَمِدَنِي عَبْدِي......] ''میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا ہے۔ اور میرے بندے کے لیے وہ سب کچھ ہے جس کا اس نے سوال کیا، چنانچہ بندہ جب کہتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف بیان کی ہے......۔''[3]

اس حدیث میں فاتحہ کو الصلاۃ ''نماز'' کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ اسے نماز میں پڑھنا شرط ہے۔ اسے رُقْيَة ''دم'' بھی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ جب ایک آدمی نے بچھو کے ڈسے ہوئے شخص کو سورۂ فاتحہ کے ساتھ دم کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: [وَ مَا يُدْرِيكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ] ''کیا تمھیں معلوم ہے کہ یہ سورت ''دم'' ہے؟''[4]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قتادہ اور ابو العالیہ کے بقول یہ سورت مکی ہے،[5] کیونکہ ارشاد باری ہے: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴾ (الحجر 15:87) ''اور بے شک ہم نے آپ کو سات آیتیں (سورۂ فاتحہ) جو (نماز میں) دہرا کر پڑھی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے۔'' اور سورۂ حجر جس کی یہ آیت ہے، وہ سورت مکی ہے۔ واللہ أعلم .

---

[1] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الحجر، حدیث:3124. [2] دیکھیے: صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب فضل فاتحة الکتاب، حدیث:5006. [3] صحیح مسلم، الصلاۃ، باب وجوب قراءة الفاتحة......، حدیث:395. [4] ملخص از صحیح البخاری، الإجارة، باب مایعطی فی الرقیة......، حدیث:2276. اور العقرب ''بچھو'' کے ڈسنے کی صراحت جامع الترمذی، الطب، باب ماجاء فی أخذ الأجر علی التعویذ، حدیث:2063. اور سنن ابن ماجه، التجارات، باب أجر الراقی، حدیث:2156 میں ہے۔ [5] تفسیر القرطبی:115/1.

آیات کی تعداد: بلا اختلاف سورۂ فاتحہ سات آیات پر مشتمل ہے اور بَسْمَلَة یعنی ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ① ﴾ اس کی پہلی اور مستقل آیت ہے جیسا کہ جمہور قرائے کوفہ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت اور خلف میں سے بہت سے علماء کا یہ قول ہے۔ اور یہی رائے معتبر ہے۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ إن شاء الله.[1]

کلمات وحروف کی تعداد: مفسرین کے بقول سورۂ فاتحہ پچیس کلمات اور ایک سو تیرہ حروف پر مشتمل ہے۔

امّ الکتاب کی وجہ تسمیہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی ''کتاب التفسیر'' کے آغاز میں لکھا ہے کہ اس سورت کو أُمُّ الْکِتَاب کے نام سے اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں کتابت اس سے شروع کی جاتی ہے۔ اور نماز میں قراءت کا آغاز بھی اس سے کیا جاتا ہے۔[2] اس کی وجہ تسمیہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ قرآن مجید کے تمام مضامین ومطالب کا خلاصہ اس سورت میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس کے تحت کئی ذیلی چیزیں اور توابع ہوں، ان تمام چیزوں کا احاطہ کرنے والے کو عرب أُمّ سے تعبیر کرتے ہیں، پس وہ جھلی جو دماغ کے اردگرد ہوتی ہے، اسے أُمُّ الرَّأْس کہتے ہیں۔ اسی طرح لشکر کا وہ جھنڈا جس کے نیچے سب لوگ جمع ہوتے ہیں، اسے بھی أُمّ کہا جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ کو أُمُّ الْقُرٰی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ اسے تمام شہروں کے مقابلے میں تقدم حاصل ہے اور دیگر تمام بستیوں کو اس نے اپنے دامن میں سمیٹا ہوا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ زمین کو اس مقام سے آگے پھیلایا گیا ہے۔[3]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے سورۂ فاتحہ کے بارے میں فرمایا: [هِيَ أُمُّ الْقُرْآنِ، وَهِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي، وَهِيَ الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ] ''یہ ام القرآن، سبع مثانی (بار بار پڑھی جانے والی سات آیات) اور قرآن عظیم ہے۔''[4] ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا: [هِيَ أُمُّ الْقُرْآنِ، وَهِيَ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ، وَهِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي] ''یہ ام القرآن، فاتحۃ الکتاب اور یہی سبع مثانی ہے۔''[5]

سورۂ فاتحہ کی فضیلت: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ابوسعید بن مُعلّٰی رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا مگر میں نے جواب نہ دیا اور نماز پڑھنے میں مصروف رہا۔ نماز سے فراغت کے بعد جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: [مَا مَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَنِي؟ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي، قَالَ: أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ ﴾ (الأنفال8:24) ''تجھے میرے پاس آنے سے کس بات نے روکا؟ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! بے شک میں نماز پڑھ رہا تھا۔ فرمایا: کیا اللہ عزوجل نے نہیں فرمایا: ''مومنو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم قبول کرو جب بھی وہ (رسول اللہ ﷺ) تمھیں

---

① دیکھیے عنوان: ''بَسْمَلة فاتحہ کی پہلی آیت ہے۔'' ② صحیح البخاری، التفسیر، باب ماجاء فی فاتحة الکتاب، قبل الحدیث:4474. نیز دیکھیے فتح الباری مذکورہ مقام۔ ③ تفسیر الطبری:74,73/1. ④ مسند أحمد:448/2. ⑤ تفسیر الطبری:73/1.

بلائیں؟'' پھر آپ نے فرمایا: [لَأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ مِّنَ الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ] ''یقیناً میں تم کو مسجد سے نکلنے سے پہلے پہلے قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت سکھاؤں گا۔'' کہتے ہیں: پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، چنانچہ جب آپ مسجد سے باہر نکلنے لگے تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا تھا کہ میں تم کو قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت سکھاؤں گا؟ فرمایا: [نَعَمْ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي، وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ] ''ہاں، یہ سورت ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ ہے، یہی وہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔''[1]

اسی طرح اس حدیث کو امام بخاری، ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

اس طرح کی احادیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات اور سورتیں بعض سے افضل ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے (اپنی صحیح کی کتاب) فضائل القرآن میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک سفر میں تھے۔ ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تو ایک لڑکی آئی اور اس نے کہا کہ اس قبیلے کے سردار کو بچھو نے ڈس لیا ہے۔ ہماری بستی کے لوگ غائب ہیں تو کیا تم میں سے کوئی دم کرنے والا ہے؟ ہم میں سے ایک آدمی اٹھ کر اس کے ساتھ ہولیا۔ اس کے بارے میں ہمیں گمان نہیں تھا کہ وہ دم جانتا ہے مگر اس نے دم کیا اور وہ سردار صحت یاب ہوگیا۔ اور اس نے حکم دیا کہ ہمیں تیس بکریاں دے دی جائیں۔ اس نے ہمیں دودھ بھی پلایا۔ جب وہ واپس آیا تو ہم نے پوچھا: کیا تم دم کرنا جانتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں، میں نے تو صرف اُمُّ الکتاب پڑھ کر دم کیا ہے۔ ہم نے کہا کہ اب کوئی بات نہ کرو حتی کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں یا اس کے بارے میں پوچھیں، پس جب ہم مدینہ واپس آئے اور اس واقعے کا ذکر ہم نے نبی ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: [وَمَا كَانَ يُدْرِيهِ أَنَّهَا رُقْيَةٌ ؟ اِقْسِمُوا وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ] ''کیا اسے معلوم تھا کہ یہ دم ہے؟ (بہرحال تم نے درست کیا) ان بکریوں کو تقسیم کرلو اور مجھے بھی حصہ دو۔''[3]

صحیح مسلم اور سنن نسائی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام بھی موجود تھے کہ آپ نے اوپر کی طرف سے ایک آواز سنی۔ جبریل علیہ السلام نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا کہ آسمان کا ایک ایسا دروازہ کھلا ہے جو آج تک کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس دروازے سے ایک فرشتہ نکل کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ آپ کو بشارت ہو کہ آپ کو دو ایسے نور دیے گئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیے گئے۔ ان میں سے ایک فاتحۃ الکتاب اور دوسرا سورۂ بقرہ کی آخری آیات ہیں۔ ان میں سے آپ جب بھی کوئی حرف پڑھیں گے تو اس کے مطابق

[1] مسند أحمد:211/4. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب ماجاء فی فاتحة الکتاب، حدیث:4474 وسنن أبی داود، الوتر، باب فاتحة الکتاب، حدیث:1458 وسنن النسائی، الافتتاح، باب تأویل قول اللّٰه عزوجل: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ ...... ﴾ (الحِجر15:87)، حدیث:914 وسنن ابن ماجه، الأدب، باب ثواب القرآن، حدیث:3785 مختصرًا. [3] صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب فضل فاتحة الکتاب، حدیث:5007 وصحیح مسلم، السلام، باب جواز أخذ الأجرة......، حدیث:2201 اور جامع الترمذی، حدیث:2063 میں ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی نے دم کیا تھا۔

آپ کو عطا کر دیا جائے گا۔[1] یہ الفاظ نسائی کی روایت کے ہیں، مسلم کی روایت بھی اس جیسی ہے۔

سورۂ فاتحہ اور نماز: صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

[مَنْ صَلّٰی صَلَاةً لَّمْ یَقْرَأْ فِیهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِیَ خِدَاجٌ ـــ ثَلَاثًا ـــ غَیْرُ تَمَامٍ] ''جو شخص نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص ہے۔ یہ آپ نے تین بار فرمایا، یعنی وہ نا تمام ہے۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں (تو بھی پڑھیں؟) تو آپ نے فرمایا: اپنے دل میں پڑھ لو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے: [قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَیْنِی وَ بَیْنَ عَبْدِی نِصْفَیْنِ، وَلِعَبْدِی مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۲ ﴾ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: حَمِدَنِی عَبْدِی، وَإِذَا قَالَ: ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۳ ﴾ قَالَ اللّٰهُ: أَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِی، فَإِذَا قَالَ: ﴿ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۴ ﴾ قَالَ: مَجَّدَنِی عَبْدِی۔ وَقَالَ مَرَّةً: فَوَّضَ إِلَیَّ عَبْدِی۔ فَإِذَا قَالَ: ﴿ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝۵ ﴾ قَالَ: هٰذَا بَیْنِی وَبَیْنَ عَبْدِی، وَلِعَبْدِی مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝۶ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝۷ ﴾ قَالَ: هٰذَا لِعَبْدِی، وَ لِعَبْدِی مَا سَأَلَ]

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر لیا ہے اور میرے بندے کے لیے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے۔ بندہ جب کہتا ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۲ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری تعریف کی ہے۔ بندہ جب کہتا ہے: ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝۳ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری ثنا کی ہے۔ بندہ جب کہتا ہے: ﴿ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝۴ ﴾ تو اللہ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی ــ اور ایک مرتبہ فرمایا: میرے بندے نے (اپنا معاملہ) میرے سپرد کر دیا ہے ــ بندہ جب کہتا ہے: ﴿ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝۵ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ اور میرے بندے کے لیے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے۔ اور بندہ جب یہ کہتا ہے: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝۶ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝۷ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے۔''[2]

تقریباً انھی الفاظ سے اس کو امام نسائی نے بھی (بطریق اسحاق بن ابراہیم بن راہویہ) روایت کیا ہے۔[3] امام مسلم اور نسائی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: [فَنِصْفُهَا لِی وَ نِصْفُهَا لِعَبْدِی ، وَ لِعَبْدِی مَا سَأَلَ] ''اس کا نصف حصہ میرے لیے

---

[1] صحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب فضل الفاتحة وخواتیم سورة البقرة......، حدیث:806 و سنن النسائی، الافتتاح، باب فضل فاتحة الكتاب، حدیث:913. [2] صحیح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة فی كل ركعة......، حدیث:395 وسنن أبی داود، الصلاة، باب من ترك القراءة فی صلاته بفاتحة الكتاب، حدیث:821 .

[3] السنن الكبرٰی للنسائی ، فضائل القرآن ، فضل فاتحة الكتاب:12/5 ، حدیث:8013.

اور نصف میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے۔''[1]

نماز میں قراءت سے مراد سورۂ فاتحہ کی قراءت ہی ہے: ملاحظہ فرمائیں کہ اس حدیث میں لفظ الصَّلاۃ سے مراد قراءت ہے جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں ہے: ﴿ وَلَا تَجۡهَرۡ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتۡ بِهَا وَٱبۡتَغِ بَيۡنَ ذَٰلِكَ سَبِيلٗا ﴾ (بنی إسرآء یل 110:17) ''اور نماز نہ بلند آواز سے پڑھیں اور نہ آہستہ بلکہ ان کے بیچ کا طریقہ اختیار کریں۔''

اس آیت میں بھی الصلاۃ سے مراد نماز میں قراءت ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی صراحت موجود ہے۔[2] اسی طرح اِس حدیث میں بھی: [قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ ، فَنِصْفُهَا لِي وَنِصْفُهَا لِعَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ] کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، پھر اس تقسیم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی تفصیل بیان کردی گئی ہے (اس حدیث میں نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے لیے الصلاۃ ''نماز'' ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔) اور یہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کی عظمت کی دلیل ہے۔ اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا نماز کا ایک بہت بڑا رکن ہے کہ ذکر نماز کا کیا گیا ہے اور اس سے اس کا ایک جز، یعنی سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مراد لیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں لفظِ قُرآن ''پڑھنا'' استعمال کیا گیا ہے اور مراد اس سے نماز ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقُرۡءَانَ ٱلۡفَجۡرِۖ إِنَّ قُرۡءَانَ ٱلۡفَجۡرِ كَانَ مَشۡهُودٗا ﴾ (بنی إسرآء یل 78:17) ''اور صبح نماز فجر بھی (قائم کیجیے) بیشک فجر کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے۔''

اس آیت میں ﴿ قُرۡءَانَ ٱلۡفَجۡرِ ﴾ سے مراد فجر کی نماز ہے جیسا کہ صحیحین میں اس کی صراحت موجود ہے: [تَشْهَدُهُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ] ''اس (صبح کی نماز) میں رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔''[3]

تمام نمازوں میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، امام ہو یا مقتدی یا اکیلا نماز پڑھنے والا: اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا از بس ضروری ہے۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے اور مذکورہ حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے جس میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: [مَنْ صَلّٰى صَلَاةً لَّمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَهِيَ خِدَاجٌ] ''جو شخص نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز ناقص ہے۔''[4] اس حدیث میں جو لفظ [خِدَاجٌ] استعمال ہوا ہے، اس کے معنی ہیں ناقص جیسا کہ خود اسی حدیث میں [غَيْرُ تَمَامٍ] کے ساتھ اس کے معنی کی وضاحت کردی گئی ہے۔

[1] صحیح مسلم، الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ ......، حدیث:(40,39)-395 و سنن النسائی، الافتتاح، باب ترك قراءۃ ﴿ بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ ﴾ فی فاتحۃ الکتاب ، حدیث:910. [2] اقتباس از صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَلَا تَجۡهَرۡ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتۡ بِهَا ﴾ (بنی إسرآء یل 110:17)، حدیث:4722 و صحیح مسلم، الصلاۃ، باب التوسط فی القراءۃ ......، حدیث:446 . [3] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ إِنَّ قُرۡءَانَ ٱلۡفَجۡرِ كَانَ مَشۡهُودٗا ﴾ (بنی إسرآئیل 78:17)، حدیث:4717 و صحیح مسلم، المساجد، باب فضل صلاۃ الجماعۃ و بیان التشدید......، حدیث:(246)-649 عن أبی هریرۃ رضی اللہ عنہ ۔ البتہ الفاظ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورۃ بنی إسرآء یل، حدیث:3135 میں ایک دوسرے طریق کے مطابق ہیں۔ اور صحیحین کے الفاظ اس طرح ہیں:[وَتَجْتَمِعُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ] ''صبح کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔'' [4] دیکھیے عنوان: ''سورۂ فاتحہ اور نماز''

اسی طرح صحیحین میں عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ] ''جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔''① صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تُجْزِئُ صَلَاةٌ لَّا يُقْرَأُ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ] ''وہ نماز کافی نہیں ہوتی جس میں امّ القرآن (سورۂ فاتحہ) نہ پڑھی جائے۔''②

اس موضوع کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں، (لہٰذا ہر نمازی کے لیے واجب ہے، خواہ وہ امام ہو یا مقتدی یا وہ اکیلا نماز پڑھ رہا ہو کہ تمام نمازوں کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھے، اس کے بغیر چارۂ کار ہی نہیں۔)

تعوّذ کی تفسیر اور احکام: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ○ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ ﴾ (الأعراف 7:199,200) ''(اے پیغمبر!) عفو اختیار کیجیے اور نیک کام کرنے کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کیجیے، اور اگر شیطان کا کوئی وسوسہ آپ کو ابھارے تو اللہ سے پناہ مانگیے، بے شک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ○ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ○ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ○ ﴾ (المؤمنون 23:96-98) ''بری بات کے جواب میں ایسی بات کہیے جو نہایت اچھی ہو اور یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں ہمیں وہ خوب معلوم ہے۔ اور کہیے کہ اے میرے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے میرے پروردگار! میں (اس سے بھی) تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں۔'' اسی طرح فرمایا: ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ○ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:34-36) ''(برائی کا) ایسے طریق سے جواب دیجیے جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے آپ دیکھیں گے) کہ جس کے ساتھ آپ کی دشمنی تھی وہ آپ کا گرم جوش دوست ہے۔ اور یہ بات ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور انھی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ہیں۔ اور اگر شیطان کی جانب سے کوئی وسوسہ آپ کو ابھارے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ بے شک وہ خوب سننے، جاننے والا ہے۔'' یہ تینوں آیات ایک ہی مضمون کی ہیں اور کوئی چوتھی آیت اس مفہوم کی نہیں ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ انسانوں میں سے جو دشمن ہو، اسے رام کرنے کے لیے حسنِ سلوک اور احسان کو اختیار کیا جائے۔ اس روش سے انسانوں کی اصل طبع سلیم دوستی اور صلح صفائی کی طرف لوٹ آئے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے

① صحيح البخاري، الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم ...... ، حديث 756 و صحيح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة...... ، حديث 394. ② صحيح ابن خزيمة، الصلاة، باب ذكر الدليل على أن الخداج الذي أعلم النبي في هذا الخبر......: 248/1، حديث 490 و صحيح ابن حبان ، الصلاة، ذكر البيان بأن الخداج الذي قال رسول الله ﷺ في هذا الخبر......: 91/5، حديث 1789.

حکم دیا ہے کہ شیطانی دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے استعاذے کو اختیار کیا جائے کیونکہ اس کے بغیر چارۂ کار ہی نہیں، اس لیے کہ وہ حسن سلوک اور کسی احسان کو قبول ہی نہیں کرتا۔ اس کی پوری پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ انسان کو تباہ و برباد کر دے، اس لیے کہ اس کے اور انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے مابین پہلے سے شدید عداوت چلی آ رہی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ ﴾ (الأعراف 27:7) ''اے بنی آدم! (دیکھنا کہیں) شیطان تمھیں فتنے میں نہ ڈال دے جس طرح تمھارے ماں باپ کو بہشت سے نکلوا دیا تھا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ ﴾ (فاطر 6:35) ''یقیناً شیطان تمھارا دشمن ہے، لہٰذا تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو، وہ اپنے (پیروؤں کے) گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں سے ہوں۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ ﴾ (الكهف 50:18) ''کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمھارے دشمن ہیں؟ اور ظالموں کے لیے بہت ہی برا بدلہ ہے۔''

اس نے ہمارے والد آدم علیہ السلام سے قسم کھا کر کہا تھا کہ وہ ان کا خیر خواہ ہے مگر اس نے جھوٹ بولا تو اس سے اندازہ لگائیے کہ اس کا ہمارے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ اس نے خود ہی قسم کھا کر کہا تھا: ﴿ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ ﴾ (صٓ 83,82:38) ''پس مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا، سوائے ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں۔'' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَي الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ (النحل 16:98-100) ''پھر جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ بے شک جو مومن ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسا کرتے ہیں ان پر اس کا کچھ زور نہیں چلتا، بس اس کا زور تو انھی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں اور (ان پر) جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔''

استعاذہ تلاوت سے پہلے ضروری ہے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ ﴾ (النحل 98:16) ''پھر جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔'' کے معنی یہ ہیں کہ پناہ اس وقت مانگیں جب آپ قرآن پڑھنے کا ارادہ کریں۔ اس کی مثال یہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ ﴾ الآية (المائدة 6:5) ''جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور ہاتھ دھو لیا کرو۔''

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو قیام فرماتے تو نماز شروع کرتے ہوئے اللہ اکبر کہتے، پھر یہ پڑھتے: [سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، (وَ) تَبَارَكَ اسْمُكَ، وَتَعَالٰى جَدُّكَ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ] ''میں پاکی بیان کرتا ہوں تیری اے اللہ! تیری ہی حمد و ثنا کے ساتھ، تیرا نام بہت برکت والا ہے۔ اور تیری شان بہت بلند و بالا ہے اور تیرے سوا کوئی اور عبادت کے

لائق نہیں ہے۔'' پھر آپ تین بار [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ] پڑھتے...... پھر یہ پڑھتے: [أَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ] ''میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں جو سُننے والا (اور) جاننے والا ہے شیطان مردود سے، یعنی اس کے وسوسے سے اور اس کی پھونک اور اس کے جادو سے۔'' ①

اس حدیث کو اہل سنن اربعہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ② اور امام ترمذی کہتے ہیں کہ اس باب میں یہ سب سے زیادہ مشہور حدیث ہے۔ اَلْهَمْزُ کے معنی جنون (دیوانگی)، اَلنَّفْخُ کے معنی کبر اور اَلنَّفْثُ کے معنی شعر کے کیے گئے ہیں۔ جیسا کہ امام ابوداود اور ابن ماجہ نے نافع بن جُبَیر بن مطعم رحمہ اللہ سے اور انھوں نے اپنے والد (جبیر) سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو فرمایا:

[اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا ـــ ثَلَاثًا ـــ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا ـــ ثَلَاثًا ـــ سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّ أَصِيلًا ـــ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ـــ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ] یعنی تین بار [اَللّٰهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا] ''اللہ سب سے بڑا ہے بہت بڑا۔'' تین بار [اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا] ''سب تعریف اللہ کے لیے ہے بہت بہت تعریف۔'' تین بار [سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا] ''تسبیح کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی صبح وشام'' اور پھر یہ کہا: [اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ] ''اے اللہ! بے شک میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے، یعنی اس کے جنون (دیوانگی) سے اس کے تکبر سے اور اس کے شعروں سے۔''

عمرو بن مُرّہ (جو اس حدیث کے راوی بھی ہیں) کہتے ہیں کہ هَمْزِهٖ سے مراد شیطان کی مرگی، اور نَفْثِهٖ سے مراد اس کا شعر نَفْخِهٖ سے مراد اس کا تکبر ہے۔ ③ ابن ماجہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کہا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ وَهَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ] ''اے اللہ! بے شک میں تیری پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے اور اس کے جنون (دیوانگی)، اس کے تکبر اور اس کے شعروں سے۔'' ④

غصے کے وقت تعوُّذ: حافظ ابویعلٰی موصلی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دو آدمی نبی ﷺ کے پاس باہم جھگڑ رہے تھے حتی کہ غصے کے باعث ان میں سے ایک کی ناک سرخ ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنِّي لَأَعْلَمُ شَيْئًا لَّوْ قَالَهٗ لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ (لَوْ قَالَ) : أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ] ''یقیناً میں ایک ایسی چیز جانتا ہوں کہ اگر یہ اسے پڑھ لے تو اس کا یہ غصہ ختم ہو جائے اور وہ یہ ہے: أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ

① مسند أحمد:50/3. ② سنن أبي داود، الصلاة، باب من رأى الاستفتاح بسبحانك اللّٰهم......، حديث:775 و جامع الترمذي، الصلاة،باب مايقول عند افتتاح الصلاة، حديث:242 و سنن النسائي، الافتتاح، باب نوع آخرمن الذكر......، حديث:900 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب افتتاح الصلاة، حديث: 804 مختصرًا. ③ سنن أبي داود، الصلاة، باب مايستفتح به من الدعاء، حديث:764 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات ، باب الاستعاذة في الصلاة، حديث:807 واللفظ له. ④ سنن ابن ماجه، الصلاة، باب الاستعاذة في الصلاة، حديث:808.

الرَّجِيمِ.‘‘[1] امام نسائی نے کِتَابُ عَمَلِ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ میں اس حدیث کو اسی طرح بیان کیا ہے۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے سلیمان بن صُرَد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ دو آدمیوں نے آپس میں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ ایسا کرتے ہوئے ان میں سے ایک تو اس قدر غصے میں تھا کہ غصے کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَّوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ ، لَوْ قَالَ : أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ] ’’بے شک میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ اسے پڑھ لے تو اس کا غصہ ختم ہو جائے اور وہ کلمہ یہ ہے: أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ.‘‘ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس شخص سے کہا: تم نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو سنا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں مجنون نہیں ہوں۔[3] اس حدیث کو امام مسلم، ابوداود اور نسائی رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

استعاذے کے بارے میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن کا یہاں ذکر موجب طوالت ہوگا۔ یہ احادیث اذکار اور فضائل اعمال کی کتاب کا موضوع ہیں۔ واللّٰہ أعلم.

استعاذہ واجب ہے یا مستحب؟ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ استعاذہ مستحب ہے، واجب نہیں ہے کہ اس کا تارک گناہ گار ہو۔ امام رازی نے عطاء بن ابورباح کا قول بیان کیا ہے کہ جو شخص بھی نماز کے اندر یا باہر قرآن مجید کی تلاوت کرنا چاہے، اس کے لیے استعاذہ واجب ہے۔[5] اور امام رازی نے عطاء بن ابی رباح کے اس قول کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ آیت کے لفظ ﴿فَاسْتَعِذْ﴾ (النحل 16:98) ’’تو آپ پناہ مانگیں‘‘ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ صیغہ امر کا ہے۔ اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ ہمیشہ تعوذ پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ اس لیے بھی واجب ہے کہ اس سے شیطان کے شر کو دور کیا جاتا ہے (جو بذات خود واجب ہے،) اور جس شے کے بغیر واجب پورا نہ ہوتا ہو، وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ پھر استعاذہ حفاظت کا مؤثر ذریعہ ہے جس کے پڑھنے سے انسان شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ شیطان کے شر اور وسوسے سے بچنے کے لیے یہ کافی ہے کہ انسان: أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ پڑھ لے۔

استعاذے کے اسرار و رموز: استعاذے کے اسرار و رموز میں سے نمایاں یہ ہے کہ اس کے ساتھ انسان اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت کے لیے اپنے منہ کو اس لغو اور بے ہودہ گفتگو سے پاک صاف کر لیتا ہے جو اس نے کی ہوتی ہے۔ استعاذے کے

---

[1] مسند أبي يعلى میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی، البتہ علامہ مقدسی نے اسے الأحاديث المختارة: 326/2، حدیث: 1236 میں امام ابویعلیٰ ہی کی سند سے بیان کیا ہے۔ [2] السنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب مايقول إذا غضب: 104/6، حديث: 10223 نحوه ومسند أحمد: 240/5 عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ. [3] صحيح البخاري، الأدب، باب الحذر من الغضب، حديث: 6115. [4] صحيح مسلم، البر والصلة، باب فضل من يملك نفسه عند الغضب...... ، حديث: 2610 وسنن أبي داود، الأدب، باب مايقال عند الغضب، حديث: 4781 والسنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب مايقول إذاغضب: 104/6، حديث: 10224. [5] تفسير الرازي: 115/20.

ساتھ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا بھی مقصود ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت وطاقت اور بندے کے عجز وکمزوری کا اعتراف بھی کہ انسان اپنے اس کھلم کھلا مگر پوشیدہ دشمن کے مقابلے سے عاجز وقاصر ہے۔ اسے دور ہٹانے اور اس کے شر سے بچانے پر صرف وہ اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے۔ اور یہ دشمن بھی ایسا ہے جو کسی قسم کے حسن سلوک اور احسان کو قبول نہیں کرتا جبکہ کوئی انسان دشمن ہو تو اسے حسن سلوک اور احسان وغیرہ سے قابو کیا جا سکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی ان تین آیات سے معلوم ہوتا ہے جنھیں قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔[1]

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِیْلًا ۝ ﴾ (بني إسرآءيل 17:65) ”بے شک جو میرے مخلص بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں، اور (اے پیغمبر!) آپ کا پروردگار کافی ہے کارساز۔“

انسانی دشمن سے جنگ کے لیے تو فرشتے بھی نازل ہوئے تھے۔ جس مسلمان کو کوئی ظاہری اور انسانی دشمن قتل کر دے تو وہ شہید ہے مگر جسے یہ باطنی دشمن قتل کر دے وہ طَرِید یعنی مردود ہے۔ جس پر ظاہری دشمن غالب آ جائے، اسے اجر وثواب ملے گا مگر جس پر یہ باطنی دشمن غالب آ جائے وہ مبتلائے فتنہ یا گناہ گار ہو گا۔ شیطان انسان کو دیکھتا ہے مگر انسان شیطان کو نہیں دیکھ سکتا، اس لیے شیطان کے شر اور وسوسے سے بچنے کے لیے استعاذے کے ساتھ اسی ذات گرامی سے مدد طلب کی جاتی ہے جو شیطان کو تو دیکھتی ہے مگر شیطان اسے نہیں دیکھ سکتا۔

”استعاذہ“ یہ ہے کہ ہر شریر کے شر سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف پناہ لی جائے اور اسی کی جناب سے وابستہ ہوا جائے۔ عربی زبان میں عِیَاذَہ کا لفظ دفع شر کے لیے اور لِیَاذ کا لفظ حصول خیر کی طلب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

استعاذے کے معنی: [أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیمِ] کے معنی یہ ہوئے کہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں (اس امر کی) شیطان مردود سے پناہ لیتا ہوں کہ وہ دین یا دنیا میں مجھے کوئی نقصان پہنچا سکے یا مجھے اس کام سے روک سکے جس کے کرنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے یا مجھے کسی ایسے کام پر ابھارے جس سے مجھے منع کیا گیا ہے کیونکہ شیطان سے انسان کو صرف اللہ تعالیٰ ہی بچا سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ شیطانِ انس کا مقابلہ حسن سلوک اور احسان کے ساتھ کیا جائے۔ اس سے اس کی طبیعت کا شر دور ہو جائے گا مگر شیطانِ جنّ کے شر سے بچنے کے لیے اس نے استعاذے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ ایک ایسا دشمن ہے جو نہ رشوت قبول کرتا ہے اور نہ کسی نیکی اور احسان سے متاثر ہوتا ہے کیونکہ یہ طبعاً شریر ہے۔

قرآن مجید کی تین آیات میں اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے اور کوئی چوتھی آیت میرے علم میں نہیں ہے۔ سورۂ اعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:199) ”آپ عفو اختیار کیجیے اور نیک کام کرنے کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کر لیجیے۔“ اس آیت کا تعلق انسانوں میں سے دشمنوں کے ساتھ معاملہ کرنے سے ہے۔ پھر (شیطان کے بارے میں) فرمایا: ﴿ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ

[1] دیکھیے عنوان: ”تعوذ کی تفسیر اور احکام“

عَلِيْمٌ ﴿ (الأعراف 200:7) ''اور اگر شیطان کا کوئی وسوسہ آپ کو ابھارے تو اللہ کی پناہ مانگیے۔ بے شک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔''

سورۂ مومنون میں فرمایا: ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ○ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ○ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ○ ﴾ (المؤمنون 23:96-98) ''برائی کو اس طریقے سے دفع کیجیے جو احسن ہو اور یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں، ہمیں وہ خوب معلوم ہے۔ اور آپ کہیں: اے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے پروردگار! میں (اس سے بھی) تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں۔'' اور سورۂ حٰمٓ السجدۃ میں فرمایا: ﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ○ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:34-36) ''اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتیں تو برائی کا ایسے طریق سے جواب دیجیے جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے آپ دیکھیں گے) کہ یکا یک وہ شخص کہ آپ اور اس کے درمیان دشمنی تھی وہ آپ کا گرم جوش دوست ہے۔ اور یہ بات انھی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور انھی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحبِ نصیب ہیں۔ اور اگر آپ کو شیطان کی جانب سے کوئی وسوسہ ابھارے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ بے شک وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔''

لفظ شیطان کی وجہ تسمیہ: شیطان کا لفظ عربی زبان میں شَطَنَ سے مشتق ہے جس کے معنی دور ہونے کے ہیں تو شیطان کو شیطان اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی طبع کے اعتبار سے انسانی طبائع سے اور اپنے فسق کی وجہ سے ہر خیر و بھلائی سے دور ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ شَاطَ ''بھڑکنا'' سے مشتق ہے کیونکہ یہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ معنی کے اعتبار یہ دونوں اشتقاق صحیح ہیں مگر ان میں سے پہلا زیادہ صحیح ہے۔

سیبویہ نے کہا ہے کہ عرب کہتے ہیں: تَشَيْطَنَ فُلَانٌ اور یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شیطانوں کا سا کام کرے۔[1] اور اگر یہ شَاطَ سے مشتق ہوتا تو تَشَيْطَنَ کے بجائے تَشَيَّطَ کہتے، لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ شیطان شَطَنَ بمعنی بَعُدَ سے مشتق ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر سرکش جن، انسان اور حیوان کو عرب شیطان کہتے ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ ﴾ (الأنعام 6:112) ''اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا۔ وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کے دل میں ملمع شدہ باتیں ڈالتے رہتے تھے۔''

صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فَإِنَّهُ يَقْطَعُ صَلَاتَهُ الْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ

[1] تفسير الطبري: 90/1.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ①

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے ①

وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ] ''بے شک نماز گدھے، عورت اور سیاہ کتے (کے آگے سے گزرنے) سے ٹوٹ جاتی ہے۔'' (ابوذر رضی اللہ عنہ کے شاگرد عبداللہ بن صامت کہتے ہیں:) میں نے عرض کی: اے ابوذر! سرخ یا زرد رنگ کے کتے کی نسبت یہ حکم سیاہ رنگ کے کتے کے لیے کیوں ہے؟ ابوذر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے بھتیجے! تو نے مجھ سے جو سوال کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میں نے بھی یہ سوال رکھا تھا تو آپ نے فرمایا: [اَلْكَلْبُ الْأَسْوَدُ شَيْطَانٌ] ''سیاہ کتا شیطان ہے۔''[1]

ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ترکی گھوڑے پر سوار ہوئے تو اس نے متکبرانہ چال چلنا شروع کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مارنا شروع کر دیا تو وہ اور بھی زیادہ متکبرانہ چال چلنے لگا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس گھوڑے سے نیچے اتر آئے اور فرمایا: تم نے مجھے شیطان پر سوار کروایا ہے، جب میں اس پر سوار تھا تو میں نے اپنے دل میں عجیب تبدیلی محسوس کی یہاں تک کہ میں اس سے اتر آیا۔[2] اس کی سند صحیح ہے۔

''رجیم'' کے معنی: رجیم، فعیل کے وزن پر مفعول (مرجوم) کے معنی میں ہے۔ اور مرجوم اس کو کہتے ہیں جو ہر قسم کی خیر سے دور ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ ﴾ (الملك 5:67) ''اور یقیناً ہم نے آسمان دنیا کو (تاروں کے) چراغوں سے زینت دی اور ان کو شیطانوں کے مارنے کا آلہ بنایا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۣ الْكَوَاكِبِ ۙ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:6-10) ''بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین کیا۔ اور ہر شیطان سرکش سے اس کی حفاظت کی کہ اوپر کی مجلس کی طرف کان نہ لگا سکیں۔ اور ہر طرف سے دھتکارنے کے لیے (ان پر انگارے) پھینکے جاتے ہیں۔ اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ ہاں، جو کوئی (فرشتوں کی کسی بات کو) چوری سے جھپٹ لینا چاہے تو چمکتا ہوا انگارا اس کے پیچھے لگتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۙ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۙ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴾ (الحِجر 15:16-18) ''اور یقیناً ہم ہی نے آسمان میں ستارے بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے اس کو سجایا اور ہر راندۂ درگاہ شیطان سے اسے محفوظ کر دیا۔ ہاں، اگر کوئی چوری سے سننا چاہے تو چمکتا ہوا انگارا اس کے پیچھے لپکتا ہے۔''

اس مفہوم کی اور بھی کئی آیات ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رجیم راجم (رجم کرنے والا یعنی اسم فاعل) کے معنی میں ہے کیونکہ وہ لوگوں کو وسوسے اور بے ہودہ خیالات کے ذریعے سے رجم، یعنی انھیں تباہ کرتا ہے۔ لیکن ان میں سے رجیم کا پہلا معنی زیادہ مشہور اور زیادہ صحیح ہے۔

تفسیر آیت: 1

① صحيح مسلم، الصلاة، باب قدر ما يستر المصلّي، حديث:510. ② تفسير الطبري:75/1.

بَسْمَلَةٌ ﴿ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۱ ﴾ سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت ہے: حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کتاب اللہ کا آغاز ﴿ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۱ ﴾ ہی سے کیا تھا۔ علماء کا اتفاق ہے کہ یہ سورۂ نمل کی ایک آیت کا تو کچھ حصہ ہے، البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا یہ ہر سورت کے شروع میں علیحدہ طور پر ایک مستقل آیت ہے؟ یا یہ ہر اس سورت کی پہلی آیت ہے جس کے شروع میں لکھی گئی ہے؟ یا یہ ہر سورت کی (پہلی) آیت کا کچھ حصہ ہے؟

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ سورۂ براءت کے سوا ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے، ان میں سے ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، ابو ہریرہ، علی رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے عطاء، طاؤس، سعید بن جُبیر، مکحول اور زہری رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ایک روایت کے مطابق، اسحاق بن راہویہ اور ابوعبید قاسم بن سلاّم رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ جبکہ مالک، ابوحنیفہ رحمہما اللہ اور ان دونوں کے اصحاب کا قول یہ ہے کہ یہ نہ فاتحہ کی آیت ہے اور نہ کسی اور سورت کی۔ داود رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ یہ ہر سورت کے آغاز میں ایک مستقل آیت ہے، سورت کی آیت نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ [1]

جہری نماز میں اس کی جہری وسرّی قراءت: جن لوگوں کی رائے میں یہ سورۂ فاتحہ کی آیت نہیں ہے، ان کا قول یہ ہے کہ اسے نماز میں جہری طور پر نہ پڑھا جائے۔ اسی طرح ان لوگوں کا بھی یہی قول ہے جن کے نزدیک یہ ہر سورت (کا حصہ نہیں بلکہ اس) کے شروع میں ایک مستقل آیت ہے۔ اور جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ یہ سورتوں کی پہلی آیت ہے ان کا اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ فاتحہ اور دوسری سورت کے ساتھ اس کی قراءت جہری کی جائے۔ بہت سے صحابہ وتابعین اور سلف وخلف ائمۂ مسلمین کا یہی مذہب ہے۔ صحابہ میں سے ابو ہریرہ، ابن عمر، ابن عباس اور معاویہ رضی اللہ عنہم نے اس کی جہری قراءت کی ہے۔ ابن عبدالبر اور بیہقی نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کیا ہے کہ آپ جہری قراءت کیا کرتے تھے۔ [2] خطیب نے چاروں خلفائے راشدین حضرات ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہی بیان کیا ہے مگر یہ روایت غریب ہے۔ تابعین میں سے سعید بن جبیر، عکرمہ، ابوقلابہ، زہری، علی بن حسن، ان کے صاحبزادے محمد، سعید بن مسیّب، عطاء، طاؤس، مجاہد، سالم، محمد بن کعب قُرظی، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، ابووائل، ابن سیرین، محمد بن مُنکَدِر، علی بن عبداللہ بن عباس، ان کے بیٹے محمد، نافع مولیٰ ابن عمر، زید بن اسلم، عمر بن عبدالعزیز، ازرق بن قیس، حبیب بن ابوثابت، ابوشعثاء، مکحول اور عبداللہ بن مَعْقِل بن مُقرّن کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام بیہقی نے اس فہرست میں عبداللہ بن صفوان اور محمد ابن حنفیہ اور ابن عبدالبر نے عمرو بن دینار کے نام بھی شمار کیے ہیں۔

اس کو جہر کرنے کی دلیل یہ ہے کہ یہ سورۂ فاتحہ کا جز ہے، لہٰذا جس طرح باقی سورۂ فاتحہ کی جہری قراءت کی جاتی ہے اس کی

---

① دیکھیے تفسیر الرازی:1/196-203. ② السنن الکبریٰ للبیہقی، الصلاة، باب افتتاح القراءة ببسم اللہ الرحمن الرحیم:2/46 اور دیکھیے سنن الدارقطنی:1/301-311 و الاستذکار، الصلاة، باب العمل فی القراءة:4/164، حدیث: 4567-4598 و فتح المالك بتبویب التمهید لابن عبدالبر ، الصلاة، باب القراءة خلف الإمام ......:2/111.

17540

بھی جہری قراءت کی جائے گی، نیز سنن نسائی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی تو آپ نے بَسْمَلَة کی قراءت جہری کی۔ اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ تم سب کی نسبت میری نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔[1] اس حدیث کو دارقطنی، خطیب، بیہقی اور کئی دیگر محدثین رحمہم اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔[2]

صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے نبی ﷺ کی قراءت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ الفاظ کو کھینچ کر قراءت فرمایا کرتے تھے۔ پھر انھوں نے ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ① ﴾ کی اس طرح قراءت کر کے دکھائی کہ ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ ﴾ کو کھینچ کر، پھر ﴿ الرَّحْمٰنِ ﴾ کو کھینچ کر اور پھر ﴿ الرَّحِيْمِ ① ﴾ کو کھینچ کر پڑھا۔[3] مسند امام احمد، سنن ابوداود، صحیح ابن خزیمہ اور مستدرک حاکم میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ آیات کو الگ الگ کر کے قراءت فرمایا کرتے تھے۔ (اور وہ اس طرح کہ) ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ① اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ② الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ③ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ④ ﴾. امام دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔[4]

امام ابو عبداللہ شافعی نے اور امام حاکم رحمہما اللہ نے اپنی مستدرک میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں نماز پڑھائی تو (سورۂ فاتحہ کے شروع میں بَسْمَلَة پڑھی مگر اس کے بعد والی سورت کے شروع میں) بَسْمَلَة کو ترک کر دیا......، اس وقت موجود انصار و مہاجرین نے اس پر اعتراض کیا تو انھوں نے جب پھر نماز پڑھائی تو بَسْمَلَة کی بھی قراءت کی۔[5]

یہ احادیث و آثار جن کو ہم نے ذکر کیا ہے، اس قول (بَسْمَلَة کی جہری قراءت) کی تائید و حمایت کے دلائل ہیں جو کافی بھی ہیں اور قابل تسلیم بھی۔ اور جہاں تک اس کے مخالف دلائل، غریب روایات اور ان کی اسانید کی تعلیل، تضعیف اور تنقید کا تعلق ہے تو اس کا یہ مقام نہیں۔

---

① سنن النسائی، الصلاة، باب قراءة ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾، حديث:906 و صحيح ابن خزيمة، الصلاة، باب ذكر الدليل على أن الجهر ببسم الله......:251/1، حديث:499 و صحيح ابن حبان، الصلاة، باب ذكر مايستحب للمرء الجهر......:105,104/5، حديث:1801 و المستدرك للحاكم، الصلاة، باب التأمين:232/1، حديث:849 مطوّلًا.
② سنن الدارقطنی، الصلاة، باب وجوب قراءة ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾......305,304/1، حديث1155 و السنن الكبرى للبيهقي، الصلاة، باب افتتاح القراءة في الصلاة......:46/2. ③ صحيح البخاری، فضائل القرآن، باب مدّ القراءة، حديث:5046. ④ مسند أحمد:302/6 و سنن أبی داود، الحروف والقراءات، باب:1، حديث:4001 و صحيح ابن خزيمة، الصلاة، باب ذكر الدليل على أن بسم الله ......:248/1، حديث:493 و المستدرك للحاكم، التفسير، باب قراءات النبي ﷺ مما لم يخرجاه......:231/1، حديث:2910,2909 و سنن الدارقطنی، الصلاة، باب وجوب قراءة ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾......:306/1، حديث:1162. ⑤ الأمّ للشافعي، الصلاة، باب القراءة بعد التعوّذ:308,307/1، حديث:174 و المستدرك للحاكم، الصلاة، باب التأمين:233/1، حديث:851. ملحوظ: اس روایت کو امام ابن کثیر نے یہاں مختصرًا بیان کیا ہے جس سے کچھ خلل واقع ہو گیا ہے، لہٰذا مراجع کی روشنی میں قوسین کے اندر کچھ اضافہ کر دیا گیا ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ نماز میں بَسْمَلَة کی قراءت جہری نہ کی جائے۔ خلفائے اربعہ اور عبداللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے بہت سے حضرات اور بہت سے بعد کے لوگوں سے بھی یہی ثابت ہے۔ امام ابوحنیفہ، ثوری اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ بَسْمَلَة کو سری یا جہری طور پر بالکل نہ پڑھا جائے۔[1] ان کی دلیل صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو اَللّٰهُ أَكْبَرُ سے اور قراءت کو ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ سے شروع فرماتے تھے۔[2]

نیز صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے، یہ تمام حضرات ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ سے قراءت شروع فرمایا کرتے تھے۔[3] مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ وہ قراءت کے اول یا آخر میں ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾ نہیں پڑھا کرتے تھے۔[4] سنن میں عبداللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔[5] یہ ہیں اس مسئلے میں ائمۂ کرام کے دلائل۔ اور یہ ایک دوسرے کے قریب ہی ہیں کیونکہ ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ بہر صورت نماز درست ہوگی، خواہ بَسْمَلَة کو جہری پڑھا جائے یا سری۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

''بسم اللہ'' کی فضیلت: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ایک صحابی سے روایت بیان کی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گدھے پر آپ کے پیچھے سوار تھے، کہتے ہیں کہ گدھا ذرا پھسلا تو میں نے کہا کہ شیطان کا برا ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: [لَا تَقُلْ: تَعِسَ الشَّيْطَانُ، فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ: تَعِسَ الشَّيْطَانُ، تَعَاظَمَ الشَّيْطَانُ فِي نَفْسِهِ وَقَالَ: صَرَعْتُهُ بِقُوَّتِي، فَإِذَا قُلْتَ: بِسْمِ اللّٰهِ، تَصَاغَرَتْ إِلَيْهِ نَفْسُهُ حَتّٰى يَكُونَ أَصْغَرَ مِنْ ذُبَابٍ] ''یہ نہ کہو کہ شیطان کا برا ہو کیونکہ اس سے

---

[1] فتح المالك بتبويب التمهيد، الصّلاة ، باب القراءة خلف الإمام...... 113/2. [2] اقتباس از صحیح مسلم، الصلاة باب مايجمع صفة الصلاة ومايفتتح به ...... ، حديث:498 و سنن أبي داود ، الصلاة ، باب من لم يرالجهر ببسم اللّٰه ...... ، حديث:783. [3] صحيح البخاري، الأذان، باب مايقول بعد التكبير، حديث:743 وصحيح مسلم، الصلاة، باب حجة من قال لايجهر بالبسملة، حديث:399 واللفظ له. حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بلوغ المرام میں لکھا ہے کہ مسند أحمد (179/3) ، سنن النسائي (الافتتاح ، باب ترك الجهر ببسم اللّٰه الرحمن الرحيم ، حديث:908) اور صحيح ابن خزيمة (250/1، حديث:497,496) کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ یہ حضرات ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ کو جہری طور پر نہیں پڑھا کرتے تھے۔ صحيح ابن خزيمة (250/1، حديث:498) کی ایک اور روایت میں ہے کہ وہ بسم اللہ کو سری طور پر پڑھا کرتے تھے، لہٰذا صحیح مسلم کی روایت میں جو نفی ہے اسے اسی پر محمول کیا جائے گا۔ (بلوغ المرام ، الصلاة، باب صفة الصلاة ، قبل الحديث:278.) [4] صحيح مسلم ، الصلاة، باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة ، حديث :(52)-399. [5] جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء فى ترك الجهر ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ ، حديث:244 وسنن النسائي، الافتتاح ، باب ترك الجهر ببسم اللّٰه ...... ، حديث:909 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات ، باب افتتاح القراءة، حديث:815 .

شیطان پھول جاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی قوت کے ساتھ اسے گرایا ہے۔ اور اگر تم بِسْمِ اللّٰهِ کہو تو اس سے شیطان اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے یہاں تک کہ مکھی سے بھی چھوٹا اور حقیر۔‘‘ ①

امام نسائی نے اپنی کتاب عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اسامہ بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ اونٹ پر آپ کے پیچھے سوار تھا، ہمارا اونٹ ذرا پھسلا، تو میں نے کہا: شیطان کا برا ہو، تب آپ نے فرمایا: [لَا تَقُلْ: تَعِسَ الشَّيْطَانُ فَإِنَّهُ يَعْظُمُ حَتّٰى يَصِيرَ مِثْلَ الْبَيْتِ، وَيَقُولُ: بِقُوَّتِي، وَلٰكِنْ قُلْ: بِسْمِ اللّٰهِ، فَإِنَّهُ يَصْغُرُ حَتّٰى يَصِيرَ مِثْلَ الذُّبَابِ] ’’یہ نہ کہو کہ شیطان کا برا ہو کیونکہ اس سے شیطان پھول کر مکان کی طرح ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے میں نے اپنی قوت سے (یہ کیا ہے) لیکن تم بِسْمِ اللّٰهِ کہو کیونکہ اس سے شیطان چھوٹا ہو کر مکھی کی طرح ہو جاتا ہے۔‘‘ ②

یہ بسم اللہ کی برکت کی وجہ سے ہے۔

ہر کام کے شروع میں ’’بسم اللہ‘‘ پڑھنا مستحب ہے: ہر عمل اور قول کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا مستحب ہے۔ خطبہ کے شروع میں بھی مستحب ہے۔ بیت الخلاء میں داخلے کے وقت بھی بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا مستحب ہے کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے۔ ③ وضو کے شروع میں بھی بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا مستحب ہے کیونکہ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابو ہریرہ، سعید بن زید اور ابو سعید رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً روایت ہے: [وَلَا وُضُوءَ لِمَنْ لَّمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ] ’’اور جو شخص وضو (شروع) کرتے ہوئے اللہ کا نام نہ لے تو اس کا وضو نہیں ہوتا۔‘‘ ④ یہ حدیث حسن ہے۔ کھاتے وقت بھی بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا مستحب ہے کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمر بن ابوسلمہ، جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے تھے اور آپ ﷺ کے گھر میں پرورش پا رہے تھے، سے فرمایا: [يَا غُلَامُ! سَمِّ اللّٰهَ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ] ’’اے لڑکے! بِسْمِ اللّٰهِ کہو، اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔‘‘ ⑤

بعض علماء نے کھانے کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنے کو واجب قرار دیا ہے۔ اسی طرح بیوی سے مباشرت کے وقت بھی بِسْمِ

① مسند أحمد: 59/5. ② السنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب مايقول إذا عثرت به دابته؟: 142/6، حديث: 10389 وسنن أبي داود، الأدب، باب: 77، حديث: 4982. ③ جامع الترمذي، الجمعة، باب ماذكر من التسمية عند دخول الخلاء، حديث: 606 وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب مايقول الرجل إذا دخل الخلاء، حديث: 297 عن علي رضي الله عنه. ④ مسند أحمد: 418/2 عن أبي هريرة رضي الله عنه و 41/3 عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه. و 70/4 عن سعيد بن زيد رضي الله عنه. وسنن أبي داود، الطهارة، باب في التسمية على الوضوء، حديث: 101 وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في التسمية عند الوضوء، حديث: 25 وسنن النسائي، الطهارة، باب التسمية عند الوضوء، حديث: 78 عن أنس رضي الله عنه. وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب ماجاء في التسمية في الوضوء، حديث: 397-400 عن سهل بن سعد رضي الله عنه. ⑤ صحيح البخاري، الأطعمة، باب التسمية على الطعام......، حديث: 5376 وصحيح مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب......، حديث: 2022. تفسیر میں یہ الفاظ تھے: [قُلْ: بِسْمِ اللّٰهِ] لیکن یہ الفاظ صحیح بخاری و مسلم میں نہیں ہیں جبکہ المعجم الكبير للطبراني: 28/9 میں [إِذَا أَكَلْتَ فَقُلْ: بِسْمِ اللّٰهِ] کے الفاظ ہیں۔

اللّٰہِ پڑھنا مستحب ہے کیونکہ صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّأْتِيَ أَهْلَهُ قَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ ، اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا ، فَإِنَّهُ إِنْ يُّقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذٰلِكَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا] ''جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی سے ہم بستری کے وقت یہ دعا پڑھ لے: اللہ کے نام سے، اے اللہ! تو ہم (دونوں) کو شیطان سے بچا اور جو اولاد تو ہمیں عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچا، لہٰذا اگر اس ہم بستری سے حمل قرار پا جائے تو اس پیدا ہونے والے بچے کو شیطان کبھی بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔''①

''بسم اللہ'' کی ''باء'' کا تعلق اسم سے ہے یا فعل سے؟ درج ذیل تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بِسْمِ اللّٰہِ کی ''باء'' کے بارے میں نحویوں کے جو یہ دو قول ہیں جن میں سے ایک کے مطابق اس کا تعلق اسم سے ہے اور دوسرے کے مطابق فعل سے، تو یہ دونوں قول قریب قریب ہیں۔ اور ان میں سے ہر قول کا ثبوت قرآن مجید سے ملتا ہے۔ جو لوگ اس کا تعلق اسم سے بتلاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اصل میں جملہ یہ تھا: بِسْمِ اللّٰہِ ابْتِدَائِی ''اللہ کے نام سے میری ابتدا ہے۔'' اور اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾ (ھود 11:41) ''اللہ کے نام سے ہے اس (سفینۂ نوح) کا چلنا اور ٹھہرنا بے شک میرا رب بہت بخشنے والا (اور) انتہائی مہربان ہے۔'' اور جو حضرات فعل کو، خواہ وہ امر ہو یا خبر اس کا مقدر بتاتے ہیں، مثلاً: اِبْدَأْ بِسْمِ اللّٰہِ ''اللہ کے نام سے شروع کرو۔'' یا اِبْتَدَأْتُ بِسْمِ اللّٰہِ ''میں نے اللہ کے نام سے شروع کیا۔'' ان کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○﴾ (العلق 96:1) ''اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے۔''

بہر حال یہ دونوں قول ہی صحیح ہیں کیونکہ ہر فعل کا کوئی نہ کوئی مصدر بھی ضرور ہوتا ہے، لہٰذا آپ فعل کو بھی مقدر قرار دے سکتے ہیں اور اس کے مصدر کو بھی۔ مصدر اسی فعل کا ہوگا جس کا آپ نے پہلے نام لیا ہوگا، لہٰذا کھڑا ہونا ہو یا بیٹھنا، کھانا ہو یا پینا یا قراءت کرنا، وضو کرنا یا نماز پڑھنا ان سب کاموں کے شروع میں خیر و برکت حاصل کرنے کے لیے، ان کی تکمیل کی مدد چاہنے کے لیے اور ان کی قبولیت کے لیے، حکم شریعت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

لفظ جلالت ''اللہ'' کے معنی: ''اللہ'' رب تبارک و تعالیٰ کا ذاتی عَلَم ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہی ''اسمِ اعظم'' ہے۔ اس لیے کہ تمام اچھی صفات کے ساتھ اسی اسم پاک کو موصوف قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○﴾ (الحشر 59:22-24) ''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے، وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق

① صحيح البخاري، الدعوات، باب مايقول إذا أتٰى أهله، حديث:6388 و صحيح مسلم، النكاح، باب مايستحب أن يقوله عند الجماع، حديث:1434.

نہیں۔ وہ بادشاہ ہے، نہایت پاک (ہر عیب سے)، سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست، بڑائی والا، اللہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔ وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) خالق، ایجاد و اختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا، اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں۔ جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب ہے، خوب حکمت والا ہے۔''

ان آیات میں باقی تمام اسماء کو اللہ تعالیٰ کی صفات کے طور پر بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ﴾ (الأعراف 180:7) ''اور اللہ کے لیے تو سب اچھے سے اچھے نام ہیں، تو اس کو اس کے ناموں سے پکارا کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴾ (بنی إسرآء يل 110:17) ''کہہ دیجیے کہ تم (اللہ کو) اللہ (کے نام سے) پکارو یا رحمٰن (کے نام) جس نام سے پکارو، اس کے سب نام اچھے سے اچھے ہیں۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِينَ اِسْمًا، مِّائَةً إِلَّا وَاحِدًا، مَّنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ] ''بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے، یعنی ایک کم سو نام ہیں جو انھیں یاد کرلے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔''[1] ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں ان ناموں کی تفصیل بھی آئی ہے۔[2] ان دونوں کتابوں کی روایتوں میں بیان کیے گئے اسمائے حسنیٰ میں کچھ کمی زیادتی بھی ہے۔

﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ کی تفسیر: ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ ''بڑا مہربان نہایت رحم والا۔'' یہ دونوں نام ''رحمت'' سے مشتق ہیں۔ اور دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ رحمٰن میں رحیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ کے کلام سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے۔[3] قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں (کہ ابن حصار نے کہا ہے:) اس اسم کے مشتق ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام ترمذی نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: أَنَا اللّٰهُ وَأَنَا الرَّحْمٰنُ، خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا (اسمًا) مِّنِ اسْمِي، فَمَنْ وَّصَلَهَا وَصَلْتُهُ، وَمَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ] ''اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میں رحمان ہوں۔ میں نے ''رحم'' کو پیدا کیا اور اپنے نام سے اس (کے نام) کو مشتق کیا ہے جس نے اسے ملایا، میں اسے ملاؤں گا اور جس نے اسے توڑا میں بھی اسے توڑ دوں گا۔''[4]

---

[1] صحیح البخاری، التوحید، باب: إن للّٰه مائة اسم إلّا واحدة، حدیث:7392 و صحیح مسلم، الذکر والدعاء...... باب فی أسماء اللّٰه تعالیٰ......، حدیث:(5,6)-2677. [2] جامع الترمذی، الدعوات، باب حدیث فی أسماء اللّٰه الحسنیٰ......، حدیث:3507 و سنن ابن ماجه ، الدعاء، باب أسماء اللّٰه عزوجل، حدیث:3861 لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ [3] تفسیر الطبری:84/1. [4] جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی قطیعة الرحم، حدیث:1907 و صحیح ابن حبان، البر والإحسان، ذکر البیان بأن قوله ﷺ:[الرحم شِجْنة من الرحمٰن......] :187,186/2، حدیث: 443.

یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ یہ اسم پاک مشتق ہے۔ کفار عرب کا اسم پاک الرَّحْمٰن سے انکار کرنا، اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کی جہالت کی وجہ سے تھا۔ [1]

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رحمٰن اور رحیم کا ایک ہی معنی ہے۔ جس طرح نَدْمَان اور ندیم کا ایک ہی معنی ہے۔ یہ قول ابوعبید کا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ فَعْلَان کا صیغہ فَعِیل کی طرح نہیں ہے کیونکہ فَعْلَان کے صیغے میں مبالغہ ضرور ہوتا ہے جیسے رَجُلٌ غَضْبَانُ اس شخص کو کہتے ہیں جو شدید غصے میں ہو مگر فَعِیل کا صیغہ فاعل یا مفعول کے معنی میں بھی آتا ہے (اور اس صورت میں اس میں مبالغہ نہیں ہوتا۔) ابوعلی فارسی کہتے ہیں کہ رحمٰن عام اسم ہے جو رحمت کی تمام قسموں کو شامل ہے۔ اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے اور رَحِیم صرف مومنوں کی مناسبت سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝ ﴾ (الأحزاب 43:33) ''اور اللہ مومنوں پر مہربان ہے۔'' [2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ دونوں نام رحمت ورحم والے ہیں اور ایک میں دوسرے سے زیادہ رحمت اور رحم ہے۔ [3]
ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عَرْزَمی کہتے ہیں کہ الرحمٰن کے معنی ہیں: ''تمام مخلوق پر رحم فرمانے والا۔'' اور الرحیم کے معنی ہیں: ''مومنوں پر رحم فرمانے والا۔'' [4] مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ ﴾ (الفرقان 59:25) ''پھر وہ عرش پر مستوی ہوا (وہی) رحمٰن ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ 5:20) ''وہ رحمٰن ہے، عرش پر مستوی ہے۔''

ان آیات میں اِستواء ''مستوی ہونے'' کا ذکر اسم پاک الرحمٰن کے ساتھ فرمایا تاکہ یہ نام تمام مخلوق کو اپنی رحمت میں شامل کر سکے۔ اور مومنوں کے لیے فرمایا: ﴿ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا ۝ ﴾ (الأحزاب 43:33) ''اور اللہ مومنوں پر بہت رحمت کرنے والا ہے۔'' یعنی مومنوں کے ذکر کے حوالے سے بطور خاص اسم پاک رحیم کو ذکر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اَلرَّحْمٰن میں اَلرَّحِیم کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے کیونکہ اس میں دونوں جہانوں اور تمام مخلوق کے لیے عموم ہے جبکہ الرحیم مومنوں کے ساتھ خاص ہے، لیکن ایک حدیث میں مذکور ایک دعا میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: [رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَرَحِيمَهُمَا] ''اے دنیا وآخرت کے رحمٰن ورحیم!'' [5]

اللہ تعالیٰ کا اسم پاک رحمٰن بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے سوا کسی اور کو اس نام کے ساتھ موسوم نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ ﴾ (بنی إسرآء یل 110:17) ''کہہ دیجیے کہ تم (اللہ کو) اللہ (کے نام سے) پکارو یا رحمٰن (کے نام سے) جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے سے اچھے نام اسی کے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف

[1] تفسیر القرطبی:104/1. [2] تفسیر القرطبی:106/1. [3] تفسیر القرطبی:106/1. [4] تفسیر الطبری:85/1.
[5] اقتباس از المستدرك للحاكم، الدعاء والتكبير:515/1، حديث:1898 عن عائشة رضی اللہ عنہا. والمعجم الكبير للطبراني: 155/20 عن معاذ رضی اللہ عنہ. مگر یہ روایات ضعیف ہیں۔ اور دیکھیے السلسلة الضعيفة: 5287 عن أنس رضی اللہ عنہ.

(43:45) ”اور (اے پیغمبر!) جو اپنے پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ہیں ان کے احوال دریافت کرلیں، کیا ہم نے رحمان کے سوا اور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟“

مُسَیلِمہ کذاب نے جب بہت بڑھ چڑھ کر دعوٰی کیا اور اپنا نام رحمان الیمامہ رکھ لیا [1] تو اللہ تعالیٰ نے اس کو لباس کذب پہنا کر اس کے ساتھ اسے مشہور کر دیا کہ اسے ”مسیلمہ کذاب“ کہا جاتا ہے۔ اور ہر پکے گھر والے شہری اور کچے گھر والے دیہاتی اور گنوار کے ہاں جھوٹ بولنے میں ضرب المثل بن چکا ہے۔

اسی بنیاد پر یہاں سب سے پہلے اسم پاک اللہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس نام میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور (صفات میں) سب سے پہلے اس کی صفت الرحمٰن بیان کی گئی ہے۔ اور اس نام سے بھی اللہ کے سوا کسی اور کو موسوم کرنے سے منع کر دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ﴾ (بنی إسرآء یل: 110/17) ”کہہ دیجیے کہ تم (اللہ کو) اللہ (کے نام سے) پکارو یا رحمٰن (کے نام سے) جس نام سے بھی پکارو، تمام اچھے سے اچھے نام اسی کے ہیں۔“ مُسَیلِمہ نے اپنے آپ کو اس نام سے موسوم کیا تو یہ اس کی بدترین جرأت تھی، اس کے گمراہ ساتھیوں کے سوا اس کی اس بات کو کسی اور نے قبول نہیں کیا تھا۔

رحیم کی صفت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو بھی موصوف قرار دیا ہے، مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○﴾ (التوبة 128:9) ”(لوگو!) یقیناً تمھارے پاس تمھی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمھاری تکلیف ان پر گراں گزرتی ہے۔ اور وہ تمھاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔“ اسی طرح اس نے اپنے بعض دیگر اسماء کے ساتھ بھی دوسروں کو موصوف قرار دیا ہے، مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖۗ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ○﴾ (الدھر 2:76) ”بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اسے آزمائیں تو ہم نے اس کو سننے دیکھنے والا بنایا۔“ اس آیت میں انسان کے لیے بھی سمیع وبصیر کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ اسمائے گرامی ایسے ہیں جن سے غیر اللہ کو بھی موسوم قرار دیا جا سکتا ہے اور کچھ ایسے ہیں جن کے ساتھ غیر اللہ کو موسوم قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ وہ اسی کی ذات گرامی کے لیے مخصوص ہیں، مثلاً: اللہ، رحمٰن، خالق اور رازق وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے اسم پاک ”اللہ“ کا ذکر کیا، پھر اس کی صفت ”رحمٰن“ بیان فرمائی کیونکہ یہ ”رحیم“ کی نسبت زیادہ خاص اور زیادہ معروف ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اس نام کو ذکر کیا جاتا ہے جو افضل اور اشرف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں سب سے پہلے اس نام سے آغاز کیا جو سب سے زیادہ خاص تھا، پھر اسے ذکر کیا جو اس سے قدرے کم خاص تھا۔

[1] الطبقات الكبرٰى لابن سعد:165/1 و الدراية في تخريج أحاديث الهداية:156/1 و المراسيل لأبي داود:34.

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲﴾

سب تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ②

حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت فرماتے ہوئے ہر ہر آیت پر وقف فرماتے تھے جیسے: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱﴾ (پڑھتے پھر ٹھہر جاتے۔) ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲﴾ (پڑھتے پھر ٹھہر جاتے۔)[1] اسی وجہ سے قراء کی ایک جماعت نے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱﴾ اور ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲﴾ کے درمیان وقف کر کے پڑھا ہے جبکہ ایک جماعت نے ﴿الرَّحِيْمِ ۝۱﴾ کی میم کو ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کے لام کے ساتھ ملا کر پڑھا ہے۔

تفسیر آیت :2

''حمد'' کے معنی: ابوجعفر ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ شکر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ اس کے سوا جن معبودوں کی عبادت کی جاتی ہے یا اس نے جو بھی مخلوق پیدا فرمائی ہے ان میں سے کوئی بھی اس کا مستحق نہیں ہے، اس لیے کہ اس نے اپنے بندوں کو ان تمام بے حد و حساب نعمتوں سے سرفراز فرمایا جنھیں اس کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ اس نے اپنی اطاعت کرنے کے لیے تمام اسباب عطا فرمائے، فرائض ادا کرنے کے لیے اپنے بندوں کو تمام جسمانی طاقتوں سے نوازا۔ اور پھر دنیا میں رزق کی فراوانی عطا فرمائی اور زندگی بسر کرنے کے لیے کسی حق کے بغیر انواع و اقسام کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اور اس نے ہمیں ان اسباب کے بارے میں بتا دیا اور انھیں اختیار کرنے کی دعوت بھی دی جو ابدی نعمتوں کے مقام جنت میں ابدی و سرمدی زندگی کا ذریعہ ہیں، پس اول و آخر اسی ذات پاک کی حمد ہے۔[2]

ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ ثنا کا کلمہ ہے، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ثنا بیان فرمائی ہے۔ اور اس کے ضمن میں اپنے بندوں کو بھی اس نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ بھی اس کی ثنا بیان کریں، گویا اس نے ہمیں حکم یہ دیا ہے کہ جب میری ثنا بیان کرنے لگو تو کہو: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾.[3] ابن جریر کہتے ہیں: یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کہنے سے اللہ تعالیٰ کے اچھے نام اور بلند صفات کے ساتھ اس کی ثنا ہے اور اَلشُّكْرُ لِلّٰهِ کہنے سے اس کی نعمتوں اور اس کے احسانات کے ساتھ اس کی ثنا ہے۔[4]

حمد اور شکر میں فرق: تحقیقی بات یہ ہے کہ ان دونوں میں عموم اور خصوص کی نسبت ہے۔ اس حیثیت سے کہ یہ دونوں لفظ نعمت اور احسان کے بدلے یا صلے کے طور پر بولے جائیں تو ''حمد'' کا لفظ ''شکر'' کی نسبت عام ہے کیونکہ اس کا استعمال لازم اور متعدی دونوں قسم کی صفات کے لیے ہوتا ہے، مثلاً: آپ یہ کہہ سکتے ہیں: حَمِدْتُهُ لِفُرُوسِيَّتِهِ ''میں نے اس کی شہسواری کی وجہ

---

① مسند أحمد:302/6 و سنن أبي داود، الحروف والقراءات، باب:1، حديث:4001 و جامع الترمذي، القراءات، باب في فاتحة الكتاب، حديث:2927. تفسیر میں یہاں [يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهُ حَرْفًا حَرْفًا] ہے مگر اس سیاق میں [آيَةً آيَةً] زیادہ موزوں ہے جیسا کہ مذکورہ حوالہ جات سے واضح ہے۔ اور [حرفا حرفا] کا سیاق قدرے مختلف ہے، دیکھیے سنن أبي داود:1466 و جامع الترمذي:2923. ② تفسير الطبري:90/1. ③ تفسير الطبري:92/1. ④ تفسير الطبري:90/1.

سے اس کی تعریف کی۔'' اور حَمِدْتُهٗ لِكَرَمِهٖ ''میں نے اس کی سخاوت کی وجہ سے اس کی تعریف کی۔'' لیکن اس حیثیت سے کہ یہ لفظ زبان ہی سے ادا ہو سکتا ہے، یہ لفظ خاص ہے۔ اور چونکہ ''شکر'' قول، فعل اور نیت تینوں سے ادا ہو سکتا ہے، لہٰذا یہ عام ہے۔ اور یہ صرف متعدی صفات کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس وجہ سے یہ خاص ہے، چنانچہ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ شَكَرْتُهٗ لِفُرُوسِيَّتِهٖ ''میں نے اس کی شہسواری کی وجہ سے اس کا شکر ادا کیا۔'' ہاں، البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ شَكَرْتُهٗ عَلٰى كَرَمِهٖ وَإِحْسَانِهٖ إِلَيَّ ''میں نے اپنے ساتھ اس کے کرم واحسان پر اس کا شکر ادا کیا۔'' اس سلسلے میں بعض متاخرین کی تحریر کا یہی خلاصہ ہے۔ وَاللّٰهُ أَعلَم.

ابونصر اسماعیل بن حماد جوہری نے لکھا ہے کہ حمد کا لفظ ذم کے مقابل ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں: حَمِدْتُّ الرَّجُلَ أَحْمُدُهٗ حَمْدًا وَّمَحْمَدَةً اس محاورے کے مطابق جو شخص قابل تعریف ہو اسے حمید اور محمود کہا جاتا ہے۔ اور تحمید میں حمد سے بھی زیادہ مبالغہ ہے۔ اور حمد کا لفظ شکر سے عام ہے۔ اور شکر کسی محسن کی احسان مندی اور اس کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کی ثنا کرنے کو کہتے ہیں۔ اور عربی زبان میں اس کا استعمال شَكَرْتُهٗ اور شَكَرْتُ لَهٗ دونوں طرح ہوتا ہے لیکن لام کے ساتھ زیادہ فصیح ہے۔[1]

مدح کا لفظ حمد کی نسبت عام ہے کیونکہ یہ زندہ اور مردہ بلکہ جمادات کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ یعنی کھانے پینے کی چیزوں اور مکان وغیرہ کے لیے بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے، نیز احسان سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اور اسی طرح متعدی اور لازم دونوں طرح کی صفات کے لیے بھی یہ لفظ بولا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ لفظ عموم کی شان لیے ہوئے ہے۔

''حمد'' کے بارے میں سلف کے اقوال: ابن ابوحاتم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم [سُبْحَانَ اللّٰهِ] اور [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ] کو تو جانتے ہیں لیکن ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ کا کیا مطلب ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یہ ایک ایسا کلمہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے پسند فرمایا ہے۔[2] ابو معمر کے علاوہ ایک دوسرے راوی نے حفص سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیگر دوستوں کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ] ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ اور [اَللّٰهُ أَكْبَرُ] کے کلمات کے مفہوم کو تو ہم جانتے ہیں مگر [سُبْحَانَ اللّٰهِ] کا کیا مطلب ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ ایک ایسا کلمہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے پسند فرمایا ہے۔ اور وہ اس بات کو بھی پسند فرماتا ہے کہ اس کلمے کو کہا جائے۔[3] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ کلمۂ شکر ہے جب بندہ کہتا ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرا شکر ادا کیا ہے۔[4]

فضائلِ ''حمد'': امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسود بن سَرِیع کی روایت بیان کی ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو اپنے وہ اشعار نہ سناؤں جن میں میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی حمد بیان کی ہے؟ فرمایا: [أَمَا إِنَّ رَبَّكَ

[1] الصحاح: 407/2، 602. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 27/1. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 27/1. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 26/1.

عَزَّوَجَلَّ یُحِبُّ الْحَمْدَ] ''بے شک تمھارا رب حمد کو بہت پسند فرماتا ہے۔''[1] ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَأَفْضَلُ الدُّعَاءِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ] ''سب سے افضل ذکر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اور سب سے افضل دعا اَلْحَمْدُلِلّٰهِ ہے۔''[2] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلٰى عَبْدٍ نِّعْمَةً فَقَالَ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ، إِلَّا كَانَ الَّذِي أَعْطَاهُ أَفْضَلَ مِمَّا أَخَذَ] ''جس بندے کو اللہ تعالیٰ کسی نعمت سے سرفراز فرمائے اور وہ اس پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے تو اس کا یہ حمد کہنا اس نعمت سے افضل ہے جو اس نے حاصل کی ہے۔''[3] سنن ابن ماجہ ہی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أَنَّ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ قَالَ : يَا رَبِّ! لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَلِعَظِيمِ سُلْطَانِكَ، فَعَضَّلَتْ بِالْمَلَكَيْنِ فَلَمْ يَدْرِيَا كَيْفَ يَكْتُبَانِهَا؟ فَصَعِدَا إِلَى السَّمَاءِ وَقَالَا: يَا رَبَّنَا! إِنَّ عَبْدَكَ قَدْ قَالَ مَقَالَةً لَّا نَدْرِي كَيْفَ نَكْتُبُهَا؟ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ۔ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا قَالَ عَبْدُهٗ -: مَاذَا قَالَ عَبْدِي؟(قَالَا) : يَارَبِّ! إِنَّهٗ قَالَ: يَارَبِّ! لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيمِ سُلْطَانِكَ ، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُمَا : أُكْتُبَاهَا كَمَا قَالَ عَبْدِي حَتّٰى يَلْقَانِي فَأَجْزِيَهٗ بِهَا]

''بندگان الٰہی میں سے ایک بندے نے یہ کہا: اے پروردگار! تیری اس طرح تعریف ہے جس طرح تیرے چہرۂ اقدس کے جلال اور تیری عظیم بادشاہت کے شایان شان ہے۔ اس سے دونوں فرشتے حیران و پریشان ہو گئے۔ انھیں معلوم نہیں تھا کہ وہ اس کا اجر وثواب کیسے لکھیں؟ لہٰذا وہ آسمان کی طرف چڑھ گئے۔ اور بارگاہ الٰہی میں انھوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! تیرے ایک بندے نے ایک ایسا کلمہ کہا ہے جس کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ ہم اس کا اجر وثواب کیسے لکھیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ اس کے بندے نے کیا کہا تھا۔ میرے بندے نے کیا کہا ہے؟ انھوں نے عرض کی: اے پروردگار! تیرے بندے نے کہا ہے: [يَارَبِّ! لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِي لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيمِ سُلْطَانِكَ] تو اللہ عزوجل نے ان فرشتوں سے فرمایا کہ اس کلمہ کو اسی طرح لکھ لو جس طرح میرے بندے نے کہا ہے حتی کہ جب وہ میری ملاقات کے لیے آئے گا تو میں خود اسے اس کی جزا دوں گا۔''[4]

---

[1] مسند أحمد:435/3 و السنن الكبرٰى للنسائي، النعوت ، باب الحب و الكراهية: 416/4 ، حديث: 7745 . [2] جامع الترمذي، الدعوات، باب ماجاء أن دعوة المسلم مستجابة، حديث:3383 و السنن الكبرٰى للنسائي، عمل اليوم و الليلة، باب أفضل الذكر و أفضل الدعاء: 208/6 ، حديث: 10667 و سنن ابن ماجه، الأدب، باب فضل الحامدين، حديث: 3800 . [3] سنن ابن ماجه، الأدب، باب فضل الحامدين، حديث:3805. [4] سنن ابن ماجه، الأدب، باب فضل الحامد ين ، حديث:3801 اور المعجم الكبير للطبراني: 335,334/12 میں دوسری مرتبہ بھی [ولعظيم سلطانك] ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴿3﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝﴿4﴾

بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے③ بدلے کے دن کا مالک ہے ④

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ **کا الف لام استغراق کے لیے ہے:** ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ میں الف لام استغراق کے لیے ہے، یعنی حمد کی تمام انواع واقسام صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خاص ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے:[اَللّٰهُمَّ ! لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهُ ، وَلَكَ الْمُلْكُ كُلُّهُ ، وَ بِيَدِكَ الْخَيْرُ كُلُّهُ ، إِلَيْكَ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ]''اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں، تمام بادشاہتیں تیرے ہی لیے ہیں، تمام بھلائیاں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں اور تمام امور تیری ہی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔''①

﴿ رَبِّ ﴾ **کے معنی:** رب مالک اور متصرف کو کہتے ہیں۔ لغت میں اس کا اطلاق سردار اور اصلاح کے لیے تصرف کرنے والے پر بھی ہوتا ہے۔ ان سب معانی کے اعتبار سے اس لفظ کا اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال صحیح ہے۔ غیر اللہ کے لیے رب کا لفظ اضافت ہی کے ساتھ استعمال ہوسکتا ہے۔ مثلاً: رَبُّ الدَّار ''گھر کا مالک'' رَبُّ كَذَا ''فلاں چیز کا مالک'' بغیر اضافت کے رَبّ کا لفظ صرف اللہ عزوجل ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ لفظ رَبّ ہی اسم اعظم ہے۔

﴿ الْعٰلَمِيْنَ ② ﴾ **کے معنی:** عالمین، عالَم کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر موجود چیز کو عالَم کہتے ہیں۔ عالَم کا لفظ خود بھی اسم جمع ہے کیونکہ اس کے لفظ سے اس کا کوئی واحد نہیں ہے۔ آسمانوں اور برّ و بحر کی مخلوقات کی انواع واقسام مختلف عالَم ہیں، اسی طرح ایک زمانے اور ایک نسل کو بھی عالَم کہا جاتا ہے۔ فراء اور ابوعبید کا قول ہے کہ عالَم کا لفظ ذوی العقول، یعنی انسانوں، جنوں، فرشتوں اور شیطانوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، حیوانوں کے لیے عالَم کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔② زید بن اسلم اور ابومُحَیصِن سے روایت ہے کہ عالَم ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس میں روح موجود ہو۔③ قتادہ کہتے ہیں کہ مخلوقات میں سے ہر قسم ایک عالَم ہے۔④ زجّاج کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت میں جو کچھ پیدا فرمایا ہے، وہ سب عالَم ہے۔⑤

قرطبی کہتے ہیں کہ یہی قول صحیح ہے کیونکہ یہ سب عالموں کو شامل ہے۔⑥ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ ﴾(الشعرآء26:23،24) ''فرعون نے کہا تمام جہانوں کا مالک کیا ہے؟ موسیٰ نے کہا کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے، سب کا مالک ہے، بشرطیکہ تم لوگوں کو یقین ہو۔''

''**عالَم'' کی وجہ تسمیہ:** عالَم کا لفظ علامت سے مشتق ہے۔ اسے عالَم اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ عالَم کے پیدا کرنے والے اور اس کے بنانے والے کے وجود اور اس کی وحدانیت کی دلیل اور علامت ہے۔⑦

تفسیر آیت :3

① مسند أحمد:396/5 مطوّلاً عن حذیفة ﷺ مگر یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ حضرت حذیفہ ؓ سے بیان کرنے والے راوی مجہول ہیں۔ ② تفسیر القرطبی:138/1. ③ تفسیر القرطبی:138/1 نحوہ. ④ تفسیر الطبری:95/1. ⑤ تفسیر القرطبی:139/1. ⑥ تفسیر القرطبی:139/1. ⑦ تفسیر القرطبی:139/1.

﴿ بِسۡمِ اللّٰهِ ﴾ کے ضمن میں اس کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے،[1] لہٰذا اب اعادے کی ضرورت نہیں۔ قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝ ﴾ کے وصف کے بعد ﴿ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ ﴾ کا وصف ترہیب کے بعد ترغیب کے باب میں سے ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ نَبِّئۡ عِبَادِیۡۤ اَنِّیۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ۝ وَ اَنَّ عَذَابِیۡ هُوَ الۡعَذَابُ الۡاَلِیۡمُ ۝ ﴾ (الحجر 50,49:15) ''(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو بتا دیجیے کہ یقیناً میں بڑا بخشنے والا (اور) بڑا مہربان ہوں۔ اور بے شک میرا عذاب بھی بڑا اور درد دینے والا عذاب ہے۔''[2] اسی طرح یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیۡعُ الۡعِقَابِ ۖ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ ﴾ (الأنعام 165:6) ''بے شک آپ کا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک وہ بہت بخشنے والا مہربان بھی ہے۔'' اسم ﴿ رَبِّ ﴾ میں ترہیب اور ﴿ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ ﴾ کے ناموں میں ترغیب کا پہلو ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَوْ يَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنَ الْعُقُوبَةِ مَا طَمِعَ بِجَنَّتِهِ أَحَدٌ ، وَّ لَوْ يَعْلَمُ الْكَافِرُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ مَا قَنِطَ مِنْ رَّحْمَتِهِ أَحَدٌ] ''اگر مومن کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے بارے میں صحیح علم ہو تو کوئی بھی اس کی جنت کی خواہش نہ کرے۔ اور اگر کافر کو اس کی رحمت کے بارے میں علم ہو تو کوئی بھی اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔''[3]

تفسیر آیت: 4

انصاف کے دن کی ملکیت کا مفہوم: قیامت کے دن کی ملکیت کی تخصیص کے یہ معنی نہیں کہ باقی دنوں کی ملکیت کی نفی ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ رب العالمین ہے اور یہ دنیا و آخرت دونوں کو شامل ہے۔ قیامت کے دن کی طرف اضافت اس لیے کی گئی ہے کہ اس دن کوئی کسی چیز کی ملکیت کا دعوے دار نہ ہوگا بلکہ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو بات کرنے کی بھی جرأت نہ ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَ الۡمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۖؕ لَّا یَتَكَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ۝ ﴾ (النبا 38:78) ''جس دن روح (الامین) اور (دیگر) فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے تو کوئی بول نہ سکے گا مگر جس کو رحمٰن اجازت بخشے اور اس نے بات بھی درست کہی ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ خَشَعَتِ الۡاَصۡوَاتُ لِلرَّحۡمٰنِ فَلَا تَسۡمَعُ اِلَّا هَمۡسًا ۝ ﴾ (طٰہٰ 108:20) ''اور رحمٰن کے سامنے آوازیں پست ہو جائیں گی تو تم آہٹ کے سوا کوئی آواز نہ سنو گے۔'' اور فرمایا: ﴿ یَوۡمَ یَاۡتِ لَا تَكَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ۚ فَمِنۡهُمۡ شَقِیٌّ وَّ سَعِیۡدٌ ۝ ﴾ (ھود 105:11) ''جب وہ دن آ جائے گا تو کوئی نفس اللہ کے حکم کے بغیر بول بھی نہ سکے گا، پھر ان میں سے کچھ بدبخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما ﴿ مٰلِكِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۝ ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس دن اس کی بادشاہت میں اس کے سوا اور کوئی صاحب اختیار نہ ہوگا جس طرح دنیا میں یہ مجازاً بادشاہ تھے۔[4]

---

[1] دیکھیے عنوان: ''﴿ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ ﴾ کی تفسیر'' [2] تفسیر القرطبی: 139/1. [3] صحیح مسلم، التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ......، حدیث: 2755 و مسند أحمد: 397/2 لیکن [رحمتہ] مسند احمد میں ہے جبکہ صحیح مسلم میں اس کے بجائے [جنتہ] ہے۔ [4] تفسیر الطبری: 98/1.

﴿ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ کے معنی: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یوم الدین سے مراد مخلوق کے حساب کا دن، یعنی قیامت کا دن ہے جس دن وہ تمام اعمال کا بدلہ دے گا۔ اچھے اعمال کا اچھا بدلہ اور برے اعمال کا برا بدلہ، الا یہ کہ کسی کو وہ معاف فرما دے۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر صحابہ و تابعین اور سلف سے بھی یہی معنی منقول ہیں اور جیسا کہ ظاہر ہے یہی معنی صحیح ہیں۔

مَلِک اور مَلِک الاملاک اللہ ہی ہے: حقیقت میں مالک اللہ عزوجل ہی ہے جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ ﴾ (الحشر 23:59) ''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ (حقیقی) بادشاہ ہے، نہایت پاک ذات (ہر عیب سے)، سلامتی دینے والا۔''

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: [أَخْنَعُ اسْمٍ عِنْدَ اللّٰهِ رَجُلٌ تَسَمَّى بِمَلِكِ الْأَمْلَاكِ ، لَا مَالِكَ إِلَّا اللّٰهُ] ''اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین نام یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو شہنشاہ کہلائے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بادشاہ (حقیقی) نہیں ہے۔''[2] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے صحیحین میں یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَقْبِضُ اللّٰهُ الْأَرْضَ وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِينِهِ ثُمَّ يَقُولُ : أَنَا الْمَلِكُ ، أَيْنَ مُلُوكُ الْأَرْضِ ؟ (أَيْنَ الْجَبَّارُونَ ؟ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُونَ ؟)] ''اللہ تعالیٰ زمین کو پکڑ لے گا اور آسمان کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا اور فرمائے گا: ''میں ہوں بادشاہ کہاں ہیں دنیا کے بادشاہ؟ کہاں ہیں سرکش؟ کہاں ہیں متکبر؟''[3]

اور قرآن عظیم میں بھی ہے: ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾ (المؤمن 16:40) ''آج کس کی بادشاہت ہے؟ اللہ کی جو اکیلا (اور) غالب ہے۔'' ہاں، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو دنیا میں جو بادشاہ کہا جاتا ہے تو یہ مجازی طور پر ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۭ ﴾ (البقرۃ 247:2) ''بے شک اللہ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔'' اسی طرح فرمایا: ﴿ وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ ﴾ (الکھف 79:18) ''اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَاۗءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ڰ ﴾ (المآئدۃ 20:5) ''(اس وقت کو یاد کرو) جب اس نے تم میں پیغمبر پیدا کیے اور تمھیں بادشاہ بنایا۔'' صحیح بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں یہ جملہ بھی ہے: [مِثْلَ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ] ''(پہلی اسلامی بحری فوج اس طرح ہوگی) جس طرح بادشاہ تختوں پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔''[4]

﴿ الدِّيْنِ ﴾ کی تفسیر: دین کے معنی جزا اور حساب کے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَىِٕذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ

---

[1] تفسیر الطبری: 102/1 و تفسیر ابن أبی حاتم: 29/1. [2] صحیح البخاری، الأدب، باب أبغض الأسماء إلی اللّٰہ، حدیث: 6206 و صحیح مسلم، الآداب، باب تحریم التسمی بملك الأملاك......، حدیث: (20,21)-2143 اور [لَا مَالِكَ إِلَّا اللّٰهُ] صحیح بخاری میں نہیں ہے۔ [3] صحیح البخاری، الرقاق، باب: یقبض اللّٰہ الأرض یوم القیٰمۃ، حدیث: 6519 و صحیح مسلم، صفات المنافقین، باب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، حدیث: 2787، البتہ [أین الجبارون......] کے الفاظ صحیح مسلم: 2788 میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے ہیں۔ [4] اقتباس از صحیح البخاری، الجہاد والسیر، باب الدعاء بالجہاد والشہادۃ للرجال والنساء، حدیث: 2788 و صحیح مسلم، الإمارۃ، باب فضل الغزو فی البحر، حدیث: 1912 مطوّلاً عن أنس رضی اللہ عنہ. اور یہ واقعہ اُم حرام بنت مِلحان رضی اللہ عنہا کا ہے۔

اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ ۝۵

(اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں ⑤

الْحَقَّ ﴿ (النور 25:24) ''اس دن اللہ ان کو (ان کے اعمال کی) پوری پوری اور ٹھیک جزا دے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ ءَاِنَّا لَمَدِیۡنُوۡنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 53:37) ''تو کیا واقعی ہمیں (دوبارہ اٹھا کر) بدلہ ملے گا؟'' یعنی کیا ہمیں جزا دی جائے گی؟ ہمارا حساب لیا جائے گا؟ حدیث میں ہے: [اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ] ''عقل مند وہ ہے جو اپنا محاسبہ خود کرے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے۔''①

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنا محاسبہ کرتے رہا کرو قبل اس کے کہ تم سے حساب لیا جائے، اور اپنا وزن کرتے رہا کرو قبل اس کے کہ تمھارا وزن کیا جائے۔ اور اس ذات گرامی کے سامنے اس بڑی پیشی کی تیاری کرتے رہا کرو۔ جس نے دنیا میں اپنا محاسبہ کر لیا روز قیامت اس پر حساب آسان ہو جائے گا۔ ﴿ یَوۡمَئِذٍ تُعۡرَضُوۡنَ لَا تَخۡفٰی مِنۡكُمۡ خَافِیَةٌ ۝ ﴾ (الحآقّة 18:69) ''اس روز تمھاری پیشی ہوگی اور تمھاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی۔''②

تفسیر آیت :5

عبادت کے لغوی وشرعی معنی: عبادت کے لغوی معنی عجز وانکسار کے ہیں۔ طَرِیقٌ مُّعَبَّدٌ اس راستے کو کہا جاتا ہے جو روندا ہوا ہو۔ اور بَعِیرٌ مُّعَبَّدٌ اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کو اپنی ضروریات کے لیے بطور سواری خوب استعمال کیا جاتا ہے۔ اور شرع میں عبادت کمال درجے کی محبت، عجز وانکسار اور خوف سے عبارت ہے۔

مفعول کو مقدم قرار دینے اور غائب سے حاضر کی طرف التفات کے فوائد: مفعول، یعنی ﴿ اِیَّاكَ ﴾ کو یہاں جو فعل وفاعل سے مقدم اور مکرر ذکر کیا ہے تو یہ اہتمام اور حصر کے لیے ہے، یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی پر بھروسا کرتے ہیں۔ اور یہ اطاعت وبندگی کا کمال درجہ ہے۔ سارا دین انھی دو جملوں پر مبنی ہے جیسا کہ بعض سلف نے کہا ہے کہ سورۂ فاتحہ قرآن مجید کا راز ہے اور سورۂ فاتحہ کا راز اس کلمہ: ﴿ اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ ۝۵ ﴾ میں مضمر ہے۔

اس آیت کے پہلے حصے میں شرک سے بےزاری کا اظہار ہے۔ اور دوسرے میں اپنی طاقت وقوت کا انکار بھی ہے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینے کا اعتراف بھی۔ اور یہ معنی ومفہوم قرآن مجید کی کئی ایک آیات میں بیان کیا گیا ہے، مثلاً: ﴿ فَاعۡبُدۡهُ وَتَوَكَّلۡ عَلَیۡهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۝ ﴾ (ھود 123:11) ''چنانچہ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر

---

① جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث : [الكيّس من دان نفسه......]، حديث: 2459 و سنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر الموت والاستعداد له، حديث: 4260 عن شدّاد بن أوس ﷺ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، دیکھیے السلسلة الضعيفة: 5319. ② المصنف لابن أبي شيبة، الزهد، كلام عمر بن الخطاب: 115/7، حديث: 34448 اور دیکھیے جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث: [الكيّس من دان نفسه......] ، حديث: 2459.

بھروسا رکھیں اور آپ کا پروردگار اس سے بے خبر نہیں جو کچھ تم کر رہے ہو۔'' ﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا﴾ (الملک 29:67) ''کہہ دیجیے: وہ (اللہ جو) رحمٰن ہے، ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر بھروسا رکھتے ہیں۔'' ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا﴾ (المزمّل 9:73) ''(وہی) مشرق اور مغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا اسی کو اپنا کارساز بنالیجیے۔'' اسی طرح اس آیت کریمہ: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

اس مقام پر پہنچ کر غائب کے صیغوں سے مخاطب کی طرف التفات کا سبب یہ ہے کہ بندہ اپنے رب تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتے کرتے گویا اس کے قریب پہنچ گیا اور اس کے سامنے حاضر ہو گیا ہے۔ اب اس کے لیے غائب کے صیغے استعمال کرنے کے بجائے حاضر کے صیغے استعمال کرتے ہوئے کہہ رہا ہے: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ ''(اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔''

فاتحہ میں حمد وثنا بیان کرنے کی طرف رہنمائی ہے، اس لیے ہر نماز میں اس کی قراءت واجب ہے: اس سورت کے ابتدائی حصے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی ذات کریمہ کی صفات جمیلہ کے حوالے سے ثناء وتعریف ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ رہنمائی ہے کہ اس کے بندے بھی اس کی حمد وثنا کا اہتمام کریں، اسی لیے اس شخص کی نماز صحیح نہیں جو سورۂ فاتحہ پڑھنے کی قدرت کے باوجود نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ] ''جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی کوئی نماز نہیں ہے۔''[1] صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ، (فَنِصْفُهَا لِي وَ نِصْفُهَا لِعَبْدِي)، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: حَمِدَنِي عَبْدِي، وَإِذَا قَالَ: ﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾ قَالَ اللّٰهُ: أَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِي، فَإِذَا قَالَ: ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝﴾ قَالَ: مَجَّدَنِي عَبْدِي، فَإِذَا قَالَ: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ قَالَ: هٰذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ، فَإِذَا قَالَ: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾ قَالَ: هٰذَا لِعَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ]

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر لیا ہے، اس کا نصف حصہ میرے لیے ہے اور نصف میرے بندے کے لیے ہے۔ اور میرا بندہ جو مانگے گا وہ اسے ملے گا۔ (یہ تقسیم اس طرح ہے کہ) بندہ جب یہ کہتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ تو اللہ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری حمد بیان کی ہے۔ وہ جب یہ

[1] صحیح البخاری، الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم......، حدیث: 756 وصحیح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة......، حدیث: 394.

کہتا ہے: ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ ﴾ تو اللہ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری ثنا بیان کی ہے۔ وہ جب یہ کہتا ہے: ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ﴾ تو اللہ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی ہے۔ وہ جب یہ کہتا ہے: ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ﴾ تو اللہ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرا بندہ جو مانگے گا وہ اسے ملے گا۔ اور وہ جب یہ کہتا ہے: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرا بندہ جو مانگے گا وہ اسے ملے گا۔‘‘[1]

توحید الوہیت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ سے عرض کی:) اے محمد (ﷺ)! آپ یوں کہیں: ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ یعنی اے ہمارے رب! ہم خاص تیری ہی توحید مانتے ہیں، صرف تجھ ہی سے ڈرتے ہیں اور تیری ہی ذات سے امید وابستہ رکھتے ہیں۔ تیرے سوا ہم نہ کسی کی توحید کے قائل ہیں، نہ کسی سے ڈرتے ہیں اور نہ کسی سے امید وابستہ رکھتے ہیں۔[2]

توحید ربوبیت: ﴿ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! ہم تیری اطاعت و بندگی بجالانے پر اور اپنے تمام امور و معاملات کے سلسلے میں صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔[3] قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمھیں یہ حکم دیا ہے کہ تم سب صرف اسی کی خالص عبادت کرو اور اپنے تمام کاموں میں صرف اسی سے مدد مانگو۔[4] ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ کو ﴿ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ ﴾ سے پہلے اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اصل مقصود ہے اور اس سے استعانت اس کے لیے وسیلہ ہے اور اہتمام و احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ زیادہ اہم چیز کو پہلے ذکر کیا جائے۔ وَاللّٰهُ أَعلَم.

اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کا اہم مقامات پر ’’عبد‘‘ کے نام سے ذکر کرنا: عبادت کی اسی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی حیات طیبہ کے اشرف و افضل واقعات کو بیان کرتے ہوئے آپ کو اسم ’’عبد‘‘ سے موسوم فرمایا، مثلاً: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ﴾ (الکہف 18:1) ’’سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر (یہ) کتاب نازل فرمائی۔‘‘ اور ﴿ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ ﴾ (الجنّ 72:19) ’’اور جب اللہ کے بندے (محمد ﷺ) اس کو پکارنے کے لیے کھڑے ہوئے۔‘‘ اسی طرح ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا ﴾ (بنی إسرآءیل 17:1) ’’پاک ذات ہے (اللہ) جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں لے گیا۔‘‘

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن مجید کے نازل کرنے، دعوت کے لیے آپ کے کھڑے ہونے اور آپ کے اسراء و معراج جیسے اہم واقعات کو بیان کرتے ہوئے آپ کو اسمِ عبد سے یاد فرمایا ہے۔

پریشانی کے وقت عبادت کا حکم: اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ رہنمائی بھی فرمائی کہ اے نبی! جس وقت آپ

---

① صحیح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة، حديث: (38)-395 اور [فنصفها لي......]، حديث: (40)-395 میں ہے۔ وسنن أبي داود، الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، حديث: 821.

② تفسير الطبري: 103/1. ③ تفسير ابن أبي حاتم: 29/1. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 29/1.

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ﴿6﴾

دکھا ہمیں سیدھا راستہ ﴿6﴾

کا دل مخالفین کی تکذیب کی وجہ سے تنگ ہو تو آپ عبادت میں مشغول ہو جایا کریں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّكَ يَضِيۡقُ صَدۡرُكَ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ ۙ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ۙ وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ ۝ ﴾ (الحجر15:97-99) ''اور یقیناً ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے تو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح کہتے اور (اس کی) خوبیاں بیان کرتے رہیں اور سجدہ گزاروں میں ہو جائیں اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین (موت) آجائے۔''

تفسیر آیت :6

دعا سے پہلے حمد وثنا کرنے کی حکمت: جب پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی تو اب مناسب تھا کہ اس سے سوال بھی کیا جائے۔ اور یہ حدیث قدسی پہلے بیان کی جا چکی ہے [1] کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [فَنِصۡفُهَالِي وَنِصۡفُهَا لِعَبۡدِي، وَلِعَبۡدِي مَا سَأَلَ] ''لہٰذا اس نماز (سورۂ فاتحہ) کا نصف حصہ میرے لیے اور نصف میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مجھ سے مانگے۔''[2]

اس اسلوب میں بے حد لطافت اور خوبی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی جائے، پھر اپنی اور اپنے مومن بھائیوں کی حاجت طلب کرتے ہوئے کہا جائے: ﴿ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ﴿6﴾ ﴾ یہ وہ لطیف اسلوب ہے جو مقصود کو حاصل کرنے اور مراد کو پا لینے کے لیے تیر بہدف ہے، اسی اسلوب کو اختیار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے کیونکہ یہ انتہائی کامل اسلوب ہے۔

سوال کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ سائل اپنی حالت اور حاجت کو بیان کر دیتا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بیان کیا تھا: ﴿ رَبِّ اِنِّيۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَيَّ مِنۡ خَيۡرٍ فَقِيۡرٌ ۝ ﴾ (القصص 24:28) ''اے میرے پروردگار! بے شک میں اس کا محتاج ہوں تو مجھ پر جو بھی اپنی نعمت نازل فرمائے۔'' اور کبھی سائل اپنی حاجت وضرورت بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفت بھی بیان کرتا ہے۔ جس طرح حضرت یونس علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے کہا: ﴿ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَكَ ۖ اِنِّيۡ كُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝ ﴾ (الأنبیآء 87:21) ''تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے (اور) بے شک میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔'' اور کبھی سوال کرنے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ سائل، مسئول کی صرف تعریف بیان کر دیتا ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

أَأَذۡكُرُ حَاجَتِي أَمۡ قَدۡ كَفَانِي ... حَيَاؤُكَ إِنَّ شِيمَتَكَ الۡحَيَاءُ

إِذَا أَثۡنَى عَلَيۡكَ الۡمَرۡءُ يَوۡمًا ... كَفَاهُ مِنۡ تَعَرُّضِهِ الثَّنَاءُ

---

[1] دیکھیے عنوان: ''سورۂ فاتحہ اور نماز'' [2] صحیح مسلم، الصلاة، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ...... ، حدیث: (38,40)-395.

''کیا میں اپنی حاجت کو ذکر کروں یا میرے لیے تیری مہربانیوں بھری بخشش ہی کافی ہے؟ کیونکہ بخشش ہی تیری صفت ہے۔ جب بندہ کسی دن تیری تعریف کرے تو اس کو سوال کے درپے ہونے کے بجائے تیری تعریف بیان کر دینا ہی کافی ہے۔''

''ہدایت'' کے معنی: یہاں ہدایت کے معنی ارشاد و توفیق کے ہیں، لفظ ہدایت کبھی تو بنفسہ متعدی ہوتا ہے جیسا کہ اس آیت: ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ میں ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم کو سیدھا رستہ القا کر دے، سیدھے رستے کی توفیق دے دے، ہمیں سیدھے رستے سے نواز دے یا سیدھا رستہ عطا فرما دے۔ اسی طرح آیت کریمہ: ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ (البلد10:90) کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اس کے لیے خیر اور شر کو بیان کر دیا ہے۔ اور کبھی ہدایت کو اِلٰی کے ساتھ متعدی کر کے استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً: ﴿اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (النحل16:121) ''اللہ تعالیٰ نے اسے (ابراہیم علیہ السلام کو) چن لیا اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی۔'' ﴿فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ﴾ (الصّٰفّٰت 37:23) ''پھر انھیں دوزخ کی راہ دکھا دو۔'' ان آیات میں ہدایت کا لفظ ارشاد و دلالت اور رہنمائی کے معنی میں ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (الشوریٰ42:52). ''اور بلا شبہ آپ سیدھے راستے ہی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔'' اور کبھی ہدایت کا لفظ ''لام'' کے ساتھ متعدی ہو کر بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اہل جنت کہیں گے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا﴾ (الأعراف7:43) یعنی سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائی اور ہمیں اس کا اہل بنا دیا۔

''صراط مستقیم'' کے معنی: امام ابوجعفر ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امت کے تمام اہل تفسیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صراط مستقیم اس صاف اور واضح راستے کو کہتے ہیں جو کہیں سے ٹیڑھا نہ ہو۔ تمام عربوں کی زبان میں بھی یہ اسی معنی میں مستعمل ہے، مثلاً: جریر بن عطیہ خطفی کا شعر ہے۔

أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى صِرَاطٍ إِذَا اعْوَجَّ الْمَوَارِدُ مُسْتَقِيمِ

''جب راستے ٹیڑھے ہو جائیں تو امیر المؤمنین ہمیشہ سیدھے راستے ہی پر ہوتے ہیں۔''

آپ فرماتے ہیں کہ اس کے اور بھی بے شمار شواہد ہیں، پھر عرب صِرَاط کے لفظ کو ہر اس قول و عمل اور وصف کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں جو سیدھا یا ٹیڑھا ہو۔ سیدھا ہو تو اسے مُسْتَقِيمٌ اور ٹیڑھا ہو تو اسے مُعْوَجٌّ کہتے ہیں۔[1]

آیت کریمہ میں صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں نوّاس بن سَمعان کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ، وَّعَلٰى جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ سُورَانِ ، فِيهِمَا أَبْوَابٌ مُّفَتَّحَةٌ ، وَّعَلٰى

[1] تفسیر الطبری:110,109/1.

الْأَبْوَابِ سُتُورٌ مُّرْخَاةٌ ، وَّعَلٰى بَابِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَّقُولُ : أَيُّهَا النَّاسُ ! اُدْخُلُوا الصِّرَاطَ جَمِيعًا وَّلَا تَتَفَرَّجُوا ، وَدَاعٍ يَّدْعُو مِنْ جَوْفِ الصِّرَاطِ ، فَإِذَا أَرَادَ يَفْتَحُ شَيْئًا مِّنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ قَالَ: وَيْحَكَ لَا تَفْتَحْهُ فَإِنَّكَ إِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ ، وَالصِّرَاطُ : الْإِسْلَامُ ، وَالسُّورَانِ : حُدُودُ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَالْأَبْوَابُ الْمُفَتَّحَةُ : مَحَارِمُ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَذٰلِكَ الدَّاعِي عَلٰى رَأْسِ الصِّرَاطِ كِتَابُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَالدَّاعِي فَوْقَ الصِّرَاطِ وَاعِظُ اللّٰهِ فِي قَلْبِ كُلِّ مُسْلِمٍ]

''اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی اس طرح مثال بیان فرمائی ہے جیسے ایک راستہ ہو اور اس کے دونوں طرف دیواریں ہوں، ان میں کئی ایک کھلے ہوئے دروازے ہوں اور دروازوں پر پردے لٹک رہے ہوں۔ راستے کے دروازے پر ایک پکارنے والا مقرر ہو جو یہ اعلان کر رہا ہو کہ اے لوگو! تم سب سیدھے راستے پر چلو اور دائیں بائیں مت جھانکو۔ اور ایک پکارنے والا راستے کے درمیان میں ہو جب کوئی ان میں سے کسی دروازے کو کھولنا چاہے تو وہ کہہ دے: تجھ پر افسوس! اسے نہ کھولنا، اگر تو نے اسے کھول دیا تو اس میں داخل ہو جائے گا، چنانچہ اس مثال میں صراط (رستے) سے مراد اسلام ہے، دیواریں حدود الٰہی ہیں، کھلے ہوئے دروازوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ راستے کے دروازے پر پکارنے والا قرآن کریم ہے اور سر راہ پکارنے والا اللہ تعالیٰ کا وہ خوف ہے جو ہر مسلمان کے دل میں ہوتا ہے۔''[1]

مومنوں کا ہدایت کی دعا کرنا: اگر سوال کیا جائے کہ مومن نماز میں بھی اور دیگر کئی اوقات میں بھی ہدایت کی دعا کیوں کرتا ہے جبکہ وہ تو ہدایت سے بہرہ ور ہے؟ کیا یہ تحصیلِ حاصل کے مترادف نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں، یہ تحصیل حاصل نہیں ہے۔ اگر انسان کو دن رات ہدایت طلب کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی نہ فرماتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی فرمائی ہی اس لیے ہے کہ انسان کو ہر لمحے اور ہر گھڑی اس کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت پر ثابت قدم رکھے، رسوخ عطا فرمائے، بصیرت سے نوازے، اضافہ فرمائے اور ہدایت کو جاری وساری رکھے کیونکہ کوئی انسان اپنے لیے کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے مگر جو اللہ چاہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی رہنمائی فرمائی ہے کہ وہ ہر وقت اپنے رب سے یہ دعا کرتا رہے کہ وہ اس کی مدد فرمائے، اسے ثابت قدم رکھے اور اسے توفیق عطا فرمائے۔ انتہائی خوش بخت ہے وہ انسان جسے اللہ تعالیٰ دعا کی توفیق عطا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرنے کا ذمہ اٹھایا ہے، وہ جب بھی دعا کرے، خواہ دن کو دعا کرے یا رات کو خصوصاً جبکہ وہ مجبور و بے کس اور ناچار و بے قرار ہو۔

اور پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ﴾ (النسآء 4:136) ''اے مومنو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر (آخر الزماں) پر نازل کی ہے اور جو کتاب اس سے پہلے نازل فرمائی، اس پر بھی ایمان لاؤ۔'' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل

[1] مسند أحمد: 183,182/4 و جامع الترمذي، الأمثال، باب ماجاء في مثل اللّٰہ عزوجلّ لعباده، حديث: 2859.

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ⑦ ع 1/7

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ان کا نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا ⑦

ایمان کو بھی ایمان لانے کا حکم دیا ہے تو یہ تحصیلِ حاصل نہیں ہے کیونکہ اس سے مراد ان اعمال پر ثبات، استقلال اور دوام ہے جو اس کے لیے مدد ومعاون ہوں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَم.

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ یہ دعا بھی کرتے رہا کریں: ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○ ﴾ (آل عمران 8:3) ”اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کرنا۔ اور ہمیں اپنے ہاں سے رحمت عطا فرما بے شک تو ہی بڑا عطا فرمانے والا ہے۔“ لہٰذا ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ⑥ ﴾ کے معنی یہ ہوئے کہ ہمیشہ ہمیں سیدھے راستے ہی پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور سیدھے راستے کے بجائے ہمیں کسی اور راستے کی طرف نہ لے جا۔

تفسیر آیت: 7

قبل ازیں یہ مکمل حدیث بیان ہو چکی ہے[1] جس میں یہ ہے کہ جب بندہ کہتا ہے: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ⑥ ﴾ سے آخر سورت تک تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [هٰذَا لِعَبْدِي، وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ] ”یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے۔“ ﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ ﴾ کے الفاظ نحویوں کے نزدیک ﴿ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ⑥ ﴾ سے بدل ہیں یہ بھی درست ہے کہ انھیں عطف بیان قرار دے دیا جائے۔ واللہ أعلم.

صراطِ مستقیم پر گامزن لوگ: جہاں تک انعام یافتگانِ بارگاہِ الٰہی کا تعلق ہے تو ان سے مراد وہ سعادت مند ہیں جن کا سورۂ نساء کی ان آیات میں ذکر ہے: ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ○ ﴾ (النسآء 4:69،70) ”اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا فضل کیا، یعنی انبیاء (علیہم السلام) صدیقین، شہداء اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ جاننے والا کافی ہے۔“

﴿ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ﴾ اور ﴿ الضَّآلِّيْنَ ⑦ ﴾ سے کون مراد ہیں: فرمانِ الٰہی: ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت عطا فرما جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن کی صفات کا تذکرہ قبل ازیں گزر چکا ہے۔ اور یہی اہل ہدایت واستقامت ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولوں کی اطاعت بجا لانے والے اور احکامِ الٰہی کے سامنے سر اطاعت جھکانے والے ہیں۔ اور اس کے منع کردہ امور سے اجتناب کرنے والے ہیں۔ اور ہمیں ان لوگوں کے

[1] دیکھیے عنوان: ”سورۂ فاتحہ اور نماز“

راستے پر نہ چلا جن پر تیرا غضب ہوتا رہا کیونکہ ان کے ارادوں ہی میں خرابی پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے حق کو معلوم کرنے کے باوجود اسے اختیار نہ کر سکے۔ اور نہ ان لوگوں کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما جو گمراہ ہیں۔ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم ہی سے محروم ہیں، ضلالت و گمراہی میں بھٹک رہے ہیں اور حق کی راہ انھیں سجھائی نہیں دیتی۔

دو فاسد راستے: حرف نفی ''لا'' کے ساتھ کلام میں مزید تاکید پیدا کر دی گئی ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ دو فاسد راستے ہیں۔ ان دو راستوں سے مراد یہود و نصاریٰ کے راستے ہیں۔ اور ہر ایک کو چاہیے کہ وہ ان کی روش پر چلنے سے اجتناب کرے کیونکہ اہل ایمان کا راستہ حق کے علم اور اس پر عمل کرنے پر مشتمل ہے جبکہ یہود عمل سے اور نصاریٰ علم سے محروم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہود غضب الٰہی کے مستحق قرار پائے اور نصاریٰ ضلالت و گمراہی سے دوچار ہوئے کیونکہ جو شخص علم کے باوجود عمل کو ترک کر دے وہ غضب الٰہی کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ ہاں، البتہ اگر کسی کو علم ہی نہ ہو تو اس کی بات اور ہے۔ نصاریٰ ایک چیز کے متلاشی تو تھے لیکن انھیں اس کی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی کیونکہ انھوں نے اس کے لیے صحیح راستے کو اختیار نہیں کیا تھا۔ اور صحیح راستہ یہ ہے کہ حق کی پیروی کی جائے، اس لیے وہ گمراہ ہو گئے۔

یہود و نصاریٰ میں سے اگرچہ ہر ایک گمراہ بھی ہے اور غضب کا شکار بھی مگر یہود کی نمایاں بات یہ ہے کہ یہ مغضوب ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ﴾ (المآئدة 5:60) ''یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جن پر وہ غضب ناک ہوا۔'' اور نصاریٰ کی نمایاں بات ضلالت و گمراہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝﴾ (المآئدة 5:77) ''جو (خود بھی) پہلے گمراہ ہوئے اور بھی اکثر کو گمراہ کر گئے اور سیدھے رستے سے بھٹک گئے۔''

احادیث و آثار سے بھی یہی ثابت ہے اور یہ بالکل واضح اور بیّن ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ میں عَقرب میں مقیم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر نے میری پھوپھی اور چند لوگوں کو گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا تو یہ سب لوگ ایک قطار میں آپ کے سامنے کھڑے کر دیے گئے تو میری پھوپھی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری خبر گیری کرنے والا دور جا چکا ہے، اولاد جدا ہو چکی ہے اور میں عمر رسیدہ بڑھیا ہوں، میرا کوئی خدمت کرنے والا نہیں۔ آپ مجھ پر احسان کیجیے، اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا۔ آپ نے دریافت فرمایا: [مَنْ وَّافِدُكِ ؟] ''تیری خبر گیری کرنے والا کون ہے؟'' اس نے جواب دیا: عدی بن حاتم، فرمایا: [اَلَّذِی فَرَّ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ؟] ''وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگتا پھرتا ہے؟'' اس خاتون کا بیان ہے کہ آپ نے مجھ پر احسان (فرماتے ہوئے آزاد) کر دیا۔

جب آپ لوٹ کر دوبارہ تشریف لائے تو آپ کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھے جو ان کے بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، آپ نے فرمایا: ان سے سواری طلب کر لو، چنانچہ اس (میری پھوپھی) نے سواری طلب کر لی جو اسے دے دی گئی۔ (عدی بیان کرتے ہیں کہ پھوپھی میرے پاس آئی) تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت نے تو تمھارے

باپ کی سخاوت کو بھی مات دے دی ہے (ان کی خدمت میں رغبت رکھتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے حاضر ہو) فلاں آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اسے اس قدر عطا فرمایا اور فلاں آیا تو آپ نے اسے اس قدر نوازا، بہرحال یہ سن کر میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ ﷺ کے پاس ایک عورت اور کچھ بچے ۔ یا ایک بچہ ۔ بھی تھے، حضرت عدی نے نبی ﷺ سے ان کی قرابت داری بھی بیان کی، آپ سے ملاقات کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ قیصر و کسریٰ کی طرح بادشاہ نہیں ہیں (بلکہ آپ تو اللہ کے سچے نبی ہیں۔) آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا:

[يَا عَدِيَّ بْنَ حَاتِمٍ !مَا أَفَرَّكَ أَنْ يُّقَالَ :لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَهَلْ مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ؟ مَا أَفَرَّكَ أَنْ يُّقَالَ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ؟ فَهَلْ شَيْءٌ هُوَ أَكْبَرُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ قَالَ: فَأَسْلَمْتُ ، فَرَأَيْتُ وَجْهَهُ اسْتَبْشَرَ وَقَالَ: إِنَّ الْمَغْضُوبَ عَلَيْهِمْ : الْيَهُودُ ، وَ إِنَّ الضَّآلِّينَ : النَّصَارٰى]

''اے عدی بن حاتم ! کیا لا الہ الا اللہ کے قول نے تمھیں راہ فرار اختیار کرنے پر آمادہ کیا؟ کیا اللہ کے سوا کوئی الٰہ ہے؟ کیا اللہ اکبر کی صداؤں نے تم کو بھگایا ہے؟ کیا اللہ عزوجل سے زیادہ بڑا کوئی اور ہے؟ آپ ﷺ کے یہ ارشادات سن کر میں مشرف بہ اسلام ہو گیا تو میں نے دیکھا آپ کو اس قدر مسرت ہوئی کہ چہرۂ انور گلنار ہو گیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ ﴿الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ﴾ یہود اور ﴿الضَّآلِّينَ ⑦﴾ نصاریٰ ہیں۔''[1] امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو بیان کیا اور اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔[2]

سیرت میں زید بن عمرو بن نُفَیل سے روایت ہے کہ جب وہ اور ان کے ساتھی دین حنیف کی تلاش میں شام کی طرف گئے تو یہودیوں نے ان سے کہا کہ آپ اس وقت تک ہمارے مذہب میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک غضبِ الٰہی میں سے اپنا حصہ نہ لیں تو میں نے کہا کہ نہیں، میں تو اللہ کے غضب سے بھاگتا ہوں۔ اسی طرح عیسائیوں نے ان سے کہا کہ آپ اس وقت تک ہمارے مذہب میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے بھی اپنا حصہ نہ لیں۔ انھوں نے کہا کہ نہیں، مجھ میں اللہ کی ناراضی برداشت کرنے کی استطاعت نہیں ہے، چنانچہ یہ اپنی فطرت پر برقرار رہے، بتوں کی عبادت اور مشرکوں کے دین سے الگ تھلگ رہے اور یہود و نصاریٰ میں سے کسی کے بھی دین میں داخل نہ ہوئے۔ ہاں، البتہ ان کے باقی ساتھیوں نے عیسائیت کو قبول کر لیا تھا کیونکہ انھوں نے اس وقت اسے یہودیت کی نسبت زیادہ بہتر خیال کیا تھا، انھی میں سے ایک وَرَقَہ بن نَوفل بھی تھے۔[3] جنھیں اللہ تعالیٰ نے اس وقت ہدایت سے سرفراز فرمایا جب اپنے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ انھوں نے

---

① مسند أحمد: 378/4 . ② جامع الترمذی، تفسير القرآن، باب و من سورة فاتحة الكتاب، حدیث: 2953 نحوه مطوّلًا. ③ ملخص از السيرة النبوية لابن هشام: 223/1-226 اور دیکھیے صحيح البخاری ، منا قب الأنصار ، باب حديث زيد بن عمرو بن نفيل ، حديث: 3827. ملحوظہ: صحیح بخاری میں صرف زید بن عمرو کے شام جانے کا ذکر ہے جبکہ المعجم الكبير للطبرانی: 152,151/1 میں ورقہ بن نوفل کے بھی ساتھ جانے کا ذکر ہے لیکن اس روایت میں سقم ہے۔ اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں عیسائیوں کی بابت اللہ کی ناراضی کا ذکر ہے جبکہ صحیح بخاری سمیت تمام مراجع میں ان کے متعلق اللہ کی لعنت کا ذکر ہے۔ اور زید بن عمرو کی دین ابراہیم علیہ السلام پر کاربند رہنے کی صراحت بھی موجود ہے۔ واللّٰه أعلم. مزید دیکھیے دلائل النبوة للبيهقی: 124,123/2.

نے وحیٔ الٰہی کے جتنے حصے کو پایا، اس پر ایمان لے آئے تھے۔[1] اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔

سورۂ فاتحہ کے مشتملات: یہ سورۂ کریمہ جس کی سات آیات ہیں، اللہ تعالیٰ کے ایسے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ جو اس کی صفات عُلیا کو مستلزم ہیں، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا پر مشتمل ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں قیامت کے دن کا بھی ذکر ہے اور بندوں کی یہ رہنمائی بھی کی گئی ہے کہ وہ الحاح وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہا کریں اور اپنی کوتاہی اور کم مائیگی کا بھی اعتراف کرتے رہا کریں۔ اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید الوہیت کو اختیار کریں۔ اس بات سے اس کی ذات گرامی کو پاک قرار دیں کہ اس کا کوئی شریک یا نظیر یا مماثل ہو۔

اسی سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی رہنمائی فرمائی ہے کہ اس کے بندے اس سے صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت طلب کرتے رہا کریں۔ وہ صراط مستقیم، یعنی دین قویم ہی پر انھیں ثابت قدم رکھے تاکہ اس کی برکت سے روز قیامت اللہ تعالیٰ انھیں پل صراط سے گزرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ انبیاء علیہم السلام، صدّیقین، شہداء اور صالحین کے جوار میں ابدی و سرمدی نعمتوں سے بھری ہوئی جنت سے فیض یاب ہوں، لہٰذا یہ سورت اعمال صالحہ کی ترغیب پر بھی مشتمل ہے تاکہ قیامت کے دن اعمال صالحہ بجالانے والوں کا ساتھ نصیب ہو۔

اس سورۂ مبارکہ میں باطل راستوں کو ترک کرنے کی تلقین بھی کی گئی ہے تاکہ قیامت کے دن ان باطل راستوں پر چلنے والوں کے ساتھ ان کا حشر نہ ہو۔ اور ان سے مراد مغضوب علیہم اور ضالین (یہود و نصاریٰ) ہیں۔

ضلالت کے بجائے انعام کی اللہ کی طرف نسبت اور قدریہ فرقے پر رد: یہ اسلوبِ بیان کس قدر حسین ہے کہ ﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾ میں تو انعام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے مگر ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ میں فاعل کو حذف کر دیا گیا ہے اگرچہ اس کا حقیقی فاعل بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ (المجادلة 14:58) ”بھلا آپ نے ان لوگوں (منافقوں) کو نہیں دیکھا جو اس قوم (یہود) سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ کا غضب ہوا؟“ اسی طرح ضلالت کی نسبت خود گمراہ ہونے والوں کی طرف کی گئی ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی نے انھیں گمراہی سے دوچار کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝﴾ (الكهف 17:18) ”جس کو اللہ ہدایت دے، وہ ہدایت یاب ہے اور جس کو گمراہ کرے تو آپ اس کے لیے کوئی راہ بتانے والا دوست نہیں پائیں گے۔“ اور فرمایا: ﴿مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝﴾ (الأعراف 186:7) ”جس شخص کو اللہ گمراہ کرے، اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ ان (گمراہوں) کو چھوڑے رکھتا ہے کہ اپنی سرکشی میں پڑے بھٹکتے رہیں۔“

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی آیات ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہدایت عطا فرماتا

---

① غالباً یہ استدلال ان روایات کی بنا پر ہے: صحيح البخاري، بدء الوحي، كيف كان بدء الوحي......؟ حديث:2 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، حديث:160.

اور گمراہی سے دوچار کرتا ہے۔ فرقہ قدریہ اور اس کے نقش قدم پر چلنے والوں کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ بندے از خود ہدایت و ضلالت کو اختیار کرتے اور اسے سرانجام دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی بدعت کی تائید میں قرآن مجید کی متشابہ آیات سے استدلال کرتے ہیں اور ان آیات کو ترک کر دیتے ہیں جن میں صریحًا ان کی تردید ہے۔ تمام گم گشتہ راہ اور سرکش لوگوں کا یہی حال ہے، چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے: [إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَّى اللّٰهُ، فَاحْذَرُوهُمْ] ''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو قرآن مجید کے متشابہات کی پیروی کرتے ہیں تو یہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے، تم ان سے بچو۔''[1]

یعنی ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل آیت میں ذکر فرمایا ہے: ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾ (آل عمران 3:7) ''جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ متشابہات کی اتباع کرتے ہیں جس سے ان کا مقصد فتنہ برپا کرنا اور اس کی تاویل تلاش کرنا ہوتا ہے۔''

لیکن بحمد اللہ کسی بدعتی کے لیے قرآن مجید میں کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ قرآن تو آیا ہی اس لیے ہے تاکہ حق کو باطل سے الگ کر دے، ہدایت اور ضلالت میں فرق کر دے۔ اور اس میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں ہے کیونکہ یہ تو دانا اور خوبیوں والے اللہ کا اتارا ہوا کلام ہے۔

مسئلۂ آمین: جو شخص سورۂ فاتحہ پڑھے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ اس کے بعد آمین کہے۔ آمین، یٰسٓ کے وزن پر ہے۔ اسے مد کے بغیر أَمِین بھی پڑھا جاتا ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! اس دعا کو قبول فرما۔ آمین کہنے کے مستحب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے جسے امام احمد، ابوداود اور ترمذی نے وائل بن حُجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، میں نے سنا کہ نبی ﷺ نے پڑھا: ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ تو کہا: آمین اور آمین کہتے ہوئے اپنی آواز کو دراز فرمایا۔[2] ابوداود کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ ''آپ نے آمین کہتے ہوئے اپنی آواز کو بلند فرمایا۔'' امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (اور کئی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم) سے بھی مروی ہے۔[3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ جب ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ کی تلاوت کرتے تو کہتے: آمین حتی کہ آپ کے ساتھ ملنے والی پہلی صف والے اسے سن لیتے تھے۔ اسے امام ابوداود اور ابن ماجہ نے

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ﴾ (آل عمران 3:7)، حديث: 4547 و صحيح مسلم، العلم، باب النهي عن اتباع متشابه القرآن......، حديث: 2665 واللفظ له. [2] مسند أحمد: 316/4 وسنن أبي داود، الصلاة، باب التأمين وراء الإمام، حديث: 932 اور یہاں [رَفَعَ بِهَا صَوْتَهُ] کے الفاظ ہیں۔ و جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في التأمين، حديث: 248 واللفظ له. [3] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب الجهر بالتأمين، حديث: 854 عن علي رضي الله عنه. والدارقطني، الصلاة، باب التأمين في الصلاة......: 334/1، حديث: 1259 عن أبي هريرة رضي الله عنه. و حديث 1258 عن ابن عمر رضي الله عنه. تفسیر ابن کثیر میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بجائے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔

روایت کیا ہے۔[1] ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔ امام دار قطنی نے اس مفہوم کی حدیث بیان کی ہے اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔[2] حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ آمین کہنے میں مجھ سے سبقت نہ فرمائیں۔[3]

ابونصر قُشَیری نے حسن بصری اور جعفر صادق رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے آمین کو میم کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ ﴿ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ ﴾ (المآئدۃ 2:5) میں میم مشدّد ہے۔[4] ہمارے اصحاب اور دیگر کئی علماء نے کہا ہے کہ جو لوگ نماز سے باہر ہوں ان کے لیے بھی آمین کہنا مستحب ہے۔ اور نمازی کے لیے تو آمین کہنے کی بہت تاکید آئی ہے۔ اسے ہر حال میں آمین کہنا چاہیے، خواہ وہ اکیلا ہو یا امام یا مقتدی کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا ، فَإِنَّهُ مَنْ وَّافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ] ''جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین سے مل گئی تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''[5]

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ: آمِينَ وَالْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ: آمِينَ ، فَوَافَقَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ] ''جب تم میں سے کوئی نماز میں آمین کہے اور فرشتے آسمان میں آمین کہیں اور ان دونوں میں سے ایک کی دوسرے سے آمین مل جائے تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''[6]

فرشتوں کے ساتھ آمین کے مل جانے کے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ دونوں کے آمین کہنے کا وقت ایک ہو، یا یہ کہ قبولیت کے اعتبار سے دونوں کی آمین مل جائے، یا یہ کہ صفت اخلاص کے اعتبار سے دونوں کی آمین ایک جیسی ہو۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے: [إِذَا قَالَ - يَعْنِي الْإِمَامُ -: ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ فَقُولُوا: آمِينَ ، يُجِبْكُمُ اللّٰهُ] ''جب امام ﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾ کہے تو تم آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمھاری دعا کو قبول فرمالے گا۔''[7] امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آمین کے معنی یہ ہیں کہ ہماری امید کو ناکام نہ کرنا۔[8] اور اکثر ائمہ نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! تو ہماری دعا قبول فرما۔

---

① سنن أبي داود، الصلاة، باب التأمين وراء الإمام،حديث:934 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب الجهر بآمين ، حديث:853. ② سنن الدار قطني، الصلاة، باب التأمين في الصلاة......:334/1، حديث:1259. ③ سنن أبي داود، الصلاة، باب التأمين وراء الإمام، حديث:937. ④ تفسير القرطبي :129,128/1 وبتشديد الميم خطأ ، لسان العرب:27/13. ⑤ صحيح البخاري، الأذان، باب جهر الإمام بالتأمين، حديث:780 و صحيح مسلم، الصلاة، باب التسميع والتحميد والتأمين، حديث:410 . ⑥ صحيح مسلم ، الصلاة ، باب التسميع والتحميد ......، حديث : (74,75)-410 . ⑦ صحيح مسلم، الصلاة،باب التشهد في الصلاة،حديث:404 مطوّلاً. ⑧ دیکھیے تهذيب الأسماء واللغات:11/3.

تفسیر سُورۂ بقرہ

سورۂ بقرہ کی فضیلت: مسند احمد، صحیح مسلم، جامع ترمذی اور سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَاتَجۡعَلُوا بُيُوتَكُمۡ مَّقَابِرَ، وَإِنَّ الۡبَيۡتَ الَّذِى يُقۡرَأُ فِيهِ سُورَةُ الۡبَقَرَةِ لَا يَدۡخُلُهُ الشَّيۡطَانُ] ''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ کیونکہ جس گھر میں سورۂ بقرہ کو پڑھا جائے اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا۔''① امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں وہ سورۂ بقرہ سنتا ہے۔ امام نسائی نے اسے عَمَلُ الۡيَوۡمِ وَاللَّيۡلَةِ میں روایت کیا ہے۔② امام حاکم نے اسی مفہوم کی حدیث کو مستدرک میں بیان کیا اور صحیح الاسناد قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔③ امام دارمی نے مسند (سنن) میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے روایت کیا ہے کہ ہر وہ گھر جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے، شیطان گوز مارتا ہوا اس سے بھاگ جاتا ہے۔④ امام دارمی ہی نے بطریق شعبی روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے رات کو سورۂ بقرہ کی دس آیات پڑھیں، اس رات اس گھر میں شیطان داخل نہیں ہوگا۔ ان دس آیات سے مراد چار ابتدائی آیات، آیت الکرسی، دو اس کے بعد والی آیتیں اور تین اس سورت کی آخری آیات ہیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس دن اس کے اور اس کے اہل وعیال کے قریب نہ شیطان آئے گا اور نہ کوئی اور ایسی چیز جو اسے ناپسند ہو۔ اور یہ آیات اگر کسی مجنون پر پڑھی جائیں تو اسے افاقہ ہو جاتا ہے۔⑤

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ لِكُلِّ شَيۡءٍ سَنَامًا، وَّإِنَّ سَنَامَ الۡقُرۡآنِ سُورَةُ الۡبَقَرَةِ، مَنۡ قَرَأَهَا فِي بَيۡتِهِ لَيۡلَةً لَّمۡ يَدۡخُلۡهُ شَيۡطَانٌ ثَلَاثَ لَيَالٍ، وَّمَنۡ قَرَأَهَا فِي بَيۡتِهِ نَهَارًا لَّمۡ يَدۡخُلۡهُ شَيۡطَانٌ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ] ''ہر چیز کی ایک کوہان ہوتی ہے اور قرآن کی کوہان سورۂ بقرہ ہے۔ جو شخص ایک رات اسے اپنے گھر میں

① مسند أحمد:378/2 و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب الصلاة النافلة ......، حديث:780 و جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب ماجاء في سورة البقرة، حديث:2877 و السنن الكبرى للنسائي، فضائل القرآن، باب سورة البقرة:13/5، حديث:8015 تفسیر میں یہاں [مقابر] کے بجائے [قبورًا] تھا مگر اس کا سیاق مختلف ہے۔ دیکھیے سنن أبي داود:2042. ② السنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، ذكر ما يجير من الجن والشيطان......:240/6، حديث: 10799 مطولاً. ③ المستدرك للحاكم، التفسير:260/2، حديث:3029. ④ سنن الدارمي، فضائل القرآن، باب في فضل سورة البقرة:331/2، حديث:3375. ⑤ سنن الدارمي، فضائل القرآن، باب فضل أول سورة البقرة وآية الكرسي:332/2، حديث:3383,3382.

پڑھ لے تو تین راتیں شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہوسکتا اور جو شخص ایک دن اسے اپنے گھر میں پڑھ لے تو تین دن تک شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہوسکتا۔" اسے ابوقاسم طبرانی نے اور ابوحاتم ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔ ①

امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا تو آپ نے اس لشکر میں شامل ہر ہر فرد سے کہا کہ وہ سنائے کہ اسے قرآن مجید کس قدر یاد ہے؟ آپ قرآن سنتے سنتے جب ایک نوجوان کے پاس آئے اور آپ نے اس سے دریافت فرمایا: [مَا مَعَكَ يَا فُلَانُ؟ فَقَالَ: مَعِيَ كَذَا وَ كَذَا وَسُورَةُ الْبَقَرَةِ، فَقَالَ: أَمَعَكَ سُورَةُ الْبَقَرَةِ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، قَالَ: اِذْهَبْ فَأَنْتَ أَمِيرُهُمْ] "تجھے کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے فلاں فلاں سورتیں اور سورۂ بقرہ بھی یاد ہے۔ فرمایا: کیا تجھے سورۂ بقرہ بھی یاد ہے؟ اس نے عرض کی: جی، فرمایا: تو جاؤ پھر تم اس لشکر کے امیر ہو۔" قوم کے سرداروں میں سے ایک نے کہا کہ میں نے سورۂ بقرہ کو اس لیے نہیں سیکھا کہ مجھے خدشہ تھا کہ میں اس کے ساتھ قیام نہیں کرسکوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ وَاقْرَأُوهُ ، فَإِنَّ مَثَلَ الْقُرْآنِ لِمَنْ تَعَلَّمَهُ فَقَرَأَهُ وَقَامَ بِهِ كَمَثَلِ جِرَابٍ مَّحْشُوٍّ مِّسْكًا يَّفُوحُ رِيحُهُ فِي كُلِّ مَكَانٍ، وَّ مَثَلَ مَنْ تَعَلَّمَهُ فَيَرْقُدُ وَهُوَ فِي جَوْفِهِ كَمَثَلِ جِرَابٍ أُوكِيَ عَلَى مِسْكٍ] "قرآن سیکھو اور اسے پڑھو کیونکہ جو قرآن سیکھے، اسے پڑھے اور اس کے ساتھ قیام کرے تو اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کستوری سے بھری تھیلی ہو جو اپنی بوئے عطر بیز کی وجہ سے ہر جگہ مہک رہی ہو۔ اور جو قرآن کو سیکھے مگر سیکھ کر سو رہے تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے کستوری سے بھری ہوئی تھیلی ہو جس کے منہ کو بند کر دیا گیا ہو۔" ② یہ ترمذی کی روایت کے الفاظ ہیں اور انھوں نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ اور انھوں نے اسے مرسل بھی روایت کیا ہے۔ واللہ أعلم.

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت اُسَید بن حُضَیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رات کو وہ سورۂ بقرہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ ان کا گھوڑا پاس ہی بندھا ہوا تھا کہ اس نے بدکنا شروع کر دیا، وہ خاموش ہو گئے تو گھوڑا بھی پرسکون ہو گیا، انھوں نے پھر تلاوت شروع کی تو گھوڑے نے پھر بدکنا شروع کر دیا۔ وہ خاموش ہو گئے تو گھوڑا پھر پرسکون ہو گیا۔ انھوں نے پھر تلاوت شروع کی تو گھوڑا پھر بدکنے لگا۔ انھوں نے تلاوت کو ختم کر دیا کیونکہ ان کا بیٹا یحییٰ قریب ہی سو رہا تھا اور انھیں خدشہ لاحق ہوا کہ گھوڑا اسے نقصان نہ پہنچا دے۔ جب صبح ہوئی تو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: [اِقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ]

① المعجم الكبير للطبراني:163/6، حديث:5864 و صحيح ابن حبان، الرقائق ، باب قراءة القرآن، ذكر تمثيل النبي ﷺ:59/3، حدیث:780، امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہاں سرکش شیاطین مراد ہیں۔ اور دیکھیے السلسلة الصحيحة:588.

② جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب ماجاء في سورة البقرة وآية الكرسي، حديث:2876 والسنن الكبرى للنسائي، السير، باب من أولى بالإمارة:228,227/5، حديث:8749 و سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل من تعلّم القرآن و علّمه، حديث:217 مختصرًا. مگر یہ روایت ضعیف ہے۔

''اے ابن حضیر! آپ پڑھتے رہتے'' عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اس بات سے ڈر گیا کہ گھوڑا یحییٰ کو نقصان نہ پہنچا دے جو قریب ہی لیٹا ہوا تھا۔ میں نے دھیان اوپر کیا اور بچے کے پاس آ گیا، پھر میں نے اپنے سر کو آسمان کی طرف اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سائبان کی طرح ایک چیز ہے جس میں چراغوں کے مانند کوئی شے ہے، پھر میں باہر نکلا تو دیکھا کہ وہاں کچھ بھی نہیں۔ فرمایا:[وَتَدْرِی مَا ذَاكَ؟ قَالَ : لَا ، قَالَ: تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ دَنَتْ لِصَوْتِكَ ، وَلَوْ قَرَأْتَ لَأَصْبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ إِلَيْهَا ، لَا تَتَوَارٰى مِنْهُمْ] ''آپ جانتے ہیں یہ کیا چیز تھی؟ عرض کی: جی نہیں، فرمایا: یہ تو فرشتے تھے جو آپ کی تلاوت سننے کے لیے آئے تھے اور اگر آپ پڑھتے رہتے تو لوگ صبح کے وقت انھیں اپنی آنکھوں سے بے حجاب دیکھتے۔''[1]

اس حدیث کو امام ابوعبید قاسم بن سلّام نے بھی اپنی کتاب ''فضائل القرآن'' میں بیان کیا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

سورۂ بقرہ کی سورۂ آل عمران کے ساتھ فضیلت: امام احمد نے عبداللہ بن بُرَیدہ کی اپنے باپ سے روایت بیان کی ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، میں نے آپ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:[تَعَلَّمُوا سُورَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ ، وَّ تَرْكَهَا حَسْرَةٌ ، وَّلَا يَسْتَطِيعُهَا الْبَطَلَةُ ، قَالَ: ثُمَّ سَكَتَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ: تَعَلَّمُوا سُورَةَ الْبَقَرَةِ وَ آلِ عِمْرَانَ فَإِنَّهُمَا الزَّهْرَاوَانِ، يُظِلَّانِ صَاحِبَهُمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ ، أَوْغَيَايَتَانِ ، أَوْفِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ، وَإِنَّ الْقُرْآنَ يَلْقٰى صَاحِبَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِينَ يَنْشَقُّ عَنْهُ قَبْرُهٗ كَالرَّجُلِ الشَّاحِبِ، فَيَقُولُ لَهٗ : هَلْ تَعْرِفُنِي؟ فَيَقُولُ: مَا أَعْرِفُكَ، فَيَقُولُ : أَنَا صَاحِبُكَ الْقُرْآنُ الَّذِي أَظْمَأْتُكَ فِي الْهَوَاجِرِ وَ أَسْهَرْتُ لَيْلَكَ ، وَ إِنَّ كُلَّ تَاجِرٍ مِّنْ وَّرَاءِ تِجَارَتِهٖ ، وَإِنَّكَ الْيَوْمَ مِنْ وَّرَاءِ كُلِّ تِجَارَةٍ ، فَيُعْطَى الْمُلْكَ بِيَمِينِهٖ وَالْخُلْدَ بِشِمَالِهٖ ، وَ يُوضَعُ عَلٰى رَأْسِهٖ تَاجُ الْوَقَارِ ، وَيُكْسٰى وَالِدَاهُ حُلَّتَيْنِ لَا يَقُوْمُ لَهُمَا أَهْلُ الدُّنْيَا ، فَيَقُولَانِ: بِمَا كُسِينَا هٰذَا؟ فَيُقَالُ : بِأَخْذِ وَلَدِكُمَا الْقُرْآنَ ، ثُمَّ يُقَالُ: اِقْرَأْ وَاصْعَدْ فِي دَرَجِ الْجَنَّةِ وَغُرَفِهَا، فَهُوَ فِي صُعُودٍ مَّا دَامَ يَقْرَأُ، هَذًّا كَانَ أَوْتَرْتِيلًا] ''سورۂ بقرہ کو سیکھو، اسے لینا برکت اور اسے ترک کرنا حسرت ہے اور جادوگر قسم کے لوگ اس کی استطاعت نہیں رکھتے، پھر آپ کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا: سورۂ بقرہ اور آل عمران کو سیکھو، یہ دونوں نورانی سورتیں ہیں۔ یہ دونوں اپنے پڑھنے والے پر قیامت کے دن سائبان یا بادل یا پر پھیلائے ہوئے پرندوں کے جھنڈ کی طرح سایہ فگن ہوں گی۔ قرآن پڑھنے والا جب قبر سے اٹھے گا تو قرآن اس سے ایک اجنبی شخص کی صورت میں ملے گا اور کہے گا: کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ وہ کہے گا: نہیں، میں آپ کو نہیں پہچانتا تو قرآن کہے گا: میں تیرا ساتھی وہ قرآن ہوں جس نے دن کو تجھے بھوکا پیاسا رکھا اور رات کو بیدار رکھا۔ ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہوتا تھا لیکن آج سب تجارتیں تیرے پیچھے ہیں۔ اب اسے ملک دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور خلد بائیں ہاتھ میں، اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا اور اس کے والدین کو ایسے قیمتی حُلّے پہنائے جائیں گے کہ ساری دنیا والے مل کر بھی ان کی قیمت ادا نہ کر سکیں۔ وہ از راہ تعجب پوچھیں گے کہ یہ عمدہ اور قیمتی حُلّے ہمیں

[1] صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب نزول السکینة والملائكة ......، حدیث:5018 وصحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب نزول السكينة لقراءة القرآن ، حدیث:796.

کس وجہ سے پہنائے گئے ہیں؟ تو جواب دیا جائے گا کہ تمھارے بچے کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے، پھر کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجے اور بالاخانے چڑھتا جا، چنانچہ وہ پڑھتا جائے گا اور جنت کے درجے چڑھتا جائے گا، خواہ جلدی جلدی پڑھے یا ترتیل سے۔''① امام ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کا کچھ حصہ بشیر بن مہاجر سے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن اور مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔② اس حدیث کے بعض حصوں کے شواہد بھی موجود ہیں، مثلاً: حدیث ابوامامہ باہلی جسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، ابوامامہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

[اِقْرَأُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ شَافِعٌ لِّأَصْحَابِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، اِقْرَأُوا الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ ، فَإِنَّهُمَا يَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ ، أَوْ كَأَنَّهُمَا غَيَايَتَانِ ، أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ يُحَاجَّانِ عَنْ أَهْلِهِمَا، ثُمَّ قَالَ: اِقْرَأُوا الْبَقَرَةَ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ، وَّ تَرْكَهَا حَسْرَةٌ ، وَّ لَا يَسْتَطِيعُهَا الْبَطَلَةُ] ''قرآن پڑھو کہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارش کرے گا، دو نورانی سورتوں بقرہ و آل عمران کو پڑھتے رہا کرو، یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی جیسے دو سائبان یا دو بادل، یا پر کھولے ہوئے پرندوں کی دو ڈاروں کی طرح ہوں گی، اپنے پڑھنے والوں کی قیامت کے دن سفارش کریں گی۔ پھر فرمایا: بقرہ پڑھو اس کا لینا برکت اور اسے ترک کرنا حسرت ہے۔ جادوگر قسم کے لوگ اس (کے یاد کرنے یا پڑھنے) کی استطاعت نہیں رکھتے۔''③ اسے امام مسلم نے بھی اپنی صحیح کی کتاب الصلاۃ میں روایت کیا ہے۔④

اس کی شاہد وہ حدیث بھی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے نوّاس بن سَمعان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[يُؤْتَى بِالْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَهْلِهِ الَّذِينَ كَانُوا يَعْمَلُونَ بِهِ ، تَقْدُمُهُمْ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَآلِ عِمْرَانَ وَ ضَرَبَ لَهُمَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثَةَ أَمْثَالٍ مَّا نَسِيتُهُنَّ بَعْدُ ، قَالَ : كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ ، أَوْ ظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ، أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ يُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا] ''قیامت کے دن قرآن اور اس پر عمل کرنے والوں کو لایا جائے گا، سورۂ بقرہ اور آلِ عمران سب سے آگے آگے ہوں گی، رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے تین مثالیں بھی بیان فرمائیں جنھیں میں کبھی نہیں بھولا۔ آپ نے فرمایا: گویا یہ دونوں سورتیں دو بادل یا دو گھنے سائبان ہوں جن میں چمک دمک ہو یا پر کھولے ہوئے پرندوں کے دو جھرمٹ ہوں، اپنے پڑھنے والوں کی یہ سفارش کریں گی۔''⑤ اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔⑥ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی کچھ تقدیم و تاخیر سے اسے روایت کیا ہے اور اس کو حسن غریب قرار دیا ہے۔⑦

سورۂ بقرہ مدنی ہے: سورۂ بقرہ بلا اختلاف ساری مدنی ہے۔ یہ مدینہ میں نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ہے لیکن

① مسند أحمد:348/5 نیز دیکھیے سنن الدارمی:333/2، حدیث:3391. ② سنن ابن ماجه، الأدب، باب ثواب القرآن، حديث:3781. ③ مسند أحمد:249/5. ④ صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن و سورة البقرة، حديث:804. ⑤ مسند أحمد:183/4. ⑥ صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن و سورة البقرة، حديث:805. ⑦ جامع الترمذی، فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورة آل عمران، حديث:2883.

اس کی آیت: ﴿ وَاتَّقُوۡا يَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِيۡهِ اِلَى اللّٰهِ ﴾ (البقرۃ2:281) ''اس دن سے ڈرو جب تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ قرآن مجید کی نازل ہونے والی سب سے آخری آیت ہے۔ ممکن ہے یہ آیت بعد میں نازل ہوئی ہو لیکن بہرحال یہ سورۂ بقرہ ہی کی آیت ہے۔ اسی طرح ''آیات ربا'' بھی نازل ہونے والی آخری آیات میں سے ہیں۔ خالد بن مَعدان سورۂ بقرہ کو فُسطَاط القرآن (قرآن کا خیمہ) کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ سورت ایک ہزار خبر، ایک ہزار امر اور ایک ہزار نہی پر مشتمل ہے۔ شمار کرنے والوں نے کہا ہے کہ اس کی آیات دو سو ستاسی، کلمات چھ ہزار دو سو اکیس اور حروف پچیس ہزار پانچ سو ہیں۔ و اللّٰہ أعلم.

ابن جریج نے عطاء سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۂ بقرہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ ① عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ ② اسی طرح اور بھی کئی ایک ائمہ، علماء اور مفسرین نے بیان کیا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے جمرۂ کبریٰ کی بطن وادی سے رمی کی تو بیت اللہ ان کے بائیں ہاتھ اور منیٰ دائیں ہاتھ تھا۔ پھر فرمایا: یہ اس شخص کے رمی کرنے کی جگہ ہے جس پر سورۂ بقرہ کو نازل فرمایا گیا تھا۔ ③

ابن مردویہ نے عتبہ بن مرثد سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں کچھ سستی دیکھی تو فرمایا: [يَاأَصۡحَابَ سُورَةِ الۡبَقَرَةِ !] ''اے اصحابِ سورۂ بقرہ!'' آپ نے شاید یہ غزوۂ حنین کے دن اس وقت فرمایا جب لشکر کے قدم اکھڑ گئے تھے اور آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور انھوں نے اعلان کیا: [يَا أَصۡحَابَ الشَّجَرَةِ!] ''اے اصحابِ شجرہ!'' یعنی اے درخت کے نیچے بیعت رضوان کرنے والو! ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے اعلان کیا: [يَا أَصۡحَابَ سُورَةِ الۡبَقَرَةِ !] ''اے اصحابِ سورۂ بقرہ!'' ان الفاظ سے اس لیے مخاطب کیا تاکہ ان میں نشاط اور دلیری پیدا ہو۔ یہ اعلان سنتے ہی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہر طرف سے پروانہ وار دوڑتے چلے آئے۔ ④ اسی طرح ''یمامہ'' کے دن جب مُسَیلِمہ کذاب کے ساتھیوں سے جنگ ہوئی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قدم بنو حنیفہ کے لشکر کی چیرہ دستیوں کی وجہ سے ڈگمگا گئے تو مہاجرین و انصار بھی ایک دوسرے کو [يَا أَصۡحَابَ سُورَةِ الۡبَقَرَةِ !] کہہ کر پکارنے لگے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو فتح و نصرت سے سرفراز فرما دیا۔ ⑤

① الدر المنثور:46/1. ② الدر المنثور:46/1. ③ صحیح البخاری، الحج، باب من رمی جمرة العقبة ......، حدیث:1749 و صحیح مسلم، الحج، باب رمی جمرة العقبة من بطن الوادی ......، حدیث:1296. ④ مسند أبی یعلی:289/6، حدیث:3606 عن أنس رضی اللہ عنہ نحوه، نیز یہاں یہ صراحت بھی ہے کہ یہ حنین ہی کا دن تھا۔ و المعجم الکبیر للطبرانی:133/17، حدیث:328 عن عتبة بن فرقد رضی اللہ عنہ. ⑤ المصنف لعبدالرزاق، باب الشعار:232/5، حدیث:9465 عن عروة.

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ①

تفسیر آیت : 1

حروف مقطعات کے متعلق بحث: حروف مقطعات جو بعض سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کو ہے۔ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔[1] ایک قول ہے کہ یہ سورتوں کے نام ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آغاز ہیں کیونکہ ان سے اللہ تعالیٰ نے قرآن (کی سورتوں) کو شروع فرمایا ہے۔ امام مجاہد سے روایت ہے کہ تمام سورتوں کے شروع کے یہ حروف الٓمّٓ ①، قٓ، صٓ، حٰمٓ، طٰسٓمّٓ اور الٓرٰ وغیرہ حروف ہجاء ہیں۔ بعض عربی دانوں نے کہا ہے کہ یہ حروف تہجی میں سے چند حروف ہیں اور تمام حروف تہجی جو کہ اٹھائیس ہیں، میں سے ان کو ذکر کر کے باقی کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میرا بیٹا ا ب ت ث لکھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام اٹھائیس حروف لکھتا ہے لیکن اس طرح وہ تمام حروف میں سے ذکر صرف چند حروف کا کرتا ہے۔ اس قول کو ابن جریر نے بیان کیا ہے۔[2]

ان حروف کے انتخاب کی حکمت: تکرار کو حذف کرنے کے بعد سورتوں کے آغاز میں مذکورہ حروف کی تعداد چودہ ہے اور یہ حروف ہیں: ا، ل، م، ص، ر، ک، ہ، ی، ع، ط، س، ح، ق، ن اور نَصَّ حَكِيمٌ قَاطِعٌ لَّهٗ سِرٌّ کا جملہ ان تمام حروف پر مشتمل ہے۔ اور یہ تمام حروفِ مقطعات حروف تہجی کی تعداد کا نصف ہیں۔ حروف تہجی میں سے جو اس طرح مذکور ہیں وہ ان حروف سے اشرف ہیں جو متروک ہیں۔ صنعت تصریف کے حوالے سے اس کا جائزہ لیا جائے تو زمخشری کے بقول یہ چودہ حروف تمام اجناسِ حروف پر مشتمل ہیں، یعنی ان میں مَهْمُوسَة اور مَجْهُورَة، رِخْوَة اور شَدِيدَة ، مُطْبَقَة اور مَفْتُوحَة، مُسْتَعْلِيَة اور مُنْخَفِضَة اور قَلْقَلَة تمام اقسام کے حروف آ جاتے ہیں۔ علامہ زمخشری نے ان حروف کی تفصیل بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس کی حکمت ہر چیز میں جلوہ گر ہے۔ حروف کی اکثر و بیشتر یہی اقسام ہیں اور قاعدہ ہے کہ کسی چیز کے اکثر حصے کو تمام ہی کے قائم مقام قرار دے دیا جاتا ہے۔[3]

حروف کی اس تفصیل کو ملاحظہ کرنے کی وجہ سے بعض مفسرین نے اس مقام پر یہ کہا ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان حروف کو عبث اور بے معنی نازل نہیں فرمایا، اس لیے جاہل لوگوں کی یہ بات بہت بڑی غلطی پر مبنی ہے کہ قرآن مجید میں کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جن کے قطعاً کوئی معانی نہیں کیونکہ اب تو یہ بات طے ہے کہ ان حروف کے بھی حقیقت میں معانی ہیں۔ اگر ان معانی کے بارے میں نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت ہو تو ہم اسے اختیار کریں گے ورنہ توقف سے کام لیں گے اور کہیں گے: اٰمَنَّا

① تفسیر القرطبی:154/1. ② تفسیر الطبری:132/1. ③ الكشّاف:30/1.

بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ﴾ (آل عمران 3:7) ''ہم ان پر ایمان لائے، یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔'' اس سلسلے میں علماء کا کسی ایک معین بات پر اتفاق نہیں بلکہ اختلاف ہے۔ جسے دلیل کے ساتھ بعض اقوال صحیح معلوم ہوں تو وہ انھیں قبول کرے ورنہ حق واضح ہونے تک توقف کرے۔

حروف مقطعات اعجازِ قرآن کی دلیل ہیں: ان حروف کے معانی سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ بعض سورتوں کے آغاز میں ان حروف کے ذکر کرنے میں حکمت کیا ہے؟ اس سلسلے میں ایک قول تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان حروف کو سورتوں کے آغاز میں اعجازِ قرآن کو بیان کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ قرآن اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے کہ یہ کلام انھی حروف سے مرکب ہے جنھیں تم بھی اپنی روزمرہ گفتگو میں استعمال کرتے ہو، پھر سوچو کہ آخر ساری مخلوق اس کے مقابلے سے عاجز وقاصر کیوں ہے؟ امام رازی نے اپنی تفسیر میں یہ قول مبرّد اور محققین کی ایک جماعت سے اور قرطبی نے فرّاء اور قُطرُب سے بیان کیا ہے۔[1] زمخشری نے بھی اسے کشاف میں بیان کرتے ہوئے اس کی خوب خوب تائید وحمایت کی ہے۔[2] شیخ امام علامہ ابو العباس ابن تیمیہ اور استاد گرامی حافظ مجتہد ابو الحجاج مِزّی کا بھی یہی قول ہے۔ اور اس کو حافظ مزی نے میرے لیے ابن تیمیہ سے بیان کیا ہے۔

علامہ زمخشری بیان کرتے ہیں کہ ان تمام حروف کو قرآن مجید کے شروع میں صرف ایک ہی جگہ ذکر نہیں کیا گیا بلکہ انھیں مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے تاکہ قرآن کے مقابلے کے چیلنج کو زیادہ مؤثر اور بلیغ انداز میں پیش کیا جا سکے۔ جس طرح کہ قرآن مجید میں بیان کیے گئے بہت سے واقعات کو بھی بار بار بیان کیا گیا ہے۔ کئی مقامات پر چیلنج بھی نہایت واضح طور پر بار بار دیا گیا ہے۔ کبھی صرف ایک حرف کی صورت میں، مثلاً: ﴿ صٓ ﴾، ﴿ نٓ ﴾، ﴿ قٓ ﴾ کبھی دو حرفوں کی صورت میں، مثلاً: ﴿ حٰمٓ ﴾، کبھی تین حرفوں کی صورت میں، مثلاً: ﴿ الٓمّٓ ۝ ﴾ کبھی چار حرفوں کی صورت میں، مثلاً: ﴿ الٓمّٓرٰ ﴾ اور ﴿ الٓمّٓصٓ ﴾ اور کبھی پانچ حرفوں کی صورت میں، مثلاً: ﴿ كٓهٰيٰعٓصٓ ﴾ اور ﴿ حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ﴾ کیونکہ عربوں کے کلام کا اسلوب و انداز بھی یہی ہے کہ وہ کبھی صرف ایک حرف کبھی دو کبھی تین، کبھی چار اور کبھی پانچ پر مشتمل ہوتا ہے۔ عربی زبان کا کوئی کلمہ (حروف اصلیہ کے اعتبار سے) پانچ حروف سے زیادہ پر مشتمل نہیں ہے۔[3]

یہی وجہ ہے کہ جن سورتوں کے آغاز میں یہ حروف آئے ہیں، ان میں قرآن ہی کی رفعت و برتری اور اعجاز و عظمت کا ذکر ہے جیسا کہ ان انتیس سورتوں کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے جن کے آغاز میں حروف مقطعات ہیں، مثلاً: ﴿ الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ ۛۚ فِيۡهِ ۛۚ ﴾ (البقرة 2:1،2) ''الٓمّٓ۔ یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں۔'' ﴿ الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ ؕ ۝ نَزَّلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ ﴾ (آل عمران 3:1-3) ''الٓمّٓ۔ وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور سب کا نگہبان ہے۔ اس نے (اے نبی!) آپ پر سچی کتاب

[1] تفسیر الرازی: 9/2 و تفسیر القرطبی: 156/1. [2] الکشّاف: 27/1. [3] الکشاف: 31,30/1.

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ②

یہ کتاب ہے جس (کے نازل ہونے) میں کوئی شک نہیں، ہدایت ہے متقین کے لیے۔

نازل کی جو پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔'' ﴿ الٓمّٓصٓ ۚ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ ﴾ (الأعراف 7:1,2) ''الٓمّٓصٓ۔ (اے نبی!) یہ کتاب (جو) آپ پر نازل ہوئی ہے، اس سے آپ کو تنگ دل نہیں ہونا چاہیے۔'' ﴿ الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ﴾ (ابراهيم 14: 1) ''الٓرٰ۔ یہ ایک عظیم الشان کتاب ہے اس کو ہم نے آپ پر اس لیے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں ان کے پروردگار کے حکم سے۔'' ﴿ الٓمّٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (السجدة 32:1,2) ''الٓمّٓ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کتاب کا نازل کیا جانا تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔'' ﴿ حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:1,2) ''حٰمٓ۔ یہ کتاب اللہ رحمان ورحیم کی طرف سے اتری ہے۔'' ﴿ حٰمٓ ۚ عٓسٓقٓ ۝ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ﴾ (الشورىٰ 42:1-3) ''حٰمٓ۔ عٓسٓقٓ۔ اللہ غالب ودانا اسی طرح آپ کی طرف (مضامین اور براہین) بھیجتا ہے (جس طرح) آپ سے پہلے لوگوں کی طرف وحی بھیجتا رہا ہے۔''

اسی طرح ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جن پر خوب غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا یہ قول صحیح ہے کہ یہ کلام انھی حروف سے مرکب ہے جنھیں تم بھی اپنی روزمرہ گفتگو میں استعمال کرتے ہو تو پھر سوچو کہ آخر ساری مخلوق اس کے مقابلے سے عاجز وقاصر کیوں ہے؟ واللہ أعلم.

تفسیر آیت: 2

قرآن میں کچھ شک نہیں: اس آیت میں ﴿ الْكِتٰبُ ﴾ سے مراد قرآن مجید ہے اور ﴿ رَيْبَ ﴾ کے معنی شک کے ہیں۔ سدی نے ابو مالک اور ابوصالح کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اسی طرح مُرّہ ہمدانی کے حوالے سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ ﴿ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ ﴾ کے معنی ہیں لَا شَكَّ فِيهِ ''اس میں کچھ شک نہیں۔''[1] ابودرداء، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور مجاہد، سعید بن جبیر، ابو مالک، نافع مولی ابن عمر، عطاء، ابوعالیہ، ربیع بن انس، مقاتل بن حیان، سدی، قتادہ اور اسماعیل بن ابوخالد رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام ابن ابوحاتم فرماتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ تو اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ یہ کتاب قرآن مجید ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے نازل ہوئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ سجدہ میں بھی فرمایا ہے: ﴿ الٓمّٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (السجدة 32:1,2) ''الٓمّٓ۔ اس میں

① تفسير الطبري: 1/144.

کچھ شک نہیں کہ اس کتاب کا نازل کیا جانا، تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔'' بعض علماء نے کہا ہے کہ اگرچہ یہ خبر ہے لیکن اس کے معنی نہی کے ہیں، یعنی اس کتاب میں شک نہ کرو۔

بعض قُرّاء نے ﴿ لَا رَیْبَ ﴾ پر وقف کیا اور پھر ﴿ فِیْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ ﴾ سے قراءت کو شروع کیا ہے لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ ﴿ لَا رَیْبَ فِیْهِ ۛ ﴾ پر وقف کیا جائے کیونکہ مذکورہ بالا آیت کا بھی یہی تقاضا ہے۔ اور اس طرح ﴿ هُدًى ﴾ قرآن کی صفت بن جاتی ہے اور اس میں ﴿ فِیْهِ ۛ هُدًى ﴾ کی نسبت زیادہ بلاغت ہے۔ عربی گرامر کے اعتبار سے ﴿ هُدًى ﴾ میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ صفت کی وجہ سے مرفوع یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہو۔

ہدایت کا متقین کے ساتھ اختصاص: ہدایت کو متقین کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّ هُوَ عَلَیْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓىِٕكَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہرا پن) ہے اور یہ ان کے حق میں اندھا پن ہے۔ یہ لوگ (جو حق بات نہیں سنتے گویا) انھیں دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ ﴾ (بنی إسرآءیل 17:82) ''اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔''

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سے نفع صرف مومن ہی اٹھاتے ہیں۔ اگرچہ قرآن مجید فی نفسہ ہدایت ہے مگر اس سے ہدایت صرف اَبرار ہی حاصل کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ﴾ (یونس 10:57) ''لوگو! تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دل کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔''

ابن عباس، ابن مسعود اور رسول اللہ ﷺ کے دیگر بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ کتاب اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے نور ہے۔[1]

''متقین'' کے معنی: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ ﴾ میں متقین سے مراد وہ مومن بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک سے بچتے اور اس کی اطاعت گزاری کرتے ہیں۔[2] آپ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس ہدایت کو جسے وہ پہچانتے ہیں، ترک کرنے میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے نبی جس دین کو لے کر آئے اس کی تصدیق کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔[3] قتادہ فرماتے ہیں کہ متقین سے

① تفسیر الطبری:1/145. ② تفسیر الطبری:1/148. ③ تفسیر الطبری:1/147.

مراد وہ لوگ ہیں جن کی صفت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ﴾ (البقرۃ2:3) ''جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم کرتے ہیں۔''①

ابن جریر نے اس بات کو پسند کیا ہے کہ یہ آیت ان تمام باتوں پر مشتمل ہے اور ان کی یہ بات بالکل درست ہے۔ امام ترمذی اور ابن ماجہ نے عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ أَنْ يَّكُونَ مِنَ الْمُتَّقِينَ حَتّٰى يَدَعَ مَالَا بَأْسَ بِهِ حَذَرًا لِّمَا بِهِ بَأْسٌ] ''کوئی بندہ اس وقت تک متقین میں سے نہیں ہو سکتا جب تک اس چیز کو بھی ترک نہ کرے جس میں کوئی حرج نہ ہوتا کہ اس سے بچ سکے جس میں کوئی حرج ہو۔''②

ہدایت کی دو قسمیں: کبھی تو ہدایت سے مراد دل میں پیوست ہونے والا ایمان ہوتا ہے۔ اور اس ایمان کو اپنے بندوں کے دلوں میں صرف اللہ تعالیٰ ہی پیدا فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ﴾ (القصص28:56) ''(اے نبی!) بے شک آپ جس کو چاہیں، اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔'' ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ ﴾ (البقرۃ2:272) ''(اے نبی!) آپ ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہیں۔'' ﴿ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ﴾ (الأعراف 7:186) ''جس شخص کو اللہ گمراہ کرے، اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔'' ﴿ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴾ (الکھف18:17) ''جس کو اللہ ہدایت دے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جس کو وہ گمراہ کرے تو آپ اس کے لیے کوئی راہ بتانے والا دوست نہ پائیں گے۔'' اسی طرح اور بھی بہت سی آیات میں ہدایت کی اسی قسم کی طرف اشارہ ہے۔

ہدایت کی دوسری قسم سے مراد حق کا بیان کرنا، اس کی وضاحت کرنا اور اس کی نشان دہی کرنا ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ (الشورٰی42:52) ''اور بے شک (اے نبی!) آپ سیدھا رستہ دکھاتے ہیں۔'' ﴿ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾ (الرعد13:7) ''سو (اے نبی!) آپ تو صرف ڈرانے والے (ہدایت کرنے والے) ہیں اور ہر ایک قوم کے لیے ایک رہنما ہوا کرتا ہے۔'' ﴿ وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ﴾ (حٰمٓ السجدۃ41:17) ''اور جو ثمود تھے تو ان کو ہم نے سیدھا رستہ دکھا دیا تھا مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنا پسند کیا۔'' ﴿ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴾ (البلد90:10) ''اور ہم نے اس کو (خیر وشر کے) دونوں رستے بھی دکھا دیے۔'' یہ آخری آیت اس قول کی بنیاد پر مثال بنے گی جب ﴿ النَّجْدَيْنِ ﴾ سے مراد خیر وشر ہو اور یہی زیادہ راجح قول ہے۔ واللہ أعلم.

تقوی کے معنی: تقوے کے اصل معنی بری باتوں سے بچنے کے ہیں، دراصل یہ لفظ وَقْوٰی ہے جو وِقَايَةٌ سے مشتق ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقوی کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: کیا آپ کو کبھی کانٹوں والے راستے پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، تو پوچھا: آپ ایسے راستے پر چلتے ہوئے کیا

① تفسیر الطبری:147/1. ② جامع الترمذی، صفة القیامة، باب علامة التقوٰی......، حدیث:2451 و سنن ابن ماجه، الزهد، باب الورع والتقوٰی، حدیث:4215 یہ روایت ضعیف ہے۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں

کرتے ہیں؟ فرمایا: دامن کو سمیٹ لیتا ہوں اور کوشش کر کے احتیاط سے گزر جاتا ہوں۔ فرمایا: بس ایسے ہی گناہوں سے بچنے کا نام تقویٰ ہے۔①

تفسیر آیت: 3

ایمان کے معنی: ابوجعفر رازی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایمان کے معنی تصدیق کے ہیں۔② اور علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ کے معنی ہیں يُصَدِّقُوْنَ کہ وہ تصدیق کرتے ہیں۔③ معمر نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ ایمان کے معنی عمل کے ہیں۔④ ابوجعفر رازی نے ربیع بن انس سے روایت کیا ہے کہ ﴿ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ ڈرتے ہیں۔⑤

ابن جریر فرماتے ہیں کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ یہ لوگ قول، عمل اور اعتقاد کے اعتبار سے ایمان بالغیب کے ساتھ موصوف ہوں۔ خشیتِ الٰہی بھی ایمان کے معنی میں داخل ہے جبکہ ایمان عمل کے ساتھ قول کی تصدیق کا نام ہے۔ ایمان ایک جامع کلمہ ہے جو اللہ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کے اقرار اور اس اقرار کی فعل کے ساتھ تصدیق کے لیے استعمال ہوتا ہے۔⑥

لغوی معنی کے اعتبار سے تو ایمان کا لفظ صرف تصدیق کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اس معنی میں یہ لفظ قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا ہے، مثلاً: ﴿ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (التوبة 9:61) ''وہ اللہ پر یقین رکھتا ہے اور مومنوں (کی بات) کی تصدیق کرتا ہے۔'' برادران یوسف نے اپنے باپ سے کہا تھا: ﴿ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴾ (یوسف 12:17) ''اور آپ ہماری بات کی تصدیق کرنے والے نہیں اگرچہ ہم سچے ہی ہوں۔'' اسی طرح جب ایمان کو اعمال کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جائے، پھر بھی یہی معنی ہوتے ہیں، مثلاً: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ (العصر 103:3) ''مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔'' اور اگر اس لفظ کو مطلقاً استعمال کیا جائے تو شرعی طور پر مطلوب ایمان اعتقاد، قول اور عمل کے مجموعے کا نام ہے۔ اس میں کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ اس سلسلے میں بے شمار احادیث و آثار موجود ہیں۔ اس موضوع پر ہم نے شرح البخاری کے آغاز میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّةُ.

کچھ مفسرین نے ایمان کی تفسیر خشیت سے بھی کی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ ﴾ (الملك 67:12) ''بے شک جو لوگ بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ۝ ﴾ (قٓ 50:33) ''جو اللہ سے بن دیکھے ڈرتا رہا اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا۔'' ﴿ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ ﴾ (فاطر 35:28) ''اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں۔''

① تفسیر القرطبی: 161/1 اور دیکھیے الدر المنثور: 57/1. ② تفسیر الطبری: 149/1. ③ تفسیر الطبری: 149/1. ④ تفسیر الطبری: 149/1. ⑤ تفسیر الطبری: 149/1. ⑥ تفسیر الطبری: 149/1.

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③

اور وہ نماز کو (اس کے آداب کے ساتھ) قائم کرتے اور جو کچھ ہم نے اُن کو عطا فرمایا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

غیب سے مراد: یہاں غیب سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں سلف کے اقوال مختلف ہیں مگر یہ سب اقوال صحیح ہیں اور سبھی یہاں مراد ہیں۔ ابوجعفر رازی نے ابوالعالیہ کا قول ذکر کیا ہے: ﴿ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ﴾ ''غیب پر ایمان لاتے ہیں۔'' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، یوم آخرت، جنت، جہنم اور دیدار الٰہی پر ایمان رکھتے ہیں، نیز وہ حیات بعد الموت اور بعث پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور ان تمام باتوں کا تعلق غیب سے ہے۔ قتادہ بن دِعامہ کا بھی یہی قول ہے۔[1]

سعید بن منصور نے عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس حضرات صحابۂ کرام اور ان کے ایمان کا ذکر شروع کر دیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ کا معاملہ تو دیکھنے والے کے لیے بے حد واضح تھا لیکن اس ذات گرامی کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! ایمان بالغیب سے افضل کسی مومن کا ایمان نہیں ہوسکتا، پھر آپ نے ﴿ الٓمّٓ ① ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ② الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ﴾ ان آیات کی تلاوت فرمائی۔ اس کو ابن ابوحاتم، ابن مردویہ نے اور حاکم نے بھی مستدرک میں ذکر کیا اور کہا ہے: یہ روایت بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور انھوں نے اسے روایت نہیں کیا ہے۔[2]

اسی حدیث کے ہم معنی وہ روایت ہے جسے امام احمد نے ابن مُحَیرِیز سے بیان کیا ہے کہ میں نے ابوجُمُعَہ سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسی حدیث بیان کریں جسے آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو۔ انھوں نے کہا: ہاں، میں تمھیں ایک بہت اچھی حدیث سناتا ہوں، ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا، ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم سے کوئی بہتر بھی ہوسکتا ہے؟ ہم آپ کے ساتھ اسلام لائے اور ہم نے آپ کے ساتھ مل کر جہاد بھی کیا ہے؟ فرمایا: [نَعَمْ! قَوْمٌ يَّكُونُونَ مِنْ بَعْدِكُمْ يُؤْمِنُونَ بِي، وَلَمْ يَرَوْنِي] ''ہاں! وہ لوگ جو تمھارے بعد ہوں گے اور میرے ساتھ ایمان رکھتے ہوں گے، حالانکہ انھوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔''[3]

بقیہ: تفسیر آیت: 3

اقامتِ صلاۃ کے معنی: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ نماز کو اس کے فرائض کے ساتھ قائم کرتے ہیں۔[4] ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ اقامت صلاۃ کے معنی یہ ہیں کہ رکوع و سجود کو پورا پورا ادا کیا جائے، تلاوت کی جائے، خشوع و خضوع اور پوری پوری توجہ کے ساتھ نماز ادا کی جائے۔[5] قتادہ فرماتے ہیں کہ

① تفسير الطبري:150/1. ② تفسير ابن أبي حاتم:36/1 و المستدرك للحاكم، التفسير:260/2، حديث:3033 واللفظ له وسنن سعيد بن منصور:544/2، حديث:180. ③ مسند أحمد:106/4 و سنن الدارمي، الرقاق، باب في فضل آخر هذه الأمة:244/2، حديث:2744. ④ تفسير الطبري:153/1. ⑤ تفسير الطبري:153/1.

اقامت صلاۃ کے معنی یہ ہیں کہ نماز کے اوقات، وضو، رکوع اور سجود کی حفاظت کی جائے۔① مُقاتِل بن حَیَّان کا قول ہے کہ اقامت صلاۃ سے مراد یہ ہے کہ نماز کے اوقات کی حفاظت کی جائے، مکمل طہارت کا اہتمام کیا جائے، رکوع وسجود پورے کیے جائیں، نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، تشہد میں نبی ﷺ پر درود پڑھا جائے تو یہ ہے اقامت صلاۃ۔②

خرچ کرنے سے مراد: علی بن ابوطلحہ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے اموال کی زکاۃ ادا کرتے ہیں۔③ سدی نے ابو مالک اور ابوصالح کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور مرہ کے واسطے سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور دیگر بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کیا ہے کہ اس سے مراد اہل وعیال پر خرچ کرنا ہے کیونکہ یہ آیت زکاۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے نازل ہوئی ہے۔④

جُوَیبِر نے ضحاک سے روایت کیا ہے کہ نفقات تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ تھے۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے مقدور واستطاعت کے بقدر خرچ کر کے تقرب الٰہی کے حصول کی کوشش کیا کرتے تھے حتی کہ فرض صدقات کے بارے میں حکم نازل ہوگیا اور یہ حکم سورۂ براءت کی ان سات آیات میں ہے جن میں صدقات کا ذکر ہے، ان آیات سے پہلا حکم منسوخ اور فرض صدقات کا حکم ثابت ہوتا ہے۔⑤

اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر نماز اور مال خرچ کرنے کے مسئلے کو ملا کر بیان فرمایا ہے کیونکہ نماز اللہ کا حق اور اس کی عبادت ہے اور یہ اللہ کی توحید، اس کی حمد وثنا، اس کی بارگاہ اقدس میں الحاح وزاری، اس سے دعا اور اس کی ذاتِ گرامی پر توکل پر مشتمل ہے جبکہ انفاق اس کی مخلوق سے احسان کرنا اور اسے نفع پہنچانا ہے۔ اس کے سب سے زیادہ مستحق قریبی رشتے دار، اہل وعیال اور انسان کے اپنے مملوک ہوتے ہیں، پھر اجنبی لوگ، لہٰذا تمام واجب نفقات اور فرض زکاۃ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ﴾ میں داخل ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاری ومسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ، وَحَجِّ الْبَيْتِ] ”اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے: (1) اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ (2) نماز قائم کرنا۔ (3) زکاۃ ادا کرنا۔ (4) رمضان کے روزے رکھنا۔ (5) اور بیت اللہ کا حج کرنا۔“⑥ اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

الصلاۃ کے معنی: عربی زبان میں صلاۃ کے اصل معنی دعا کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں یہ لفظ رکوع وسجود والی اس عبادت کے لیے استعمال ہونے لگا ہے جس کے مخصوص افعال ہیں اور جسے خاص اوقات میں معروف شروط اور مشہور صفات

---

① تفسیر ابن أبي حاتم:37/1 . ② تفسیر ابن أبي حاتم:37/1. ③ تفسیر الطبری:154/1. ④ تفسیر الطبری:154/1.
⑤ تفسیر الطبری:154/1 اور ممکن ہے یہاں سورۂ براءت کی مختلف آیات مراد ہوں، مثلاً:103,99,91,60,34...... ⑥ صحیح البخاری، الإیمان، باب: دعاء کم إیمانکم ...... ، حدیث:8 وصحیح مسلم، الإیمان، باب بیان أرکان الإسلام ...... ، حدیث: 16.

وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

اور وہ لوگ جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ④

وانواع کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، یعنی اب یہ لفظ نماز کے لیے استعمال ہونے لگا ہے۔

تفسیر آیت: 4

ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت: ﴿ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ ﴾ ''اور وہ لوگ جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا۔'' کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں کہ وہ لوگ اس کتاب کی جسے آپ اللہ کے پاس سے لائے ہیں، اور ان کتابوں کی جسے آپ سے پہلے کے تمام رسول، اللہ کے پاس سے لائے تھے تصدیق کرتے ہیں اور وہ نہ اس میں فرق کرتے ہیں اور نہ جو وہ لے کر آئے ہیں اس میں سے کسی کا انکار کرتے ہیں۔[1] ﴿ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ ﴾ یعنی بعث، قیامت، جنت، جہنم، حساب اور میزان کا بھی یقین رکھتے ہیں۔[2] اور آخرت کو آخرت اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کے بعد آنے والی ہے۔

مومنین کے اوصاف: اس آیت میں بھی انھی لوگوں کا تذکرہ ہے جن کا اس سے پہلی آیت: ﴿ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ﴾ میں تذکرہ تھا۔ مجاہد سے روایت ہے کہ سورۂ بقرہ کی پہلی چار آیات میں مومنوں، پھر دو آیتوں میں کافروں اور پھر تیرہ آیتوں میں منافقوں کا ذکر ہے۔[3] یہ چاروں آیات ہر اس مومن کے بارے میں عام ہیں جس میں یہ اوصاف پائے جائیں، خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، انسان ہو یا جن۔ اور ان میں سے کوئی ایک صفت دوسری صفات کے بغیر صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ ان میں سے ہر صفت دوسری کو مستلزم اور اس سے مشروط ہے، مثلاً: ایمان بالغیب اور نماز قائم کرنا اور زکاۃ ادا کرنا اس وقت تک صحیح نہ ہوگا جب تک اس کتاب پر بھی ایمان نہ ہو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں، نیز ان تمام کتابوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے جنھیں آپ علیہ الصلاۃ والسلام سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام لے کر آئے تھے۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ آخرت کا بھی یقین ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان تمام باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ ﴾ (النساء 4:136) ''مومنو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر (آخر الزماں) پر نازل کی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں، سب پر ایمان لاؤ۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ لَا تُجَادِلُوْۤا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖۗ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِالَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ ﴾ (العنکبوت 29:46) ''اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو، ہاں! جو ان میں سے بے انصافی کریں (ان کے ساتھ اسی طرح مجادلہ کرو) اور کہہ دو کہ جو (کتاب) ہم پر اتری اور جو (کتابیں) تم پر اتریں ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارا اور تمھارا معبود ایک ہی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا

[1] تفسیر الطبری:155/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:38/1. [3] تفسیر الطبری:152/1.

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤

یہ لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہی فلاح پانے والے ہیں ⑤

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ﴿(النسآء4:47) ''اے کتاب والو! ہماری نازل فرمائی ہوئی کتاب (قرآن) پر جو تمھاری کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے، ایمان لے آؤ۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ ﴾ (المآئدة5:68) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم ہرگز اصل دین پر کاربند نہیں ہو سکتے جب تک تم تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) تمھارے پروردگار کی طرف سے تم لوگوں پر نازل کی گئی ہیں، ان کو قائم نہ رکھو گے۔''

ان تمام باتوں پر ایمان لانے والوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ ﴾ (البقرة2:285) ''رسول (ﷺ) اس (کتاب) پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی، سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾ (النسآء 4:152) ''اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی میں فرق نہ کیا (سب کو مانا۔)'' علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنوں کو اللہ، اس کے رسولوں، اس کی کتابوں اور دیگر تمام امور پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔

مومنین اہل کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ اگر ان کا اپنی شریعت پر مفصل ایمان ہو، پھر مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد اس کے ساتھ مفصل طور پر ایمان لے آئیں تو انھیں دوگنا اجر وثواب ملتا ہے جبکہ دیگر لوگوں کا سابقہ شریعتوں پر ایمان مجمل ہوتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: [إِذَا حَدَّثَكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَلَا تُصَدِّقُوهُمْ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ]، [﴿ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ ﴾] (العنكبوت29:46) ''جب اہل کتاب تم سے بیان کریں تو نہ ان کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب ...... بلکہ یہ کہو کہ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اور جو تمھاری طرف نازل کیا گیا ہے۔''[1]

لیکن بہت سے عربوں کا اس اسلام کے ساتھ ایمان جس کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی، اہل کتاب کے ایمان کی نسبت زیادہ مکمل، اکمل اور جامع ہو سکتا ہے۔ دوبارہ ایمان لانے کی حیثیت سے اگرچہ اہل کتاب کے لیے اجر وثواب بھی دوگنا ہوتا ہے لیکن دوسروں کی تصدیق اس قدر ارفع واعلیٰ ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے ان کا اجر وثواب اہل کتاب کے اس دوگنے اجر وثواب سے بھی بڑھ کر ہو۔ واللہ أعلم.

[1] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبي ﷺ: [لَا تَسْأَلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ عَنْ شَيْءٍ]، حديث: 7362 و مسند أحمد: 136/4 و سنن أبي داود، العلم، باب رواية حديث أهل الكتاب، حديث: 3644. البتہ ابتدائی حصہ مسند أحمد میں ابو نملہ انصاری رضی اللہ عنہ کی اور آخری حصہ صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑥

بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، آپ انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ان کے لیے برابر ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے ⑥

تفسیر آیت: 5

ہدایت وفلاح مومنوں ہی کا نصیب ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ یعنی یہی لوگ جن کے یہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں کہ وہ غیب پر ایمان رکھتے، نماز قائم کرتے اور اس مال میں سے خرچ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمایا ہے۔ اور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل کیا گیا ہے، نیز وہ دارِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اور یہ ایمان اس بات کو مستلزم ہے کہ اعمال صالحہ سرانجام دیے جائیں اور محرمات کو ترک کر دیا جائے، چنانچہ جو لوگ ان اوصاف سے متصف ہیں، وہ ﴿ عَلٰى هُدًى ﴾ ''ہدایت پر ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور، بیان اور بصیرت پر ہیں ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤ ﴾ ''اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔'' یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کیونکہ انھیں جس چیز کی طلب تھی اسے انھوں نے پالیا جس کے شر سے یہ بھاگتے تھے اس سے انھوں نے نجات پالی۔ یہ کامیاب ہو گئے کہ انھوں نے ثواب اور جنت میں ابدی وسرمدی زندگی کو پالیا۔ اور اس عذاب سے نجات پالی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمنوں کے لیے تیار کیا ہے۔

تفسیر آیت: 6

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا۔'' یعنی جنھوں نے حق کو چھپایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں یہی لکھ رکھا تھا، آپ کا انھیں نصیحت کرنا اور نہ کرنا برابر ہے، چنانچہ وہ کبھی بھی اس دین کو قبول نہیں کریں گے جسے آپ لائے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾ (یونس 10:96,97) ''بے شک جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آ جائے۔''

اسی طرح معاندین اہل کتاب کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ ﴾ (البقرۃ 2:145) ''اور اگر آپ ان لوگوں کے پاس تمام نشانیاں بھی لے آئیں جنھیں کتاب دی گئی ہے، تو بھی یہ آپ کے قبلے کی پیروی نہ کریں گے۔'' یعنی جس کے مقدر میں اللہ تعالیٰ نے شقاوت لکھ رکھی ہے اسے سعادت نصیب ہو ہی نہیں سکتی، جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت عطا نہیں کر سکتا، لہٰذا آپ ان کی وجہ سے غم نہ کریں، ان تک پیغام الٰہی کو پہنچا دیں۔ جو آپ کی دعوت پر لبیک کہے اسے گویا حصہ وافر مل گیا اور جو قبول کرنے سے اعراض کرے تو آپ اس کے بارے میں غم نہ کریں کیونکہ ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ ﴾ (الرعد 13:40) ''آپ کا کام صرف (ہمارے احکام کا) پہنچا دینا

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ⑦ ع 1/7/1

اللہ نے ان کے دلوں اوران کے کانوں پر مہر لگا دی ہے، اوران کی آنکھوں پر پردہ ہے اوران کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ⑦

ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔'' ﴿ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴾ (ہود12:11) ''(اے نبی!) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔''

علی بن ابوطلحہ رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑥ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے شدید خواہش مند تھے کہ تمام لوگ ایمان و ہدایت کو قبول کر کے آپ کی پیروی اختیار کر لیں، تب اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعے سے آپ کو مطلع فرمایا ہے کہ دولت ایمان سے صرف وہی لوگ بہرہ ور ہوں گے، لوح محفوظ میں جن کے مقدر میں سعادت و کامرانی لکھ دی گئی ہے اور لوح محفوظ میں جن کے مقدر میں شقاوت و حرماں نصیبی لکھ دی گئی ہے وہ گمراہ ہوں گے۔ ①

تفسیر آیت: 7

ختم کے معنی: سدی ابو مالک سے بیان کرتے ہیں کہ ﴿ خَتَمَ اللّٰهُ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے۔ قتادہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ انھوں نے جب شیطان کی پیروی کی تو شیطان نے ان کو اپنے قابو میں کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا جس کی وجہ سے یہ لوگ ہدایت کو نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ ② ابن جریج کے بقول مجاہد نے ﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کے معنی مہر لگانے کے ہیں، یعنی گناہ دلوں کا احاطہ کر کے اسے ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں اور دل پر چڑھتے جاتے ہیں، اس کیفیت کا نام طَبْعٌ اور یہی خَتْمٌ یعنی مہر لگانا ہے۔ ③ ابن جریج کہتے ہیں کہ دل اور کان کے لیے محاورے میں ختم ''مہر'' کا لفظ آتا ہے۔ ④

اور مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ رَانَ ﴾ (المُطَفِّفِين14:83) کا لفظ طبع سے کم ہے اور طبع إقفال (دلوں پر تالے لگ جانے) سے کم ہے۔ اور إقفال کی کیفیت سب سے زیادہ شدید ہے۔ ⑤

اعمش بیان کرتے ہیں کہ مجاہد نے اپنا ہاتھ ہمیں دکھا کر کہا کہ دل ہتھیلی کی طرح ہے، جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا کچھ حصہ سمٹ جاتا ہے اور اپنی چھنگلیا بند کر کے دکھائی اور فرمایا کہ اس طرح۔ اور جب آدمی اور گناہ کرتا ہے تو کچھ اور حصہ سمٹ جاتا ہے۔ انھوں نے ایک اور انگلی بند کر کے دکھائی حتی کہ اس طرح تمام انگلیاں بند کر کے دکھائیں اور پھر فرمایا کہ اس طرح جب سارا دل سمٹ جاتا ہے تو اس پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ علماء کے نزدیک اسی حالت کا نام الرَّيْن ہے۔ ⑥

قرطبی فرماتے ہیں کہ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ اس نے کافروں کے کفر

① تفسیر الطبری:159/1. ② تفسیر ابن أبی حاتم:41/1. ③ تفسیر ابن أبی حاتم:41/1. ④ تفسیر الطبری: 164/1. ⑤ تفسیر الطبری:164/1 اور إقفال ماخوذ ہے سورۂ محمد، آیت:24 سے۔ ⑥ تفسیر الطبری:164/1.

کی سزا کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے: ﴿ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ ﴾ (النسآء 155:4) ’’بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان پر مہر کر دی ہے۔‘‘ پھر انھوں نے وہ حدیث بھی ذکر کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے دلوں کے الٹنے پلٹنے کا ذکر ہے:① [يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قُلُوبَنَا عَلٰى دِينِكَ] ’’اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔‘‘②

انھوں نے حدیث حذیفہ کو بھی ذکر کیا ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی: [تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوبِ كَالْحَصِيرِ عُودًا عُودًا ، فَأَيُّ قَلْبٍ أُشْرِبَهَا نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ ، وَأَيُّ قَلْبٍ أَنْكَرَهَا نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ حَتّٰى تَصِيرَ عَلٰى قَلْبَيْنِ: عَلٰى أَبْيَضَ مِثْلِ الصَّفَا فَلَا تَضُرُّهُ فِتْنَةٌ مَّا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ، وَالْآخَرُ أَسْوَدُ مُرْبَادًّا كَالْكُوزِ مُجَخِّيًا لَّا يَعْرِفُ مَعْرُوفًا وَّ لَا يُنْكِرُ مُنْكَرًا] ’’دلوں پر فتنوں کو اس طرح وارد کیا جائے گا جس طرح چٹائی تنکے تنکے ہو۔ جو دل انھیں قبول کرے گا اس میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جائے گا اور جو دل انھیں قبول کرنے سے انکار کر دے گا، اس میں ایک سفید نقطہ پیدا ہو جائے گا حتی کہ دل دو طرح کے ہو جائیں گے، یا تو دل چٹان کی طرح سفید ہو گا کہ جب تک آسمان و زمین باقی رہیں گے کوئی فتنہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا یا دل سیاہ ہو کر الٹے کوزے کی طرح ہو جائے گا کہ وہ نیکی کو نیکی اور برائی کو برائی نہیں سمجھے گا۔‘‘③

ابن جریر بیان کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ایک اور صحیح حدیث بھی ہے جسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ ، فَإِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ ، وَإِنْ زَادَ زَادَتْ (حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهُ) ، فَذٰلِكَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَهُ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ: ﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝ ﴾ (المطففين14:83)] ’’بے شک مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ اگر توبہ کر لے، گناہ کو چھوڑ دے اور بخشش مانگ لے تو دل روشن ہو جاتا ہے اور اگر مزید گناہ کرے تو اس سے دل کی سیاہی میں اضافہ ہو جاتا ہے حتی کہ سیاہی دل پر چھا جاتی ہے اور یہی وہ حالتِ رَین ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝ ﴾ (المطفّفين14:83) ’’ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے (برے) اعمال نے زنگ لگا دیا ہے۔‘‘④ اسے امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور امام ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے۔⑤

---

① تفسير القرطبي:187/1. ② جامع الترمذي، القدر، باب ماجاء أن القلوب بين إصبعي الرحمن، حديث:2140 عن أنس رضي الله عنه وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب فيما أنكرت الجهمية، حديث:199 وصحيح ابن حبان، الرقائق، الأدعية: 223,222/3 واللفظ له عن النواس بن سمعان رضي الله عنه . ③ صحيح مسلم، الإيمان، باب رفع الأمانة والإيمان، حديث:144. ④ تفسير الطبري:165/1. ⑤ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة ﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴾، حديث:3334 والسنن الكبرٰى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۝ ﴾: 509/6، حديث:11658 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر الذنوب، حديث:4244 واللفظ له . البتہ قوسین والے الفاظ ترمذی کے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ⑧ يُخٰدِعُوْنَ

اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے، حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں ⑧ وہ اللہ کو اور ان لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں جو

اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ⑨ ؕ

ایمان لائے مگر وہ اپنے آپ کے سوا کسی کو دھوکا نہیں دیتے اور وہ شعور نہیں رکھتے ⑨

﴿غِشَاوَةٌ﴾ کا اعراب اور معنی: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ﴾ پر وقف تام ہے۔ اور ﴿وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ جملہ تامہ ہے کیونکہ مہر تو دل اور کان پر ہوتی ہے اور پردہ آنکھ پر ہوتا ہے جیسا کہ سدی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول نقل کیا ہے کہ وہ (منافق) نہ عقل سے کام لیتے ہیں اور نہ سنتے ہیں اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے جس کی وجہ سے وہ دیکھ نہیں سکتے۔[1]

منافقین: اس سورۂ مبارکہ کی ابتدائی چار آیات میں مومنوں کی صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ دو میں کافروں کا ذکر کیا تو اب ان منافقوں کا حال بیان کرنا شروع کیا ہے جو ظاہر تو ایمان کو کرتے ہیں مگر باطن میں کفر چھپائے ہوتے ہیں۔ ان کا معاملہ چونکہ بہت سے لوگوں کے لیے مشتبہ ہوتا ہے، اس لیے ان کا ذکر تفصیل کے ساتھ اور متعدد صفات کے ساتھ کیا جیسا کہ سورۂ براءت اور سورۂ منافقین بھی انھی کے بارے میں نازل کی گئیں اور سورۂ نور اور دیگر کئی سورتوں میں بھی ان کے حالات کا ذکر کیا تاکہ ان سے اور ان کے حالات سے اجتناب کیا جا سکے۔

تفسیر آیات: 9,8

نفاق کے معنی: نفاق کے معنی یہ ہیں کہ خیر کو ظاہر کیا جائے اور شر کو چھپایا جائے، اس کی کئی قسمیں ہیں: (1) اعتقادی: یہ نفاق منافق کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی بنا دیتا ہے۔ اور (2) عملی: یہ نفاق کبیرہ گناہ ہے جیسا کہ اس کی تفصیل ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔[2] ابن جریج نے کہا ہے: منافق وہ ہوتا ہے جس کا قول فعل کے، باطن ظاہر کے، مدخل مخرج کے اور ظاہر غائب کے خلاف ہو۔[3]

نفاق کا آغاز: منافقین کی صفات کا ذکر مدنی سورتوں میں آیا ہے کیونکہ مکہ میں نفاق نہیں تھا بلکہ مکہ میں تو صورت حال اس کے برعکس تھی کہ وہاں تو کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو مجبوراً کفر کا اظہار کرتے تھے مگر درحقیقت وہ مومن تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو وہاں اوس اور خزرج کے انصار تھے۔ یہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں مشرکین عرب کے طریقے کے مطابق بتوں کی عبادت کرتے تھے، یہاں اہل کتاب میں سے یہودی بھی تھے جو اپنے اسلاف کے طریقے پر قائم تھے۔ یہودیوں کے تین قبیلے تھے، ان میں سے بنو قینقاع خزرج کے حلیف تھے اور بنونضیر اور بنو قریظہ اوس کے حلیف تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کو قدوم میمنت لزوم سے نوازا تو اوس اور خزرج قبائل کے بہت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

---

① تفسیر الطبری: 168/1. ② دیکھیے البقرۃ 20/2 عنوان: ''مومنوں، کافروں اور منافقوں کی اقسام'' اور النسآء: 142/4 اور الماعون: 5,4/107 کے ذیل میں۔ ③ تفسیر الطبری: 170/1.

یہود میں سے اسلام قبول کرنے والے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے صرف چند لوگ ہی تھے اور ابھی تک نفاق کا مرض بھی پیدا نہیں ہوا تھا کیونکہ مسلمانوں کو ابھی تک ایسی عظمت و شوکت حاصل نہیں ہوئی تھی جس سے دشمن خوف محسوس کریں بلکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہود اور مدینہ منورہ کے گردوپیش کے بہت سے قبائل عرب سے معاہدہ بھی کر رکھا تھا۔

جب غزوۂ بدر پیش آیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمے کو سربلندی اور اسلام اور مسلمانوں کو عزت سے نوازا، اس وقت عبداللہ بن اُبَیّ ابن سَلول مدینہ کا سردار تھا اور خزرج سے اس کا تعلق تھا۔ وہ اوس و خزرج دونوں قبیلوں کا زمانۂ جاہلیت میں سربراہ تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں مدینہ منورہ کے لوگوں نے اسے اپنا بادشاہ بنانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن جب ان کے پاس مدینہ میں اسلام آ گیا تو ان کی قسمت کا ستارہ جگمگا اٹھا۔ یہ لوگ مشرف بہ اسلام ہو کر عبداللہ بن اُبی سے بے نیاز ہو گئے جس کی وجہ سے یہ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اپنے دل میں کینہ رکھتا تھا۔ جنگ بدر کے نتائج کو دیکھ کر پکار اٹھا کہ اللہ تعالیٰ کا دین غالب آ گیا ہے۔ اس نے بھی بظاہر اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ اور اس کے ساتھ کے جو لوگ اسی کے طریقے و مذہب پر تھے اور دیگر اہل کتاب نے بھی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ بس یہیں سے اہل مدینہ اور گردوپیش کے اَعراب میں نفاق کا مرض پیدا ہوا۔

مہاجرین میں کوئی ایک بھی منافق نہ تھا کیونکہ ان میں ایک بھی ایسا شخص نہ تھا جس نے بادلِ نخواستہ ہجرت کی ہو بلکہ ان میں سے ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور آخرت کی کامیابی و کامرانی کے لیے بِطیبِ خاطر (خوش دلی سے) اپنے مال و دولت، اہل و عیال اور وطن مالوف کو ترک کر کے ہجرت کی تھی۔

آیت کی تفسیر: محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ۝۸ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ اوس و خزرج اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[1] ابوالعالیہ، حسن، قتادہ اور سدی سے بھی یہی روایت ہے کہ یہ آیت اوس و خزرج کے منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کی عادات و خصائل کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے تاکہ مومن ان کے ظاہری حالات سے دھوکے میں مبتلا نہ ہوں، ورنہ ان سے اجتناب نہ کرنے کی وجہ سے بہت بڑا فتنہ و فساد رونما ہو جائے گا کیونکہ سمجھا یہ جائے گا کہ وہ مومن ہیں، حالانکہ حقیقت میں وہ کافر ہیں اور یہ بہت بڑی خرابی کی بات ہے کہ فاسق و فاجر لوگوں کے بارے میں خیر و بھلائی کا گمان رکھا جائے۔ اسی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ۝۸ ﴾ ''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔'' کیونکہ یہ ان کا محض زبانی دعویٰ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذَا جَآءَكَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ قَالُوۡا نَشۡهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوۡلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوۡلُهٗ ؕ ﴾ (المنفقون 63:1) ''(اے

[1] تفسير الطبري:169/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم:42/1.

نبی!) جب منافق لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو وہ (ازراہ نفاق) کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے پیغمبر ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ درحقیقت آپ اس کے پیغمبر ہیں۔‘‘

یہ لوگ صرف اس وقت یہ بات کہتے ہیں جب آپ کے پاس آتے ہیں، حقیقت میں یہ لوگ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے، اسی لیے تو یہ اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لیے لفظ إِنَّ ’’یقیناً‘‘ اور لام تاکید ’’البتہ‘‘ کو استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح اس آیت میں بھی انھوں نے کہا ہے: ﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ ’’ہم اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔‘‘ حالانکہ ان کا (ان دونوں پر) ایمان نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اعتقاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت اور خبر کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾ (المنٰفقون 63:1) ’’اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ بے شک منافق (دل سے اعتقاد نہ رکھنے کے لحاظ سے) جھوٹے ہیں۔‘‘ اور یہاں فرمایا: ﴿ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ ’’حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔‘‘

اللہ کو کون دھوکا دے سکتا ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ’’وہ اللہ کو اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں۔‘‘ یعنی یہ جو اپنے ایمان کو ظاہر کرتے اور کفر کو چھپاتے اور ازراہ جہالت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں اور ایمان کا اس طرح اظہار ان کے لیے عنداللہ نفع بخش ہوگا اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا یہ مکر اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اسی طرح چل جائے گا جس طرح کہ بعض مومنوں کے ہاں چل جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾ (المُجادلة 58:18) ’’جس دن اللہ ان سب کو دوبارہ اٹھائے گا تو جس طرح وہ تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اسی طرح) اللہ کے سامنے قسمیں کھائیں گے اور خیال کریں گے کہ بے شک وہ ایک شے (اچھی راہ) پر ہیں، خبردار! بے شک وہی جھوٹے ہیں۔‘‘ یہی وجہ ہے کہ ان کی اس بات کا ان کے اعتقاد سے مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ ’’مگر (حقیقت میں) وہ اپنے سوا کسی کو دھوکا نہیں دیتے اور وہ (اس سے) بے خبر ہیں۔‘‘ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اپنی اس روش سے وہ صرف اپنے آپ ہی کو دھوکا اور چکما دے رہے ہیں اور اپنی طرف سے انھیں اس چیز کا شعور بھی نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ (النسآء 4:142) ’’بے شک منافقین اللہ کو دھوکا دیتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے انھیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔‘‘

امام ابن ابوحاتم رحمہ اللہ نے ابن جریج سے ﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بظاہر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پڑھتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں کچھ اور ہوتا ہے تاکہ اپنے خونوں، مالوں اور جانوں کو بچا لیں۔[1]

سعید (ابن ابوعروبہ) قتادہ سے اس آیت کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ منافق کی نشانی یہ ہے کہ وہ برے اخلاق کا مالک ہوتا ہے، زبان سے تصدیق مگر دل سے انکار کرتا ہے، قول و عمل میں تضاد کا شکار ہوتا ہے۔ صبح اس کی ایک حالت ہوتی

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 42/1.

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ⑩

ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے، پس اللہ نے ان کی بیماری بڑھا دی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس بنا پر کہ وہ جھوٹ بولتے تھے ⑩

ہے اور شام کو دوسری، شام کو کچھ ہوتا ہے اور صبح کچھ، بہر حال وہ کشتی کی طرح ڈگمگا تا رہتا ہے کہ ہوا کے جھونکے کے ساتھ کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر۔[1]

تفسیر آیت: 10

مرض سے مراد: سدی نے ابو مالک اور ابو صالح کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، اور مرہ ہمدانی کے حوالے سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ ﴿ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ سے مراد ہے کہ ان کے دلوں میں شک ہے۔[2]

﴿ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مرض (شک) میں اور بھی اضافہ کر دیا۔'' مجاہد، عکرمہ، حسن بصری، ابو العالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ اس سے مراد دینی بیماری ہے، جسمانی بیماری مراد نہیں ہے، یہ منافقوں کا ذکر ہے۔[3] مزید فرمایا: اسلام کے بارے میں یہ جس مرض میں مبتلا تھے، وہ شک کا مرض تھا۔ اور فرمایا: ﴿ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ﴾ کے معنی ہیں کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نجاست میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ انھوں نے موقع کی مناسبت سے ان آیات کو بھی پڑھا: ﴿ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ○ وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ ﴾ (التوبة 9:124,125) ''سو جو ایمان والے ہیں ان کا تو ایمان اس سورت نے زیادہ کیا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض ہے، ان کے حق میں اس سورت نے خبث پر خبث زیادہ کیا۔'' یعنی ان کی شرارتوں اور ضلالتوں میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن زید کا یہ قول بہت اچھا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے جنسِ عمل کے مطابق انھیں سزا دی۔ پہلے علمائے تفسیر سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ اس کی نظیر حسبِ ذیل آیت کریمہ ہے: ﴿ وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ○ ﴾ (محمد 47:17) ''اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں، اللہ نے انھیں ہدایت میں زیادہ کیا، اور انھیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا۔''

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین کی تعداد: اس آیت کریمہ میں ﴿ یَكْذِبُوْنَ ⑩ ﴾ کو [یُكَذِّبُوْنَ] بھی پڑھا گیا ہے کیونکہ منافقین میں کذب کے ساتھ ساتھ تکذیب کا مرض بھی تھا، وہ جھوٹ بھی بولتے تھے اور غیب کی تکذیب بھی کرتے تھے، یہ دونوں بری باتیں ان میں جمع تھیں۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم متعین طور پر بعض منافقوں کو جانتے تھے، ان کی دلیل حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے مروی وہ حدیث ہے جس میں ان چودہ منافقوں کا شمار ہے[4] جنھوں نے غزوۂ تبوک میں رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھاٹی کے پاس شہید کر دینے کا اس طرح پروگرام بنایا تھا کہ جب

① تفسير ابن أبي حاتم:43/1 . ② تفسير الطبري:177/1 . ③ تفسير الطبري:177/1 . ④ جبکہ اسی روایت کے سیاق میں بارہ منافقوں کا شمار اور باقی لوگوں سے عذر قبول ہونے کا بھی ذکر ہے۔

آپ کی اونٹنی وہاں پہنچے تو اسے بھگا دیا جائے تاکہ آپ اس سے گر کر شہید ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مذموم ارادے سے آپ کو مطلع فرما دیا تھا۔ آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی یہ بات بتا دی تھی۔ ①

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آپ کو متعین طور پر منافقوں کا علم نہ تھا، ان کا استدلال درج ذیل آیت سے ہے: ﴿ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ ﴾ (التوبة 101:9) ''اور تمھارے آس پاس جو دیہاتی ہیں ان میں منافق ہیں اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں آپ انھیں نہیں جانتے، ہم جانتے ہیں۔'' نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ ﴾ (الأحزاب 61,60:33) ''اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو مدینے (کے شہر) میں جھوٹی افواہیں اڑایا کرتے ہیں (اپنے کردار سے) باز نہ آئیں گے تو ہم ضرور آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے، پھر وہ آپ کے پڑوس (مدینے) میں نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن۔ (وہ بھی) پھٹکارے ہوئے ہیں جہاں بھی وہ پائے جائیں پکڑ لیے جائیں گے اور بری طرح مار ڈالے جائیں گے۔''

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے پیچھے نہیں لگایا تو آپ کو متعین طور پر ان کا علم نہیں تھا، آپ کے سامنے ان کی نشانیوں کو بیان کر دیا جاتا جن کی وجہ سے آپ ان میں سے بعض کو پہچان لیتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ ﴾ (محمد 30:47) ''اور اگر ہم چاہتے تو یقیناً وہ لوگ آپ کو دکھا بھی دیتے اور آپ ان کو ان کے چہروں سے پہچان لیتے اور آپ انھیں (ان کے) انداز گفتگو ہی سے پہچان لیں گے۔''

سب سے زیادہ مشہور منافق عبداللہ بن اُبَی ابن سلول تھا۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف شہادت بھی دی تھی۔ ② حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے اجازت دیجیے، میں اس منافق کی گردن اڑا دوں؟ تو آپ نے فرمایا: [دَعْهُ، لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَّقْتُلُ أَصْحَابَهُ] ''اسے چھوڑ دو، قتل نہ کرو کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگ جائیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتا ہے۔'' ③ اس کے باوجود جب عبداللہ بن اُبی مر گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جنازہ بھی پڑھا اور عام مسلمانوں کی طرح اس کے دفن کے موقع پر شرکت بھی فرمائی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب اس سلسلے میں آپ کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا: [إِنِّي خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ]

---

① صحيح مسلم، كتاب و باب صفات المنافقين، حديث:(11)-2779 و مسند أحمد:453/5 و دلائل النبوة:257/5.

② ملخص از صحيح البخاري، التفسير ،باب قوله: ﴿ اِذَا جَاۗءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ ﴾ (المنفقون 1:63) ، حديث:4900 و صحيح مسلم، كتاب و باب صفات المنافقين......، حديث:2772. ③ صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ ﴾ (المنفقون:6/63)، حديث:4905 و صحيح مسلم، البر والصلة، باب نصر الأخ ظالمًا أو مظلومًا، حديث: (63)-2584 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المنافقين، حديث:3315 .

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں⑪ سن لو! بے شک وہی

الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫

فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ شعور نہیں رکھتے⑫

''مجھے اختیار دیا گیا ہے (کہ میں اس کے لیے استغفار کروں یا نہ کروں) تو میں نے استغفار کرنے کے پہلو کو اختیار کر لیا ہے۔'' اسی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: [لَوْ أَعْلَمُ أَنِّي إِنْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِينَ يُغْفَرُ لَهُ لَزِدْتُ عَلَيْهَا] ''اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ ستر بار سے زیادہ استغفار کرنے کی وجہ سے اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ستر بار سے بھی زیادہ مرتبہ استغفار کرنے کے لیے تیار ہوں۔''①

تفسیر آیات :12،11

سدی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے لکھا ہے: ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪ ﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو، تو وہ کہتے ہیں: ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔'' سے مراد منافق ہیں اور ﴿ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''تم زمین میں فساد نہ کرو۔'' یہاں فساد سے مراد کفر اور معصیتِ عمل ہے۔② ابو جعفر نے ابو العالیہ سے روایت کیا ہے، زمین میں فساد نہ ڈالو، سے مراد یہ ہے کہ زمین میں معصیت کا ارتکاب نہ کرو کیونکہ ان کا فساد معصیت پر مبنی تھا۔ جو شخص زمین میں اللہ تعالیٰ کی خود نافرمانی کرے یا کسی کو اس نافرمانی کا حکم دے تو وہ زمین میں فساد پھیلاتا ہے کیونکہ زمین و آسمان کی بہتری اس بات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاعت بجا لائی جائے۔ ربیع بن انس اور قتادہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔③

منافقوں کے فساد کی قسمیں: ابن جریر فرماتے ہیں کہ منافقین کے زمین میں فساد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہیں۔ جن کاموں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان کا ارتکاب کرتے ہیں، فرائض کو ضائع کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس دین کے بارے میں شک کرتے ہیں جس کی تصدیق اور جس کی حقانیت کے ایقان کے بغیر وہ کوئی عمل قبول ہی نہیں فرماتا، اور پھر خود تو شک و ریب میں مبتلا ہیں مگر مومنوں کی تکذیب کرتے ہیں اور اہل تکذیب کے ساتھ تعاون کرتے ہیں۔ جب بھی انھیں موقع ملتا ہے اولیاء اللہ کے ساتھ ان کا معاملہ ان لوگوں جیسا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے والے ہوں۔

یہ ہے منافقوں کا زمین میں فساد برپا کرنا، حالانکہ بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ وہ زمین میں اصلاح کرنے والے ہیں۔④ ابن جریر نے جو یہ فرمایا ہے بہت خوب ہے۔

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ...... ﴾ (التوبة 9:80)، حديث:4671. ② تفسير الطبري:1/182. ③ تفسير ابن أبي حاتم:1/44. ④ تفسير الطبري:1/183.

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں: کیا ہم ایمان لائیں جیسے بے وقوف ایمان لائے ہیں؟ سن لو!

وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬

بیشک وہی بے وقوف ہیں لیکن وہ نہیں جانتے ⑬

اسی طرح زمین میں فساد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مومن کافروں کو اپنا دوست بنالیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ؕ ﴾ (الأنفال 73:8) ''اور جو لوگ کافر ہیں (وہ بھی) ایک دوسرے کے رفیق ہیں تو (مومنو!) اگر تم یہ (کام) نہ کروگے تو زمین میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد مچے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے مومنوں اور کافروں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو قطع کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ○ ﴾ (النسآء 144:4) ''اے اہل ایمان! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف (کارروائی کے لیے) کھلی حجت دے دو۔'' پھر فرمایا: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ○ ﴾ (النسآء 145:4) ''کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے اور (وہاں) آپ ان کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔''

منافق چونکہ بظاہر ایمان کا اظہار کرتا ہے، اس لیے اس کا معاملہ مومنوں سے چھپا رہتا ہے، لہٰذا اس کی طرف سے فساد کا برپا کرنا بالکل واضح ہے کیونکہ وہ مومنوں کو اپنی اس بات کے ساتھ دھوکا دیتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ وہ مومنوں کے بجائے کافروں کی دوستی کا دم بھرتا ہے۔ اگر یہ اپنی پہلی حالت ہی پر رہے تو اس کا شر کم ہو اور اگر یہ اپنا عمل خالص اللہ کے لیے کرے اور اس کے قول و عمل میں مطابقت ہو تو یہ کامیاب و کامران ہو جائے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪ ﴾ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ ڈالو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔'' یعنی ہم تو مومنوں اور کافروں دونوں فریقوں کے ساتھ مدارات سے رہنا چاہتے ہیں اور ہم ان دونوں سے صلح صفائی رکھنا چاہتے ہیں۔ محمد بن اسحاق نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں یہی روایت کیا ہے کہ ہم تو مومنوں اور اہل کتاب، دونوں فریقوں میں اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔[1]

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫ ﴾ ''سن لو! بلاشبہ وہی فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ شعور نہیں رکھتے۔'' یعنی جس کو یہ اصلاح سمجھتے ہیں، یہ تو عین فساد ہے لیکن جہالت کی وجہ سے یہ

① تفسیر ابن أبی حاتم:45/1 .

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا

اور جب وہ ان سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے اور جب وہ اپنے شیطانوں کے پاس تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: یقیناً ہم

مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ⑭ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ

تمھارے ساتھ ہیں ان لوگوں سے تو ہم صرف مذاق کرتے ہیں ⑭ اللہ ان سے مذاق کرتا ہے اور انھیں ان کی سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے، وہ (اس میں)

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑮

بھٹکتے پھرتے ہیں ⑮

سمجھتے ہی نہیں کہ یہ فساد ہے۔

تفسیر آیت:13

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب منافقوں سے یہ کہا جاتا ہے: ﴿ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ ﴾ ''جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں، تم بھی ایمان لاؤ'' یعنی جس طرح لوگ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، بعث بعد الموت اور جنت وجہنم پر ایمان لائے ہیں اور اس کے علاوہ دیگر چیزوں پر بھی ایمان لائے ہیں جس کی اس نے اپنے بارے میں مومنوں کو خبر دی ہے، لہٰذا تم بھی ان پر ایمان لاؤ اور احکام کی بجا آوری اور محرمات کے ترک کرنے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت بجالاؤ تو کہتے ہیں: ﴿ اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ ۭ ﴾ ''بھلا جس طرح بے وقوف ایمان لے آئے ہیں اسی طرح ہم بھی ایمان لے آئیں؟'' اللہ تعالیٰ منافقین پر لعنت فرمائے انھوں نے سفہاء ''بے وقوفوں'' سے مراد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو لیا۔

ابو العالیہ نے اور سدی نے اپنی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ ابن عباس، ابن مسعود اور کئی ایک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی روایت کیا ہے۔[1] ربیع بن انس اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ کا بھی یہی قول ہے کہ منافقین کہتے تھے: کیا ہم اور وہ انھی کے ایک ہی طریقے پر ہو جائیں، حالانکہ وہ تو بے وقوف ہیں؟[2]

سُفَهَاءُ ، سَفِيهٌ کی جمع ہے جس طرح حکماء، حکیم کی اور حلماء، حلیم کی جمع ہے۔ سفیہ اس جاہل کو کہتے ہیں جس کی رائے نفع ونقصان کے اعتبار سے ضعیف ہو اور وہ قلیل المعرفۃ ہو، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: ﴿ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا ﴾ (النسآء 5:4) ''اور تم اپنے وہ مال نادان لوگوں کے سپرد نہ کرو جو اللہ نے تمھارے لیے گزر بسر کا ذریعہ بنائے ہیں۔'' میں عورتوں اور بچوں کو سُفَهَاء ''بے عقل'' قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اکثر علمائے تفسیر نے سفہاء کی تفسیر میں یہی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔[3]

اللہ تعالیٰ نے انھیں جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاۗءُ ﴾ ''سن لو! بے شک یہی بے وقوف ہیں۔'' اور سفاہت وبے عقلی کو انھی میں محصور قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬ ﴾ ''لیکن یہ نہیں جانتے۔'' یعنی ان کی

---

① تفسیر الطبری:186/1. ② تفسیر الطبری:186/1. ③ تفسیر الطبری:327/4.

جہالت کی انتہا یہ ہے کہ وہ جانتے بھی نہیں کہ کس قدر ضلالت اور جہالت میں مبتلا ہیں۔ یہ بات ان کے لیے انتہائی تباہ کن ہے، اس سے بڑھ کر اندھے پن اور ہدایت سے دوری کی بات اور کیا ہوسکتی ہے؟

تفسیر آیات: 15,14

منافقوں کا مکروفریب: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب یہ منافق مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، یعنی یہ لوگ مومنوں کو دھوکا دینے کے لیے ایمان اور دوستی کا اظہار کرتے ہیں مگر ان کا ایمان و دوستی کا یہ اظہار نفاق، تصنّع اور تقیّہ پر مبنی ہوتا ہے، نیز اس لیے بھی کہ مومن حاصل ہونے والے مالِ غنیمت میں انھیں بھی شریک کر لیں، پھر جب یہ اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ شیطانوں سے یہاں بڑے بڑے علمائے یہود اور مشرکوں اور منافقوں کے سردار مراد ہیں۔

شیاطین جنّ وانس: ابن جریر فرماتے ہیں کہ تمام سرکش چیزوں کو شیطان کہا جاتا ہے۔ شیطان انسانوں میں سے بھی ہوسکتا ہے اور جنوں میں سے بھی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ﴾ (الأنعام6:112) ”اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا۔ وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کے دل میں ملمع شدہ باتیں ڈالتے رہتے تھے۔“

استہزا کے معنی: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ﴾ ”وہ کہتے: بے شک ہم تمھارے ساتھ ہیں۔“ کے بارے میں محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم بھی اسی دین پر ہیں جس پر تم ہو۔[1] ﴿ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ یعنی ہم تو ان مسلمانوں سے مذاق اور کھیل تماشا کرتے ہیں۔[2] ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے کہا کہ ہم تو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حقارت آمیز مذاق کرتے ہیں۔[3] ربیع بن انس اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[4]

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب اور ان کی اس روش کے مقابلے میں فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ ”ان (منافقوں) سے اللہ ہنسی کرتا ہے اور انھیں ان کی سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے، وہ (اس میں) بھٹکتے پھرتے ہیں۔“

ابن جریر فرماتے ہیں: (بعض مفسرین کا قول ہے کہ) حسبِ ذیل آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ روز قیامت ان سے ہنسی مذاق کرے گا: ﴿ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴾ (الحدید57:13) ”اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے: ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے کو لوٹ جاؤ اور (وہاں) نور تلاش کرو، پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جو اس کی اندرونی جانب ہے اس میں تو رحمت ہے اور جو بیرونی جانب ہے، اس طرف عذاب (واذیت۔)“ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:1/48. [2] تفسیر الطبری:1/190. [3] تفسیر الطبری:1/190. [4] تفسیر الطبری:1/191,190.

لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ﴾ (آل عمران3:178) ''اور کافر لوگ یہ نہ خیال کریں کہ ہم جو ان کو مہلت دے رہے ہیں تو یہ ان کے حق میں اچھا ہے (نہیں بلکہ) ہم ان کو اس لیے مہلت دیتے ہیں کہ وہ اور گناہ کر لیں۔''

ابن جریر یہ بھی فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی کے حوالے سے استہزا وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ان سے منافقوں اور مشرکوں سے مذاق اور مکر وفریب کا ایسا ہی معاملہ مراد ہے۔[1]

منافقوں کے مکر کا وبال انھی پر ہے: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ استہزا کے مقابلے میں ان سے استہزا کرے گا اور ان کے مکر وفریب کی انھیں سزا دے گا۔ اپنے جس فعل کی وجہ سے یہ عذاب الٰہی کے مستحق قرار پائے اس عذاب اور سزا کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں جو لفظی طور پر ان کے فعل سے مطابقت رکھتے ہیں لیکن دونوں لفظوں کے معنی جدا جدا ہیں۔

اس کی مثال حسبِ ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ ﴾ (الشوریٰ42:40) ''اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے مگر جو درگزر کرے اور (معاملے کی) اصلاح کر لے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہے۔'' اسی طرح اس کی ایک اور مثال حسبِ ذیل آیت ہے: ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ ﴾ (البقرة 2:194) ''پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو۔'' ان دونوں آیات کے ابتدائی حصے میں مذکور (سيئة یعنی برائی یا اعتدٰی یعنی زیادتی) تو ظلم ہے مگر دونوں کے دوسرے حصے میں اس برائی یا زیادتی کا بدلہ عین عدل ہے۔ دونوں آیتوں میں الفاظ اگرچہ ایک جیسے استعمال ہوئے ہیں مگر دونوں کے معنی الگ الگ ہیں۔

قرآن مجید میں اس طرح کے جس قدر بھی الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کا یہی مفہوم ہے کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ لہو ولعب کے اعتبار سے مکر وفریب اور مذاق جیسے الفاظ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے لیے استعمال نہیں ہو سکتے۔ ہاں، البتہ اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ الفاظ انتقام، مقابلہ، عدل اور جزا سزا کے طور پر استعمال کیے جائیں۔

مَدّ، طُغیان اور عَمَهٌ کے معنی: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑮ ﴾ کے بارے میں سدی نے ابن عباس، ابن مسعود اور دیگر بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَيَمُدُّهُمْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں مہلت دیتا ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی سرکشی میں اور اضافہ فرما دیتا ہے۔[3] اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:55,56) ''کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں (تو اس سے) ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔''

ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ہم انھیں مہلت دے کر اور انھیں ان کی سرکشی وشرارت میں

---

① تفسير الطبري:191/1. ② تفسير الطبري:195/1. ③ تفسير ابن أبي حاتم:48/1.

أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱشْتَرَوُا۟ ٱلضَّلَٰلَةَ بِٱلْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت تِّجَٰرَتُهُمْ وَمَا كَانُوا۟ مُهْتَدِينَ ⑯

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے گمراہی خرید لی ہدایت کے بدلے تو ان کی تجارت نے انھیں کوئی نفع نہ دیا اور (اس میں) وہ ہدایت یافتہ نہ ہوئے ⑯

چھوڑ کر ان کے گناہوں میں اضافہ کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَنُقَلِّبُ أَفْـِٔدَتَهُمْ وَأَبْصَٰرَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا۟ بِهِۦٓ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِى طُغْيَٰنِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴾ (الأنعام 6:110) ''اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے) اور ان کو چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔''[1]

طُغیان کے معنی کسی چیز میں حد سے بڑھ جانے کے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّا لَمَّا طَغَا ٱلْمَآءُ حَمَلْنَٰكُمْ فِى ٱلْجَارِيَةِ ﴾ (الحآقة 69:11) ''بے شک جب پانی طغیانی پر آیا تو ہم نے تم (لوگوں) کو کشتی میں سوار کر لیا۔''

ابن جریر فرماتے ہیں کہ العَمَه کے معنی گمراہی کے ہیں۔ عربی زبان میں عَمِهَ فُلَانٌ يَعْمَهُ عَمَهَانًا وَّعُمُوهًا کے الفاظ اس شخص کے لیے استعمال ہوئے ہیں جو گمراہ ہو جائے۔ اور ﴿ فِى طُغْيَٰنِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ اپنی گمراہی اور کفر میں بھٹکے پھر رہے ہیں جس کی ناپاکی نے انھیں گھیر لیا ہے اور جس کی نجاست نے چاروں طرف سے ان کا احاطہ کر لیا ہے۔ اب یہ حیران و پریشان اور گمراہ ہو کر بھٹک رہے ہیں کہ اس ضلالت و کفر سے نکلنے کا راستہ سجھائی نہیں دے رہا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں کو ہدایت سے اندھا کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ نہ تو رشد و بھلائی کو دیکھ ہی سکتے ہیں اور نہ اس کی طرف راہ پا سکتے ہیں۔[2]

تفسیر آیت: 16

سدی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے ضلالت کو اختیار کر لیا اور ہدایت کو ترک کر دیا۔[3] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ایمان لائے اور پھر انھوں نے کفر کو اختیار کر لیا۔[4] قتادہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے ہدایت کے بجائے ضلالت کو پسند کر لیا۔[5] قتادہ کی یہ بات معنی کے اعتبار سے اس آیت کے مشابہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ثمود کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَٰهُمْ فَٱسْتَحَبُّوا۟ ٱلْعَمَىٰ عَلَى ٱلْهُدَىٰ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:17) ''اور جو ثمود تھے ان کو ہم نے سیدھا رستہ دکھا دیا تھا مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنا پسند کیا۔''

مفسرین کے ان اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ منافقوں نے ہدایت سے روگردانی کر کے ضلالت کو اختیار کر لیا۔ اور اس آیت: ﴿ أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱشْتَرَوُا۟ ٱلضَّلَٰلَةَ بِٱلْهُدَىٰ ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی۔'' کے یہی معنی ہیں، گویا انھوں نے ہدایت کو ضلالت کی قیمت کے طور پر ادا کیا ہے۔ اور اس اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں جبکہ ان میں سے کچھ لوگ تو ایسے تھے کہ جنھیں ایمان حاصل ہو گیا تھا مگر ایمان کے بعد وہ پھر کفر کی طرف لوٹ آئے جیسا کہ ان کے بارے میں اللہ

① تفسیر الطبری: 1/195. ② تفسیر الطبری: 1/196. ③ تفسیر الطبری: 1/198. ④ تفسیر الطبری: 1/198. ⑤ تفسیر الطبری: 1/198.

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، پھر جب اس (آگ) نے اس کے اردگرد کو روشن کر دیا تو اللہ ان کی روشنی لے گیا اور انھیں

فِي ظُلُمَٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ⑰ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ⑱

اندھیروں میں چھوڑ دیا، پس وہ دیکھ نہیں پاتے ⑰ (وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، پس وہ (سیدھے راستے کی طرف) نہیں لوٹیں گے ⑱

تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ ءَامَنُوا۟ ثُمَّ كَفَرُوا۟ فَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ ﴾ (المنفقون 3:63) ''یہ اس لیے کہ یہ (پہلے تو) ایمان لائے پھر کافر ہو گئے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔'' یا انھوں نے ہدایت کو اختیار ہی نہیں کیا اور اس پر ضلالت کو ترجیح دی۔ ان لوگوں کی بھی کئی انواع و اقسام ہیں۔ اسی لیے تو فرمایا: ﴿ فَمَا رَبِحَت تِّجَٰرَتُهُمْ وَمَا كَانُوا۟ مُهْتَدِينَ ⑯ ﴾ یعنی اس بیع میں ان کا سودا نفع بخش ثابت نہ ہوا اور نہ یہ لوگ اپنے اس طرز عمل میں راہ راست ہی پر تھے۔

ابن جریر نے قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ کی قسم! تم نے خود دیکھ لیا ہے کہ یہ لوگ ہدایت سے خارج ہو کر ضلالت کی طرف چلے گئے ہیں، جماعت کے بجائے افتراق و انتشار کو انھوں نے اختیار کیا، امن کے بجائے خوف سے دوچار ہوئے اور سنت کے بجائے انھوں نے بدعت کو اختیار کر لیا ہے۔[1] ابن ابو حاتم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 18,17

منافقوں کی مثال: منافقوں نے ہدایت کے بدلے میں جو ضلالت کو خریدا اور بصیرت کے بعد اندھے پن کو ترجیح دی تو ان کی اس حالت کی تشبیہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے دی ہے جس نے آگ کو جلایا ہو۔ اور آگ نے جب اپنے گردوپیش کو روشن کر دیا اور اس نے اس سے نفع حاصل کرنا اور آگ کی روشنی میں دائیں بائیں دیکھنا شروع کر دیا اور وہ اس سے بہت ہی مانوس ہو گیا ہو پھر آگ یک دم بجھ جائے اور گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جائے کہ اسے کچھ نظر نہ آئے اور نہ رستہ ہی سجھائی دے اور وہ ہو بھی بہرا کہ کچھ سن نہ سکے، گونگا کہ کچھ بول نہ سکے اور اندھا کہ روشنی ہو بھی تو دیکھ نہ سکے، لہٰذا وہ پہلی حالت کی طرف لوٹ نہیں سکتا۔ یہ مثال بھی اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کو اختیار کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر بھی اسے بیان فرمایا ہے۔ واللہ أعلم.

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ ﴾ ''اللہ ان کی روشنی لے گیا۔'' کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ وہ چیز لے گیا جو ان کے لیے نفع بخش تھی، یعنی اللہ تعالیٰ ان کی روشنی کو لے گیا اور اسے باقی چھوڑا جو ان کے لیے نقصان دہ تھی، یعنی آگ کا جلانا اور دھواں باقی رہنے دیا۔

﴿ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَٰتٍ ﴾ یعنی انھیں شک، کفر اور نفاق کے اندھیروں میں چھوڑ دیا، ﴿ لَّا يُبْصِرُونَ ⑰ ﴾ کہ راہ خیر کی طرف راہ ہی نہیں پاتے اور نہ اسے پہچانتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ ﴿ صُمٌّۢ ﴾ ''بہرے ہیں'' کہ سنتے نہیں، ﴿ بُكْمٌ ﴾ ''گونگے ہیں'' کہ بولتے نہیں اور ﴿ عُمْىٌ ﴾ ''اندھے ہیں'' کہ ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہیں اور کسی چیز کو دیکھتے ہی نہیں جیسا

[1] تفسير الطبري:201/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم:50/1.

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ

یا (ان کی مثال) زوردار بارش کی سی ہے جو آسمان سے (آتی) ہے، اس میں اندھیرے، گرج اور بجلی ہوتی ہے، وہ بجلی کے کڑ کے سن کر موت کے ڈر سے

الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ⑲ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ

اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔ اور اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے ⑲ قریب ہے کہ بجلی اُچک لے ان کی آنکھیں۔ جب بجلی ان پر چمکتی

اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ

ہے تو وہ اس (کی روشنی) میں چلنے لگتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا ہوتا ہے تو ٹھہر جاتے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں چھین

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑳ ع 2 13 2

لے، یقیناً اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ⑳

کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ○﴾ (الحج 46:22) ’’بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے ہیں۔‘‘ لہٰذا یہ اس ہدایت کی طرف کبھی بھی واپس نہیں آئیں گے جس کو انھوں نے ضلالت کے بدلے بیچ دیا تھا۔

تفسیر آیات : 20,19

منافقوں کی ایک اور مثال: یہ ایک اور مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی ایک دوسری قسم کے لیے بیان فرمائی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے کبھی تو حق ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی یہ شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ شک، کفر اور تردد کی حالت میں ان کے دل بارش کی طرح ہیں۔ صَیِّبٌ کے معنی بارش کے ہیں۔ ابن مسعود، ابن عباس اور دیگر بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔[1] اسی طرح ابوالعالیہ، مجاہد، سعید بن جُبَیر، عطاء، حسن بصری، قتادہ، عطیہ عوفی، عطاء خراسانی، سدّی اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے کہ صَیِّبٌ کے معنی بارش کے ہیں۔[2] ضحاک نے اس کے معنی بادل کے بیان کیے ہیں،[3] لیکن زیادہ مشہور قول یہی ہے کہ اس کے معنی آسمان سے نازل ہونے والی بارش کے ہیں جو ﴿ظُلُمٰتٌ﴾ ’’اندھیروں‘‘ کی حالت میں نازل ہوتی ہے۔ ان اندھیروں سے مراد شک، کفر اور نفاق کے اندھیرے ہیں۔

اور ﴿وَّرَعْدٌ﴾ سے مراد وہ (کڑک) ہے جو خوف کے باعث دلوں پر دہشت طاری کر دے۔ منافقوں کی یہی حالت ہوتی ہے کہ ان پر شدید خوف اور گھبراہٹ طاری رہتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ﴾ (المنفقون 4:63) ’’(بزدل ایسے کہ) ہر زور کی آواز کو سمجھیں (کہ) ان پر (بلا آئی) ہے۔‘‘

اور فرمایا: ﴿وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ○ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ○﴾ (التوبۃ 57,56:9) ’’اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں، اصل یہ ہے کہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں۔ اگر ان کو کوئی بچاؤ کی جگہ (جیسے قلعہ) یا غار یا (زمین کے

① تفسیر الطبری:215/1. ② تفسیر ابن أبی حاتم:54/1. ③ تفسیر ابن أبی حاتم:54/1.

اندر) گھسنے کی جگہ مل جائے تو اسی طرف رسیاں تڑاتے ہوئے بھاگ جائیں۔'' اور ﴿ بَرْقٌ ﴾ سے مراد نورِ ایمان کی وہ روشنی ہے جو بعض اوقات ان منافقوں کے دلوں میں چمکتی ہے۔

اسی لیے تو فرمایا: ﴿ يَجْعَلُونَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''وہ بجلی کے کڑکے سن کر موت کے ڈر سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں اور اللہ کافروں کو گھیرنے والا ہے۔'' یعنی ان کی یہ احتیاط ان کے کچھ کام نہ آئے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے ساتھ ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادے کے تحت ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۝ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۝ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ ۝ ﴾ (البروج 85:17-20) ''بھلا آپ کو لشکروں کا حال معلوم ہوا ہے (یعنی) فرعون اور ثمود کا لیکن کافر (جان بوجھ کر) تکذیب میں (گرفتار) ہیں اور اللہ (بھی) ان کو گردا گرد سے گھیرے ہوئے ہے۔''

پھر فرمایا: ﴿ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ﴾ ''قریب ہے کہ بجلی (کی چمک) ان کی آنکھوں (کی بصارت) کو اچک لے۔'' کیونکہ وہ بہت شدید اور قوی ہے اور ان کی آنکھیں کمزور ہیں۔ اور ایمان پر انھیں ثابت قدمی بھی نصیب نہیں ہے۔

علی بن ابوطلحہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ۭ ﴾ کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی مضبوط و مستحکم آیات منافقین کی تمام کمزوریوں کو کھول کھول کر بیان کر رہی ہیں۔ [1] اور علی بن ابوطلحہ ہی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اسلام کو جب عزت و سربلندی نصیب ہوتی ہے تو منافقوں کو بھی قدرے اطمینان ہونے لگتا ہے اور جب اسلام کو کسی افتاد کا سامنا کرنا پڑے تو یہ کھڑے ہو جاتے ہیں تاکہ پھر سے کفر کی طرف لوٹ جائیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰي حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ ﴾ (الحج 22:11) ''اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کنارے (شک) پر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اگر ان کو کوئی (دنیاوی) فائدہ پہنچے تو اس کے سبب مطمئن ہو جاتے ہیں۔'' [2]

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت کیا ہے کہ یہ لوگ حق کو پہچانتے اور اس کا اقرار بھی کرتے ہیں تو ان کی یہ بات حالت استقامت میں ہوتی ہے لیکن اسلام کے بجائے جب پھر یہ کفر کی طرف واپس آتے ہیں تو حیران و پریشان کھڑے رہ جاتے ہیں۔ [3] ابوالعالیہ، حسن بصری، قتادہ اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ [4] سدی نے اپنی سند کے ساتھ بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی یہی روایت کیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح اور نمایاں ہے۔ واللہ أعلم.

جب ایمانداروں کو ان کے ایمان کے بقدر نور عطا کیا جائے گا تب بھی روز قیامت یہ لوگ اسی طرح ہوں گے، چنانچہ کچھ لوگوں کو تو اس قدر نور عطا کیا جائے گا جس کی روشنی سے کئی میلوں تک کرن کرن اجالا ہو جائے گا، کچھ ایسے ہوں گے جن کی روشنی کبھی جل اٹھے گی اور کبھی گل ہو جائے گی، روشنی ہوگی تو چلنے لگیں گے، گل ہو جائے گی تو کھڑے رہ جائیں گے اور کچھ وہ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:57/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:58/1. [3] تفسیر الطبری:222/1. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:59/1.

ہوں گے جو روشنی سے بالکل محروم ہوں گے۔ یہ خالص منافق ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ ﴾ (الحدید13:57) ''اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ تم ہمارا انتظار کرو کہ ہم بھی تمھارے نور سے روشنی حاصل کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے کو لوٹ جاؤ اور (وہاں) نور تلاش کرو۔''

اور مومنوں کے بارے میں فرمایا: ﴿ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۚ﴾ (الحدید 57 : 12) ''اس دن آپ ایمان والوں اور ایمان والیوں کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا (کہا جائے گا:) آج تمھیں ایسے باغوں کی بشارت ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾ (التحریم8:66) ''اس دن اللہ پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں، رسوا نہیں کرے گا (بلکہ) ان کا نور (ایمان) ان کے آگے اور داہنی طرف (روشنی کرتا ہوا) دوڑتا ہوگا۔ اور وہ اللہ سے التجا کریں گے کہ اے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر اور ہمیں معاف فرما، بے شک تو ہر چیز پر خوب قادر ہے۔''

ابن ابوحاتم نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ﴿ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ﴾ (الحدید12:57) کے بارے میں روایت کیا ہے کہ وہ اپنے اعمال کے حساب سے پل صراط سے گزر جائیں گے، کچھ لوگوں کا نور پہاڑ کی طرح ہوگا اور کچھ کا کھجور کے درخت کے مانند، سب سے کم نور اس شخص کا ہوگا جس کی روشنی اس کے انگوٹھے میں ہوگی اور وہ بھی کبھی جلے گی اور کبھی بجھ جائے گی۔ [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ روز قیامت اہل توحید میں سے ہر ایک کو نور عطا کیا جائے گا، منافق کا نور گل ہو جائے گا تو مومن بھی اس منظر کو دیکھ کر ڈریں گے اور اپنے رب تعالیٰ سے دعا کریں گے: ﴿ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا ﴾ (التحریم8:66) ''اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر۔'' [2] ضحاک بن مزاحم سے روایت ہے کہ ہر اس شخص کو جس نے دنیا میں ایمان کا اظہار کیا ہوگا، روز قیامت نور دیا جائے گا مگر پل صراط عبور کرتے ہوئے منافقوں کا نور گل ہو جائے گا۔ مومن یہ منظر دیکھیں گے تو ڈر جائیں گے اور دعا کریں گے: ﴿ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا ﴾ (التحریم8:66).

مومنوں، کافروں اور منافقوں کی اقسام: اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ لوگوں کی کئی قسمیں ہیں، ان میں سے کئی تو خالص مومن ہیں، ان کا اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار آیات میں تذکرہ فرمایا ہے اور کچھ خالص کافر ہیں، ان کا اس کے بعد والی دو آیات میں ذکر ہے اور کچھ لوگ منافق ہیں۔ منافقوں کی دو قسمیں ہیں: (1) خالص منافق، ان کے لیے آگ والی

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:3336/10. [2] المستدرك للحاکم، التفسیر، سورة التحریم (66):496,495/2، حدیث: 3832.

مثال بیان کی گئی ہے۔(2) تشکیک میں مبتلا فاسق جن کے سامنے کبھی تو ایمان کی روشنی جگمگانے لگتی ہے اور کبھی بجھ جاتی ہے ان کے لیے بارش والی مثال بیان کی گئی ہے۔ان لوگوں کا نفاق پہلے درجے کے منافقوں سے کم تر ہوتا ہے۔

پھر ان کافروں کی مثال بیان کی گئی ہے جو اپنی بابت بڑی خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں، حالانکہ وہ کوئی شے نہیں۔حسبِ ذیل آیت کریمہ میں انھی جاہلِ مرکب قسم کے لوگوں کا ذکر ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًۭ ط حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا ﴾ (النور 39:24) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال (کی مثال ایسی ہے) جیسے چٹیل میدان میں ریت کہ پیاسا اسے پانی سمجھے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے۔''

پھر جہل بسیط میں مبتلا کافروں کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ط ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ط اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ط وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ ﴾ (النور 40:24) ''یا (ان کے اعمال کی مثال ایسے ہے) جیسے عمیق سمندر میں اندھیرے جس پر لہر چڑھی آتی ہو (اور اس کے اوپر اور لہر (آرہی ہو اور) اس کے اوپر بادل ہوں (غرض) اوپر تلے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہوں۔جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھ سکے اور جس کو اللہ روشنی نہ دے اس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں مل سکتی۔''

یہاں کافروں کی بھی دو قسمیں بیان کی ہیں: (1) کفر کے داعی اور (2) (ہر سرکش کے) مقلد۔اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج کے آغاز میں بھی ان دونوں قسموں کے کافروں کا (علیحدہ علیحدہ آیت میں) ذکر کرتے ہوئے (کفار مقلدین کے متعلق) فرمایا ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝ ﴾ (الحج 3:22) ''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ (کی شان) میں علم (و دانش) کے بغیر جھگڑتے اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرتے ہیں۔'' اور (کفر کے داعیوں کے متعلق) فرمایا: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ ﴾ (الحج 8:22) ''اور لوگوں میں کوئی ایسے بھی ہیں جو اللہ (کی شان) میں بغیر علم (و دانش) کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کتاب روشن کے جھگڑتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے سورۂ واقعہ کی ابتداء و انتہا میں اور سورۂ دہر میں مومنوں کی بھی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں: (1) سبقت کرنے والے، یعنی مقربینِ بارگاہ الٰہی اور (2) داہنے ہاتھ والے، یعنی ابرار۔

ان تمام آیات کریمہ سے مجموعی طور پر یہ ثابت ہوا کہ مومنوں کی دو قسمیں ہیں: (1) مقربین اور (2) ابرار۔کافروں کی بھی دو قسمیں ہیں: (1) کفر کے داعی اور (2) مقلد۔اور منافقوں کی بھی دو قسمیں ہیں: (1) خالص منافق اور (2) وہ جس میں نفاق کی کوئی ایک بات ہو جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [أَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا ، وَّمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا : إِذَا ائْتُمِنَ خَانَ ، وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ] ''چار خصلتیں ایسی ہیں جس میں یہ ہوں وہ پکا اور خالص منافق ہے۔اور جس میں ان میں سے کوئی ایک ہو تو اس میں نفاق کی ایک خصلت موجود ہے حتی کہ اسے ترک کر

دے: (1) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (2) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (3) وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور (4) جھگڑا کرے تو (حق وناحق کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے) فسق وفجور پر اتر آئے۔''[1]

اس حدیث سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ انسان میں ایک خصلت ایمان کی ہو اور اس میں دوسری خصلت نفاق کی بھی ہو، یہ نفاق یا تو عملی ہوگا جیسا کہ اس حدیث میں نفاق کی عملی صورت کا ذکر ہے یا یہ نفاق اعتقادی ہوگا جیسا کہ اس آیت میں اس کا ذکر ہے۔

دلوں کی اقسام: امام احمد رحمہ اللہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[اَلْقُلُوبُ أَرْبَعَةٌ : قَلْبٌ أَجْرَدُ فِيهِ مِثْلُ السِّرَاجِ يَزْهَرُ ، وَقَلْبٌ أَغْلَفُ مَرْبُوطٌ عَلٰى غِلَافِهٖ ، وَقَلْبٌ مَّنْكُوسٌ ، وَّ قَلْبٌ مُّصْفَحٌ ، فَأَمَّا الْقَلْبُ الْأَجْرَدُ فَقَلْبُ الْمُؤْمِنِ ، سِرَاجُهٗ فِيهِ نُورُهٗ ، وَأَمَّا الْقَلْبُ الْأَغْلَفُ فَقَلْبُ الْكَافِرِ ، وَأَمَّا الْقَلْبُ الْمَنْكُوسُ فَقَلْبُ الْمُنَافِقِ ، عَرَفَ ثُمَّ أَنْكَرَ ، وَ أَمَّا الْقَلْبُ الْمُصْفَحُ فَقَلْبٌ فِيهِ إِيمَانٌ وَّ نِفَاقٌ، فَمَثَلُ الْإِيمَانِ فِيهِ كَمَثَلِ الْبَقْلَةِ يَمُدُّهَا الْمَاءُ الطَّيِّبُ وَمَثَلُ النِّفَاقِ فِيهِ كَمَثَلِ الْقُرْحَةِ يَمُدُّهَا الْقَيْحُ وَالدَّمُ ، فَأَيُّ الْمَادَّتَيْنِ غَلَبَتْ عَلَى الْأُخْرٰى غَلَبَتْ عَلَيْهِ]

''دل چار قسم کے ہوتے ہیں: (1) (بری خصلتوں سے) صاف دل جس میں چراغ کی طرح ایمان کا نور چمک رہا ہو۔ (2) وہ دل جس پر مضبوطی کے ساتھ غلاف بندھا ہو۔ (3) الٹا دل۔ اور (4) وہ دل جو دوُرخا ہو۔ صاف وشفاف دل سے مراد مومن کا دل ہے، اس کا چراغ اس کا نور ہے۔ غلاف میں لپٹے ہوئے دل سے مراد کافر کا دل ہے۔ الٹے دل سے مراد منافق کا دل ہے جو جاننے بوجھنے کے باوجود انکار کرتا ہے۔ اور دورُخے دل سے مراد وہ دل ہے جس میں ایمان بھی ہو اور نفاق بھی۔ اس میں ایمان کی مثال اس سبزے کی سی ہے جو پاکیزہ پانی سے پروان چڑھ رہا ہو اور نفاق کی مثال اس پھوڑے کی سی ہے جس میں پیپ اور خون بڑھتا ہی جاتا ہو۔ اب ان میں سے جو مادہ بڑھ جائے وہ دوسرے پر غالب آجاتا ہے۔''[2] اس حدیث کی سند جید اور حسن ہے۔[3]

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

---

[1] صحیح البخاری، الإیمان، باب علامات المنافق، حدیث:34 و صحیح مسلم، الإیمان، باب خصال المنافق، حدیث:58. عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی اس روایت میں [أربع من کنّ فیه کان منافقا خالصا......] ہے۔ اور جس روایت میں تین علامات کا ذکر ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں درج تھا: [ثلاث من کنّ فیه......] وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیحین کے انھی مذکورہ ابواب میں اس طرح مروی ہے: [آیة المنافق ثلاث: إذا حدث کذب، وإذا وعد أخلف، وَ إِذَا ائْتُمِنَ خان] اور صحیحین کے علاوہ یہ روایت اس طرح مروی ہے: [ثلاث من کنّ فیه فهو منافق وإن صام......] دیکھیے مسند أحمد:536/2 و صحیح ابن حبان:257 و سنن النسائی:5026 موقوفًا. [2] مسند أحمد:17/3 و المصنف لابن أبی شیبة:168/6، حدیث:30395 عن حذیفة رضی اللہ عنہ موقوفًا و مسند الفردوس:235/3، حدیث:4697 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ موقوفا. [3] یہ روایت ضعیف ہے، دیکھیے السلسلة الضعیفة:5158.

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿21﴾ الَّذِيْ

اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ﴿21﴾ وہ (رب) جس نے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ

تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت (بنایا) اور اس نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس کے ذریعے سے (کئی قسم کے) پھلوں سے

رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿22﴾

تمھارے لیے رزق نکالا، پس تم اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اس حال میں کہ تم جانتے ہو﴿22﴾

﴿ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿20﴾﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے کانوں (کی شنوائی) اور آنکھوں (کی بینائی دونوں) کو زائل کر دیتا، یقیناً اللہ ہر شے پر قادر ہے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ اس لیے کہ انھوں نے حق کو پہچاننے کے باوجود ترک کر دیا تھا۔ اور ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿20﴾﴾ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں جو ارادہ فرمائے، انھیں سزا دے یا معاف فرما دے، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔[1]

ابن جریر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنی یہ صفت کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس لیے بیان فرمائی ہے کہ اس نے منافقوں کو اپنے عذاب اور اپنی گرفت سے ڈرایا ہے اور بتایا ہے کہ وہ ان سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور وہ ان کی شنوائی اور بینائی کو ختم کر دینے پر بھی قادر ہے۔[2]

ابن جریر اور ان کی اتباع میں بہت سے مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہ دونوں مثالیں منافقوں کی ایک ہی قسم کی ہیں۔ اور ﴿ اَوْ كَصَيِّبٍ ﴾ میں أَوْ حرف واؤ (اور) کے معنی میں ہے[3] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴾ (الدھر 24:76) ''اور ان لوگوں میں سے کسی بدعمل اور ناشکرے کی اطاعت نہ کیجیے۔'' میں بھی أَوْ بمعنی واؤ ہے یا أَوْ تخییر کے معنی میں ہے، یعنی اگر تم چاہو تو ان کے لیے یہ مثال بیان کر دو یا چاہو تو یہ مثال بیان کر دو، یہ قول قرطبی کا ہے۔[4] یا پھر یہاں أَوْ تساوی کے لیے ہے (دونوں پہلو برابر ہیں) جیسا کہ مقولہ ہے: جَالِسِ الْحَسَنَ أَوِ ابْنَ سِيرِينَ حسن بصری کے پاس بیٹھو یا ابن سیرین کے'' ایک ہی بات ہے۔ یہ قول زمخشری کی بیان کردہ توجیہ کے مطابق ہے۔[5] جیسے اس محاورے کا یہ مفہوم ہے کہ ان دونوں میں سے جس کے پاس بھی بیٹھو، دونوں ہی ایک دوسرے کے مساوی ہیں اسی طرح یہاں أَوْ کے یہ معنی ہیں کہ ان کے لیے ان میں سے جو مثال بھی بیان کرو وہی ان کے حال کے عین مطابق ہے۔

تفسیر آیات: 22,21

توحید الوہیت: اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی الوہیت کی یکتائی کو بیان کرنا شروع فرمایا ہے کہ وہی منعم حقیقی ہے۔ اسی نے اپنے بندوں کو عدم سے وجود بخشا اور اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کی ان پر انتہا فرما دی، زمین کو ان کے لیے بچھونا بنا دیا اور اسے

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 59/1. [2] تفسیر الطبری: 232/1. [3] تفسیر الطبری: 216/1. [4] تفسیر القرطبی: 215/1.
[5] الکشاف: 81/1.

بلند و بالا پہاڑوں کے ساتھ مضبوط و مستحکم بنا دیا۔ ﴿ وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ﴾ ''اور آسمان کو چھت (بنا دیا۔)'' جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ○ ﴾ (الأنبياء21:32) ''اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا، اس پر بھی وہ ہماری نشانیوں سے منہ پھیر رہے ہیں۔''

﴿ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ ''اور اس نے آسمان سے مینہ برسایا۔'' یہاں آسمان سے مراد بادل ہے، یعنی جب بندوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ بارش نازل فرما دیتا ہے۔ اور بارش کے اس بابرکت پانی سے انواع و اقسام کی فصلوں اور پھلوں کو پیدا فرماتا ہے جو انسانوں کے لیے بھی اور ان کے جانوروں کے لیے بھی کھانے کے کام آتے ہیں جیسا کہ روزمرّہ کا مشاہدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن مجید کے کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ درج ذیل آیت کریمہ ان آیات میں سے اس آیت کے سب سے زیادہ مشابہ ہے: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾ (المؤمن40:64) ''اللہ ہی تو ہے جس نے زمین کو تمھارے لیے ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا اور تمھاری صورتیں بنائیں اور صورتیں بھی اچھی بنائیں اور تمھیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ یہی اللہ تمھارا پروردگار ہے، پس اللہ پروردگارِ عالم بہت ہی بابرکت ہے۔''

آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہی خالق، رازق اور دنیا اور اس کے رہنے والوں کی مالک ہے تو وہی اس بات کی مستحق ہے کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اسی لیے تو فرمایا: ﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿22﴾ ﴾ ''پس کسی کو اللہ کا ہمسر نہ بناؤ اور تم جانتے ہو۔''

صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا: [أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ] ''یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کا شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمھیں پیدا فرمایا ہے۔''[1] اسی طرح حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں ہے: [أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَى الْعِبَادِ؟ قَالَ: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: أَنْ يَّعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا] ''کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا اس کے بندوں پر کیا حق ہے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، فرمایا: یہ کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔''[2]

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: [لَا تَقُولُوا مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ فُلَانٌ، وَّلٰكِنْ قُولُوا: مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ] ''یہ نہ کہو جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یہ کہو: جو اللہ چاہے، پھر فلاں چاہے۔''[3]

وجود باری تعالیٰ کے دلائل: بہت سے مفسرین مثلاً: رازی وغیرہ نے اس آیت سے وجود باری تعالیٰ پر استدلال کیا ہے۔ یہ

---

① صحيح البخاري، التفسير، بابٌ:(2) ،حديث:4477 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب ......، حديث:86. ② صحيح البخاري، التوحيد، باب في دعاء النبي ﷺ أمته إلى توحيد الله تبارك وتعالى، حديث: 7373 و صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعًا،حديث:30. ③ سنن أبي داود،الأدب، باب، حديث:4980 و مسند أحمد:384/5 عن حذيفة بن اليمان رضي الله عنه.

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۚ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ

اور اگر تم اس (قرآن) کے متعلق شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا تو تم اس جیسی ایک سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے

مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿23﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوۡا النَّارَ الَّتِىۡ

مددگاروں کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو ﴿23﴾ چنانچہ اگر تم (یہ کام) نہ کر سکو اور تم کر بھی نہیں سکو گے، تو اس آگ سے بچو جس

وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿24﴾

کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور (وہ) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے ﴿24﴾

آیت واقعی بہترین انداز میں وجود باری تعالیٰ پر دلالت کناں ہے جو شخص بھی ان سفلی اور علوی موجودات، ان کی مختلف شکلوں، رنگوں اور طبیعتوں، ان کے فوائد اور منافع کی جگہ پر انھیں مضبوط و مستحکم انداز میں رکھنے پر غور کرے گا تو وہ یقیناً ان کے خالق کی قدرت، حکمت، علم واتقان اور عظیم بادشاہت کو جان لے گا جیسا کہ ایک اعرابی سے جب یہ پوچھا گیا کہ رب تعالیٰ کے وجود کی دلیل کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا تھا: سبحان اللہ! اگر مینگنی سے اونٹ معلوم ہو سکے اور نقش پا کی شوخی بتائے کہ یہاں سے کسی کا گزر رہا ہے تو کیا یہ برجوں والا آسمان، راستوں والی زمین اور موجیں مارتے ہوئے سمندر لطیف و خبیر ذات باری تعالیٰ کے وجود کی دلیل نہیں ہیں؟[1]

جو شخص بھی ان آسمانوں کی رفعت اور وسعت اور ان میں چھوٹے بڑے روشن تاروں، ثوابت (وہ ستارے جو سات سیاروں کے علاوہ ہیں) اور سیاروں، زمین کو چاروں طرف سے محیط سمندروں اور زمین اور اس کے ساکنین کے قرار و سکون کے لیے پیدا کیے گئے مختلف شکلوں اور رنگوں کے ان پہاڑوں پر غور کرے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيۡضٌ وَّحُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهَا وَغَرَابِيۡبُ سُوۡدٌ ○ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالۡاَنۡعَامِ مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ﴾ (فاطر 28,27:35) ''اور پہاڑوں میں سفید اور سرخ رنگوں کے قطعات ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں اور (بعض) کالے سیاہ ہیں، اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور چار پایوں کے بھی کئی طرح کے رنگ ہیں۔ اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں۔'' اسی طرح ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں بہنے والے یہ منفعت بخش دریا اور زمین میں پیدا کیے جانے والے مختلف انواع و اقسام کے حیوانات اور نباتات جن کے ذائقے، خوشبوئیں، شکلیں اور رنگ مختلف ہیں، حالانکہ یہ سب ایک ہی قسم کی مٹی اور پانی سے پیدا ہوتے ہیں، جو بھی ان اشیاء پر غور کرے گا تو وہ باری تعالیٰ کے وجود، اس کی عظیم قدرت و حکمت اور اپنی مخلوق کے ساتھ اس کے لطف و رحمت اور احسان کو معلوم کر لے گا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی پروردگار ہے۔ ﴿عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ ۖ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ ○﴾ (الشوریٰ 10:42) ''اسی پر میں بھروسا کرتا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔'' اس مضمون و مفہوم کی قرآن مجید میں اور بھی بہت زیادہ آیات ہیں۔[2]

تفسیر آیات: 24,23

① تفسیر الرازی: 91/2. ② مثلاً: دیکھیے الرعد: 13/2-4 و إبراهيم: 14/32-34 والحِجر: 15/19-23 والنحل: 16/4-18.

رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا اثبات: یہ ثابت کرنے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، نبوت و رسالت کو ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کافروں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ ﴾ ''اور اگر تم کو اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد عربی ﷺ) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اس طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ۔'' یعنی اگر تمھارا یہ گمان ہے کہ یہ کتاب غیر اللہ کی طرف سے ہے تو تم بھی اس کے مقابلے میں اس طرح کی کوئی کتاب لے آؤ اور اللہ کے سوا جس کی بھی چاہو اس سلسلے میں مدد لے لو لیکن تم کبھی بھی ایسا نہیں کر سکو گے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ﴿ شُهَدَآءَكُمْ ﴾ کے معنی أَعْوَانَكُمْ ''اپنے مددگار'' کے ہیں۔[1] سدی نے ابو مالک سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی شرکاء کے ہیں۔[2] یعنی کچھ دوسرے لوگوں کو بھی بلا لو جو اس سلسلے میں تمھاری مدد کریں، اپنے معبودانِ باطلہ کو ساتھ ملا لو کہ وہ تمھاری نصرت و اعانت کریں۔ مجاہد فرماتے ہیں: ﴿ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ایسے لوگوں کو بلا لو جو اس کی گواہی دیں۔[3] یعنی اپنے فصحاء و بلغاء کو بلا لو۔

چیلنج اور اعجاز: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر کافروں کو یہ چیلنج دیا ہے۔ سورۂ قصص میں فرمایا: ﴿ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ ﴾ (القصص 49:28) ''کہہ دیجیے: اگر سچے ہو تو تم اللہ کے پاس سے کوئی اور کتاب لے آؤ جو ان دونوں (کتابوں قرآن اور تورات) سے بڑھ کر ہدایت والی ہو تا کہ میں بھی اسی کی پیروی کروں۔'' سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: ﴿ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝ ﴾ (بنی إسرآءیل 88:17) ''کہہ دیجیے: اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لا سکیں گے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار رہوں۔'' سورۂ ہود میں فرمایا: ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ ﴾ (ہود 13:11) ''کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن از خود بنا لیا ہے؟ کہہ دیجیے: اگر سچے ہو تو تم بھی ایسی دس سورتیں بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس کو بھی (مدد کے لیے) بلا سکتے ہو بلا لو۔'' سورۂ یونس میں فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ ﴾ (یونس 38,37:10) ''اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے گھڑ لیا گیا ہو۔ ہاں، (ہاں یہ اللہ کا کلام ہے) جو (کتابیں) اس سے پہلے (کی) ہیں، ان کی تصدیق کرتا ہے اور انھی کتابوں کی (اس میں) تفصیل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں (کہ) یہ رب العالمین کی طرف سے (نازل ہوا) ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے؟ کہہ دیجیے: اگر سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکو بلا بھی لو۔'' یہ تمام آیات مکی ہیں۔

اسی طرح مدنی آیات میں بھی قرآن مجید نے یہ چیلنج دیا ہے۔ انھی مدنی آیات مبارکہ میں سے ایک یہ آیت کریمہ بھی ہے:

---

[1] تفسیر الطبری:241/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:64/1. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:64/1.

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ﴾ یعنی اگر تم کو اس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل کی ہے، کچھ شک ہو تو قرآن مجید کی ان سورتوں جیسی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ۔ مجاہد اور قتادہ کا یہی قول ہے کہ ﴿ مِّثْلِهٖ ﴾ میں ضمیر کا مرجع قرآن مجید ہے نبی ﷺ کی ذات گرامی نہیں۔[1] ابن جریر طبری، زمخشری اور رازی نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[2]

حضرت عمر، ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور حسن بصری اور اکثر محققین سے بھی امام رازی نے یہی نقل کیا ہے۔ اور اسے کئی وجوہ سے ترجیح دی ہے جن میں سے سب سے اچھی توجیہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے ان سب لوگوں کو انفرادی و اجتماعی طور پر چیلنج دیا، خواہ وہ ناخواندہ ہوں یا خواندہ اور چیلنج کی یہ صورت اس کی نسبت زیادہ کامل اور جامع ہے کہ یہ کہا جائے کہ محض ان ناخواندہ لوگوں کو چیلنج دیا گیا جو لکھنا نہیں جانتے تھے اور علم سے بالکل بے بہرہ تھے۔[3] اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ ﴾ (ھود 13:11) ''تم ایسی دس سورتیں بنا لاؤ۔'' اور یہ بھی فرمایا: ﴿ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ ﴾ (بنی إسرآءیل 88:17) ''(جن وانس مل کر بھی) ایسا قرآن نہ لا سکیں گے۔''

یہ چیلنج عام تھا اور سب کے لیے تھا، حالانکہ وہ تمام امتوں کی نسبت سب سے زیادہ فصیح و بلیغ تھے۔ قرآن مجید نے مکی و مدنی سورتوں میں انھیں کئی بار یہ چیلنج کیا مگر وہ اس چیلنج کو قبول نہ کر سکے، حالانکہ وہ قرآن کے شدید دشمن تھے اور دین اسلام سے انھیں شدید بغض تھا مگر قرآن کے اس چیلنج کو قبول کرنے سے وہ عاجز و قاصر تھے۔ اسی لیے تو فرمایا: ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا ﴾ ''اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے۔'' حرف لَنْ مستقبل میں ہمیشہ ہمیشہ کی نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے، لہٰذا اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم کبھی بھی ہرگز ایسا نہیں کر سکو گے۔ اور یہ ایک دوسرا معجزہ ہے اور قرآن نے بغیر کسی تردّد اور خوف کے ایک ایسی پکی سچی اور قطعی خبر دی کہ یہ لوگ کبھی بھی کسی وقت بھی قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اور امر واقع یہی ہے کہ قرآن کے نزول کے زمانے سے لے کر آج تک کوئی قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکا اور نہ قرآن کا مقابلہ کبھی ممکن ہوگا۔ اور یہ ممکن بھی ہو تو کیونکر کہ قرآن تو اس اللہ کا کلام ہے جو ہر چیز کا خالق ہے تو مخلوق کا کلام خالق کے کلام کے کس طرح مشابہ ہو سکتا ہے؟

اعجاز قرآن کے وجوہ و اسباب: جو شخص بھی قرآن مجید میں تدبر کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ ظاہری و باطنی اور لفظی و معنوی اعتبار سے اپنے دامن میں اعجاز کے کئی پہلو لیے ہوئے ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴾ (ھود 1:11) ''الٓرٰ۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور اللہ حکیم و خبیر کی طرف سے تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں۔'' یعنی اس کے الفاظ محکم اور معانی مفصّل ہیں یا اس کے الفاظ مفصل اور معانی محکم ہیں جیسا کہ ائمۂ تفسیر کے ہاں اس میں اختلاف ہے۔ بہر آئینہ اس کا ہر لفظ اور ہر معنی فصیح ہے کہ اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے ہر خیر کا حکم دیا اور ہر شر سے منع فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ﴾

---

[1] تفسیر الطبری: 240/1. [2] تفسیر الطبری: 240/1 والکشّاف: 99/1 وتفسیر الرازی: 118/2. [3] تفسیر الرازی: 118/2.

(الأنعام 115:6) ''اور آپ کے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔''یعنی ان باتوں میں بیان کی گئی خبریں سچی ہیں اور ان میں ارشاد فرمائے گئے احکام مبنی بر انصاف ہیں۔

بہر حال سارا قرآن حق، صدق، عدل اور ہدایت پر مبنی ہے، اس میں کوئی فضول بات ہے نہ کذب و افترا جیسا کہ اہل عرب اور دیگر کے اشعار میں جھوٹی اور فضول باتیں ہیں کہ ان کے بغیر ان کے شعر عمدہ ہو ہی نہیں سکتے جیسا کہ شعر کے بارے میں کہا گیا ہے: إِنَّ أَعْذَبَهُ أَكْذَبُهُ یعنی سب سے عمدہ شعر وہ ہوگا جو سب سے زیادہ جھوٹا ہوگا۔ آپ طویل سے طویل قصیدے کو دیکھ لیں کہ اس کے اکثر و بیشتر اشعار عورتوں، گھوڑوں اور شراب کی تعریف میں ہوں گے یا وہ کسی معین شخص یا گھوڑے یا ناقہ یا جنگ یا کسی واقعہ یا کسی خوف یا کسی درندے کی مدح میں یا متعین مشاہدات میں سے کسی چیز کے بارے میں ہوں گے کہ ان کا کوئی فائدہ نہیں، سوائے اس کے کہ ان سے کسی معین مخفی یا دقیق چیز کے بارے میں متکلم کی قدرت کلام کا پتا چلتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک مخفی چیز کو واضح کر دیا ہے، پھر آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ اس طرح کے قصیدوں میں ایک دو شعر ہی کام کے ہوتے ہیں اور باقی سب ایسی خرافات پر مبنی ہوتے ہیں جن میں کوئی معنویت نہیں ہوتی۔

اس کے مقابلے میں سارے کا سارا قرآن حد درجہ فصاحت و بلاغت کا حسین و جمیل مرقّع ہے۔ ہر اس شخص کے سامنے قرآن کا یہ پہلو بہت نمایاں اور واضح ہے جو کلامِ عرب کے تفصیل و اجمال کو جانتا اور اسلوبِ بیان کو پہچانتا ہے۔ اگر آپ قرآن کی خبروں پر غور کریں تو دیکھیں گے کہ ان میں حد درجہ حلاوت ہے، خواہ ان کو اجمال کے ساتھ بیان کیا گیا ہو یا تفصیل کے ساتھ، خواہ انھیں بار بار بیان کیا گیا ہو یا ایک ہی بار لیکن جیسے جیسے ان میں تکرار ہو اسی قدر ان میں حلاوت اور رفعت بڑھتی جاتی ہے، بار بار پڑھنے کے باوجود قرآن کی تازگی اور شادابی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ علماء اس سے کبھی نہیں اکتاتے۔ اگر اس میں وعید و تہدید کا بیان ہو تو اس سے ٹھوس اور جامد پہاڑوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے، بے چارے کمزور دل کس گنتی شمار میں؟ اگر قرآن کے وعدوں کو دیکھیں تو ان سے دل اور کان کھل جاتے ہیں، سلامتی کے گھر اور عرش الٰہی کے پڑوس میں رہنے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ۝ ﴾ (السجدة 17:32) ''کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان کے لیے آنکھوں کی کیسی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے، یہ ان کے اعمال کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ ٱلْأَنفُسُ وَتَلَذُّ ٱلْأَعْيُنُ ۖ وَأَنتُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ۝ ﴾ (الزخرف 71:43) ''اور اس میں جو جی چاہے اور جو آنکھوں کو اچھا لگے (موجود ہوگا) اور (اے اہل جنت!) تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔'' اور ترہیب کے طور پر فرمایا: ﴿ أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ ٱلْبَرِّ ﴾ (بنی إسرآء یل 68:17) ''کیا تم اس (اللہ) سے بے خوف ہو کہ تمھیں خشکی کی طرف (لے جا کر زمین میں) دھنسا دے؟'' اور فرمایا: ﴿ ءَأَمِنتُم مَّن فِي ٱلسَّمَآءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ ٱلْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ۝ أَمْ أَمِنتُم مَّن فِي ٱلسَّمَآءِ أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ ۝ ﴾ (الملك 17,16:67) ''کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے بے خوف ہو کہ تم کو زمین میں دھنسا دے اور وہ اس وقت حرکت کرنے لگے، کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے نڈر ہو کہ تم پر کنکر بھری ہوا چھوڑ دے، سو تم عنقریب جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے؟''

زجر و توبیخ کے طور پر فرمایا: ﴿ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ﴾ (العنکبوت 40:29) ''تو ہم نے سب کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا۔'' وعظ و نصیحت کے انداز میں فرمایا: ﴿ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:205-207) ''بھلا آپ دیکھیں تو! اگر ہم ان کو برسوں فائدے دیتے رہیں، پھر ان پر وہ (عذاب) آ واقع ہو جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، تو جو فائدے یہ اٹھاتے رہے ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔''

آپ کو قرآن مجید میں فصاحت، بلاغت اور حلاوت کی اس طرح کی بہت سی انواع و اقسام نظر آئیں گی۔ اگر آیات کا تعلق احکام، اوامر اور نواہی سے ہو تو یہ ہر معروف، اچھی، نافع، طیّب اور محبوب چیز کے حکم اور ہر قبیح، رذیل اور گھٹیا چیز سے ممانعت پر مشتمل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سلف میں سے کئی اور حضرات سے منقول ہے کہ آپ جب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنیں: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ (البقرۃ 2:104) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو!'' تو کان لگا دیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے کسی نیکی کا حکم دیا ہوگا یا کسی برائی سے منع فرمایا ہوگا۔[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ﴾ (الأعراف 7:157) ''وہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) انھیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان سے بوجھ اور طوق جو ان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے، اتارتے ہیں۔''

اگر آیات کا تعلق آخرت اور اس کی ہولناکیوں سے ہو، جنت و جہنم سے ہو اور ان نعمتوں اور لذتوں سے ہو جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کے لیے جنت میں تیار فرما رکھا ہے یا ان دردناک عذابوں سے ہو جنھیں جہنم میں اپنے دشمنوں کے لیے تیار کر رکھا ہے تو پھر یہ آیات بشارت سناتی، ڈراتی، نیک کاموں کے سرانجام دینے کی دعوت دیتی، برے کاموں سے اجتناب کرنے کی تلقین کرتی، دنیا سے بے رغبت کرتی اور آخرت کی ترغیب دلاتی ہیں۔ مثالی اور بہترین رستے پر ثابت قدم رکھتی اور اللہ کی صراط مستقیم اور اس کی شرع متین کی ہدایت کرتی اور دلوں سے شیطان مردود کی ناپاکی کو دور کرتی ہیں۔

قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم ترین معجزہ ہے: صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نَّبِيٍّ إِلَّا قَدْ أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَامِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَى اللّٰهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ] ''ہر نبی کو ایسے معجزات دیے گئے جنھیں دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لائے اور مجھے جو معجزہ عطا کیا گیا ہے، وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف نازل فرمائی ہے۔ مجھے امید ہے کہ روز قیامت میرے متبعین کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔''[2] یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔

اور اس حدیث کے الفاظ: [وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا] ''اور میرا معجزہ وحی ہے جو میں دیا گیا ہوں۔'' کا مفہوم یہ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 196/1. [2] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب: كيف نزل الوحي وأوّل ما نزل؟ حديث: 4981 وصحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبيّنا محمد ﷺ ...... ، حديث: 152، واللفظ له.

ہے کہ انبیائے کرام کی نسبت مجھے جس خاص معجزے سے سرفراز فرمایا گیا وہ یہ قرآن ہے جس کے مقابلے سے ساری انسانیت عاجز و قاصر ہے جبکہ بہت سے علماء کے نزدیک قرآن مجید کے علاوہ دیگر آسمانی کتابیں معجزہ نہ تھیں۔ واللہ أعلم.

اس معجزے کے علاوہ بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت وصداقت پر اور بھی بہت سے معجزات دلالت کناں ہیں جو احاطۂ شمار سے باہر ہیں۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

پتھروں سے کیا مراد ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴾ ''تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے (اور) وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔'' میں وَقُود واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس سے مراد وہ ایندھن وغیرہ ہے جس سے آگ جلائی جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝ ﴾ (الجنّ 15:72) ''اور لیکن جو ظالم ہیں، وہ دوزخ کا ایندھن ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾ (الأنبيآء 99,98:21) ''بے شک تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہو گے (اور) تم (سب) اس میں داخل ہو کر رہو گے، اگر یہ لوگ (درحقیقت) معبود ہوتے تو اس میں داخل نہ ہوتے، سب اس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔'' پتھروں سے یہاں گندھک کے بڑے بڑے سیاہ اور سخت بدبودار پتھر مراد ہیں، گرم ہونے کے بعد دیگر تمام پتھروں کی نسبت ان کی حرارت سب سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔[1] اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے محفوظ رکھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان پتھروں سے مراد بتوں اور مجسموں کے وہ پتھر ہیں جن کی پوجا پاٹ کی جاتی تھی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ ﴾ (الأنبيآء 98:21) ''بے شک تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، دوزخ کا ایندھن ہو گے۔''

﴿ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴾ ''جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔'' زیادہ واضح بات یہ ہے کہ اس سے مراد وہ آگ ہے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد پتھر ہوں۔ اور ان دونوں باتوں میں (ضمیر کا مرجع النار ہو یا الحِجارة) کوئی تضاد بھی نہیں کیونکہ (جہنم کی) آگ اور پتھر باہم لازم وملزوم ہیں۔ اس آگ کو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرنے والوں کے لیے تیار کیا گیا ہے جیسا کہ ابن اسحاق نے محمد (بن ابو محمد) سے اور انھوں نے عکرمہ سے یا جیسا کہ سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اسے ان تمام کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے جنھوں نے (اے کافرو!) تمھارے جیسے کفر کو اختیار کیا ہوگا۔[2]

جہنم اب بھی موجود ہے: بہت سے ائمۂ سنت نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ جہنم اب بھی موجود ہے کیونکہ ﴿ اُعِدَّتْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جسے تیار کیا گیا ہے، بہت سی احادیث سے بھی یہ ثابت ہے، مثلاً: ایک حدیث میں ہے کہ

① تفسير الطبری:244/1. ② تفسير الطبری:245/1.

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

اور ان لوگوں کو خوش خبری دے دیجیے جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کیے، یقیناً ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جب بھی

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ

انھیں اس میں سے کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے دیا گیا تھا اور ان کو اس سے ملتا جلتا (پھل بھی) دیا

وَلَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿25﴾

جائے گا اور ان کے لیے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے ﴿25﴾

[تَحَاجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ] ''جنت اور جہنم نے آپس میں جھگڑا کیا۔''[1] ایک اور حدیث میں ہے کہ [اِشْتَكَتِ النَّارُ إِلٰى رَبِّهَا، فَقَالَتْ : رَبِّ ! أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا ، فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ : نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ] ''جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی، چنانچہ عرض کی: اے میرے رب! میرے اپنے ہی بعض حصے نے بعض کو کھا لیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے ایک سردی کے موسم میں اور ایک گرمی کے موسم میں، دو سانس لینے کی اجازت عطا فرما دی۔''[2]

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک بہت زوردار آواز سنی تو دریافت فرمایا: [أَتَدْرُونَ مَا هٰذَا؟] ''کیا تم جانتے ہو یہ کس چیز کی آواز ہے؟'' کہتے ہیں کہ ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [هٰذَا حَجَرٌ رُّمِيَ بِهِ فِي النَّارِ مُنْذُ سَبْعِينَ خَرِيفًا فَهُوَ يَهْوِي فِي النَّارِ الْآنَ، حَتَّى انْتَهٰى إِلٰى قَعْرِهَا] ''یہ اس پتھر کی آواز ہے جسے ستر سال پہلے جہنم میں پھینکا گیا تھا تو وہ مسلسل گرتا رہا اب اس کے پیندے تک پہنچا ہے۔''[3] یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔

اسی طرح حدیث نماز کسوف،[4] حدیث شب معراج[5] اور بہت سی دیگر متواتر احادیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ جہنم اب بھی موجود ہے۔

تفسیر آیت:25

نیک مومنین کی جزا: جب اللہ تعالیٰ نے اُس عذاب اور سزا کا ذکر کیا جو اس نے اپنے دشمنوں، یعنی بدنصیب کافروں کے لیے

[1] صحيح البخاري، التفسير، (50) سورة ق، حديث:4850 وصحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب النار يدخلها الجبارون ......، حديث:2846 عن أبي هريرة رضي الله عنه. [2] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة، حديث:3260 وصحيح مسلم، المساجد، باب استحباب الإبراد بالظهر......، حديث:617 وجامع الترمذي، صفة جهنم، باب ماجاء أن للنار نفسين ......، حديث:2592 عن أبي هريرة رضي الله عنه. [3] صحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب جهنم ......، حديث:2844 ملحوظہ: یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے لیکن تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، نیز دیکھیے السلسلة الصحيحة:2165. [4] صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب إذا انفلتت الدابة في الصلاة، حديث:1212 وصحيح مسلم، الكسوف، باب صلاة الكسوف، حديث:(3)-901. [5] اس موضوع کی احادیث کو مفسر رحمہ اللہ نے سورۂ بنی إسرائیل کی ابتدا میں یکجا بیان کر دیا ہے۔

تیار کر رکھی ہے تو اب اس کے بعد اپنے ان دوستوں اور سعادت مند مومنوں کا تذکرہ شروع کر دیا ہے جنھوں نے اعمال صالحہ سے اپنے ایمان کی تصدیق کی۔ اور علماء کے صحیح قول کے مطابق قرآن مجید کو جو مَثَانِی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے تو اس کا یہی مفہوم ہے جیسا کہ اپنے مقام پر ہم اس کی تفصیل بیان کریں گے۔[1]

قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ جہاں ایمان کا ذکر ہو تو وہ اس کے بعد کفر کا بھی ذکر کرتا ہے اور اگر کفر کا ذکر ہو تو وہ اس کے بعد ایمان کا ذکر کرتا ہے۔ اسی طرح خوش نصیبوں کے بعد بدنصیبوں کا اور بدنصیبوں کے بعد خوش نصیبوں کا ذکر بھی کرتا ہے تاکہ ایک چیز کے ساتھ اس کے مقابل کا بھی ذکر کر دیا جائے۔ اور اگر ایک چیز کا ذکر کر کے اس کے ساتھ اس کی نظیر کا ذکر کیا جائے تو اسے مشابہت یا تشابہ کہا جاتا ہے جیسا کہ ہم عنقریب اسے بیان کریں گے، چنانچہ کافروں کی سزا کا ذکر کرنے کے بعد مومنوں کی جزا کا ذکر کرتے ہوئے یہاں فرمایا ہے: ﴿وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان کو خوش خبری سنا دیجیے کہ ان کے لیے (نعمت کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے جنت کے باغوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے نیچے یعنی ان کے درختوں اور بالا خانوں کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ جنت میں نہریں بہ رہی ہیں مگر ان میں کھائیاں نہیں ہیں۔[2] اسی طرح حدیث میں نہر کوثر کے بارے میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [حَافَتَاهُ قِبَابُ اللُّؤْلُؤِ الْمُجَوَّفِ، قُلْتُ: مَاهٰذَا يَاجِبْرِيلُ؟ قَالَ: هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِي أَعْطَاكَ رَبُّكَ، فَإِذَا طِيبُهُ۔ أَوْ طِينُهُ۔ مِسْكٌ أَذْفَرُ] ''اس کے دونوں کنارے سچے موتیوں کے قبے ہیں، میں نے کہا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ عرض کی: یہی وہ کوثر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہے۔ اور اس کی خوشبو یا اس کی مٹی خالص مشک ہے۔''[3] [وَحَصْبَاؤُهَا اللُّؤْلُؤُ وَالْيَاقُوتُ] ''اور جنت کی کنکریاں موتی اور ہیرے ہیں۔''[4] ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی جنت کی ان نعمتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ''بے شک وہی خوب احسان کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

ابن ابوحاتم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَنْهَارُ الْجَنَّةِ تَفَجَّرُ مِنْ تَحْتِ تِلَالِ - أَوْ مِنْ تَحْتِ جِبَالِ - الْمِسْكِ] ''جنت کی نہریں کستوری کے ٹیلوں یا اس کے پہاڑوں کے نیچے سے نکلتی ہیں۔''[5] ابن ابوحاتم ہی نے مسروق سے بھی روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جنت کی نہریں کستوری کے

[1] دیکھیے الحِجر، آیت:87 کے ذیل میں۔ [2] المصنف لابن أبي شيبة، الجنة، باب ماذكر في الجنة ......، حديث: 33948 و الترغيب والترهيب، فصل في أنهار الجنة ......، حديث:5482 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما موقوفا. [3] صحيح البخاري، الرقاق، باب في الحوض، حديث:6581 عن أنس رضی اللہ عنہ اور [اللؤلؤ] حديث:4964 میں ہے۔ [4] جامع الترمذي، صفة الجنة، باب ماجاء في صفة الجنة ونعيمها، حديث:2526. [5] تفسير ابن أبي حاتم:65/1 و صحيح ابن حبان، أخباره عن مناقب الصحابة، ذكر الموضع الذي يخرج منه أنهار الجنة:423/16، حديث:7408.

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ

یقیناً اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ وہ کوئی سی بھی مثال بیان کرے مچھر کی ہو یا اس سے بھی بڑھ کر (حقیر یا عظیم) ہو۔ پھر جو لوگ ایمان لائے وہ تو جانتے

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وقف لازم

ہیں کہ بے شک یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ لیکن جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں کہ ایسی مثالیں پیش کرنے سے اللہ کی مراد کیا ہے؟ اللہ اس

وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿26﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠

سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے اور وہ ان سے نافرمانوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا ﴿26﴾ جو لوگ اللہ کا عہد پکا کر لینے کے بعد اسے

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿27﴾

توڑتے ہیں اور جن (رشتوں) کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے انھیں کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں، وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں ﴿27﴾

پہاڑ سے نکلتی ہیں۔[1]

جنت کے پھلوں کی مشابہت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا ھٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ﴾ ’’جب انھیں ان میں سے کسی قسم کا میوہ کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا۔‘‘ ابن ابو حاتم نے یحییٰ بن ابو کثیر سے روایت کیا ہے کہ جنت کی گھاس زعفران ہے، اس کے ٹیلے کستوری کے ہیں، چھوٹے چھوٹے خوبصورت بچے، جنتیوں کے پاس پھل لے کر آئیں گے جنھیں وہ کھائیں گے، پھر اسی طرح کے اور پھل لے کر آئیں گے تو جنتی کہیں گے کہ یہ پھل تو تم ابھی ابھی لائے تھے؟ تو یہ لڑکے کہیں گے کہ نہیں انھیں بھی کھاؤ، رنگ ایک جیسا ہے مگر ذائقہ مختلف ہے، یہی معنی ہیں ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا﴾ کے۔[2] ابوجعفر رازی نے ربیع بن انس سے اور انھوں نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے کہ جنت کے پھل اگرچہ ایک دوسرے سے مشابہ ہوں گے مگر ان کا ذائقہ مختلف ہوگا۔[3] عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جنت کے پھل بھی اگرچہ دنیا کے پھلوں کے مشابہ ہوں گے مگر جنت کے پھل بہت عمدہ ہوں گے۔[4] سفیان ثوری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جنت کی کوئی شے دنیا کی کسی شے سے مشابہ نہیں ہوگی۔ ہاں، البتہ صرف ناموں کی مشابہت ہوگی۔[5] ایک روایت میں ہے کہ دنیا میں جنت کی کوئی چیز نہیں سوائے ان کے ناموں کے۔[6]

اہل جنت کی بیویاں پاک ہوں گی: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ﴾ کے بارے میں ابن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اہل جنت کی بیویاں گندگی اور ناپاکی سے پاک ہوں گی۔[7] مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ حیض، بول و براز، رینٹ، تھوک، منی اور نفاس وغیرہ سے پاک ہوں گی۔[8] قتادہ کا قول ہے کہ وہ بول و براز اور گناہ سے پاک ہوں گی۔[9]

① تفسیر ابن أبي حاتم:66/1. ② تفسیر ابن أبي حاتم:67/1. ③ تفسیر الطبري:250/1 و تفسیر ابن أبي حاتم:67/1.
④ تفسیر الطبري:251/1. ⑤ تفسیر الطبري:251/1. ⑥ تفسیر ابن أبي حاتم:66/1 و تفسیر الطبري:251/1. ⑦ تفسیر الطبري:253/1. ⑧ تفسیر الطبري:254/1. ⑨ تفسیر الطبري:254/1.

انھی سے ایک اور روایت میں ہے کہ وہ حیض ونفاس سے پاک ہوں گی۔[1] عطاء، حسن، ضحاک، ابوصالح، عطیہ اور سُدّی سے بھی یہی منقول ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ ''اور وہ بہشتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔'' اس سے مراد سعادت و کامرانی کی تکمیل ہے، یعنی وہ ان ابدی وسرمدی نعمتوں کے ساتھ ساتھ ایسے پرامن مقام میں ہوں گے جہاں موت کا خوف ہوگا نہ زندگی کے ختم ہو جانے کا ڈر کیونکہ وہاں زندگی کبھی ختم نہ ہوگی بلکہ ابدی وسرمدی نعمتوں کے ساتھ ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی نصیب ہوگی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بھی اپنے انھی بندوں میں شامل فرمالے۔ إِنَّهُ جَوَّادٌ كَرِيمٌ بَرٌّ رَّحِيمٌ.

تفسیر آیات:27,26

سدی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی یہ دو مثالیں بیان فرمائیں جن کا ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ﴾ (البقرة 2:18,17) اور فرمانِ الٰہی: ﴿ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ (البقرة 2:19) ان تین آیات میں ذکر ہے تو منافقوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بلند وبالا ہے کہ وہ اس طرح کی مثالیں بیان فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا۔'' سے ﴿ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ (البقرة 2:27,26) ''وہی ہیں خسارہ اٹھانے والے۔'' تک یہ دو آیتیں نازل فرمائیں۔[3] سعید نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق بیان کرتے ہوئے عار نہیں کرتا کہ وہ کسی بھی چیز کا ذکر کرے، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مکھی اور مکڑی کا ذکر کیا تو اہل ضلالت کہنے لگے کہ ان کے ذکر کرنے سے اللہ کی کیا مراد ہے؟ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ﴾[4]

دنیا کی مثال: ابوجعفر رازی نے ربیع بن انس سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مچھر اس وقت تک زندہ رہتا ہے جب بھوکا ہو جب وہ سیر ہو جائے تو مر جاتا ہے۔ ان لوگوں کا بھی یہی حال ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ مثال بیان فرمائی ہے کہ جب یہ دنیا سے خوب سیر ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں پکڑ لیتا ہے، پھر انھوں نے اس کی تائید میں اس آیت کریمہ کی تلاوت کی: ﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ (الأنعام 6:44) ''پھر جب انھوں نے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے۔''[5] تو اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے عار نہیں کرتا یا اس بات سے نہیں ڈرتا کہ وہ کسی چیز کی کوئی بھی مثال بیان فرمائے، خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی۔

﴿ فَمَا فَوْقَهَا ﴾ کے معنی ہیں کہ جو اس سے بڑھ کر ہو کیونکہ مچھر سے بڑھ کر چھوٹی اور حقیر چیز اور کیا ہوسکتی ہے؟ (اس کی

---

[1] تفسير الطبري:1/254. [2] تفسير ابن أبي حاتم:1/67. [3] تفسير الطبري:1/255 . [4] تفسير الطبري:1/256.
[5] تفسير الطبري:1/256.

تائیداس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو) امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُشَاكُ شَوْكَةً فَمَا فَوْقَهَا إِلَّا كُتِبَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ ، وَمُحِيَتْ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ] ''جس مسلمان کو بھی کوئی کانٹا چبھے یا اس سے بڑھ کر کوئی تکلیف پہنچے تو اسے اس کے بدلے میں ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور اس (کانٹے) کے عوض ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔''[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ مثال بیان کرنے کے لیے کسی بھی چیز کو حقیر نہیں سمجھتا، خواہ وہ مچھر جیسی حقیر اور چھوٹی سی چیز ہی کیوں نہ ہو۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اس کے پیدا کرنے میں کوئی عار نہیں رکھتا اسی طرح اس کے ساتھ مثال بیان کرنے میں بھی وہ کوئی عار نہیں سمجھتا۔

اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیات میں مکھی اور مکڑی کی مثال بیان فرمائی ہے: ﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ○﴾ (الحج 73:22) ''لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے غور سے سنو کہ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے اگرچہ اس کے لیے سب مجتمع ہو جائیں اور اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے جائے تو اسے اس سے چھڑا نہیں سکتے، طالب اور مطلوب (عابد اور معبود دونوں) گئے گزرے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۖ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○﴾ (العنکبوت 41:29) ''جن لوگوں نے اللہ کے سوا (اوروں سے) دوستی کر رکھی ہے، ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک (طرح کا) گھر بناتی ہے اور کچھ شک نہیں کہ تمام گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ کاش! یہ (اس بات کو) جانتے۔''

اسی طرح مثالیں بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۙ○ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ○ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ○ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙۗ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ○﴾ (إبراهيم 14:24-27) ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ (اسلام) کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے؟ (وہ ایسی ہے) جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط (زمین کو پکڑے ہوئے) ہو اور شاخیں آسمان میں، اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا (اور میوے دیتا) ہو اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔ اور کلمۂ خبیثہ (کفر و شرک) کی مثال ناپاک درخت کی سی ہے (نہ جڑ مستحکم نہ شاخیں بلند) زمین کے اوپر ہی سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے، اس کو ذرہ برابر قرار (وثبات) نہیں۔ اللہ مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) پکی بات سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (رکھے گا۔) اور اللہ بے انصافوں کو

[1] صحیح مسلم، البرّ والصلة، باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض ......، حديث:2572 .

گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

اور فرمایا: ﴿ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (النحل 75:16) "اللہ مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک غلام ہے جو (بالکل) دوسرے کے اختیار میں ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور دوسرا وہ جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق دیا، چنانچہ وہ اس میں سے خفیہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے۔ کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں؟ تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے بلکہ اکثر لوگ نہیں جانتے۔" پھر فرمایا: ﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ﴾ (النحل 76:16) "اور اللہ (ایک اور) مثال بیان فرماتا ہے کہ دو آدمی ہیں ایک ان میں سے گونگا (اور دوسرے کی ملک) ہے (بے اختیار و ناتواں) کہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور اپنے مالک پر ایک بوجھ ہے، وہ جہاں کہیں اسے بھیجتا ہے کبھی خیر اور بھلائی نہیں لاتا۔ کیا ایسا (گونگا بہرا) اور وہ شخص جو (سنتا بولتا اور) لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور خود سیدھے رستے پر چل رہا ہے، دونوں برابر ہیں؟" اور فرمایا: ﴿ ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ (الروم 28:30) "وہ تمھارے لیے تمھارے ہی حال کی ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ بھلا جن (لونڈی غلاموں) کے تم مالک ہو وہ اس (مال) میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے، تمھارے شریک ہیں؟"

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ ﴾ کے بارے میں مجاہد فرماتے ہیں کہ ان سے مراد چھوٹی بڑی مثالیں ہیں جن کے ساتھ مومن ایمان رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ ان کے پروردگار کی طرف سے سچ ہیں، اللہ تعالیٰ ان مثالوں کے ساتھ انھیں ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے۔[1]

سدی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ﴿ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ ﴾ "گمراہ کرتا ہے اس سے بہتوں کو۔" کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ منافقوں کو گمراہ کرتا اور مومنوں کو ہدایت عطا فرماتا ہے۔ اس سے منافقوں کی ضلالت و گمراہی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مناسب حال جو مثال بیان فرمائی ہوتی ہے، اس سے انھیں حق اور یقین کا علم تو ہو جاتا ہے مگر وہ علم کے باوجود اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے ان کو گمراہ کرنے کے۔

﴿ وَّيَهْدِيْ بِهٖ ﴾ اور اللہ اس کے ساتھ، یعنی اس مثال کے ساتھ ہدایت بخشتا ہے ﴿ كَثِيْرًا ؕ ﴾ بہت سے اہل ایمان و تصدیق کو کہ اس سے ان کے ایمان اور ہدایت میں اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مناسب حال جو مثال بیان فرمائی ہوتی ہے، اس سے انھیں جس حق اور یقین کا علم ہوتا ہے، اس کی وہ تصدیق اور اقرار کرتے ہیں اور یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 68/1.

کے انھیں ہدایت بخشنے کے۔[1]

﴿ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴾ ''اور گمراہ بھی کرتا ہے تو نافرمانوں ہی کو۔'' فاسقوں سے یہاں مراد منافق ہیں۔[2] عربی میں فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ چھلکا ہٹا کر خوشہ باہر نکل آیا۔ چوہیا کو بھی فُوَیْسِقَةٌ اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ خرابی کرنے کے لیے اپنے بل سے باہر نکل آتی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خَمسٌ فَوَاسِقُ يُقْتَلْنَ فِي (الْحِلِّ وَ) الْحَرَمِ :اَلْفَأْرَةُ، وَالْعَقْرَبُ، وَالْحُدَيَّا، والْغُرَابُ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ] ''پانچ جانور شریر اور موذی ہیں، انھیں (حرم سے باہر بھی اور) حرم میں بھی قتل کر دیا جائے: (1) چوہیا (2) بچھو (3) چیل (4) کوا (5) اور باؤلا کتا۔''[3]

فاسق کا لفظ کافر اور گناہ گار دونوں کو شامل ہے لیکن کافر کا فسق زیادہ شدید اور انتہائی قبیح ہوتا ہے۔ اس آیت میں فاسق سے مراد کافر ہی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں فاسقوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ ''جو اللہ کے قرار کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس چیز (رشتۂ قرابت) کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، اس کو قطع کر ڈالتے ہیں اور زمین میں خرابی کرتے ہیں، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔'' یہ کافروں کی صفات ہیں جبکہ مومنوں کی صفات ان کے برعکس ہوتی ہیں جیسا کہ سورۂ رعد میں ہے: ﴿ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۙ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۙ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ؕ ﴾ (الرعد13:19-21) ''بھلا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے حق ہے وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہے؟ اور سمجھتے تو وہی ہیں جو عقل مند ہیں جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور قول و قرار کو نہیں توڑتے اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ان کو جوڑے رکھتے اور اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے اور برے حساب سے خوف رکھتے ہیں۔'' اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴾ (الرعد13:25) ''اور جو لوگ اللہ سے عہد واثق کر کے اس کو توڑ ڈالتے اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، ان کو قطع کر دیتے اور زمین میں فساد کرتے ہیں ایسوں پر لعنت ہے اور ان کے لیے گھر بھی برا ہے۔''

وہ عہد جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فاسق اسے توڑ دیتے ہیں، اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کو تاکیدی حکم ہے، یعنی اطاعت کا حکم اور معصیت سے مکمل اجتناب جو اس نے اپنی کتابوں اور اپنے رسولوں کی زبانی فرمایا ہے

---

[1] تفسیر الطبری:261/1. [2] تفسیر الطبری:262/1. [3] صحیح البخاری، بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب ......، حدیث:3314 و صحیح مسلم، الحج، باب ماىندب للمحرم......، حدیث:1198. اور [الْحِلِّ] صحیح بخاری میں نہیں ہے۔

اور عہد کے توڑنے سے مراد اس کے مطابق عمل نہ کرنا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے کافروں اور منافقوں کے بارے میں ہے۔ اور عہد سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے لیا کہ وہ تورات کے مطابق عمل کریں گے اور جب حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوں تو وہ آپ کی اتباع کریں گے اور آپ اپنے رب کے پاس سے جس دین وشریعت کو لائیں اس کی تصدیق کریں گے۔ اور عہد کو توڑنے سے مراد ان کا آپ کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود آپ کا انکار کرنا اور لوگوں سے اسے چھپانا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ یہ لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور اسے نہیں چھپائیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ انھوں نے اسے پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت سے تمام کافر، مشرک اور منافق مراد ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب سے جو عہد لیا وہ توحید کے بارے میں ہے کہ اپنی ربوبیت کی نشانیاں اور دلائل اس نے اس کائنات میں پھیلا دیے ہیں، نیز امر ونہی کے بارے میں ان سے عہد لیا اور اپنے رسولوں کے ان معجزات کے ذریعے سے اس کے دلائل قائم فرمائے کہ جن کا جواب لانا کسی اور انسان کے بس میں نہیں اور وہ انبیاء علیہم السلام کی صداقت کی دلیل بھی ہیں۔

اور عہد کو توڑنے سے مراد اس قرار کو ترک کرنا ہے جس کا صحیح ہونا دلائل سے واضح ہے، نیز اس سے مراد رسولوں اور کتابوں کی تکذیب ہے، حالانکہ انھیں علم تھا کہ انبیاء جس چیز کو لائے ہیں وہ حق ہے۔ مُقاتِل بن حَیّان سے بھی اسی طرح روایت ہے۔[1] اور یہ حسن ہے۔ زمخشری کا بھی اسی طرف میلان ہے۔[2] ﴿ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ ﴾ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد صلہ رحمی اور قرابتوں کو ملانا ہے۔ قتادہ نے بھی اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔[3] اور حسب ذیل آیت کریمہ سے اس کی تائید ہوتی ہے: ﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ○ ﴾ (محمد 22:47) ''(اے منافقو!) تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو زمین میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو۔'' ابن جریر نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔[4] اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت عموم پر مبنی ہے کہ ہر وہ چیز جس کے ملانے اور سرانجام دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا انھوں نے اسے توڑ دیا اور ترک کر دیا۔[5]

خسران سے کیا مراد ہے؟ مُقاتل بن حَیّان نے ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد آخرت کا خسارہ ہے۔[6] یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ○ ﴾ (الرعد 25:13) ''ایسوں پر لعنت ہے اور ان کے لیے گھر بھی برا ہے۔'' ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کی طرف منسوب کیا ہے، مثلاً: خسران وغیرہ تو اس سے مراد کفر ہے اور جسے اہل اسلام کی طرف منسوب کیا ہے تو اس سے مراد گناہ ہے۔[7]

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:72/1. [2] الکشاف:120/1. [3] تفسیر الطبری:266/1. [4] تفسیر الطبری:266/1. [5] تفسیر الطبری:266/1. [6] تفسیر ابن أبي حاتم:73/1. [7] تفسیر الطبری:267/1.

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ

تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو؟ حالانکہ تم مردہ تھے، پھر اس نے تمھیں زندہ کیا، پھر تمھیں موت دے گا، پھر وہی تمھیں زندہ کرے گا، پھر اسی کی

تُرْجَعُوْنَ ﴿28﴾

طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿28﴾

ابن جریر کہتے ہیں: ﴿ الْخٰسِرُوْنَ ﴿27﴾ ﴾ خاسر کی جمع ہے، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے حصوں کو کم کر لیتے ہیں۔ جس طرح کہ کوئی شخص تجارت میں نقصان اٹھا کر اپنے اصل سرمایہ ہی کو کم کر لیتا ہے۔ اسی طرح کافر ومنافق کو اللہ تعالیٰ جب محروم کرتا ہے تو وہ بھی اس رحمت کو کم کر لیتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قیامت میں اپنے بندوں کے لیے تیار فرمایا ہے، حالانکہ انھیں اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کی سخت ضرورت ہوگی اسی سے ہے: خَسِرَ الرَّجُلُ ''آدمی نے نقصان اٹھایا۔'' يَخْسَرُ خَسْرًا وَّخَسَارًا جیسا کہ جریر بن عطیہ نے کہا ہے:

إِنَّ سَلِيطًا فِي الْخَسَارِ إِنَّهُ ۔۔۔ أَوْلَادُ قَوْمٍ خُلِقُوا أَقِنَّهُ

''یقیناً (قبیلہ) بنوسلیط نقصان اور گھاٹے میں ہے کیونکہ وہ (اہل قبیلہ) ایسی قوم کے بیٹے ہیں جو نسل در نسل غلام ہی پیدا کیے گئے ہیں۔''[1]

تفسیر آیت:28

اللہ تعالیٰ اپنے وجود وقدرت کی دلیل دیتے ہوئے اور اس بات کو بیان کرتے ہوئے کہ وہی اپنے بندوں کا خالق اور ان میں تصرف کرنے والا ہے، ارشاد فرماتا ہے: ﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ یعنی تم اللہ کے وجود کا کس طرح انکار کر سکتے ہو یا تم اس کے ساتھ کسی اور کی کس طرح عبادت کر سکتے ہو؟ ﴿ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ﴾ ''حالانکہ تم بے جان تھے اس نے تم کو زندگی بخشی۔'' یعنی اس ذات گرامی نے تمھیں عدم سے وجود بخشا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ؃ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ؃ ﴾ (الطور 52:35,36) ''کیا یہ کسی کے پیدا کیے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود (اپنے آپ کو) پیدا کرنے والے ہیں یا انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ یقین ہی نہیں رکھتے۔'' اور فرمایا: ﴿ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝ ﴾ (الدھر 76:1) ''بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی گزر چکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔'' اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

ابن جریج نے عطاء سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تم مردہ تھے اور اپنے آباء واجداد کی پشتوں میں تھے اور تم کچھ نہ تھے کہ اس نے تمھیں زندگی بخشی، پھر تمھیں موت دے گا، پھر بعث کے وقت زندہ کرے گا، یہ آیت ایسے ہی ہے جس طرح یہ آیت کریمہ ہے: ﴿ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ ﴾ (المؤمن 40:11) ''تو نے ہم کو دو دفعہ بے جان کیا اور دو دفعہ جان بخشی۔''[2]

[1] تفسیر الطبری: 1/267. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 1/73.

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ

وہی ہے (اللہ) جس نے تمھارے لیے پیدا کیا سب کا سب جو کچھ زمین میں ہے، پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، پھر ٹھیک کرکے سات آسمان بنا

وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿29﴾

دیے، اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿29﴾

تفسیر آیت: 29

دلائل قدرت کا بیان: اللہ تعالیٰ نے پہلے اس دلیل کو ذکر کیا کہ اس نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا ہے اور یہ ایک ایسی دلیل ہے جس کا وہ اپنے نفسوں میں مشاہدہ کررہے ہیں۔ اور اس کے بعد ایک اور دلیل کو ذکر فرمایا جس کا وہ آسمان وزمین کی تخلیق میں مشاہدہ کررہے ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ﴾ ''وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمھارے لیے پیدا کیں، پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو ان کو ٹھیک سات آسمان بنادیا۔'' ﴿ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ﴾ کے معنی ہیں کہ پھر اس نے آسمان کی طرف قصد کیا۔ ﴿فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ﴾ یعنی سات آسمان بنادیے۔

﴿السَّمَآءِ﴾ کا لفظ یہاں اسم جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے، اسی لیے (جمع مؤنث کی ضمیر آئی ہے، چنانچہ) فرمایا: ﴿فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ﴾ ''پھر ٹھیک کرکے سات آسمان بنادیے۔'' ﴿وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿29﴾﴾ یعنی اس کا علم اپنی تمام مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ﴾ (الملك 14:67) ''بھلا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے؟''

تخلیق کائنات کی ابتدا: اس آیت کریمہ کی تفصیل سورۂ حٰم سجدہ کی حسب ذیل آیات میں بیان کی گئی ہے: ﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ○ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ○ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○﴾ (حٰم السجدة 41:9-12) ''(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: کیا تم اس سے انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا اور شرکاء کو اس کے مقابل بناتے ہو؟ وہی تو سارے جہان کا مالک ہے۔ اور اسی نے اس (زمین) میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور اس (زمین) میں برکت رکھی اور اس میں سامان معیشت مقرر کیا (یہ کام) چار دن میں (ہوا اور تمام) طلب گاروں کے لیے یکساں (جواب ہوگیا)، پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ خوشی سے، خواہ ناخوشی سے انھوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں، پھر دو دنوں میں سات آسمان بنائے اور ہر آسمان میں اس (کے کام) کا حکم بھیجا۔ اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے مزین کیا اور (شیطانوں سے) محفوظ رکھا۔ یہ زبردست (اور) خبردار کے (مقرر کیے ہوئے) اندازے ہیں۔''

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے زمین کو پیدا فرمایا، پھر سات آسمانوں کو۔ اور کسی عمارت کو بنانے کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ پہلے اس کی بنیادیں استوار کی جاتی ہیں، پھر اس کا بالائی حصہ تعمیر کیا جاتا ہے۔ مفسرین نے بھی اس کی صراحت کی ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ اس کا عنقریب ذکر کریں گے۔[1] اور جہاں تک حسب ذیل آیات کا تعلق ہے: ﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ۟ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ۟ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ۟ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ۟ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۟ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۟ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۟﴾ (النّٰزعٰت 79:27-33) ''بھلا تمھارا بنانا مشکل ہے یا آسمان کا؟ جسے اسی نے بنایا، اس کی چھت کو اونچا کیا، پھر اسے برابر کر دیا۔ اور اسی نے رات تاریک بنائی اور (دن کو) دھوپ نکالی۔ اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا۔ اسی نے اس میں سے اس کا پانی نکالا اور چارا اگایا۔ اور اس پر پہاڑوں کا بوجھ رکھ دیا۔ یہ سب کچھ تمھارے اور تمھارے چارپایوں کے فائدے کے لیے (کیا۔)'' اس میں پہلے آسمان کی تخلیق کا ذکر ہے۔ تو اس آیت کے پیش نظر ﴿ثُمَّ اسْتَوٰٓى﴾ میں ثُمَّ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہاں حرف عطف ثُمَّ خبر کے خبر پر عطف کے لیے ہے، فعل کے فعل پر عطف کے لیے نہیں ہے۔ (مگر جس موقف کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اختیار کیا ہے وہ بہتر ہے) جسے علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (کہ قرآن میں ایک جگہ آسمان سے پہلے زمین کی تخلیق کا ذکر ہے اور دوسری جگہ زمین سے پہلے آسمان کی تخلیق کا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہموار کر کے بچھائے بغیر آسمان کی تخلیق سے قبل زمین کو پیدا فرمایا، پھر آسمان کی تخلیق کے بعد زمین کو ہموار کر کے بچھا دیا۔)[2]

زمین کی آسمانوں سے پہلے پیدائش: مجاہد نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا فرمایا ہے۔ اس نے جب زمین کو پیدا فرمایا تو اس سے دھواں اٹھا، اسی لیے تو اس نے فرمایا: ﴿ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:11) ''پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا۔'' ﴿فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ﴾ ''ان کو ٹھیک سات آسمان بنا دیا۔'' انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آسمان ایک دوسرے کے اوپر ہیں اور سات زمینیں ایک دوسری کے نیچے ہیں۔[3] یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ سورۂ حٰمٓ سجدہ کی ان آیات میں بیان فرمایا ہے جن کا قبل ازیں حوالہ دیا جا چکا ہے۔[4] قرآن مجید کے یہ دونوں مقامات اس بات کی دلیل ہیں کہ زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

زمین کو آسمانوں کی تخلیق کے بعد پھیلایا گیا ہے: صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب اس کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بھی یہی فرمایا کہ زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا گیا۔ ہاں، البتہ زمین کو پھیلایا آسمان کی تخلیق کے بعد ہے۔[5] سابقہ اور موجودہ دور کے بہت سے علمائے تفسیر نے بھی اس کا یہی جواب دیا ہے۔ ہم نے سورۂ نازعات کی تفسیر

---

① دیکھیے بعد والا عنوان: ''زمین کی آسمانوں سے پہلے پیدائش'' ② تفسیر الطبری: 281/1. ③ تفسیر الطبری: 281,280/1.
④ دیکھیے اس سے پہلا عنوان: ''تخلیق کائنات کی ابتدا'' ⑤ صحیح البخاری، التفسیر، سورة حٰمٓ السجدة: (41)، قبل الحدیث: 4816.

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ

اور (یاد کرو) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا: بیشک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انھوں نے کہا: کیا تو زمین میں اس کو بنائے گا

فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ

جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا؟ اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا: بے شک میں

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿30﴾

وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ﴿30﴾

میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔ زمین کے پھیلانے کا ذکر ان آیات میں ہے: ﴿ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ؕ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ۪ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۙ﴾ (النّٰزعٰت 79:30-32) ”اور اس کے بعد زمین کو پھیلا دیا۔ اسی نے اس میں سے اس کا پانی نکالا اور چارا اگایا۔ اور اس پر پہاڑوں کا بوجھ رکھ دیا۔“

زمین کے پھیلانے کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں جس قدر بھی صلاحیتیں ودیعت تھیں ان کو عملی شکل دے دی گئی، یعنی جب ارضی کے بعد سماوی مخلوقات کی صورت مکمل ہوگئی تو اس کے بعد زمین کو پھیلایا اور اس میں جو پانی رکھا گیا تھا، اسے نکالا اور اس سے مختلف انواع واقسام اور مختلف رنگوں اور شکلوں کی نباتات پیدا ہوئیں۔ اسی طرح جب یہ اجرام سماوی مدار حرکت میں آئے تو اس سے تمام ثوابت (وہ ستارے جو سات سیاروں کے علاوہ ہیں) اور سیارے گردش میں آ گئے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی أَعْلَمُ.

تفسیر آیت: 30

فرشتوں کے سامنے آدم اور ان کی اولاد کی خلافت کا ذکر اور ان کا جواب: اللہ تعالیٰ بنی آدم پر اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے انھیں پیدا کرنے سے بھی پہلے ان کا ملأ اعلیٰ میں ذکر فرمایا: ﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ ﴾ یعنی اے نبی! اس وقت کو یاد کریں اور اپنی قوم کو یہ قصہ سنائیں جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا: ﴿ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ ﴾ ”بے شک میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔“ یعنی ایک ایسی قوم جو قرناً بعد قرنٍ اور نسلاً بعد نسلٍ ایک دوسرے کے بعد آئے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ الْاَرْضِ ﴾ (الأنعام 6:165) ”اور وہی تو ہے جس نے تمھیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا۔“ ﴿ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ﴾ (النمل 27:62) ”اور (کون) تم کو زمین میں (اگلوں کا) جانشین بناتا ہے؟“ ﴿ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓىِٕكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 43:60) ”اور اگر ہم چاہتے تو تمھارے عوض فرشتے بنا دیتے جو (تمھاری جگہ) زمین میں رہتے۔“ ﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ﴾ (مریم 19:59) ”پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے۔“

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس (نائب بنانے) سے متعین طور پر حضرت آدم علیہ السلام مراد نہ تھے۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام مراد ہوتے تو پھر فرشتوں کی یہ بات مناسب نہ تھی کہ ﴿ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ ﴾ ”کیا تو اس (زمین) میں ایسے شخص کو پیدا کرنا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت وخون کرتا پھرے۔“ فرشتوں کا خیال تھا کہ جنس انسان میں بعض افراد

ایسے ہوں گے جو گشت وخون کریں گے۔ اوران کو یہ بات کسی خاص ذریعے سے معلوم ہوئی یا انسانی طبیعت کے پیش نظر معلوم ہوا کیونکہ انھیں بتایا گیا تھا کہ یہ گوندھی ہوئی، سڑی ہوئی، بدبودار مٹی سے پیدا کیا جائے گا، یا پھر لفظ ﴿ خَلِيفَةً ﴾ کے مفہوم سے انھوں نے سمجھا کہ یہ خود ہی لوگوں کے درمیان واقع ہونے والے جھگڑوں کا فیصلہ کرے گا، مظالم کی روک تھام کرے گا اور حرام کاموں اور گناہ کی باتوں سے روکے گا۔

ان کی یہ بات اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہوئے یا بنی آدم سے حسد کی بنا پر نہ تھی جیسا کہ بعض مفسرین کو وہم ہوا ہے، حالانکہ وہ تو ایسی مخلوق ہیں کہ جس کے متعلق ان کو اجازت مرحمت نہ ہو تو سوال ہی نہیں کرتے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ان کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ وہ زمین میں فساد برپا کریں گے تو اسی بنا پر فرشتوں نے کہا: ﴿ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ﴾ [1] فرشتوں کا یہ سوال اس مخلوق کی تخلیق میں جو حکمت کارفرما تھی، اسے معلوم کرنے کے لیے تھا، یعنی فرشتوں نے عرض یہ کی کہ اے اللہ! اس مخلوق کے پیدا کرنے میں حکمت کیا ہے؟ حالانکہ اس میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو خرابیاں اور زمین میں کشت وخون کریں گے۔ [2] اگر اسے پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے کہ وہ تیری عبادت کرے تو ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں، یعنی ہم تیری نماز پڑھتے ہیں جیسا کہ یہ تفسیر آگے بیان کی جائے گی۔ [3] اور تیری نافرمانی کی بھی کوئی چیز ہم سے صادر نہیں ہوتی تو پھر ہمیں پر اکتفا کیوں نہیں کیا جاتا؟

اللہ تعالیٰ نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرشتوں سے فرمایا: ﴿ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ ﴾ ''بے شک میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔'' یعنی میں جانتا ہوں کہ اس مخلوق کے پیدا کرنے میں کیا مصلحت ہے جو ان مفاسد کی نسبت زیادہ راجح ہے جن کا تم نے ذکر کیا ہے۔ اور تم اس مصلحت کو نہیں جانتے کہ میں ان میں انبیاء پیدا کروں گا، میں ان میں اپنے رسولوں کو مبعوث کروں گا، ان میں صدیقین، شہداء، صالحین، عُبّاد، زُہّاد، اولیاء، ابرار، مقربین، علماء، عاملین، مجھ سے ڈرنے والے، مجھ سے محبت کرنے والے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی اتباع کرنے والے بھی ہوں گے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ فرشتے جب رب تعالیٰ کے پاس اس کے بندوں کے اعمال لے کر جاتے ہیں، [فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَقَالُوا: تَرَكْنَاهُمْ يُصَلُّونَ وَأَتَيْنَاهُمْ يُصَلُّونَ] ''تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ ہم جب ان کے پاس سے آئے ہیں تو اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ اور جب ان کے پاس گئے تھے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔'' یہ اس لیے کہ فرشتے ہمارے پاس نماز فجر وعصر میں آتے اور جاتے ہیں، کچھ فرشتے آتے ہیں اور دوسرے اعمال لے کر چلے جاتے ہیں [4]

---

[1] تفسير الطبري:295/1. [2] تفسير الطبري:289/1. [3] اس کی وضاحت مفصل تفسیر ابن کثیر میں اسی آیت کے ذیل میں ہے، نیز دیکھیے تفسير القرطبي:277/1 و تفسير عبدالرزاق:265/1، رقم:37 . [4] ملخص از صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة صلوات الله عليهم، حديث:3223 و صحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاتي الصبح والعصر......، حديث:632 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ، وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ] ''رات کا عمل دن کے عمل سے پہلے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے۔''[1] فرشتوں کا یہ کہنا: ''ہم جب ان کے پاس سے آئے ہیں تو اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کے پاس گئے تھے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔'' یہ ﴿ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ ﴾ کی تفسیر ہے۔

ایک قول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ ﴾ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے تو ان کے بارے میں یہ ذکر کیا ہے لیکن ان کے پیدا کرنے میں جو حکمت ہے اسے تم نہیں جانتے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ فرشتوں نے جب یہ کہا: ﴿ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ ﴾ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ ﴾ یعنی یہ کہ تم میں ابلیس بھی موجود ہے اور وہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ تم نے اپنے بارے میں بیان کیا ہے۔

اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرشتوں نے یہ جو کہا: ﴿ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ ﴾ تو ضمناً اللہ تعالیٰ سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ انسانوں کے بجائے انھیں زمین میں بسا دے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ ﴾ کہ تمھارا آسمانوں میں موجود رہنا ہی تمھارے لیے زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔ یہ اور اس طرح کے دیگر کئی جوابات امام رازی نے اپنی تفسیر میں بیان کیے ہیں۔[2] واللہ أعلم.

خلیفہ کے تقرر کا وجوب اور بعض مسائل خلافت: قرطبی اور کئی دیگر مفسرین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ خلیفہ کا تقرر واجب ہے تاکہ اختلاف کی صورت میں وہ لوگوں کا فیصلہ کر سکے، ان کے تنازعات کا تصفیہ کرے، مظلوم کی ظالم سے داد رسی کرے، حدود کو قائم کرے، فواحش و منکرات کے ارتکاب سے منع کرے اور ان تمام اہم امور کو سرانجام دے جنھیں امام کے بغیر سرانجام دینا ممکن نہیں ہے۔ اور جس کے بغیر واجب ادا نہ ہو سکتا ہو وہ بھی واجب ہوتا ہے۔

امامت یا تو بطور نص حاصل ہوتی ہے جیسا کہ اہل سنت کی ایک جماعت کا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں قول ہے کہ ان کی امامت منصوص علیہ ہے[3] یا یہ اشارہ سے ثابت ہوتی ہے جیسا کہ اہل سنت کی ایک دوسری جماعت کا قول ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت کے بارے میں نص تو نہیں، البتہ اشارے بہت سے موجود ہیں یا امامت اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ پہلا خلیفہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ مقرر کر دے جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر دیا تھا یا نیک لوگوں پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ بنا دی جائے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا یا اہل حل وعقد کا کسی ایک کی بیعت کرنے پر اتفاق ہو جائے یا ان میں سے کوئی کسی کی بیعت کر لے تو جمہور کے نزدیک اسے تسلیم کرنا واجب ہو جائے گا۔

یہ بھی واجب ہے کہ خلیفہ مرد، آزاد، بالغ، عاقل، مسلمان، عادل، مجتہد، بینا، سلیم الأعضاء، فنون جنگ سے باخبر، صاحب

---

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب في قوله: إن الله لا ينام ......، حدیث:179 عن أبي موسى الأشعري رضی اللہ عنہ. [2] تفسیر الرازي:174/1. [3] منهاج السنة النبوية لابن تيمية، الأحاديث الدالّة على ثبوت خلافة أبي بكر رضی اللہ عنہ:138/1.

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ

اور اس نے آدم کو سب کے سب نام سکھا دیے، پھر انھیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ ⑶١ انھوں نے کہا: تو

صٰدِقِيْنَ ﴿31﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿32﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ

پاک ہے، ہمیں علم نہیں سوائے اس کے جو تو نے ہمیں سکھا دیا، بے شک تو ہی خوب جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے ⑶٢ اللہ نے کہا: اے آدم! تو انھیں

اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ

ان چیزوں کے نام بتا دے، چنانچہ جب اس نے انھیں ان چیزوں کے نام بتا دیے تو اللہ نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک میں آسمانوں

وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿33﴾

اور زمین کے غیب جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو ⑶٣

رائے اور صحیح قول کے مطابق قریشی ہو، البتہ یہ شرط نہیں ہے کہ وہ ہاشمی بھی ہو اور معصوم عن الخطاء بھی ہو جیسا کہ غالی رافضیوں کا قول ہے۔

اگر امام فسق کا ارتکاب کرے تو کیا اسے معزول کیا جائے گا یا نہیں؟ اس مسئلے میں اختلاف ہے، صحیح قول یہ ہے کہ اسے معزول نہیں کیا جائے گا کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: [إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا ، عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ] ”الا یہ کہ تم صریحًا کفر دیکھو اور تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بارے میں کوئی واضح دلیل موجود ہو۔“[1] کیا امام اپنے آپ کو خود معزول کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنے آپ کو معزول کر کے خلافت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی تھی۔[2] لیکن یہ عذر کی وجہ سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اس اقدام کی تعریف کی گئی۔

جہاں تک بیک وقت دو یا دو سے زیادہ اماموں کے تقرر کا مسئلہ ہے تو یہ جائز نہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [مَنْ أَتَاكُمْ ، وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلٰى رَجُلٍ وَّاحِدٍ يُّرِيدُ أَنْ يَّشُقَّ عَصَاكُمْ أَوْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ فَاقْتُلُوهُ (كَائِنًا مَّنْ كَانَ)] ”جب تمھارے پاس کوئی آئے جبکہ تمھارا ایک ہی آدمی پر اتفاق و اتحاد ہو اور وہ تمھارا شیرازہ بکھیرنا چاہے یا وہ تفرقہ ڈالنا چاہے تو اسے قتل کر دو، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔“[3] جمہور کا یہی قول ہے۔

امام الحرمین نے اپنے استاذ ابو اسحاق سے روایت کیا ہے کہ وہ اس صورت میں دو یا دو سے زیادہ اماموں کے تقرر کو بھی جائز قرار دیتے تھے جبکہ مسلمانوں کی حکومت بہت بڑی ہو اور دونوں اماموں کے درمیان بہت سے وسیع علاقے حائل ہوں۔[4] خود امام الحرمین کو اس رائے کے بارے میں تردد تھا۔

---

[1] صحيح البخاري، الفتن، باب قول النبي ﷺ:[سترون بعدى أمورًا......]، حديث:7056 و صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء......، حديث:(42)-1709 بعد الحديث:1840 عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه. [2] تاريخ الطبري، سنة إحدى وأربعين:4/123-126 و فتح الباري:13/63 ، حدیث:7109 کے ذیل میں۔ [3] صحيح مسلم، الإمارة، باب حكم من فرّق أمر المسلمين......، حديث:(60)-1852 البتہ تو سین کے الفاظ: سنن أبي داود، السنة، باب في الخوارج ، حديث:4762 و سنن النسائي، حديث:4025 عن عرفجة الأشجعي رضي الله عنه میں ہیں۔ [4] تفسير القرطبي:1/273.

تفسیر آیات:31-33

آدم کی فرشتوں پر فضیلت: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آدم کے فرشتوں پر شرف کا ذکر فرمایا ہے کہ انھیں اس خصوصیت سے نوازا کہ تمام چیزوں کے نام سکھا دیے مگر فرشتوں کو نہ سکھائے۔ اس کا تعلق فرشتوں کے آدم کو سجدہ کرنے کے بعد سے ہے لیکن موقع و محل کی مناسبت کی وجہ سے اسے پہلے ذکر فرمایا ہے کہ فرشتوں کو علم نہ تھا کہ خلیفہ کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے اور انھوں نے جب اس کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ تو اس واقعے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو اس لیے ذکر فرمایا ہے تاکہ فرشتوں کے سامنے آدم کے شرف کو بیان فرما دے کہ آدم کو علم کی وجہ سے فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

ضحاک ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ سے مراد یہی نام ہیں جو لوگوں میں متعارف ہیں، مثلاً: انسان، حیوان، زمین، خشکی، تری، پہاڑ، گدھا اور اس طرح کے دوسرے نام۔[1] امام ابن ابو حاتم اور ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ پیالے کا نام حتیٰ کہ گوز کا نام بھی بتا دیا گیا تھا۔[2] صحیح بات بھی یہی ہے کہ آپ کو تمام اشیاء کے نام اور ان کی صفات اور افعال سکھا دیے گئے تھے، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ آپ کو تمام اشیاء کے نام اور ان کے چھوٹے بڑے تمام افعال سکھا دیے گئے تھے۔[3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[يَجْتَمِعُ الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، فَيَقُولُونَ:لَوِاسْتَشْفَعْنَا إِلٰى رَبِّنَا ، فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ : أَنْتَ أَبُو النَّاسِ، خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ ، وَأَسْجَدَ لَكَ مَلَائِكَتَهٗ ، وَ عَلَّمَكَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ ، فَاشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ حَتّٰى يُرِيحَنَا مِنْ مَّكَانِنَا هٰذَا ، فَيَقُولُ : لَسْتُ هُنَاكُمْ ، وَ يَذْكُرُ ذَنْبَهٗ فَيَسْتَحْيِي، اِئْتُوا نُوحًا، فَإِنَّهٗ أَوَّلُ رَسُولٍ بَعَثَهُ اللّٰهُ إِلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ ، فَيَأْتُونَهٗ فَيَقُولُ:لَسْتُ هُنَاكُمْ ، وَ يَذْكُرُ سُؤَالَهٗ رَبَّهٗ مَالَيْسَ لَهٗ بِهٖ عِلْمٌ ، فَيَسْتَحْيِي، فَيَقُولُ: اِئْتُوا خَلِيلَ الرَّحْمٰنِ ، فَيَأْتُونَهٗ فَيَقُولُ : لَسْتُ هُنَاكُمْ ، اِئْتُوا مُوسٰى عَبْدًا كَلَّمَهُ اللّٰهُ وَأَعْطَاهُ التَّوْرَاةَ ، فَيَأْتُونَهٗ فَيَقُولُ : لَسْتُ هُنَاكُمْ، وَيَذْكُرُ قَتْلَ النَّفْسِ بِغَيْرِ نَفْسٍ، فَيَسْتَحْيِي مِنْ رَّبِّهٖ ، فَيَقُولُ : اِئْتُوا عِيسٰى عَبْدَ اللّٰهِ وَرَسُولَهٗ وَكَلِمَةَ اللّٰهِ وَرُوحَهٗ ، فَيَقُولُ : لَسْتُ هُنَاكُمْ ، اِئْتُوا مُحَمَّدًا عَبْدًا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَ مَا تَأَخَّرَ .

فَيَأْتُونِي فَأَنْطَلِقُ حَتّٰى أَسْتَأْذِنَ عَلٰى رَبِّي فَيُؤْذَنُ ، فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ ثُمَّ يُقَالُ : اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَسَلْ تُعْطَهْ، وَقُلْ يُسْمَعْ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ ، فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَحْمَدُهٗ بِتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ ، ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ، ثُمَّ أَعُودُ إِلَيْهِ فَإِذَا رَأَيْتُ رَبِّي ـ مِثْلَهٗ۔ ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا

[1] تفسیر الطبری:309/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:80/1 وتفسیر الطبری:309/1. [3] تفسیر الطبری:310/1 .

فَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ، ثُمَّ أَعُودُ الثَّالِثَةَ، ثُمَّ أَعُودُ الرَّابِعَةَ فَأَقُولُ: مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلَّا مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ وَوَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ] ''مومن قیامت کے دن جمع ہوں گے اور کہیں گے کیا ہی اچھا ہو اگر ہم کسی سے اپنے رب کے پاس سفارش کروائیں، تو وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ سب لوگوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا، تمام چیزوں کے نام آپ کو سکھائے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری سفارش کیجیے تاکہ ہم اس جگہ سے راحت پائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں اس قابل نہیں۔ وہ اپنا گناہ یاد کر کے عار محسوس کریں گے اور فرمائیں گے کہ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ سب سے پہلے رسول ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا۔ سب مومن آپ کے پاس آئیں گے تو آپ بھی فرمائیں گے کہ میں اس قابل نہیں۔ آپ کو یاد آئے گا کہ آپ نے اپنے رب سے ایک ایسا سوال کیا تھا جس کا آپ کو علم نہ تھا، اس لیے آپ بھی عار محسوس کریں گے اور فرمائیں گے کہ میں اس قابل نہیں، تم خلیل الرحمٰن کے پاس جاؤ۔ وہ آپ کے پاس آئیں گے تو آپ بھی یہی فرمائیں گے کہ میں اس قابل نہیں، تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ ایک ایسے بندے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی کے شرف سے نوازا اور انھیں تورات عطا فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی فرمائیں گے کہ میں اس قابل نہیں۔ وہ یاد کریں گے کہ ان سے ایک انسان کا ناحق قتل ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے رب سے حیا کریں گے اور فرمائیں گے کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اللہ کا کلمہ اور اس کی (طرف سے) روح ہیں۔ وہ آپ کے پاس آئیں گے تو آپ فرمائیں گے کہ میں اس قابل نہیں، تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، وہ اللہ کے ایسے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیے ہیں۔

وہ میرے پاس آئیں گے تو میں ان کے ساتھ چلوں گا حتی کہ اپنے رب تعالیٰ سے اجازت طلب کروں گا تو وہ مجھے اجازت عطا فرما دے گا۔ جب میں اپنے رب تعالیٰ کا دیدار کروں گا تو فوراً سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدے ہی میں رہنے دے گا، پھر مجھ سے کہا جائے گا: سر اٹھائیے اور سوال کیجیے، آپ کے سوال کو پورا کیا جائے گا، آپ کہیے آپ کی بات کو سنا جائے گا، آپ سفارش کریں آپ کی سفارش کو قبول کیا جائے گا تو میں اپنے سر کو اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی وہ حمد بیان کروں گا جو وہ مجھے (اسی وقت) سکھائے گا، پھر میں شفاعت کروں گا اور میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی اور میں انھیں جنت میں داخل کر کے پھر اپنے رب کے پاس آؤں گا اور اپنے رب کو دیکھ کر اسی طرح سجدے میں گر پڑوں گا، پھر شفاعت کروں گا تو پھر میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی اور میں انھیں جنت میں داخل کر کے پھر اپنے رب کے پاس تیسری مرتبہ آؤں گا، پھر چوتھی مرتبہ بھی آؤں گا اور کہوں گا کہ اب تو جہنم میں صرف وہ رہ گیا ہے جسے قرآن نے روکا ہے اور جس کے لیے جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا واجب ہو گیا ہے۔''[1]

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب:(2) سورة البقرة ، حديث:4476 .

اس حدیث کو مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ①

اس حدیث میں محل استشہاد یہ فرمان ہے: [فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ: أَنْتَ أَبُو النَّاسِ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهِ وَأَسْجَدَلَكَ مَلَائِكَتَهُ وَعَلَّمَكَ أَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ] ''وہ آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کروایا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مخلوقات کے نام سکھا دیے تھے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ﴾ ''پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔'' یعنی مُسَمَّیات کو جیسا کہ عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ پھر ان ناموں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا: ﴿فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ''تو فرمایا اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔'' ②

اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ کہا گیا: اے فرشتو! یہ جو چیزیں میں نے تمھارے سامنے پیش کی ہیں، مجھے ان کے نام بتاؤ، تم جو یہ کہتے تھے: ﴿اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾ ''کیا تو اس میں ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کُشت وخون کرتا پھرے؟'' حالانکہ ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں، اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو کہ اگر میں نے تمھارے علاوہ کسی اور کو زمین میں خلیفہ بنا دیا تو وہ اور اس کی اولاد میری نافرمانی کرے گی، خرابیاں اور کُشت وخون کرے گی اور اگر میں نے تمھیں نائب بنا دیا تو تم میری اطاعت کرو گے، میرے حکم کی پیروی کرو گے اور میری تعظیم و تقدیس بجالاؤ گے۔ اگر تم ان چیزوں کے نام نہیں جانتے ہو جنھیں میں نے تمھارے سامنے پیش کیا اور تم ان کا مشاہدہ کر رہے ہو تو تم ان امور کو تو بالکل نہیں جان سکتے جو آئندہ ہونے والے ہیں اور اس وقت موجود نہیں ہیں۔

﴿قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ ''انھوں نے کہا کہ تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے، اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں، بے شک تو ہی دانا (اور) خوب حکمت والا ہے۔'' یہ فرشتوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی تقدیس وتنزیہ ہے کہ کوئی اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا مگر جو وہ چاہے اور انھیں صرف اسی قدر علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرما رکھا ہے۔ اسی لیے تو وہ کہہ اٹھے کہ ﴿سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ یعنی وہی علیم وحکیم ہر چیز کا جاننے والا اور اپنے خلق وامر میں دانا ہے۔ اور تو جسے چاہے علم عطا فرمائے اور جسے چاہے اس سے محروم رکھے، تیرا یہ فیصلہ حکمت اور عدلِ تام پر مبنی ہے۔

آدم علیہ السلام کی فضیلت کا سبب علم ہے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ ''(تب) اللہ نے (آدم کو) حکم دیا کہ آدم! تم

① صحيح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة......، حديث:193، والسنن الكبرى للنسائي، باب قوله تبارك و تعالى: ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾......:284/6، حديث:10984 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر الشفاعة، حديث: 4312. ② تفسير عبدالرزاق:265/1، رقم:38.

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ٭ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿34﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: تم آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا﴿34﴾

ان کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ، جب انھوں نے ان کو ان کے نام بتائے تو (فرشتوں سے) فرمایا: کیوں! میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو (سب) مجھ کو معلوم ہے۔'' کے متعلق زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ آدم! تم ان کو ان چیزوں کے نام بتاؤ تو حضرت آدم علیہ السلام نے انھیں بتا دیا کہ تم جبریل ہو، تم میکائیل ہو، تم اسرافیل ہو حتی کہ اس طرح تمام چیزوں کے ایک ایک کر کے نام بتا دیے حتی کہ کوّے تک کا نام بھی بتا دیا۔[1]

مجاہد فرماتے ہیں کہ آپ نے کبوتر، کوّے اور ہر چیز کا نام بتا دیا۔ سعید بن جبیر، حسن اور قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

جب آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو ان تمام اشیاء کے نام بتا دیے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھائے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿33﴾ ﴾ ''کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ بے شک میں آسمانوں اور زمین کے غیب جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔'' یعنی کیا میں نے پہلے ہی تم سے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ بے شک میں غیب جانتا ہوں (خواہ) وہ ظاہر ہو یا پوشیدہ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ○ ﴾ (طٰہٰ 7:20) ''اور اگر آپ پکار کر بات کہیں تو بلاشبہ وہ چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ بات تک کو جانتا ہے۔'' اور جیسا کہ اس نے ہمیں بتایا ہے کہ ہدہد نے سلیمان علیہ السلام سے کہا تھا: ﴿ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ○ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○ ﴾ (النمل 26,25:27) ''(اور نہیں سمجھتے) کہ وہ اللہ کو سجدہ کریں جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو ظاہر کر دیتا اور تمھارے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جانتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔''

﴿ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿33﴾ ﴾ کے بارے میں ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں مخفی چیزوں کو بھی اسی طرح جانتا ہوں جس طرح ظاہر چیزوں کو جانتا ہوں، یعنی مجھے اس کبر و غرور کا بھی علم ہے جسے ابلیس نے اپنے دل میں چھپایا ہوا ہے۔[3]

ابوجعفر رازی نے ربیع بن انس سے روایت کیا ہے کہ فرشتوں نے جس بات کو ظاہر کیا وہ تو یہ تھی: کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت و خون کرتا پھرے۔ اور جس بات کو انھوں نے اپنے دل میں چھپا لیا تھا وہ یہ تھی کہ ہمارا رب کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں فرمائے گا جو علم اور عزت و توقیر میں ہم سے بڑھ کر ہو لیکن اب انھیں معلوم ہو گیا کہ آدم علیہ السلام علم اور عزت و تکریم کے اعتبار سے ان پر فضیلت رکھتے ہیں۔[4]

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:82/1. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:82/1 . [3] تفسیر الطبری:318/1. [4] تفسیر الطبری:319/1 .

تفسیر آیت :34

فرشتوں کے سجدے سے آدم کی عزت افزائی: یہ آدم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی عزت افزائی تھی۔ اولاد آدم کو یہ احسان جتلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ بہت سی احادیث میں بھی اس کا ذکر ہے، مثلاً: حدیث شفاعت میں جسے قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔[1] اسی طرح ایک حدیث میں ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: [يَا رَبِّ! أَرِنَا آدَمَ الَّذِي أَخْرَجَنَا وَنَفْسَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ، فَأَرَاهُ اللّٰهُ آدَمَ، فَقَالَ: أَنْتَ أَبُونَا آدَمُ؟ فَقَالَ لَهُ آدَمُ: نَعَمْ، قَالَ : أَنْتَ الَّذِي نَفَخَ اللّٰهُ فِيكَ مِنْ رُوحِهِ وَعَلَّمَكَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ ؟] ''اے اللہ! مجھے وہ آدم دکھا جنھوں نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکلوا دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کا دیدار کروا دیا تو انھوں نے کہا کہ کیا آپ ہمارے باپ آدم ہیں؟ تو آدم علیہ السلام نے کہا: ہاں، موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: آپ ہیں جن میں اللہ نے اپنی (طرف سے) روح پھونکی اور آپ کو تمام (چیزوں کے) نام سکھائے اور جنھیں اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا؟''[2]

ابلیس کو بھی حکم سجدہ تھا اگرچہ وہ فرشتوں میں سے نہ تھا: جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں تو یہ حکم ابلیس کے لیے بھی تھا اگرچہ وہ ان کے عنصر میں سے نہیں تھا لیکن فرشتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے اور ان جیسے افعال سرانجام دینے کی وجہ سے وہ بھی اس حکم کا مخاطب تھا اور اس کی مخالفت کی وجہ سے قابل مذمت قرار پایا۔ اس مسئلے کی تفصیل ہم -ان شاء اللہ تعالیٰ- سورۂ کہف میں ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ ﴾ (الکہف 18:50) کی تفسیر کے موقع پر بیان کریں گے۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ معصیت کے ارتکاب سے قبل ابلیس کا شمار فرشتوں میں تھا اور اس کا نام عزازیل تھا، یہ زمین کے باشندوں میں سے تھا۔ عبادت اور علم کے اعتبار سے یہ تمام فرشتوں سے بڑھ کر تھا۔ اسی وجہ سے یہ تکبر میں مبتلا ہو گیا۔ اس کا تعلق فرشتوں کے ایک ایسے خاندان سے تھا جس کا نام جِنّ تھا، یعنی جنوں کی ایک قسم سے تھا۔[3]

اللہ کی اطاعت میں آدم کو سجدہ: قتادہ فرماتے ہیں کہ اطاعت اللہ کے لیے تھی اور سجدہ آدم علیہ السلام کے لیے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو یہ عزت بخشی کہ اپنے فرشتوں سے انھیں سجدہ کروایا۔[4]

کیا تعظیمی سجدہ جائز ہے؟ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ سجدۂ سلام و اکرام تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ ﴾ (یوسف 12: 100) ''اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب یوسف کے آگے سجدے میں گر پڑے اور (اس وقت یوسف نے) کہا: ابا جان! یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا، میرے پروردگار نے اسے سچ کر دیا۔'' اور سابقہ امتوں

---

[1] دیکھیے البقرہ، آیت :31 کے ذیل میں عنوان: ''آدم کی فرشتوں پر فضیلت'' [2] سنن أبي داود ، السنة، باب في القدر، حديث: 4702 عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ. [3] تفسير الطبري: 321/1. [4] تفسير الطبري: 327/2.

وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ

اور ہم نے کہا: اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو اور اس میں سے سیر ہو کر کھاؤ جہاں سے چاہو (لیکن) اس درخت کے قریب مت جانا ورنہ تم

الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿35﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا

دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ﴿35﴾ پھر شیطان نے ان کو اس سے پھسلا دیا اور انھیں اس سے نکلوا دیا جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا: یہاں سے اترو،

اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿36﴾

تم میں سے بعض لوگ بعض کے دشمن ہیں اور تمھارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے اور تمھیں ایک (خاص) وقت تک اس سے فائدہ اٹھانا ہے ﴿36﴾

میں اس طرح کا تعظیمی سجدہ جائز تھا مگر ہماری شریعت میں اسے منسوخ کر دیا گیا ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب شام گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے پیشواؤں اور علماء کو سجدہ کرتے ہیں تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ تو زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپ نے فرمایا: [لَا، لَوْ كُنْتُ آمِرًا بَشَرًا يَّسْجُدُ لِبَشَرٍ لَّأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا (مِنْ عِظَمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا)] ''نہیں، اگر میں کسی بشر کو حکم دیتا کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے اپنے آپ پر اس کے حقوق کی برتری کی وجہ سے۔''[1] امام رازی نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔[2]

ابلیس کا تکبر: قتادہ رحمہ اللہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ٭ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿34﴾ ﴾ ''چنانچہ سوائے ابلیس کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جو عزت عطا فرمائی تو اس کی وجہ سے اللہ کے دشمن ابلیس نے آدم علیہ السلام سے حسد کیا اور کہا کہ میں ناری ہوں اور یہ خاکی ہے۔ گناہوں کا آغاز تکبر سے ہوا، اللہ کے دشمن نے تکبر کیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو کیوں سجدہ کرے۔[3]

صحیح حدیث میں ہے: [لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرِيَاءَ] ''جس کے دل میں رائی کے دانے جتنا بھی تکبر ہوا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''[4] یہ ابلیس کا تکبر، کفر اور عناد ہی تھا جس نے اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی بارگاہِ قدس سے دور کر دیا۔

تفسیر آیات: 36,35

آدم علیہ السلام کی ایک اور عزت افزائی: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام کو یہ عزت بخشی، جب اس نے فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں اور ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے انھیں سجدہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت کو مباح قرار

① مسند أحمد: 228,227/5 و جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في حق الزوج على المرأة، حديث: 1159 عن أبي هريرة رضي الله عنه و سنن ابن ماجه، النكاح، باب حق الزوج على المرأة، حديث: 1853 عن عبدالله بن أبي أوفى رضي الله عنه و مجمع الزوائد، النكاح، باب حق الزوج على المرأة: 310/4، حديث: 7651 و المعجم الكبير للطبراني: 208/5، حديث: 5116۔ قوسین کے الفاظ مسند أحمد: 159,158/3 اور کشف الأستار: 176/2، حديث: 1461 کے ہیں۔ ② تفسير الرازي: 213/2۔ ③ تفسير ابن أبي حاتم: 84/1۔ ④ صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم الكبر و بيانه، حديث: (148)-91۔

دے دیا کہ جہاں چاہیں جنت میں رہیں اور جنت کی وسیع و پاک نعمتوں میں سے جو چاہیں بے روک ٹوک کھائیں پئیں۔

حوا کی پیدائش آدم کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہوئی تھی: اس آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ حوا کی پیدائش آدم کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہوئی تھی۔ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے اس کی صراحت بھی کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ابلیس کی سرزنش سے فارغ ہوا تو آدم علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بھی سکھا دیے تھے، چنانچہ فرمایا: ﴿ يَاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىِٕهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ۝ ﴾ [1] (البقرۃ 2:33) ”اے آدم! تو انھیں ان چیزوں کے نام بتا دے، چنانچہ جب اس نے انھیں ان چیزوں کے نام بتا دیے تو اللہ نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک میں آسمانوں اور زمین کے غیب جانتا ہوں اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔“

اور اس کے بعد آدم علیہ السلام پر اونگھ طاری کر دی گئی جیسا کہ اہل تورات اور دیگر اہل کتاب کی طرف سے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ دیگر اہل علم سے ہم تک پہنچا ہے، پھر آپ کی بائیں طرف کی پسلیوں میں سے ایک پسلی کو لے کر اس کی جگہ گوشت پیدا کر دیا گیا کہ آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے اور وہ نیند سے بیدار نہیں ہوئے تھے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس پسلی سے آپ کی بیوی حوا کو پیدا فرما دیا تا کہ اس سے سکون و راحت حاصل کریں، جب آپ نیند سے بیدار ہوئے اور حوا کو اپنے پہلو میں دیکھا تو -ان کے بقول و اللہ اَعلم- فرمایا: ”یہ میرا گوشت، میرا خون اور میری بیوی ہے۔“ تو ان سے آپ علیہ السلام کو راحت اور سکون حاصل ہوا اور جب اللہ تعالیٰ نے انھیں آپ کی بیوی بنا دیا اور آپ کے اپنے نفس ہی سے آپ کے لیے تسکین کا سامان پیدا فرما دیا تو آپ سے ہم کلام ہوتے ہوئے فرمایا: ﴿ يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۝۳۵ ﴾ ”اے آدم! تم اور تمھاری بیوی بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم دونوں ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔“ [2]

آدم علیہ السلام کی آزمائش: اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا: ﴿ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ﴾ ”اور اس درخت کے پاس نہ جانا۔“ تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدم علیہ السلام کی ایک آزمائش اور امتحان تھا۔ اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کون سا درخت تھا؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، بعض نے کہا کہ یہ انگور تھا، بعض نے گندم، بعض نے کھجور اور بعض نے انجیر کہا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک ایسا درخت تھا کہ جو اسے کھا لیتا اسے انسانی حاجت ہو جاتی تھی اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک ایسا درخت تھا جس کا پھل کھانے سے فرشتوں کو ہمیشہ کی زندگی نصیب ہوتی ہے۔

امام ابو جعفر ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو ایک خاص درخت کے پھل کھانے سے منع فرما دیا جبکہ جنت کے باقی تمام درختوں کے پھل کھانے کی اجازت تھی مگر آدم و حوا

[1] تفسیر ابن کثیر کے متداول نسخوں میں ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ۝۳۲ ﴾ ہے، اور یہ تصحیح سلیم بن محمد السلامہ کی تحقیق ہے۔ و اللہ أعلم.

[2] تفسیر الطبری: 329/1.

نے اس درخت کے پھل کو کھالیا جس سے منع کیا گیا تھا اور متعین طور پر ہمیں یہ معلوم نہیں کہ وہ درخت کون سا تھا کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے نہ قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے اور نہ صحیح حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ ہاں، البتہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ گندم، بعض نے کہا ہے کہ یہ انگور اور بعض نے کہا ہے کہ یہ انجیر کا درخت تھا، ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی ہو، اگر اس کا علم ہو جائے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر اس کا علم نہ ہو سکے تو اس کا کوئی نقصان نہیں۔ [1] امام رازی اور کئی دیگر مفسرین نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے اور یہی درست ہے۔ [2]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا﴾ ''پھر شیطان نے ان دونوں کو اس سے پھسلا دیا۔'' کے بارے میں یہ بھی صحیح ہے کہ ﴿عَنْهَا﴾ کی ضمیر کا مرجع جنت ہو تو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے جیسا کہ عاصم بن بہدلہ، جو کہ ابن ابونُجُود کے نام سے معروف ہیں، نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ شیطان نے دونوں کو جنت سے دور کر دیا۔ [3] جو کہ [فَأَزَالَهُمَا] کی قراءت کے مطابق ہیں۔ [4] اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس ضمیر کا مرجع دونوں مذکورہ چیزوں میں سے قریب ترین، یعنی درخت ہو تو معنی یہ ہوں گے جیسا کہ حسن اور قتادہ نے کہا ہے کہ شیطان نے دونوں کو پھسلا دیا۔ [5] یعنی شیطان نے اس درخت کی وجہ سے دونوں کو پھسلا دیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۝﴾ (الذّٰریٰت 9:51) ''اس سے وہی پھرتا ہے جو (اللہ کی طرف سے) پھیرا جائے۔'' [6] یعنی اس سے وہی گمراہ ہوتا ہے جو حق سے برگشتہ ہو، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ﴾ ''اور جس (عیش ونشاط) میں وہ تھے، اس سے ان کو نکلوا دیا۔'' یعنی جنتی لباس، کشادہ رہائش، عمدہ رزق اور سامان راحت سے انھیں محروم کروا دیا۔

﴿وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝﴾ یعنی تمھارے لیے زمین میں قرار، رزق اور اجل کو ایک وقت تک ایک معین مقدار کے ساتھ مقرر کر دیا گیا ہے، پھر اس کے بعد قیامت برپا ہو جائے گی۔

حضرت آدم علیہ السلام طویل القامت تھے: ابن ابوحاتم نے اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ رَجُلًا طُوَالًا ، كَثِيرَ شَعْرِ الرَّأْسِ ، كَأَنَّهُ نَخْلَةٌ سَحُوقٌ، فَلَمَّا ذَاقَ الشَّجَرَةَ سَقَطَ عَنْهُ لِبَاسُهُ، فَأَوَّلُ مَا بَدَا مِنْهُ عَوْرَتُهُ ، فَلَمَّا نَظَرَ إِلَى عَوْرَتِهِ جَعَلَ يَشْتَدُّ فِي الْجَنَّةِ ، فَأَخَذَتْ شَعْرَهُ شَجَرَةٌ فَنَازَعَهَا، فَنَادَاهُ الرَّحْمٰنُ : يَا آدَمُ! مِنِّي تَفِرُّ؟ فَلَمَّا سَمِعَ كَلَامَ الرَّحْمٰنِ قَالَ : يَا رَبِّ ! لَا ، وَلٰكِنِ اسْتِحْيَاءً] ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس طرح پیدا فرمایا کہ آپ طویل القامت تھے، سر کے بال بہت گھنے تھے، یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آپ

---

[1] تفسیر الطبری:333/1. [2] تفسیر الرازی:5/3. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:87/1. [4] تفسیر الطبری:336/1. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:87/1. [6] اس آیت سے استدلال یہ ہے کہ اس میں بھی ﴿عَنْهُ﴾ کی ضمیر کے دو مرجع ہو سکتے ہیں، ایک اعمال کی جزا اور دوسرا ﴿قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝﴾ (الذّٰریٰت 8:51) پہلی صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ اعمال کی جزا تو ضرور پیش آنی ہے مگر اس کو ماننے سے وہی شخص انکار کرتا ہے جو حق سے پھرا ہوا ہو۔ اور دوسری صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ ان مختلف اقوال سے وہی شخص گمراہ ہوتا ہے جو دراصل حق سے پھرا ہوا ہو۔ (مترجم)

کھجور کا ایک طویل درخت ہوں۔ جب آپ نے درخت کو چکھا تو آپ کا لباس اتر گیا اور سب سے پہلے شرم گاہ عریاں ہوئی، جب آپ نے اپنے مقامِ شرم کو دیکھا تو جنت میں دوڑنے لگے، ایک درخت نے آپ کے بالوں کو پکڑ لیا، آپ بالوں کو چھڑانے لگے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی، آدم! مجھ سے بھاگتے ہو؟ آپ نے جب اللہ تعالیٰ کی آواز کو سنا تو عرض کی: نہیں یارب! میں تو شرمندگی اور حیا کی وجہ سے بھاگ رہا ہوں۔''①

آدم جنت میں تھوڑی دیر رہے: امام حاکم رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آدم علیہ السلام جنت میں نماز عصر سے لے کر غروب آفتاب تک رہے۔ امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے لیکن انھوں نے اسے بیان نہیں کیا۔②

ابن ابوحاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو مکہ اور طائف کے درمیان دَحْنَا نامی ایک جگہ پر اتارا گیا تھا۔③ حسن بصری سے روایت ہے کہ آدم کو ہندوستان میں، حوا کو جُدّہ میں، ابلیس کو بصرہ سے چند میلوں کی مَسافت پر دَسْتُ مِیْساں④ میں اور سانپ کو اصبہان میں اتارا گیا تھا۔⑤

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ ، وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ ، وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا] ''بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم کو پیدا کیا گیا، اسی دن جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن انھیں جنت سے نکالا گیا۔''⑥

ایک شبہ اور اس کا جواب: اگر کہا جائے کہ وہ جنت جس سے آدم علیہ السلام کو نکالا گیا، آسمان میں ہے جیسا کہ جمہور علماء کا قول ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ابلیس اس میں کس طرح داخل ہوا، حالانکہ اسے وہاں سے زبردستی نکال دیا گیا تھا اور جسے جنت سے زبردستی نکال دیا گیا ہو تو اس کے لیے ممکن نہیں کہ وہ پھر اس میں داخل ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعینہ یہی استدلال ان لوگوں کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جس جنت میں آدم تھے، وہ زمین میں تھی، آسمان میں نہیں تھی جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب البداية والنهاية کے آغاز میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔⑦

جمہور علماء نے اس کے کئی جواب دیے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ابلیس کے لیے اعزاز واکرام کے ساتھ جنت میں داخلہ منع تھا۔ چوری چھپے اور اہانت کے ساتھ داخلہ منع نہ تھا۔ اسی لیے بعض علماء نے کہا ہے جیسا کہ تورات میں بھی ہے کہ وہ

---

① تفسير ابن أبي حاتم:88,87/1 والمستدرك للحاكم ، تواريخ المتقدمين ، باب ذكر آدم:544,543/2 ، حديث: 3998 مختصرًا . ② المستدرك للحاكم، تواريخ المتقدمين، ذكر آدم:542/2 ،حديث:3993. ③ تفسير ابن أبي حاتم:89/1. ④ ''دَسْتُ مِيْسان'' واسط، بصرہ اور اهواز کے گردونواح میں واقع ہے جبکہ اهواز کے زیادہ قریب ہے۔ معجم البلدان:455/2. اور عبدالعزیز بکری نے اپنی کتاب معجم ما استعجم میں مَیسان کو میم کی فتحہ کے ساتھ لکھا اور ضبط کیا ہے۔ ⑤ تفسير ابن أبي حاتم:89/1. ⑥ صحيح مسلم، الجمعة، باب فضل يوم الجمعة، حديث:854 و سنن النسائي، الجمعة ، باب ذكر فضل يوم الجمعة، حديث:1374و1431. ⑦ البداية والنهاية ، باب خلق آدم:62/1-75.

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿37﴾

پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمے سیکھ لیے تو (اللہ نے مہربانی کرتے ہوئے) اس پر توجہ دی، بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿37﴾

سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں داخل ہو گیا تھا۔[1] بعض نے کہا ہے کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس نے جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر وسوسہ ڈالا ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس نے زمین ہی سے ان کے دلوں میں جبکہ وہ آسمان میں تھے، وسوسہ ڈالا ہو۔ ان اقوال کو زمخشری اور دیگر مفسرین نے ذکر کیا ہے۔[2]

قرطبی رحمہ اللہ نے یہاں بہت سی ایسی احادیث بیان کی ہیں جن کا تعلق سانپوں سے اور ان کے قتل کرنے کے بارے میں حکم سے ہے۔ ان کا ان احادیث کو یہاں ذکر کرنا بہت ہی مفید اور موقع و محل کے مناسب ہے۔[3]

تفسیر آیت:37

آدم علیہ السلام کی توبہ اور دعا: ایک قول یہ ہے کہ ان کلمات سے مراد حسب ذیل دعا ہے: ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ۫ وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۝﴾ (الأعراف 23:7) ”دونوں عرض کرنے لگے کہ پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔“ یہ قول مجاہد، سعید بن جبیر، ابو العالیہ، ربیع بن انس، حسن، قتادہ، محمد بن کعب قُرظی، خالد بن مَعدان، عطاء خراسانی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ سے مروی ہے۔[4]

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمان باری: ﴿فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ﴾ کے بارے میں روایت ہے کہ آدم علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ! کیا تو نے مجھے اپنے دست مبارک سے پیدا نہیں فرمایا؟ فرمایا: کیوں نہیں! عرض کی: کیا تو نے مجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی؟ فرمایا: کیوں نہیں! عرض کی: جب مجھے چھینک آئی تو کیا تو نے یہ نہیں کہا تھا: اللہ تجھ پر رحم فرمائے اور تیری رحمت تو تیرے غضب پر غالب ہے؟ فرمایا: کیوں نہیں! عرض کی: کیا تو نے لکھ نہیں رکھا تھا کہ میں یہ کام کروں گا؟ فرمایا: کیوں نہیں! عرض کی: یا اللہ! اگر میں توبہ کر لوں تو کیا تو مجھے جنت میں لوٹا دے گا؟ فرمایا: ہاں۔[5] ابن عوفی، سعید بن جُبَیر اور سعید بن معبد رحمہم اللہ نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[6] حاکم نے اپنی مستدرک میں ابن جبیر کے حوالے سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت صحیح الاسناد ہے مگر بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔[7]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿37﴾﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جو اللہ کی طرف توبہ کرے اور رجوع کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ﴾ (التوبة 104:9) ”کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتا ہے۔“ اور اس کا فرمان ہے: ﴿وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ يَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ ثُمَّ يَسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝﴾ (النسآء 110:4) ”اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق

---

① تفسیر الطبری:337/1. ② الكشاف:128/1. ③ تفسیر القرطبی:314,313/1. ④ تفسیر ابن أبی حاتم:91,90/1 وتفسیر الطبری:348,347/1. ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم:90/1. ⑥ تفسیر الطبری:347/1. ⑦ المستدرك للحاكم، تواريخ المتقدمين، باب ذكر آدم عليه السلام:545/2، حديث:4002.

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

ہم نے کہا: تم یہاں سے اکٹھے اترو، پھر اگر تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو ان پر کوئی خوف ہوگا

يَحْزَنُوْنَ ﴿38﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿39﴾

نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿38﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿39﴾

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ

اے بنی اسرائیل! تم میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور تم میرا عہد پورا کرو، میں تمھارے عہد پورے کروں گا، اور مجھ ہی سے ڈرو ﴿40﴾ اور

فَارْهَبُوْنِ ﴿40﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا

اس (کتاب) پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی جبکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمھارے پاس ہے اور تم اس کا سب سے پہلے انکار کرنے

بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿41﴾

والے نہ بنو، اور تم میری آیتوں کو تھوڑی قیمت میں نہ بیچو، اور مجھ ہی سے ڈرو ﴿41﴾

میں ظلم کرلے، پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بخشنے والا (اور) مہربان پائے گا۔" مزید فرمایا: ﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا﴾ (الفرقان 71:25) "اور جو توبہ کرتا اور نیک عمل کرتا ہے تو بے شک وہ اللہ سے توبہ کرتا ہے جیسے توبہ کرنے کا حکم ہے۔" علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے اور جو توبہ کرتا ہے تو وہ اس کی توبہ کو شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر لطف و کرم اور اپنے بندوں پر رحمت و شفقت کا اظہار ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ.

تفسیر آیات: 38,39

اس مقام پر اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام ان کی بیوی اور ابلیس کو کس چیز سے ڈرایا تھا جب انھیں جنت سے اتارا تھا۔ (یہ بظاہر خطاب تو انھی کو ہے مگر) اس سے مراد اولاد آدم و حوا علیہما السلام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ہدایت کے لیے کتابیں نازل فرمائے گا اور انبیاء و مرسلین کو مبعوث فرمائے گا جیسا کہ ابو العالیہ نے کہا ہے کہ یہاں ہدایت سے مراد انبیاء و مرسلین اور بینات و بیان ہے۔[1] ﴿فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ﴾ "جنھوں نے میری ہدایت کی پیروی کی۔" یعنی جو ان احکام کی طرف متوجہ ہوگا جن کو میں کتابوں میں نازل کروں گا اور جن کے ساتھ رسولوں کو مبعوث کروں گا ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ "انھیں نہ کچھ خوف ہوگا۔" یعنی آخرت کے بارے میں کوئی خوف نہ ہوگا ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿38﴾﴾ "اور نہ وہ غم ناک ہوں گے" ان امور دنیا کے بارے میں جو انھیں حاصل نہ ہو سکے تھے جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے: ﴿قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۥ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى﴾ (طٰہٰ 123:20) "فرمایا: تم دونوں یہاں سے اکٹھے اتر جاؤ تمھارے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے، پھر اگر میری طرف سے تمھارے

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 93/3.

پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔‘‘ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں تکلیف اٹھائے گا۔[1] ﴿ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ○ ﴾ (طٰهٰ 20:124) ’’اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا، اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔‘‘

جیسا کہ یہاں فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿39﴾ ﴾ یعنی جنھوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہ دوزخ میں جانے والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اس سے خلاصی حاصل کریں گے نہ کبھی اس سے چھٹکارا پائیں گے۔

تفسیر آیات:41,40

بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب: اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو اسلام میں داخل ہونے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے کا حکم دیتے ہوئے اور ان کے باپ اسرائیل، یعنی اللہ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کے ذکر سے ان کے شوق کو مہمیز لگاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے فرماں بردار اور برگزیدہ بندے کے بیٹو! تم بھی حق کی پیروی کرنے میں اپنے باپ کی طرح ہو جاؤ۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کہتے ہیں: اے سخی کے بیٹے! تم بھی اپنے باپ کی طرح سخاوت کا مظاہرہ کرو۔ اے بہادر کے بیٹے! تم بھی بہادروں کو دعوتِ مبارزت دو۔ اے عالم کے بیٹے! تم بھی علم حاصل کرو۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ○ ﴾ (بنی إسرآء یل 17:3) ’’اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، بے شک نوح (ہمارے) شکر گزار بندے تھے۔‘‘

اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے: اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے ابوداود طیالسی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی......تو آپ نے فرمایا: [...... هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ إِسْرَائِيلَ يَعْقُوبَ (مَرِضَ مَرَضًا شَدِيدًا......؟)، قَالُوا : اَللّٰهُمَّ ! نَعَمْ ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ عَلَيْهِمْ] ’’کیا تم جانتے ہو کہ اسرائیل، یعنی یعقوب علیہ السلام (ایک مرتبہ شدید بیمار ہوئے......؟)، (اس لمبی حدیث کے اثنا میں انھوں نے جواب دیا:) ہاں، ہمیں معلوم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو ان کے خلاف گواہ رہ۔‘‘[2] امام طبری نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اسرائیل کے معنی ہیں عبداللہ۔[3]

یہودیوں پر اللہ کے انعامات: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ ﴾ ’’میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کیے تھے۔‘‘ کے بارے میں مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ان پر ایک نعمت تو یہ ہے جس کا یہاں ذکر فرمایا اور اس کے علاوہ ان پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے لیے پتھر سے پانی نکال دیا، آسمان سے من وسلوی نازل کیا اور آل فرعون کی غلامی سے

---

[1] تفسیر الطبری:279/16 . [2] مسند أبی داود الطیالسی:451,450/4 ، حدیث:2854 و مسند أحمد:273/1. قوسین والا اضافہ مفہوم کی وضاحت کے لیے کیا گیا ہے نیز یہ مفصل حدیث سورۂ آل عمران آیت:93 کے ذیل میں دیکھیے ۔ [3] تفسیر الطبری:355/1.

انھیں نجات بخشی۔[1] ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمت یہ تھی کہ اس نے ان میں سے انبیاء اور رسول بنائے اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں۔[2] جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان سے کہا تھا: ﴿ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (المآئدۃ 5:20) ''اے میری قوم! تم پر اللہ نے جو احسان کیے ہیں، ان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر پیدا کیے اور تمھیں بادشاہ بنایا اور تم کو اتنا کچھ عنایت کیا کہ جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیا۔'' یعنی ان کے زمانے میں کسی اور کو اس طرح عنایت نہیں کیا۔ محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب میں نے تمھیں اور تمھارے آباء واجداد کو فرعون اور اس کی قوم سے نجات دی تو تم پر میرا یہ ایک بہت بڑا احسان تھا۔[3]

یہودیوں کو ان کے عہد و پیمان کی یاددہانی: ﴿ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ ﴾ ''اور تم اس عہد کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا، میں اس قرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا۔'' یعنی تم اس عہد و پیمان کو پورا کرو جو میں نے تم سے لیا تھا کہ میرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب آئیں تو تمھیں ان پر ایمان لانا اور ان کی تصدیق واتباع کرنی ہوگی۔ اور میں اپنے عہد کو پورا کروں گا کہ ان بوجھوں اور طوقوں کو اتاردوں گا جو تمھارے گناہوں کی وجہ سے تمھاری گردنوں میں پڑے ہوئے ہیں۔[4]

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عہد کا ذکر حسب ذیل آیت کریمہ میں ہے: ﴿ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝ ﴾ (المآئدۃ 5:12) ''اور یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان میں ہم نے بارہ سردار مقرر کیے، پھر اللہ نے فرمایا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے رہو گے اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو میں تمھارے گناہ دور کردوں گا اور تم کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، پھر جس نے اس کے بعد تم میں سے کفر کیا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔''[5]

دیگر کئی مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ عہد و پیمان ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے تورات میں لیا تھا کہ وہ عنقریب بنی اسماعیل میں ایک عظیم الشان نبی مبعوث فرمائے گا جس کی تمام اقوام عالم کو اطاعت کرنی چاہیے۔ اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ان کی اطاعت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادے گا، اسے جنت میں داخل کرے گا اور اسے دوگنا اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

امام رازی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں انبیائے کرام علیہم السلام کی بہت سی بشارتیں بھی ذکر کی ہیں۔[6] ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کی طرف عہد سے مراد دین اسلام ہے اور عہد کو پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس دین کی پیروی کریں۔[7] ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ میں تم سے راضی

---

① تفسیر الطبری:1/356. ② تفسیر ابن أبی حاتم:1/95 وتفسیر الطبری:1/356. ③ تفسیر الطبری:1/356. ④ تفسیر الطبری:1/357. ⑤ تفسیر الرازی:3/34. ⑥ تفسیر الرازی:3/35. ⑦ تفسیر الطبری:1/357.

ہو جاؤں گا اور تمھیں جنت عطا کروں گا۔[1] سدی، ضحاک، ابو العالیہ اور ربیع بن انس رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝۴۰ ﴾ ''اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔'' یہ ابو العالیہ، سدی، ربیع بن انس اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس کے بارے میں قول یہ ہے کہ مجھ سے ڈرو کہ میں تمھیں بھی اس قسم کے عذابوں میں مبتلا نہ کر دوں جس طرح کے عذابوں میں قبل ازیں تمھارے آباء واجداد کو مبتلا کیا تھا اور مسخ وغیرہ کے ان عذابوں کو تم خوب جانتے ہو۔[3] یہ گویا ترغیب سے ترہیب کی طرف انتقال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ترغیب وترہیب کے دونوں انداز میں انھیں دعوت دی ہے تاکہ وہ حق کی طرف رجوع کر لیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں اور قرآن سے نصیحت حاصل کریں، قرآن نے جن باتوں سے منع کیا ہے ان سے اجتناب کریں جن کا حکم دیا ہے انھیں بجا لائیں۔ اور قرآن نے جو خبریں دی ہیں ان کی تصدیق کریں، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھے رستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔

اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَاٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ﴾ ''اور جو کتاب میں نے (اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) نازل کی جو تمھاری کتاب (تورات) کو سچا کہتی ہے، اس پر ایمان لاؤ۔'' اس سے مراد قرآن مجید ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نبی اُمی رسولِ عربی، بشیر ونذیر اور سراج منیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے برحق کتاب ہے اور یہ سابقہ آسمانی کتابوں تورات وانجیل کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اہل کتاب! تم اس کتاب پر ایمان لاؤ جسے میں نے نازل کیا ہے اور یہ کتاب تمھاری کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے اور تمھاری کتابوں تورات وانجیل میں بھی یہ لکھا ہوا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں۔ مجاہد، ربیع بن انس اور قتادہ رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4]

﴿ وَلَا تَكُوْنُوْۤا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اس سے منکر اول نہ بنو کیونکہ تمھارے پاس وہ علم ہے جو دوسروں کے پاس نہیں ہے۔[5]

ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرنے والے پہلے لوگ نہ بنو، یعنی آپ کی بعثت کے بارے میں سننے کے بعد اہل کتاب میں سے تم منکر اول نہ بنو۔ حسن، سدی، اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔[6] ابن جریر نے اس قول کو پسند کیا ہے کہ ﴿ بِهٖ ﴾ کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے کیونکہ اس سے پہلے اسی کا ذکر ہے۔[7] یہ دونوں قول ہی صحیح ہیں کہ اس کا مرجع قرآن بھی ہو سکتا ہے اور صاحب قرآن بھی، کیونکہ یہ دونوں لازم وملزوم ہیں، اس لیے کہ جو قرآن کا منکر ہو وہ صاحب قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی منکر ہے اور جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہو وہ قرآن کا بھی منکر ہے۔

﴿ اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ ﴾ یعنی بنی اسرائیل میں سے منکر اول کیونکہ کفار قریش اور دیگر بہت سے عرب ان سے پہلے منکر ہو چکے تھے، اس لیے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے تم پہلے منکر نہ بنو۔ یہودِ مدینہ بنی اسرائیل میں سے وہ پہلے لوگ تھے جنھیں قرآن نے مخاطب کیا، لہٰذا ان کے کفر کے معنی یہ تھے کہ وہ اہل کتاب میں سے پہلے کافر ہیں۔

---

① تفسیر ابن أبي حاتم:1/96. ② تفسیر ابن أبي حاتم:1/96. ③ تفسیر ابن أبي حاتم:1/96 وتفسیر الطبري:1/358.
④ تفسیر ابن أبي حاتم:1/96. ⑤ تفسیر ابن أبي حاتم:1/97. ⑥ تفسیر ابن أبي حاتم:1/97. ⑦ تفسیر الطبري:1/360.

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿42﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَآتُوا الزَّكَوٰةَ

اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور حق کو مت چھپاؤ ،حالانکہ تم جانتے ہو ﴿42﴾ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو

وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿43﴾

اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ﴿43﴾

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ میری آیات کے ساتھ ایمان اور میرے رسول کی تصدیق کے عوض دنیا اور اس کی لذتوں کو حاصل نہ کرو کیونکہ یہ سب قلیل اور فانی چیزیں ہیں۔ ﴿ وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ﴿41﴾ ﴾ ابن ابوحاتم نے طلق بن حبیب سے روایت کیا ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ تم علی وجہ البصیرت اللہ کی رحمت کی امید سے اس کی اطاعت بجالاؤ اور اللہ کے ڈر کی وجہ سے اس کی نافرمانی ترک کردو۔[1] اور ﴿ وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ﴿41﴾ ﴾ ''اور مجھ ہی سے خوف رکھو'' کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں دیدہ ودانستہ حق چھپانے، حق کے خلاف ظاہر کرنے اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے پر سرزنش کر رہا ہے۔

تفسیر آیات:43,42

حق کو باطل کے ساتھ ملانے اور چھپانے کی ممانعت: یہودی جان بوجھ کر حق کو باطل کے ساتھ ملا دیتے تھے، حق کو چھپا لیتے تھے اور باطل کو ظاہر کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿42﴾ ﴾ ''اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو۔'' اللہ تعالیٰ نے انھیں ان دونوں باتوں، یعنی حق کو باطل کے ساتھ ملانے اور حق کو چھپانے سے منع فرمایا ہے اور اس بات کا حکم دیا ہے کہ حق کو ظاہر کریں اور اسے کھلم کھلا بیان کریں۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ ﴾ کے معنی ہیں کہ حق کو باطل کے ساتھ اور سچ کو جھوٹ کے ساتھ نہ ملاؤ۔[2] قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہودیت ونصرانیت کو اسلام کے ساتھ نہ ملاؤ۔ ﴿ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿42﴾ ﴾ اور تم خوب جانتے ہو کہ اللہ کا دین تو اب اسلام ہی ہے اور یہودیت ونصرانیت اس کے مقابلے میں خانہ ساز ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں۔[3] حسن بصری سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4]

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میرے رسول اور ان کے لائے ہوئے دین و شریعت کے بارے میں تمھیں جو علم ہے، اسے نہ چھپاؤ کیونکہ تمھارے پاس جو کتابیں ہیں، ان میں تم اس رسول کے بارے میں لکھا ہوا موجود پاتے ہو۔[5]

یہ بھی جائز ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ تم جانتے ہو کہ تمھارے حق کو چھپانے کی وجہ سے لوگوں کے لیے کس قدر عظیم نقصان ہے کہ اس طرح وہ ہدایت سے محروم ہو کر گمراہ ہو جائیں گے، پھر اس گمراہی کے نتیجے میں جہنم رسید ہوں گے کیونکہ انھوں

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:98/1. [2] تفسیر الطبري:363/1. [3] تفسیر ابن أبي حاتم:98/1. [4] تفسیر ابن أبي حاتم:98/1.
[5] تفسیر ابن أبي حاتم:98/1.

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿44﴾

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ﴿44﴾

نے تو باطل کے اس راستے کو اختیار کیا ہوگا جس میں تم نے تھوڑی سی حق کی آمیزش بھی کر دی ہوگی تاکہ اس طرح تم اپنے باطل کو رواج دے سکو۔ بیان کا مطلب وضاحت کرنا ہے اور اس کے برعکس کِتمان (حق کو چھپانا اور) حق و باطل کو خلط ملط کرنا ہے۔

مُقاتِل بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے جو یہ فرمایا ہے: ﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ تو اس میں اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ حکم دیا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ مل کر نماز ادا کریں۔[1] اور ﴿ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ میں انھیں یہ حکم دیا ہے کہ وہ زکاۃ دیں اور اسے نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیں۔[2] اور ﴿ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿43﴾ ﴾ میں انھیں یہ حکم دیا ہے کہ امتِ محمدیہ کے لوگوں کے ساتھ مل کر وہ بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا کریں، یعنی یہ بھی امت محمدیہ کے لوگوں کے ساتھ اور انھی میں سے ہو جائیں۔[3]

﴿ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿43﴾ ﴾ کے یہ معنی بھی ہیں کہ اعمال صالحہ بجا لانے میں مومنوں کے ساتھ ہو جاؤ، ان اعمال میں سرفہرست نماز ہے۔ اس آیت سے بہت سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ نماز با جماعت ادا کرنا واجب ہے۔

تفسیر آیت: 44

نیکی کا حکم دینے اور خود عمل نہ کرنے پر سرزنش: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے اہل کتاب! تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور یہ بڑی اچھی بات ہے مگر تمھیں یہ بات کس طرح زیب دیتی ہے کہ تم اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، لوگوں کو جس نیکی کے کرنے کا کہتے ہو، اسے خود نہیں کرتے، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو اور جانتے ہو کہ احکام الٰہی میں کوتاہی کرنے والے کے بارے میں اس میں کیا لکھا ہے؟ ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿44﴾ ﴾ یعنی کیا تم سمجھتے نہیں کہ تم اپنے ساتھ کیا کر رہے ہو؟ اس مدہوشی سے ہوش میں آؤ! اندھا پن چھوڑو اور بینا بنو!

عبدالرزاق نے معمر کے واسطے سے قتادہ رحمہ اللہ سے فرمان باری تعالیٰ: ﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴾ ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ بنی اسرائیل لوگوں کو تو اللہ کی اطاعت، تقویٰ اور نیکی اختیار کرنے کا حکم دیتے تھے اور خود اس کی مخالفت کرتے تھے۔ اسی بات پر اللہ تعالیٰ نے انھیں عار دلائی ہے۔[4] سدی کا بھی یہی قول ہے۔[5] اس آیت کی تفسیر میں ابن جریج نے کہا ہے کہ اہل کتاب اور منافقین لوگوں کو تو نماز، روزے کا حکم دیتے تھے مگر خود عمل نہیں کرتے تھے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں عار دلائی ہے، لہٰذا جو شخص نیکی کا حکم دے، اسے چاہیے کہ وہ سب سے پہلے خود اس پر عمل کرے۔[6]

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴾ ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟'' یعنی اپنے آپ کو چھوڑ دیتے ہو۔ ﴿ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا

---

① تفسیر ابن أبي حاتم:99/1. ② تفسیر ابن أبي حاتم:100/1. ③ تفسیر ابن أبي حاتم:100/1. ④ تفسیر عبدالرزاق:268/1. ⑤ تفسیر الطبری:368/1. ⑥ تفسیر الطبری:368/1.

﴿ تَعْقِلُوْنَ ﴾ ''حالانکہ تم کتاب (تورات) پڑھتے ہو، کیا تم سمجھتے نہیں؟'' یعنی تمھارے پاس جو علم نبوت اور عہد و پیمان تورات کی صورت میں ہے، اس کی وجہ سے لوگوں کو تو کفر سے روکتے ہو مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ تورات میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے تم سے یہ عہد لیا تھا کہ تم میرے رسول کی تصدیق کرو گے مگر تم نے میرے اس عہد کو توڑا ہے اور میری کتاب میں جو لکھا ہوا ہے، اس کا انکار کر رہے ہو۔[1]

الغرض اللہ تعالیٰ نے ان کی اس روش کی وجہ سے ان کی مذمت کی ہے اور اپنے بارے میں جس غلطی کا ارتکاب کر رہے تھے اس پر متنبہ کیا ہے کہ وہ لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے تھے مگر خود اسے نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی کا حکم دینے پر ان کی مذمت نہیں کی کیونکہ نیکی کا حکم دینا تو بذات خود نیکی ہے اور عالم کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کا حکم دے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے لیے یہ بھی واجب اور اولیٰ ہے کہ وہ خود بھی نیکی کرے اور نیکی کرنے والوں سے خود پیچھے نہ رہے جیسا کہ شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰی مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ۝ ﴾ (ھود 11:88) ''اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمھیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمھارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے۔ میں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

نیکی کا حکم دینا بھی واجب ہے اور اسے خود سرانجام دینا بھی واجب۔ علمائے سلف وخلف کے صحیح ترین قول کے مطابق ان میں سے ایک کو ترک کر دینے کی وجہ سے دوسرے کا وجوب ساقط نہیں ہوتا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ابووائل سے روایت کیا ہے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بات کیوں نہیں کرتے؟ انھوں نے فرمایا کہ تمھارا کیا خیال ہے کہ بات اسی صورت میں ہے جب میں تمھیں سنا کر کہوں؟ حالانکہ میں تو ان سے بات کرتا رہتا ہوں لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ ایک کام کا آغاز مجھ سے ہو اور نہ میں کسی کو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تو سب لوگوں سے بہتر ہے، خواہ وہ میرا امیر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے کیا ارشاد سنا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

[يُجَاءُ بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ بِهِ أَقْتَابُهُ ، فَيَدُورُ بِهَا فِي النَّارِ كَمَا يَدُورُ الْحِمَارُ بِرَحَاهُ ، فَيُطِيفُ بِهِ أَهْلُ النَّارِ فَيَقُولُونَ: يَا فُلَانُ ! مَالَكَ مَاأَصَابَكَ ؟ أَلَمْ تَكُنْ تَأْمُرُنَا بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَانَا عَنِ الْمُنْكَرِ ؟ قَالَ: كُنْتُ آمُرُكُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا آتِيهِ، وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَآتِيهِ]

''ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا جس سے اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی، وہ جہنم میں ان کے اردگرد چکر کھاتا رہے گا جس طرح گدھا چکی کے اردگرد چکر کھاتا ہے، جہنمی اس کے گرد جمع ہو جائیں گے اور اس سے پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا؟ کیا تو ہمیں نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے منع نہ کرتا تھا؟ وہ جواب دے گا: ہاں، میں تمھیں تو

[1] تفسیر الطبری:368/1.

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿45﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ

اور تم صبر اور نماز کے ذریعے سے اللہ کی مدد طلب کرو، اور بے شک یہ بہت بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں) ﴿45﴾ جو لوگ اس بات کا

مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿46﴾

یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ضرور ملنے والے ہیں اور یہ کہ بے شک وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ﴿46﴾

نیکی کا حکم دیتا تھا مگر خود نیکی نہیں کرتا تھا اور تمھیں برائی سے روکتا تھا مگر خود برائی کا ارتکاب کرتا تھا۔''[1] اس حدیث کو امام بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں تین آیات کی وجہ سے وعظ کرنے کو پسند نہیں کرتا، وہ تین آیات یہ ہیں: ﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴾ ''(یہ) کیا (عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کا کہتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کیے دیتے ہو؟'' ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ ﴾ (الصف 61:2,3) ''مومنو! تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے؟ اللہ اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔'' اور تیسری آیت وہ جو اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا تھا: ﴿ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ○ ﴾ (ھود 11:88) ''اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمھیں منع کروں، خود اس کو کرنے لگوں، میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمھارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس بارے میں) مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے، میں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''[3]

تفسیر آیات: 46,45

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ دنیا و آخرت کی جس خیر و بھلائی کی وہ امید رکھتے ہیں، اس کے حصول کے لیے وہ صبر اور نماز سے مدد لیا کریں جیسا کہ مُقَاتِل بن حَیّان نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ طلب آخرت کے سلسلے میں فرائض پر صبر اور نماز کے ساتھ مدد لیا کرو۔[4] یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں صبر سے مراد روزہ ہے۔ مجاہد نے بھی یہی فرمایا ہے۔[5] قرطبی اور کئی مفسرین نے لکھا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ رمضان کو ماہ صبر بھی کہا جاتا ہے۔[6] جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے۔[7] ایک قول یہ بھی ہے کہ صبر سے مراد گناہوں سے رک جانا ہے۔[8] اسی لیے اسے عبادات کے ساتھ ملا کر بیان کیا گیا ہے اور عبادات میں سرفہرست نماز ہے۔

---

① مسند أحمد: 205/5. ② صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة، حديث: 3267 و صحيح مسلم، الزهد، باب عقوبة من يأمر بالمعروف ولا يفعله......، حديث: 2989. ③ تفسير القرطبي: 367/1. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 102/1. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم: 102/1. ⑥ تفسير القرطبي: 372/1. ⑦ سنن النسائي، الصيام، ذكر الاختلاف على أبي عثمان......، حديث: 2410. ⑧ دیکھیے جامع العلوم والحکم لابن رجب: 333/1، حدیث: 15 کے ذیل میں۔

ابن ابوحاتم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صبر کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ مصیبت کے وقت صبر کیا جائے اور یہ بہت اچھا ہے اور اس سے بھی اچھا صبر یہ ہے کہ ان امور کا ارتکاب نہ کیا جائے جنھیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ حسن بصری سے بھی یہی قول مروی ہے۔ ①

جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو دین پر ثبات و استقامت کے لیے نماز سب سے بڑی مددگار ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ﴾ (العنکبوت 45:29) ''(اے نبی!) یہ کتاب جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، اس کی تلاوت کیجیے اور نماز قائم کیجیے، کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بڑا (اچھا کام) ہے۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی مشکل کام کی وجہ سے غم میں مبتلا ہوتے تو نماز شروع فرما دیتے۔ ② اسے امام ابوداود نے بھی روایت کیا ہے۔ ③

﴿ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ ﴾ میں ضمیر کا مرجع صلاۃ ہے، یہی مجاہد سے مروی ہے۔ ④ اور ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ⑤ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس کا مرجع وہ ہو جس پر یہ کلام دلالت کر رہا ہے، یعنی صبر اور نماز کے ساتھ مدد دینے کی وصیت جیسا کہ قصۂ قارون میں ہے: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝ ﴾ (القصص 80:28) ''اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس! مومنوں اور نیکوکاروں کے لیے اللہ کا ثواب کہیں بہتر ہے (جو اس نے تیار کر رکھا ہے) اور وہ صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملے گا۔'' اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 35,34:41) ''اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتیں، آپ (سخت کلامی کا) ایسے طریق سے جواب دیں جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے آپ دیکھیں گے) کہ جس کی آپ سے دشمنی تھی، وہ آپ کا جگری دوست ہو گا۔ اور یہ بات انھی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر (برداشت) کرنے والے ہیں اور انھی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ہیں۔'' یعنی یہ وصیت انھی کے لیے ہے جو صبر کرنے والے ہیں اور یہ انھی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ہیں۔

بہرحال ضمیر کا مرجع نماز ہو یا نماز و صبر کی وصیت تو اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ ﴾ کے معنی ہوں گے کہ یہ بہت گراں اور ثقیل ہے۔ ⑥ ﴿ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ ﴾ ''مگر ان لوگوں کے لیے (گراں نہیں) جو عجز کرنے والے ہیں۔'' ابن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس کی تصدیق کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ ⑦

① تفسیر ابن أبي حاتم: 102/1. ② مسند أحمد: 388/5. ③ سنن أبي داود، التطوع، باب وقت قیام النبي ﷺ من اللیل، حدیث: 1319 و صحیح الجامع الصغیر: 858/2، حدیث: 4703. ④ تفسیر ابن أبي حاتم: 103/1. ⑤ تفسیر الطبري: 372/1. ⑥ تفسیر ابن أبي حاتم: 103/1. ⑦ تفسیر الطبري: 372/1.

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿47﴾

اے بنی اسرائیل! تم میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور بے شک میں نے تمھیں فضیلت دی تھی جہانوں پر ﴿47﴾

اور فرمان الٰہی: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿46﴾ ﴾ ”جو یقین کیے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔“ اس کا تعلق بھی پہلے کلام ہی سے ہے کہ نماز یا وصیت بہت گراں ہے۔ ﴿ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿45﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ﴾ ”مگر ان لوگوں پر (گراں نہیں) جو عجز کرنے والے ہیں، جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ضرور ملنے والے ہیں۔“ یعنی جو جانتے ہیں کہ انھیں قیامت کے دن اٹھایا جائے گا اور اپنے رب کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ ﴿ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿46﴾ ﴾ ”اور بے شک وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔“ یعنی ان کے تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی کی طرف راجع ہیں کہ وہ اپنے عدل کے مطابق ان کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ آخرت اور جزا پر یقین کی وجہ سے ان کے لیے نیکیوں کو سرانجام دینا اور برائیوں سے اجتناب کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ﴾ کے بارے میں ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عرب یقین کو بھی ظن اور شک کو بھی ظن سے موسوم کرتے ہیں جس طرح وہ ظلمت وضیاء دونوں کے لیے سُدْفَة اور فریاد کن اور فریاد رس دونوں کے لیے صَارِخ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سی مثالیں ہیں کہ ایک چیز کا ایک نام ہے اور اس کی ضد کا بھی وہی نام ہے۔[1] یہاں ظن یقین کے معنی میں ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا ﴾ (الکھف 53:18) ”اور گناہ گار لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کریں گے کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں۔“ اس میں ظن بمعنی یقین ہے۔

اور صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ (روز قیامت) ایک بندے سے فرمائے گا: [أَيْ فُلُ! أَلَمْ أُكْرِمْكَ (وَأُسَوِّدْكَ) وَ أُزَوِّجْكَ، وَأُسَخِّرْ لَكَ الْخَيْلَ وَ الْإِبِلَ وَأَذَرْكَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ ؟ فَيَقُولُ : بَلٰى ، يَا رَبِّ! فَيَقُولُ: أَفَظَنَنْتَ أَنَّكَ مُلَاقِيَّ؟ قَالَ: فَيَقُولُ :لَا ، فَيَقُولُ : فَإِنِّي أَنْسَاكَ كَمَا نَسِيتَنِي] ”اے فلاں! کیا میں نے تجھے عزت نہیں بخشی تھی؟ تجھے سردار نہیں بنایا تھا؟ تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ کیا میں نے گھوڑے اور اونٹ کو تیرے لیے مسخر نہیں کر دیا تھا؟ اور کیا میں نے تجھے راحت و آرام کے لیے موقع عطا نہیں کیا تھا؟ بندہ عرض کرے گا: کیوں نہیں! اے میرے پروردگار! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے یقین تھا کہ ایک دن تو میری ملاقات کے لیے آئے گا؟ بندہ عرض کرے گا: نہیں، تو اللہ فرمائے گا: (آج) میں تجھے بھلا رہا ہوں جس طرح تو نے مجھے بھلا دیا تھا۔“[2]

اس کی مزید تفصیل ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ﴾ (التوبۃ 67:9) کی تفسیر کے موقع پر بیان کی جائے گی۔ إن شاء اللہ تعالٰی۔

[1] تفسیر الطبری: 373/1. [2] صحیح مسلم، الزھد، باب [الدنیا سجن للمؤمن و جنّة للکافر]، حدیث: 2968 .

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی جان کسی جان کو کچھ فائدہ نہیں دے گی اور نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس سے کوئی

عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿48﴾

عوض لیا جائے گا اور نہ ان کی مدد ہی کی جائے گی ﴿48﴾

تفسیر آیت:47

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو وہ نعمتیں یاد دلا رہا ہے جو اس نے ان کے آباء واجداد اور اسلاف پر کی تھیں کہ ان میں سے رسول بھیجے، ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں اور انھیں ان کے زمانے کے تمام لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الدخان 32:44) ”اور بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل کو جہان والوں سے علم کی بنا پر منتخب کیا تھا۔“ اور فرمایا: ﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (المآئدۃ 20:5) ”اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم پر اللہ نے جو احسان کیے ہیں ان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر پیدا کیے اور تمھیں بادشاہ بنایا اور تم کو اتنا کچھ عنایت کیا کہ اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔“

ابوجعفر رازی نے ربیع بن انس کے حوالے سے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے: ﴿وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿45﴾﴾ سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو انھیں اپنے زمانے کے لوگوں کے مقابلے میں بادشاہت، رسولوں اور کتابوں کی صورت میں دی گئی تھیں۔ یاد رہے ہر زمانے کا ایک اپنا عالَم ہوتا ہے۔[1] مجاہد، ربیع بن انس، قتادہ اور اسماعیل بن ابوخالد رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل سے افضل ہے: بنی اسرائیل کو صرف اپنے زمانے کے لوگوں پر فضیلت حاصل تھی جبکہ امت محمدیہ ان سے بھی افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ﴾ (آل عمران 110:3) ”(مومنو! جتنی امتیں لوگوں میں پیدا ہوئیں) تم (ان سب سے) بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا۔“

مسانید اور سنن میں معاویہ بن حَیدَہ قُشَیری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَنْتُمْ تُوفُونَ سَبْعِينَ أُمَّةً أَنْتُمْ خَيْرُهَا وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ] ”تم سترویں امت ہو اور تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان تمام امتوں کے مقابلے میں بہتر اور معزز ہو۔“[3] اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں جنھیں ارشاد باری تعالیٰ: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ

[1] تفسير الطبري:378/1 . [2] تفسير ابن أبي حاتم:104/1 . [3] مسند أحمد:3/5 اور [خيرها] اسی صفحے پر دوسری روایت میں ہے۔ وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة آل عمران، حديث:3001 و سنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة أمة محمد ﷺ، حديث:4288.

لِلنَّاسِ ﴾(آل عمران 3:110) کی تفسیر کے موقع پر بیان کیا جائے گا۔

تفسیر آیت:48

یہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو پہلے اپنی نعمتیں یاد دلائیں اور اب اس کے بعد روز قیامت کے سخت اور طویل عذاب سے ڈراتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا ﴾ ''اور اس دن سے ڈرو''، یعنی قیامت کے دن سے ﴿ لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا ﴾ ''اس دن کوئی کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ط ﴾(فاطر 35:18) ''اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔'' اور ارشاد ہے: ﴿ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴾ (عبس 80:37) ''ان میں سے ہر شخص اس روز ایک ایسی فکر میں ہوگا جو اسے (دوسروں سے) بے نیاز کر دے گی۔'' اسی طرح فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ز وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ط ﴾(لقمٰن 31:33) ''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے گا اور نہ بیٹا باپ کے کچھ کام آسکے گا۔'' یہ بڑا پر خطر اور ہولناک مقام ہے کہ اس دن باپ بیٹے میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے کچھ کام نہ آسکے گا۔

کافروں سے سفارش وفدیہ قبول ہوگا نہ ان کی مدد کی جائے گی: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ کافروں کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔[1] جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴾ (المدثر 74:48) ''تو (اس حال میں) سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے حق میں کچھ فائدہ نہ دے گی۔'' اور جیسا کہ جہنمیوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ کہیں گے: ﴿ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۙ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴾(الشعرآء 26:100,101) ''تو (آج) نہ کوئی ہمارے لیے سفارش کرنے والا ہے اور نہ کوئی گرم جوش دوست۔''

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ نہ اس سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ط ﴾(آل عمران 3:91) ''بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے وہ اگر (نجات حاصل کرنا چاہیں اور) بدلے میں زمین بھر سونا دیں تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾(المآئدۃ 5:36) ''بے شک جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس روئے زمین (کے تمام خزانے اور اس) کا سب مال ومتاع ہو اور اس کے ساتھ اسی قدر اور بھی ہو تا کہ قیامت کے روز عذاب سے بچنے کے لیے فدیے میں دے دیں تو ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور ان کو درد دینے والا عذاب ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ط ﴾(الأنعام 6:70) ''اور اگر وہ (نفس) ہر چیز (جو روئے زمین پر ہے بطور) معاوضہ دینا چاہے تو وہ اس سے قبول نہ ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ط هِیَ مَوْلٰىكُمْ ط ﴾(الحدید 57:15) ''تو آج تم (منافقین) سے کوئی معاوضہ نہیں لیا جائے گا اور نہ (وہ) کافروں

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 501/1.

سے (قبول ہی کیا جائے گا) تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے، وہی تمھارے لائق ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا ہے کہ اگر وہ اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ایمان نہ لائیں، اللہ تعالیٰ نے جس دین کے ساتھ انھیں مبعوث فرمایا ہے اس کی پیروی نہ کریں اور اسی حالت میں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں تو انھیں کسی قرابت دار کی قرابت اور کسی صاحبِ جاہ وحشمت کی سفارش فائدہ دے گی نہ ان سے کوئی فدیہ ہی قبول کیا جائے گا، خواہ وہ ساری زمین سونے کی بھر کر کیوں نہ دیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ ﴾ (البقرة 2:254) ’’اس دن کے آنے سے پہلے پہلے (خرچ کرلو) جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوسکے گا اور نہ دوستی اور سفارش ہو سکے گی۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ لَّا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴾ (إبراهيم 14:31) ’’جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا اور نہ دوستی (کام آئے گی۔)‘‘

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ۝ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو ان کا خیال نہ ہوگا کہ ان کی مدد کرے اور انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائے جیسا کہ قبل ازیں بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ کوئی صاحبِ قرابت یا کوئی صاحبِ جاہ وحشمت ان پر شفقت نہیں کرے گا اور نہ ان سے کوئی فدیہ ہی قبول کیا جائے گا۔ اور کوئی بھی اپنا یا بیگانہ ان کی مدد نہ کر سکے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَا لَهٗ مِنۡ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝ ﴾ (الطارق 86:10) ’’انسان کی کچھ پیش نہ چل سکے گی اور نہ کوئی اس کا مددگار ہوگا۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کافر سے نہ کوئی فدیہ قبول کرے گا اور نہ اس کے حق میں کسی کی سفارش تسلیم کرے گا۔ اس کے عذاب سے نہ کوئی بچا سکے گا، نہ اس سے کوئی خلاصی دلا سکے گا اور نہ کوئی پناہ دے سکے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ يُجِيۡرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيۡهِ ﴾ (المؤمنون 23:88) ’’اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ فَيَوۡمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ۝ وَّلَا يُوۡثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ۝ ﴾ (الفجر 89:25,26) ’’چنانچہ اس دن نہ کوئی اللہ کے عذاب کی طرح کا عذاب دے گا اور نہ کوئی ویسا جکڑنا جکڑے گا۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ مَا لَكُمۡ لَا تَنَاصَرُوۡنَ ۝ بَلۡ هُمُ الۡيَوۡمَ مُسۡتَسۡلِمُوۡنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:25,26) ’’تم کو کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ بلکہ آج تو وہ (سب) فرماں بردار ہیں۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ فَلَوۡلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ قُرۡبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلۡ ضَلُّوۡا عَنۡهُمۡ ۚ ﴾ (الأحقاف 46:28) ’’تو جن کو ان لوگوں نے تقرب (الٰہی) کے لیے اللہ کے سوا معبود بنایا تھا، انھوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی؟ بلکہ وہ ان (کے سامنے) سے گم ہو گئے۔‘‘

ضحاک رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری: ﴿ مَا لَكُمۡ لَا تَنَاصَرُوۡنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:25) کے بارے میں لکھا ہے کہ ان سے کہا جائے گا کہ تم کو کیا ہوا کہ آج تمھاری مدد نہیں کی جا رہی، تمھارے لیے دوری ہو آج تمھیں کسی قسم کی مدد حاصل نہ ہوگی۔[1]

ابن جریر نے ﴿ وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ۝ ﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس دن کوئی مددگار ان کی مدد کرے گا نہ کوئی سفارش کرنے والا سفارش کرے گا اور نہ ان سے کوئی بدلہ یا فدیہ ہی قبول کیا جائے گا، دوستی دم توڑ جائے گی، رشوت اور سفارش ختم ہو جائے گی، نصرت وحمایت اور تعاون کا نام ونشان نہ ہوگا اور سارا معاملہ اس جبار اور عادل کے ہاتھ میں ہوگا جس کی بارگاہ میں سفارش کرنے والے اور مددگار کام نہ آئیں گے۔ وہ برائی کی سزا تو برائی کے برابر دے گا مگر نیکی کا بدلہ اس سے کئی گنا زیادہ

[1] تفسير الطبري: 384/1.

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ

اور (یاد کرو) جب ہم نے تمھیں آل فرعون سے نجات دی وہ تمھیں سخت عذاب دیتے تھے، تمھارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمھاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ

نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿49﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ

دیتے تھے، اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی ﴿49﴾ اور جب ہم نے تمھارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا، پھر ہم نے تمھیں نجات

وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿50﴾

دی اور ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا جبکہ تم دیکھ رہے تھے ﴿50﴾

عطا فرمائے گا۔ اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:24-26) ''اور ان کو ٹھہرائے رکھو بلاشبہ ان سے (کچھ) پوچھنا ہے، تم کو کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟ بلکہ آج تو وہ (سب) فرماں بردار ہیں۔''[1]

تفسیر آیات: 50,49

بنی اسرائیل کی نجات اور قوم فرعون کا غرق: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم میرے اس احسان کو بھی یاد کرو ﴿ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ﴾ ''اور (یاد کرو) جب ہم نے تمھیں آل فرعون سے نجات دی وہ تمھیں سخت تکلیف دیتے تھے۔'' یعنی جب میں نے تم کو فرعونیوں سے خلاصی بخشی اور تمھیں موسیٰ علیہ السلام کی رفاقت میں ان کے ہاتھوں سے نجات عطا فرمائی، حالانکہ وہ تمھیں بہت بڑا اور شدید دکھ دیتے تھے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فرعون ۔لَعَنَهُ اللّٰهُ۔ نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ ڈر گیا کہ بیت المُقدّس سے ایک آگ نکل کر مصر میں پہنچی اور قبطیوں کے گھروں میں تو داخل ہوگئی مگر بنی اسرائیل کے گھروں میں داخل نہ ہوئی۔ جس کی تعبیر یہ تھی کہ اس کی حکومت کا زوال بنی اسرائیل کے ایک شخص کے ہاتھوں ہوگا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ قصہ گو لوگوں نے اسے بتایا کہ بنی اسرائیل اپنے ہاں ایک ایسے شخص کے پیدا ہونے کا انتظار کر رہے ہیں جس کی وجہ سے انھیں حکومت اور عظمت وشوکت حاصل ہوگی۔ اس موقع پر فرعون ۔لَعَنَهُ اللّٰهُ۔ نے یہ حکم دیا کہ آج کے بعد بنی اسرائیل میں جو لڑکا بھی پیدا ہوا سے قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اور بنی اسرائیل کو مشقت والے اور رذیل کاموں میں استعمال کیا جائے۔

یہاں عذاب کی تفسیر بیٹوں کے قتل سے کی گئی ہے اور سورۂ ابراہیم میں بیٹوں کے قتل کو عذاب پر عطف کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ ﴾ (ابراھیم 14:6) ''وہ لوگ تمھیں برے عذاب دیتے تھے اور تمھارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے اور تمھاری بیٹیاں زندہ رہنے دیتے تھے۔'' اس کی مزید تفسیر سورۂ قصص کی ابتدا میں بھی بیان کی جائے گی۔ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ ، وَبِهِ الثِّقَةُ وَالْمَعُونَةُ وَالتَّأْيِيدُ.

﴿ يَسُوْمُوْنَكُمْ ﴾ کے معنی ہیں یُولُونَکُم یعنی مبتلا رکھتے تھے تم کو۔ یہ قول ابوعبیدہ کا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: سَامَهُ خُطَّةَ

[1] تفسیر الطبری: 384/1.

فرعون کی غرقابی
اور
کوہِ طور

فرعون کی غرقابی کا مقام
بحیرات مُرّہ
شمال
عمالقہ کا علاقہ
صحرائے نفوذ
بعل صفون
قلزم (سویز)
عیون موسیٰ
مارہ
جبل ہور
جزیرہ نمائے سیناء
حمام فرعون
ایلیم
ایلہ
(ایلات)
عقبہ
(عصیون جابر)
تیہ
بیابان صین
المرخہ
ابوزنیمہ
مصر
خلیج سویس (سویز)
فاران رفیدیم
(حورب)
طور (جبل موسیٰ)
خلیج عقبہ
مدین
مدین
بندرگاہ طور
بحیرۂ قلزم
(بحیرۂ احمر)

بحیرات مُرّہ: یہ نمکین پانی کی کھاڑیاں (جھیلیں) ہیں جو آج کل بحیرۂ قلزم کی خلیج سویس سے فاصلے پر واقع ہیں مگر قدیم زمانے میں یہ بحیرۂ قلزم کا حصہ تھیں۔ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ بحیرات مُرّہ کو کسی مقام سے پار کیا اور یہیں فرعون غرق ہوا۔

حمام فرعون: روایت ہے کہ اس جگہ فرعون منفتاح کی لاش پانی میں تیرتی ملی تھی۔

کوہ طور (جبل موسیٰ): موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل مارہ، ایلیم، المرخہ اور فاران رفیدیم کے راستے جبل موسیٰ تک پہنچے جس کا قدیم نام سیناء یا طور ہے۔ قرآن میں اسی کی وادی کو ''وادی مقدس طویٰ'' کہا گیا ہے۔

بندرگاہ طور: جزیرہ نمائے سیناء کے جنوب مغربی ساحل پر طور نامی بندرگاہ ہے۔

بیابان صین: بائبل کے مطابق بیابان صین سے من وسلویٰ کا نزول شروع ہوا۔ دشتِ صین یا ''سین'' سے مراد صحرائے سیناء ہے۔ اس بیابان کے سرے پر المرخہ واقع ہے۔

حورب: رفیدیم کے قریب حورب نامی چٹان پر موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا تو بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔

کوہ ہور: جبل ہور پر ہارون علیہ السلام نے وفات پائی۔

خَسُفٍ ''وہ اس کی ذلت وحقارت میں کوشاں رہتا ہے۔'' اس کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ وہ تمھیں ہمیشہ عذاب دیتے تھے جیسا کہ ہمیشہ چرنے والی بکری کو سَائِمَةُ الْغَنَمِ کہتے ہیں۔ اسے قرطبی نے بیان کیا ہے۔[1]

یہاں ﴿يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ﴾ میں ﴿يُذَبِّحُوْنَ﴾ کا عطف ﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ﴾ پر نہیں ڈالا گیا بلکہ ﴿يُذَبِّحُوْنَ﴾ فرعون کے بدترین عذاب کی تفسیر ہے کہ وہ کس قسم کا عذاب دیتا تھا کیونکہ اس کے سیاق میں آیت مبارکہ ﴿اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ﴾ میں نعمت مفرد ہے۔ اور سورۂ ابراہیم میں چونکہ ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ﴾ (إبراهيم 5:14) ''اور انھیں اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد دلا۔'' میں انعامات واحسانات کا ذکر ہے اس وجہ سے وہاں ﴿يُذَبِّحُوْنَ﴾ کا عطف ﴿يَسُوْمُوْنَكُمْ﴾ پر ڈالا گیا ہے تاکہ متعدد انعامات واحسانات کا پتا چل جائے۔

مصر کے سب کافر بادشاہوں کو فرعون کہا جاتا تھا، خواہ ان کا تعلق عمالیق سے ہو یا دوسروں سے جیسا کہ روم وشام کے ہر کافر بادشاہ کو قیصر، فارس (ایران) کے ہر بادشاہ کو کسریٰ، یمن کے ہر کافر بادشاہ کو تُبَّع اور حبشہ کے ہر بادشاہ کو نجاشی کہا جاتا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ﴾ کے بارے میں ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ جو ہم نے تمھارے آباء واجداد کو قوم فرعون کے عذاب سے نجات بخشی تو یہ بھی تم پر ایک عظیم الشان نعمت تھی، یعنی ﴿بَلَآءٌ﴾ سے مراد نعمت ہے۔[2] لفظ ﴿بَلَآءٌ﴾ کے اصل معنی آزمائش کے ہیں اور آزمائش کبھی سختی کے ساتھ ہوتی ہے اور کبھی آسودگی کے ساتھ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ (الأنبيآء 35:21) ''اور ہم تم لوگوں کو سختی اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (الأعراف 168:7) ''اور ہم آسائشوں اور تکلیفوں (دونوں) سے ان کی آزمائش کرتے رہے تاکہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔''

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تکلیف کی صورت میں جو آزمائش ہو اس کے لیے بَلَوْتُهٗ أَبْلُوْهُ بَلَاءً اور آسائش کی صورت میں جو آزمائش ہو اس کے لیے أَبْلَيْتُهٗ أُبْلِيهِ إِبْلَاءً وَّ بَلَاءً کے صیغے استعمال ہوتے ہیں۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اور جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی اور تم موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلے اور فرعون بھی تمھارے تعاقب میں نکلا تو ہم نے تمھارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے جیسا کہ اپنے اپنے مقامات پر اس کا ذکر آئے گا، اس کی سب سے زیادہ تفصیل۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ سورۂ شعراء میں آئے گی۔[4] ﴿فَاَنْجَيْنٰكُمْ﴾ کے معنی ہیں ہم نے تم کو ان سے خلاصی عطا کی۔ تمھارے اور ان کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی اور تمھاری آنکھوں کے سامنے انھیں غرق کر دیا تاکہ اس سے تمھارے سینوں کو زیادہ تسکین حاصل ہو اور تمھارے دشمن کے لیے یہ صورت حال زیادہ توہین آمیز ہو۔

یوم عاشوراء کا روزہ: حدیث میں آیا ہے کہ یہ عاشوراء کا دن تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے ان سے

---

[1] تفسیر القرطبی:384/1. [2] تفسیر الطبری:391/1. [3] تفسیر الطبری:392/1. [4] دیکھیے الشعرآء، آیات:52-68 .

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿51﴾

اور (یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے وعدہ کیا چالیس راتوں کا، پھر موسیٰ کے (طور پر) جانے کے بعد تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظالم تھے ﴿51﴾

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿52﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ

پھر اس کے بعد ہم نے تمھیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو ﴿52﴾ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان (حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی)

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿53﴾

دی تاکہ تم ہدایت پاؤ ﴿53﴾

دریافت فرمایا: [مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِي تَصُومُونَ ؟] ''تم اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟'' انھوں نے جواب دیا: یہ بڑی عظمت والا دن ہے کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی تھی، اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا تھا، آپ نے فرمایا: [أَنَا أَحَقُّ بِمُوسٰى مِنْكُمْ] ''میں تمھاری نسبت موسیٰ علیہ السلام کا زیادہ حق دار ہوں۔'' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس دن کا روزہ رکھا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔[1] اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات:51-53

بنی اسرائیل کا بچھڑے کو معبود بنانا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم میرے اس احسان کو بھی یاد کرو جب تم نے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا تھا اور میں نے تمھیں معاف کر دیا جس وقت موسیٰ علیہ السلام اس میعاد مقررہ کے لیے گئے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرمادی تھی۔ اور وہ میعاد مقررہ چالیس رات تھی جس کا ذکر سورۂ اعراف کی اس آیت میں ہے: ﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ﴾ (الأعراف 142:7) ''اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کی میعاد مقرر کی (کہ وہ اتنی راتیں کوہِ طور پر گزارے) اور دس راتیں مزید ملا کر اسے پورا کر دیا۔'' کہا گیا ہے کہ اس سے ذوالقعدہ کا پورا مہینہ اور دس راتیں ذوالحجہ کی مراد ہیں۔[3] اور یہ فرعون سے انھیں خلاصی عطا فرمانے اور سمندر سے پار کرا دینے کے بعد کا واقعہ ہے۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ﴾ ''اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی۔'' میں الکتاب سے مراد تورات ہے۔ ﴿وَالْفُرْقَانَ﴾ اور فرقان سے مراد وہ شے ہے جس سے حق و باطل اور ہدایت و ضلالت میں فرق کیا جا سکے۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿53﴾﴾ ''تاکہ تم ہدایت حاصل کرو۔'' یہ بھی سمندر سے باہر نکلنے کے بعد کی بات ہے جیسا کہ سورۂ اعراف میں سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے۔[4] نیز درج ذیل آیت کریمہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ (القصص 43:28) ''اور بے شک ہم نے

---

① مسند أحمد:291/1. ② صحيح البخاري، الصوم، باب صوم يوم عاشوراء، حديث:2004 وصحيح مسلم، الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، حديث:1130 والسنن الكبرى للنسائي:156/2، حديث:2834 وسنن ابن ماجه، الصيام، باب صيام يوم عاشوراء، حديث:1734 وسنن أبي داود:2444. ③ تفسير الطبري:400/1. ④ دیکھیے الأعراف، آیات:138-151.

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! بے شک تم نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے بچھڑے کو (معبود) بنا کر، لہٰذا اب تم اپنے پیدا کرنے والے

بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

کے حضور توبہ کرو، اور تم اپنے آپ کو قتل کرو، یہ تمھارے لیے تمھارے پیدا کرنے والے کے نزدیک بہت بہتر ہے، پھر اللہ نے تم پر توجہ کی، بے شک وہی

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿54﴾

بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿54﴾

(فرعونیوں سمیت) پہلی امتوں کے ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کے لیے بصیرت، ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔''

تفسیر آیت: 54

اپنے آپ کو قتل کرنے کی صورت میں بنی اسرائیل کی توبہ: یہاں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنا کر جس نہایت سنگین جرم کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جرم کی توبہ کس طرح قبول فرمائی۔ حسن بصری ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ ان سے اس وقت فرمایا تھا جب ان کے دلوں میں احساس پیدا ہوا کہ بچھڑے کی عبادت کر کے وہ سنگین جرم کے مرتکب ہوئے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ ﴾ (الأعراف 149:7) ''اور جب وہ نادم ہوئے اور دیکھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہیں کرے گا اور ہم کو معاف نہیں فرمائے گا تو ہم ضرور برباد ہو جائیں گے۔'' تو اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ ﴾ ''اے میری قوم! بے شک تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنے آپ پر بڑا ظلم کیا ہے۔''[1]

ابوالعالیہ، سعید بن جبیر اور ربیع بن انس رحمہم اللہ ﴿ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں: إِلٰى خَالِقِكُم کہ تم اپنے خالق کے آگے توبہ کرو۔[2] ﴿ اِلٰى بَارِىِٕكُمْ ﴾ کے الفاظ سے درحقیقت ان کے سنگین جرم سے متنبہ بھی کیا جا رہا ہے، یعنی اس ذات گرامی کے آگے توبہ کرو کہ تمھارا خالق تو وہ ہے مگر تم نے اس کے ساتھ کسی اور کی بھی عبادت شروع کر دی۔

امام نسائی، ابن جریر اور ابن ابو حاتم رحمہم اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی توبہ کی صورت یہ تھی کہ ان میں سے ہر شخص اپنے سامنے آنے والے انسان کو تلوار سے قتل کر دے، خواہ وہ اس کا باپ ہو یا بیٹا اور اس بات کی پروانہ کرے کہ وہ کس کو قتل کر رہا ہے، اس طرح ان لوگوں نے بھی توبہ کر لی جو موسیٰ و ہارون سے تو مخفی رہے تھے مگر اللہ تعالیٰ کو ان کے گناہوں کا علم تھا، انھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور وہ کام کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا اور

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 109/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 110/1.

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ

اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہم اللہ کو سامنے (علانیہ) نہ دیکھ لیں تو تمھیں بجلی نے پکڑ لیا اور تم

تَنْظُرُوْنَ ﴿55﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿56﴾

دیکھ رہے تھے ﴿55﴾ پھر ہم نے تمھیں زندہ کیا تمھاری موت کے بعد تاکہ تم شکر کرو ﴿56﴾

اس طرح اللہ تعالیٰ نے قتل کرنے والوں کو بھی معاف فرما دیا اور قتل ہونے والوں کو بھی۔ [1]

ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو قتل کریں، موسیٰ علیہ السلام نے جب ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا جنھوں نے بچھڑے کو معبود بنایا تھا تو وہ بیٹھ گئے اور جنھوں نے بچھڑے کو معبود نہیں بنایا تھا وہ ہاتھوں میں خنجر پکڑ کر کھڑے ہو گئے اس وقت زبردست اندھیرا چھا گیا اور انھوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیا جب اندھیرا چھٹ گیا تو معلوم ہوا کہ ستر ہزار انسان قتل ہو گئے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قتل ہونے والوں کی بھی توبہ قبول فرمالی اور جو بچ گئے ان کی بھی توبہ قبول فرمالی۔ [2]

تفسیر آیات:56,55

بنی اسرائیل کے سرداروں کا اللہ کے دیدار کا مطالبہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کا ان کو مار کر زندہ کرنا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم میرے اس احسان کو بھی یاد کرو کہ جب تم نے موسیٰ علیہ السلام سے مجھ کو آمنے سامنے دیکھنے کا سوال کیا، حالانکہ اس کی تمھیں اور تم جیسے انسانوں کو استطاعت ہی نہیں کہ مجھے دیکھ سکیں۔ اور اس ناروا سوال کی پاداش میں جب تمھیں بجلی نے آ گھیرا تو موت آ جانے کے بعد میں نے تمھیں از سرِ نو زندہ کر دیا جیسا کہ ابن جریج نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ ﴿جَهْرَةً﴾ کے معنی عَلَانِيَةً کے ہیں۔ [3] اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ جب تک ہم اللہ کو علانیہ طور پر نہ دیکھ لیں ایمان نہیں لائیں گے۔ [4]

عروہ بن رُوَیم ﴿وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿55﴾﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ مر گئے اور کچھ ان مرنے والوں کو دیکھ رہے تھے، پھر مرنے والوں کو زندہ کر دیا گیا اور دیکھنے والوں پر موت طاری کر دی گئی۔ [5] ﴿فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ﴾ کی تفسیر کے بارے میں امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ سب لوگ مر گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے کھڑے ہو کر رو رو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا شروع کر دی کہ اے اللہ! میں بنی اسرائیل کے پاس واپس جا کر کیا کہوں گا کہ ان میں سے اچھے اچھے لوگوں کو تو تو نے مار دیا ہے؟ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ﴾ (الأعراف 155:7)
”اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا، کیا تو اس فعل کی سزا میں، جو ہم میں سے بے عقل لوگوں نے کیا ہے، ہمیں ہلاک کر دے گا؟“ تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف وحی کی کہ یہ ستر لوگ بھی ان میں سے ہیں جنھوں نے بچھڑے کی

① السنن الکبریٰ للنسائی، التفسیر، طٰہٰ:405,404/6 وتفسیر الطبری:409/1 عن أبی العالیۃ معمولی فرق کے ساتھ و تفسیر ابن أبی حاتم:110/1. ② تفسیر الطبری:408/1. ③ تفسیر الطبری:413/1. ④ تفسیر ابن أبی حاتم:111/1. ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم:111/1.

عبادت کی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کر دیا اور وہ ایک ایک کر کے زندہ ہو گئے اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے کہ وہ کس طرح زندہ ہو رہے ہیں۔ یہی معنی ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ ''پھر ہم نے تمھیں مارنے کے بعد زندہ کیا تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ'' کے ہیں۔[1]

ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ ان کی موت سزا کے طور پر تھی لیکن انھیں موت کے بعد پھر زندہ کیا گیا تاکہ اپنی اپنی عمروں کو پورا کر لیں۔ قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کے پاس سے ان تختیوں کو لے کر آئے جن میں تورات کو لکھا ہوا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی قوم کے لوگوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی ہے۔ آپ نے انھیں حکم دیا کہ اپنے آپ کو قتل کرو تو انھوں نے ایسا ہی کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمالیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ ان تختیوں میں اللہ کی کتاب لکھی ہوئی ہے اور اس کتاب میں تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی ہیں تو انھوں نے کہا کہ موسیٰ! تیری بات کا کون یقین کرے؟ اللہ کی قسم! ہم تو اس کو اس وقت تک اللہ کی کتاب تسلیم نہیں کریں گے جب تک ہم خود اللہ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں اور وہ خود یہ نہ فرمائے کہ یہ میری کتاب ہے تم اس کو لے لو۔ موسیٰ! بتائیں تو سہی کہ آخر اللہ تعالیٰ ہم سے اس طرح کیوں کلام نہیں کرتا جس طرح آپ سے کلام کرتا ہے؟ اس موقع پر عبدالرحمٰن نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ ''ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہم اللہ کو سامنے (علانیہ طور پر) نہ دیکھ لیں۔'' تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عذاب آیا کہ توبہ قبول ہونے کے بعد ان کو بجلی نے آ گھیرا جس کی وجہ سے وہ سب کے سب مر گئے۔

مرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ فرما دیا اور یہی معنی ہیں ﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ کے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ اللہ کی کتاب لے لو، کہنے لگے: نہیں، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا تھا؟ کہنے لگے ہم مر گئے تھے، پھر ہمیں زندہ کر دیا گیا، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اچھا اللہ کی کتاب کو لے لو۔ کہنے لگے: نہیں، ہم اس کو نہیں لیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیج دیا جنھوں نے ان کے اوپر پہاڑ کو لا کھڑا کیا۔[3]

یہ سیاق کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انھیں دوبارہ زندہ کیے جانے کے بعد مکلّف قرار دیا گیا تھا۔ ماوردی نے اس سلسلے میں دو قول بیان کیے ہیں: (1) معاملے کے کھلم کھلا اور بالکل عیاں طور پر معائنے کے بعد ان سے احکام شریعت کی پابندی ساقط ہو گئی تھی کیونکہ تصدیق کے لیے وہ مجبور و مضطر ہو گئے تھے۔ (2) وہ بدستور مکلّف ہی تھے کیونکہ کوئی عاقل احکام شریعت کی پابندی سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہی بات صحیح ہے کیونکہ زبردست امور کا مشاہدہ اس بات سے مانع نہیں ہو سکتا کہ انھیں احکام شریعت کا پابند قرار دیا جائے کیونکہ بنی اسرائیل نے تو اور بھی بڑے بڑے خرق عادت امور کا

[1] تفسير ابن أبي حاتم:113/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم:112/1. [3] تفسير الطبري:417/1.

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۖ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۖ وَمَا

اور ہم نے تم پر سایہ کیا بادلوں کا اور (کھانے کے لیے) تم پر من وسلوی اتارا (اور کہا کہ) ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں عطا کیں اور انھوں

ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿57﴾

نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ اپنے آپ ہی پر ظلم کرتے تھے ﴿57﴾

مشاہدہ کیا تھا اور اس کے باوجود انھیں احکام شریعت کا پابند قرار دیا گیا تھا۔[1] اور یہ بالکل واضح ہے۔ واللہ أعلم.

تفسیر آیت: 57

بادل کا سایہ اور من وسلوی کا نزول: یہ ذکر کرنے کے بعد کہ ان سے عذاب کو دور کر دیا تھا، اب اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کا ذکر فرما رہا ہے جن سے اس نے بنی اسرائیل کو نوازا، چنانچہ ارشاد باری ہے: ﴿ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ ﴾ ''اور ہم نے بادلوں کا تم پر سایہ کیے رکھا۔'' غَمَامٌ ، غَمَامَةٌ کی جمع ہے، اس کے معنی ڈھانپنے کے ہوتے ہیں۔ بادل کو اس لیے غمامہ کہا جاتا ہے کہ وہ آسمان کو چھپا لیتا اور ڈھانپ لیتا ہے۔ اس سے مراد وہ سفید بادل ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر تیہ میں سایہ کر دیا تھا تاکہ سورج کی گرمی سے بچ سکیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر تیہ میں بادلوں کا سایہ کر دیا۔ ابن ابوحاتم فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما، ربیع بن انس، ابومجلز، ضحاک اور سدی رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] ﴿ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ ﴾ کی تفسیر میں حسن اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جنگل میں بادل کا سایہ کر دیا تھا تاکہ دھوپ سے بچ سکیں۔[3] ابن جریج بعض دیگر مفسرین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ وہ ایک بہت ہی ٹھنڈا اور پاکیزہ بادل تھا۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ ﴾ ''اور ہم نے تم پر من وسلوی اتارا'' کے بارے میں علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے لیے مَنّ درختوں پر نازل ہوتا تھا، وہ صبح کے وقت جاتے اور جس قدر چاہتے کھا لیتے تھے۔[5] قتادہ فرماتے ہیں کہ منّ ان کے گھروں ہی میں اس طرح نازل ہوتا تھا جس طرح برف باری ہوتی ہے۔ یہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا اور طلوعِ فجر سے طلوع آفتاب تک نازل ہوتا تھا اور ان میں سے ہر شخص دن بھر کی اپنی ضرورت کے مطابق لے لیتا تھا، اگر کوئی اس سے زیادہ لے لیتا تو یہ خراب ہو جاتا اور کھانے کے قابل نہ رہتا تھا۔ ہاں، البتہ چھٹے دن، یعنی جمعے کے دن وہ اس قدر لے سکتے تھے جو چھٹے اور ساتویں، یعنی جمعہ و ہفتے کے دونوں دنوں کے لیے کافی ہوتا کیونکہ ہفتے کا دن ان کی عید کا دن تھا اور اس دن سب کاموں کی چھٹی ہوتی تھی، یہ سارے انعامات جنگل ہی میں پیش آتے تھے۔[6]

مَنّ کے بارے میں مشہور ہے کہ اسے اگر تنہا کھایا جاتا تو یہ کھانا بھی تھا اور میٹھا س بھی اور اگر اس کو پانی میں حل کر لیا جاتا تو اس سے ایک عمدہ مشروب بن جاتا، کسی اور چیز میں شامل کر لیا جاتا تو کھانے کی ایک دوسری قسم بن جاتا تھا۔ لیکن آیت میں مَنّ سے مراد صرف یہی نہیں ہے کیونکہ صحیح بخاری میں حدیث ہے: [اَلْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِّلْعَيْنِ] ''کھمبی بھی

---

① تفسیر القرطبي: 405/1. ② تفسیر ابن أبي حاتم: 113/1. ③ تفسیر ابن أبي حاتم: 113/1. ④ تفسیر ابن أبي حاتم: 113/1. ⑤ تفسیر ابن أبي حاتم: 114/1. ⑥ تفسیر ابن أبي حاتم: 114/1 و تفسیر عبدالرزاق: 271/1.



بنی اسرائیل کا مصر سے خروج اور تیہ میں دشت نوردی

← عبور بحیرہ مُرّہ، تیہ، طُور، موآب

← موسیٰ علیہ السلام کا مصر تا مدین سفر

✪ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک قبطی کے قتل کے بعد فرعون رعمسیس ثانی کے دارالحکومت طِیبہ سے نکلے اور صحرائے سیناء سے گزر کر مدین پہنچے ✪ واپس مصر آتے ہوئے کوہ طور (کوہ سیناء) پر موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی۔ ✪ فرعون منفتاح ابن رعمسیس ثانی کے عہد میں موسیٰ علیہ السلام دارالحکومت ممفس سے بنی اسرائیل کے ہمراہ چلے اور بحیرۂ مرّہ (قلزم کی ایک شاخ) کو عبور کیا جسے پار کرنے کی کوشش میں فرعون اپنے لشکر سمیت غرقاب ہوا۔ ✪ موسیٰ علیہ السلام نے موآب (شرقِ اردن) میں وفات پائی (بائبل) تاہم فتح الباری کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کی قبر اریحا میں سرخ ٹیلے (کثیب احمر) کے قریب ہے۔

منّ (کی قسم) سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے۔‘‘[1] اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2] نیز اس حدیث کو امام ابوداود کے علاوہ دیگر کئی محدثین نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔[3]

امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ ، وَفِيهَا شِفَاءٌ مِّنَ السُّمِّ ، وَالْكُمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ ، وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِّلْعَيْنِ] ’’اور عجوہ (مدینہ منورہ کی ایک اعلیٰ ترین قسم کی کھجور) جنت سے ہے اور یہ زہر سے شفا ہے اور کھمبی بھی منّ سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے۔‘‘[4] اس حدیث کو (اس سند سے) صرف امام ترمذی ہی نے بیان کیا۔[5]

سلوٰی کے بارے میں علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سلوٰی بٹیر کے مشابہ ایک پرندہ تھا جسے وہ کھاتے تھے۔[6] سدی نے بھی ابن عباس، ابن مسعود اور بہت سے دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہی روایت کیا ہے۔[7] مجاہد، شعبی، ضحاک، حسن، عکرمہ اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[8] عکرمہ فرماتے ہیں کہ سلوٰی ایک پرندہ تھا جس طرح جنت کے پرندے ہوں گے، یہ چڑیا کے برابر یا اس سے کچھ بڑا پرندہ تھا۔[9] قتادہ کا قول ہے کہ سلوٰی چنڈول (چڑیا) کی طرح کا ایک پرندہ تھا۔ جنوب کی طرف سے ہوا چلتی تو وہ ڈھیر لگا دیتی، آدمی اپنی دن بھر کی ضرورت کے مطابق ذبح کر لیتا تھا اور اگر وہ ضرورت سے زیادہ جمع کرتا تو خراب ہو جاتا اور کھانے کے قابل نہیں رہتا تھا۔ ہاں، البتہ چھٹے دن، یعنی جمعے کے دن وہ اس قدر ذبح کر سکتے تھے جو چھٹے اور ساتویں، یعنی جمعے و ہفتے کے دونوں دنوں کے لیے کافی ہوں کیونکہ ہفتے کا دن عبادت کا دن تھا۔ اور اس دن عبادت کے سوا دیگر تمام کاموں کی چھٹی ہوتی تھی۔[10]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ ’’جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ۔‘‘ یہ حکم اباحت کے لیے ہے، یعنی ان چیزوں کا کھانا ان کے لیے مباح تھا، اس میں رہنمائی بھی تھی اور احسان بھی۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝57 ﴾ ’’اور انھوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ اپنے آپ ہی پر ظلم کرتے تھے۔‘‘ یعنی ہم نے تو انھیں یہ حکم دیا تھا کہ یہ رزق جو ہم نے تمھیں عطا فرمایا ہے، اسے کھاؤ اور اپنے رب کا شکر بجا لاؤ جیسا کہ فرمایا: ﴿ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ﴾ (سبا 15:34) ’’(ہم نے کہا:) تم اپنے رب کا رزق کھاؤ، اور اس کا شکر ادا کرو۔‘‘ لیکن انھوں نے اپنے رب کے حکم کی مخالفت کی، کفر کیا اور اپنے اوپر ظلم کیا، حالانکہ انھوں نے خود اپنی آنکھوں سے روشن نشانیوں، معجزاتِ قاطعہ اور بہت سے خرقِ عادت امور کا مشاہدہ بھی کر لیا تھا۔

---

[1] صحيح البخاري، الطب، باب: المنّ شفاء للعين، حديث: 5708 عن سعيد بن زيد رضی اللہ عنہ. [2] مسند أحمد: 187/1.
[3] صحيح مسلم، الأشربة ،باب فضل الكمأة ......، حديث: 2049 وجامع الترمذي، الطب، باب ماجاء في الكمأة والعجوة، حديث: 2067. [4] جامع الترمذي، الطب، باب ماجاء في الكمأة والعجوة، حديث: 2066. [5] یہ حدیث کئی دوسری سندوں سے بھی مروی ہے، دیکھیے سنن ابن ماجه، الطب، باب الكمأة والعجوة، حديث: 3453 ومسند أحمد: 356,325,305,301/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. [6] تفسير ابن أبي حاتم: 115/1. [7] تفسير الطبري: 422/1. [8] تفسير ابن أبي حاتم: 115/1. [9] تفسير ابن أبي حاتم: 116/1. [10] تفسير ابن أبي حاتم: 115/1.

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ

اور جب ہم نے کہا: تم اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے تم چاہو جی بھر کر کھاؤ اور تم دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور کہنا:

سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿58﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ

اے اللہ! ہمیں بخش دے، تو ہم تمھاری خطائیں معاف کر دیں گے اور عنقریب ہم احسان کرنے والوں کو زیادہ دیں گے ﴿58﴾ تو جن لوگوں نے

ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ

ظلم کیا انھوں نے بات بدل دی، سوائے اس کے جوان سے کہی گئی تھی، پھر ہم نے ان ظالم لوگوں پر آسمان سے عذاب نازل کیا، اس وجہ سے کہ

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿59﴾ ع 6/13/6

وہ نافرمانی کرتے تھے ﴿59﴾

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت: اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے اصحاب کے مقابلے میں کس قدر فضیلت حاصل ہے کہ انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طول طویل سفر بھی کیے اور بہت سے غزوات میں بھی شرکت فرمائی اور ہر ہر موقع پر صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا، کبھی بھی نہ کسی دوں ہمتی کا ثبوت دیا اور نہ کسی کٹ حجتی کا مظاہرہ کیا۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر سفر بھی طویل تھا، موسم بھی شدید ترین گرم اور بہت سی مشکلات کا بھی سامنا تھا لیکن اس کے باوجود انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ طلب کیا نہ کوئی اور مطالبہ کیا، حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ بہت آسان تھا۔ ہاں، البتہ جب بھوک کی وجہ سے مشکل میں مبتلا ہوئے تو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانے میں برکت کے لیے دعا کی درخواست کی اور کھانے پینے کا جو سامان ان کے پاس موجود تھا، اسے انھوں نے جمع کیا (تو وہ بکری کے بیٹھنے کی جگہ کے برابر تھا۔) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں برکت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی اور آپ نے انھیں حکم دیا کہ اسے برتنوں میں ڈال لو تو اس سے وہ تمام برتن بھر گئے جو اس وقت ان کے پاس تھے۔[1]

اسی طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جب پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے پانی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تو ان کے سروں پر ایک بادل چھا گیا جس سے بارش برسنے لگی۔ بارش کے اس بابرکت پانی کو انھوں نے خود بھی پیا، اپنے اونٹوں کو بھی پلایا اور اس سے اپنے برتن بھی بھر لیے، پھر جب دیکھا تو یہ بارش صرف اسی جگہ ہوئی تھی جہاں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر فروکش تھا۔[2] اس سے جہاں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں قدرت کا اظہار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی برکت ثابت ہوتی ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اتباعِ نبوی کا کس قدر اکمل نمونہ تھے۔

---

① قوسین کے علاوہ دیکھیے صحیح مسلم، الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات......، حدیث:27 و مسند أحمد:421/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ۔ ② دیکھیے صحیح ابن حبان، الطھارۃ، ذکر الخبر الدالّ علی أن فرث ما یؤکل......:223/4، حدیث:1383 عن عمر رضی اللہ عنہ۔ و دلائل النبوۃ للبیھقي:231,230/5.

تفسیر آیات:59,58

یہودیوں کی مذمت کہ فتح کے موقع پر انھوں نے شکر کے بجائے تلبیس کو اختیار کیا: اللہ تعالیٰ یہودیوں کے جہاد سے اعراض اور ارضِ مقدس میں داخل ہونے سے انکار پر ملامت کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جب یہ موسیٰ علیہ السلام کی صحبت میں بلادِ مصر سے آئے تو انھیں حکم دیا گیا کہ ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ اور وہاں جو کافر عمالیق ہیں ان سے جہاد کرو تو انھوں نے جہاد سے انکار کرتے ہوئے انتہائی بزدلی اور دوں ہمتی کا مظاہرہ کیا، تب اللہ تعالیٰ نے انھیں جنگل میں پھینک دیا تاکہ حیران و سرگردان پھرتے رہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا سورۂ مائدہ میں ذکر فرمایا ہے۔[1]

لہٰذا زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ ارض مقدس سے مراد بیت المَقدِس ہے جیسا کہ سدی، ربیع بن انس، قتادہ، ابو مسلم اصفہانی اور دیگر کئی مفسرین نے بیان کیا ہے۔[2] اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا: ﴿ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ ﴾ (المآئدۃ5:21) ''اے میری قوم! تم ارض مقدس میں جسے اللہ نے تمھارے لیے لکھ رکھا ہے، داخل ہو جاؤ اور (دیکھنا مقابلے کے وقت) پیٹھ نہ پھیر دینا۔'' کچھ دیگر لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے اریحاء مراد ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عبدالرحمٰن بن زید کے حوالے سے بھی یہی بیان کیا جاتا ہے۔[3]

یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ جنگل میں چالیس سال گزارنے کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کے ساتھ (اللہ کی راہ میں) نکلے تو اللہ تعالیٰ نے جمعے کی شام انھیں یہ علاقہ فتح کرنے کی توفیق عطا فرما دی، اس دن سورج کو بھی ان کے لیے تھوڑی دیر کے لیے روک دیا گیا تھا تاکہ ان کے لیے فتح کرنا ممکن ہو جائے۔[4] اور جب انھوں نے شہر کو فتح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح و نصرت سے نوازا، ان کا شہر انھیں لوٹا دیا، انھیں جنگل اور اس میں سرگردان اور گم گشتہ راہ ہونے سے نجات عطا فرمائی، لہٰذا انھیں حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں پر شکر بجا لاتے ہوئے شہر کے دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں۔

عوفی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا ﴾ میں سجدہ سے مراد رکوع ہے۔ ابن جریر طبری نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے۔[5] امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے۔[6] اور ابن ابو حاتم نے بیان کیا ہے کہ یہ لوگ رکوع یا سجدے کی حالت کے بجائے اپنے سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے۔[7] حسن بصری نے بیان کیا ہے کہ انھیں حکم یہ تھا کہ اپنے چہروں کے بل سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں مگر امام رازی نے اس سے اتفاق نہیں کیا اور کہا ہے کہ یہاں سجدے سے مراد خشوع و خضوع ہے اس لیے کہ اسے حقیقت پر محمول کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ کوئی شخص سجدہ کرتے ہوئے دروازے سے داخل نہیں ہو سکتا۔[8]

---

① دیکھیے المآئدۃ:5/21-26. ② تفسیر ابن أبی حاتم:1/116. ③ تفسیر الطبری:1/426 اور دیکھیے المستدرك للحاكم، قسم الفیء:2/139,140، حدیث:2618. ④ ملخص از صحیح البخاری، فرض الخمس، باب قول النبی ﷺ: [أحلت لكم ......]، حدیث:3124 وصحیح مسلم، الجهاد، باب تحليل الغنائم ......،حدیث:1747 عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ. لیکن یہاں ''جمعے کی شام'' کا ذکر نہیں۔ اور حضرت یوشع علیہ السلام کے نام کی صراحت مسند أحمد:2/325 میں ہے۔ ⑤ تفسیر الطبری:1/427. ⑥ المستدرك للحاكم:1/262، حدیث:3040. ⑦ تفسیر ابن أبی حاتم:1/117. ⑧ تفسیر الرازی:3/89.

عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ دروازہ قبلہ رخ تھا۔[1] اس لیے حکم ہوا کہ جھکتے ہوئے داخل ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سدی، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس سے اِیلیاء، یعنی بیت المقدس کا باب الحِطّہ مراد ہے۔[2] امام رازی نے بعض ائمۂ تفسیر سے بیان کیا ہے کہ دروازے سے مراد جہاتِ قریہ میں سے ایک جہت ہے۔[3] عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس حکم پر عمل کے بجائے وہ کروٹ کے بل داخل ہوئے۔[4] سدی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھیں حکم تو یہ تھا کہ وہ اپنے سروں کو جھکائے دروازے سے داخل ہوں مگر وہ اس کے برعکس سروں کو اوپر اٹھائے ہوئے داخل ہوئے۔[5]

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ ﴾ کے معنی یہ کیے ہیں کہ تم کہو: ہم اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔[6] حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے کہ تو ہم سے ہماری خطاؤں کو مٹا دے۔[7] ﴿ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰیٰكُمْ ؕ وَ سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴾ ''ہم تمھاری خطائیں معاف کر دیں گے اور عنقریب ہم احسان کرنے والوں کو زیادہ دیں گے۔'' یہ جوابِ امر ہے، یعنی جب تم یہ کام کرو گے جس کا ہم نے تمھیں حکم دیا ہے تو ہم تمھاری غلطیوں کو معاف کر دیں گے اور تمھاری نیکیوں کو اور زیادہ کر دیں گے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ انھیں حکم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت کے اس موقع پر قول و فعل سے اس کے سامنے خشوع و خضوع کا اظہار کریں، اپنے گناہوں کا اقرار کریں، گناہوں کی معافی طلب کریں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات چونکہ بے حد پسند ہے اس لیے اس کا جلد مظاہرہ کریں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۙ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؔؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۠ ﴾ (النصر 110:1-3) ''(اے نبی!) جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور فتح (حاصل ہوگئی) اور آپ نے دیکھ لیا کہ لوگ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ ﴾ ''چنانچہ جن لوگوں نے ظلم کیا انھوں نے بات بدل دی سوائے اس کے جو ان سے کہی گئی تھی۔'' کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [قِیلَ لِبَنِی إِسْرَائِیلَ: ﴿ وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ ﴾ فَدَخَلُوا یَزْحَفُونَ عَلٰی أَسْتَاهِهِمْ، فَبَدَّلُوا وَقَالُوا: حَبَّةٌ فِي شَعَرَةٍ] ''بنی اسرائیل کو حکم تو یہ ہوا تھا کہ وہ سجدہ کرتے ہوئے اور حِطَّةٌ کہتے ہوئے داخل ہوں لیکن وہ اپنے سرینوں کو گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے اور حِطَّةٌ کو بدل کر حَبَّةٌ فِي شَعَرَةٍ کہنے لگے، یعنی ہم گندم کے دانے چاہتے ہیں۔''[8] امام نسائی نے بھی اس روایت کو موقوفاً بیان کیا ہے (لیکن وہاں حِطَّةٌ کی جگہ حِنطَةٌ ہے۔) اور اس روایت کے کچھ حصے کو انھوں

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:117/1. [2] تفسیر الطبري:427/1. [3] تفسیر الرازي:88/3 تفسیر ابن کثیر میں قریہ کی جگہ قبلہ ہے اور یہ تصحیح امام رازی اور ابوالمظفر السمعانی کی تفاسیر سے کی ہے۔ [4] تفسیر ابن أبي حاتم:118/1. [5] تفسیر ابن أبي حاتم: 118/1. [6] تفسیر ابن أبي حاتم:118/1. [7] تفسیر ابن أبي حاتم:119/1. [8] صحیح البخاري، التفسیر، (5) باب: ﴿ وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ ...... ﴾ (البقرة 58:2)، حدیث:4479.

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا: اپنی لاٹھی پتھر پر مار، چنانچہ اس (پتھر) سے بہ نکلے بارہ چشمے، ہر قبیلے نے اپنا اپنا گھاٹ

عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿60﴾

پہچان لیا۔ (ہم نے کہا:) کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق سے اور تم زمین میں فساد کرتے ہوئے نہ پھرو ﴿60﴾

نے مرفوعاً ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [بَدَّلُوا، فَقَالُوا حَبَّةٌ] ''انھوں نے حِطَّةٌ کو حَبَّةٌ سے بدل دیا تھا۔''[1] عبدالرزاق نے اسی طرح روایت کیا ہے اور ان کی اس سند سے امام بخاری، مسلم اور ترمذی نے اسے روایت کیا ہے، نیز امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔[2]

مفسرین نے جو ذکر فرمایا اور سیاقِ کلام سے جو معلوم ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ قول وفعل سے خشوع وخضوع کا اظہار کریں اور دروازے سے جھکتے ہوئے داخل ہوں تو انھوں نے اس کی مخالفت کی اور وہ اپنے سرینوں کو گھسیٹتے ہوئے داخل ہوئے اور اپنے سروں کو اوپر اٹھا لیا۔ اور انھیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ وہ دروازے سے داخل ہوتے وقت حِطَّةٌ کہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! تو ہمارے گناہوں اور غلطیوں کو معاف فرما دے مگر اس کے بجائے انھوں نے ازراہ مذاق حِنطَةٌ فِي شَعِيرَةٍ ''ہم گندم کے دانے طلب کرتے ہیں'' کہنا شروع کر دیا تھا اور یہ حکم الٰہی کی مخالفت اور عناد کی حد تھی۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فسق، یعنی حکم الٰہی کی اطاعت کے بجائے مخالفت کرنے کی وجہ سے ان پر عذاب نازل فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿59﴾﴾ ''پھر ہم نے ان ظالم لوگوں پر آسمان سے عذاب نازل کیا اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔'' ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی رِجْزٌ کا لفظ آیا ہے تو اس کے معنی عذاب کے ہیں۔[3] مجاہد، ابو مالک، سدی، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے کہ رِجْزٌ کے معنی عذاب کے ہیں۔[4]

ابن ابو حاتم نے سعد بن مالک، اسامہ بن زید اور خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلطَّاعُونُ رِجْزٌ عَذَابٌ عُذِّبَ بِهِ قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ] ''طاعون کا مرض رِجز، یعنی عذاب ہے، تم سے پہلے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے اسے عذاب کے طور پر نازل فرمایا تھا۔''[5]

اسی طرح امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[6] اس حدیث کا اصل صحیحین میں بھی ہے کہ آپ ﷺ

---

[1] السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب:7,6/6:286، حديث:10989,10990. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: (28)، حديث:3403، وكتاب التفسير، باب قوله: ﴿حِطَّةٌ﴾، حديث:4641 و صحيح مسلم، التفسير، باب في تفسير آيات متفرقة، حديث:3015 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث:2956 و مسند أحمد:318/2. [3] تفسير الطبري:436/1. [4] تفسير ابن أبي حاتم:120/1. [5] تفسير ابن أبي حاتم:120/1. [6] السنن الكبرى للنسائي، الطب:362/4، حديث:7523.

نے فرمایا: [إِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُونِ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوهَا......] ''جب تم کسی جگہ کے بارے میں یہ سنو کہ وہاں مرض طاعون پھیلا ہوا ہے تو وہاں نہ جاؤ......۔''[1] ابن جریر نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ هٰذَا الْوَجَعَ أَوِ السُّقْمَ رِجْزٌ عُذِّبَ بِهِ بَعْضُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ] ''یہ درد اور بیماری رجز ہے، تم سے پہلے بعض قوموں پر اسے عذاب کی صورت میں مسلط کیا گیا تھا۔''[2] اس حدیث کا اصل بھی صحیحین میں موجود ہے۔[3]

تفسیر آیت: 60

بارہ چشمے پھوٹ نکلے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم میرے اس احسان کو بھی یاد کرو کہ میں نے تمھارے نبی موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو بھی اس وقت قبول فرما لیا تھا جب انھوں نے مجھ سے تمھارے لیے پانی مانگا تھا تو میں نے تمھارے لیے پانی کے حصول کو آسان بنا دیا، اس پتھر سے پانی نکال دیا جو تمھارے پاس تھا، اور اس پتھر سے پورے بارہ چشمے نکال دیے، یعنی ہر خاندان کے لیے الگ الگ ایک چشمہ۔ اور ہر خاندان نے اپنے اپنے چشمے کو پہچان لیا تھا، لہٰذا منّ وسلوٰی کھاؤ اور اس پانی کو نوش جان کرو جسے میں نے تمھارے لیے تمھاری کسی محنت ومشقت کے بغیر پیدا کر دیا تھا اور اس ذات گرامی کی عبادت کرو جس نے اسے تمھارے لیے مسخر کر دیا تھا۔

﴿ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴾ ''اور زمین پر فساد کرتے نہ پھرنا۔'' یعنی میری ان نعمتوں کے مقابلے میں نافرمانیاں نہ کرو ورنہ ان نعمتوں سے محروم کر دیے جاؤ گے۔ مفسرین نے اس واقعے کو کافی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ ان کے پاس ایک مربع شکل کا پتھر تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس پر اپنے عصا کو مارا تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، یعنی ہر طرف تین تین چشمے تھے اور ہر خاندان کو اس کے چشمے کے بارے میں بتا دیا گیا تھا کہ وہ اس سے پانی پئیں، وہ نقل مکانی کر کے جس جگہ بھی جاتے، یہ پتھر ان کے ساتھ ہوتا تھا۔[4]

یہ واقعہ سورۂ اعراف میں بھی بیان کیا گیا ہے۔[5] اور وہ چونکہ مکی سورت ہے، اس لیے وہاں غائب کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں کیونکہ وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے حالات سے مطلع کیا ہے اور یہ سورۂ بقرہ مدنی ہے، (اور مدینہ میں یہودی موجود تھے) اس لیے اس میں خطاب براہ راست بنی اسرائیل سے ہے۔ اسی بنا پر ان سے حاضر کے صیغوں میں خطاب کیا گیا ہے۔ سورۂ اعراف میں لفظ: ﴿ فَانْبَجَسَتْ ﴾ (الأعراف 7:160) استعمال ہوا ہے جس کے معنی چشمے کے اول اول جاری ہونے کے ہیں جبکہ یہاں ﴿ فَانْفَجَرَتْ ﴾ کا لفظ استعمال ہوا ہے اور انفجار چشمہ جاری ہونے کی آخری مکمل صورت کو کہتے ہیں، اس لیے اپنی اپنی جگہ پر ان لفظوں کا استعمال نہایت موزوں ہے۔ واللّٰہ أعلم.

---

[1] صحیح البخاری، الطب، باب ما یذکر فی الطاعون، حدیث:5728 و صحیح مسلم، السلام، باب الطاعون و الطیرة ......، حدیث:2218 . [2] تفسیر الطبری:435/1. [3] صحیح البخاری، الحِیَل، باب مایکره من الاحتیال فی الفرار......، حدیث:6974 و صحیح مسلم، السلام، باب الطاعون والطیرة......، حدیث:(96)-2218 . [4] تفسیر الطبری:438/1. [5] دیکھیے الأعراف، آیت:160.

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ

اور جب تم نے کہا: اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے، لہٰذا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا مانگ کہ وہ ہمارے لیے وہ چیزیں نکال

بَقْلِهَا وَقِثَّآىِٕهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ

دے جو زمین اُگاتی ہے، (یعنی) اس کی ترکاری، ککڑی، گندم، مسور اور پیاز۔ موسیٰ نے کہا: کیا تم کم تر چیز لینا چاہتے ہو بدلے اس چیز کے جو بہتر ہے؟

اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ

اُترو کسی شہر میں، تو بے شک وہاں تمھارے لیے وہی کچھ ہے جس کا تم نے سوال کیا۔

تفسیر آیت: 61

من وسلویٰ کے بجائے ناقص کھانے کا مطالبہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم میرے اس احسان کو بھی یاد کرو کہ میں نے تم پر من وسلویٰ نازل فرمایا جو ایک پاکیزہ، مفید، خوش ذائقہ اور آسانی سے دستیاب ہونے والا کھانا تھا مگر تم نے اس کھانے سے منہ موڑا اور موسیٰ علیہ السلام سے تم نے اس کے بجائے ترکاریوں اور سبزیوں وغیرہ کے کھانوں کا مطالبہ کر دیا جو اس کی نسبت کم تر تھے۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے سرکشی اختیار کی، من وسلویٰ پر صبر نہ کر سکے اور اپنی پہلی زندگی کو یاد کرنے لگے جب وہ مسور، پیاز، ترکاریاں اور گندم استعمال کیا کرتے تھے۔[1] انھوں نے کہا: ﴿ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآىِٕهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ ﴾ ''اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے، لہٰذا ہمارے لیے اپنے رب سے دعا مانگ کہ وہ ہمارے لیے وہ چیزیں نکالے جو زمین اگاتی ہے، یعنی اس کی ترکاری، ککڑی، گندم، مسور اور پیاز۔''

اس آیت میں ذکر ہے کہ انھوں نے ﴿ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ ﴾ کہا ہے، حالانکہ وہ من اور سلویٰ کھاتے تھے لیکن ان دونوں کو انھوں نے ایک کھانا اس لیے قرار دیا کہ روزانہ انھیں یہی چیزیں ملتی تھیں اور اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی تھی گویا کہ وہ ایک ہی (نوع کا) کھانا تھا۔ بَقْلٌ ''ترکاری'' قِثَّاءٌ ''ککڑی'' عَدَسٌ ''مسور'' اور بَصَلٌ ''پیاز'' تو معروف چیزیں ہیں، البتہ فُوم کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ﴿ وَفُوْمِهَا ﴾ کے بجائے ثُومِهَا یعنی ''ثا'' کے ساتھ ہے۔[2] ابن ابو حاتم نے حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ﴿ وَفُوْمِهَا ﴾ کے معنی لہسن کے ہیں۔[3] قدیم لغت میں فَوِّمُوا لَنَا کے معنی اِخْتَبِزُوا کے ہیں، یعنی ہمارے لیے روٹی پکاؤ۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ اگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ قراءت صحیح ہو تو پھر یہ حروفِ مُبَدَّلَہ میں سے ہے، جیسے ضرب المثل ہے: وَقَعُوا فِي عَاثُورِ شَرٍّ ''وہ ہلاکت کے گڑھے میں گر گئے۔'' سے...... عَافُورِ شَرٍّ، اسی طرح أَثَاثِي ''گھر کا سامان'' سے أَثَافِي، اور مَغَافِير ''بدبودار گوند'' سے مَغَاثِير ہے۔ ثا، فا سے بدل جاتی ہے اور فا، ثا سے۔ واللّٰه أعلم۔[4] دیگر کئی مفسرین نے لکھا ہے کہ فُوم

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 123/1. [2] تفسیر الطبری: 445,444/1. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 123/1. [4] تفسیر الطبری: 445/1.

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ

اوران پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے۔ یہ اس لیے ہوا کہ بے شک وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور قتل

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿61﴾

کرتے تھے نبیوں کو ناحق، یہ اس سبب سے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے بڑھ جانے والے تھے ﴿61﴾

کے معنی گندم کے ہیں جس سے روٹی بنائی جاتی ہے۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ کھائے جانے والے تمام دانوں کو فوم کہا جاتا ہے۔[2]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ۭ﴾ ''موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: کیا تم عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے بدلے ناقص چیزیں چاہتے ہو؟'' یہ ان کو ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش تھی کہ انھوں نے ان کم تر کھانوں کا مطالبہ کیا، حالانکہ انھیں بہت عمدہ اور خوش ذائقہ کھانا مل رہا تھا اور وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

فرمان الٰہی: ﴿اِهْبِطُوْا مِصْرًا﴾ ''کسی شہر میں جا اترو'' کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان سے کہا گیا: تم کسی بھی شہر میں چلے جاؤ۔[3] ابن جریر نے ابوالعالیہ اور ربیع بن انس رحمہما اللہ کا قول ذکر کیا ہے کہ انھوں نے اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ تم فرعون کے شہر مصر میں چلے جاؤ۔[4] لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ تم کسی بھی شہر میں چلے جاؤ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی صحابہ سے اس کی تفسیر منقول ہے۔

اور موسیٰ علیہ السلام کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ یہ جو تم نے مطالبہ کیا ہے، یہ کوئی مشکل نہیں ہے، تم کسی بھی شہر میں چلے جاؤ، یہ چیزیں تو ہر جگہ دستیاب ہیں، ان کے بارے میں خاص اہتمام سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی ضرورت نہیں۔ منّ و سلویٰ کے مقابلے میں یہ سادہ سی چیزیں تو ہر شہر میں کثرت سے دستیاب ہیں۔ اسی لیے انھوں نے فرمایا: ﴿اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ﴾ ''کیا تم عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے بدلے میں کم تر چیزیں چاہتے ہو؟ (اگر یہی چیزیں مطلوب ہیں) تو کسی شہر میں جا اترو وہاں جو مانگتے ہو مل جائے گا۔'' بنی اسرائیل کا یہ سوال سرکشی، بغاوت (اور نعمت الٰہی کو ٹھکرانے) پر مبنی تھا اور اس کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی، اس لیے اس کا انھیں کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ واللّٰہ أعلم.

بقیہ تفسیر آیت :61

یہودیوں کا مقدر ذلت و محتاجی ہے: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ذلت و رسوائی اور محتاجی و بے نوائی کو یہودیوں سے چمٹا دیا گیا، یعنی اسے ان کے لیے شرعاً اور قدرًا لازم قرار دے دیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ ذلیل ہی رہیں گے جو بھی ان کو پائے گا ذلیل و رسوا ہی کرے گا اور وہ خود بھی ذلیل و رسوا ہی ہیں۔ حسن (بصری) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ذلیل و رسوا کیا ہے، لہٰذا ان کے لیے کوئی عزت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مسلمانوں کے پاؤں تلے ذلیل و رسوا کر دیا تھا، مسلمانوں نے ان سے جزیہ بھی وصول کیا۔[5]

[1] تفسیر الطبری:444/1. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: (2)، قبل الحدیث: 4477. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:124/1. [4] تفسیر الطبری:447/1. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:125/1.

ابوالعالیہ، ربیع بن انس اور سدی رحمہم اللہ کہتے ہیں: ﴿اَلْمَسْكَنَةُ﴾ کے معنی فاقے کے ہیں۔[1] عطیہ عوفی کہتے ہیں: اس کے معنی خراج کے ہیں۔[2] اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ کے معنی ضحاک نے یہ بیان کیے ہیں کہ وہ غضب الٰہی کے مستحق قرار پائے۔[3] ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کے غضب کی طرف پلٹ آئے لوٹ آئے۔[4] اور بَاءَ کا فعل خیر یا شر کے ساتھ مل کر ہی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: بَاءَ فُلَانٌ بِذَنْبِهٖ ''فلاں نے گناہ اپنے سر لے لیا۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ﴾ (المآئدۃ 29:5) ''بے شک میں چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر لے لے۔'' یعنی تو دونوں کے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے لوٹے گا۔ سارا گناہ تیرے ہی ذمے ہوگا، میرے ذمے نہیں ہوگا۔ تو مذکورہ بالا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اللہ کے غضب کو اٹھائے ہوئے لوٹے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر غضب مسلط ہو چکا تھا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی ان کے لیے واجب ہوگئی تھی۔[5]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ''یہ اس لیے ہوا کہ بے شک وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔'' کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے انھیں ذلت و مسکنت کی جو سزا دی اور غضب کا مستحق قرار دیا تو اس کا سبب ان کا اتباع حق سے منہ موڑنا، اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرنا اور حاملین شریعت، یعنی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے پیروکاروں کی توہین کرنا تھا بلکہ ان کی توہین سے بھی آگے بڑھ کر ان کے مقدس خون سے ہاتھ رنگنے میں بھی دریغ نہ کرنا تھا۔ اس سے بڑھ کر اور کفر کیا ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے انبیائے کرام علیہم السلام کو ناحق قتل کیا۔

تکبر کی تعریف: ایک حدیث، جس کی صحت پر اتفاق ہے، میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ] ''تکبر یہ ہے کہ حق بات کو ہٹ دھرمی سے نہ مانا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔''[6] امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ قَتَلَهُ نَبِيٌّ أَوْ قَتَلَ نَبِيًّا، وَّإِمَامُ ضَلَالَةٍ، وَّمُمَثِّلٌ مِّنَ الْمُمَثِّلِينَ] ''روز قیامت سب سے زیادہ سخت عذاب اس شخص کو ہوگا جسے کسی نبی نے قتل کیا یا جس نے کسی نبی کو قتل کیا۔ دوسرا وہ جو ضلالت و گمراہی کا امام ہو۔ اور تیسرا تصویریں بنانے والا۔''[7]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۶۱﴾ ''یہ اس سبب سے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے بڑھ جانے والے تھے۔'' انھیں دی گئی مذکورہ بالا سزاؤں کا یہ ایک دوسرا سبب بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ اس لیے ہے کہ وہ نافرمانی کیے جاتے اور حد سے بڑھتے جاتے تھے۔ عصیان کے معنی ممنوع کام کرنے کے ہیں اور اِعتِدَاء کے معنی اس کام

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:125/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم:125/1. [3] تفسير الطبري:450/1. [4] تفسير الطبري: 450/1. [5] تفسير الطبري:450/1. [6] صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم الكبر و بيانه، حديث:91 عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ مطوّلًا. [7] مسند أحمد:407/1. حدیث میں [مُمَثِّل] کا لفظ آیا ہے جس کے معنی مصور اور مجسمہ ساز کے ہیں اور آج کل جدید عربی زبان میں اس کے معنی فلم ایکٹر کے بھی ہیں۔ (مترجم)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ

بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور جو یہودی، عیسائی اور صابی (بے دین) ہوئے، ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور

صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿62﴾

نیک عمل کیے تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، نہ تو انھیں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿62﴾

میں حد سے بڑھنے کے ہیں جس کی اجازت ہو یا جس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ واللّٰہ أعلم.

تفسیر آیت:62

ہر دور میں ایمان اور عملِ صالح ہی ذریعۂ نجات ہیں: جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کی، ممنوع امور کا ارتکاب کیا، سرکشی کی روش اختیار کرتے ہوئے ایسے کام کیے جن کی اجازت نہ تھی۔ اپنے چال چلن کو بے حد خراب کر لیا، پھر ان جرائم کی پاداش میں انھیں سزا بھی دی گئی۔ ان لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ سابقہ امتوں میں سے جن لوگوں نے ایمان و عمل صالح اور نیکی و اطاعت کی راہ کو اختیار کیا تو انھیں بہت اچھا صلہ ملے گا اور قیامت تک یہی اصول کارفرما رہے گا۔ اسی اصول کے مطابق جو شخص بھی رسول اکرم نبی اُمّی ﷺ کی پیروی کرے گا تو اسے ابدی سعادت و کامرانی نصیب ہوگی۔ مستقبل میں انھیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ ماضی کے بارے میں انھیں کوئی ملال ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ (یونس 10:62) ''آگاہ رہو! بے شک جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔''

اسی طرح فرشتے مومنوں سے ان کی موت کے وقت کہتے ہیں جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:30) ''بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ (اس پر) قائم رہے ان پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اترتے ہیں کہ نہ خوف کرو اور نہ غم ناک ہو اور بہشت کی خوشی مناؤ جس کا تم وعدہ دیے گئے ہو۔''

مومن کی تعریف: علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿62﴾ ﴾ ''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی، عیسائی اور صابی (بے دین یا ستارہ پرست) ہوئے، ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، نہ تو انھیں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے: ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران 3:85) ''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا، وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔''[1]

[1] تفسیر الطبری: 461/1.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد ہر شخص کا صرف وہی طریقہ اور عمل قابلِ قبول ہوگا جو شریعتِ محمدی کے مطابق ہوگا۔ ہاں، البتہ آپ کی تشریف آوری سے قبل اگر کسی نے اپنے زمانے کے نبی کی اطاعت اور پیروی کی اور وہ ہدایت اور سیدھے راستے پر تھا تو وہ آخرت میں بھی نجات پا جائے گا۔ پس یہاں یہود سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے وہ پیروکار ہیں جو اپنے زمانے میں تورات کے مطابق عمل کرتے تھے۔

یہود کی وجہ تسمیہ: یہود هَوَادَة سے مشتق ہے۔ اس کے معنی مَوَدَّة ''محبت'' کے ہیں یا یہ تَهَوُّد سے مشتق ہے جس کے معنی توبہ کرنے کے ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ إِنَّا هُدْنَآ إِلَيْكَ ﴾ (الأعراف 156:7) یعنی ہم نے آپ کے سامنے توبہ کی، گویا انھیں توبہ کرنے کی وجہ سے یا ایک دوسرے سے محبت کی وجہ سے یہود کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے ''یہودا'' کی طرف نسبت کی وجہ سے یہودی کہلاتے ہیں۔ ابوعمرو بن علاء بیان کرتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ لِأَنَّهُمْ يَتَهَوَّدُونَ ''کیونکہ یہ (تورات کی قراءت کے وقت) حرکت کرتے ہیں۔''[1] اسی لیے انھیں یہودی کہا جاتا ہے۔

نصاریٰ کی وجہ تسمیہ: جب عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو بنی اسرائیل کے لیے ان کی اتباع اور فرماں برداری واجب تھی۔ آپ کے اصحاب اور آپ کے دین کے ماننے والے نصاریٰ کہلاتے ہیں۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئے۔ انھیں انصار کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ مَنْ أَنْصَارِيٓ إِلَى اللهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللهِ ﴾ (الصفّ 14:61) ''اللہ کی راہ میں میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے (طرف دار اور آپ کے) مددگار ہیں۔'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس نام سے موسوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا قیام ایک ایسی جگہ تھا جس کا نام نَاصِرَہ تھا، لہٰذا ناصِرہ کی طرف نسبت کی وجہ سے یہ اس نام سے موسوم ہوئے۔ یہ قتادہ اور ابن جریج کا قول ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے۔[2] واللّٰہ أعلم.

نَصَارٰی نَصْرَان کی جمع ہے جس طرح نَشَاوٰی نَشْوَان کی اور سُکَارٰی سَکْرَان کی جمع ہے۔ اور عیسائی عورت کے لیے نَصْرَانَة کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب اپنے محبوب پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو خاتم النبیین اور تمام انسانیت کے لیے رسول بنا کر مبعوث فرمایا تو عیسائیوں کے لیے بھی یہ واجب ہوگیا کہ وہ آپ کی تصدیق کریں۔ آپ کے حکم کی اطاعت بجا لائیں۔ آپ جس سے منع فرمائیں اس سے باز آجائیں۔ آپ کی ذات گرامی پر ایمان لانے والے تو صحیح معنوں میں مومن ہیں۔ اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو کثرتِ ایمان، شدتِ ایقان اور سابقہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام اور آنے والے امور غیب پر ایمان کی وجہ سے مومنین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

[1] تفسیر الرازی:105/3. [2] تفسیر الرازی:105/3.

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا

اور جب ہم نے تم سے پختہ وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ کو بلند کیا (اور کہا :) ہم نے تمھیں جو دیا ہے اسے قوت سے پکڑ لو، اور جو کچھ

فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿63﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

اس (کتاب) میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم متقی بن جاؤ﴿63﴾ پھر اس کے بعد تم پھر گئے، تو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی

لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿64﴾

تو تم ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاتے﴿64﴾

صابئین سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس بات میں اختلاف ہے کہ صابئین سے کون لوگ مراد ہیں؟ سفیان ثوری نے لیث بن ابو سُلیم کے حوالے سے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ صابی ایک ایسی قوم تھی جو مجوسیوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے بین بین تھی اور اس کا کوئی خاص دین نہ تھا۔[1] عطاء اور سعید بن جبیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] ایک قول یہ ہے کہ یہ اہل کتاب کا ایک ایسا فرقہ تھا جو زبور پڑھتا تھا۔[3] ایک قول یہ ہے کہ یہ فرشتوں کی پوجا کرتے تھے۔[4] ایک قول کے مطابق یہ ستارہ پرست تھے۔[5]

زیادہ صحیح قول مجاہد، ان کے ہم نواؤں اور وہب بن مُنَبِّہ کا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ یہودیوں، عیسائیوں، مجوسیوں اور مشرکوں میں سے کسی کے دین پر بھی نہ تھے۔ ان کا کوئی باضابطہ دین نہیں تھا بلکہ یہ لوگ اپنی فطرت کے مطابق عمل کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص مشرف بہ اسلام ہو جاتا تا مشرک اسے طعنہ دیتے کہ یہ صابی ہو گیا ہے، یعنی یہ روئے زمین کے تمام دینوں کا منکر ہو گیا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ صابئین سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں کسی بھی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ واللہ أعلم.

تفسیر آیات:64,63

میثاقِ یہود: اللہ تبارک وتعالیٰ یہودیوں کو وہ عہد و میثاق یاد دلا رہا ہے جو ان سے لیا گیا تھا کہ تم اللہ وحدہ لاشریک لہ کے ساتھ ایمان لاؤ گے اور اس کے رسولوں کی اتباع کرو گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ جب ان سے یہ عہد لیا جا رہا تھا تو اس وقت ان کے سروں پر پہاڑ کو بھی اٹھا کھڑا کیا تھا تاکہ اس عہد و پیمان کا یہ اقرار کریں اور اسے قوت و طاقت اور مضبوط عزم و ارادے کے ساتھ پکڑ لیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝﴾ (الأعراف 171:7) ”اور جب ہم نے ان (کے سروں) پر پہاڑ اٹھا کھڑا کیا گویا وہ سائبان تھا اور انھوں نے خیال کیا کہ یقیناً وہ ان پر گر رہا ہے تو (ہم نے کہا:) اس (تورات) کو جو ہم نے تمھیں دی ہے، زور سے پکڑ لو اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم (برے کاموں سے) بچ جاؤ۔“

طور سے مراد پہاڑ ہے جیسا کہ سورۂ اعراف (آیت:171) میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عطاء، عکرمہ، حسن، ضحاک، ربیع بن انس رحمہم اللہ اور دیگر کئی ائمہ سے یہی مروی ہے۔[6] اور ظاہری معنی یہی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

[1] تفسير الطبري:455/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم:127/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم:127/1. [4] تفسير ابن أبي حاتم:128/1. [5] تفسير الرازي:105/3. [6] تفسير ابن أبي حاتم:129/1.

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿65﴾ فَجَعَلْنٰهَا

اور یقیناً تمھیں ان لوگوں کا علم ہے جنھوں نے تم میں سے ہفتے (کے دن) میں زیادتی کی، تو ہم نے ان سے کہا: تم ذلیل بندر بن جاؤ ﴿65﴾ پھر ہم نے اس

نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿66﴾

(واقعے) کو ان کے لیے عبرت بنا دیا جو اس زمانے میں تھے اور جو اس کے بعد آنے والے تھے اور پرہیزگار لوگوں کے لیے اسے نصیحت (بنا دیا) ﴿66﴾

ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے کہ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر نباتات ہوں اور جس پر نباتات نہ ہوں وہ طور نہیں۔[1] ﴿خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ﴾ ''(اور کہا:) ہم نے تمھیں جو دیا ہے اسے قوت سے پکڑ لو'' کے بارے میں حسن فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تورات ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں ﴿بِقُوَّةٍ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اس پر مضبوطی سے عمل کیا جائے۔[3] اور ابوالعالیہ اور ربیع نے ﴿وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ﴾ ''اور جو کچھ اس (کتاب) میں ہے اسے یاد رکھو'' کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ تورات کو پڑھو اور اس کے مطابق عمل کرو۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ یعنی اس عظیم اور پختہ عہد سے تم پھر گئے، تم نے روگردانی کی اور اس عہد و میثاق کو توڑ ڈالا۔ ﴿فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ﴾ یعنی اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی کہ اس نے تمھاری توبہ کو قبولیت سے نوازا اور انبیاء و مرسلین کو تمھاری ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ﴿لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿64﴾﴾ تو اس عہد و میثاق کو توڑنے کی وجہ سے تم دنیا و آخرت میں خسارے میں پڑ گئے ہوتے۔

تفسیر آیات: 66,65

ہفتے کے دن سے یہود کا تجاوز اور ان کی شکلیں مسخ ہونا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ﴾ ''اور یقیناً تمھیں علم ہے۔'' یعنی اے گروہِ یہود! تم خوب جانتے ہو کہ کس قدر خوفناک سزا ملی ان بستی والوں کو جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی، اس عہد و پیمان کو توڑ دیا جو اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے دن کی تعظیم کے سلسلے میں ان سے لیا تھا اور یہ دن ان کے لیے شرعی حیثیت رکھتا تھا لیکن ہفتے کے دن میں مچھلیوں کے شکار کے لیے یہ حیلہ کرتے کہ کانٹے، ڈوریاں اور جال ہفتے کے دن سے پہلے ہی ڈال دیتے۔ جب حسب معمول مچھلیاں ہفتے کے دن بہت زیادہ آتیں تو وہ ان کے جالوں میں پھنس جاتیں اور ان سے باہر نہ نکل سکتی تھیں۔ ہفتے کا دن گزرنے کے بعد وہ رات کو ان مچھلیوں کا شکار کر لیتے تھے۔ جب انھوں نے یہ حیلہ سازی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا۔

ظاہری شکل کے اعتبار سے بندر انسانوں کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ انسان نہیں ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے اعمال اور ان کا حیلہ بظاہر حق کے ساتھ مشابہت رکھتا تھا لیکن حقیقت میں یہ حق کے مخالف تھا، لہٰذا انھیں سزا بھی ان کے جنسِ عمل کے مطابق دی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں یہ قصہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 129/1. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 130/1. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 130/1. [4] تفسیر ابن أبي حاتم: 130/1.

ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○ ﴾ (الأعراف 163:7) ''اور (اے نبی!) ان (یہود مدینہ) سے اس گاؤں (اَیلہ) کا حال تو پوچھیں جو برلب سمندر واقع تھا۔ جب یہ لوگ ہفتے کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز کرنے لگے (یعنی) اس وقت کہ ان کے ہفتے کے دن ان (کے شکار) کی مچھلیاں ان کے سامنے پانی کے اوپر آتیں اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو نہ آتیں۔ اسی طرح ہم ان لوگوں کو ان کی نافرمانیوں کے سبب آزمائش میں ڈالتے ہیں۔''

عوفی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴾ ''چنانچہ ہم نے ان سے کہا: تم ذلیل بندر بن جاؤ'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بندر اور خنزیر بنا دیا۔ آپ کا یہ بھی خیال ہے کہ ان کے نوجوانوں کو بندروں اور بوڑھوں کو خنزیروں کی شکلوں میں مسخ کر دیا تھا۔[1] شیبان نحوی نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مردوں اور عورتوں کو بندروں کی شکل میں مسخ کر دیا جو بندروں ہی کی طرح آوازیں نکالتے تھے اور بندروں ہی کی طرح ان کی دُمیں بھی تھیں۔[2]

موجودہ بندر اور خنزیر ان کی مسخ شدہ نسل میں سے نہیں: ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو لوگ ہفتے کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز کر گئے اور اس کی وجہ سے انھیں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا تو وہ اس کے بعد ہلاک ہو گئے تھے جن لوگوں کو مسخ کر دیا گیا ہو ان کی نسل آگے نہیں چلتی۔[3] ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے بندروں کی صورت میں مسخ کر دیا تھا اور اس کے بعد وہ زمین پر تین دن تک زندہ رہے۔ جسے بھی مسخ کیا گیا ہے وہ تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہا، نہ وہ کھاتا پیتا تھا اور نہ اس کی نسل ہی آگے چلتی تھی۔ باقی رہے دنیا کے یہ بندر اور خنزیر اور دیگر تمام مخلوق تو اسے اللہ تعالیٰ نے انھی چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے جن کا اس نے اپنی کتاب مقدس میں ذکر فرمایا ہے۔[4]

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ان لوگوں کو بندروں کی صورت میں مسخ کر دیا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ جس کے ساتھ جو چاہے کرے اور جس کو جس صورت میں چاہے بدل دے۔[5]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس بستی، یعنی اس کے باشندوں کو ہفتے کے دن میں حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے عبرت بنا دیا کہ انھیں ایسی سزا دی جو دوسروں کے لیے بھی باعث عبرت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴾ (النّٰزعٰت 25:79) یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے دوسرے سرکشوں کے لیے آخرت اور دنیا میں نشانِ عبرت بنا دیا۔ اور فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا ﴾ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یعنی اسے (اس عہد کی) بستیوں کے لیے عبرت بنا دیا۔[6]

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 133/1. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 133/1. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 132/1. [4] دیکھیے السجدة: 4:32 وحٰمٓ السجدة 41: 9، 10 والحدید 57: 4. [5] تفسیر الطبری: 470/1. [6] تفسیر ابن أبي حاتم: 134/1.

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو، انھوں نے کہا: کیا تو ہم سے ہنسی مذاق کرتا ہے؟ موسیٰ نے

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿67﴾

کہا: میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں شامل ہو جاؤں ﴿67﴾

ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اس بستی کو عبرت ناک سزا دینے کی وجہ سے اسے گرد و پیش کی دیگر بستیوں کے لیے عبرت بنا دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○ ﴾ (الأحقاف 46:27) ”اور یقیناً ہم نے تمھارے اردگرد کی بستیوں کو ہلاک کر دیا اور بار بار (اپنی) نشانیاں بیان کر دیں تاکہ وہ رجوع کریں۔“ اللہ تعالیٰ نے انھیں اسی زمانے کے لوگوں کے لیے عبرت بنا دیا اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے نسل در نسل خبر کے ذریعے سے اسے نصیحت بنا دیا۔ (چونکہ اس کا تعلق بعد والوں سے ہے) اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿66﴾ ﴾ ”اور پرہیز گاروں کے لیے نصیحت (بنا دیا۔)“ یعنی اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کے ارتکاب کی وجہ سے ہم نے ان لوگوں کو جس سنگین سزا اور بدترین عذاب سے دوچار کیا، اس میں پرہیز گاروں کے لیے نصیحت کا یہ پہلو ہے کہ وہ اس طرح کی حیلہ سازیوں سے اجتناب کریں جن کا ان یہودیوں نے ارتکاب کیا تھا تاکہ یہ بھی اس طرح کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں جس سے وہ دوچار ہوئے تھے۔ جیسا کہ امام ابو عبداللہ ابن بطّہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَرْتَكِبُوا مَا ارْتَكَبَتِ الْيَهُودُ فَتَسْتَحِلُّوا مَحَارِمَ اللّٰهِ بِأَدْنَى الْحِيَلِ] ”تم ان امور کا ارتکاب نہ کرو جن کا یہودیوں نے ارتکاب کیا تھا کہ معمولی حیلوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کو حلال قرار دینے لگ جاؤ۔“[1] اس حدیث کی سند جید ہے۔ واللہ أعلم.

تفسیر آیت: 67

بنی اسرائیل کے مقتول اور گائے کا قصہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم میرے اس خرق عادت احسان کو بھی یاد کرو جو گائے کی صورت میں میں نے تم پر کیا تاکہ معلوم ہو کہ قاتل کون ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقتول کو زندہ کیا کہ وہ بتائے کہ اسے کس نے قتل کیا ہے؟

ابن ابو حاتم نے عَبیدہ سَلمانی سے روایت کیا ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص بے اولاد مگر بہت مالدار تھا۔ اس کا ایک بھتیجا اس کا وارث تھا۔ اس نے اسے قتل کر دیا اور اس کی لاش کو رات کے وقت اپنے ہی ایک آدمی کے دروازے پر پھینک دیا، پھر دعویٰ کر دیا کہ اس نے اسے قتل کر دیا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ سب مسلح ہو کر آپس میں برسرپیکار ہونے لگے کہ ان میں سے کچھ عقل مند لوگوں نے کہا کہ تم آپس میں کیوں لڑتے ہو؟ یہ اللہ کے رسول تم میں موجود ہیں، تم ان سے فیصلہ کرا لو، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور انھوں نے اس واقعے کا ذکر کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿67﴾ ﴾ ”بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو،

[1] دیکھیے! إرواء الغليل:5/375 ، حدیث:1535.

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ

انھوں نے کہا: تو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر کہ وہ ہمارے لیے بیان کرے کہ وہ (گائے) کیسی ہو؟ موسیٰ نے کہا: بے شک اللہ کہتا ہے کہ بے شک

وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿68﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا

وہ گائے نہ بوڑھی ہو اور نہ بچھیا، ان کے درمیان عمر کی ہو، چنانچہ تم وہ کرو جو تمھیں حکم دیا جاتا ہے ﴿68﴾ انھوں نے کہا: تو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر

مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿69﴾ قَالُوا

کہ وہ ہمارے لیے بیان کرے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ نے کہا: اللہ فرماتا ہے بے شک وہ گائے زرد رنگ کی ہو، اس کا رنگ خوب گہرا ہو، وہ دیکھنے

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

والوں کو خوش کر دے ﴿69﴾ انھوں نے کہا: ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر، وہ ہمارے لیے (مزید) بیان کرے کہ وہ گائے کس قسم کی ہو؟ بے شک

لَمُهْتَدُوْنَ ﴿70﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي

گائیں ہم پر مشتبہ ہو گئی ہیں اور یقیناً اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ پالیں گے ﴿70﴾ موسیٰ نے کہا: بے شک اللہ فرماتا ہے کہ بے شک وہ گائے مشقت

الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ

کرنے والی نہ ہو کہ زمین میں ہل چلاتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو، وہ بے عیب ہو، اس میں کوئی داغ دھبا نہ ہو۔ انھوں نے کہا: اب تو حق لایا ہے، پھر

فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿71﴾ ع 8/10/8

انھوں نے اسے ذبح کیا اور لگتے نہیں تھے کہ وہ یہ کام کریں گے ﴿71﴾

انھوں نے کہا: کیا آپ ہم سے ہنسی کرتے ہیں؟ موسیٰ نے کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں نادانوں میں شامل ہو جاؤں۔'' اگر وہ پس و پیش کی خاطر سوالات نہ کرتے تو جو گائے بھی ذبح کر دیتے تو حکم کی اطاعت ہو جاتی لیکن انھوں نے تشدد سے کام لیا تو ان سے بھی تشدد کا معاملہ کیا گیا جس کے نتیجے میں وہ اس گائے تک پہنچ گئے جس کے ذبح کرنے کا انھیں حکم دیا گیا تھا۔ انھوں نے اسے ایک ایسے شخص کے پاس پایا جس کے پاس صرف یہی ایک گائے تھی تو اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! وہ اس کی قیمت کے طور پر اس کی کھال بھر کر سونا لے گا اور اس میں ذرہ بھر بھی کمی نہیں کرے گا۔ تو انھوں نے اتنا سونا دے کر گائے کو خرید لیا اسے ذبح کیا اور اسے مقتول کے جسم کے ساتھ لگایا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر انھوں نے پوچھا کہ تجھے کس نے قتل کیا ہے؟ تو اس نے اپنے بھتیجے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس نے۔ اور یہ کہہ کر وہ پھر مر گیا۔ اس طرح قاتل کو اس کے مال میں سے کچھ بھی نہ دیا گیا اور بعد میں بھی ہمیشہ یہی اصول رہا کہ قاتل مقتول کا وارث نہیں ہو سکتا۔[1] ابن جریر نے بھی اسے تقریباً اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

① تفسیر ابن أبي حاتم: 136/1 اور آخر میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے: [لَيْسَ لِلْقَاتِلِ شَيْءٌ] ''قاتل کے لیے (مقتول کی وراثت میں سے) کچھ بھی نہیں۔'' (سنن أبي داود، الديات، باب ديات الأعضاء، حديث: 4564 عن عبدالله بن عمرو ﷺ وجامع الترمذي، الفرائض، باب ماجاء في إبطال ميراث القاتل، حديث: 2109 عن أبي هريرة ﷺ وسنن ابن ماجه: 2645.) ② تفسير الطبري: 479/1.

تفسیر آیات:68-71

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اپنے رسول سے بطریق تلبیس کثرت سے سوال کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انھوں نے اپنے آپ پر تنگی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی انھیں مشکل میں ڈال دیا، اگر وہ کوئی سی بھی گائے ذبح کر دیتے تو درست تھا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، عَبِیدہ اور کئی ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے لیکن جیسے جیسے وہ سختی کرتے گئے ان پر اسی طرح سختی کی گئی۔ انھوں نے اس سلسلے میں پہلا سوال یہ کیا: ﴿ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ﴾ یعنی آپ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ گائے کس طرح کی ہو؟ اس کی صفت کیا ہو؟ آپ نے فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ نہ بہت ہی بڑی اور بوڑھی ہو اور نہ (اس قدر) چھوٹی عمر کی کہ سانڈھ اس کے قریب نہ گیا ہو جیسا کہ ابوالعالیہ، سدی، مجاہد، عکرمہ، عطیہ عوفی، عطاء خراسانی، وہب بن منبہ، ضحاک، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔[1]

ضحاک کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ﴿ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ﴾ وہ بڑی اور چھوٹی عمر کے بین بین ہو۔ اس عمر کے جانور اور گائیں طاقتور بھی ہوتی ہیں اور خوب صورت بھی۔[2] عوفی نے اپنی تفسیر میں ﴿ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا ﴾ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ اس قدر گہرے زرد رنگ کی ہو کہ زرد رنگ سفید معلوم ہوتا ہو۔[3]

سدی فرماتے ہیں: ﴿ تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ دیکھنے والوں کو خوش کر دیتی ہو۔ ابوالعالیہ، قتادہ اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔[4] وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ جب آپ اس کی جلد کی طرف دیکھیں تو یہ خیال کریں کہ سورج کی شعاع گویا اس کی جلد میں سے نکل رہی ہے۔[5] تورات میں ہے کہ وہ حمراء، یعنی سرخ رنگ کی تھی، شاید عربی بنانے میں یہ غلطی ہے یا جیسے کہ پہلے مفسرین نے کہا ہے کہ وہ اس قدر گہرے زرد رنگ کی تھی جو سرخی و سیاہی کی طرف مائل تھا۔ واللہ أعلم.

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ گائیں کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتی ہیں، لہٰذا اس گائے کے اس طرح اوصاف بیان کیجیے کہ یہ دیگر سے ممتاز اور نمایاں ہو جائے۔ ﴿ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴾ اگر آپ نے اسے ہمارے سامنے بیان فرما دیا تو ہمیں۔ إن شاء اللہ۔ ٹھیک ٹھیک یہ گائے معلوم ہو جائے گی۔

﴿ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وہ ایسی گائے ہو جو نہ تو کھیتی باڑی کے لیے سدھائی گئی ہو اور نہ اس سے کھیتی کو پانی دینے کا کام لیا گیا ہو بلکہ وہ خوبصورت اور قابل ستائش ہو۔ قتادہ سے روایت ہے کہ ﴿ مُسَلَّمَةٌ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کوئی عیب نہ ہو۔ ابوالعالیہ اور ربیع کا بھی یہی قول ہے۔[6] جبکہ مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں داغ دھبا نہ ہو۔[7] عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ اس کے

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:137/1. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:138/1. [3] تفسیر ابن أبي حاتم:140/1. [4] تفسیر ابن أبي حاتم:140/1. [5] تفسیر الطبری:492/1. [6] تفسیر الطبری:499/1. [7] تفسیر الطبری:499/1.

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿72﴾

اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، پھر تم نے اس کے بارے میں جھگڑا کیا اور اللہ اسے ظاہر کرنے والا تھا جسے تم چھپاتے تھے ﴿72﴾

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿73﴾

چنانچہ ہم نے کہا: تم اس (گائے کے گوشت) کا ایک ٹکڑا اس مردے کو مارو، اللہ اسی طرح مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ تمھیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو ﴿73﴾

معنی یہ ہیں کہ اس کے پاؤں اور باقی سارا جسم بے داغ ہو۔[1] اور ﴿ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ ﴾ کے متعلق مجاہد کہتے ہیں کہ وہ کالی ہو نہ سفید۔[2] ﴿ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿71﴾ ﴾ ''پھر انھوں نے اسے ذبح کیا اور لگتے نہیں تھے کہ وہ یہ کام کریں گے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قریب تھا کہ وہ ایسا نہ کرتے، یعنی انھوں نے یہ ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ ان کا ارادہ تو یہ تھا کہ وہ اسے ذبح نہ کریں۔[3] یعنی اس سوال و جواب کے بعد بھی انھوں نے اسے مشکل ہی سے ذبح کیا اور اس میں ان کی مذمت ہے کیونکہ ان کے یہ سوالات محض ان کی کجی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تھے، گویا وہ اسے ذبح کرنے والے تھے ہی نہیں۔ عبیدہ، مجاہد، وہب بن منبہ، ابو العالیہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ کا قول ہے کہ انھوں نے اس گائے کو بہت زیادہ مال دے کر خریدا۔[4] لیکن اس کے بارے میں اختلاف ہے۔

تفسیر آیات:73,72

مقتول کو زندہ اور قاتل کا تعین کرنا: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿ فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ ﴾ کے معنی ہیں کہ تم نے اس کے بارے میں اختلاف کیا۔[5] مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔[6] جبکہ عطاء خراسانی اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تم اس میں جھگڑنے لگے۔[7] ابن جریج فرماتے ہیں کہ ان کا جھگڑا یہ تھا کہ بعض نے کہا: تم نے اسے قتل کیا ہے، وہ کہنے لگے نہیں ہم نے نہیں بلکہ تم نے اسے قتل کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔[8] ﴿ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿72﴾ ﴾ کے معنی مجاہد نے یہ بیان کیے ہیں کہ جو بات تم چھپا رہے تھے اللہ اسے ظاہر کرنے والا تھا۔[9]

﴿ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ ﴾ ''ہم نے کہا کہ اس (گائے کے گوشت) کا کوئی سا ٹکڑا مقتول کو مارو۔'' یعنی اس گائے کے اعضاء میں سے کوئی بھی عضو مقتول کو لگا دو، اس سے معجزے اور خرق عادت امر کا ظہور ہو جائے گا۔ حقیقت میں تو یہ ایک معین ٹکڑا ہی تھا، چنانچہ اس کی تعیین میں اگر دین یا دنیا کا کوئی فائدہ ہوتا تو اسے اللہ تعالیٰ ہمارے لیے بیان فرما دیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے مبہم ہی رکھا ہے۔ کسی بھی صحیح حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تعیین ثابت نہیں ہے، لہٰذا ہم بھی اسے مبہم ہی

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 142/1. [2] تفسير الطبري: 499/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 143/1. [4] تفسير الطبري: 503/1. [5] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: ﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ ﴾، قبل الحديث: 3407. [6] تفسير الطبري: 506/1. [7] تفسير ابن أبي حاتم: 144/1. [8] تفسير الطبري: 506/1. [9] تفسير ابن أبي حاتم: 144/1.

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ

پھر اس کے بعد تمھارے دل سخت ہو گئے، چنانچہ وہ پتھروں کے مانند ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت، اور بے شک کچھ پتھر وہ ہیں کہ

لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا

ان سے نہریں پھوٹتی ہیں، اور بے شک ان میں سے کچھ وہ ہیں کہ پھٹ پڑتے ہیں پھر ان سے پانی نکلتا ہے، اور بے شک ان میں سے

يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿74﴾

کچھ وہ ہیں کہ اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں، اور اللہ اس سے غافل نہیں جو تم عمل کرتے ہو﴿74﴾

رکھیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے مبہم رکھا ہے۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى﴾ ''اللہ تعالیٰ اسی طرح مردوں کو زندہ کرے گا۔'' یعنی انھوں نے جب اسے اس کے ساتھ لگایا تو وہ زندہ ہو گیا اور انھوں نے اس کے زندہ ہونے کا جو مشاہدہ کیا تو اس سے اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی قدرت اور مردوں کو زندہ کرنے کی طاقت کا جلوہ دکھایا۔ اور اسے ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے آخرت کی دلیل بنا دیا اور دوسری طرف اس سے ان کے باہمی جھگڑے اور ہٹ دھرمی کا فیصلہ بھی فرما دیا۔

سورۂ بقرہ میں پانچ مقامات پر مردوں کو زندہ کرنے کا ذکر ہے: اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں مردوں کو زندہ کرنے کا پانچ مقامات پر ذکر فرمایا ہے: (1) بنی اسرائیل نے جب موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں ایمان نہیں لائیں گے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے انھیں موت کے بعد از سر نو زندہ کر دیا تھا۔[1] (2) دوسرا یہ گائے والا واقعہ ہے۔[2] (3) ان لوگوں کا واقعہ جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے۔[3] (4) اس شخص کا واقعہ جسے ایک بستی سے، جو چھتوں کے بل گری پڑی تھی، گزرنے کا اتفاق ہوا تھا۔[4] (5) حضرت ابراہیم علیہ السلام اور چار پرندوں کا واقعہ۔[5]

اللہ تعالیٰ نے مردہ ہونے کے بعد زمین کے زندہ کر دینے کو بھی اس بات کی دلیل قرار دیا ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ گل سڑ جانے کے بعد جسموں کو بھی دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ اس کا شاہد ہے: ﴿وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚۖ اَحْيَيْنٰهَا وَ اَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ○ وَ جَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وَّ فَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ○ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَ مَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ○﴾ (یٰسٓ 36:33-35) ''اور ایک عظیم نشانی ان کے لیے مردہ زمین ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس میں سے اناج اگایا، پھر یہ اس میں سے کھاتے ہیں اور ہم نے اس (زمین) میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے اور ہم نے اس میں چشمے جاری کر دیے تا کہ یہ ان کے پھل کھائیں اور ان کے ہاتھوں نے تو ان (پھلوں) کو نہیں بنایا، کیا پھر یہ شکر نہیں کرتے؟''

تفسیر آیت: 74

[1] البقرۃ 2:55,56. [2] البقرۃ 2:72,73. [3] البقرۃ 2:243. [4] البقرۃ 2:259. [5] البقرۃ 2:260.

یہود کی سنگدلی: اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور مردوں کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کرنے کے باوجود تمھارے دل سخت ہو گئے، گویا یہ ان پتھروں کی طرح ہیں جو کبھی نرم نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان کی سی حالت اختیار کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ لَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۝ ﴾ (الحدید16:57) ”کیا ابھی تک مومنوں کے لیے اس کا وقت نہیں آیا کہ اللہ کی یاد کرنے کے وقت اور (قرآن) جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کے سننے کے وقت ان کے دل نرم ہو جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو (ان سے) پہلے کتابیں دی گئی تھیں، پھر ان پر زمانۂ طویل گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔“

عوفی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا ہے کہ جب مقتول کے ساتھ گائے کے ٹکڑے کو لگایا گیا تو وہ بیٹھ گیا اور اس طرح بالکل زندہ سلامت تھا جس طرح پہلے ہوتا تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تجھے کس نے قتل کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میرے بھتیجوں ہی نے مجھے قتل کیا ہے، پھر اس کی روح کو قبض کر لیا گیا اور جب اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس کی روح کو قبض کر لیا تو اس کے بھتیجوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! ہم نے تو اسے قتل نہیں کیا، یعنی حق کو دیکھنے کے بعد انھوں نے اسے جھٹلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ﴾ پھر اس کے بعد تمھارے دل، یعنی بوڑھے کے بھتیجوں کے دل سخت ہو گئے۔ ﴿ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ ﴾ ”چنانچہ وہ پتھروں کے مانند ہو گئے یا ان سے بھی زیادہ سخت۔“[1]

یعنی طویل مدت گزرنے کے ساتھ ساتھ بنی اسرائیل کے دل اس قدر سخت ہو گئے کہ آیات و معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود انھوں نے نصیحت و موعظت کو قبول نہ کیا۔ یہ دل سختی میں ان پتھروں کی طرح ہیں جن کی سختی کا کوئی علاج نہیں بلکہ یہ تو پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں کیونکہ پتھروں سے تو چشمے اور نہریں بہ پڑتی ہیں۔ بعض پتھروں سے پانی نکل آتا ہے گو وہ جاری نہ بھی ہو۔ اور بعض پتھر اللہ کے ڈر اور خوف کی وجہ سے پہاڑوں کی چوٹیوں سے گر کر نیچے آ جاتے ہیں۔ ان میں اپنے حسبِ حال ادراک ہے۔

محمد بن اسحاق نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ تمھیں جس حق کی دعوت دی جاتی ہے اگر پتھر اسے معلوم کر لیں تو وہ تمھارے دلوں کی نسبت بدرجہا نرم ثابت ہوں۔[2]

جمادات میں بھی حسبِ ضرورت ادراک کی قوت موجود ہے: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مجاز کے قبیل سے ہے۔ اس آیت میں پتھروں کی طرف ڈر کی نسبت اسی طرح ہے جس طرح حسبِ ذیل آیت: ﴿ يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ ﴾ (الکھف 77:18) ”(دیوار) جو گرا چاہتی تھی“ میں دیوار کی طرف ارادے کی نسبت کی گئی ہے۔

---

[1] تفسیر الطبری:512/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:147/1.

امام رازی، قرطبی اور دیگر کئی ائمہ نے فرمایا ہے کہ اس تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان میں یہ صفت پیدا فرما دیتا ہے۔[1] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا ﴾ (الأحزاب 33:72) ''بے شک ہم نے (بارِ) امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور وہ اس سے ڈر گئے۔'' ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ﴾ (بنی إسرآء یل 17:44) ''ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتے ہیں۔'' ﴿ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ○ ﴾ (الرحمٰن 55:6) ''اور بیلیں اور درخت سجدہ کرتے ہیں۔'' ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ ﴾ (النحل 16:48) ''کیا ان لوگوں نے اللہ کی مخلوقات میں سے ایسی چیزیں نہیں دیکھیں جن کے سائے لوٹتے (ڈھلتے) رہتے ہیں؟'' نیز فرمایا: ﴿ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ○ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:11) ''تو ان دونوں (زمین وآسمان) نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ﴾ (الحشر 59:21) ''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا (اور) پھٹ جاتا۔'' نیز فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:21) ''اور وہ اپنے چمڑوں (اعضاء) سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب دیں گے: اس اللہ نے ہم کو بھی گویا کر دیا جس نے ہر چیز کو قوت گویائی بخشی ہے۔''

صحیح حدیث میں ہے: [هٰذَا جَبَلٌ يُّحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ] ''یہ (اُحد) پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔''[2] حدیث متواتر سے ثابت ہے کہ کھجور کا وہ تنا جس کے سہارے رسول اکرم ﷺ خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، منبر بننے کے بعد رونے لگ گیا تھا۔[3] صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنِّي لَأَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُبْعَثَ ، إِنِّي لَأَعْرِفُهُ الْآنَ] ''یقیناً میں مکہ کے اس پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے قبل مجھے سلام کیا کرتا تھا، بلاشبہ میں اسے اب تک پہچانتا ہوں۔''[4]

اسی طرح حجر اسود کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ روز قیامت [يَشْهَدُ لِمَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ] ''جس نے ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے اس کو بوسہ دیا، یہ اس کے حق میں گواہی دے گا۔''[5] علاوہ ازیں اس مفہوم کی اور بھی بہت سی

---

① تفسير القرطبی:465/1 وتفسير الرازی:131,130/3. ② صحيح البخاری، الجهاد والسير، باب فضل الخدمة فی الغزو، حديث:2889 وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المدينة......، حديث:1365 عن أنس بن مالك ﷺ. ③ صحيح البخاری، الجمعة، باب الخطبة على المنبر، حديث: 918 عن جابر بن عبدالله ﷺ وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فی بدء شأن المنبر، حديث:1414عن أبی بن كعب ﷺ. ومسند أحمد:267/1 عن ابن عباس وأنس بن مالك ﷺ. ④ صحيح مسلم، الفضائل، باب فضل نسب النبی ﷺ ......، حديث:2277 عن جابر بن سمرة ﷺ. ⑤ مسند أحمد:247/1 وجامع الترمذی، الحج، باب ماجاء فی الحجر الأسود، حديث:961 وسنن ابن ماجه، المناسك، باب استلام الحجر، حديث:2944 عن ابن عباس ﷺ.

نصوص کتاب وسنت میں موجود ہیں۔

علمائے لغت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ﴾ ''گویا وہ پتھر ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔'' میں ﴿ اَوْ ﴾ کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس بات پر تو اجماع ہے کہ یہ محال ہے کہ یہاں ﴿ اَوْ ﴾ شک کے معنی میں ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ ﴿ اَوْ ﴾ یہاں واؤ ''اور'' کے معنی میں ہے، یعنی گویا وہ پتھر ہیں اور اس سے بھی زیادہ سخت جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴾ (الدھر 24:76) ''اور ان میں سے کسی ناشکرے اور گناہ گار کی اطاعت نہ کیجیے۔'' اور ﴿ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ﴾ (المرسلٰت 6:77) ''عذر (ختم کرنے) اور ڈر سنانے کو'' میں بھی ﴿ اَوْ ﴾ واؤ کے معنی میں ہے۔

کچھ دوسرے لوگوں نے کہا ہے: ﴿ اَوْ ﴾ یہاں بَلْ ''بلکہ'' کے معنی میں ہے، یعنی گویا وہ پتھر ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ﴾ (النسآء 77:4) ''اچانک ان میں ایک گروہ کافر لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ خوف زدہ تھا۔'' اور ﴿ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴾ (الصّٰفّٰت 147:37) ''اور ہم نے اسے ایک لاکھ (انسانوں) کی طرف بھیجا بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ تھے۔'' اور ﴿ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴾ (النّجم 9:53) ''تو وہ دو کمانوں جتنا بلکہ اس سے بھی قریب تر ہو گیا'' میں ﴿ اَوْ ﴾ بَلْ ''بلکہ'' کے معنی میں ہے۔

کچھ اور لوگوں نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں: گویا وہ پتھر ہیں یا تمھارے نزدیک ان سے بھی زیادہ سخت۔ اسے ابن جریر نے بیان کیا ہے۔[1] بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھارے دل ان دو مثالوں میں سے کسی ایک سے باہر نہیں ہیں، یعنی یا تو وہ پتھروں کی طرح سخت یا سختی میں پتھروں سے بھی بڑھ کر ہیں۔[2]

امام ابوجعفر ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس تفسیر کے مطابق معنی یہ ہوں گے کہ بعض دل پتھروں کی طرح ہیں اور بعض پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔[3] ابن جریر نے دیگر معانی بھی بیان کیے ہیں مگر اس آخری معنی کو ترجیح دی ہے۔[4] اس کی مثال ایسے ہے، جیسے: ﴿ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ﴾ (البقرۃ 17:2) ''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی'' کے ساتھ دوسری مثال: ﴿ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ (البقرۃ 19:2) ''یا (ان کی مثال) زوردار بارش کی سی ہے جو آسمان سے آتی ہے'' بیان کی گئی ہے۔ اور ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ ﴾ (النور 39:24) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال چٹیل میدان میں سراب (چمکتی ریت) جیسے ہیں'' کے بعد دوسری مثال: ﴿ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ ﴾ (النور 40:24) ''یا (کافروں کے اعمال) گہرے سمندر میں اندھیروں کی طرح ہیں'' بیان کی گئی ہے، یعنی ان میں سے کچھ لوگ اس طرح کے ہیں۔ اور کچھ اس طرح کے۔ واللہ أعلم.

---

[1] تفسیر الطبری: 513/1، 514. [2] تفسیر الطبری: 513/1. [3] تفسیر الطبری: 513/1. [4] تفسیر الطبری: 514/1.

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ

(مسلمانو!) کیا پھر تم توقع رکھتے ہو کہ وہ تمھاری بات مان لیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک فریق ایسا ہے کہ وہ اللہ کا کلام سنتے ہیں پھر وہ اسے سمجھ لینے کے بعد اس میں

مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ

تحریف کر دیتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں ﴿75﴾ اور جب وہ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں: ہم بھی ایمان لائے ہیں، اور جب وہ ایک دوسرے کے

قَالُوْۤا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿76﴾ اَوَ لَا یَعْلَمُوْنَ

ساتھ تنہا ہوتے ہیں تو (آپس میں) کہتے ہیں: کیا تم مسلمانوں کو وہ باتیں بتلاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ وہ تمھارے رب کے ہاں تمھارے خلاف ان باتوں کو

اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ﴿77﴾

بطور حجت پیش کریں؟ پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ﴿76﴾ کیا وہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ (سب کچھ) جانتا ہے جو وہ چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں؟ ﴿77﴾

تفسیر آیات : 75-77

عہد نبوی کے یہودیوں کے ایمان سے ناامیدی: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے مومنو! کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہود کا یہ گمراہ فرقہ تمھاری اطاعت وفرماں برداری کو اختیار کر لے گا؟ ان کے آباء واجداد نے بھی بڑی بڑی نشانیوں اور معجزات کا مشاہدہ کیا تھا لیکن پھر بھی ان کے دل سخت ہو گئے تھے۔ ﴿ وَ قَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ ﴾ ’’اور بے شک ان میں سے کچھ لوگ اللہ کے کلام (تورات) کو سنتے، پھر اس کو واضح طور پر سمجھ لینے کے باوجود اس کو بدل دیتے رہے ہیں۔‘‘ یعنی حقیقی مراد کے علاوہ اور مطلب بتاتے رہے ہیں۔ ﴿ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾ ﴾ یعنی وہ جانتے بھی تھے کہ اس تحریف اور تاویل کو اختیار کر کے وہ سخت غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

قرآن مجید کا یہ مقام درج ذیل آیت سے کافی مشابہت رکھتا ہے: ﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِیَةً ۚ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ ﴾ (المآئدۃ 5:13) ’’چنانچہ ان لوگوں کے اپنا عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا یہ لوگ کلماتِ (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل ڈالتے ہیں۔‘‘ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾ ﴾ ’’پھر وہ اس (اللہ کے کلام) کو واضح طور پر سمجھ لینے کے باوجود جان بوجھ کر بدل دیتے رہے ہیں۔‘‘ کے بارے میں قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہود ہیں جو اللہ کے کلام کو سننے اور سمجھنے اور یاد رکھنے کے باوجود اس کو بدل دیتے تھے۔[1] مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ ان کے علماء تھے جو کتاب الٰہی میں تحریف کرتے اور اسے چھپاتے تھے۔[2] ابن وہب نے ابن زید کا قول نقل کیا ہے کہ یہ لوگ اس تورات میں تحریف کر دیتے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے نازل فرمایا تھا۔ اور وہ اس طرح کہ یہ لوگ حلال کو حرام اور حرام کو حلال، حق کو باطل اور باطل کو حق بنا دیتے تھے، اگر کوئی باطل شخص انھیں رشوت دے دیتا تو کتاب الٰہی نکال کر اسے حق ثابت کر دیتے اور اگر کوئی ان سے کسی ایسی چیز کے بارے میں پوچھتا جس سے حق یا رشوت یا کسی اور چیز کا تعلق نہ ہوتا تو اسے حق بات بتا دیتے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:[3]

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:149/1. [2] تفسیر الطبری:519/1. [3] تفسیر الطبری:520/1.

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝﴾ (البقرۃ2:44) ''کیا (یہ عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کیے دیتے ہو، حالانکہ تم کتاب (اللہ) بھی پڑھتے ہو، کیا پھر تم سمجھتے نہیں؟''

یہود رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اقرار کرتے مگر ایمان نہیں لاتے تھے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَا بَعْضُھُمْ اِلٰى بَعْضٍ ﴾ کے بارے میں محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے ہیں، یعنی اس بات پر کہ تمھارے صاحب محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں لیکن وہ خاص تمھارے لیے ہیں۔[1] اور جس وقت باہم ایک دوسرے سے ملتے تو کہتے کہ عربوں کو اس کے بارے میں نہ بتاؤ کہ پہلے تم ہمیشہ ان عربوں پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدد مانگا کرتے تھے اور اب وہ انھی میں سے ہیں تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَا بَعْضُھُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَھُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاۗجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ ﴾ ''یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے ہیں اور جس وقت آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: کیا جو بات اللہ نے تم پر ظاہر فرمائی ہے، وہ تم ان کو اس لیے بتاتے ہو کہ (قیامت کے دن) اسی کے حوالے سے تمھارے پروردگار کے سامنے تم کو الزام دیں؟''

یعنی تم یہ اقرار کرتے ہو کہ یہ اللہ کے نبی ہیں اور تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ تم سے پیغمبر آخر الزماں کی اطاعت و پیروی کا عہد و میثاق لیا گیا ہے اور وہ بتاتے بھی ہیں کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا ہم انتظار کرتے تھے اور جن کے بارے میں ہم اپنی کتابوں میں بھی لکھا ہوا پاتے ہیں، لہٰذا تم انکار کر دو اور آپ کے نبی ہونے کا اقرار نہ کرو۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ ﴾ ''کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ جو کچھ یہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اللہ کو (سب) معلوم ہے۔''

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ یہود جب مومنوں سے ملتے تو کہتے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب آپس میں ایک دوسرے سے ملتے تو کہتے کہ اصحاب محمد (ﷺ) کو یہ بات نہ بتاؤ جو اللہ نے تم پر ظاہر کر دی ہے اور جو تمھاری کتاب میں موجود ہے تاکہ تمھارے رب کے پاس تمھیں الزام دے کر تم پر غالب نہ آ جائیں۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ ﴾ ''کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ جو کچھ یہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اللہ کو (سب) معلوم ہے۔'' کے متعلق ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم ہے کہ انھوں نے محمد ﷺ کے ساتھ کفر اور تکذیب کو چھپایا، حالانکہ یہ آپ کے بارے میں اپنی کتابوں میں بھی لکھا ہوا پاتے ہیں۔ قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[3]

---

[1] تفسیر الطبری:523,522/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:151/1. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:151/1.

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿78﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ

اور ان میں سے کچھ اَن پڑھ ہیں، وہ کتاب کو نہیں جانتے سوائے جھوٹی آرزوؤں کے، اور بس وہ صرف گمان کرتے ہیں ﴿78﴾ چنانچہ ان لوگوں

يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ

کے لیے ہلاکت ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت لے لیں،

النصف

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿79﴾

چنانچہ ان کے ہاتھوں نے جو لکھا اس کی وجہ سے ان کے لیے ہلاکت ہے، اور جو وہ کماتے ہیں اس کی وجہ سے ان کے لیے ہلاکت ہے ﴿79﴾

حسن فرماتے ہیں کہ ان کے چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے الگ ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے ملتے تو کہتے: خبردار! تم میں سے کوئی اصحاب محمد ﷺ کو وہ نہ بتائے جو اللہ نے تم پر ظاہر کر دیا اور تمھاری کتابوں میں لکھا ہوا ہے تاکہ اصحاب محمد ﷺ اسے تمھارے خلاف اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش نہ کر سکیں۔[1] اور ظاہر کرنے سے مراد یہ ہے کہ یہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ملتے تو کہتے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ ابو العالیہ، ربیع اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

تفسیر آیات : 79,78

"اُمّیّ" کے معنی: ﴿ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ ﴾ "اور بعض ان میں سے ان پڑھ ہیں۔" مجاہد فرماتے ہیں: یعنی اہل کتاب میں سے۔[3] اور ﴿ اُمِّيُّوْنَ ﴾ اُمّیّ کی جمع ہے۔ اور اُمّیّ اس شخص کو کہتے ہیں جو لکھنا نہ جانتا ہو۔ ابراہیم نخعی اور کئی ائمۂ تفسیر کا یہی قول ہے۔[4]

اور فرمان الٰہی: ﴿ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ ﴾ "وہ کتاب نہیں جانتے" سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے، یعنی وہ نہیں جانتے کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟ ابو العالیہ، قتادہ اور ربیع بن انس سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[5] نبیٔ اکرم ﷺ کی صفت اُمّیّ بھی اس لیے ہے کہ آپ لکھنا نہیں جانتے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 48:29) "اور آپ اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے، (اگر ایسا ہوتا) تو اہل باطل ضرور شک کرتے۔"

نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ ، الشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا......] "ہم ناخواندہ لوگ ہیں نہ لکھنا جانیں اور نہ حساب، مہینا کبھی اتنا، اتنا اور اتنا ہوتا ہے (ایک دفعہ آپ نے ہاتھ کے اشارے سے 29 دن اور دوسری دفعہ 30 دن شمار کروائے۔)"[6] یعنی ہم اپنی عبادات اور ان کے اوقات کے لیے حساب کتاب کے محتاج نہیں ہیں۔ اللہ

① تفسیر ابن أبی حاتم: 151/1. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 151/1. ③ تفسیر الطبری: 527/1. ④ تفسیر الطبری: 528/1. ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم: 152/1. ⑥ صحیح البخاری، الصوم، باب قول النبی ﷺ: [لا نکتب ولا نحسب]، حدیث: 1913 و صحیح مسلم، الصیام، باب وجوب صوم رمضان ......، حدیث: (15)-1080 واللفظ له عن ابن عمر رضی اللہ عنہما.

تبارک وتعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ (الجمعۃ2:62) ''وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انھی میں سے (محمد ﷺ کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا۔''

''أَمَانِيَّ'' کی تفسیر: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِلَّآ اَمَانِيَّ ﴾ کے بارے میں امام ضحاک رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی منہ کی جھوٹی باتوں کے ہیں۔[1] ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ان کی خواہشات اور تمنائیں ہیں جو وہ کرتے ہیں۔[2] مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اُمّی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اس کتاب کو نہیں سمجھتے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا بلکہ وہ جھوٹی اور باطل باتیں از خود گھڑتے رہتے ہیں۔[3] یہاں تمنی کے معنی از خود جھوٹ گھڑنا ہے۔[4] امام مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: ﴿ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔[5] قتادہ، ابوالعالیہ اور ربیع رحمہم اللہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کے بارے میں ناحق بدگمانیاں کرتے ہیں۔[6]

تحریف کرنے والے یہود کے لیے تباہی و بربادی: ﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ ''ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے (آئی) ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت (دنیوی منفعت) حاصل کریں۔'' یہ یہود کی ایک دوسری قسم ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی اور خود ساختہ باتیں منسوب کر کے ضلالت و گمراہی کی طرف دعوت دیتے اور لوگوں کے مال باطل طریقے سے کھاتے تھے۔ اَلْوَیْل کے معنی ہلاکت و بربادی کے ہیں۔ یہ عربی زبان کا ایک مشہور لفظ ہے۔

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عبیداللہ بن عبداللہ نے مجھ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اے مسلمانو! تم اہل کتاب سے کسی چیز کے بارے میں کیوں پوچھتے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ پر جو کتاب نازل فرمائی ہے اس میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تازہ تازہ خبریں ہیں؟ تمھارے پاس یہ تروتازہ کتاب موجود ہے جو خالص ہے اور ہر قسم کی آمیزش سے پاک ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں اہل کتاب کے بارے میں یہ بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے تو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف وتبدیلی کر دی تھی۔ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر کہنے لگے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تاکہ وہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت، یعنی دنیوی منفعت حاصل کر لیں۔ تمھارے پاس جو علم ہے کیا یہ تمھیں ان سے پوچھنے سے روکتا نہیں؟ اللہ کی قسم! ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ان میں سے کسی شخص نے اس کے بارے میں تم سے پوچھا ہو جو تم پر نازل کیا گیا ہے۔[7] اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔[8]

---

[1] تفسیر الطبری:529/1. [2] تفسیر الطبری:530/1. [3] تفسیر الطبری:530/1. [4] تفسیر الطبری:530/1. [5] تفسیر ابن أبي حاتم:152/1. [6] تفسیر ابن أبي حاتم:152/1. [7] تفسیر ابن أبي حاتم:154/1. [8] صحیح البخاري، الاعتصام بالکتاب والسنة، باب قول النبي ﷺ: [لاتسئلوا أهل الکتاب عن شيء]، حدیث:7363 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما.

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ

اور انھوں نے کہا: آگ ہمیں گنتی کے چند دنوں کے سوا ہرگز نہیں چھوئے گی۔ کہہ دیجیے: کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہے؟ پھر تو اللہ اپنے عہد کے

اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿80﴾

خلاف ہرگز نہیں کرے گا، کیا تم اللہ کے بارے میں وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے؟ ﴿80﴾

حسن بن ابوالحسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام کی تمام دنیا ہی ثمن قلیل (تھوڑی قیمت) ہے۔[1]

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿79﴾ ﴾ ''چنانچہ ان کے ہاتھوں نے جو (بے اصل) لکھا اس کی وجہ سے ان کے لیے ہلاکت ہے اور جو وہ کماتے ہیں اس کی وجہ سے (پھر) ان کے لیے ہلاکت ہے۔'' یعنی اس پر بھی ہلاکت ہے جو انھوں نے اپنے ہاتھوں سے جھوٹ، بہتان اور افترا پر مبنی باتیں لکھیں اور اس پر بھی ہلاکت ہے جو انھوں نے ان جھوٹی باتوں سے حرام کما کر کھایا جیسا کہ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ ﴿ فَوَيْلٌ لَّهُمْ ﴾ یعنی انھوں نے اپنے ہاتھوں سے جو جھوٹ لکھا اس کی وجہ سے انھیں عذاب ہوگا۔ ﴿ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿79﴾ ﴾ اور جو یہ لوگوں کا مال کھاتے ہیں اس کی وجہ سے بھی یہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔[2]

تفسیر آیت: 80

یہودیوں کی خوش فہمی ہے کہ وہ جہنم میں صرف چند روز رہیں گے: اللہ تعالیٰ یہود کے بارے میں یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ انھوں نے اپنے بارے میں یہ دعویٰ کیا کہ ہمیں دوزخ کی آگ چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی۔ چند روز کے بعد وہ اس سے نجات پا جائیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا تم نے اللہ سے اس کے بارے میں کوئی عہد و قرار لے رکھا ہے؟'' اگر ایسا ہے پھر تو وہ اپنے عہد و قرار کے خلاف نہیں کرے گا لیکن ایسا تو نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں اَمْ کا حرف استعمال کیا گیا ہے جو بَلْ کے معنی میں ہے، یعنی ایسا کوئی وعدہ تو نہیں ہے بلکہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف کذب وافتراء سے ایسی باتیں منسوب کر رہے ہو جو تم جانتے نہیں ہو۔

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ یہود کہتے تھے کہ ہمیں آگ صرف چالیس راتوں تک چھوئے گی۔[3] دیگر مفسّرین نے کہا ہے: یعنی ان کے بقول صرف اتنی مدت جس میں انھوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی۔[4]

حافظ ابوبکر بن مردویہ رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے زہر آلود گوشت کا تحفہ دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[اِجْمَعُوا لِي مَنْ كَانَ هٰهُنَا مِنْ يَّهُودَ (فَجُمِعُوا لَهُ ، فَقَالَ لَهُمْ: إِنِّي سَائِلُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْهُ؟ فَقَالُوا: نَعَمْ)، قَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ: مَنْ أَبُوكُمْ ؟ قَالُوا : فُلَانٌ، فَقَالَ : كَذَبْتُمْ ، بَلْ أَبُوكُمْ فُلَانٌ،

[1] تفسیر ابن أبي حاتم :155/1. [2] تفسیر الطبری:537/1. [3] تفسیر الطبری:538/1. [4] تفسیر الطبری:538/1.

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿81﴾

کیوں نہیں! جس نے کوئی برائی کمائی اور اسے اس کی برائی نے گھیر لیا، تو وہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿81﴾

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿82﴾ ع 11/9

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے، وہی جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿82﴾

قَالُوا:صَدَقْتَ وَبَرِرْتَ ، فَقَالَ لَهُمْ : هَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ ؟ فَقَالُوا : نَعَمْ، يَا أَبَا الْقَاسِمِ ! وَإِنْ كَذَبْنَاكَ عَرَفْتَ كَذِبَنَا كَمَا عَرَفْتَهُ فِي أَبِينَا ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ أَهْلُ النَّارِ ؟ فَقَالُوا: نَكُونُ فِيهَا يَسِيرًا ثُمَّ تَخْلُفُونَا فِيهَا ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿اخْسَـُٔوْا فِيْهَا﴾ (المؤمنون23:108) وَاللّٰهِ ! لَا نَخْلُفُكُمْ فِيهَا أَبَدًا ، ثُمَّ قَالَ لَهُمْ : فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِيَّ عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ ؟ قَالُوا : نَعَمْ يَا أَبَا الْقَاسِمِ ! قَالَ : هَلْ جَعَلْتُمْ فِي هٰذِهِ الشَّاةِ سُمًّا ؟ فَقَالُوا : نَعَمْ ، فَقَالَ : مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ ؟ فَقَالُوا : أَرَدْنَا إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا نَّسْتَرِيحُ مِنْكَ ، وَإِنْ كُنْتَ نَبِيًّا لَّمْ يَضُرَّكَ]

''یہاں جو یہودی موجود ہیں، انھیں میرے پاس جمع کرو، جب وہ جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: میں تم سے کچھ پوچھنے لگا ہوں کیا تم مجھے سچ سچ بتا دو گے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! تو نبی ﷺ نے پوچھا: تمھارا باپ کون ہے؟ انھوں نے کہا: فلاں، آپ نے فرمایا: نہیں تم جھوٹ کہتے ہو، تمھارا باپ تو فلاں ہے، انھوں نے جواب دیا کہ آپ سچ فرماتے ہیں، پھر آپ نے ان سے فرمایا: اگر میں تم سے کوئی بات پوچھوں تو کیا سچ سچ بتا دو گے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، ابوالقاسم! ہم سچ بتائیں گے اور اگر ہم نے آپ سے جھوٹ بولا تو آپ اسی طرح ہمارے جھوٹ کو پہچان لیں گے جس طرح ہمارے باپ کے بارے میں آپ نے ہمارے جھوٹ کو پہچان لیا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: یہ بتاؤ کہ جہنمی کون لوگ ہیں؟ کہنے لگے کہ تھوڑی مدت کے لیے تو ہم جہنم میں رہیں گے، پھر ہمارے بعد تم آ جاؤ گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ ''تم ذلیل و خوار ہو کر جہنم ہی میں رہو گے''، ہم کبھی بھی تمھارے جانشین نہیں بنیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پھر فرمایا کہ اگر میں تم سے کچھ پوچھوں تو کیا سچ سچ بتاؤ گے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، ابوالقاسم (ﷺ)! آپ نے فرمایا: کیا تم نے اس گوشت میں زہر ملایا ہے؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہم آپ سے نجات حاصل کر لیں گے اور اگر آپ اللہ کے نبی ہیں تو پھر یہ زہر آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''

امام احمد، بخاری اور نسائی نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ [1]

---

[1] صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب إذا غدر المشركون بالمسلمين......، حديث:3169، 5777 قوسین والے الفاظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہیں جبکہ یہ الفاظ بخاری کی ان دو روایات سے ماخوذ ہیں۔ و مسند أحمد: 451/2 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿اخْسَـُٔوْا فِيْهَا﴾ (المؤمنون 23:108): 413/6، حديث:11355.

تفسیر آیات:82,81

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: نہیں بات اس طرح نہیں جس طرح تم تمنا رکھتے اور خواہش کرتے ہو بلکہ بات یہ ہے کہ جو برا کام کرے اور اس کے گناہ ہر طرف سے اسے گھیر لیں اور وہ قیامت کے دن اس طرح آئے کہ اس کے پاس ایک نیکی بھی نہ ہو بلکہ اس کے تمام اعمال برائیوں ہی پر مشتمل ہوں تو ایسا شخص جہنم ہی میں رہے گا۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں اور شریعت کے مطابق نیک اعمال کریں تو وہ جنت کے عیش و آرام میں رہیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝ ﴾ (النسآء4:124,123) ''(نجات کا دارومدار) نہ تو تمھاری آرزوؤں اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر (بلکہ) جو شخص برے عمل کرے گا اسے اسی (طرح) کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ اللہ کے سوا نہ کسی کو حمایتی پائے گا اور نہ مددگار۔ اور جو نیک کام کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی ہوگا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابو وائل، عطاء اور حسن فرماتے ہیں: ﴿ وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْۗــــــَٔتُهٗ ﴾ ''اور اس کے گناہوں نے اس کو گھیر لیا'' میں گناہ سے مراد شرک ہے۔[1] اعمش نے ابو رزین کے حوالے سے ربیع بن خُثَیم سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو توبہ کیے بغیر گناہوں کے ساتھ مر جائے۔ سدی اور ابو رزین سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] ابو العالیہ اور ایک روایت کے مطابق حسن اور مجاہد، قتادہ اور ربیع بن انس وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد کبیرہ گناہ ہے۔[3] ان تمام اقوال کا تقریباً ایک ہی مفہوم ہے۔ واللہ أعلم.

صغیرہ گناہ بھی ہلاکت کا باعث ہیں: یہاں اس حدیث کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے جسے امام احمد نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِيَّاكُمْ وَ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ فَإِنَّهُنَّ يَجْتَمِعْنَ عَلَى الرَّجُلِ حَتّٰى يُهْلِكْنَهُ ، وَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ ضَرَبَ لَهُنَّ مَثَلًا كَمَثَلِ قَوْمٍ نَزَلُوا أَرْضَ فَلَاةٍ ، فَحَضَرَ صَنِيعُ الْقَوْمِ ، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَنْطَلِقُ فَيَجِيءُ بِالْعُودِ ، وَالرَّجُلُ يَجِيءُ بِالْعُودِ ، حَتّٰى جَمَعُوا سَوَادًا ، فَأَجَّجُوا نَارًا وَّأَنْضَجُوا مَا قَذَفُوا فِيهَا] ''چھوٹے اور حقیر گناہوں سے بھی بچو کیونکہ یہ بھی جمع ہو کر آدمی کی ہلاکت و بربادی کا سبب بن جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال دے کر فرمایا کہ جیسے کچھ لوگ جنگل میں جمع ہوں اور جب کھانا پکانے کا وقت آ جائے تو ایک ایک آدمی ایک ایک لکڑی لے آئے حتی کہ اس سے لکڑیوں کا ڈھیر لگ جائے، وہ اسے آگ لگا دیں اور انھوں نے جو کچھ اس میں ڈالا ہے اسے پکا لیں۔''[4]

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ؀ ﴾

[1] تفسير ابن أبي حاتم:158/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم:158/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم:159/1. [4] مسند أحمد: 403,402/1.

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین، رشتے داروں، یتیموں اور مسکینوں سے نیک سلوک کرنا

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا

اور تم لوگوں سے اچھی باتیں کہنا، اور نماز قائم کرنا، اور زکوۃ دینا، پھر تم اس (وعدے) سے پھر گئے مگر تم میں سے تھوڑے (اس کے پابند رہے) اور تم تو پھر

قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿83﴾

جانے والے ہی ہو﴿83﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، وہی جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جو شخص اس دین پر ایمان لایا جس کا (اے یہودیو!) تم نے کفر کیا ہے اور اس نے اس کے مطابق عمل کیا جس کو تم نے چھوڑا ہے تو اس کے لیے جنت ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے گویا یہ فرمایا ہے کہ خیر کا ثواب اور شر کا عذاب اچھے برے اعمال بجالانے والوں کو ہمیشہ ملتا رہے گا اور یہ کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ ①

تفسیر آیت: 83

میثاقِ بنی اسرائیل: اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو وہ احکام یاد دلا رہا ہے جن کا اس نے انھیں نہ صرف حکم دیا تھا بلکہ ان سے پختہ عہد بھی لیا تھا کہ وہ انھیں بجالائیں گے لیکن یہ ان سب باتوں سے پھر گئے تھے اور قصداً اوارادۃً جانتے بوجھتے ہوئے انھوں نے ان سے اعراض کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ حکم دیا تھا کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

اللہ تعالیٰ نے صرف انھیں ہی نہیں بلکہ اپنی تمام مخلوق کو یہی حکم دیا ہے اور اسی کی خاطر اس نے سب کو پیدا فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴾ (الأنبیاء 25:21) ''اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف بھی یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ ﴾ (النحل 36:16) ''اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت (بتوں کی پرستش) سے اجتناب کرو۔'' سب سے اعلیٰ اور عظیم ترین حق اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے اور وہ یہ کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے۔

اللہ کے اس حق کے بعد مخلوق کے حقوق کی باری آتی ہے اور مخلوق کے حقوق میں سب سے بڑا حق والدین کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حق اور والدین کے حق کو ملا کر بیان فرماتا ہے جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ (لقمٰن 14:31) ''میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔'' اور

① تفسیر ابن أبي حاتم: 159/1.

فرمایا: ﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ (بنی إسرآءیل 23:17) ''اور تمھارے پروردگار نے حکم فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ﴾ (بنی إسرآءیل 26:17) ''اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو۔''

صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا:[اَلصَّلَاةُ عَلٰى وَقْتِهَا ، قُلْتُ : ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ : بِرُّ الْوَالِدَيْنِ ، قُلْتُ : ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ : الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''وقت پر نماز ادا کرنا، میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: والدین سے حسن سلوک، میں نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ۔''[1]

﴿ الْيَتٰمٰى ﴾ یتیم کی جمع ہے۔ اور اس سے مراد وہ چھوٹے بچے ہیں جن کا کمانے والا باپ نہ ہو۔ اور ﴿ الْمَسٰكِيْنِ ﴾ مِسکین کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس اپنے اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ ہو۔ ان اصناف کے بارے میں سورۂ نساء کی اس آیت میں ہم تفصیل سے گفتگو کریں گے جس میں اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ (النسآء 36:4) ''اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ﴾ یعنی لوگوں سے اچھی باتیں کرو اور ان سے نرمی سے پیش آؤ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی اسی میں داخل ہے۔ ﴿ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ﴾ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اچھی بات یہ بھی ہے کہ انسان نیکی کا حکم دے، برائی سے منع کرے، حلم و درگزر سے کام لے، لوگوں کو معاف کر دیا کرے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لوگوں سے اچھی بات کہو۔ اور وہ حسن خلق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے۔[2]

امام احمد نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا، فَإِنْ لَّمْ تَجِدْ فَالْقَ أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ] ''کسی بھی نیکی کو حقیر نہ جانو اور کرنے کو کوئی کام نہ ہو تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی ہی سے پیش آؤ۔''[3]

پہلے حکم دیا کہ بالفعل لوگوں سے احسان کرو اور اس کے بعد یہ حکم انتہائی مناسب ہے کہ لوگوں سے بات بھی اچھی کرو تا کہ فعلی اور قولی دونوں احسان یکجا ہو جائیں، پھر اللہ نے اپنی عبادت اور لوگوں سے ایک متعین احسان کا حکم دیا، یعنی نماز اور زکاۃ کا حکم دیا اور فرمایا: ﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ ''اور نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ بنی اسرائیل نے ان تمام باتوں سے اعراض کیا اور دیدہ و دانستہ انھوں نے ان کو پس

[1] صحيح البخاري، مواقيت الصّلاة، باب فضل الصلاة لوقتها ، حديث:2782,527 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالٰى أفضل الأعمال، حديث:85. [2] تفسير ابن أبي حاتم :162,161/1. [3] صحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، حديث:2626 ومسند أحمد:173/5 واللفظ له. وجامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في طلاقة الوجه......، حديث:1970.

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ

اور جب ہم نے تم سے پکا وعدہ لیا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ گے اور نہ نکالو گے اپنے لوگوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے اقرار کیا اور تم

وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿84﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ

(اس بات کے) گواہ ہو ﴿84﴾ پھر تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنوں میں سے ایک فریق کو ان کے گھروں سے نکال دیتے ہو، تم ان کے خلاف

دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ

گناہ اور زیادتی کے ساتھ دوسروں کی مدد کرتے ہو۔ اور اگر وہ تمھارے پاس قیدی ہو کر آئیں تو تم انھیں فدیہ دے کر چھڑاتے ہو، حالانکہ تم پر ان کا

عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ

نکال دینا ہی حرام کر دیا گیا تھا۔ کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو شخص یہ کام کرے گا اس

ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا

کی سزا اس کے سوا کوئی نہیں کہ رسوائی ہو دنیاوی زندگی میں اور قیامت کے دن وہ سخت ترین عذاب کی طرف دھکیلے جائیں گے۔ اور تم جو عمل کرتے ہو

اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿85﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا يُخَفَّفُ

اللہ اس سے غافل نہیں ہے ﴿85﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے زندگانی دنیا کو آخرت کے عوض خرید لیا ہے، لہٰذا نہ تو ان سے عذاب ہلکے ہوں گے اور نہ ان کی

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿86﴾ ع 10 4 10

مدد ہی کی جائے گی ﴿86﴾

پشت ڈال دیا۔ ان میں سے صرف چند لوگ ہی تھے جو ان پر کاربند رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری اس امت کو بھی اس قسم کی باتوں کا حکم دیتے ہوئے سورۂ نساء میں فرمایا ہے: ﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴾ (النسآء 36:4) ”اور تم اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور رفقائے پہلو (پاس بیٹھنے والوں) اور مسافروں اور جو لوگ تمھارے لونڈی و غلام ہوں، سب کے ساتھ احسان کرو کہ بے شک اللہ (احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور) ہر تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔“ ہماری امت ان سب باتوں پر عمل پیرا ہے جن پر سابقہ امتوں میں سے کوئی امت بھی عمل نہ کر سکی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر آیات: 84-86

معاہدے کی دفعات اور بنی اسرائیل کی عہد شکنی: اللہ تبارک وتعالیٰ عہد رسول ﷺ میں مدینہ کے یہودیوں اور اوس و خزرج کے ساتھ ان کے لڑائی جھگڑوں کی تردید فرما رہا ہے۔ اوس و خزرج کے لوگ جو مشرف بہ اسلام ہو کر انصار کہلائے، زمانۂ جاہلیت میں بت پرست تھے اور ان میں بہت سی جنگیں ہوئی تھیں۔

یہودِ مدینہ تین قبیلوں میں منقسم تھے جن میں سے بنو قَیْنُقَاع اور بَنُو نَضِیر خَزرَج کے حلیف تھے جبکہ بنو قُرَیْظَہ اُوس کے حلیف تھے، جب ان میں جنگ برپا ہو جاتی تو ہر فریق اپنے حلیفوں کا ساتھ دیتا اور ان سے مل کر ان کے دشمن سے لڑتا۔ اس طرح دونوں طرف کے یہودی یہودیوں ہی کے ہاتھوں مارے جاتے تھے، حالانکہ یہ ان کے دین اور ان کی کتاب کی رو سے حرام تھا، پھر یہ ان کو ان کے گھروں سے بھی نکال دیتے اور گھروں کے مال اور ساز و سامان کو بھی لوٹ لیتے تھے، پھر جب جنگ کے بادل چھٹ جاتے تو وہ تورات کے حکم کے مطابق مغلوب فریق کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ﴾ ''(یہ) کیا (بات ہے کہ) تم (اللہ کی) کتاب کے ایک حصے (بعض احکام) کو تو مانتے ہو اور ایک حصے (بعض) کا انکار کرتے ہو؟'' اسی لیے مزید فرمایا: ﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ﴾ یعنی ہم نے تم سے یہ عہد لیا تھا کہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کرو گے، نہ گھروں سے نکالو گے اور نہ ان پر چڑھائی کرو گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ﴾ (البقرۃ 54:2) ''لہٰذا تم اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو، تمھارے خالق کے نزدیک تمھارے حق میں یہی بہتر ہے۔''

اس آیت میں بھی ﴿ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ﴾ کی طرح ﴿ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴾ فرمایا گیا ہے اس لیے کہ ایک ہی ملت کے ماننے والے ایک ہی جان کے مانند ہوتے ہیں جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَ تَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى] ''مومنوں کی مثال آپس کی محبت، رحمت و شفقت اور صلہ رحمی کے اعتبار سے ایک ہی جسم کی طرح ہے کہ اگر کسی ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم بخار اور بیداری کے باعث بے قرار ہو جاتا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ پھر تم نے اس عہد و پیمان کی معرفت اور صحت کا اقرار بھی کر لیا اور تم اس بات کے گواہ بھی ہو۔

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ﴾ ''پھر تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنوں میں سے ایک فریق کو ان کے گھروں سے نکال دیتے ہو۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے اس فعل کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے تورات میں ان کے لیے آپس میں کُشت و خون کو حرام قرار دیا تھا اور اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانا فرض قرار دیا تھا۔[2]

یہودیوں کے دو گروہ تھے ایک گروہ میں بنو قَیْنُقَاع تھے جو خَزرَج کے حلیف تھے اور بنو نضیر اور بنو قریظہ اوس کے حلیف تھے۔ اوس و خزرج میں جب جنگ ہوتی تو بنو قینقاع خزرج کا ساتھ دیتے اور بنو نضیر و قریظہ خاندان اوس کا ساتھ دیتے تھے۔

---

[1] صحیح البخاری، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث:6011 وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تراحم المؤمنين ......، حديث:2586 واللفظ له عن النعمان بن بشير رضی اللہ عنہ. [2] تفسير ابن أبي حاتم:167/1.

ان میں سے ہر گروہ اپنے حلیف کو اپنے ہی بھائیوں کے مقابلے میں لا کھڑا کرتا تھا جس کی وجہ سے یہ آپس ہی میں کشت و خون شروع کر دیتے، حالانکہ ان کے پاس تورات موجود تھی جس میں لکھے ہوئے اپنے حقوق وفرائض کو یہ جانتے تھے۔ اوس و خزرج کے قبیلے مشرک اور بت پرست تھے۔ انھیں جنت وجہنم، بعث وقیامت، اللہ کی کتاب اور حلال وحرام کا کوئی علم نہ تھا جبکہ ان یہودیوں کو ان سب باتوں کا علم تھا۔ جب جنگ کے بادل چھٹ جاتے تو بزعم خود تورات کی تصدیق اور اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے سے اپنے قیدیوں کو فدیہ ادا کر کے رہا کرا لیتے تھے۔ بنوقینقاع اوس کے ہاتھوں سے اپنے قیدیوں کو رہا کروا لیتے اور بنونضیر وقریظہ خزرج کے ہاتھوں سے اپنے قیدیوں کو چھڑا لیتے تھے اور مشرکوں کو اپنے اوپر چڑھالانے کی وجہ سے انھوں نے نامعلوم اپنے کتنے ہی لوگوں کو قتل کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ﴾ ''کیا تم کتاب کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کیے دیتے ہو؟'' یعنی تورات کے حکم کے مطابق فدیہ دے کر قیدیوں کو تو چھڑا لیتے ہو لیکن اس بات کو فراموش کر دیتے ہو کہ تورات میں یہ بھی تو لکھا ہوا ہے کہ کسی کو قتل نہ کیا جائے، یا اسے گھر سے نہ نکالا جائے اور محض دنیا کے حصول کی خاطر ان لوگوں کو غالب نہ کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے اور اس کے بجائے بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اوس وخزرج کے ساتھ اس معاملے ہی کی وجہ سے یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

اس آیت کریمہ اور اس کے اس سیاق سے جو رہنمائی ملتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کی اس وجہ سے مذمت بیان کی ہے کہ تورات کے صحیح ہونے کا عقیدہ رکھنے کے باوجود یہ لوگ اس کے بعض احکام کو مانتے اور بعض سے انکار کر دیتے تھے، حالانکہ یہ جانتے اور اس بات کی گواہی بھی دیتے تھے کہ یہ صحیح کتاب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تورات کے حوالے سے یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں اس پر انھیں امین قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ان کی تصدیق کی جا سکتی ہے کیونکہ انھوں نے ان تمام باتوں کو بھی چھپا لیا تھا جن کا تعلق نبیٔ اکرم ﷺ کی صفت، بعثت، ہجرت اور آپ کی حیات طیبہ کے ان واقعات سے تھا جن کے بارے میں سابقہ انبیائے کرام ﷩ نے پیش گوئیاں فرمائی تھیں اور وہ تورات میں لکھی ہوئی تھیں مگر یہود نے۔ اللہ ان پر لعنت فرمائے۔ ان تمام باتوں کو چھپا لیا تھا۔

اسی لیے فرمایا: ﴿ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ''تم میں سے جو شخص یہ کام کرے گا اس کی سزا اس کے سوا کوئی نہیں کہ رسوائی ہو دنیا کی زندگی میں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے ان کی سزا یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلت ورسوائی سے دوچار ہوں گے۔ ﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ﴾ ''اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔'' اور یہ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب، جو ان کے پاس موجود ہے، کی مخالفت کی سزا ہوگی ﴿ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور اللہ ان کے اعمال سے غافل بھی نہیں ہے۔''

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ﴾ ''یہ لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کے عوض دنیا کی زندگی کو خرید لیا ہے۔'' ﴿ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ ﴾ ''لہٰذا (ایک لمحے کے لیے بھی) ان کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں کی جائے گی۔'' ﴿ وَلَا

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد اس کے پیچھے پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو کھلے معجزات دیے اور اسے روح

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ

القدس (جبریل) کے ساتھ قوت دی، کیا پھر جب کبھی تمھارے پاس کوئی رسول وہ چیز لایا جسے تمھارے نفس نہ چاہتے تھے، تو تم نے تکبر کیا، پھر تم نے ایک

فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿87﴾

فریق کو جھٹلایا اور دوسرے فریق کو تم قتل کر دیتے رہے؟ ﴿87﴾

﴿ هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿86﴾ ﴾ ''اور نہ ان کی مدد ہی کی جائے گی۔'' یعنی نہ ان کا کوئی حامی و ناصر ہی ہوگا جو اس دائمی اور سرمدی عذاب سے انھیں نجات دلا سکے۔

تفسیر آیت: 87

یہود کا تکبر، انبیاء علیہم السلام کی تکذیب و قتل: اس مقام پر اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بارے میں یہ فرما رہا ہے کہ انھوں نے سرکشی، عناد، تکبر اور انبیاء کی مخالفت کی روش کو اختیار کیا اور یہ اپنی خواہشات کی پیروی میں لگے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی مگر انھوں نے اس کتاب، یعنی تورات میں تحریف و تبدیلی کر دی۔ اس کے احکام کی مخالفت اور تاویل کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بعد اور بھی بہت سے رسولوں اور نبیوں کو بھیجا جو ان کی شریعت کے مطابق حکم دیتے تھے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ ﴾ (المآئدة 5 : 44) ''بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسی کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار تھے، یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور اللہ والے اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب اللہ کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے اور اس پر وہ گواہ تھے۔''

اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ ﴾ ''اور ہم نے اس کے بعد اس کے پیچھے پے در پے رسول بھیجے۔'' سدی، ابو مالک سے روایت کرتے ہیں کہ ﴿ قَفَّيْنَا ﴾ بمعنی أَتْبَعْنَا ہے کہ ہم نے ان کے بعد یکے بعد دیگرے پیغمبر بھیجے۔ [1] اور بعض نے ﴿ قَفَّيْنَا ﴾ بمعنی أَرْدَفْنَا لیا ہے۔ تمام مفاہیم قریب ہی ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ﴾ (المؤمنون 23:44) ''پھر ہم پے در پے اپنے پیغمبر بھیجتے رہے'' حتی کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیج کر انبیائے بنی اسرائیل کا سلسلہ ختم کر دیا جو تورات سے کچھ مختلف احکام لے کر تشریف لائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں کھلے نشانات، یعنی معجزات عطا فرمائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان معجزات سے مراد ان کا مردوں کو زندہ کرنا، مٹی سے پرندے کی شکل کا جانور بنانا، اس میں پھونک مارنا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کا پرندہ بن جانا، بیماروں کو شفایاب کرنا اور ان پوشیدہ چیزوں کی خبریں دینا جن کو وہ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 1/168.

گھروں میں ذخیرہ کرتے تھے۔ ① اور اللہ تعالیٰ کا روح القدس، یعنی جبرئیل سے ان کی مدد کرنا۔ ② یہ تمام معجزات اس بات کی دلیل تھے کہ وہ اللہ کے پاس سے جس شریعت کو لے کر آئے ہیں وہ سچی شریعت ہے مگر بنی اسرائیل نے ان کی شدید تکذیب کی اور تورات سے کچھ مختلف احکام لانے کی وجہ سے ان سے شدید عناد اور حسد کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی بعثت کے مقاصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ﴾ (آل عمران 3:50) ''اور (میں) اس لیے بھی (آیا ہوں) کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو تمھارے لیے حلال کر دوں اور میں تو تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔''

بنی اسرائیل نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ حد درجہ برا سلوک کیا، بعض کی تکذیب کی اور بعض کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ اس لیے کہ وہ ایسے احکام لے کر آئے تھے جو ان کی خواہشات اور آراء کے خلاف ہوتے تھے۔ اور وہ انھیں احکام تورات کی پابندی کا حکم دیتے جس کی مخالفت کو انھوں نے اختیار کر رکھا تھا لیکن یہ باتیں انھیں بہت گراں گزرتی تھیں، اس لیے یہ ان کی تکذیب کرتے بلکہ بسا اوقات ان کے مقدس خون سے ہولی کھیلنے سے بھی دریغ نہ کرتے۔ اسی لیے تو فرمایا ہے: ﴿ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿87﴾ ﴾ ''کیا پھر جب کوئی پیغمبر تمھارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جن کو تمھارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے، پھر (انبیاء کے) ایک گروہ کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے؟''

روح القدس سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں: اس بات کی دلیل کہ روح القدس سے مراد جبرئیل ہیں صحیح بخاری کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر رکھوایا۔ ③ اور وہ رسول اللہ ﷺ کی مدافعت کرتے تھے۔ ④ آپ نے ان کے لیے دعا کرتے ہوئے فرمایا: [اَللّٰهُمَّ ! أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ]، [مَا نَافَحَ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ] ''اے اللہ! حسان کی روح القدس کے ساتھ مدد فرما ⑤ جب تک وہ رسول اللہ کی مدافعت کرتا رہے۔'' ⑥ اس حدیث کو بالفاظ دیگر ابوداود اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ⑦

روح القدس سے مراد جبرئیل ہی ہیں جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں صراحتاً مروی ہے۔ ⑧ نیز ابن

① تفسير ابن أبي حاتم:168/1. ② تفسير ابن أبي حاتم:168/1. ③ جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في إنشاد الشعر، حديث:2846 عن عائشة ﷺ. ④ صحيح البخاري، المناقب، باب من أحب أن لايسبّ نسبه، حديث: 3531. ⑤ صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة صلوات الله عليهم ،حديث:3212 عن حسان بن ثابت ﷺ. وَفِي رِوَايَةٍ: [أُهْجُهُمْ وَ جِبْرِيلُ مَعَكَ] حديث:3213 عن البراء ﷺ. ⑥ سنن أبي داود، الأدب، باب ماجاء في الشعر، حديث:5015 عن عائشة ﷺ. ⑦ سنن أبي داود، الأدب، باب ماجاء في الشعر، حديث:5015 و جامع الترمذي، الأدب، ماجاء في إنشاد الشعر، حديث:2846 عن عائشة ﷺ. ⑧ تفسير ابن أبي حاتم:168/1.

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾

اور انھوں نے کہا: ہمارے دل غلافوں میں ہیں، (نہیں) بلکہ ان کے کفر کے باعث اللہ نے ان پر لعنت کی ہے، لہٰذا کم لوگ ہی ایمان لاتے ہیں ﴿88﴾

عباس،[1] محمد بن کعب، اسماعیل بن ابوخالد، سدی، ربیع بن انس، عطیہ عوفی اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[2] اس کی تائید میں یہ آیت بھی ہے: ﴿ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء194,193:26) ''اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے (اس نے) آپ کے دل پر (القاء کیا ہے) تاکہ (لوگوں کو) ڈراتے رہیں۔''

صحیح ابن حبان میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوعِي أَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا (وَأَجَلَهَا)، فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ] ''روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی نفس اس وقت تک فوت نہیں ہوگا جب تک وہ اپنے رزق اور عمر کو پورا نہ کر لے، لہٰذا اللہ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے رزق تلاش کرو۔''[3]

یہود کا قتلِ انبیاء علیہم السلام کی کوششوں کو جاری رکھنا: زمخشری نے ﴿ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿87﴾ ﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ نہیں فرمایا: وَفَرِيقًا قَتَلْتُمْ ''اور ایک گروہ کو تم نے قتل کیا۔'' کیونکہ اللہ تعالیٰ یہاں یہ بیان فرمانا چاہتا ہے کہ ماضی ہی میں نہیں بلکہ مستقبل میں بھی ان کی یہی روش ہے کیونکہ انھوں نے زہر اور جادو کے ذریعے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی بھی مذموم کوشش کی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الوفات میں فرمایا تھا: [مَا زَالَتْ أُكْلَةُ خَيْبَرَ تُعَادُّنِي... فَهٰذَا أَوَانُ انْقِطَاعِ أَبْهَرِي] ''خیبر میں کھایا ہوا (زہر آلود) لقمہ وقتاً فوقتاً مجھے تکلیف دیتا رہا حتی کہ یہ میری شہ رگ کٹنے کا وقت (آ گیا) ہے۔''[4] یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے۔[5]

تفسیر آیت: 88

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ﴾ کے معنی ہیں کہ انھوں نے کہا: ہمارے دل پردے میں ہیں۔[6] مجاہد فرماتے ہیں کہ ان پر پردہ پڑا ہوا ہے۔[7] عکرمہ کہتے ہیں کہ ان پر مہر لگی ہوئی ہے۔[8] ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ یہ سمجھتے نہیں۔[9] مجاہد اور قتادہ نے کہا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے غُلُفٌ (لام کے ضمہ کے ساتھ)

① تفسیر القرطبی:24/2 وتنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، تحت الآیة:87 من سورة البقرة، ص:13. ② تفسیر ابن أبی حاتم:168/1. ③ شرح السنة:304/14، حدیث:4112 اور [أجلها] المعجم الکبیر:166/8 میں ہے۔ اور صحیح ابن حبان:32/8 میں اس مفہوم کی روایت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ④ المستدرك للحاکم، معرفة الصحابة، ذکر مناقب بشر بن البراء:219/3، حدیث:4966 عن أم مبشر ﷺ والکامل لابن عدی، سعید بن محمد الوراق:460/4 واللفظ له عن أبی هریرة ﷺ. ⑤ صحیح البخاری، المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، حدیث:4428 عن عائشة ﷺ. وسنن أبی داود:4513,4512 ومسند أحمد:18/6 عن أم مبشر ﷺ. ⑥ تفسیر الطبری:572/1. ⑦ تفسیر الطبری:572/1. ⑧ تفسیر ابن أبی حاتم:171/1. ⑨ تفسیر الطبری:573/1.

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آ گئی جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے، اور اس سے پہلے وہ ان لوگوں کے

يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ

خلاف فتح مانگتے تھے جنھوں نے کفر کیا، پھر جب ان کے پاس وہ (حق) آ گیا جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا، لہٰذا کافروں پر

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿89﴾

اللہ کی لعنت ہے ﴿89﴾

پڑھا ہے اور یہ غلاف کی جمع ہے، یعنی انھوں نے کہا کہ ہمارے دل تو ہر قسم کے علم سے لبریز ہیں، لہٰذا ہمیں تیرے علم کی ضرورت نہیں۔[1] یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء کا ہے۔[2]

﴿ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ ﴾ ''بلکہ ان کے کفر کے باعث اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں ہر خیر وبھلائی سے دور ہٹا کر محروم کر دیا ہے۔ ﴿ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾ ﴾ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان میں سے کم لوگ ہی ایمان لائیں گے۔[3] ﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ ﴾ ایسے ہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ ﴾ (حٰمٓ السجدة 5:41) ''اور کہنے لگے کہ جس چیز کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں، اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾ ﴾ یعنی بات اس طرح نہیں جیسا کہ انھوں نے دعویٰ کیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ان کے دل ملعون ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر بھی لگا دی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ﴾ (النساء 155:4) ''اور ان (کفار) کے یہ کہنے کے سبب کہ ہمارے دلوں پر پردے (پڑے ہوئے) ہیں (اللہ نے ان کو مردود کر دیا اور ان کے دلوں پر پردے نہیں ہیں) بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان پر مہر کر دی ہے تو یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔''

﴿ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾ ﴾ اور ﴿ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ﴾ کے معنی: اس کے معنی میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان میں سے ایمان لانے والے کم ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا ایمان کم ہے۔[4] یعنی موسیٰ علیہ السلام جس شریعت کو لے کر آئے اس کے مطابق آخرت اور ثواب وعذاب پر تو ان کا ایمان ہے لیکن ان کا یہ ایمان ان کے لیے مفید نہیں کیونکہ ان کے دل اس دین وشریعت کے بارے میں کفر سے بھرے ہوئے ہیں جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا کسی بھی چیز پر ایمان نہیں تھا۔ ﴿ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ سب کے سب دین کے ساتھ کفر کرتے ہیں جیسا کہ عرب کہتے ہیں: قَلَّمَا رَأَيْتُ مِثْلَ هٰذَا قَطُّ ''میں نے ایسا کبھی کم ہی دیکھا ہوگا۔'' لیکن اس

[1] تفسير القرطبي: 25/2. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 170/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 171/1. [4] تفسير الطبري: 575/1.

کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ میں نے ایسا کبھی بھی نہیں دیکھا۔

تفسیر آیت: 89

یہود نبی ﷺ کی بعثت کے منتظر تھے لیکن جب آپ مبعوث ہوئے تو آپ کا انکار کر دیا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب یہود کے پاس اللہ کے ہاں سے کتاب آ گئی، یعنی قرآن مجید جسے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر نازل فرمایا اور وہ کتاب ان کی کتاب، یعنی تورات کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ اور اس رسول ﷺ کے یہ کتاب لے کر تشریف لانے سے پہلے جب یہ اپنے مشرک دشمنوں سے جنگ کرتے تو اس رسول کی تشریف آوری سے کافروں پر فتح مانگا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ اب اس آخری زمانے میں اللہ کے ایک نبی مبعوث ہوں گے تو ان کے ساتھ مل کر ہم تم سے لڑائی کر کے اس طرح تمھیں نیست و نابود کر دیں گے جس طرح عاد اور اِرم کی قوموں کو تباہ و برباد کر دیا گیا تھا۔

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل یہود آپ کے ساتھ اوس اور خزرج کے خلاف مدد طلب کیا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو عربوں میں سے مبعوث فرما دیا تو انھوں نے اپنی باتوں کے برعکس عناد اور کفر کی راہ اختیار کر لی۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور خاندان بنو سَلِمہ کے بِشر بن بَراء بن مَعْرُور نے ان سے کہا: اے گروہِ یہود! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو، تم تو محمد ﷺ کے ساتھ ہمارے خلاف مدد مانگا کرتے تھے جبکہ ہم مشرک تھے اور تمھی بتایا کرتے تھے کہ اس نبی کی بعثت ہونے ہی والی ہے۔ اور تم تو ان کی نشانیاں بھی بیان کیا کرتے تھے؟ اس کے جواب میں بنو نضیر کے سلّام بن مِشکَم نے کہا: آپ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم پہچانتے ہوں۔ یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کا ہم تمھارے سامنے ذکر کیا کرتے تھے تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آ گئی جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے......۔''[1]

ابو العالیہ بیان کرتے ہیں کہ یہود مشرکینِ عرب کے خلاف محمد ﷺ کی آمد کے ساتھ فتح طلب کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! اس نبی کو اب مبعوث فرما دے جس کے بارے میں ہم اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں تاکہ وہ مشرکوں کو (ان کی حرکات کا) مزہ چکھائیں اور انھیں قتل کر دیں، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرما دیا اور یہودیوں نے دیکھا کہ آپ کا تعلق ان سے نہیں ہے تو انھوں نے عربوں سے حسد کرتے ہوئے آپ کے ساتھ کفر کیا، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''پھر جب ان کے پاس (وہ ہستی) آ پہنچی جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا، لہٰذا کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔''[2]

[1] تفسیر الطبری: 578/1. [2] تفسیر الطبری: 579/1.

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ

وہ چیز بہت بری ہے جس کے بدلے انھوں نے اپنے نفس بیچ دیے، یہ کہ وہ اس چیز کا انکار کرتے ہیں جو اللہ نے نازل کی، صرف اس حسد کی بنا

فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

پر کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل نازل کرے، پس وہ غضب در غضب کے ساتھ لوٹے اور کافروں کے لیے ذلیل کرنے

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿90﴾

والا عذاب ہے ﴿90﴾

تفسیر آیت:90

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ﴾ ”وہ چیز بری ہے جس کے بدلے انھوں نے اپنے نفس بیچ دیے۔“ کے متعلق امام مجاہد فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ یہود نے حق کو باطل کے ساتھ بیچ دیا اور محمد ﷺ جس چیز کو لے کر آئے اسے بیان کرنے کے بجائے چھپایا۔[1] سدی اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ بری چیز ہے جس کے ساتھ انھوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا۔[2] یعنی بری ہے وہ چیز جسے انھوں نے اپنی جانوں کے معاوضے کے طور پر لیا اور اس کے ساتھ راضی ہو گئے اور حضرت محمد ﷺ کی تصدیق اور نصرت وحمایت کے بجائے آپ کا انکار کیا۔ اور اس روش پر ان کو بغاوت، حسد اور اس بات کو ناپسند کرنے نے آمادہ کیا: ﴿ اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ ﴾ ”کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا فضل نازل فرما دے۔“ اور اس سے بڑھ کر حسد ہو بھی کیا سکتا ہے؟

﴿ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ ﴾ ”پس وہ غضب در غضب کے ساتھ لوٹے۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ غضب بالائے غضب میں مبتلا ہو گئے۔ پہلا غضب تو انھوں نے یہ کیا کہ تورات کو ضائع کر دیا، حالانکہ یہ ان کے پاس موجود تھی اور دوسرا غضب یہ ڈھایا کہ اس نبی کا بھی انکار کر دیا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔[3] ﴿ بَآءُوْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ غضب بالائے غضب کے مستوجب اور مستحق قرار پائے۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے انھیں انجیل اور عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کی وجہ سے غضب کا مستوجب قرار دیا، پھر وہ حضرت محمد ﷺ اور قرآن مجید کے ساتھ کفر کی وجہ سے غضب کے مستحق ٹھہرے۔[4] عکرمہ اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[5] ﴿ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿90﴾ ﴾ ان کے کفر کا سبب بغاوت، حسد اور تکبر تھا اس لیے انھیں دنیا وآخرت میں ذلیل ورسوا کرنے والے عذاب میں مبتلا کر دیا گیا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴾ (المؤمن 40:60) ”بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے تکبر وسرکشی کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔“ یعنی وہ ذلیل ورسوا اور حقیر ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

[1] تفسیر الطبری:583/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:172/1. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:173/1. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:173/1. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:173/1.

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی (کتاب) پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے، اور وہ اس

وَرَآءَهٗ ۙ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ

کے ماسوا کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ (قرآن) حق ہے اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے، کہہ دیجیے: پھر اس سے پہلے تم اللہ کے

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝91 وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

نبیوں کو کیوں قتل کرتے رہے اگر تم مومن تھے؟ 91 اور بے شک موسیٰ تمھارے پاس کھلے معجزات لے کر آئے، پھر اس کے بعد تم نے بچھڑے کو پوجنا

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝92

شروع کر دیا اور تم ہو ہی ظالم 92

امام احمد نے عمرو بن شعیب سے انھوں نے اپنے باپ اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
[يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْثَالَ الذَّرِّ فِي صُوَرِ النَّاسِ ، يَعْلُوهُمْ كُلُّ شَيْءٍ مِّنَ الصِّغَارِ ، حَتّٰى يَدْخُلُوا سِجْنًا فِي جَهَنَّمَ يُقَالُ لَهُ : بُولَس ، فَتَعْلُوهُمْ نَارُ الْأَنْيَارِ ، يُسْقَوْنَ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ : عُصَارَةِ أَهْلِ النَّارِ]
''تکبر کرنے والوں کو انسانی صورت میں چیونٹیاں بنا کر اٹھایا جائے گا کہ ان پر ہر طرح کی ذلت و رسوائی چھائی ہوئی ہوگی حتی کہ انھیں جہنم کے ایک قید خانے میں داخل کیا جائے گا جس کا نام ''بُولَس'' ہوگا۔ آگوں کی آگ ان پر مسلط ہوگی اور انھیں جہنمیوں کا لہو اور پیپ پینے کو دیا جائے گا۔''[1]

تفسیر آیات: 92,91

حق کے انکار کے باوجود یہود کا دعوائے ایمان: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ ﴾ جب یہود اور ان جیسے دیگر اہل کتاب سے کہا جاتا ہے کہ ﴿ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ اس پر ایمان لاؤ جسے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر اتارا ہے، اسے سچی کتاب تسلیم کرو اور اس کی پیروی کرو تو ﴿ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا ﴾ کہتے ہیں کہ ہم پر جو کتابیں تورات وانجیل نازل کی گئی ہیں ہمارے لیے انھی پر ایمان لانا کافی ہے، لہٰذا ہم صرف انھی کا اقرار کریں گے۔ ﴿ وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۙ ﴾ اور وہ اس کے بعد نازل ہونے والی کتاب کو نہیں مانتے، ﴿ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ ﴾ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے، سراسر ایک سچی کتاب ہے۔

﴿ مُصَدِّقًا ﴾ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی یہ اسے نہیں مانتے، حالانکہ یہ کتاب تورات اور انجیل کی تصدیق بھی کرتی ہے، لہٰذا ان پر حجت قائم ہوگئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ (الأنعام 20:6) ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (ہمارے پیغمبر) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں۔''

[1] مسند أحمد: 179/2، نیز دیکھیے جامع الترمذي، صفة القيامة، باب ماجاء في شدة الوعيد للمتكبرين، حديث: 2492.

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ

اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے پکا وعدہ لیا اور ہم نے تم پر طور پہاڑ کو بلند کیا (اور کہا:) ہم نے تم کو جو دیا ہے اسے قوت کے ساتھ پکڑو اور سنو۔ انھوں نے

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ

کہا: ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی، اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلا (ڈال) دی گئی۔ کہہ دیجیے: اگر تم مومن ہو تو وہ کام

بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿93﴾

برا ہے جسے کرنے کا تمھارا ایمان تمھیں حکم دیتا ہے ﴿93﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿91﴾ ﴾ یعنی اگر تم اپنی کتاب پر ایمان لانے کے دعوے میں سچے ہو تو بھلا یہ بتلاؤ کہ تم نے ان انبیائے کرام علیہم السلام کو کیوں قتل کیا جو تمھارے پاس آئے اور انھوں نے اس تورات کی تصدیق کی جو تمھارے ہاتھوں میں ہے اور انھوں نے اس کے ساتھ عمل کرنے اور اس کے منسوخ نہ ہونے کی بھی تصدیق کی اور تم جانتے بھی تھے کہ وہ سچے ہیں؟ لیکن اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے بغاوت و سرکشی اور تکبر کرتے ہوئے انھیں قتل کر دیا کیونکہ تم تو صرف اپنی آراء اور خواہشات ہی کی پیروی کرتے ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۫ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ○ ﴾ (البقرۃ2:87) ”کیا پھر جب بھی کوئی پیغمبر تمھارے پاس ایسی باتیں لے کر آئے جن کو تمھارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے، پھر انبیاء کے ایک گروہ کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے؟“ سدی کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ انھیں عار دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر تم صاحبِ ایمان ہوتے تو اللہ کے پیغمبروں کو اس سے پہلے کیوں قتل کیا کرتے تھے؟[1]

﴿ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام تمھارے پاس اس بات کی واضح نشانیاں اور قطعی دلائل لے کر تشریف لائے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ ان آیات بینات سے مراد: طوفان، مکڑی، جوں، مینڈک، خون،[2] عصا اور یدِ بیضاء ہیں،[3] نیز ان میں سمندر کو پھاڑ دینا، بادل سے سایہ کرنا، من و سلویٰ کا نازل کرنا اور پتھر سے پانی کے چشمے جاری کر دینا بھی شامل ہیں۔ اور یہ سب واضح نشانیاں ہیں جن کا انھوں نے اپنے سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔

﴿ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ ﴾ پھر تم نے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بچھڑے کو اللہ کے سوا معبود بنا لیا تھا۔ ﴿ مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کی مناجات کے لیے تشریف لے جانے کے بعد جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ ﴾ (الأعراف7:148) ”اور قوم موسیٰ نے موسیٰ کے (طور پر جانے کے) بعد اپنے زیور کا ایک بچھڑا بنا لیا (وہ) ایک جسم (تھا) جس میں سے بیل کی آواز (نکلتی) تھی۔“ ﴿ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿92﴾ ﴾ یعنی تم اپنے اس کرتوت میں کہ تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی تم ظالم تھے، حالانکہ تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جیسا

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:175/1. [2] دیکھیے الأعراف، آیت:133. [3] دیکھیے طٰہٰ، آیات:17-23.

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا

کہہ دیجیے: اگر اللہ کے ہاں آخرت کا گھر، خاص تمھارے ہی لیے ہے اوروں کو چھوڑ کر، تو تم موت کی تمنا کرو، اگر تم سچے ہو (94) اور وہ اپنے ان

الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (94) وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ

گناہوں کی وجہ سے جو اپنے ہاتھوں کما کر آگے بھیج چکے ہیں، اس (موت) کی کبھی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے (95) اور

عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ (95) وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۛۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۛۚ

یقیناً آپ ان (یہودیوں) کو سب لوگوں سے بڑھ کر جینے کے حریص پائیں گے، اور ان لوگوں سے بھی زیادہ جنھوں نے شرک کیا، ان میں سے

يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ

ہر ایک چاہتا ہے کاش! اسے ایک ہزار سال کی عمر مل جائے، حالانکہ اس قدر عمر کا ملنا بھی اسے عذاب سے بچانے والا نہیں اور جو عمل وہ کرتے

11 ع 10 11 وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (96) ع

ہیں اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے (96)

کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (الأعراف 149:7) ”اور جب وہ نادم ہوئے اور دیکھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں (شامل) ہو جائیں گے۔“

تفسیر آیت: 93

طور کو اٹھانے اور عہد لینے کے بعد یہود کی نافرمانی: اللہ تعالیٰ ان کی غلطیاں، عہد و میثاق کی خلاف ورزیاں اور سرکشیاں شمار کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اس نے ان پر کوہِ طور کو لا کھڑا کیا تھا جس کی وجہ سے وقتی طور پر انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کر لیا، پھر اس کی مخالفت شروع کر دی اسی وجہ سے انھوں نے کہا تھا: ﴿سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ اور اس کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[1]

﴿وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ﴾ ”اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلا (ڈال) دی گئی۔“ عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ وہ بچھڑے کی محبت میں اس طرح گرفتار ہوئے کہ وہ ان کے دلوں میں رچ بس گیا۔[2] ابو العالیہ اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔[3] امام احمد نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ] ”کسی چیز کی (اندھی) محبت تمھیں اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔“[4]

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (93)﴾ ”(اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر تم مومن ہو تو وہ

[1] دیکھیے سورۂ بقرہ، آیت: 63 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر عبدالرزاق: 280/1، رقم: 89. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 176/1.
[4] مسند أحمد: 194/5 و سنن أبي داود، الأدب، باب في الهوى، حدیث: 5130 یہ الفاظ مرفوعاً ثابت نہیں، البتہ یہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 24/36، حدیث: 21694. [نوٹ] کوہِ طور کا محل وقوع سورۂ بقرہ، آیت: 57 کے تحت نقشے میں دیکھیے۔

کام برا ہے جسے کرنے کا تمھارا ایمان تمھیں حکم دیتا ہے۔'' یعنی زمانۂ قدیم وجدید میں جس چیز پر تم نے اعتماد کیا وہ بہت بری ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا کفر کیا، حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی مخالفت کی اور اب تم نے حضرت محمد ﷺ کے ساتھ بھی کفر کیا، اور یہ تمھارا بہت بڑا گناہ ہے جو تمھارے لیے شدید ترین عذاب کا باعث بنے گا کہ تم نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بھی کفر کیا، حالانکہ آپ تو ختم الرسل اور سید الانبیاء والمرسلین ہیں جنھیں ساری کائناتِ انسانی کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے تو ان قبیح ترین افعال کے ارتکاب کے باوجود تمھیں یہ بات کیونکر زیب دیتی ہے کہ ایمان کے بلند بانگ دعوے کرو، حالانکہ تم نے تو عہد و میثاق کی دھجیاں اڑا دیں، آیات الٰہی کے ساتھ کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو چھوڑ کر تم نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا تھا!

تفسیر آیات:94-96

یہود کو دعوتِ مباہلہ: محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے فرمایا: ﴿قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۹۴﴾ ''آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر اللہ کے ہاں آخرت کا گھر اور لوگوں (مسلمانوں) کے لیے نہیں صرف تمھارے لیے مخصوص ہے تو اگر تم اس میں سچے ہو تو موت کی آرزو کرو!'' یعنی یہ دعا کرو کہ یہودیوں اور مسلمانوں میں سے جو فریق جھوٹا ہو تو اس پر موت طاری ہو جائے لیکن انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایسی دعا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔[1]

﴿وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۹۵﴾ ''اور ان اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں، یہ کبھی اس کی آرزو نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں سے (خوب) واقف ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ انھیں آپ کے بارے میں علم ہے لیکن اس کے باوجود یہ آپ کو نبی تسلیم نہیں کرتے۔ جب یہود سے یہ کہا گیا کہ موت کی آرزو کرو، اگر اس دن یہ موت کی آرزو کر لیتے تو روئے زمین پر ایک یہودی بھی باقی نہ رہتا بلکہ سب کے سب مر جاتے۔[2] ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ موت کا سوال کرو۔[3] عبدالرزاق نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر یہودی موت کی آرزو کر لیتے تو فی الواقع مر جاتے۔[4] ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر وہ موت کی آرزو کرتے تو ان میں سے ہر ایک اپنے ہی تھوک سے گلا گھٹ کر مر جاتا۔[5] یہ تمام اقوال ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سندوں سے مروی ہیں۔

ابن جریر نے بھی اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [لَوْ أَنَّ الْیَهُودَ تَمَنَّوُا الْمَوْتَ لَمَاتُوا، وَلَرَأَوْا مَقَاعِدَهُمْ مِّنَ النَّارِ، وَ لَوْخَرَجَ الَّذِينَ يُبَاهِلُونَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَرَجَعُوا لَا يَجِدُونَ أَهْلًا وَّ لَا مَالًا] ''اگر یہود موت کی آرزو کرتے تو مر جاتے اور جہنم میں اپنی جگہ دیکھ لیتے اور اگر وہ رسول اللہ ﷺ سے مباہلے کے لیے نکل آتے تو پھر اپنے اہل و مال میں سے کسی کو کبھی بھی نہ دیکھ سکتے۔''[6]

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:177/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:177/1. [3] تفسیر الطبری:599/1. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:177/1. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:177/1. [6] تفسیر الطبری:597/1.

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۂ جمعہ میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ هَادُوۡۤا اِنۡ زَعَمۡتُمۡ اَنَّكُمۡ اَوۡلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ○ وَلَا يَتَمَنَّوۡنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ○ قُلۡ اِنَّ الۡمَوۡتَ الَّذِىۡ تَفِرُّوۡنَ مِنۡهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيۡكُمۡ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ○ ﴾ (الجمعة 62:6-8) ”(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے یہود! اگر تم کو یہ دعویٰ ہو کہ تم اللہ کے دوست ہو دوسرے لوگ نہیں، چنانچہ اگر تم سچے ہو تو (ذرا) موت کی آرزو کرو۔ اور یہ ان (اعمال) کے سبب جو کر چکے ہیں ہرگز اس کی آرزو نہیں کریں گے۔ اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔ کہہ دیجیے کہ موت جس سے تم فرار ہوتے ہو وہ یقیناً تمھیں ملنے والی ہے، پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ تمھیں سب کچھ بتائے گا۔“ یہود...... اللہ تعالیٰ ان پر لعنت فرمائے...... نے جب یہ گمان کیا کہ وہ اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور کہا کہ جنت میں صرف یہود و نصاریٰ ہی داخل ہوں گے تو انھیں مباہلے کی دعوت دی گئی اور یہ کہ ان دونوں گروہوں، یعنی یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں میں سے جو فریق جھوٹا ہے، اس پر بددعا کی جائے لیکن انھوں نے جب اس سے انکار کر دیا تو ہر ایک نے یہ جان لیا کہ یہ ظالم ہیں، کیونکہ اگر انھیں اپنی صداقت کا یقین ہوتا تو وہ اس دعوتِ مباہلہ کو قبول کر لیتے لیکن جب انھوں نے اسے قبول نہ کیا تو ہر ایک کو معلوم ہو گیا کہ یہ سراسر جھوٹے ہیں۔

یہ اسی طرح ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے عیسائیوں کے وفدِ نجران پر بھی مناظرے میں حجت پوری کرنے کے بعد انھیں مباہلے کی دعوت دی تھی۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿ فَمَنۡ حَآجَّكَ فِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَكُمۡ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمۡ وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَكُمۡ ۟ ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ○ ﴾ (آل عمران 3:61) ”پھر جو لوگ عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں آپ سے جھگڑا کریں، آپ کو حقیقتِ حال تو معلوم ہو ہی چلی ہے تو آپ ان سے کہہ دیں کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ، پھر دونوں فریق (اللہ سے) دعاء والتجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔“

جب انھوں نے یہ دیکھا تو آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر تم نے اس نبی سے مباہلہ کیا تو تم میں سے کوئی ایک لمحہ بھر کے لیے بھی زندہ باقی نہیں رہے گا۔ اسی وجہ سے وہ صلح کے لیے آمادہ ہو گئے اور ذلیل و رسوا ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دینا قبول کر لیا جسے رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے مقرر فرمایا تھا، اور آپ نے ان کے ساتھ ابوعُبیدہ بن جراح کو امین بنا کر بھیج دیا تھا۔[1] اسی کے قریب قریب یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ آپ مشرکوں سے مخاطب ہو کر فرما دیں: ﴿ قُلۡ مَنۡ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ فَلۡيَمۡدُدۡ لَهُ الرَّحۡمٰنُ مَدًّا ۚ ﴾ (مریم 19:75) ”(اے نبی!) کہہ دیجیے: جو شخص گمراہی میں پڑا ہوا ہے تو اللہ اس کو آہستہ آہستہ مہلت دیے جاتا ہے۔“ یعنی ہم میں یا تم میں سے جو بھی گمراہی میں پڑا ہوا

[1] السیرة النبویة لابن ھشام: 573/2 نیز تفصیل وتخریج سورۂ آل عمران، آیت: 61 کی تفسیر میں دیکھیے۔

ہوتو اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی میں اور بھی اضافہ فرما دے اور اسے مہلت دے دے جیسا کہ اس کی تفصیل ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔[1]

اس آیت کی تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو موت کی تمنا کرو، یعنی موت کی تمنا سے مراد مباہلہ نہیں ہے جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر مباہلے سے کی ہے۔ اور یہ تفسیر ہی زیادہ صحیح ہے۔

اس مباہلے کو ''تمنا''، یعنی آرزو کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ حق پر موجود ہر شخص کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ اس سے مناظرہ کرنے والے باطل پرست کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے، خصوصاً جب اس کے پاس حق کو بیان کرنے اور اسے ظاہر کرنے کی دلیل بھی ہو۔ موت پر مباہلے کی دعوت اس لیے دی گئی کہ ان کے نزدیک زندگی بڑی عزیز اور عظیم تھی، اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ موت کے بعد ان کا انجام بدترین ہوگا۔

طویل عمر کی حرص: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ ﴾ ''وہ اپنے اُن اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں کبھی اس (موت) کی آرزو نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں سے (خوب) واقف ہے۔ اور یقیناً آپ ان کو اور لوگوں سے زندگی پر سب سے زیادہ حریص دیکھیں گے۔'' یعنی یہ طویل عمر کے حریص ہیں کیونکہ یہ اپنے برے انجام اور اللہ تعالیٰ کے ہاں خائب و خاسر عاقبت کو خوب جانتے ہیں، اس لیے کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ مگر کافر کے لیے جنت ہے۔ اس لیے ان کی خواہش ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو یہ آخرت سے پیچھے رہ جائیں۔ اور جس چیز سے یہ ڈرتے ہیں وہ تو لامحالہ پیش آکر رہے گی حتی کہ یہ دنیوی زندگی کے ان مشرکوں سے بھی زیادہ حریص ہیں جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہی نہیں۔ ابن ابو حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ ﴾ میں مشرکین سے مراد عجمی لوگ ہیں۔[2] اسی طرح حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے مگر انھوں نے اسے بیان نہیں کیا۔[3] مجاہد ﴿ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ ﴾ ''ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کاش! اسے ایک ہزار سال کی عمر مل جائے'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ گناہوں نے ان میں طویل عمر کی خواہش پیدا کر رکھی ہے۔[4]

محمد بن اسحاق نے ﴿ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ ﴾ ''اور اس قدر عمر کا ملنا بھی اسے عذاب سے بچانے والا نہیں۔'' کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ طویل عمر بھی انھیں عذاب الٰہی سے نجات نہیں دلا سکتی کیونکہ مشرک بعث بعد الموت کی امید نہیں رکھتا۔ اسی لیے وہ طویل زندگی کو پسند کرتا ہے۔ اور ہر یہودی کو بھی معلوم ہے کہ اسے آخرت میں کس قدر ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا اس سبب سے کہ اس نے اس علم کو ضائع کر دیا ہے جو اس کے پاس تھا۔[5] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اس آیت کے بارے میں لکھا ہے کہ یہود تو ان لوگوں، یعنی مشرکوں سے بھی زندگی کے زیادہ

---

① دیکھیے مریم، آیت:75 کے ذیل میں۔ ② تفسیر ابن أبي حاتم:178/1. ③ المستدرك للحاكم، التفسير، باب و من سورة البقرة:263/2، حدیث:3043. ④ تفسير ابن أبي حاتم:179/1. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم:179/1.

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: جو کوئی جبریل کا دشمن ہے، تو اُسی نے اِس قرآن کو اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر نازل کیا ہے، یہ اس (کتاب) کی تصدیق کرتا

يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿97﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ

ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی اور مومنوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے ﴿97﴾ جو کوئی اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے رسولوں کا اور جبریل اور

وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿98﴾

میکائیل کا دشمن ہے تو بے شک اللہ بھی کافروں کا دشمن ہے ﴿98﴾

حریص ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہے کہ کاش! اسے ہزار برس عمر مل جائے اور اگر اسے یہ عمر مل بھی جائے تو وہ عذاب سے نہیں بچ سکتا جیسا کہ کافر ہونے کی وجہ سے ابلیس کی طویل عمر اس کے لیے قطعاً فائدہ مند نہیں ہے۔[1]

﴿ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿96﴾ ﴾ یعنی اللہ اس بات سے باخبر ہے کہ اس کے بندے کیا اچھے یا برے عمل کرتے ہیں اور وہ ہر ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق ہی بدلہ دے گا۔

تفسیر آیات:98,97

یہود کی جبرائیل علیہ السلام سے عداوت: امام ابوجعفر ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت بنی اسرائیل کے یہود کو جواب دینے کے لیے نازل ہوئی ہے جن کا یہ خیال تھا کہ جبرائیل علیہ السلام ان کا دشمن اور میکائیل علیہ السلام دوست ہے۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عکرمہ کا قول ہے: جَبْرَ، مِيكَ اور إِسْرَافِ[3] کے معنی عبد اور إِيل کے معنی اللہ کے ہیں، پھر انھوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بارے میں سنا تو اس وقت وہ اپنی زمین میں پھل چننے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ آپ جب تشریف لے آئے تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ میں آپ سے تین سوال پوچھتا ہوں اور ان کے جواب نبی کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں ہیں: (1) قیامت کی سب سے پہلی نشانی کیا ہے؟ (2) اہل جنت کو سب سے پہلے کیا کھانا دیا جائے گا اور (3) وہ کون سی چیز ہے جو بچے کو کبھی باپ کے مشابہ بنا دیتی ہے اور کبھی ماں کے؟ آپ نے فرمایا:

[أَخْبَرَنِي بِهِنَّ جِبْرِيلُ آنِفًا، قَالَ: جِبْرِيلُ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ : ذَاكَ عَدُوُّ الْيَهُودِ مِنَ الْمَلَائِكَةِ ، فَقَرَأَ هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ ﴾ أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ ، فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ ، وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ ، فَزِيَادَةُ كَبِدِ الْحُوتِ ، وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ ، نَزَعَ الْوَلَدَ ، وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ نَزَعَتْ]

”ان سوالوں کے جواب ابھی ابھی مجھے جبرائیل علیہ السلام نے بتائے ہیں، عبداللہ بن سلام نے کہا: جبرائیل نے؟ آپ نے

---

[1] تفسیر الطبری:605/1. [2] تفسیر الطبری:606/1. [3] مگر صحیح بخاری میں ہمزہ کے بغیر ”سَرَافِ“ ہے اور مزید دیکھیے تفسیر الطبری:614,613/1.

فرمایا: ہاں، تو انھوں نے کہا کہ فرشتوں میں سے یہ یہود کا دشمن ہے تو آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ ﴾ ''جو کوئی جبریل کا دشمن ہے (تو دشمنی کی کوئی وجہ نہیں جبکہ) اسی نے تو اس قرآن کو آپ کے دل پر اتارا ہے۔'' (پھر آپ نے ان کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:) (1) قیامت کی پہلی نشانی وہ آگ ہے جو لوگوں کو جمع کر کے مشرق سے مغرب کی طرف لے آئے گی۔ (2) اہل جنت جو سب سے پہلے کھانا کھائیں گے، وہ مچھلی کے جگر و کلیجی سے بنا ہوگا۔ (3) جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جائے تو بچے کی مشابہت باپ سے ہوتی ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو بچے کی مشابہت اپنی ماں سے ہوتی ہے۔'' یہ جواب سن کر عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بے ساختہ پکار اٹھے: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ. پھر انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہود جھوٹی تہمت لگا کر ہکا بکا کر دینے والی ایک قوم ہے، میرے بارے میں پوچھنے سے پہلے ہی اگر انھیں میرے مسلمان ہونے کا علم ہو گیا تو یہ مجھ پر بھی جھوٹی تہمت لگانے لگ جائیں گے۔ یہود آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: [أَيُّ رَجُلٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ فِيكُمْ ؟] ''تم میں عبداللہ بن سلام کیسے ہیں؟'' وہ کہنے لگے: ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سرداروں کے بیٹے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ ؟] ''اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو تمھارا کیا خیال ہے؟'' کہنے لگے: اللہ انھیں اس سے بچائے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو باہر آ گئے اور کہنے لگے: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، یہودی کہنے لگے کہ یہ تو ہم میں سے بہت برے ہیں اور بہت برے انسان کے بیٹے ہیں اور اس طرح ان کی برائیاں کرنے لگ گئے۔ عبداللہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اسی بات سے ڈرتا تھا۔

اس طریق سے اس حدیث کو صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔[1] اور ایک اور طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تقریباً اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ إِیل عبد سے عبارت ہے اور دوسرا کلمہ (جو اس سے قبل متصل ہوتا ہے وہ) اللہ کا نام ہے کیونکہ کلمۂ إِیل ان سب میں تبدیل نہیں ہوا۔ اس طرح یہ اسماء عبداللہ، عبدالرحمٰن، عبدالملک، عبدالقدوس، عبدالسلام، عبدالکافی اور عبدالجلیل کی طرح ہیں جس طرح ان سب میں ''عبد'' موجود ہے اسی طرح تمام فرشتوں کے اسماء میں إِیل موجود ہے اور جس طرح ان میں مضاف الیہ کے اسماء مختلف ہیں، اسی طرح جبرائیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل میں مضاف ہونے والے کلمات مختلف ہیں اور عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں مضاف الیہ کو مضاف سے پہلے بیان کیا جاتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

ملائکہ میں تفریق کرنا اسی طرح کفر ہے جس طرح انبیاء میں تفریق کرنا: جہاں تک اس آیت کی تفسیر کا تعلق ہے تو ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص جبریل سے دشمنی رکھے تو اسے یہ جان لینا چاہیے کہ وہ تو روح الامین ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ذکر حکیم کو آپ کے قلب اطہر پر

[1] صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ ﴾ (البقرة2:97)، حدیث:4480. [2] صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم وذریته، حدیث:3329، 3911.

نازل کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے قاصدوں میں سے ایک قاصد ہیں اور جو اللہ کے کسی ایک قاصد سے دشمنی رکھے تو وہ اللہ کے تمام قاصدوں کا دشمن ہے جیسا کہ جو شخص اللہ کے پیغمبروں علیہم السلام میں سے کسی ایک کے ساتھ ایمان لائے تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ باقی تمام کے ساتھ بھی ایمان لائے اور ایک کے ساتھ کفر کرے تو تمام کے ساتھ کفر لازم آتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ﴾ (النسآء 4:150) ''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔''

یہ اور اس سے اگلی آیت سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بعض پیغمبروں کو ماننے اور بعض کو نہ ماننے کی وجہ سے کافر قرار دیا ہے۔ اسی طرح جو شخص جبرائیل علیہ السلام سے دشمنی رکھے تو وہ اللہ کا دشمن ہے کیونکہ جبرائیل علیہ السلام کسی بات کو لے کر از خود نازل نہیں ہوتے بلکہ وہ تو اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ﴾ (مریم 19:64) ''اور (فرشتوں نے پیغمبر علیہ السلام کو جواب دیا کہ) ہم آپ کے پروردگار کے حکم کے سوا اتر نہیں سکتے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:192-194) ''اور یہ (قرآن اللہ) پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے۔ اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے (اس نے) آپ کے دل پر (القا کیا ہے) تاکہ آپ (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہیں۔''

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ: مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ] ''بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو میرے کسی دوست سے دشمنی رکھے میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔''[1]

یہی وجہ ہے کہ جبرائیل سے دشمنی رکھنے والوں سے ناراض ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ ''جو شخص جبرائیل کا دشمن ہو (اس کو غصے میں مر جانا چاہیے) اس نے تو یہ کتاب اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر نازل کی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔'' پہلی کتابوں سے مراد سابقہ آسمانی کتابیں ہیں۔

﴿ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝97 ﴾ یعنی مومنوں کے دلوں کے لیے ہدایت اور انھیں جنت کی بشارت سنانے والی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:44) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے وہ ہدایت اور شفا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (بنی إسرآءیل 17:82) ''اور ہم قرآن نازل کر رہے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا

[1] صحیح البخاری، الرقاق، باب التواضع، حدیث: 6502 و سنن ابن ماجہ، الفتن، باب من تُرجی له السلامة من الفتن، حدیث: 3989 بالفاظ دیگر۔

﴿ لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا اللہ دشمن ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص مجھ سے اور میرے فرشتوں سے اور میرے رسولوں سے دشمنی رکھے تو میں اس کا دشمن ہوں۔

اس آیت میں ﴿ رُسُلِهٖ ﴾ کا لفظ تمام رسولوں کے لیے ہے، خواہ ان کا تعلق فرشتوں سے ہو یا انسانوں سے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ﴾ (الحج22:75) ''اللہ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب کر لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔''

اس کے بعد جبرائیل و میکائیل کا ذکر عطف الخاص علی العام کے باب میں سے ہے، یعنی اگرچہ یہ دونوں فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کے عموم میں بھی داخل ہیں لیکن پھر ان کا بطور خاص ذکر اس لیے کیا گیا کہ یہاں سیاق کلام سے جبرائیل کی نصرت و اعانت مقصود ہے۔ اور یہ وہی فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے نبیوں کے درمیان سفیر کے فرائض سرانجام دیتا رہا ہے اور اس کے ساتھ میکائیل کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ یہودیوں کا خیال تھا کہ جبرائیل ان کا دشمن اور میکائیل دوست ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو ان میں سے کسی ایک سے دشمنی رکھے تو وہ دوسرے کا، نیز اللہ تعالیٰ کا بھی دشمن ہے، پھر اس لیے بھی کہ میکائیل تو کبھی کبھی انبیاء کے پاس آئے جبکہ جبرائیل اکثر آتے رہتے ہیں کیونکہ ان کا فرض منصبی ہی انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس وحی لانا ہے جیسا کہ حضرت اسرافیل کی یہ ڈیوٹی لگائی گئی ہے کہ وہ قیامت کے دن زندہ کر کے اٹھائے جانے کے لیے صور میں پھونکیں گے، چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو قیام فرماتے تو یہ دعا فرماتے: [اَللّٰهُمَّ ! رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَ مِيكَائِيلَ وَ إِسْرَافِيلَ ، فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ، أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ، اِهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ ، إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ] ''اے اللہ! اے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے پروردگار! آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمانے والے! پوشیدہ اور ظاہر کا علم رکھنے والے! جن باتوں میں تیرے یہ بندے اختلاف کر رہے ہیں تو ہی ان کا فیصلہ فرمائے گا اور حق کے بارے میں جو اختلاف کیا جا رہا ہے، اس میں اپنے حکم سے تو ہی میری رہنمائی فرما، بے شک تو ہی جس کو چاہتا ہے، سیدھے رستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔''[1]

﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''تو بے شک اللہ بھی کافروں کا دشمن ہے۔'' یہاں ضمیر کے بجائے اسم ظاہر ہی کو استعمال کیا گیا ہے اور مذکورہ معنی کے اظہار ہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کہنے کے بجائے کہ وہ کافروں کا دشمن ہے، یہ فرمایا کہ ایسے کافروں کا اللہ دشمن ہے تاکہ انھیں یہ بتا دیا جائے کہ جو شخص اللہ کے کسی بھی دوست سے دشمنی رکھے تو اس نے گویا اللہ تعالیٰ سے دشمنی کی ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے دشمنی کرے تو اللہ بھی اس کا دشمن ہے اور جس شخص کا اللہ تعالیٰ دشمن ہو تو وہ دنیا و آخرت میں تباہ

[1] صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ النبیﷺ و دعائه باللیل، حدیث:770 عن عائشةؓ.

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿99﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ

اور یقیناً ہم نے نازل کیں آپ کی طرف واضح آیتیں اور نافرمانوں کے سوا کوئی ان کا انکار نہیں کرتا﴿99﴾ کیا (ایسا نہیں ہوتا رہا کہ) جب بھی انھوں نے

فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿100﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا

کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک گروہ نے اسے پھینک دیا، بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے﴿100﴾ اور جب بھی اللہ کی طرف سے ان کے پاس کوئی

مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿101﴾

رسول آیا جو ان کے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرتا تھا تو جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰي مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا

گویا وہ جانتے ہی نہیں﴿101﴾ اور انھوں نے اس کی پیروی کی جسے شیطان، سلیمان کی بادشاہت میں پڑھتے تھے، اور سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا بلکہ

يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۤ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَي الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ

شیطانوں نے کفر کیا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور انھوں نے اس کی پیروی کی جو بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا، وہ

مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ

دونوں (فرشتے) جادو سکھانے سے پہلے کہہ دیتے تھے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں، لہٰذا تو کفر نہ کر، چنانچہ لوگ ان دونوں سے وہ جادو سیکھتے جس کے

بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا

ذریعے سے وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈالتے، اور وہ اس جادو سے اللہ کے حکم کے سوا کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اور لوگ ان سے

يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڟ

وہ علم سیکھتے تھے جو انھیں نقصان پہنچاتا تھا، ان کو نفع نہیں دیتا تھا، حالانکہ وہ بالیقین جانتے تھے کہ جس نے اس (جادو) کو خریدا آخرت میں اس کے لیے

وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿102﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ

کوئی حصہ نہیں، اور البتہ وہ بہت بری چیز تھی جس کے بدلے میں انھوں نے اپنی جانیں بیچ ڈالیں کاش! وہ جانتے ہوتے﴿102﴾ اور اگر وہ ایمان لاتے اور

12 ع 7 12 عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿103﴾ ع

تقویٰ اختیار کرتے تو بے شک اللہ کے ہاں سے بہت اچھا ثواب ملتا، کاش! وہ جانتے ہوتے﴿103﴾

وبرباد ہو جاتا ہے جیسا کہ قبل ازیں یہ حدیث بیان کی جا چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ] ”جو شخص میرے کسی دوست سے دشمنی رکھے تو میرا اس کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔“[1]

تفسیر آیات: 99-103

نبوت محمدی کے دلائل: امام ابوجعفر ابن جریر رحمہ اللہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ﴾ کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے محمد (ﷺ)! ہم نے آپ کی طرف ایسی واضح آیات نازل کی ہیں جو آپ کی نبوت کی

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب التواضع، حديث:6502 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

دلیل ہیں۔ ان آیات سے مراد کتاب اللہ کے وہ محتویات ہیں جن میں علوم یہود کے مخفی پہلوؤں، ان کے حالات اور پوشیدہ رازوں، بنی اسرائیل کے پہلے لوگوں کی خبروں اور ان کی آسمانی کتابوں کی ان باتوں کو بیان کیا گیا ہے جنھیں ان کے احبار و علماء کے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ نیز ان کے اگلے اور پچھلے لوگوں نے احکام تورات میں جو تحریف اور تبدیلی کی اللہ تعالیٰ نے اسے بھی اپنی اس کتاب مقدس میں طشت از بام کر دیا ہے جسے اس نے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔

یہ تمام باتیں ایک ایسے منصف مزاج انسان کے لیے بلا شک وشبہ واضح اور روشن آیات ہیں جسے حسد و سرکشی نے تباہ و برباد نہ کر دیا ہو کیونکہ ہر صحیح الفطرت انسان مجبور ہے کہ وہ ان آیات بینات کی تصدیق کرے جنھیں حضرت محمد ﷺ لے کر دنیا میں تشریف لائے، حالانکہ آپ نے کسی بشر سے کوئی علم نہیں سیکھا اور نہ ان آیات میں سے کسی کو کسی دوسرے انسان ہی سے لیا ہے۔[1] جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کی طرف ان آیات بینات کو نازل فرمایا ہے۔ آپ انھیں یہ پڑھ کر سناتے اور صبح وشام بتاتے ہیں، حالانکہ آپ ان کے نزدیک اُمّی ہیں کہ آپ نے آج تک قرآن مجید کے سوا کسی اور کتاب کو نہیں پڑھا لیکن ان کی کتابوں میں جو کچھ موجود ہے آپ انھیں ان کے بارے میں صحیح صحیح بتا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس میں عبرت ونصیحت اور بیان وحجت ہے۔ اے کاش! کہ یہ لوگ اس حقیقت کو جان لیں۔[2]

عہد شکنی یہود کی عادت ہے: جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی اور آپ نے یہودیوں کو خصوصًا وہ عہد و میثاق یاد دلایا جو ان سے آپ کے بارے میں لیا گیا تھا تو مالک بن صَیف (قینقاعی) کہنے لگا: اللہ کی قسم! ہم سے تو محمد ﷺ کے بارے میں کوئی عہد و میثاق نہیں لیا گیا تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ ﴾ ''کیا (ایسا نہیں ہوتا رہا کہ) جب بھی انھوں نے کوئی عہد و میثاق کیا تو ان میں سے ایک فریق نے اسے پھینک دیا؟''[3]

امام حسن بصری رحمہ اللہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ ''بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) ان میں اکثر بے ایمان ہیں'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا عہد و پیمان نہیں جو یہود سے لیا گیا ہو اور اسے انھوں نے نہ توڑا ہو۔ ان کی عادت ہی یہی ہے کہ آج جو عہد کرتے ہیں کل اسے توڑ دیتے ہیں۔[4]

یہودیوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ کر جادو کو لے لیا: ﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ﴾ ''اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے پیغمبر (آخر الزماں) آئے جو ان کے پاس موجود (آسمانی) کتاب کی تصدیق بھی کرتے ہیں۔'' سدی اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت محمد ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو انھوں نے تورات سے آپ کا مقابلہ کرنا چاہا مگر جب انھوں نے دیکھا کہ تورات اور قرآن کے مضامین میں اتفاق ہے تو انھوں نے تورات کو بھی پس پشت ڈال دیا اور آصف (بن برخیا) کی کتاب اور ہاروت و ماروت کے جادو کو اختیار کر لیا جو کہ قرآن کے مخالف تھا۔ اسی

[1] تفسیر الطبری:618/1. [2] تفسیر الطبری:618/1. [3] تفسیر الطبری:620/1. [4] تفسیر ابن أبي حاتم:184/1.

لیے فرمایا: ﴿ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ’’گویا وہ جانتے ہی نہیں۔‘‘[1] قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ جانتے تو تھے لیکن جاننے کے باوجود انھوں نے اسے پھینک دیا، چھپایا اور اسے ماننے سے انکار کر دیا۔[2]

جادو سلیمان علیہ السلام کے عہد سے پہلے بھی تھا: ﴿ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ﴾ ’’اور انھوں نے اس کی پیروی کی جسے شیطان سلیمان کی بادشاہت میں پڑھا کرتے تھے۔‘‘ سدی بیان کرتے ہیں کہ مُلکِ سلیمان سے مراد عہد سلیمان (علیہ السلام) ہے۔

شیاطین آسمان پر چلے جاتے تھے اور وہاں سننے کے لیے گھات لگا کر بیٹھ جایا کرتے تھے اور فرشتوں کی باتیں سن کر یہ معلوم کر لیتے کہ زمین میں کس کی موت واقع ہونے والی ہے یا غیب کی کون کون سی باتیں رونما ہونے والی ہیں۔ فرشتوں سے سنی ہوئی باتوں سے کاہنوں کو مطلع کر دیا کرتے تھے اور کاہن وہ باتیں لوگوں کو بتا دیتے تھے۔ اور لوگ دیکھتے کہ وہ باتیں اسی طرح پوری ہوئی ہیں جس طرح کاہنوں نے انھیں بتائی تھیں۔ کاہنوں نے لوگوں کو اپنے اعتماد میں لے لیا تو پھر ان سے جھوٹ بولنا شروع کر دیا۔ شیطانوں سے سنی ہوئی ایک بات میں ستر ستر باتیں اپنی طرف سے ملانا شروع کر دیں۔ لوگوں نے ان باتوں کو اپنی کتابوں میں لکھنا شروع کر دیا اور بنی اسرائیل میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ جن علم غیب جانتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے لوگوں کے پاس اپنے آدمی بھیج کر ان تمام کتابوں کو جمع کر لیا اور انھیں ایک صندوق میں ڈال دیا اور اس صندوق کو اپنی کرسی کے نیچے دفن کر دیا۔ جو شیطان بھی آپ کی کرسی کے قریب آتا وہ جل کر راکھ ہو جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں نے کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ شیاطین علم غیب جانتے ہیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام فوت ہو گئے اور وہ علماء بھی چل بسے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کو جانتے تھے اور ان کے ناخلف پیدا ہو گئے تو شیطان انسانی صورت میں بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے پاس آیا اور کہنے لگا: کیا میں تمھیں ایک ایسا خزانہ نہ بتاؤں جسے تم کبھی بھی ختم نہ کر سکو گے؟ انھوں نے کہا: ہاں، ضرور بتائیے۔ شیطان نے کہا کہ کرسی کے نیچے جگہ کھودو۔ شیطان ان کے ساتھ گیا اور اس نے انھیں وہ جگہ دکھائی اور خود دور جا کر کھڑا ہو گیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ قریب آیئے۔ اس نے کہا کہ نہیں، میں یہاں تمھارے پاس ہی موجود ہوں اگر تمھیں یہاں سے نہ ملے تو بے شک مجھے قتل کر دینا۔

انھوں نے جگہ کو کھودا تو واقعی ان کتابوں کو وہاں موجود پایا اور جب انھوں نے انھیں باہر نکالا تو شیطان نے کہا کہ سلیمان انسانوں، شیطانوں اور پرندوں پر اس جادو کی وجہ سے حکومت کرتے تھے۔ یہ کہہ کر شیطان چلا گیا اور بنی اسرائیل میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ سلیمان جادوگر تھے، بنی اسرائیل نے ان کتابوں کو محفوظ کر لیا اور جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انھوں نے انھی کتابوں کی بنیاد پر آپ سے لڑائی جھگڑا شروع کر دیا، چنانچہ اسی کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ’’سلیمان نے مطلق کفر کی بات نہیں کی بلکہ شیطان ہی کفر کرتے تھے۔‘‘[3]

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:184/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:185/1. [3] تفسیر الطبری:624,623/1.

قصہ ہاروت وماروت: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ ﴾ ''اور (انھوں نے اس کی پیروی کی) جو بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا، وہ دونوں فرشتے جادو سکھانے سے پہلے کہہ دیتے تھے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں، لہٰذا تو کفر نہ کر، چنانچہ لوگ ان دونوں سے وہ جادو سیکھتے تھے جس کے ذریعے سے وہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی ڈالتے۔'' کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ ﴿ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ ﴾ یہاں ''ما'' نافیہ ہے جیسا کہ علامہ قرطبی نے بھی لکھا ہے کہ یہ ''ما'' نافیہ ہے۔ اور اس کا عطف ﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ ﴾ پر ہے، یعنی سلیمان نے مطلق کفر کی بات نہیں کی اور نہ دو فرشتوں پر کچھ نازل کیا گیا تھا۔ اس لیے کہ یہودیوں کا یہ گمان تھا کہ اس جادو کو لے کر جبریل ومیکائیل نازل ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر ان کی تکذیب کی ہے۔ اور ﴿ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ ﴾ اللہ کے اس فرمان: ﴿ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ ﴾ میں لفظ شیاطین سے بدل ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ (جمع سے تثنیہ کا بدل) صحیح ہے کیونکہ دو کے لیے بھی جمع کا لفظ استعمال ہوسکتا ہے جیسا کہ ﴿ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ ﴾ (النساء 4:11) ''پھر اگر اس (میت) کے (ایک سے زیادہ) بھائی ہوں۔'' میں ہے (کہ بھائی دو بھی ہوں تو ماں کے لیے حجب نقصان بنیں گے، حالانکہ یہاں تثنیہ کے بجائے إِخْوَةٌ جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔) یا اس لیے کہ ان کے اور بھی بہت سے پیروکار تھے (لیکن ہاروت وماروت کا ذکر کیا گیا کیونکہ یہ ان کے سرغنے تھے۔) یا پھر ان دونوں کی بڑھی ہوئی سرکشی کی وجہ سے ان کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔ (بقول امام قرطبی رحمہ اللہ کلام میں تقدیم وتاخیر ہے) اور ان کے نزدیک اصل عبارت اس طرح ہے: يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ یعنی شیاطین میں سے ہاروت اور ماروت بابل میں لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا یہی مفہوم سب سے زیادہ بہتر اور صحیح ہے، لہٰذا اس کے سوا کسی اور مفہوم کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جائے گا۔ [1]

ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ بطریق عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ ﴾ کی تفسیر میں یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جادو کو نازل نہیں کیا۔ اور انھوں نے اپنی سند کے ساتھ ربیع بن انس سے یہ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر جادو نازل نہیں کیا تھا۔ [2] ابن جریر فرماتے ہیں کہ ان اقوال کے مطابق تفسیر یہ ہوگی کہ یہ اس جادو کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان علیہ السلام کے عہد سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے مطلق کفر نہیں کیا اور نہ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں پر کوئی جادو نازل کیا لیکن ان شیطانوں نے کفر کیا کہ بابل میں ہاروت وماروت لوگوں کو جادو سکھاتے تھے، گویا ﴿ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ ﴾ کے الفاظ مؤخر ہیں لیکن ان کے معنی مقدم ہیں۔ [3]

امام ابن جریر لکھتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ وجہ تقدیم کیسے ہے؟ تو اسے جواب دیا جائے گا کہ یہ وجہ تقدیم اس طرح ہے

---

[1] تفسیر القرطبی: 50/2. [2] تفسیر الطبری: 633/1. [3] تفسیر الطبری: 633/1.

کہ یوں کہا جائے: ﴿ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ﴾ یہ اس جادو کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان کے عہد سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے ﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ ﴾ اور سلیمان نے کفر نہیں کیا اور نہ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں پر جادو نازل کیا۔ ﴿ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ﴾ لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ بابل میں ہاروت و ماروت لوگوں کو جادو سکھاتے تھے، تو اس صورت میں ﴿ الْمَلَكَيْنِ ﴾ سے مراد جبریل و میکائیل علیہما السلام ہیں۔ کیونکہ جادوگر یہودی کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان بن داود علیہما السلام پر جبریل و میکائیل کی زبانی جادو نازل کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تکذیب کی اور اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو بتایا کہ جبریل و میکائیل کوئی جادو لے کر نازل نہیں ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو بھی جادو سے بری قرار دیا اور فرمایا کہ جادو تو شیطانوں کا کام ہے۔ لوگوں نے اسے بابل میں سیکھا تھا۔ لوگوں کو جادو سکھانے والے دو آدمی تھے جن میں سے ایک کا نام ہاروت اور دوسرے کا نام ماروت تھا۔ اس تفسیر کے مطابق ہاروت و ماروت دو آدمیوں کے نام ہیں اور ان کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ یہ دو فرشتے تھے۔ یہ ابن جریر کی بیان کردہ تفسیر ہے لیکن یہ ایک تکلف ہے جو مخفی نہیں ہے۔[1]

بہت سے سلف کا یہ مذہب ہے کہ ہاروت و ماروت آسمان کے دو فرشتے تھے جنھیں زمین پر نازل کیا گیا، پھر ان کا یہ واقعہ پیش آ گیا تھا۔ اور اس واقعے اور فرشتوں کی عصمت کے بارے میں جو دلائل وارد ہیں ان میں تطبیق اس طرح ہوگی کہ ان دونوں کے بارے میں پہلے ہی سے اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا، لہٰذا یہ ان دونوں کی تخصیص ہوگی۔ اس لیے اس میں کوئی تعارض نہیں جیسا کہ ابلیس کے بارے میں بھی پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا۔ ابلیس کا فرشتوں میں سے ہونا اس آیت کریمہ: ﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ﴾ (البقرۃ 34:2) ''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: تم آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے نہ مانا۔'' اور دیگر بہت سی آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ ہاروت و ماروت کا یہ معاملہ تو ابلیس کے معاملے کے مقابلے میں بہت ہلکا ہے۔ قرطبی نے اسے (ہاروت و ماروت دو فرشتوں کا آسمان سے اترنا) حضرت علی، ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ عنہم اور کعب احبار، سدی اور کلبی سے روایت کیا ہے۔[2] لیکن جہاں تک قصۂ زہرہ کا تعلق ہے وہ بلاشک موضوع اور من گھڑت ہے۔

بابل کا محل وقوع: ہیئت دانوں کا کہنا ہے کہ بابل، جو ملک عراق کا شہر ہے، بحر محیط غربی، یعنی بحر اوقیانوس سے ستر (70) درجے طول بلد پر واقع ہے اور جنوبی جانب سے یہ زمین کے وسط، یعنی خط استواء سے بتیس درجے عرض بلد پر واقع ہے۔ واللہ أعلم.

جادو سیکھنا کفر ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ ﴾ ''اور

---

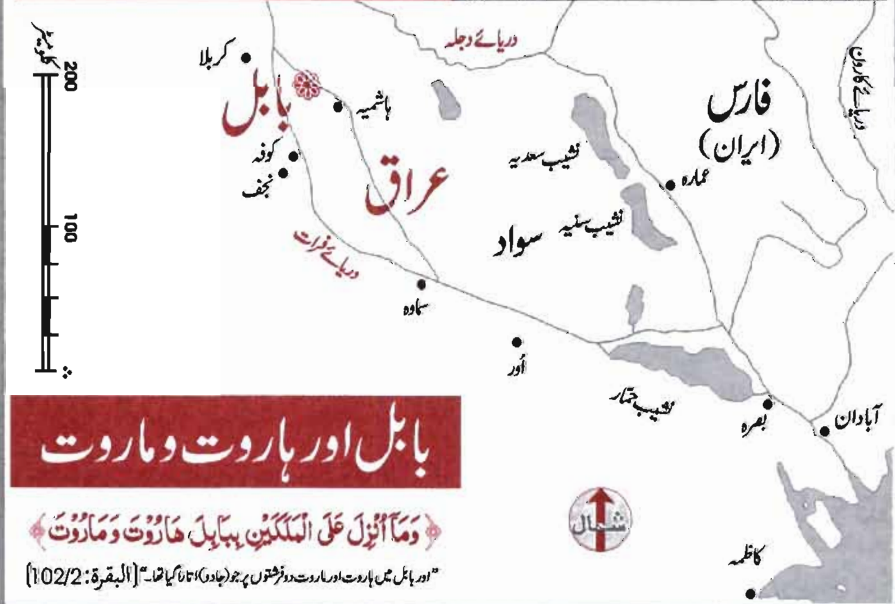
① تفسیر الطبری:634,633/1۔ لیکن امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کے بعد تفسیر ابن جریر سے دوسری تفسیر بھی نقل کی ہے جس میں مَا کو موصولہ قرار دیا گیا ہے اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اسی کو راجح کہا ہے لیکن المصباح المنیر میں وہ نقل نہیں ہوئی۔ اور یہ وہی تفسیر ہے جو آگے متن میں آ رہی ہے۔ ② تفسیر القرطبی :52,51/2.

20 طول بلد مغربی | 0 طول بلد | 20 طول بلد مشرقی | 40 طول بلد مشرقی | 45 طول بلد مشرقی

40 عرض بلد | 32 عرض بلد شمالی | خط سرطان | 20 عرض بلد | خط استوا | 0 عرض بلد

بابل کا طول بلد اور عرض بلد

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بابل کا طول بلد "بحر اوقیانوس (المحیط الاطلنطی Atlantic Ocean) سے 70 درجے" بتایا ہے۔ جدید پیمائش کے حساب سے یہ طول بلد تقریباً 65 درجے بنتا ہے کیونکہ نصف النہار اعظم کے مشرق میں بابل تک طول بلد کے تقریباً 45 درجے اور نصف النہار اعظم کے مغرب میں بحر اوقیانوس کے طول بلد کے 20 درجے مل کر 65 درجے بنتے ہیں۔ امام صاحب کے بقول بابل کا عرض بلد جنوب یعنی خط استواء سے 32 درجے پر واقع ہے جو کہ جدید پیمائش کے مطابق تقریباً 33 درجے شمالی عرض بلد بنتا ہے۔ اس سے امام صاحب کی جغرافیائی معلومات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ (نصف النہار اعظم کا طول بلد صفر ہے)



بابل اور ہاروت وماروت

﴿ وَمَآ أُنزِلَ عَلَى ٱلْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَٰرُوتَ وَمَٰرُوتَ ﴾

"اور بابل میں ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر جو (جادو) اتارا گیا تھا۔" [البقرۃ: 102/2]

وہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں، لہٰذا تو کفر نہ کر۔'' ابوجعفر رازی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی ان دونوں سے جادو سیکھنے کے لیے آتا تو اسے سختی سے منع کر دیتے اور کہتے کہ ہم تو صرف آزمائش ہیں، چنانچہ تم کفر میں نہ پڑو۔ اس لیے کہ وہ خیر وشر اور کفر وایمان کو جانتے تھے اور انھیں معلوم تھا کہ جادو کفر ہے، لہٰذا جب وہ ان کی بات قبول کرنے سے انکار کر دیتا تو اسے کہتے کہ فلاں جگہ جاؤ۔ وہ جب وہاں جاتا تو شیطان کو وہاں پاتا جو اسے جادو سکھا دیتا تھا۔ اور جب وہ جادو سیکھ لیتا تو اس سے نور نکل جاتا اور وہ اسے آسمان کی طرف چڑھتے ہوئے دیکھتا تو وہ کہتا: ہائے حسرت! ہائے افسوس! اب میں کیا کروں گا؟[1]

امام حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ دو فرشتوں کو جادو دے کر اتارا گیا تھا تاکہ وہ لوگوں کو یہ آزمائش سکھا دیں جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی آزمائش کرنا چاہی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے یہ عہد لے لیا تھا کہ وہ اس وقت تک کسی کو یہ جادو نہ سکھائیں جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ذریعۂ آزمائش ہیں، چنانچہ تم کفر میں نہ پڑو۔[2] قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[3]

سدی بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی انسان ان دونوں فرشتوں کے پاس جادو سیکھنے کے لیے آتا تو یہ اسے نصیحت کرتے ہوئے کہتے کہ تم کفر میں نہ پڑو ہم تو ذریعۂ آزمائش ہیں جب وہ انکار کر دیتا اور جادو کے سیکھنے ہی پر اصرار کرتا تو اس سے کہتے کہ جاؤ اور اس راکھ پر پیشاب کر دو۔ جب وہ اس پر پیشاب کر دیتا تو اس کے جسم سے نور خارج ہو کر اوپر اٹھ جاتا حتی کہ وہ آسمان میں داخل ہو جاتا۔ اور یہ خارج ہونے والا نور ایمان ہوتا اور دھوئیں کے مانند ایک کالی سیاہ چیز آتی جو اس کے کانوں میں اور جسم کے ہر حصے میں داخل ہو جاتی اور یہ غضب الٰہی ہوتا۔ اور جب وہ ان دونوں فرشتوں کو اس کے بارے میں بتاتا تو وہ اسے جادو سکھا دیتے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ کا یہی مفہوم ہے۔[4]

حجاج نے ابن جریج سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جادو سیکھنے کی جرأت صرف کافر ہی کر سکتا ہے اور آیت میں فتنے کے معنی ابتلاء وآزمائش کے ہیں۔[5]

اس آیت سے جادو سیکھنے کے کفر ہونے پر بھی استدلال کیا گیا ہے، نیز اس حدیث کو بھی استشہاد میں پیش کیا گیا ہے جسے حافظ ابوبکر بزّار نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: [مَنْ أَتٰى كَاهِنًا أَوْ سَاحِرًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ ، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ] ''جو شخص کسی کاہن یا جادوگر کے پاس جائے اور اس کی بات کی تصدیق کرے تو اس نے اس دین وشریعت کے ساتھ کفر کیا جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے۔''[6] اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے اور بھی

---

① تفسیر ابن أبی حاتم:194/1. ② تفسیر ابن أبی حاتم:192/1. ③ تفسیر الطبری:646/1. ④ تفسیر الطبری: 646/1. ⑤ تفسیر الطبری:647/1. ⑥ تاریخ بغداد، ترجمة الحسین بن عبداللہ بن أبی علّانة المُقرِی:60/8، حدیث: 4134 اور اس میں [أَوْ عَرّافًا] بھی ہے۔ و کشف الأستار:443/2.

بہت سے شواہد ہیں۔[1]

جادو کے ذریعے سے میاں بیوی میں جدائی: ﴿ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ﴾ ''چنانچہ لوگ ان سے ایسا جادو سیکھتے جس سے مرد اور اس کی بیوی میں جدائی ڈال دیں۔'' یعنی لوگ ہاروت و ماروت سے جادو کا علم سیکھتے اور اس جادو کے ذریعے سے وہ جو مذموم افعال کرتے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ اس سے میاں اور بیوی میں جدائی ڈال دیتے تھے، حالانکہ وہ باہمی الفت و محبت کی زندگی بسر کر رہے ہوتے تھے۔ اور یہ شیطانوں ہی کا کام ہے جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ إِبْلِيسَ يَضَعُ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ ، ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ فَأَدْنَاهُمْ مِّنْهُ مَنْزِلَةً أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً، يَجِيءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُولُ : فَعَلْتُ كَذَا وَ كَذَا ، فَيَقُولُ : مَا صَنَعْتَ شَيْئًا ، قَالَ: ثُمَّ يَجِيءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُولُ: مَا تَرَكْتُهُ حَتّٰى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ ، قَالَ : فَيُدْنِيهِ مِنْهُ وَيَقُولُ : نِعْمَ أَنْتَ] ''ابلیس اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اپنے لشکر روانہ کر دیتا ہے، شیطان کے دربار میں سب سے زیادہ تقرب اسے حاصل ہوتا ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ فتنہ و فساد میں مبتلا کر دے، مثلاً: ان میں سے ایک آ کر یہ رپورٹ دیتا ہے کہ میں نے یہ یہ کیا ہے۔ ابلیس کہتا ہے: نہیں! تجھ سے کچھ نہیں بن پڑا۔ اسی طرح جب ایک اور شیطان آ کر اسے یہ رپورٹ دیتا ہے کہ میں فلاں شخص کے پیچھے پڑ گیا اور اس وقت تک میں نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا جب تک اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی نہیں ڈال دی۔ ابلیس خوش ہو کر اسے اپنا مقرب بنا لیتا ہے اور اسے اپنے قریب کر لیتا ہے کہ ہاں، واقعی تو نے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے۔'' حدیث کے راوی اَعمش کہتے ہیں: میرے خیال میں یہ فرمایا تھا: [فَيَلْتَزِمُهُ] ''تو اسے گلے لگا لیتا ہے۔''[2]

جادو کے ذریعے سے میاں بیوی میں جدائی اور تفرقے کا سبب یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک دوسرے کو بدصورت یا بدخلق معلوم ہونے لگتا ہے یا دل میں عداوت اور بغض پیدا ہو جاتا ہے یا اس طرح کی اور کئی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو جدائی اور تفرقے کا سبب بن جاتی ہیں۔ اَلْمَرْءُ کے معنی مرد کے ہیں، اس کی تانیث اِمْرَأَةٌ ہے، ان دونوں سے تثنیہ کے صیغے تو عربی زبان میں استعمال ہوتے ہیں مگر جمع کے نہیں۔ واللّٰہ أعلم.

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہر چیز سے بڑھ کر ہے: ﴿ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ ''اور اللہ کے حکم کے سوا وہ اس (جادو) سے کسی کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے تھے۔'' سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے مراد اللہ تعالیٰ کی قضا اور فیصلہ ہے۔[3] حسن بصری رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ہاں، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہتا اس پر ان کو مسلط کر دیتا اور جس کے بارے میں وہ نہ چاہتا ان کو مسلط نہ کرتا کیونکہ یہ اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے

[1] السنن الكبرى للبيهقي:136/8 و مسند أبي يعلى:280/9، حديث:5408 عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه. [2] صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب تحريش الشيطان و بعثه سراياه ......، حديث:2813 و مسند أحمد:314/3. [3] تفسير ابن أبي حاتم:194/1.

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿104﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم (نبی سے یہ) نہ کہو: رَاعِنَا بلکہ یہ کہو: اُنْظُرْنَا اور تم غور سے سنو اور کافروں کے لیے بہت دردناک عذاب ہے ﴿104﴾ اہل

مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ

کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ نہیں چاہتے اور نہ مشرکین ہی چاہتے ہیں کہ تم پر تمھارے رب کی طرف سے کوئی خیر نازل کی جائے اور اللہ اس

رَّبِّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿105﴾

کے لیے اپنی رحمت خاص کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے ﴿105﴾

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ یَتَعَلَّمُوْنَ مَا یَضُرُّهُمْ وَ لَا یَنْفَعُهُمْ ؕ﴾ ''اور لوگ ان سے کچھ ایسا علم (منتر) سیکھتے جو ان کو نقصان ہی پہنچاتا تھا اور فائدہ کچھ نہ دیتا تھا۔'' یعنی دین کو نقصان پہنچاتا اور اس نقصان کے مقابلے میں فائدہ کچھ نہ پہنچاتا تھا۔ ﴿وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۛ﴾ ''اور وہ جانتے تھے کہ جو شخص ایسی چیزوں (سحر اور منتر وغیرہ) کا خریدار ہوگا اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔'' یعنی ان یہودیوں کو یہ علم تھا جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے کے بجائے جادو کو اختیار کر لیا تھا کہ جو شخص یہ کام کرے گا اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سدی فرماتے ہیں کہ ﴿خَلَاقٍ ۛ﴾ کے معنی حصے کے ہیں۔[2]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿102﴾ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَیْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿103﴾﴾ ''اور جس چیز کے عوض انھوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا وہ بری تھی، کاش! وہ (اس بات کو) جانتے ہوتے اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو بے شک اللہ کے ہاں سے بہت اچھا صلہ ملتا، اے کاش! وہ اس سے واقف ہوتے۔'' یعنی ایمان اور رسول ﷺ کی پیروی کے بجائے انھوں نے جس جادو کو اختیار کیا ہے وہ بہت ہی بری چیز ہے۔ اے کاش! انھیں اس کا علم ہوتا جس کی انھیں نصیحت کی گئی ہے اور اگر یہ لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ ایمان لاتے اور حرام امور سے اجتناب کرتے تو اس کا انھیں اس جادو کی نسبت جسے انھوں نے اپنے لیے پسند کیا، بہت اچھا صلہ ملتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ○﴾ (القصص 28:80) ''اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس! مومنوں اور نیکوکاروں کے لیے اللہ کا ثواب (جو اس کے ہاں تیار ہے وہ) کہیں بہتر ہے اور وہ صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملے گا۔''

تفسیر آیات: 105,104

الفاظ کے استعمال میں ادب: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو کافروں کے اقوال و افعال کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہود رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرتے ہوئے آپ کی ذات گرامی کی توہین و تنقیص کے لیے توریہ کے طور پر

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 193/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 195/1.

بعض الفاظ استعمال کیا کرتے تھے، چنانچہ جب وہ یہ کہنا چاہتے کہ ہماری بات سنیں تو اس مفہوم کے لیے اِسمَعْ لَنَا کے بجائے رَاعِنَا کہتے (جس کا اصل مفہوم تو ہے ہماری طرف توجہ کیجیے، اور اس کا مادہ رَعٰی ہے) مگر وہ اس سے رُعُونَۃ مراد لیتے (جس کا مادہ رَعَن اوچھا پن، ناسمجھی ہے۔) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (النسآء4:46) ”اور یہ جو یہودی ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ کلمات کو ان کے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور اپنی زبانوں کو بل دے کر سچے دین کے خلاف طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے نہیں مانا اور کہتے ہیں: سنو! اگرچہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمھیں کچھ سنایا جائے۔ اور آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں: رَاعِنَا اور بے شک اگر وہ کہتے: ہم نے سن لیا اور مان لیا اور (کہتے) ہماری بات سنیے اور ہماری طرف نظر کیجیے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور نہایت مناسب ہوتا لیکن اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے، تو تھوڑا ہی ہے جو وہ ایمان لاتے ہیں۔“

کفار سے مشابہت: اسی طرح احادیث میں آیا ہے کہ جب یہ سلام کہتے تو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کے بجائے اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ کہتے تھے اور سام کے معنی موت ہیں۔ اسی لیے ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم ان کے سلام کے جواب میں صرف وَ عَلَيْكُمْ کہیں۔[1] اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ہماری بددعا ان کے حق میں قبول ہوتی ہے ان کی ہمارے حق میں قبول نہیں ہوتی۔[2] الغرض اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو کافروں کے ساتھ قول و فعل میں مشابہت سے منع فرمایا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ بِالسَّيْفِ حَتّٰى يُعْبَدَ اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ، وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي ، وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي ، وَ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ] ”مجھے قیامت سے پہلے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے تاکہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے۔ میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھ دیا گیا ہے، ذلت و رسوائی اس کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے جو میرے حکم کی مخالفت کرے اور جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انھی میں سے ہے۔“[3]

امام ابوداود نے بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صرف یہ الفاظ روایت کیے ہیں: [مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ][4] اس حدیث میں کفار کے ساتھ ان کے اقوال و افعال، لباس، تہواروں، عبادات اور ان امور میں مشابہت اختیار کرنے سے شدید ممانعت اور بہت سخت وعید آئی ہے جن کا ہمیں نہ حکم دیا گیا ہے اور نہ ہماری شریعت میں ان کا کوئی وجود ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ:

---

[1] صحیح البخاری، الاستئذان، باب کیف الرد علی أھل الذمۃ بالسلام، حدیث:6257 و سنن أبی داود، الأدب، باب فی السلام علی أھل الذمۃ، حدیث:5206 واللفظ لہ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ. [2] صحیح مسلم، السلام، باب النھی عن ابتداء أھل الکتاب بالسلام......، حدیث:2166 عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ. [3] مسند أحمد:50/2 و شعب الإیمان، باب التوکل و التسلیم:75/2 ، حدیث:1199. [4] سنن أبی داود، اللباس، باب فی لبس الشھرۃ، حدیث:4031.

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلوا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اسی کی مثل لے آتے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿106﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

خوب قادر ہے؟﴿106﴾ کیا آپ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی، اور تمھارے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی حمایتی ہے

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿107﴾

اور نہ کوئی مددگار؟﴿107﴾

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا ﴾ ”اے اہل ایمان! تم (گفتگو کے وقت اللہ کے پیغمبر سے) رَاعِنَا نہ کہو۔“ کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ أَرْعِنَا سَمْعَكَ ”ہماری طرف کان لگائیں۔“ رَاعِنَا، عَاطِنَا کی طرح ہے۔[1] ابن ابو حاتم نے کہا ہے کہ ابو العالیہ، ابو مالک، ربیع بن انس، عطیہ عوفی اور قتادہ رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم خلاف نہ کہا کرو۔[3] اور ایک روایت میں ہے کہ تم یہ نہ کہا کرو کہ آپ ہماری بات سنیں اور ہم آپ کی سنیں گے۔[4]

عطاء بیان کرتے ہیں کہ انصار اپنی لغت کے مطابق یہ لفظ استعمال کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے منع فرما دیا۔[5] سدی کا قول ہے کہ بنو قَینُقاع میں سے رِفاعہ بن زید نامی ایک یہودی تھا،[6] وہ نبی ﷺ کے پاس آکر جب گفتگو کرتا تو کہتا: أَرْعِنِي سَمْعَكَ وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ ”اپنا کان میری طرف لگایئے اور سنیے نہ سنوائے جائیں۔“ مسلمان سمجھتے تھے کہ شاید انبیائے کرام علیہم السلام کی تعظیم کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں اور ان میں سے کچھ لوگ یہ کہتے کہ اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ (مقولہ ہے) بمعنی غَيْرَ صَاغِرٍ (اس کا مفہوم ہے: ”آپ معزز ہیں گھٹیا نہیں ہیں۔“) جیسا کہ سورۂ نساء میں بھی اللہ تعالیٰ نے اسے بیان فرمایا ہے۔[7] اس لیے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو منع کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی سے بات کرتے ہوئے رَاعِنَا نہ کہا کریں۔[8] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے بھی اسی طرح کا مفہوم بیان کیا ہے۔[9]

کافروں اور اہل کتاب کی مسلمانوں سے شدید عداوت: ﴿ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ ﴾ ”اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ نہیں چاہتے اور نہ مشرکین ہی چاہتے ہیں کہ تم پر تمھارے پروردگار کی طرف سے کوئی خیر (و برکت) نازل کی جائے۔“ اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو اس بات سے مطلع فرما رہا ہے کہ کافروں کو، خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکوں میں سے، ان سے شدید عداوت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے تاکہ ان کے درمیان ہر قسم کے تعلقاتِ محبت کو ختم

① تفسیر الطبری: 658/1 وتفسیر ابن أبی حاتم: 197,196/1. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 196/1. ③ تفسیر الطبری: 656/1 وتفسیر ابن أبی حاتم: 197/1. ④ تفسیر الطبری: 657/1. ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم: 197/1. ⑥ تفسیر الطبری: 659/1. ⑦ النساء: 46/4. ⑧ تفسیر الطبری: 659/1. ⑨ تفسیر ابن أبی حاتم: 965/3.

کر دیا جائے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ یہ اس کا اپنے مومن بندوں پر بہت بڑا انعام واکرام ہے کہ اس نے انھیں اس کامل واکمل دین وشریعت سے نوازا ہے جسے اس نے اپنے پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ ''اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے چُن لیتا ہے اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔''

تفسیر آیات: 107,106

نسخ اور اس کی تعریف: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ﴾ کے معنی ہیں کہ ہم جس آیت کو بدل دیتے ہیں۔[1] ابن جریج نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ہم جس آیت کو مٹا دیتے ہیں۔[2] اور ابن ابو نجیح نے مجاہد سے ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ﴾ کے یہ معنی بیان کیے ہیں: ہم اس کے الفاظ کو تو باقی رکھتے لیکن حکم کو بدل دیتے ہیں۔ اس مفہوم کو انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے بیان کیا ہے۔ ابوالعالیہ اور محمد بن کعب قرظی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3] سدی کہتے ہیں کہ آیت کو نسخ کرنے کے معنی اسے قبض کرنے کے ہیں۔ ابن ابو حاتم بیان کرتے ہیں کہ سُدّی کے قول ''قبض کرنا'' سے مراد اسے اوپر اٹھا لینا ہے جیسا کہ [اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ] ''شادی شدہ مرد اور عورت جب زنا کریں تو ان دونوں کو لازماً رجم کر دو۔''(أ) اور [لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَّابْتَغٰى إِلَيْهِمَا ثَالِثًا] ''اگر ابن آدم کے پاس سونے کی دو وادیاں بھی ہوں تو وہ تیسری وادی کی جستجو میں رہے گا۔''(ب) کو منسوخ کر کے اٹھا لیا گیا تھا۔[4]

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ﴾ کے معنی ہیں کہ ہم جس آیت کے حکم کو دوسرے کی طرف منتقل کر کے تغیر وتبدل کرتے ہیں۔ اور وہ تبدیلی یہ کہ ہم حلال کو حرام کر دیں یا حرام کو حلال، مباح کو ممنوع قرار دے دیں اور ممنوع کو مباح۔ اور یاد رہے کہ یہ نسخ امر، نہی، حرام، حلال، ممنوع اور مباح امور میں ہوتا ہے، قصص وواقعات میں کوئی ناسخ منسوخ نہیں ہوتا۔ نسخ کا لفظ دراصل نَسْخُ الْكِتَابِ سے مشتق ہے جس کے معنی ایک نسخے سے دوسرا نسخہ تیار کرنے کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح کسی حکم کے نسخ کے معنی یہ ہیں کہ اسے کسی دوسرے حکم سے بدل دیا جائے اور ایک عبارت کو دوسری عبارت سے بدل دیا جائے، خواہ یہ نسخ حکم میں ہو یا الفاظ میں بہرحال یہ دونوں حالتیں منسوخ ہوں گی۔[5] ﴿اَوْ نُنْسِهَا﴾ کو نَنْسَأُهَا بھی پڑھا

---

[1] تفسير الطبري:665/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم:199/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم:199/1. (أ) السنن الكبرى للنسائي، الرجم ، باب نسخ الجلد عن الثيب:271/4 ، حديث:7148 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. وسنن ابن ماجه، الحدود، باب الرجم، حديث:2553 واللفظ له عن زيد بن ثابت رضی اللہ عنہ و مسند أحمد:183/5. (ب) صحيح البخاري، الرقاق، باب مايتقى من فتنة المال، حديث:6436 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. ومسند أبي يعلى الموصلي:438/7 ، حديث:4460، واللفظ له عن عائشة رضی اللہ عنہا. اور اس کی منسوخیت درج ذیل حوالہ جات سے ماخوذ ہے: صحيح البخاري، الرقاق، باب ما يتقى من فتنة المال، حديث:6440,6437 وصحيح مسلم، الزكاة، باب: لو أن لابن آدم......، حديث:1049 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. و 1050 عن أبي موسى الأشعري رضی اللہ عنہ. اور دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد):451/5-454. [4] تفسير ابن أبي حاتم:200/1 . [5] تفسير الطبري:665/1 .

گیا ہے۔ جس نے اسے نَنۡسَأُهَا (نون کے فتحہ اور سین کے بعد ہمزہ کے ساتھ) پڑھا ہے تو اس کے معنی مؤخر کرنے کے ہوں گے۔ ① علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم جس آیت کو بدل دیتے ہیں یا اسے چھوڑ دیتے ہیں اور بدلتے نہیں۔ ② مجاہد نے اصحاب ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ أَوۡ نَنۡسَأُهَا یا ہم اس کے الفاظ کو باقی رکھتے اور حکم کو بدل دیتے ہیں۔ ③ عبید بن عمیر، مجاہد اور عطاء نے أَوۡ نَنۡسَأُهَا کے متعلق کہا ہے کہ ہم اسے مؤخر کر دیتے اور چھوڑ دیتے ہیں۔ ④ عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ اسے چھوڑ دیتے ہیں اور منسوخ نہیں کرتے۔ ⑤ سدی اور ربیع بن انس سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ⑥ دوسری قراءت کے مطابق اسے ﴿ أَوۡ نُنۡسِهَا ﴾ پڑھا گیا ہے تو قتادہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا ﴾ کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنے نبی کو بھلا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے منسوخ کر دیتا ہے۔ ⑦

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ﴾ ''تو ہم اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت لے آتے ہیں۔'' جو مکلفین کی مصلحت کی نسبت سے حکم میں بہتر ہوتی ہے جیسا کہ علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم اس کے بجائے ایسی آیت لے آتے ہیں جو منفعت کے اعتبار سے تمھارے لیے بہتر ہوتی ہے اور جس میں نرمی کا پہلو بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ⑧ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ جس آیت کو ہم منسوخ کر دیتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کا نہیں کہتے یا اسے اپنے پاس روک لیتے ہیں تو اسے ہی یا اس جیسی کوئی دوسری آیت لے آتے ہیں۔ ⑨ سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس آیت کو ہم منسوخ کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر لے آتے ہیں یا اسی طرح کی لے آتے ہیں جس کو ہم نے چھوڑ دیا ہو۔ ⑩ قتادہ کہتے ہیں کہ ایسی آیت لے آتے ہیں جس میں تخفیف اور رخصت ہو اور یہ اس آیت میں ہوتا ہے جس میں امر یا نہی ہو۔ ⑪

نسخ کے سلسلے میں یہودیوں کی تردید: ﴿ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۱۰۶ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ۝۱۰۷ ﴾ ''کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے؟ آپ کو معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے اور اللہ کے سوا تمھارا کوئی دوست اور مددگار نہیں؟''

اللہ تعالیٰ اس مقام پر اپنے بندوں کی یہ رہنمائی فرما رہا ہے کہ وہ جس طرح چاہے مخلوق میں تصرف کر سکتا ہے کیونکہ مخلوق بھی اسی کی ہے اور امر بھی اسی کا ہے، لہٰذا تصرف اور اختیار بھی اسی کا ہے۔ جس طرح اس نے چاہا ان کو پیدا کیا۔ اسی طرح جس کو وہ چاہے سعادت سے نوازے اور جسے چاہے شقاوت سے دوچار کر دے، جسے چاہے صحت عطا فرما دے اور جسے چاہے بیمار کر دے، جسے چاہے عزت عطا فرمائے اور جسے چاہے ذلیل کر دے۔ اسی طرح یہ بھی اسی کا اختیار ہے کہ اپنے بندوں کے

① تفسير القرطبي:67/2. ② تفسير ابن أبي حاتم:201/1. ③ تفسير ابن أبي حاتم:200/1. ④ تفسير ابن أبي حاتم: 201/1 وتفسير الطبري:668/1. ⑤ تفسير الطبري:668/1. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم:201/1. ⑦ تفسير الطبري: 666/1 وتفسير عبدالرزاق:285/1. ⑧ تفسير الطبري:671/1. ⑨ تفسير ابن أبي حاتم:201/1. ⑩ تفسير ابن أبي حاتم:201/1. ⑪ تفسير ابن أبي حاتم:202/1.

لیے جو چاہے فیصلہ فرمائے۔ جس چیز کو چاہے حلال کر دے اور جسے چاہے حرام قرار دے دے۔ جسے چاہے مباح کر دے اور جسے چاہے ممنوع قرار دے دے۔ وہ جو چاہے فیصلہ فرمادے، اسے اپنے فیصلے سے کوئی روک نہیں سکتا، وہ جو چاہے کرے اسے کوئی پوچھ نہیں سکتا جبکہ تمام مخلوق سے پوچھ گچھ ہوگی۔ وہ اپنے بندوں کی اس طرح بھی آزمائش کرتا ہے کہ نسخ کی صورت میں اس کے رسولوں کی کون طاعت بجالاتے ہیں؟ لہٰذا وہ ایک چیز کا حکم دے دیتا ہے۔ اور اس میں جو مصلحت ہوتی ہے اسے صرف وہی جانتا ہے۔ پھر جب وہ چاہتا ہے اپنے علم کے مطابق اس سے منع فرمادیتا ہے، لہٰذا مکمل طاعت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے حکم کے آگے سر جھکا دیا جائے۔ اس کے رسول جو خبریں دیں ان کی اتباع کی جائے جو حکم دیں اسے تسلیم کیا جائے اور جس بات سے وہ منع فرمائیں اس سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

اس مقام پر یہود۔ ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ کے کفر کا برملا اظہار اور ان کے شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔ اور ان میں سے بعض لوگوں نے ازراہِ کفر و جہالت عقلی طور پر اور بعض نے ازروئے کذب و افتراء نقلی طور پر جو استحالۂ نسخ کا دعویٰ کیا تھا اس کا پرزور رد کیا گیا ہے۔

امام ابوجعفر ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اے محمد (ﷺ)! آپ کو معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت و بادشاہت صرف میرے ہی لیے ہے، میرے سوا کسی اور کے لیے نہیں۔ آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے، ان کے بارے میں میں جو چاہوں فیصلہ کروں، ان کو اور جو کچھ ان میں ہے ان کو بھی جو چاہوں حکم دوں جس چیز سے چاہوں منع کر دوں اور اپنے احکام میں سے جو چاہوں منسوخ کر دوں، بدل دوں اور تبدیل کر دوں اور جسے چاہوں برقرار رکھوں مجھے کوئی پوچھ نہیں سکتا، پھر امام ابن جریر رحمہ اللہ مزید کہتے ہیں کہ اس مقام پر اللہ جل شانہ نے اگرچہ اپنے نبی ﷺ سے خطاب فرماتے ہوئے اپنی عظمت و جلالت کی خبر دی ہے لیکن اس سے ان یہود مردود کی تکذیب بھی مقصود ہے جنھوں نے احکام تورات میں نسخ کا انکار کر دیا تھا اور حضرت عیسیٰ و حضرت محمد علیہما السلام کی نبوت کو تسلیم کرنے سے منکر ہو گئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں نبیوں کے ذریعے سے تورات کے احکام میں تبدیلی فرمادی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ بتایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے۔ تمام مخلوق اسی کی مملکت میں رہتی ہے، لہٰذا تمام مخلوق پر اس کے امر و نہی کی اطاعت بجالانا فرض ہے اور اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ جو چاہے حکم دے جس چیز سے چاہے منع فرمادے جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے اور جسے چاہے برقرار رکھے۔ [1]

نسخ سابقہ کتابوں اور شریعتوں میں بھی تھا: یہود مسئلۂ نسخ کے بارے میں محض کفر و عناد کی وجہ سے بحث میں پڑے تھے ورنہ عقلی طور پر احکام الٰہی میں نسخ کے ممنوع ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ وہ جو چاہے حکم دیتا ہے، جس طرح وہ جو ارادہ فرمائے اسے کر گزرتا ہے۔ پھر یہ نسخ تو اس کی سابقہ کتابوں اور شریعتوں میں بھی رہا ہے جس طرح اس نے آدم علیہ السلام کے لیے

[1] تفسیر الطبری: 675/1.

انھی کے بیٹوں اور بیٹیوں کی آپس میں شادی کو حلال قرار دیا تھا لیکن بعد میں اسے حرام قرار دے دیا گیا۔ کشتی سے باہر آنے کے بعد نوح علیہ السلام کے لیے تمام حیوانات کو کھانا حلال قرار دے دیا گیا تھا لیکن بعد میں ان میں سے بعض کو حرام قرار دے دیا گیا۔ یعقوب علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے دو بہنوں سے نکاح کو حلال قرار دے دیا گیا تھا لیکن احکام تورات اور اس کے بعد کی شریعتوں میں اسے حرام کر دیا گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کریں مگر پھر ذبح کرنے سے قبل ہی اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا۔ جمہور بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ان تمام لوگوں کو قتل کر دیں جنھوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا تھا لیکن پھر اس حکم کو ختم کر دیا گیا کہیں تمام بنی اسرائیل قتل ہو کر صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح نہ مٹ جائیں۔ اس طرح نسخ کی اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر خوفِ طوالت کے باعث اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کو بھی ان تمام باتوں کا اعتراف تو ہے مگر اعتراف کے باوجود یہ لوگ انکار کیے جاتے ہیں۔ بعض لوگ ان دلائل کے جواب میں جو لفظی بحثوں میں پڑ جاتے ہیں۔ تو اس سے ان کی معنوی دلالت میں کوئی فرق نہیں آتا جبکہ مقصود بھی وہی ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بشارت اور آپ کی اتباع کا حکم موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری واجب ہے اور آپ کی شریعت کے بغیر کوئی عمل قابل قبول ہی نہیں۔ اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی یہ کہے کہ سابقہ شریعتیں تو صرف آپ کی بعثت تک تھیں، لہٰذا اسے نسخ نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ (البقرۃ 187:2) ''پھر تم روزے کو رات تک پورا کرو'' میں روزہ رات میں داخل نہیں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ شریعتیں مطلق تھیں مگر شریعت محمدیہ کے آنے سے منسوخ (مقید) ہو گئیں۔ بہر حال ان میں سے جو بھی صورت ہو یہ بات طے شدہ ہے کہ آپ کی اتباع و اطاعت واجب ہے کیونکہ آپ پر جو کتاب نازل ہوئی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی آخری کتاب ہے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے جوازِ نسخ اور یہود کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ﴿اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ یعنی جس طرح بلاشرکت غیرے حکومت و بادشاہت اسی کی ہے اسی طرح یہ بھی صرف اسی کا اختیار ہے کہ جو چاہے وہ حکم دے۔ ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ (الأعراف 54:7) ''آگاہ رہو! سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم (صادر کرنا) بھی اسی کے لیے (روا) ہے۔'' سورۂ آل عمران جس کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے خطاب فرمایا ہے۔ اس میں خود یہود میں نسخ کی موجودگی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ﴾ (آل عمران 93:3) ''بنی اسرائیل کے لیے تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں بجز ان کے جو یعقوب نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔'' جیسا کہ اس آیت کی تفسیر اپنے مقام پر آئے گی۔

احکامِ الٰہی میں جوازِ نسخ پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اور سب نے کہا ہے کہ نسخ کا وقوع ممکن ہے، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ

اَمۡ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَكُمۡ كَمَا سُئِلَ مُوۡسٰى مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ الۡكُفۡرَ

(اے مسلمانو!) کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنے رسول سے سوال کرو جیسے اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے تھے؟ اور جس نے ایمان کے بدلے کفر اختیار

بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿108﴾

کیا تو بے شک وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا﴿108﴾

سے اپنے جس حکم کو چاہتا منسوخ فرما دیتا تھا۔

تفسیر آیت: 108

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ اشیاء کے وقوع سے قبل ہی نبی ﷺ سے کثرت سے سوال کریں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡ اَشۡيَآءَ اِنۡ تُبۡدَ لَـكُمۡ تَسُؤۡكُمۡ ۚ وَاِنۡ تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡهَا حِيۡنَ يُنَزَّلُ الۡقُرۡاٰنُ تُبۡدَ لَـكُمۡ ؕ ﴾ (المائدۃ 101:5) ''مومنو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں بری لگیں اور اگر تم قرآن کے نازل ہونے کے ایام میں ایسی باتیں پوچھو گے تو تم پر ظاہر بھی کر دی جائیں گی۔''

یعنی اگر ان کے نزول کے بعد تم ان کی تفصیل کے بارے میں سوال کرو گے تو اسے تمھارے سامنے بیان کر دیا جائے گا۔ اسی طرح کسی چیز کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے بھی اس کے بارے میں سوال نہ کرو، ہوسکتا ہے کہ تمھارے سوال کی وجہ سے اسے تمھارے لیے حرام قرار دے دیا جائے۔

اسی لیے صحیح حدیث میں آیا ہے: [إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِينَ جُرْمًا مَّنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَّمْ يُحَرَّمْ، فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ] ''مسلمانوں میں سب سے بڑا جرم اس شخص کا ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے کی وجہ سے حرام قرار دے دی گئی۔''[1]

اور رسول اللہ ﷺ سے جب ایسے آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی دوسرے آدمی کو پاتا ہے اگر وہ بات کرے تو ایک بہت بڑے مسئلے کے بارے میں بات کرتا ہے اور اگر وہ خاموشی اختیار کرے تو وہ اسی طرح کے بڑے مسئلے پر خاموش رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کے سوالات کو انتہائی ناپسند فرمایا، پھر اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے لعان کا حکم نازل فرما دیا۔[2]

صحیحین میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: [إِنَّهُ كَانَ يَنْهٰى عَنْ قِيلَ وَ قَالَ، وَ كَثْرَةِ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةِ

[1] صحیح البخاری، الاعتصام بالکتاب والسنة، باب مایکرہ من کثرۃ السؤال......، حدیث:7289 و صحیح مسلم، الفضائل، باب توقیرہ ﷺ وترك إكثار سؤاله ......، حدیث:2358 عن سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنہ. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله عزوجل: ﴿ وَالَّذِيۡنَ يَرۡمُوۡنَ اَزۡوَاجَهُمۡ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهُمۡ شُهَدَآءُ ﴾ (النور 6:24)، حدیث: 4745 و صحیح مسلم، اللعان، حدیث:1492 عن سهل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ.

الْمَالِ] ”بے شک آپ ﷺ فضول گفتگو، کثرت سوال اور اضاعت مال سے منع فرمایا کرتے تھے۔“ (1) صحیح مسلم میں ہے آپ نے فرمایا: [ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ، وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ] ”مجھے چھوڑ دو جب تک میں تمھیں چھوڑے رکھوں کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو کثرتِ سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف ہی نے تباہ و برباد کر دیا تھا، لٰہذا جب میں تمھیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اسے بجا لاؤ اور جب کسی چیز سے منع کر دوں تو اس سے مکمل اجتناب کرو۔“

یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ نے مسلمانوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، تو ایک آدمی نے عرض کی تھی: اے اللہ کے رسول! کیا حج ہر سال فرض ہے؟ اس نے تین بار یہ پوچھا اور آپ خاموش رہے، پھر فرمایا: [(لَا) لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ ، لَوَجَبَتْ ، وَلَوْ وَجَبَتْ لَمَا اسْتَطَعْتُمْ ، ثُمَّ قَالَ : ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ......] ”(نہیں) اگر میں کہہ دیتا: ہاں، تو حج ہر سال واجب ہو جاتا (اور اگر واجب ہو جاتا) تو تمھیں ہر سال کرنے کی استطاعت نہ ہوتی، پھر آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو جب تک میں تمھیں چھوڑے رکھوں......“ (2) آخر تک وہی مذکورہ حدیث۔

اسی لیے انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں منع کر دیا گیا تھا کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کریں، اس لیے ہماری خواہش ہوتی تھی کہ کوئی دیہاتی آدمی آئے، وہ آپ سے پوچھے اور ہم سنیں۔ (3)

آیت کریمہ میں ﴿ اَمْ تُرِيْدُوْنَ ﴾ کے معنی یہ ہیں ”بلکہ تم (یہ) چاہتے ہو۔“ یعنی أَمْ بمعنی بَلْ ہے، یا پھر اس کے معنی استفہام کے مطابق یہ ہیں: ”کیا تم یہ چاہتے ہو؟“ اور اس صورت میں یہ استفہام انکاری ہوگا اور اس کے مخاطب مومن و کافر سب لوگ ہیں کیونکہ آپ تمام لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ﴾ (النسآء 153:4) ”(اے نبی ﷺ)! اہل کتاب آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان پر ایک (لکھی ہوئی) کتاب آسمان سے اتار لائیں، چنانچہ یہ لوگ موسیٰ سے اس سے بھی بڑی بڑی درخواستیں کر چکے ہیں (اُن سے) کہتے تھے: ہمیں اللہ کو ظاہر (آنکھوں سے) دکھا دو، چنانچہ ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو بجلی نے آ پکڑا۔“ محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رافع بن حُرَیملہ اور وہب بن زید نے کہا: اے محمد (ﷺ)! ہمارے پاس ایسی کتاب لے کر آئیں جو ہم پر آسمان سے نازل ہو اور ہم اسے پڑھیں، پھر ہمارے لیے نہریں جاری فرما دیں تو ہم آپ کی پیروی اور تصدیق کریں گے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے

---

(1) صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب ما يكره من كثرة السؤال......، حديث:7292 و صحيح مسلم، الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل......، حديث:593، بعد حديث:1715. (2) صحيح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، حديث:1337 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ لیکن [لَا] کے لیے دیکھیے جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المائدة، حديث:3055 عن علي رضی اللہ عنہ. اور [وَلَوْ وَجَبَتْ] دیکھیے المستدرك للحاكم، التفسير، باب من سورة آل عمران: 293/2، حديث:3155 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ. (3) صحيح مسلم، الإيمان، باب السؤال عن أركان الإسلام، حديث:12.

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ

اہل کتاب میں سے بہت سے یہ چاہتے ہیں کاش! وہ تمھارے ایمان لانے کے بعد تمھیں پھیر کر کافر بنا دیں، اپنے دلوں میں حسد کرتے ہوئے،

اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اس کے بعد کہ ان کے سامنے حق واضح ہو چکا، پس معاف کر دو اور جانے دو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے، بے شک اللہ ہر چیز پر خوب

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿109﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ

قادر ہے ﴿109﴾ اور تم نماز قائم کرو اور زکوۃ دو، اور تم اپنے لیے جو بھی بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے، بے شک تم جو عمل کرتے ہو

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿110﴾

اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے ﴿110﴾

یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿108﴾ ﴾ ”کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے پیغمبر سے اسی طرح سوال کرو جس طرح اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے تھے؟ اور جس شخص نے ایمان (چھوڑ کر اس) کے بدلے کفر اختیار کر لیا، وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔“[1]

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ضد اور ہٹ دھرمی سے سوال کیے تھے جس طرح بنی اسرائیل نے از روئے تکذیب وعناد موسیٰ علیہ السلام سے سوالات کیے تھے۔ اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ ﴾ یعنی جو شخص ایمان کے بدلے کفر کو خرید لے ﴿ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿108﴾ ﴾ تو وہ راہِ راست سے بھٹک کر جہالت اور ضلالت کے راستے پر چلا گیا۔ اور جن لوگوں نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی تصدیق، اتباع اور اطاعت کے بجائے ان کی مخالفت، تکذیب اور محض تنگ کرنے کی غرض سے بلاضرورت سوالات پوچھنے کی روش کو اختیار کیا تھا ان کا یہی حال تھا جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ؕ وَ بِئْسَ الْقَرَارُ ۝ ﴾ (إبراهيم 29,28:14) ”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کے احسان (ایمان) کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا؟ (یعنی) جہنم میں جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔“ ابوالعالیہ بیان کرتے ہیں: ﴿ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص نے خوش حالی کو چھوڑ کر تنگ دستی کو لے لیا تو وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔[2]

تفسیر آیات: 110,109

اہل کتاب کے رستے پر چلنے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو اہل کتاب میں سے کفار کے رستے پر چلنے سے منع فرما رہا ہے کہ یہ اپنے ظاہر و باطن میں ان کے لیے کس قدر شدید دشمنی اور کس قدر شدید حسد رکھتے ہیں، حالانکہ انھیں مسلمانوں اور ان کے نبی کی فضیلت کے بارے میں بھی خوب علم ہے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے اہل ایمان بندوں

① تفسير الطبری:676/1. ② تفسير ابن أبي حاتم:204/1.

کو حکم دیا کہ وہ عفو و درگزر سے کام لیں حتی کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی فتح و نصرت سے سرفراز فرما دے، نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو نماز قائم کرنے اور زکاۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور اس کی خوب ترغیب دی ہے۔

عبداللہ بن کعب بن مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ کعب بن اشرف یہودی شاعر تھا اور وہ نبی ﷺ کی ہجو کیا کرتا تھا۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا ﴾ ''اہل کتاب میں سے بہت سے یہ چاہتے ہیں کاش! کہ وہ تمھارے ایمان لانے کے بعد تمھیں پھیر کر کافر بنا دیں، اپنے دلوں میں حسد کرتے ہوئے، اس کے بعد کہ ان کے سامنے حق واضح ہو چکا، پس معاف کر دو اور درگزر کرو۔''[1]

ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک رسول اُمّی نے انھیں ان کی کتابوں، رسولوں اور آیات کے بارے میں نہ صرف سب کچھ صحیح صحیح بتایا بلکہ ان سب کی اسی طرح تصدیق بھی فرمائی جس طرح یہ خود تصدیق کرتے ہیں مگر اس کے باوجود انھوں نے کفر، حسد اور سرکشی کی وجہ سے اس پیغمبر آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے حق کو اس طرح روشن کر دیا تھا کہ کوئی بات بھی ان سے مخفی تو نہ تھی لیکن حسد کی وجہ سے انھوں نے انکار ہی کی روش کو اختیار کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انھیں عار دلائی، سرزنش کی اور بہت شدید ملامت کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور اپنے مومن بندوں کو قرآن مجید اور سابقہ آسمانی کتابوں پر ایمان لانے اور ان کی تصدیق کرنے کی وجہ سے عز و شرف، بے پایاں اجر و ثواب اور فتح و نصرت سے سرفراز فرمانے کا وعدہ بھی کیا ہے۔[2]

ربیع بن انس بیان کرتے ہیں کہ ﴿ مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ ﴾ کے معنی ہیں مِنْ قِبَلِ أَنْفُسِهِمْ یعنی اپنی طرف سے۔[3] اور ابو العالیہ ﴿ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں، یعنی یہ حق واضح ہونے کے باوجود کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں انھوں نے کفر کو اختیار کیا کیونکہ وہ آپ کے بارے میں تورات و انجیل میں لکھا ہوا بھی پاتے ہیں مگر انھوں نے محض اس وجہ سے حسد و سرکشی کو اختیار کرتے ہوئے کفر کیا کہ آپ کا تعلق بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ ایک دوسرے خاندان سے ہے۔ قتادہ اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔[4] اور ﴿ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ ﴾ ''تم معاف کر دو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا (دوسرا) حکم بھیجے۔'' یہ اسی طرح ہے جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ ﴾ (آل عمران 186:3) ''اور تم ان لوگوں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جنھوں نے شرک کیا ضرور بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے۔''

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:205,204/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:205/1. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:205/1. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:205/1.

علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ: ﴿فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ منسوخ ہے اور حسب ذیل آیات اس کی ناسخ ہیں: ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ (التوبة 5:9) ''مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝﴾ (التوبة 29:9) ''جو لوگ اہل کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔'' نے بھی مشرکوں سے معافی و درگزر کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔[1] اسی طرح ابو العالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور سدی کا بھی قول ہے[2] کہ یہ حکم آیت سیف[3] سے منسوخ ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ میں بھی اس طرف رہنمائی موجود ہے۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حسبِ امر الٰہی مشرکوں اور اہل کتاب کو معاف کر دیتے اور ان کی طرف سے ایذا پر صبر کا مظاہرہ فرمایا کرتے تھے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے جنگ کرنے کا حکم دے دیا تو جنگ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے کفار کے بڑے بڑے سرغنوں کو خاک و خون میں تڑپا دیا۔[4] اس حدیث کی سند صحیح ہے اور کتب ستہ میں یہ موجود نہیں ہے لیکن صحیحین میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے اس کا اصل ضرور موجود ہے۔[5]

اعمال صالحہ کی ترغیب: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور تم نماز قائم کرو اور زکاۃ دو، اور تم اپنے لیے جو بھی بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے۔'' میں اللہ تعالیٰ نے ایسے اعمال سرانجام دینے کی ترغیب دی ہے جو نفع بخش ہیں اور روز قیامت کام آنے والے ہیں۔ اور وہ ہیں نماز قائم کرنا، اور زکاۃ ادا کرنا وغیرہ اور انھی اعمال کے بجالانے میں دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا راز مضمر ہے جبکہ آخرت میں ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت اور برا گھر ہوگا۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کسی بھی عمل کرنے والے کے عمل سے غافل نہیں ہے اور نہ اس کے پاس کوئی عمل ضائع ہوتا ہے۔ وہ ہر ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے عمل کے مطابق اس کا بدلہ ضرور عطا فرمائے گا۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔[6]

---

① تفسير ابن أبي حاتم: 206/1. ② تفسير ابن أبي حاتم: 206/1. ③ یعنی ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝﴾ (التوبة 29:9). ④ تفسير ابن أبي حاتم: 206/1. ⑤ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ﴾ (آل عمران 186:3)، حديث: 4566 و صحيح مسلم، الجهاد، باب في دعاء النبي ﷺ وصبره على أذى المنافقين، حديث: 1798. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم: 207/1.

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا

اور انھوں نے کہا: جنت میں صرف وہی جائے گا جو یہودی یا نصرانی ہوگا۔ یہ ان کی (باطل) آرزوئیں ہیں، (اے نبی!) کہہ دیجیے: لاؤ تم اپنی دلیل، اگر تم

بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿111﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠

سچے ہو ﴿111﴾ کیوں نہیں! بلکہ جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے جھکا دیا، اس حال میں کہ وہ نیکی کرنے والا ہے، تو اس کے لیے اس کا اجر اس کے رب کے

13 ع 9 13 وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿112﴾ ع وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ

پاس ہے اور انھیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿112﴾ اور یہودیوں نے کہا: عیسائی کسی چیز پر نہیں اور عیسائیوں نے کہا: یہودی کسی چیز پر

النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ

نہیں، حالانکہ وہ دونوں (اپنی اپنی) کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ علم نہیں رکھتے، انھوں نے بھی ان کے قول سے ملتی جلتی بات کہی، پھر قیامت

قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿113﴾

کے دن اللہ ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ فرمائے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿113﴾

تفسیر آیات: 111-113

اہل کتاب کے باطل خیالات: اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کے بارے میں یہ بیان فرما رہا ہے کہ وہ اپنے بارے میں کس قدر فریب خوردہ تھے کہ ان میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ صرف انھی کی ملت کے لوگ جنت میں جائیں گے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ کہا کرتے تھے: ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ﴾ (المآئدة 5:18) ''ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا: وہ تو انھیں ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دے گا اور اگر یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں عذاب نہ دیتا جیسے انھوں نے یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ یہ صرف چند روز کے لیے جہنم میں جائیں گے اور جلد ہی وہاں سے جنت میں منتقل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کی جس طرح تردید فرمائی تھی اسی طرح ان کے اس دعوے کی، جو بلا دلیل و حجت ہے، تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ﴾ ''یہ ان لوگوں کے باطل خیالات ہیں۔''

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ یہ ان کی خواہشیں ہیں جو انھوں نے ناحق اللہ تعالیٰ سے قائم کر رکھی تھیں۔ قتادہ اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔[1] پھر فرمایا: ﴿قُلْ﴾ ''(اے پیغمبر! ان سے) کہہ دیجیے:'' ﴿هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ﴾ ابو العالیہ، مجاہد، سدی اور ربیع بن انس کہتے ہیں کہ تم اپنی حجت پیش کرو۔[2] قتادہ کہتے ہیں کہ تم اپنی دلیل پیش کرو۔ ﴿اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿111﴾﴾ یعنی اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو۔[3]

قبولیتِ عمل کی شرائط: پھر فرمایا: ﴿بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ ''کیوں نہیں! بلکہ جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے جھکا دیا اس حال میں کہ وہ نیکی کرنے والا ہے۔'' یعنی جس نے خالص اللہ وحدہ لاشریک کے لیے عمل کیا۔ یہ آیت اسی

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 207/1. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 207/1. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 207/1.

طرح ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاِنۡ حَآجُّوۡكَ فَقُلۡ اَسۡلَمۡتُ وَجۡهِىَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ ﴾(آل عمران3:20) ''اے پیغمبر! پھر اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑنے لگیں تو کہہ دیجیے: میں اور میرے پیرو تو اللہ کے فرماں بردار ہو چکے ہیں۔''

ابوالعالیہ اور ربیع کہتے ہیں کہ جس نے اللہ کے لیے اخلاص سے کام لیا۔[1] سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جس نے اللہ کے لیے اپنے دین کو خالص کر دیا۔[2] ﴿ وَهُوَ مُحۡسِنٌ ﴾ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کا متبع بھی ہو کیونکہ عمل کی قبولیت کے لیے دو شرطیں ہیں: (1) عمل خالص اللہ وحدہ کے لیے کیا گیا ہو اور (2) عمل درست اور شریعت کے مطابق ہو۔ عمل اگر خالص تو ہو مگر شریعت کے مطابق نہ ہو تو پھر بھی شرف قبولیت حاصل نہیں کرتا۔ اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ] ''جو شخص ایسا عمل کرے جس کے بارے میں ہمارا حکم نہ ہو تو وہ مردود ہے۔''[3]

راہبوں اور ان جیسے دیگر لوگوں کے اعمال کے بارے میں اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ وہ اخلاص کے ساتھ سرانجام دیتے ہیں تو پھر بھی وہ قابل قبول نہیں۔ ان کے اعمال بھی صرف اسی وقت قبولیت کا درجہ حاصل کریں گے جب وہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کریں گے جن کو ان کے لیے بلکہ تمام کائناتِ انسانی کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے۔ اور ان جیسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَدِمۡنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ فَجَعَلۡنٰهُ هَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا ۝ ﴾(الفرقان25:23) ''اور جو انھوں نے (بظاہر نیک) عمل کیے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کو اڑتا پراگندہ گرد و غبار بنا دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَعۡمَالُهُمۡ كَسَرَابٍۢ بِقِيۡعَةٍ يَّحۡسَبُهُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمۡ يَجِدۡهُ شَيۡــًٔا ﴾(النور24:39) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال (کی مثال ایسی ہے) جیسے چٹیل میدان میں سراب، پیاسا اسے پانی سمجھے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے۔'' اور فرمایا: ﴿ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَٮِٕذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصۡلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝ تُسۡقٰى مِنۡ عَيۡنٍ اٰنِيَةٍ ؕ۝ ﴾ (الغاشیۃ88:2-5) ''اس روز کئی چہرے ذلیل ہوں گے، سخت محنت والے تھکے ماندے ہوں گے، دہکتی آگ میں داخل ہوں گے، ان کو گرم کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا۔''

اسی طرح اگر ظاہری صورت میں تو عمل شریعت کے مطابق ہو لیکن عمل کرنے والے نے اسے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لیے سرانجام نہ دیا ہو تو وہ عمل بھی مردود ہوگا اور یہی حال ریاکاری کرنے والوں اور منافقوں کا ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمۡ ۚ وَاِذَا قَامُوۡۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوۡا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوۡنَ النَّاسَ وَلَا يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۝ ﴾ (النسآء4:142) ''بے شک منافقین (اپنی ان چالوں سے اپنے) اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اس کو کیا دھوکا دیں گے) وہ انھیں دھوکے میں ڈالنے والا ہے، اور جب یہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر (صرف) لوگوں کے دکھانے کے لیے، اور اللہ کی یاد نہیں کرتے مگر بہت ہی کم۔'' اور فرمایا: ﴿ فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ هُمۡ يُرَآءُوۡنَ ۝ وَيَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ۝ ﴾(الماعون107:4-7) ''تو ایسے نمازیوں کے لیے خرابی ہے جو نماز

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:208/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:208/1. [3] صحیح مسلم، الأقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة وردّ محدثات الأمور، حدیث:(18)-1718 عن عائشة ؓ.

کی طرف سے غافل رہتے ہیں جوریا کاری کرتے ہیں، اور برتنے کی معمولی چیزیں عاریتاً نہیں دیتے۔‘‘

اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴾ (الکھف 110:18) ’’تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔‘‘

اور اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ ’’کیوں نہیں! بلکہ جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے (ایمان لے آئے) اور وہ نیکوکار بھی ہو‘‘ اور اللہ کا فرمان: ﴿ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ ’’تو اس کا صلہ اس کے پروردگار کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔‘‘ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ انھیں اجر و ثواب بھی حاصل ہوگا اور وہ ہر قسم کے غم و فکر سے بھی محفوظ ہوں گے۔ نہ انھیں مستقبل کا کوئی خوف ہوگا اور نہ ماضی کی کسی چیز کے چھوٹنے پر کوئی ملال۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہ ان پر آخرت میں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ موت کے وقت غم کریں گے۔ [1]

یہود و نصاریٰ کا تنازع کفر و عناد کی وجہ سے ہے: ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ﴾ ’’اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی کسی رستے پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی کسی رستے پر نہیں، حالانکہ وہ دونوں کتاب (الٰہی) پڑھتے ہیں۔‘‘

یہاں سے اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کے باہمی تضاد، بغض، عداوت اور عناد کو بیان فرما رہا ہے جیسا کہ محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے پاس یہودیوں کے علماء آئے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آپس میں لڑائی جھگڑا شروع کر دیا۔ رافع بن حُرَیملہ کہنے لگا: تم راہ راست پر نہیں ہو، نیز اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کے ساتھ کفر کا اظہار بھی کیا۔ یہ سن کر نجران کے عیسائیوں میں سے ایک شخص یہودیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: نہیں، تم راہِ راست پر نہیں ہو اور اس نے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور تورات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا تھا۔ [2]

یعنی ان میں سے ہر ایک نے اپنی کتاب میں اس کی تصدیق کے بارے میں پڑھا ہے جس کے ساتھ کفر کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ یہود عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کر رہے ہیں، حالانکہ ان کے پاس تورات ہے اور اس میں یہ ذکر موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان سے یہ عہد لیا تھا کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کریں گے۔ اسی طرح انجیل میں بھی یہ لکھا ہوا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام اور تورات کی تصدیق فرمائی تھی لیکن اب ان میں سے ہر ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہا ہے۔

﴿ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ ﴾ ’’اسی طرح جو لوگ علم نہیں رکھتے انھوں نے بھی ان کے قول سے ملتی جلتی بات کہی۔‘‘ یہود و نصاریٰ نے ایک دوسرے کے بارے میں جو باتیں کیں، ان سے اللہ تعالیٰ ان کی جہالت کو واضح

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 208/1. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 208/1.

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جس نے لوگوں کو اس بات سے روکا کہ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے اور انھیں اجاڑنے کی کوشش کی!

لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿114﴾

ان (روکنے والوں) کے لائق تو یہ تھا کہ ان میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں۔ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے ﴿114﴾

فرما رہا ہے اور یہ اشارہ درحقیقت انھی کی طرف ہے، اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ ﴿ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ سے کون لوگ مراد ہیں۔ ربیع بن انس اور قتادہ کہتے ہیں کہ نصاریٰ نے بھی یہود کے قول کی طرح کہا۔[1] ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ ان لوگوں سے کون مراد ہیں ''جو کچھ نہیں جانتے؟'' انھوں نے کہا کہ یہود و نصاریٰ اور تورات و انجیل سے پہلے کی امتوں کی طرف اشارہ ہے۔[2] سدی کا قول ہے کہ اس سے مراد وہ عرب ہیں جنھوں نے یہ کہا تھا کہ محمد ﷺ رستے پر نہیں ہیں۔[3] ابوجعفر ابن جریر نے اس موقف کو اختیار کیا ہے کہ یہ آیت عام ہے اور ان سب ہی کو شامل ہے۔ اور یہاں کوئی ایسی قاطع دلیل بھی نہیں جس سے ان میں سے کسی ایک قول کو معین کیا جا سکے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اسے ان سب اقوال پر محمول کیا جائے۔[4] واللہ أعلم.

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿113﴾ ﴾ ''تو جس بات میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں قیامت کے دن اللہ اس کا ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب لوگوں کو جمع کر کے اپنے عدل کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا جس میں وہ کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم و زیادتی نہیں فرمائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ ﴾ (الحج 22:17) ''جو لوگ مومن (مسلمان) ہیں اور جو یہودی ہیں اور صابی (بے دین) اور عیسائی اور مجوسی اور مشرک بے شک اللہ ان (سب) میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر شاہد ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ○ ﴾ (سبا 34:26) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا، پھر ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے گا اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا، خوب جاننے والا ہے۔''

تفسیر آیت: 114

جو مسجدوں سے منع کرے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے، وہ سب سے بڑا ظالم ہے: اللہ کی مسجدوں سے منع کرنے والوں اور ان کی ویرانی کی کوشش کرنے والوں سے مراد مشرکین قریش ہیں جیسا کہ ابن جریر نے ابن زید سے روایت کیا ہے کہ ان سے مراد وہ مشرکین ہیں جنھوں نے حُدَیبیہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا حتی کہ

[1] تفسیر الطبری:1/694. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:1/209. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:1/209. [4] تفسیر الطبری: 1/694.

آپ نے مقام ذی طُوٰی ہی میں اپنے ہدی کے جانور کو قربان کر دیا، ان سے صلح کر لی، پھر آپ نے ان سے فرمایا: [مَا كَانَ أَحَدٌ يُصَدُّ عَنْ هٰذَا الْبَيْتِ، وَ قَدْ كَانَ الرَّجُلُ ، يَلْقٰى قَاتِلَ أَبِيهِ وَأَخِيهِ فَلَا يَصُدُّهٗ] ''اس گھر سے تو کوئی نہیں روکتا تھا حتی کہ آدمی اپنے باپ یا بھائی کے قاتل کو پاتا تو اسے بھی اس گھر سے منع نہیں کرتا تھا۔''

یہ سن کر کفار قریش کہنے لگے کہ ہمارے ہاں وہ شخص نہیں آ سکتا جس نے بدر کے دن ہمارے بزرگوں کو قتل کیا تھا اور وہ خود ابھی تک زندہ ہے۔

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ﴾ ''اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے۔'' یہ اس لیے فرمایا کہ انھوں نے اللہ کے ذکر سے اسے آباد کرنے والوں اور حج اور عمرہ کے لیے آنے والوں کو روک دیا تھا۔[1] ابن ابو حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قریش نے نبی ﷺ کو مسجد حرام میں کعبہ کے پاس نماز پڑھنے سے روک دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:[2] ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ﴾ ''اور اس سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جس نے لوگوں کو اس بات سے روکا کہ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے!''

اللہ تعالیٰ نے پہلے یہود و نصارٰی کی مذمت کی، پھر ان مشرکین کی بھی مذمت کی جنھوں نے رسول اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے روک دیا اور اپنے بتوں اور معبودان باطلہ کے ساتھ اس پر غلبہ حاصل کر لیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (الأنفال 34:8) ''اور (اب) ان کے لیے کون سی وجہ ہے کہ اللہ انھیں عذاب نہ دے جبکہ وہ مسجد محترم (میں نماز پڑھنے) سے روکتے ہیں اور وہ اس مسجد کے متولی بھی نہیں ہیں، اس کے متولی تو صرف پرہیز گار ہیں لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے۔''

اور فرمایا: ﴿ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ ﴾ (التوبة 18,17:9) ''مشرکوں کو زیبا نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہوں ان لوگوں کے سب اعمال بے کار ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، چنانچہ یہی لوگ امید ہے کہ ہدایت یافتہ لوگوں میں (داخل) ہوں گے۔''

اور فرمایا: ﴿ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ

[1] تفسیر الطبری: 697/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 210/1.

مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○ ﴾ (الفتح 25:48) ''یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روک دیا اور قربانیوں کے جانوروں کو بھی اپنی قربان گاہ تک پہنچنے سے روکے رکھا، اور اگر (مکہ میں کچھ) مومن مرد اور مومن عورتیں نہ ہوتے جن (کے ایمان) کو تم نہیں جانتے (اگر یہ خطرہ نہ ہوتا) کہ تم انھیں روند ڈالو گے، پھر بے خبری میں ان (کے قتل) کی وجہ سے تمھیں تکلیف پہنچتی (تو تمھیں لڑنے کی اجازت دے دی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا) تاکہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے۔ اگر وہ (مومن اور کافر) الگ الگ ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم انھیں نہایت دردناک عذاب دیتے۔''

اور فرمایا: ﴿ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ﴾ (التوبۃ 18:9) ''اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔'' اگر ایسے لوگوں کو مسجدوں میں آنے سے روک دیا جائے تو مسجدوں کے لیے اس سے بڑھ کر اور خرابی کیا ہو سکتی ہے! یاد رہے مسجدوں کی آبادی سے مراد یہ نہیں کہ ان کی عمارت بنا دی جائے اور انھیں خوب مزین کر دیا جائے بلکہ ان کی آبادی حقیقت میں یہ ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے، اللہ کی شریعت کو ان میں قائم کیا جائے اور انھیں نجاست اور شرک کی غلاظت سے پاک رکھا جائے۔

غلبۂ اسلام کی بشارت: ﴿ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۬ ﴾ ''ان لوگوں کو کچھ حق نہیں کہ ان میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔'' اگرچہ یہ جملہ خبریہ ہے لیکن اس کا معنی امر کا ہے، یعنی جب تمھیں ان پر دسترس حاصل ہو جائے تو انھیں مصالحت و جزیہ کے بغیر ان میں داخل ہونے کی اجازت نہ دو۔ اسی لیے جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ کو فتح کیا تو اس سے اگلے سال 9ھ میں منیٰ کے میدان میں یہ اعلان کرا دیا: [(أَلَا) لَا يَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَّلَا يَطُوفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ]، [وَّمَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّ ﷺ عَهْدٌ فَهُوَ إِلٰى مُدَّتِهِ] ''ہرگز ہرگز اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے، نہ کوئی عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔ اور جس کسی کی نبی ﷺ سے صلح کی کوئی مدت مقرر ہے تو اس مدت تک عہد کی پابندی کی جائے گی۔''[1]

آپ کا یہ اعلان درحقیقت حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی تصدیق و عمل کے پیش نظر تھا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ ﴾ (التوبۃ 28:9) ''مومنو! مشرک تو پلید ہی ہیں، لہٰذا اس

---

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب مايستر من العورة، حديث:369 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، حديث:3091 واللفظ له. وسنن أبي داود، حديث:1946. اور لفظ [أَلَا] سنن النسائي:2960 میں ہے عن أبي بكر الصديق رضی اللہ عنہ. لیکن دوسرا حصہ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، حديث:3092 میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یاد رہے کہ اس اعلان کے لیے نبی اکرم ﷺ نے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔ دیکھیے فتح الباري:322/8، حديث:4656 کے ذیل میں۔

برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں۔‘‘

آیت کریمہ: ﴿ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ﴾ سے یہ استدلال بھی کیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے بشارت ہے کہ وہ انھیں مسجد حرام اور دیگر تمام مساجد پر غلبہ عطا فرمائے گا اور مشرکوں کو اس قدر ذلیل و رسوا کرے گا کہ ان میں سے کوئی مسجد حرام میں داخل ہی نہیں ہو سکے گا مگر ڈرتے ہوئے۔ وہ اس بات سے ڈرے گا کہ اگر پکڑا گیا اور مسلمان نہ ہوا تو اسے سزا ملے گی یا قتل کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کو پورا کر دکھایا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، اس نے مشرکوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع فرما دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَبْقَيَنَّ دِينَانِ بِأَرْضِ الْعَرَبِ] ’’جزیرۃ العرب میں دو دین نہ رہنے دیے جائیں۔‘‘[1] یعنی یہاں اب صرف ایک ہی دین اسلام ہو گا، نیز آپ نے یہ بھی فرمایا تھا: [لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ] ’’میں یہود و نصاریٰ کو ضرور سرزمینِ عرب سے جلاوطن کر دوں گا۔‘‘[2] وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

اور یہ سب کچھ مسجد حرام کی تعظیم اور اس خطۂ زمین کی تطہیر کے پیش نظر تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات انسانی کے لیے اپنے رسول کو بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ. یہ ہے مشرکوں کے لیے دنیا میں ذلت و رسوائی، کیونکہ جزا جنس عمل کے مطابق ہی ملتی ہے جس طرح انھوں نے مومنوں کو مسجد حرام سے روکا تھا، اب انھیں اس سے روک دیا گیا، جس طرح انھوں نے مکہ سے جلاوطن کیا تھا اب انھیں یہاں (جزیرۂ عرب) سے جلاوطن کر دیا گیا۔

﴿ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ ’’اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔‘‘ کیونکہ انھوں نے بیت اللہ کی بے حرمتی کی تھی کہ اس میں بت رکھ دیے، بیت اللہ میں غیر اللہ کی پوجا پاٹ کی، عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا اور اس طرح کی کئی مذموم حرکتیں کیں جو اللہ اور اس کے رسول کو سخت ناپسند تھیں۔

حدیث میں دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی سے پناہ مانگنے کا ذکر آیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے بُسر بن اَرطاۃ کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! أَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا، وَأَجِرْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ] ’’اے اللہ! تو ہمارے ہر کام کا انجام ہمارے حق میں اچھا کر دے اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے پناہ دے۔‘‘[3] یہ حدیث حسن ہے۔

---

① مسند أحمد: 275/6 عن عائشة رضي الله عنها. والموطأ للإمام مالك، الجامع، باب ماجاء في إجلاء اليهود من المدينة: 359/2، حديث: 1696 والمصنف لعبد الرزاق، أهل الكتاب، باب إجلاء اليهود من المدينة، حديث: 19368,9984.
② صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب إخراج اليهود من جزيرة العرب، حديث: 3168,3167 عن أبي هريرة و ابن عباس رضي الله عنهم. وصحيح مسلم، الجهاد، باب إخراج اليهود والنصارى من جزيرة العرب، حديث: 1767 والمصنف لعبد الرزاق، أهل الكتاب، باب إجلاء اليهود من المدينة ، حديث: 9985 عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه. ③ مسند أحمد: 181/4.

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿115﴾

اور مشرق و مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، لہٰذا تم جس طرف بھی منہ کرو گے وہیں ہے اللہ کا چہرہ، بے شک اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے ﴿115﴾

تفسیر آیت: 115

نمازوں میں قبلہ رو ہونا: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، جنھیں مکہ سے نکال دیا گیا اور مسجد حرام سے دور کر دیا گیا تھا، کو تسلی دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ مکہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے جبکہ کعبہ آپ کے سامنے ہوتا تھا۔ مدینہ میں تشریف لانے کے بعد بھی آپ سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المُقدّس ہی کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل فرما دیا۔[1] اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، لہٰذا جدھر بھی تم رخ کرو ادھر ہی اللہ کا چہرہ ہے۔''

علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں سب سے پہلے قبلے کا حکم منسوخ ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ میں ہجرت فرمائی تو مدینہ کے باشندے یہودی تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا جب حکم دیا تو یہود اس سے بہت خوش تھے، آپ نے دس ماہ سے زیادہ عرصہ تک بیت المُقدّس کی طرف منہ کیا لیکن آپ قبلۂ ابراہیم کو پسند فرماتے تھے، اس کے لیے آپ دعا فرماتے اور آسمان کی طرف دیکھا کرتے تھے کہ تحویل قبلہ کا حکم کب نازل ہو؟ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ ﴾ تا ﴿ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ ﴾ (البقرۃ 2:144-150) آیات نازل فرمائی تھیں، اس سے یہود شک میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے: ﴿ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ ﴾ (البقرۃ 2:142) کہ اس قبلے سے جس پر یہ لوگ پہلے تھے کیوں منہ پھیر بیٹھے ہیں؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے لیے ہیں۔''

اور فرمایا: ﴿ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''تو جدھر بھی تم رخ کرو گے ادھر اللہ ہی کا چہرہ ہے۔''[2] عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ مشرق یا مغرب جس طرف بھی تم منہ کرو، اللہ کا قبلہ اسی طرف ہے۔[3] مجاہد اس کے معنی یہ بیان فرماتے ہیں کہ تم جہاں کہیں بھی ہو، منہ کرنے کے لیے قبلہ کعبہ ہی ہے۔[4]

ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی طرف منہ کرنے کی فرضیت سے پہلے نازل فرمایا تھا۔[5] ابن جریر فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت سفر میں سواری پر نفل نماز، نیز شمشیر زنی یا شدت خوف کی حالت میں (فرض نماز)

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ.... ﴾ (البقرة 2:142)، حديث:4486 عن البراء رضي الله عنه.

[2] تفسير الطبري:1/700. [3] تفسير ابن أبي حاتم:1/212. [4] تفسير ابن أبي حاتم:1/212. [5] تفسير الطبري: 1/701.

مشرق ومغرب کی طرف منہ کر کے ادا کرنے کی اجازت کے متعلق نازل ہوئی ہے۔①
ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ اسی طرف منہ کر کے نماز ادا کر لیتے تھے جس طرف سواری کا رخ ہوتا تھا اور آپ بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز ادا فرمایا کرتے تھے، اس طرح گویا آپ اس آیت کی تفسیر بیان فرماتے کہ ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ ''تو جدھر بھی تم رخ کرو ادھر ہی اللہ کا چہرہ ہے۔''② اس حدیث کو امام مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ابو حاتم اور ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔③ اور اس حدیث کا اصل صحیحین میں بروایت ابن عمر اور عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہم موجود ہے لیکن (بخاری میں) آیت کا ذکر نہیں ہے۔④
صحیح بخاری میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ سے نماز خوف کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اس کی کیفیت بیان کی، پھر فرمایا کہ اگر خوف اس سے بھی زیادہ شدید ہو تو پا پیادہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر یا سواریوں پر نماز پڑھ لو، خواہ رخ قبلے کی طرف ہو یا نہ ہو۔ نافع بیان کرتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے ہی سے بیان فرمائی تھی۔⑤ اس سلسلے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ سخت تاریکی اور بادلوں کی وجہ سے جس کے لیے قبلے کا رخ مشتبہ ہو گیا ہو اور وہ قبلے کے علاوہ کسی اور طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔⑥
اہل مدینہ کا قبلہ مشرق ومغرب کے درمیان ہے: حافظ ابوبکر ابن مردویہ رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ لِّأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَ أَهْلِ الشَّامِ وَأَهْلِ الْعِرَاقِ] ''مشرق ومغرب کے مابین مدینہ، شام اور عراق والوں کا قبلہ ہے۔''⑦
اس حدیث کی اس آیت سے مناسبت واضح ہے، نیز ترمذی اور ابن ماجہ نے ایک حدیث ان الفاظ سے بیان کی ہے: [مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ] ''مشرق ومغرب کے مابین قبلہ ہے۔''⑧

---

① تفسیر الطبری:702/1. ② تفسیر الطبری:702/1. ③ صحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب جواز صلاة النافلة على الدابة ......، حدیث:(33)- 700 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة البقرة، حدیث:2958 وسنن النسائی، الصلاة، باب الحال التی یجوز فیها استقبال غیر القبلة، حدیث:493 والمستدرك للحاکم، التفسیر، باب من سورة البقرة:266/2، حدیث:3053 وتفسیر ابن أبی حاتم:212/1. ④ صحیح البخاری، التقصیر، باب من تطوّع فی السفر فی غیر دبر الصلوات وقبلها، حدیث:1105,1104 وصحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب جواز صلاة النافلة على الدابة......، حدیث:(33)-700,(40)-701. ⑤ صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ﴾ (البقرة2:239)، حدیث:4535. ⑥ تفسیر الطبری:703,702/1. ⑦ حافظ ابن کثیر کی ذکر کردہ حدیث کا حصہ: [لِّأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَأَهْلِ الشَّامِ وَأَهْلِ الْعِرَاقِ] موسوعہ احادیث میں ہمیں نہیں ملا۔ ہاں، البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب الصلاة کے باب:29 پر ''باب قبلة أهل المدينة وأهل الشام والمشرق'' عنوان قائم کیا ہے، امام بیہقی نے اپنی کتاب ''خلافیات'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت [مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ لِّأَهْلِ الْعِرَاقِ] ذکر کی ہے اور الضعفاء للعقیلی: 308/4 میں بھی مؤخر الذکر الفاظ ہیں۔ اور عقیلی نے یہ بھی کہا ہے کہ لا یتابع علیه. والله أعلم بالصواب. ⑧ جامع الترمذی، الصلاة، باب ماجاء أن مابین المشرق والمغرب قبلة، حدیث:344 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب القبلة، حدیث:1011 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ.

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿116﴾

اور انھوں نے کہا: اللہ نے اولاد بنالی ہے۔ وہ اس سے پاک ہے، بلکہ اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسی کے فرمانبردار

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿117﴾

ہیں﴿116﴾ (وہ) آسمانوں اور زمین کا انوکھا موجد ہے اور جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے متعلق یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے﴿117﴾

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿115﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جود و کرم اور انعام و اکرام کے اعتبار سے اپنی ساری مخلوق کے لیے کافی ہے اور ﴿ عَلِيْمٌ ﴿115﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اسے اپنی ساری مخلوق کے اعمال کا بھی علم ہے۔ مخلوق کا کوئی عمل اس سے مخفی نہیں رہ سکتا، کوئی چیز اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں ہو سکتی بلکہ وہ اپنی ساری مخلوق کے تمام اعمال سے خوب باخبر ہے۔[1]

تفسیر آیات: 117,116

اللہ کی اولاد ثابت کرنے والوں کی تردید: ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں، یہودیوں، مشرکین عرب اور ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جنھوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں کے دعوے اور ان کی اس بات کی تکذیب کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد ہو، فرمایا: ﴿ سُبْحٰنَهٗ ؕ ﴾ یعنی وہ اس سے بہت ہی پاک، مقدس، منزہ اور بلند و بالا ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو ﴿ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ﴾ یعنی بات اس طرح نہیں جس طرح انھوں نے افترا پردازی کی ہے بلکہ بات یہ ہے کہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے وہ اسی کی ملکیت ہیں، ان میں صرف اسی کا تصرف و اختیار کارفرما ہے کیونکہ وہی ان کا خالق، رازق، ان کا اندازہ مقرر کرنے والا، انھیں مسخر کرنے والا، انھیں چلانے والا اور جس طرح چاہے ان میں تصرف فرمانے والا ہے۔

ساری مخلوق اسی کی غلام اور اسی کی ملکیت ہے تو ان میں سے کوئی اس کی اولاد کس طرح ہو سکتا ہے کیونکہ اولاد تو دو متناسب چیزوں سے پیدا ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی نظیر ہے، نہ اس کی عظمت و کبریائی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی کوئی بیوی ہی ہے تو اس کا کوئی بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے؟ جیسا کہ فرمایا: ﴿ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ ﴾ (الأنعام 101:6) "(وہی) آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اس کے اولاد کہاں سے ہو جبکہ اس کی بیوی ہی نہیں؟ اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے خوب باخبر ہے۔" اور فرمایا: ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ؕ○ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ۙ○ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ○ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ○ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ○ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ○ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ؕ○ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ○ ﴾ (مریم 19:88-95) "اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے (ایسا کہنے والو! یہ تو) تم بری بات (زبان پر) لاتے ہو، قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں، اس (بات) پر

[1] تفسیر الطبری: 706/1.

کہ انھوں نے اللہ کے لیے بیٹا تجویز کیا اور اللہ کو شایاں نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ کے روبرو بندے ہو کر (غلام بن کر) آئیں گے۔ اس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔'' اور یہ بھی فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ (الإخلاص 112:1-4) ''(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ ایسا عظیم الشان آقا ہے کہ اس کی کوئی نظیر اور کوئی مثال نہیں، اس کے سوا دیگر تمام اشیاء مخلوق ہیں اور وہی ان کی پرورش کرنے والا ہے تو ان میں سے کوئی چیز اس کی اولاد کس طرح ہو سکتی ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ نے سورۂ بقرہ کی اس آیت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [قَالَ اللّٰهُ : كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ ذٰلِكَ ، وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ ذٰلِكَ ، فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَزَعَمَ أَنِّي لَا أَقْدِرُ أَنْ أُعِيدَهُ كَمَا كَانَ ، وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ: لِي وَلَدٌ ، فَسُبْحَانِي أَنْ أَتَّخِذَ صَاحِبَةً أَوْ وَلَدًا] ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ ابن آدم نے میری تکذیب کی ہے، حالانکہ اسے اس بات کا کوئی حق حاصل نہ تھا، ابن آدم نے مجھے گالی دی ہے، حالانکہ یہ بات اس کے شایان نہ تھی، اس کے تکذیب کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے بارے میں یہ گمان رکھتا ہے کہ میں اسے دوبارہ اس طرح پیدا کرنے پر قادر نہیں جس طرح وہ پہلے تھا اور گالی دینے سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے بارے میں یہ کہتا ہے کہ میری اولاد ہے، حالانکہ میں اس بات سے پاک ہوں کہ میری بیوی اور بچے ہوں۔''[1] یہ روایت صحیحین میں سے صرف صحیح بخاری میں ہے۔

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا أَحَدٌ أَصْبَرَ عَلٰى أَذًى يَّسْمَعُهُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى إِنَّهُمْ يَجْعَلُونَ لَهُ نِدًّا وَّيَجْعَلُونَ لَهُ وَلَدًا، وَّهُوَمَعَ ذٰلِكَ يَرْزُقُهُمْ وَيُعَافِيهِمْ ......] ''تکلیف دہ بات کو سن کر اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر زیادہ صبر کرنے والا اور کوئی نہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے اور اس کی اولاد کے قائل ہیں اور وہ اس کے باوجود انھیں رزق دیتا اور عافیت سے نوازتا ہے......۔''[2]

ہر چیز اللہ کی فرمانبردار ہے: ﴿كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ﴾ ''سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔'' ابن ابو حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿قٰنِتُوْنَ﴾ کے معنی ہیں نماز پڑھنے والے۔[3] عکرمہ اور ابو مالک کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کی عبودیت کا اقرار کرنے والے ہیں۔[4] سعید بن جبیر کا قول ہے کہ ہر کوئی اس کے لیے اخلاص کا قائل ہے۔[5] ربیع بن

---

[1] صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ﴾ (البقرة 2:116) ، حدیث:4482. [2] صحیح البخاري، الأدب، باب الصبر في الأذى، حدیث:6099 وصحیح مسلم، صفات المنافقين، باب في الكفار، حدیث: 2804-(50) واللفظ له عن أبي موسٰى (عبدالله بن قيس رضی اللہ عنہ). [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 214/1. [4] تفسیر ابن أبي حاتم: 214/1. [5] تفسیر ابن أبي حاتم: 214/1.

انس کہتے ہیں کہ قیامت کے دن سب اس کے سامنے کھڑے ہونے والے ہیں۔[1] سدی کہتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن اطاعت بجالانے والے ہیں۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ وہ اس قدر فرمانبردار ہیں کہ وہ جب یہ فرمادے کہ انسان بن جا تو انسان بن جاتا ہے اور اگر یہ فرمادے کہ گدھا بن جا تو گدھا بن جاتا ہے۔[3] مجاہد ہی سے ایک دوسرا قول یہ ہے کہ سب اس کے اطاعت گزار ہیں کافر کی اطاعت یہ ہے کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنا پسند نہیں کرتا مگر اس کا سایہ اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے۔[4]

مجاہد کے اس دوسرے قول کو ابن جریر نے بھی پسند کیا ہے کیونکہ یہ تمام اقوال کا جامع ہے اور وہ یہ کہ کائنات کی ایک ایک چیز شرعی یا قدری طور پر اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت گزار اور فرمانبردار ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۟ ﴾ (الرعد15:13) ''اور جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے یا زبردستی سے اللہ کے آگے سجدہ کرتی ہیں اور ان کے سائے بھی صبح وشام (سجدے کرتے ہیں۔)''

بدیع کے معنی: اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو کسی سابقہ مثال کے بغیر پیدا فرمایا ہے، یہ مجاہد اور سدی کا بیان ہے۔[5] اور از روئے لغت بھی اس کے یہی معنی ہیں۔ اسی وجہ سے کسی نئی چیز کو بدعت کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: [فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ] ''ہر نئی چیز بدعت ہے۔''[6]

بدعت کی دو قسمیں ہیں: (1) بدعت شرعیہ جیسا کہ یہ ارشاد نبوی ہے: [فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ][7] (2) بدعت لغویہ جیسا کہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے نماز تراویح باجماعت اور باقاعدہ ادا کرنے کی خواہش کی تو فرمایا: [نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ] ''یہ نئی چیز بہت خوب ہے۔''[8]

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ معنیٰ کلام یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو، وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، ساری کائنات اس کی وحدانیت کی گواہی دے رہی ہے اور اس کی اطاعت گزار ہے، وہی کائنات کو ایجاد کرنے والا، پیدا کرنے والا اور اسے وجود بخشنے والا ہے، اس نے پہلے سے موجود کسی اصل اور مثال کے بغیر اس کائنات کو وجود بخشا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بتایا ہے کہ مسیح علیہ السلام بھی اسی بات کی گواہی دیتے تھے جن کو انھوں نے اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دے دیا ہے۔ اور اس اللہ تعالیٰ ہی نے جس نے آسمانوں اور زمین کو کسی اصل اور کسی سابقہ مثال کے بغیر پیدا کیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی محض اپنی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا فرمایا ہے۔[9] ابن جریر کی یہ بات بہت خوب اور ان کی یہ تعبیر بالکل صحیح ہے۔

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:214/1. [2] تفسیر الطبری:708/1. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:213/1. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:213/1. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:214/1. [6] سنن أبی داود، السنّة، باب فی لزوم السنة، حدیث:4607 عن العرباض بن ساریة رضی اللہ عنہ. [7] سنن أبی داود، السنّة، باب فی لزوم السنة، حدیث:4607. [8] صحیح البخاری، صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، حدیث:2010 اور یہاں:[نِعْمَ ......] ہے۔ والموطأ للإمام مالك، الصلاة فی رمضان، باب ماجاء فی قیام رمضان:39/1، حدیث:255 عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ. [9] تفسیر الطبری:709/1.

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ

اور ان لوگوں نے کہا جو علم نہیں رکھتے: اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح، ان کے قول سے ملتی جلتی بات

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿118﴾

ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے تھے، ان کے دل یکساں ہوگئے، تحقیق ہم نے یقین کرنے والوں کے لیے نشانیاں بیان کر دی ہیں ﴿118﴾

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿117﴾ ﴾ ''جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے کمال اور اپنی بادشاہت کی عظمت کو بیان فرما رہا ہے کہ وہ جب کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے صرف ایک دفعہ یہ کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَآ اَمْرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ ﴾ (یٰس 82:36) ''اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ○ ﴾ (القمر 50:54) ''اور ہمارا حکم تو آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک (کلمہ) ہی ہوتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہاں اس طرف بھی توجہ مبذول کروائی ہے کہ اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی کلمۂ کُنْ سے پیدا فرمایا اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا، وہ اسی طرح پیدا ہوگئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ ﴾ (آل عمران 59:3) ''بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے کہ اس نے (پہلے) اسے مٹی سے پیدا کیا، پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گیا۔''

تفسیر آیت: 118

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رافع بن حُریملہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں جیسا کہ آپ دعویٰ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے کہیے کہ وہ ہم سے کلام کرے حتی کہ ہم اس کے کلام کو سن لیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ ﴾ ''اور جو لوگ (کچھ) نہیں جانتے وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟''[1] ابو العالیہ،[2] ربیع بن انس، قتادہ اور سدی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ کفار عرب نے کہا تھا۔[3] ﴿ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ ﴾ ''اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے، وہ بھی انھی کی سی باتیں کیا کرتے تھے۔'' اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔[4]

اس قول کی تائید کہ اس سے مراد مشرکین عرب ہیں، درج ذیل آیات کریمہ سے بھی ہوتی ہے: ﴿ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 215/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 215/1. [3] تفسیر الطبری: 715/1. [4] تفسیر الطبری: 717/1.

﴿وَعَذَابٌ شَدِيدٌۢ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ﴾ (الأنعام 124:6) ’’اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ ایسی ہی چیز خود ہمیں دی جائے، جیسی رسولوں کو دی گئی، اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کا کام کس کو سونپے، جو لوگ جرم کرتے ہیں ان کو اللہ کے ہاں جلد ہی ذلت ملے گی اور اس مکر وفریب کی وجہ سے عذابِ شدید ہوگا جو وہ کرتے تھے۔‘‘ اسی طرح ﴿وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوعًا﴾ تا ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا﴾ (بنی إسراءیل 17:90-93) ’’اور کہنے لگے کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری نہ کر دیں...... (اے نبی!) کہہ دیجیے: میرا پروردگار پاک ہے۔ میں تو صرف ایک پیغام پہنچانے والا انسان ہوں۔‘‘

اور یہ فرمان بھی تائید کرتا ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا﴾ (الفرقان 21:25) ’’اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کیے گئے یا ہم آنکھ سے اپنے پروردگار کو دیکھ لیں؟‘‘ اور یہ قول بھی: ﴿بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً﴾ (المدّثّر 52:74) ’’بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس کھلے صحیفے آئیں۔‘‘

اسی طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جو مشرکین عرب کے کفر، سرکشی، عناد اور اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ محض کفر وعناد کی وجہ سے ایسے ایسے سوال کرتے تھے جن کی انھیں کوئی ضرورت نہ تھی جس طرح کہ یہود ونصاریٰ اور دیگر کئی لوگوں نے بھی اپنے انبیائے کرام سے اسی طرح کے سوالات کیے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ (النسآء 153:4) ’’(اے نبی!) اہل کتاب آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان پر ایک (لکھی ہوئی) کتاب آسمان سے اتار لائیں، چنانچہ یہ موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے بھی بڑی بڑی درخواستیں کر چکے ہیں (ان سے) کہتے تھے: ہمیں اللہ کو ظاہر (آنکھوں سے) دکھا دو۔‘‘ اور فرمایا: ﴿وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ (البقرة 55:2) ’’اور جب تم نے (موسیٰ سے) کہا: موسیٰ! جب تک ہم اللہ کو سامنے نہ دیکھ لیں گے آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔‘‘

اور فرمانِ الٰہی: ﴿تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ’’ان لوگوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں۔‘‘ یعنی مشرکین عرب کے اور ان سے پہلے کفر، عناد اور سرکشی کا مظاہرہ کرنے والوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اَتَوَاصَوْا بِهٖ﴾ (الذّٰرِيٰت 51:52,53) ’’اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو پیغمبر آتا وہ اس کو جادوگر یا دیوانہ کہتے، کیا یہ لوگ ایک دوسرے کو اسی بات کی وصیت کرتے آئے ہیں؟‘‘

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ ’’جو لوگ صاحب یقین ہیں ان کے (سمجھانے کے) لیے ہم نے نشانیاں بیان کر دی ہیں۔‘‘ یعنی ہم نے رسولوں کی صداقت کی ایسی ایسی نشانیاں بیان کر دی ہیں کہ ان کی موجودگی میں کسی

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ وَّلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ ﴿119﴾

بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور دوزخیوں کے بارے میں آپ سے سوال نہیں ہوگا ﴿119﴾

اور سوال کی اسے ضرورت نہیں ہے جس کا رسولوں پر یقین ہو، ان کی تصدیق کرتا ہو اور ان کی اتباع کرتا ہو اور اسے خوب سمجھ لیا ہو جسے رسول اللہ ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے ہوں لیکن جن کے دل اور کانوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہو اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہو، انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ حَقَّتۡ عَلَيۡهِمۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۙ وَلَوۡ جَآءَتۡهُمۡ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِيۡمَ ﴾ (یونس 10:96,97) ”جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آ جائے۔“

تفسیر آیت: 119

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ ﴿119﴾ ﴾ یعنی ہم آپ سے ان لوگوں کے انکار کے بارے میں پرسش نہیں کریں گے جنھوں نے آپ کا انکار کیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ ﴾ (الرعد 13:40) ”آپ کے ذمے تو صرف (ہمارے احکام) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔“ نیز اللہ کا فرمان ہے: ﴿ فَذَكِّرۡ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ ؕ لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ ۙ ﴾ (الغاشیة 88:21,22) ”چنانچہ آپ نصیحت کرتے رہیں کہ آپ تو نصیحت کرنے والے ہی ہیں، آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔“ نیز فرمایا: ﴿ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ ۟ فَذَكِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ يَّخَافُ وَعِيۡدِ ﴾ (ق 50:45) ”یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہیں، پس جو ہماری وعید سے ڈرے اس کو قرآن سے نصیحت کرتے رہیں۔“

رسول اللہ ﷺ کے اوصاف حمیدہ تورات میں: امام احمد رحمہ اللہ نے عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی اور عرض کی کہ مجھے یہ بتایئے کہ تورات میں رسول اللہ ﷺ کی کیا صفت بیان کی گئی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں، تورات میں بھی آپ کے وہی اوصاف مذکور ہیں جو قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں کہ اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے، آپ اُمّی لوگوں کی جائے پناہ ہیں، آپ میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکّل رکھا ہے، آپ بدخو ہیں نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے بلکہ عفو ودرگزر سے کام لینے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک آپ کو اپنے پاس نہیں بلائے گا جب تک کہ ٹیڑھی قوم کو آپ کی وجہ سے بالکل سیدھا اور درست نہیں فرما دے گا اور وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار نہ کرنے لگ جائیں، اس سے اللہ تعالیٰ ان کی اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردوں میں ملفوف دلوں کو کھول دے گا۔[1] اس روایت کو امام

① مسند أحمد:2/174.

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ

اور یہودی اور عیسائی آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ ان کی ملت کی پیروی کریں۔ کہہ دیجیے: بے شک اللہ کی ہدایت ہی حقیقی

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا

ہدایت ہے اور آپ کے پاس جو علم آ گیا اس کے بعد اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو آپ کو اللہ (کی پکڑ) سے (بچانے والا) نہ کوئی حمایتی ہو

نَصِيْرٍ ﴿120﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ

گا اور نہ کوئی مددگار ﴿120﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جس طرح اس کی تلاوت کا حق ہے، وہی لوگ اس پر ایمان لاتے

يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿121﴾ ع 14/9/14

ہیں اور جو کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو وہی ہیں خسارہ پانے والے ﴿121﴾

بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب البیوع اور کتاب التفسیر میں بیان کیا ہے،[1] البتہ صحیح مسلم میں یہ حدیث نہیں ہے۔

تفسیر آیات: 121,120

ابن جریر رحمہ اللہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اے محمد (ﷺ)! یہود و نصاریٰ آپ سے کبھی بھی خوش نہیں ہو سکتے، لہٰذا ان کی رضامندی اور تائید حاصل کرنے کا خیال ترک کر دیں اور اللہ کی رضا کے طلب گار بن جائیں اور انھیں اُس حق کے قبول کرنے کی دعوت دیتے رہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے۔[2] اور فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ ﴾ یعنی اے محمد (ﷺ)! آپ فرما دیجیے: اللہ تعالیٰ کی ہدایت (دین اسلام) ہی درحقیقت ہدایت ہے اور یہی وہ سیدھا، صحیح، کامل اور جامع دین ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ ﴾ یہ درحقیقت بحث و مباحثے کا ایک انداز ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھایا ہے تاکہ اہل ضلالت کے مقابلے کے لیے اسے اختیار کریں۔[3]

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بھی پہنچی ہے کہ آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے: [لَا تَزَالُ طَآئِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ، لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَالَفَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ] ''میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر لڑتے ہوئے غالب رہے گی، ان کی مخالفت کرنے والے انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے حتی کہ قیامت آ جائے۔''[4]

[1] صحیح البخاری، البیوع، باب كراهية السخب في السوق، حدیث: 2125 و في التفسیر (48) سورة الفتح، باب: 8، ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ ﴾، حدیث: 4838 عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ. [2] تفسیر الطبری: 721/1. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 217/1. [4] تفسیر ابن أبي حاتم: 217/1 مزید دیکھیے صحیح البخاری، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبي ﷺ: [لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق يقاتلون] وهم أهل العلم، حدیث: 7311 عن المغيرة بن شعبة رضی اللہ عنہ. و صحیح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: [لاتزال طائفة......]، حدیث: 1920 عن ثوبان رضی اللہ عنہ.

یہ حدیث (بالفاظ دیگر) صحیح مسلم میں بھی بروایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما موجود ہے۔①

﴿ وَلَبِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝ ﴾ ''اور اگر آپ اپنے پاس علم (وحی الٰہی) کے آ جانے پر بھی ان کی خواہشوں پر چلیں گے تو آپ کو اللہ (کے عذاب) سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔'' اس میں امت کے لیے بہت ہی شدید وعید ہے کہ قرآن وسنت کے علم کے بعد اس نے ہرگز ہرگز یہود ونصاریٰ کے طریقوں کی پیروی نہیں کرنی، والعیاذ باللہ، خطاب اگر چہ رسول اللہ ﷺ سے ہے لیکن درحقیقت یہ حکم آپ کی ساری امت کے لیے ہے۔

تلاوتِ کتاب کا حق: ﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ﴾ ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے وہ اس کو ایسا پڑھتے ہیں جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے۔'' عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ ان لوگوں سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔② عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔③ اور ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے④ لیکن سعید نے قتادہ سے یہ روایت کیا ہے کہ ان سے مراد رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔⑤ ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! حقِ تلاوت کے معنی یہ ہیں کہ کتاب الٰہی کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا جائے، اسی طرح پڑھا جائے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا ہے، کلمات میں کوئی تحریف نہ کی جائے اور نہ اپنی طرف سے اس کی کوئی تاویل کی جائے۔⑥

سدی نے ابو مالک کے حوالے سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی بیان کیا ہے کہ اس کتاب کو ایسا پڑھنے والے جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے، وہ لوگ ہیں جو اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتے ہیں اور کتاب الٰہی میں اپنی طرف سے کوئی تحریف نہیں کرتے۔⑦ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جب تلاوت کرتے ہوئے کسی آیتِ رحمت کے پاس سے گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کا سوال کرتے ہیں اور جب کسی آیتِ عذاب کے پاس سے گزرتے ہیں تو عذاب الٰہی سے پناہ مانگتے ہیں۔⑧ خود رسول اللہ ﷺ کے انداز تلاوت کے بارے میں بھی یہ مروی ہے کہ جب آپ کا آیتِ رحمت کے پاس سے گزر ہوتا تو اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے اور جب آیت عذاب کی تلاوت فرماتے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ مانگتے تھے۔⑨

اور فرمانِ الٰہی: ﴿ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾ یہ اس جملے: ﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ﴾ کی خبر ہے، یعنی سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی امتوں میں سے جو بھی ان کتابوں پر ایمان لائے، جو ان انبیائے کرام پر نازل کی گئی تھیں

① صحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: [لا تزال طائفة......]، حديث: 1924. ② تفسير ابن أبي حاتم: 218/1. ③ تفسير الطبري: 723/1 لیکن اس میں نصاریٰ کا ذکر نہیں ہے۔ ④ تفسير الطبري: 723/1. ⑤ تفسير الطبري: 723/1. ⑥ تفسير الطبري: 724/1. ⑦ تفسير الطبري: 724/1. ⑧ تفسير القرطبي: 95/2. ⑨ مسند أحمد: 382/5 و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب تطويل القراءة......، حديث: 772 عن حذيفة ﷺ.

اور اس طرح عمل کرے جس طرح عمل کرنے کا حق ہے، تو اس کا گویا اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو میں نے اے محمد (ﷺ)! آپ پر نازل کی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ﴾ (المآئدة 66:5) ''اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئیں ان کو قائم رکھتے تو (ان پر رزق مینہ کی طرح برستا کہ) اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ (المآئدة 68:5) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم ہرگز اصل دین پر کاربند نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تم تورات و انجیل اور اپنے رب کی طرف سے نازل کی گئی (دوسری) کتابوں کے احکام پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنے لگو۔''

یعنی جب تم ان کو اس طرح قائم رکھو گے جس طرح قائم رکھنے کا حق ہے، ان کے ساتھ اس طرح ایمان لاؤ گے جس طرح ایمان لانے کا حق ہے اور ان کی ان باتوں کی تصدیق کرو گے جن میں حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور نعت وصفت کا تذکرہ اور آپ کی اتباع اور تائید وحمایت کرنے کا حکم ہے تو یہ بات تمھیں حق کی طرف لے جائے گی اور دنیا و آخرت میں خیر و بھلائی کا رستہ دکھائے گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ﴾ (الأعراف 157:7) ''(یعنی) وہ لوگ جو اس رسول کی، جو اُمّی نبی ہیں، پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ ﴾ (بنی إسرآء یل 108,107:17) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (یہ فی نفسہ حق ہے) بلاشبہ جن لوگوں کو اس سے پہلے کتاب کا علم دیا گیا ہے، جب یہ (قرآن) ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے۔ بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں ہم سے جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہو کر رہا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ﴾ (القصص 28:52-54) ''جن لوگوں کو ہم نے اس (قرآن) سے پہلے کتاب دی تھی وہی اس پر ایمان لے آتے ہیں اور جب (قرآن) ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے۔ بے شک وہ ہمارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے (اور) بلاشبہ ہم تو اس سے پہلے کے حکم بردار ہیں۔ ان لوگوں کو دگنا بدلہ دیا جائے گا کیونکہ وہ صبر کرتے رہے ہیں اور بھلائی کے ساتھ برائی کو دور کرتے رہے ہیں اور جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ ﴾ (آل عمران 20:3) ''اور (اے نبی!) اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دیجیے: کیا تم بھی (اللہ کے فرماں بردار بنتے اور) اسلام

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿122﴾

اے بنی اسرائیل! تم میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور بیشک میں نے تمھیں سارے جہانوں پر فضیلت دی تھی ﴿122﴾ اور اس

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا

دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی شخص کے کچھ بھی کام نہیں آئے گا اور نہ اس سے کوئی بدل قبول کیا جائے گا اور نہ اسے کوئی سفارش نفع دے گی اور

شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿123﴾

نہ ان کی مدد ہی کی جائے گی ﴿123﴾

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ

اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند کلمات کے ساتھ آزمایا تو اس نے انھیں پورا کر دیا۔ اللہ نے کہا: بے شک میں تجھے سب لوگوں کے لیے امام

وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿124﴾

بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے کہا: اور میری اولاد میں سے بھی، اللہ نے کہا: میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا ﴿124﴾

لاتے ہو؟ اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو بے شک ہدایت پالیں اور اگر (آپ کا کہا) نہ مانیں تو آپ کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے اور اللہ (اپنے) بندوں کو دیکھ رہا ہے۔''

اسی لیے تو یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ ''اور جو اس کو نہیں مانتے، وہ خسارہ پانے والے ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ (ھود 11:17) ''اور جو کوئی اور فرقوں میں سے اس کا منکر ہوا تو اس کا ٹھکانا آگ ہے۔''

اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ...... ، ثُمَّ لَا يُؤْمِنُ بِي إِلَّا دَخَلَ النَّارَ] ''اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! اس امت میں سے کوئی ایک (حتی کہ) یہودی یا عیسائی بھی میرے بارے میں سنے...... پھر وہ میرے ساتھ ایمان نہ لائے تو وہ جہنم رسید ہوگا۔''[1]

تفسیر آیات: 123,122

اس طرح کی آیات اس سورت کے شروع میں بھی گزر چکی ہیں۔[2] اسے یہاں دوبارہ اس رسول نبی اُمّی ﷺ کی اتباع کی تاکید و ترغیب کے لیے لایا گیا ہے جن کی صفت، نعت، اسم پاک، شان اور جن کی امت کا تذکرہ یہ اپنی کتابوں میں بھی لکھا

① صحیح مسلم، الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة......، حدیث: 153 عن أبي هریرة ﷺ. البتہ دوسرا حصہ یہاں اس طرح ہے: [......وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ] ''...... اور اس پر ایمان نہیں لاتا جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے'' ۔ اور دوسرا حصہ السنن الکبریٰ للنسائي، التفسیر، سورۃ ھود، باب: 184 قوله تعالیٰ: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ ﴾: 363/6، حدیث: 11241 عن أبي موسیٰ ﷺ کے مطابق ہے۔ و سلسلة الأحادیث الصحیحة: 291/1، حدیث: 157 و 245/7، حدیث: 3093 و مسند أحمد: 396/4. ② دیکھیے البقرۃ، آیات: 48,47 .

ہوا پاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ ان باتوں کو اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعامات فرمائے ہیں، انھیں نہ چھپائیں بلکہ ان تمام دینی و دنیوی نعمتوں کو یاد رکھیں جن سے اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ اعزاز عطا فرمایا ہے کہ اپنے پیغمبر آخر الزماں ﷺ کو ان میں مبعوث فرما دیا ہے۔ اور یہ حسد آپ کی مخالفت، تکذیب اور آپ کی تائید وحمایت سے انحراف پر آمادہ نہ کرے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ دَائِمًا إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ.

تفسیر آیت :124

اللہ تعالیٰ اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شرف کو بیان فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کا امام بنا دیا تھا تاکہ توحید میں آپ کی اقتدا کی جائے جب آپ نے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اوامر ونواہی کو پورا فرما دیا تھا۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ ﴾ ''اور جب ابراہیم کو اس کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا۔'' یعنی اے محمد (ﷺ)! ان مشرکوں اور ان یہود ونصاریٰ کے سامنے جو اپنے آپ کو ملت ابراہیم کی طرف منسوب تو کرتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ اس ملت سے نہیں ہیں بلکہ ملت ابراہیمی پر تو آپ اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والے ہیں، اس آزمائش کا ذکر کریں جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبتلا کیا اور انھیں بہت سے اوامر ونواہی کے بجالانے کا حکم دیا۔

﴿ فَاَتَمَّهُنَّ ﴾ تو وہ ان میں پورے اترے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان تمام احکام کے مطابق عمل کر دکھایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى ﴾ (النجم53:37) ''اور ابراہیم کے (صحیفوں میں) جنھوں نے (حق طاعت ورسالت) پورا کیا۔'' یعنی انھوں نے ان تمام احکام کے مطابق عمل پورا کر دکھایا جو ان کے لیے مشروع قرار دیے گئے تھے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؕ۝ ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (النحل16:120-123) ''بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے، اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور (اپنی) سیدھی راہ پر چلایا تھا۔ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہوں گے، پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کریں جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ۬ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام6:161) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: مجھے میرے پروردگار نے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے، (یعنی) صحیح اعلیٰ اقدار کے حامل دین کا، ایک رب کے پرستار ابراہیم کے طریق کا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔'' اور فرمایا: ﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران 3:67,68)

''ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک (اللہ) کے ہو رہے تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ بے شک ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر (آخر الزماں) اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اللہ مومنوں کا دوست ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ بِكَلِمٰتٍ ﴾ سے مراد شرعی احکام، یعنی اوامر و نواہی ہیں۔ کلمات سے کبھی قدری کلمات مراد ہوتے ہیں جیسا کہ مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴾ (التحریم 12:66) ''اور وہ اپنے پروردگار کے کلمات اور اس کی کتابوں کو برحق سمجھتی تھیں اور فرماں برداروں میں سے تھیں۔'' اور کبھی کلمات سے مراد شرعی کلمات ہوتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ﴾ (الأنعام 115:6) ''اور آپ کے پروردگار کے کلمات سچائی اور انصاف میں پورے ہیں۔''

کلماتِ شرعیہ یا تو کسی سچی خبر پر یا امر و نہی کی صورت میں کسی منصفانہ مطالبے پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس آیت کریمہ: ﴿ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ ﴾ میں بھی کلمات سے مراد شرعی کلمات ہیں۔ اور ﴿ فَاَتَمَّهُنَّ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ ان میں پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ﴾ ''میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔'' یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اچھے اچھے کام سرانجام دیے، اللہ تعالیٰ نے جن احکام کا حکم دیا ان کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا اور جن باتوں سے منع فرمایا تو ان سے پورا پورا اجتناب کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں لوگوں کے لیے پیشوا اور ایک قابل عمل نمونہ قرار دے دیا۔

ان کلمات سے کیا مراد ہے؟ ان کلمات کی تعیین میں اختلاف ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی آزمائش فرمائی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں کئی روایات مروی ہیں۔ عبدالرزاق نے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ ان کلمات سے مراد مناسکِ حج ہیں۔[1] ابو اسحاق نے بھی یہی روایت کیا ہے۔[2] جبکہ عبدالرزاق نے آپ سے ایک دوسری روایت یہ بھی بیان کی ہے کہ ان سے مراد احکام طہارت ہیں جن میں سے پانچ کا تعلق سر سے اور پانچ کا تعلق باقی سارے جسم سے ہے، سر سے متعلق احکام یہ ہیں: (1) مونچھوں کا کاٹنا (2) کلی کرنا (3) ناک صاف کرنا (4) مسواک کرنا اور (5) سر میں مانگ نکالنا۔ اور جن احکام کا تعلق باقی سارے جسم سے ہے وہ یہ ہیں: (1) ناخن تراشنا (2) زیر ناف بال صاف کرنا (3) ختنہ کرنا (4) بغلوں کے بال نوچنا اور (5) بول و براز کے بعد پانی سے استنجا کرنا۔[3] ابن ابو حاتم نے سعید بن مسیّب، مجاہد، شعبی، نخعی، ابو صالح اور ابو جَلد سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[4]

اس مفہوم کے قریب قریب ہی وہ روایت ہے جو صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ : قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْأَظْفَارِ وَ غَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْإِبِطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ] ''دس باتیں فطرت سے ہیں: (1) مونچھوں کو کاٹنا (2) داڑھی

---

① تفسير الطبری:733/1. ② تفسير الطبری:733/1. ③ تفسير ابن أبی حاتم:219/1 وتفسير عبدالرزاق:289/1، رقم:116. ④ تفسير ابن أبی حاتم:219/1.

بڑھانا(3)مسواک کرنا(4)وضو کے دوران میں ناک میں پانی چڑھانا(5)ناخن تراشنا(6)ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے پورے دھونا(7)بغلوں کے بال نوچنا(8)زیر ناف بال صاف کرنا(9)جسم پر پانی بہانا۔'' راوی کا بیان ہے کہ دسویں بات میں بھول گیا ہوں یہ شاید کلی کرنا تھی۔ وکیع کہتے ہیں کہ جسم پر پانی بہانے سے مراد استنجا کرنا ہے۔ ①

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ : اَلْخِتَانُ وَالِاسْتِحْدَادُ وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ وَ نَتْفُ الْإِبِطِ وَ قَصُّ الشَّارِبِ]''امورِ فطرت پانچ ہیں:(1)ختنہ کرنا(2)زیر ناف بال صاف کرنا(3)ناخن تراشنا(4)بغل کے بال نوچنا اور(5)مونچھیں کاٹنا۔'' ② یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق ہیں۔

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ کلمات جن سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی اور وہ ان میں پورے اترے، ان سے مراد ہے اللہ کی خاطر اپنی قوم سے جدائی اختیار کرنا جب اللہ تعالیٰ نے ان سے جدائی اختیار کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ نمرود سے اللہ کی خاطر جھگڑا کرنا جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کوئی ایسا کام کرنے کا حکم دیا جس میں نمرود کی صریحًا مخالفت تھی، نمرودیوں نے آپ کو جب جلانے کے لیے آگ میں ڈالا تو بے خطر آتش نمرود میں کود جانا، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے وطن مالوف سے ہجرت کرنا، مہمانوں کی مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرنا اور اس سلسلے میں جانی و مالی صبر وایثار کا مظاہرہ کرنا، پھر اس سلسلے میں شاید سب سے بڑی ابتلا اور سب سے بڑی آزمائش تو یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو حکم دیا کہ اپنے لخت جگر کو قربان کر دو تو آپ اللہ تعالیٰ کی محبت کی خاطر اپنے لخت جگر اور نور نظر کو قربان کرنے کے لیے بھی تیار ہو گئے۔ جب آپ نے یہ سارے کام پورے کر دکھائے اور ان تمام آزمائشوں اور امتحانوں میں جان سپاری اور تسلیم ورضا کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (البقرة2:131) ''فرمانبردار بن جاؤ تو انھوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں۔'' خواہ اس میں لوگوں کو چھوڑنا پڑے اور ان کی کیسی ہی مخالفت کیوں نہ مول لینا پڑے۔ ③

ظالموں سے اللہ کا عہد نہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب عرض کی: ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۭ ﴾ ''(پروردگار!) میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنا۔)'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''میرا عہد ظالموں کے لیے نہیں ہوا کرتا۔'' یعنی جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امام بنا دیا تو انھوں نے عرض کی کہ ان کے بعد ان کی اولاد میں سے بھی امام بنیں تو اس کے جواب میں ان سے کہا گیا کہ ان کی اولاد میں سے تو ظالم بھی ہوں گے اور ان سے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہے اور نہ وہ امام بنیں گے اور نہ ان کی اقتدا ہی کی جائے گی۔ اس بات کی دلیل کہ ان کی یہ دعا قبول کر لی گئی تھی، سورۂ عنکبوت کی یہ آیت ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ﴾ (العنکبوت29:27) ''اور ہم نے اس کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب مقرر کر دی۔''

① صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث:261. ② صحيح البخاري، اللباس، باب قص الشارب، حديث:5889 و صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، حديث:257. ③ تفسير ابن أبي حاتم:220/1.

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ

اور جب ہم نے بیت اللہ کولوگوں کے لیے بار بارلوٹ کر آنے کی اور امن کی جگہ بنایا اور (حکم دیا کہ) تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ

آپ کے بعد آنے والے ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد ہی میں سے مبعوث فرمایا اور آپ کے بعد نازل ہونے والی ہر کتاب کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اولاد ہی میں نازل فرمایا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ. اور ہاں، ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی بھی خبر دی ہے کہ آپ کی اولاد میں ظالم بھی ہوں گے جن سے امامت وپیشوائی کا یہ عہد و پیمان نہیں ہے، ظالم کو اللہ تعالیٰ آپ کی میراث عطا نہیں فرمائے گا، خواہ وہ آپ ہی کی اولاد میں سے کیوں نہ ہو۔ اسی طرح آپ کی اولاد میں سے محسن بھی ہوں گے جو آپ کی دعوت کے مشن کو سرانجام دیں گے اور انھیں وہ امامت وپیشوائی بھی حاصل ہوگی جس کے اپنی اولاد میں باقی رہنے کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ گو ظاہری طور پر ایک خبر پر مشتمل ہے اور وہ یہ کہ ظالم سے اللہ تعالیٰ کا یہ عہد و پیمان نہیں ہے کہ وہ اسے امامت عطا فرمائے گا لیکن اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کو یہ بھی بتا دیا کہ آپ کی اولاد میں سے کچھ ظالم لوگ بھی ہوں گے۔[1] ابن خُوَیز مَنْدَاد مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظالم شخص خلیفہ، حاکم، مفتی، شاہد اور راوی بننے کا اہل نہیں ہے۔[2]

تفسیر آیت:125

بیت اللہ کی فضیلت: عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ﴾ ”اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ بنا دیا۔“ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگ اس گھر میں آئیں گے لیکن ان کا دل نہیں بھرے گا، چنانچہ وہ اپنے گھروں کو واپس جائیں گے تو وہ دوبارہ سہ بارہ آئیں گے۔[3]

ابوجعفر رازی نے ربیع بن انس سے اور انھوں نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے کہ اس گھر کو ہم نے دشمن سے امن پانے کی جگہ بنا دیا ہے کہ اس میں ہتھیار کو نیچے رکھ دیا جائے گا۔ زمانہء جاہلیت میں بھی لوگوں کو خانہ کعبہ کے گرد وپیش سے اچک لیا جاتا تھا مگر جو یہاں آ جاتے، وہ امن میں ہو جاتے اور انھیں کوئی کچھ نہیں کہتا تھا۔[4] مجاہد، عطاء، سدی، قتادہ اور ربیع بن انس سے مروی ہے کہ جو اس میں داخل ہو جائے، وہ امن میں ہو جاتا ہے۔[5]

اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ بیت اللہ کے شرف اور اس کے ان شرعی اور قدری اوصاف کا ذکر فرما رہا ہے جن سے اس نے بیت اللہ کو نوازا ہے کہ اسے ﴿ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ﴾ یعنی لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ بنا دیا، اسے ایک ایسا مقام بنا دیا کہ روحیں اس کے لیے اس قدر مشتاق اور بے قرار ہیں کہ وہ اس سے کبھی سیر ہو ہی نہیں سکتیں، خواہ ہر سال یہاں حاضری دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے بارے میں اپنے خلیل کی اس دعا کو بھی، جو انھوں نے کی تھی، شرفِ قبولیت سے نواز دیا

[1] تفسير الطبري:740/1. [2] تفسير القرطبي:109/2. [3] تفسير الطبري:742/1. [4] الدر المنثور:222/1 و تفسير الطبري:743/1 و تفسير ابن أبي حاتم:225/1/1. [5] تفسير ابن أبي حاتم:225/1.

تھا، یعنی ﴿ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ ﴾ تا ﴿ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴾ (إبراهيم 14:37-40) ''چنانچہ تو بعض لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں۔'' تا ''اے پروردگار! میری دعا قبول فرما۔''

اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے خلیل کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور بیت اللہ کو اس قدر امن، چین اور سکون کا گہوارہ بنا دیا کہ جو اس میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہو جاتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی بڑا جرم کر کے کیوں نہ آیا ہو، بیت اللہ کو یہ اعزاز اس کے معمارِ اول حضرت خلیل الرحمٰن کے شرف کی وجہ سے حاصل ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا ﴾ (الحج22:26) ''اور (یاد کریں) جب ہم نے ابراہیم کے لیے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کر دی (اور اسے حکم دیا) کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ﴾ (آل عمران 3:96,97) ''بے شک پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا وہی ہے جو مکے میں ہے، بابرکت اور جہان کے لیے موجب ہدایت۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہوا اس نے امن پا لیا۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مقام ابراہیم کی نشاندہی کی اور اس کے پاس نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾ ''جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ بنا لو۔''

مقام ابراہیم: سفیان ثوری نے سعید بن جبیر سے ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ پتھر اللہ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے رحمت بنا دیا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام تعمیر کعبہ کے وقت جب آپ کو پتھر پکڑا رہے تھے تو آپ اسی پتھر پر کھڑے ہو کر بیت اللہ کو تعمیر فرما رہے تھے۔ اور اگر اس سے مراد وہ پتھر ہوتا جسے نہانے کے لیے آپ کے پاؤں کے نیچے رکھا گیا تھا جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہیں تو آپ کے دونوں پاؤں کے نشانات مختلف ہوتے۔[1] سدی نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ مقام سے مراد وہ پتھر ہے جسے حضرت اسماعیل کی بیوی نے حضرت ابراہیم کے پاؤں کے نیچے آپ کے نہانے کے لیے رکھا تھا۔[2] قرطبی نے اس قول کو بیان کرنے کے بعد ضعیف قرار دیا ہے۔[3] امام رازی نے بھی اپنی تفسیر میں حسن بصری، قتادہ اور ربیع بن انس سے یہی بیان کیا ہے۔[4]

ابن ابو حاتم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی تفصیل بیان کرتے ہوئے روایت کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یہ ہمارے باپ کا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: کیا ہم اسے نماز کی جگہ نہ بنا لیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما دی:[5] ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾ .

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے باب قوله: ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾ میں لکھا ہے کہ مَثَابَةً ، يَثُوبُونَ

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم :226/1. [2] تفسير الطبري :747/1. [3] تفسير القرطبي :113/2. [4] تفسير الرازي :48/4.
[5] تفسير ابن أبي حاتم :226/1 .

کے معنی لوٹنے کے ہیں۔

پھر آپ نے اس باب میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے تین باتوں میں اپنے رب کی موافقت کی یا آپ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ میرے رب نے تین باتوں میں میری موافقت فرمائی: (1) میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اے کاش! آپ مقام ابراہیم کو نماز کے لیے کھڑے ہونے کی جگہ بنالیں تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾. (2) میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! نیک و بد ہر قسم کے لوگ آپ کے پاس آتے ہیں، اس لیے آپ امہات المؤمنین کو پردے کا حکم دے دیں تو اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب کو نازل فرما دیا۔ اور (3) جب مجھے یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں سے خفا ہیں تو میں نے ان سے کہا کہ تم یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کرنے سے باز آ جاؤ گی یا پھر اللہ تعالیٰ تمھارے بدلے میں اپنے نبی کو تم سے بھی اچھی بیویاں عطا فرمائے گا حتی کہ جب امہات المؤمنین میں سے ایک سے میں نے یہ کہا تو انھوں نے جواب دیا: عمر! اپنی بیویوں کو وعظ کرنے کے لیے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کافی نہیں ہے کہ آپ نے انھیں وعظ شروع فرما دیا ہے؟ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا﴾ (التحریم 66:5) ''اگر پیغمبر تم کو طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ ان کا پروردگار تمھارے بدلے ان کو تم سے بہتر بیویاں دے دے مسلمان، مومن، فرماں بردار، توبہ کرنے والی، عبادت گزار، روزہ دار، (پہلے) بیاہی اور کنواری عورتیں۔''[1]

ابن جریر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو بوسہ دیا، طواف کے ابتدائی تین چکروں میں دُلکی چال چلے اور چار چکروں میں معمول کی چال، پھر مقام ابراہیم کی طرف چلے گئے اور اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ پھر آپ نے مقام ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر لیا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔[2] یہ اس طویل حدیث کا ایک حصہ ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔[3]

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے اپنی سند کے ساتھ عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے سات چکروں میں بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔[4]

یہ تمام روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ مقام سے مراد وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ کے وقت کھڑے ہوئے

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: 9 ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ (البقرۃ 2:125)، حدیث: 4483 عن أنس رضی اللہ عنہ. لیکن یہاں ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ کے نزول کا ذکر نہیں ہے جبکہ صحیح بخاری ہی کی ایک اور روایت میں نزول آیت کا ذکر ہے: الصلاۃ، باب ماجاء فی القبلۃ......، حدیث: 402 و صحیح مسلم، فضائل الصحابۃ، باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ، حدیث: 2399 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ مختصرًا. [2] تفسیر الطبری: 747/1. [3] صحیح مسلم، الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: 1218. [4] صحیح البخاری، الحج، باب من صلّی رکعتي الطواف خلف المقام، حدیث: 1627.

تھے، جب دیوارِ کعبہ اونچی ہوگئی تو حضرت اسماعیل علیہ السلام اس پتھر کو لائے تھے تاکہ آپ اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کے کام کو سرانجام دیں۔ حضرت اسماعیل پتھر پکڑاتے اور آپ اپنے دست مبارک سے مناسب جگہ پر رکھتے جاتے تاکہ دیواروں کو بلند کر سکیں جب ایک طرف کی دیوار مکمل ہو جاتی تو دوسری طرف کی دیوار شروع فرما دیتے اور اس طرح آپ پتھر پر کھڑے کعبہ کے گرد طواف بھی فرما رہے تھے۔ جب ایک دیوار سے فارغ ہو جاتے تو اس طرف کی دوسری دیوار کی طرف منتقل ہو جاتے تھے حتی کہ کعبے کی دیواریں مکمل ہوگئیں جیسا کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے تعمیر کعبہ کی تفصیل اس روایت کی روشنی میں آگے بیان کی جائے گی جو بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔[1]

اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کے نشانات نمایاں تھے، یہ بات بہت مشہور تھی، زمانۂ جاہلیت میں عرب بھی اسے جانتے تھے، اسی لیے ابوطالب نے اپنے معروف قصیدۂ لامیہ میں کہا تھا:

وَمَوْطِئُ إِبْرَاهِيمَ فِي الصَّخْرِ رَطْبَةٌ　　عَلَى قَدَمَيْهِ حَافِيًا غَيْرَ نَاعِلٖ

''اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کے نشان تازہ ہیں اور صاف نظر آ رہا ہے کہ آپ برہنہ پا تھے پاؤں میں جوتے نہیں تھے۔''

مسلمانوں نے بھی اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات دیکھے تھے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے مقام کو دیکھا اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی انگلیوں اور پاؤں کے تلووں کے نشانات تھے لیکن لوگوں کے ہاتھوں سے چھونے کی وجہ سے یہ نشانات مٹتے جا رہے ہیں۔[2]

زمانۂ قدیم میں مقام ابراہیم دیوار کعبہ کے ساتھ متصل تھا لیکن اب اس کی مستقل جگہ کعبے کے دروازے کی طرف حجر اسود کے پاس، دروازے سے جانے والے کے دائیں جانب ہے جو آج سب کو معلوم ہے۔[3] حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام جب تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے اسے کعبے کی دیوار کے ساتھ رکھ دیا تھا یا عمارت ہی یہاں آ کر مکمل ہوئی، پھر اسے یہیں رکھ دیا گیا۔ اور شاید اسی وجہ سے۔ واللہ أعلم۔ طواف سے فارغ ہونے کے بعد یہاں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا کیونکہ مناسب یہی تھا کہ نماز مقام ابراہیم کے پاس اس جگہ ادا کی جائے جہاں آپ تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تھے۔

مقام ابراہیم کو دیوار کعبہ سے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹایا تھا جو ان ائمۂ مہدیین اور خلفائے راشدین میں سے ایک ہیں جن کی اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور آپ ان دو شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: [اِقْتَدُوا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي أَبِي بَكْرٍ وَّ عُمَرَ] ''میرے بعد ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما دونوں کی اقتدا کرو۔''[4]

[1] دیکھیے البقرة، آیت: 127 کے ذیل میں عنوان: ''تعمیر کعبہ اور اس کی قبولیت کی دعا'' [2] تفسير القرطبي: 113/2 اور امام قرطبی نے کہا ہے کہ اس کو امام قشیری نے بیان کیا ہے۔ [3] اب اسی جگہ پر مقام ابراہیم کو شیشے سے بنے ہوئے ایک چھوٹے سے ستون میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ اور مقام ابراہیم کو ہٹانے کے متعلق حوالے عنقریب آ رہے ہیں۔ [4] جامع الترمذي، المناقب، باب: [اقتدوا بالَّذَيْنِ من بعدي......]، حديث: 3662 عن حذيفة رضي الله عنه.

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ

اور ہم نے حکم دیا ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ تم دونوں میرا گھر پاک کرو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں

السُّجُوْدِ ﴿125﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ

کے لیے ﴿125﴾اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! اس (جگہ) کو امن والا شہر بنا اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور یوم آخرت پر

الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ

ایمان لائے، انھیں پھلوں سے رزق دے۔ اللہ نے کہا: اور جس نے کفر کیا، تو میں اسے تھوڑا سا فائدہ دوں گا پھر میں اسے آگ کے عذاب کی طرف

اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿126﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ

مجبور کر دوں گا اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے ﴿126﴾اور (یاد کرو) جب ابراہیم اور اسمٰعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (اور دعا کر رہے

الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿127﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا

تھے:) اے ہمارے رب! تو ہم سے (یہ نیکی) قبول کر لے، بے شک تو ہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿127﴾ اے ہمارے رب! اور ہم دونوں کو

مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ

اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت کو بھی اپنا فرمانبردار (بنا) اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے سکھا اور ہم پر توجہ فرما،

اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿128﴾

بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿128﴾

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق ہی مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا تھا، اس لیے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی آپ کی اس رائے سے اختلاف نہیں کیا تھا۔

عبدالرزاق نے عطاء اور دیگر مفسرین سے روایت کیا ہے کہ مقام ابراہیم کو سب سے پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہی نے منتقل کیا تھا۔[1] عبدالرزاق نے مجاہد سے بھی اسی طرح کی روایت بیان کی ہے کہ مقام ابراہیم کو سب سے پہلے اپنی موجودہ جگہ پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے منتقل کیا تھا۔[2] حافظ ابوبکر بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مقام ابراہیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بیت اللہ ہی کے ساتھ متصل تھا، پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے کچھ پیچھے ہٹا دیا تھا۔[3] اس حدیث کی سند بھی صحیح ہے اور مذکورہ روایات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔

بقیہ، تفسیر آیت: 125 و 126-128

تطہیر بیت اللہ کا حکم: حسن بصری ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ﴾ ”اور ہم نے حکم دیا ابراہیم اور

---

① المصنف لعبد الرزاق، المناسك، باب المقام: 48/5، حديث: 8955. ② المصنف لعبدالرزاق، المناسك، باب المقام: 47/5، حديث: 8953. ③ الدر المنثور: 225/1 وعلل الحديث لابن أبي حاتم: 298/1 وفتح الباری: 169/8، حدیث: 4483 کے ذیل میں۔

اسماعیل کو۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسماعیل کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ کو گندگی اور نجاست سے پاک رکھیں اور اس طرح کی کوئی چیز اسے لگنے نہ دیں۔[1] ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا کہ اس آیت میں عہد سے کیا مراد ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: امر الٰہی۔[2] سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ ﴾ ''کہ تم دونوں میرا گھر پاک کرو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے لیے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ میرے گھر کو بتوں سے پاک رکھو۔[3] اور مجاہد اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ اسے بتوں، لغو کاموں، جھوٹی باتوں اور نجاستوں سے پاک رکھنا۔[4]

اور فرمان الٰہی: ﴿ لِلطَّآىِٕفِيْنَ ﴾ بیت اللہ کا طواف کرنا مشہور و معروف چیز ہے۔ سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ طائفین سے مراد باہر سے آنے والے اور عاکفین سے مراد یہاں کے مقیم لوگ ہیں۔[5] قتادہ اور ربیع بن انس سے بھی عاکفین کی تفسیر میں یہی مروی ہے کہ اس سے مراد یہاں کے باشندے اور مقیم لوگ ہیں جیسا کہ سعید بن جبیر کا بھی یہی قول ہے۔[6] ﴿ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝۱۲۵ ﴾ ''اور رکوع و سجود کرنے والوں (کے لیے۔)'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نماز پڑھنے والا الرُّكَّعِ السُّجُود میں شامل ہے، عطاء اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[7]

تطہیر مساجد کا حکم بھی اسی آیت کریمہ سے ماخوذ ہے، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ۝ ﴾ (النور 24:36) ''(وہ قندیل) ان گھروں میں (ہے) جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کیے جائیں اور وہاں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے (اور) ان میں صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہیں۔''

اسی طرح بہت سی احادیث میں بھی یہ حکم ہے کہ مسجدوں کو پاک رکھا جائے، معطر کیا جائے اور انھیں گندگی اور نجاست وغیرہ سے محفوظ رکھا جائے۔[8] اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [إِنَّمَا بُنِيَتِ الْمَسَاجِدُ لِمَا بُنِيَتْ لَهُ] ''مسجدیں اسی کام کے لیے ہیں جن کے لیے انھیں بنایا جاتا ہے۔''[9] میں نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَ الْمِنَّةُ.

حُرمت مکۃ المکرّمۃ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ ''اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ اے پروردگار! اس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لائیں ان کو کھانے کے لیے میوے عطا فرما۔''

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:227/1 عن عباد بن منصور. [2] تفسیر الطبری:748/1. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:227/1. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:227/1. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:228/1. [6] تفسیر ابن أبی حاتم:228/1. [7] تفسیر ابن أبی حاتم:229/1. [8] جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: [أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِبِنَاءِ الْمَسَاجِدِ فِي الدُّورِ وَأَنْ تُنَظَّفَ وَتُطَيَّبَ] ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محلوں، گھروں میں مسجدیں بنانے کا حکم دیا اور یہ بھی کہ انھیں صاف ستھرا رکھا جائے اور خوشبودار بنایا جائے۔'' (سنن أبی داود، الصلاة، باب اتخاذ المساجد......، حدیث:455 و جامع الترمذی، الصلاة، باب ما ذكر في تطييب المساجد، حدیث:594). [9] صحیح مسلم، المساجد، باب النهی عن نشد الضالّة......، حدیث:569 عن بُرَيْدَة رضی اللہ عنہ.

امام ابوجعفر ابن جریر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ بَيْتَ اللّٰهِ وَ أَمَّنَهُ ، وَ إِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ مَا بَيْنَ لَا بَتَيْهَا ، لَا يُصَادُ صَيْدُهَا ، وَ لَا تُقْطَعُ عِضَاهُهَا]''حضرت ابراہیم نے بیت اللہ کو حرم اور امن والا قرار دیا تھا اور میں مدینہ اور اس کے دونوں کناروں کے مابین کے علاقے کو حرم قرار دیتا ہوں، لہٰذا اس کے شکار کو نہ مارا جائے اور نہ اس کی گھاس کو کاٹا جائے۔''[1] اسے امام نسائی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] نیز امام مسلم نے بھی اسے بیان کیا ہے۔[3]

کچھ دوسری احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو آسمان و زمین کے پیدا فرمانے سے بھی پہلے حرم قرار دے دیا تھا جیسا کہ صحیحین میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا تھا:

[إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ ، وَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَ إِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَ لَمْ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ ، وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا ، وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا]

''اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن حرمت والا قرار دے دیا تھا جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے کی وجہ سے قیامت کے دن تک یہ شہر حرمت والا ہے، مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس شہر میں جنگ و قتال حلال نہ تھا اور میرے لیے بھی ایک دن کے کچھ حصے میں اسے حلال قرار دیا گیا اور اب اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے کی وجہ سے یہ روز قیامت تک حرمت والا ہے، لہٰذا اس کے کانٹے کو نہ کاٹا جائے، اس کے شکار کو نہ بھگایا جائے، اس کے لُقَطَہ (گری پڑی چیز) کو صرف وہی شخص اٹھائے جو لُقَطَہ کو روشناس کرائے، اسی طرح اس کی گھاس کو بھی نہ کاٹا جائے۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اِذْخِر نامی گھاس کے کاٹنے کی اجازت دے دیجیے کیونکہ یہ گھروں میں اور لوہاروں کی بھٹیوں میں استعمال ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا:[إِلَّا الْإِذْخِرَ]''ہاں، اذخر نامی گھاس مستثنیٰ ہے۔''[4] یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں جبکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس سے ملتی جلتی حدیث مروی ہے۔[5] پھر صحیح بخاری میں حضرت صَفِیَّہ بنت شَیْبَہ سے بھی یہ حدیث اسی طرح مروی ہے۔[6]

ابوشریح عدَوی سے روایت ہے کہ انھوں نے عمرو بن سعید[7] سے اس وقت کہا جب وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا: اے

---

① تفسیر الطبری:754/1. ② السنن الکبرٰی للنسائی، الحج، باب ثواب من صبر علی جهد المدینة وشدتها: 487/2، حدیث:4284، اور یہاں یُصَادُ کے بجائے یُصْطَادُ ہے۔ ③ صحیح مسلم، الحج، باب فضل المدینة و دعاء النبی ﷺ بالبرکة، حدیث:1362 مختصرًا. ④ صحیح البخاری، الجزیة والموادعة، باب إثم الغادر للبروالفاجر، حدیث:3189 و صحیح مسلم، الحج، باب تحریم مکة وتحریم صیدها......، حدیث:1353. ⑤ صحیح البخاری، الدیات، باب من قتل له قتیل وهو بخیر النظرین، حدیث:6880 و صحیح مسلم، الحج، باب تحریم مکة وتحریم صیدها......، حدیث:1355. ⑥ صحیح البخاری، الجنائز، باب الإذخر والحشیش فی القبر، حدیث:1349. ⑦ یہ یزید کی طرف سے مدینہ کے والی تھے۔ اور یہ لشکر کشی ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف تھی۔

امیر! مجھے اجازت دیجیے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد بیان کروں جسے آپ نے فتح مکہ کے دن صبح کے وقت فرمایا تھا اور اسے خود میرے کانوں نے سنا، میرے دل نے یاد رکھا اور جب آپ نے یہ ارشاد فرمایا میری آنکھوں نے آپ کا دیدار کیا تھا، آپ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا:

[إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَ لَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ، فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَّسْفِكَ بِهَا دَمًا ، وَّلَا يَعْضُدَبِهَا شَجَرَةً ، فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيهَا فَقُولُوا لَهُ: إِنَّ اللّٰهَ أَذِنَ لِرَسُولِهٖ وَلَمْ يَأْذَنْ لَّكُمْ ، وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ، وَّقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ ، فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ]

''مکہ کو لوگوں نے نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے، کسی بھی ایسے شخص کے لیے جس کا اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اور روز آخرت پر ایمان ہو یہ حلال نہیں کہ وہ یہاں خون بہائے یا یہاں کے کسی درخت کو کاٹے ، اگر کوئی شخص رسول اللہ کے جہاد و قتال سے استدلال کرے تو اسے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت عطا فرمائی تھی جبکہ تمھیں اس کی اجازت نہیں بخشی اور میرے لیے بھی صرف آج کے دن کچھ وقت کے لیے یہاں جہاد حلال قرار دیا گیا ہے اور آج پھر حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی۔ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ باتیں ان تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔''

ابوشریح سے پوچھا گیا کہ عمرو بن سعید نے یہ فرمان نبوی سن کر تمھیں کیا جواب دیا؟ انھوں نے کہا: انھوں نے مجھے یہ جواب دیا: ابوشریح! ان باتوں کا مجھے آپ سے زیادہ علم ہے، میں جانتا ہوں کہ حرم کسی نافرمان کو، کسی قاتل کو اور کسی تخریب کار کو پناہ نہیں دیتا۔[1] اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے مگر یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔

ان احادیث جن میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو اسی دن حرم قرار دے دیا تھا جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو وجود بخشا اور ان احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے جن میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا، اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے بارے میں لوگوں تک اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو پہنچایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرم قرار دے رکھا ہے۔ اور شہر مکہ حضرت ابراہیم کی تعمیر سے قبل بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں حرم رہا ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [إِنِّي عِنْدَاللّٰهِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَإِنَّ آدَمَ عليه السلام لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ......] ''میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر ابھی تک گوندھا ہوا تھا......''[2]

لیکن اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾ ''اے پروردگار! ان (لوگوں) میں انھی میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرما'' اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا، حالانکہ اس پیغمبر

---

[1] صحیح البخاري، جزاء الصید، باب لا یعضد شجرالحرم، حدیث:1832 و صحیح مسلم، الحج، باب تحریم مکة وتحریم صیدها......، حدیث:1354. [2] ماخوذ از مسند أحمد:127/4 (الموسوعة الحدیثیة:379/28) عن عرباض بن ساریة رضی اللہ عنہ.

کی بعثت تو اللہ تعالیٰ کے سابقہ علم کے مطابق یہاں مقدر تھی۔

اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ اپنے آغاز کے بارے میں کچھ فرمائیں تو آپ نے ارشاد فرمایا: [دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ ، وَبُشْرٰی عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ، وَرَأَتْ أُمِّي أَنَّهُ خَرَجَ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَ تْ لَهُ قُصُورُ الشَّامِ] ''میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی بشارت ہوں اور میری ماں نے یہ خواب دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک ایسا نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔''[1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ سوال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے آغاز کے بارے میں تھا جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آئے گا۔[2] إن شاء اللّٰه.

مکہ کے امن اور رزق کے لیے ابراہیم علیہ السلام کی دعا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے مکہ کے لیے یہ دعا بھی کی: ﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا ﴾ ''اے پروردگار! اس جگہ کو امن کا شہر بنا۔'' یعنی یہاں امن ہی امن ہو اور کوئی خوف نہ ہو جو یہاں کے رہنے والوں کے دامن گیر ہو، اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے مکہ کو شرعًا اور قدرًا امن، چین اور سکون کا گہوارہ بنا دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ﴾ (آل عمران 3:97) ''جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہوا، اس نے امن پا لیا۔'' اسی طرح فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ﴾ (العنكبوت 29:67) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو مقام امن بنایا ہے اور لوگ ان کے گرد و نواح سے اچک لیے جاتے ہیں۔'' علاوہ ازیں اور بھی کئی آیات میں یہ بات بیان کی گئی ہے، نیز مکہ میں جنگ و قتال کی حرمت کے بارے میں احادیث بھی قبل ازیں بیان کی جا چکی ہیں۔[3]

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [لَا يَحِلُّ لِأَحَدِكُمْ أَنْ يَّحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ] ''کسی کے لیے مکہ میں ہتھیار اٹھانا حلال نہیں ہے۔''[4]

اور اس سورت میں فرمایا ہے: ﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا ﴾ یعنی اس جگہ کو پر امن شہر بنا دے اور یہ دعا بہت مناسب تھی کیونکہ یہ تعمیر کعبہ سے قبل تھی (اور اس وقت بالکل غیر آباد وادی تھی۔) اور سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا ﴾ (إبراهيم 14:35) ''اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ میرے پروردگار! اس شہر کو (لوگوں کے لیے) امن کی جگہ بنا دے۔'' اور یہاں اس موقع پر یہی دعا مناسب تھی کیونکہ یہ دعا تعمیر کعبہ اور اہل و عیال کے رہائش پذیر ہونے حتی کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کے بھی بعد کی ہے جو کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے تیرہ برس چھوٹے تھے، اسی لیے تو اس

---

[1] المعجم الكبير للطبراني: 175/8، حديث: 7729 عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ. و مسند أحمد: 262/5 و سلسلة الأحاديث الصحيحة: 59/4، حديث: 1546,1545. [2] دیکھیے البقرة، آیت: 129 کے ذیل میں۔ [3] دیکھیے اسی آیت کے ذیل میں عنوان: ''حرمت مكة المكرمة'' کا ابتدائی حصہ۔ [4] صحيح مسلم، الحج، باب النهي عن حمل السلاح بمكة من غير حاجة، حديث: 1356.

دعا کے آخر میں یہ بھی فرمایا: ﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ وَہَبَ لِیۡ عَلَی الۡکِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ○ ﴾ (إبراھیم 14: 39) ''اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ کو بڑی عمر میں اسماعیل اور اسحاق بخشے۔ بے شک میرا پروردگار دعا سننے والا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ ارۡزُقۡ اَہۡلَہٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنۡ اٰمَنَ مِنۡہُمۡ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنۡ کَفَرَ فَاُمَتِّعُہٗ قَلِیۡلًا ثُمَّ اَضۡطَرُّہٗۤ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿126﴾ ﴾ ۔ ابن جریر نے اُبی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَ مَنۡ کَفَرَ فَاُمَتِّعُہٗ قَلِیۡلًا ثُمَّ اَضۡطَرُّہٗۤ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿126﴾ ﴾ ''جو کافر ہوگا میں اس کو بھی کسی قدر فائدہ دوں گا (مگر) پھر اس کو دوزخ کے (عذاب بھگتنے کے) لیے ناچار کردوں گا اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔'' یہ قولِ باری تعالیٰ ہے۔[1] مجاہد اور عکرمہ کا بھی یہی قول ہے۔[2] ابن ابو حاتم نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس دعا کو صرف مومنوں تک محدود رکھنا چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رزق تو میں کافروں کو بھی اسی طرح دوں گا جس طرح مومنوں کو دوں گا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں لوگوں کو پیدا تو کروں مگر انھیں رزق نہ دوں؟ میں کافروں کو بھی دنیا میں کسی قدر متمتع تو کروں گا مگر پھر انھیں عذاب بھگتنے کے لیے جہنم رسید کردوں گا جو بدترین ٹھکانا ہے۔[3] پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے درج ذیل آیت کریمہ پڑھی: ﴿ کُلًّا نُّمِدُّ ہٰۤؤُلَآءِ وَ ہٰۤؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّکَ ؕ وَ مَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّکَ مَحۡظُوۡرًا ○ ﴾ (بنی إسرآءیل 17: 20) ''ہم اِن کو اور اُن سب کو آپ کے پروردگار کی بخشش سے مدد دیتے ہیں اور آپ کے پروردگار کی بخشش (کسی سے) رکی ہوئی نہیں۔'' اسے ابن مردویہ نے روایت کیا ہے۔[4] عکرمہ اور مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[5]

یہ آیت اسی طرح ہے جیسے حسب ذیل آیات ہیں: ﴿ قُلۡ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ○ مَتَاعٌ فِی الدُّنۡیَا ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُہُمۡ ثُمَّ نُذِیۡقُہُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِیۡدَ بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ ○ ﴾ (یونس 10: 69،70) ''بلا شبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہیں پائیں گے۔ (ان کے لیے جو) فائدے ہیں دنیا میں (ہیں) پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، اس وقت ہم ان کو عذاب شدید (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ وہ کفر (کی باتیں) کیا کرتے تھے۔'' ﴿ وَ مَنۡ کَفَرَ فَلَا یَحۡزُنۡکَ کُفۡرُہٗ ؕ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُہُمۡ فَنُنَبِّئُہُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ○ نُمَتِّعُہُمۡ قَلِیۡلًا ثُمَّ نَضۡطَرُّہُمۡ اِلٰی عَذَابٍ غَلِیۡظٍ ○ ﴾ (لقمٰن 31: 23،24) ''اور جو کفر کرے تو اس کا کفر آپ کو غم ناک نہ کردے، ان کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے، پھر جو کام وہ کیا کرتے تھے ہم ان کو جتا دیں گے، بے شک اللہ دلوں کی باتوں سے واقف ہے۔ ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے، پھر عذاب شدید کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔''

اسی طرح: ﴿ وَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً لَّجَعَلۡنَا لِمَنۡ یَّکۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُیُوۡتِہِمۡ سُقُفًا مِّنۡ فِضَّۃٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَیۡہَا

[1] تفسیر الطبری:757/1 اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کا یہ قول دراصل اُن کے قول کی تردید ہے جو کہتے ہیں: ﴿ قَالَ وَ مَنۡ کَفَرَ ﴾ میں قائل ابراہیم علیہ السلام ہیں جو اللہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہیں اور ﴿ فَاُمَتِّعُہٗ ﴾ اور ﴿ اَضۡطَرُّہٗۤ ﴾ کو متکلم کے بجائے امر (دعا) کا صیغہ بناتے ہیں۔ صحیح قول یہ ہے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے۔ [2] تفسیر ابن أبی حاتم:230/1. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:229/1. [4] الدر المنثور:233/1. [5] تفسیر الطبری:757/1 و تفسیر ابن أبی حاتم:231/1 .

يَظْهَرُوْنَ ۝ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ۝ وَ زُخْرُفًا ؕ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ (الزُّخرُف 43:33-35) ''اور اگر یہ (خیال) نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی جماعت (کافر) ہو جائیں گے تو جو لوگ اللہ کا انکار کرتے ہیں ہم ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں (بھی) جن پر وہ چڑھتے۔ اور ان کے گھروں کے دروازے بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگاتے۔ اور سونے کے بنا دیتے، اور یہ سب دنیا کی زندگانی کا تھوڑا سا سامان ہے۔ اور آخرت آپ کے پروردگار کے ہاں پرہیز گاروں کے لیے ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں انسان کو تھوڑی مدت تک فائدہ پہنچانے کے بعد بالآخر اسے جہنم رسید کر دوں گا جو بدترین ٹھکانا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ انھیں تھوڑی مدت تک دنیا میں مہلت دینے کے بعد پھر اپنی سخت گرفت میں لے لیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ (الحج 22:48) ''اور بہت سی بستیاں ہیں کہ میں ان کو مہلت دیتا رہا اور وہ نافرمان تھیں، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''

صحیحین میں حدیث ہے: [مَا أَحَدٌ أَصْبَرَ عَلٰى أَذًى يَّسْمَعُهُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى، إِنَّهُمْ يَجْعَلُونَ لَهُ نِدًّا وَّ يَجْعَلُونَ لَهُ وَلَدًا وَّهُوَ مَعَ ذٰلِكَ يَرْزُقُهُمْ وَيُعَافِيهِمْ] ''تکلیف دہ بات کو سن کر اللہ سے بڑھ کر صبر کرنے والا اور کوئی نہیں ہے کہ لوگ اللہ کا شریک ٹھہراتے اور اس کا بیٹا بناتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ انھیں رزق عطا کرتا اور عافیت سے نوازتا ہے۔''[1]

صحیح بخاری ہی میں ایک اور حدیث ہے: [إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝ ﴾] (ھود 11:102) ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے رکھتا ہے حتی کہ جب اسے پکڑ لیتا ہے تو پھر اسے نہیں چھوڑتا۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: ''اور آپ کا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے۔ بے شک اس کی پکڑ بڑی دکھ دینے والی (اور) سخت ہے۔''[2]

تعمیر کعبہ اور اس کی قبولیت کی دعا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ ﴾ ''اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعا کیے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرما۔ بے شک تو ہی خوب سننے والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔ اے پروردگار! ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہنا۔ اور (پروردگار!) ہمیں ہمارے

[1] صحیح البخاري، الأدب، باب الصبر في الأذى، حدیث:6099 و صحیح مسلم، صفات المنافقین، باب في الکفار، حدیث:(50)-2804 واللفظ له عن أبي موسٰی رضی اللہ عنہ. [2] صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ ﴾ (ھود 11:102)، حدیث:4686 و صحیح مسلم، البر والصلة، باب تحریم الظلم، حدیث:2583 عن أبي موسٰی رضی اللہ عنہ.

طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما۔ بے شک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا بڑا مہربان ہے۔''

اس آیت میں ﴿ اَلْقَوَاعِدَ ﴾ کا لفظ قَاعِدَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی ستون اور بنیاد کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! اپنی قوم کے سامنے اس واقعے کو بیان کیجیے جب حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام تعمیر کعبہ کے وقت اس کی بنیادوں کو استوار کر رہے تھے تو ساتھ ساتھ یہ دعا بھی فرما رہے تھے: ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾.

قرطبی وغیرہ نے حضرت اُبیّ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ اس آیت کریمہ کی اس طرح قراءت کیا کرتے تھے: [وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيلُ وَيَقُولَانِ: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ][1] (وَيَقُولَانِ کے اضافے کے ساتھ۔) اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس کے بعد الفاظ یہ ہیں: ﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ﴾ ''اے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہنا۔'' وہ دونوں یہ عملِ صالح سرانجام دے رہے تھے مگر ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ اسے شرفِ قبولیت سے نوازے۔

ابن ابوحاتم نے وُہیب بن وَرْد سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی: ﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ ﴾ ''اور (یاد کرو) جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (اور دعا کر رہے تھے:) اے ہمارے رب! تو ہم سے یہ قبول کر لے۔'' اور رو پڑے اور کہنے لگے: اے خلیل الرحمٰن! آپ تو بیت الرحمٰن کی بنیادیں استوار فرما رہے ہیں پھر بھی ڈر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے عمل کو قبول نہیں فرمائے گا!![2]

یہ ایسے ہی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے خالص مومنوں کے حال کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا ﴾ (المؤمنون 23:60) ''اور جو لوگ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ بھی دیتے ہیں۔'' یعنی مومن جو بھی صدقات، خیرات اور قربانیاں کرتے ہیں اس کے باوجود بھی ﴿ وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ ﴾ ''ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں۔'' کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ قبول ہی نہ ہوں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے جو اپنی جگہ پر آگے آئے گا۔[3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عورتوں نے کمر کے پٹکے کا سب سے پہلے استعمال اسماعیل علیہ السلام کی والدہ سے سیکھا تھا۔ اور انھوں نے اسے اس لیے استعمال کیا تھا تاکہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے اپنے قدموں کے نشانات کو اوجھل رکھ سکیں۔[4] اور بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام انھیں اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو جبکہ وہ ابھی شیر خوار ہی تھے،

---

[1] تفسیر القرطبی:126/2. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:233/1. [3] دیکھیے المؤمنون، آیت:60 کے ذیل میں۔ [4] اس کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان کے ہاں اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو یہ چیز حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے لیے (بوجہ سوکناپہ) باعث غم ہوئی تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے وہاں سے چلے جانے کا پروگرام بنالیا اور کمر پر پٹکا باندھ لیا تاکہ وہ تیز رفتاری اختیار کر سکیں اور اپنا دامن لٹکا لیا تاکہ اس کے ذریعے سے قدموں کے نشان مٹتے جائیں اور حضرت سارہ کے لیے تعاقب کی گنجائش نہ رہے۔ دیکھیے فتح الباری:451/6، حدیث:3364 کے ذیل میں۔

اپنے ساتھ لے آئے اور انھیں بیت اللہ کے پاس دَوحہ کے قریب، زمزم کے اوپر مسجد کی بالائی جانب بٹھا دیا جبکہ مکہ میں ان دنوں کوئی نہ تھا، مکہ میں ان دنوں پانی بھی نہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کو وہاں بٹھا دیا اور ان کے پاس کھجوروں کی ایک تھیلی اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھ دیا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پلٹ کر جانے لگے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ بھی آپ کے پیچھے ہولیں اور کہنے لگیں: ابراہیم! آپ ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں جس میں نہ کوئی انسان ہے اور نہ کوئی اور چیز؟ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کئی بار یہ الفاظ کہے مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام پیچھے پلٹ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے، پھر انھوں نے کہا: کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، تو انھوں نے کہا کہ پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا، پھر وہ واپس آ گئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے رہے حتی کہ آپ جب گھاٹی کے پاس پہنچ گئے جہاں سے وہ انھیں دیکھ نہیں سکتے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام قبلہ رو ہوئے اور انھوں نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعائیں کیں: ﴿ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ○ ﴾ (إبراھیم 14:37) ''اے پروردگار! میں نے اپنی اولاد میدانِ (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لا بسائی ہے۔ اے پروردگار! تاکہ یہ نماز پڑھیں، تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو ہر قسم کے پھلوں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں۔''

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے انھیں دودھ پلانا شروع کر دیا اور خود اس پانی کو پیتی تھیں حتی کہ جب مشکیزے کا پانی ختم ہو گیا تو انھیں بھی پیاس لگ گئی اور ان کے بچے کو بھی، انھوں نے دیکھا کہ پیاس کی شدت سے بچہ مضطرب ہو رہا ہے تو ان سے بچے کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اور وہاں سے چل پڑیں حتی کہ قریبی پہاڑ صفا پر دوڑ کر چڑھ گئیں اور وادی میں ادھر ادھر دیکھنے لگیں تاکہ کسی کو دیکھ سکیں لیکن انھیں کوئی بھی نظر نہ آیا تو صفا سے نیچے اتریں اور وادی میں پہنچ گئیں اپنی چادر کے کونے کو اٹھایا اور مقدور بھر دوڑ کر وادی سے نکل گئیں، پھر مَروہ پر آئیں اور اس پر کھڑی ہو کر دیکھنے لگیں کہ شاید کوئی نظر آ جائے لیکن کوئی بھی نظر نہ آیا، انھوں نے سات بار اسی طرح کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فَلِذٰلِكَ سَعَى النَّاسُ بَيْنَهُمَا] ''اسی وجہ سے لوگ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔''[1]

اسی طرح دوڑتے دوڑتے جب وہ مروہ پر چڑھیں تو ایک آواز سنی اور اپنے آپ سے کہا کہ خاموش ہو جاؤ، انھوں نے آواز پر کان لگائے تو پھر بھی آواز سنی اور کہا کہ تم نے آواز تو سنا دی اگر تمھارے پاس کچھ ہے تو مدد کرو تو انھوں نے دیکھا کہ زمزم کی جگہ پر ایک فرشتہ ہے جس نے اپنی ایڑی یا پر کو مارا تو پانی نکل آیا تو ام اسماعیل نے اپنے ہاتھ کے ساتھ اس کے ارد گرد منڈیر سی بنانی شروع کر دی اور مشکیزے کو پانی سے بھرنا شروع کر دیا۔ مشکیزہ بھر جانے کے بعد بھی پانی بڑے جوش سے پھوٹ

[1] صحیح بخاری میں [فَذٰلِكَ سَعْيُ النَّاسِ بَيْنَهُمَا] ہے جبکہ مذکورہ بالا الفاظ مصنف عبدالرزاق کی روایت کے مطابق ہیں، دیکھیے المناسك، باب بنیان الکعبة:5/106، حدیث:9107.

رہا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما جو راوی ہیں بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

[يَرْحَمُ اللّٰهُ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ ۔ أَوْ قَالَ: لَوْ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ ۔ لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَّعِينًا]

''اللہ تعالیٰ ام اسماعیل پر رحم فرمائے اگر وہ زمزم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں یا آپ نے یہ فرمایا کہ اگر پانی سے مشکیزے کو نہ بھرتیں تو زمزم ایک رواں چشمے کی صورت اختیار کر جاتا۔'' آپ نے فرمایا کہ پھر انھوں نے خود بھی اس کو پیا اور اپنے بچے کو بھی پلایا اور فرشتے نے ان سے کہا کہ کسی قسم کے نقصان سے نہ ڈرو، یہاں تو اللہ تعالیٰ کا ایک گھر ہے جسے یہ بچہ اور اس کا باپ تعمیر کرے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے اس گھر والوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ اور اس وقت بیت اللہ ٹیلے کی طرح زمین سے مرتفع تھا سیلاب آتے تو اس کے دائیں بائیں طرف سے نکل جاتے تھے۔

انھی حالات میں کَدَاء کے راستے سے آتے ہوئے یہاں سے قبیلہ جُرہم کے ایک قافلے کا گزر ہوا جو مکہ کے زیریں علاقے میں فروکش ہو گیا۔ انھوں نے ایک پرندے کو چکر لگاتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ پرندہ تو پانی پر چکر لگا رہا ہے، حالانکہ ہم اس وادی سے خوب واقف ہیں کہ یہاں پانی نہیں ہے، انھوں نے صورت حال معلوم کرنے کے لیے ایک یا دو آدمیوں کو بھیجا تو انھوں نے دیکھا کہ یہاں تو پانی موجود ہے، انھوں نے واپس جا کر جب قافلے والوں کو اس کی خبر دی تو وہ سب لوگ یہاں آ گئے، اس وقت ام اسماعیل پانی کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں، انھوں نے کہا: کیا آپ اجازت دیں گی کہ ہم بھی آپ کے پاس فروکش ہو جائیں؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! لیکن پانی پر تمھارا قبضہ نہیں ہوگا، انھوں نے کہا کہ ہمیں آپ کی یہ شرط منظور ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فَأَلْفٰى ذٰلِكَ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ وَهِيَ تُحِبُّ الْأُنْسَ] ''چنانچہ قبیلہ جرہم نے ام اسماعیل کو الفت پسند پایا۔'' پھر یہ لوگ یہاں آباد ہو گئے تو انھوں نے خاندان کے باقی افراد کو بھی یہاں بلا لیا حتی کہ یہاں ان کے کئی گھر آباد ہو گئے۔ حضرت اسماعیل جوان ہوئے تو آپ نے ان سے عربی زبان سیکھی، جوانی کے عالم میں آپ انھیں نہایت اچھے لگتے تھے حتی کہ انھوں نے اپنے خاندان کی ایک عورت سے شادی بھی کر دی، پھر کچھ عرصے بعد حضرت اسماعیل کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔

شادی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے اہل و عیال کو دیکھنے آئے تو اس وقت حضرت اسماعیل گھر پر نہ تھے، ان کی بیوی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ ہمارے لیے شکار وغیرہ لانے گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ تمھاری گزر بسر کیسے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بہت برا حال ہے، ہم نہایت تنگی ترشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، الغرض کہ اس نے شکوہ کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جب تیرا شوہر گھر آئے تو اسے میرا اسلام کہنا اور یہ پیغام دے دینا کہ وہ اپنے دروازے کی دہلیز کو بدل دے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب گھر آئے تو انھوں نے گھر کے ماحول کو کچھ خوش گوار سا پایا اور فرمایا: کیا تمھارے پاس کوئی آیا تھا؟ اس نے کہا: جی ہاں! ایک بوڑھا آیا تھا جس کا اس طرح کا حلیہ تھا اور اس نے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے اسے بتا دیا، پھر اس نے یہ بھی پوچھا کہ ہماری گزر بسر کیسے ہے؟ تو میں نے اسے بتایا کہ ہم نہایت تنگی ترشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا: کیا انھوں نے کوئی پیغام بھی دیا؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! آپ کو سلام کہتے تھے اور یہ پیغام دیتے تھے کہ اپنے دروازے کی دہلیز کو بدل دیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو میرے ابا جان تھے اور آپ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تجھ سے علیحدگی اختیار کرلوں، لہٰذا جاؤ اپنے والدین کے گھر چلی جاؤ۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اسے طلاق دے دی، پھر اسی خاندان کی ایک دوسری خاتون سے شادی کر لی۔

کچھ عرصے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر ملاقات کے لیے تشریف لائے تو پھر بھی حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ملاقات نہ ہوئی، اسماعیل علیہ السلام کی بیوی سے آپ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ ہمارے لیے شکار کرنے گئے ہیں۔ آپ نے پوچھا: تمھارا کیا حال ہے؟ گزر بسر کیسی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہم خیر و عافیت سے ہیں اور اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی۔ حضرت ابراہیم نے پوچھا: تم کیا کھاتے ہو؟ اس نے جواب دیا: گوشت، فرمایا: کیا پیتے ہو؟ اس نے جواب دیا: پانی، آپ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! ان کے لیے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔

نبی ﷺ نے فرمایا: [وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ يَوْمَئِذٍ حَبٌّ، وَّلَوْ كَانَ لَهُمْ دَعَا لَهُمْ فِيهِ ، قَالَ فَهُمَا لَا يَخْلُو عَلَيْهِمَا أَحَدٌ بِغَيْرِ مَكَّةَ إِلَّا لَمْ يُوَافِقَاهُ] ''ان دنوں ان کے پاس دانے نہیں تھے ورنہ آپ دانوں میں برکت کی دعا بھی فرماتے، نیز آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی برکت ہے کہ یہاں صرف گوشت اور پانی پر گزارہ ہو جاتا ہے ورنہ مکہ کے علاوہ کوئی اور جگہ ایسی نہیں جہاں صرف ان دونوں چیزوں پر گزارہ ہو سکے۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جب تمھارا شوہر واپس آئے تو اسے میرا سلام کہنا اور یہ پیغام دینا کہ اپنے دروازے کی دہلیز کو باقی رہنے دو۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام گھر آئے تو انھوں نے بیوی سے پوچھا: کیا تمھارے پاس کوئی آیا تھا؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! ایک نہایت خوبصورت شکل وصورت کے بزرگ تشریف لائے تھے اور انھوں نے آپ کے بارے میں پوچھا تو میں نے انھیں بتا دیا تھا، پھر انھوں نے مجھ سے گزر بسر کے متعلق پوچھا تو میں نے بتایا کہ ہم خیریت سے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا: کوئی پیغام تو نہیں دے گئے؟ اس نے جواب دیا: ہاں، وہ آپ کو سلام کہتے تھے اور پیغام یہ دیتے تھے کہ اپنے دروازے کی دہلیز کو باقی رکھنا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا: یہ تو میرے ابا جان تھے اور دہلیز سے مراد تو ہے، آپ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تجھے اپنے پاس ہی رکھوں۔

کچھ عرصہ گزرا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ملاقات کے لیے پھر تشریف لائے تو اس وقت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب، بڑے درخت کے نیچے اپنے تیر درست کر رہے تھے، انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور دونوں نے پیار محبت کا اس طرح مظاہرہ کیا جس طرح باپ اور بیٹا آپس میں کرتے ہیں۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمانے لگے: اسماعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے۔ اسماعیل علیہ السلام نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کیجیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: کیا آپ بھی تعاون کریں گے؟ حضرت اسماعیل

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تعمیر کعبہ



کُوثیٰ (عراق) سے بیت المقدس اور مکہ مکرمہ تک سفر

قریباً 1800 ق م

کُوثیٰ بابل کے شمال مشرق میں تقریباً پچیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کُوثیٰ میں پیدا ہوئے اور وہیں انھیں آگ میں ڈالا گیا، چنانچہ ایک روایت کے مطابق حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ قادسیہ اور بابل کی فتح کے بعد کُوثیٰ گئے اور وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا اور یہ آیت پڑھی: ﴿ تلك الايام نداولها ...... ﴾ (معجم البلدان: 4/487، 488) حضرت ابراہیم علیہ السلام کُوثیٰ سے ہجرت کر کے اُور، بابل اور حران سے ہوتے ہوئے فلسطین پہنچے۔ ان کی وفات الخلیل میں ہوئی۔

علیہ السلام نے جواب دیا: میں بھی ضرور تعاون کروں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بلند ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہاں ایک گھر بناؤں، چنانچہ دونوں نے مل کر اللہ تعالیٰ کے گھر کی بنیادوں کو استوار کر دیا حضرت اسماعیل پتھر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم گھر بناتے تھے حتی کہ جب عمارت بلند ہوگئی تو حضرت اسماعیل نے یہ پتھر لا کر رکھ دیا اور حضرت ابراہیم اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام کرنے لگے حضرت اسماعیل بدستور پتھر پکڑاتے جاتے تھے اور وہ دونوں ساتھ ساتھ بیک زبان یہ بھی کہہ رہے تھے: ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝١٢٧ ﴾ ''اے پروردگار! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل بیت اللہ کو تعمیر کرتے وقت بھی اس کے ارد گرد گھوم رہے تھے اور زبان سے ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہے تھے: ﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّاؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝١٢٧ ﴾ [1]

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پانچ سال پہلے قریش کا کعبے کو دوبارہ تعمیر کرنا: کعبے کی اس تعمیر کے وقت رسول اللہ ﷺ نے بھی پتھر اٹھائے، اس وقت آپ کی عمر مبارک پینتیس برس تھی۔ محمد بن اسحاق بن یسار نے ''سیرت ابن ہشام'' میں بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک کا پینتیسواں سال تھا تو قریش نے تعمیر کعبہ کا فیصلہ کیا، قریش بیت اللہ کی دیواروں پر چھت ڈالنا چاہتے تھے لیکن وہ پہلی عمارت کو منہدم کرنے سے بھی ڈرتے تھے اس سے پہلے عمارت کی شکل یہ تھی کہ انسانی قامت کے برابر دیواریں تھیں جن پر بڑے بڑے پتھر اوپر تلے رکھے ہوئے تھے۔

قریش چاہتے تھے کہ دیواروں کو اونچا بھی کر دیں، پھر ان کے اوپر چھت بھی ڈال دیں کیونکہ کچھ لوگوں نے کعبے کے خزانے کو چرا لیا تھا جو کہ جوف کعبہ کے کنویں میں تھا جس شخص سے یہ خزانہ برآمد ہوا اس کا نام دُوَیک تھا جو بنی مُلَیح بن عمرو کا مولیٰ تھا جو کہ خاندان خُزاعہ سے تھا، قریش نے اس شخص کے ہاتھ کو کاٹ دیا تھا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے خود دُوَیک نے یہ خزانہ نہیں چرایا تھا بلکہ چوروں نے اسے دویک کے پاس رکھ دیا تھا۔ قریش نے کعبے کی تعمیر نو کا جو فیصلہ کیا، اسے چند اتفاقات سے مزید تقویت نصیب ہوئی، ایک تو یہ کہ انھی دنوں ایک رومی تاجر کا جہاز جو جُدّہ کے پاس سے گزر رہا تھا، سمندر میں زبردست طغیانی کے باعث خشکی پر چڑھ آیا اور ٹوٹ گیا، مکہ والوں کو جب اس واقعے کی خبر ہوئی تو انھوں نے جہاز کی لکڑی خرید لی اور اسے چھت کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ مکہ میں رہنے والے ایک قِبطی نجار نے اس لکڑی کو چھت میں استعمال ہونے کے قابل بنا لیا۔

ایک نیک فال یہ پیش آئی کہ کعبے کے تمام چڑھاوے اور نذریں لوگ حفاظت کے لیے کعبے کے جس کنویں میں ڈال دیا کرتے تھے، اس میں ایک بہت بڑا سانپ تھا، لوگ اس سے بہت دہشت زدہ تھے جب بھی کوئی اس کے قریب جاتا تو وہ بلند ہو ہو جاتا، منہ کھول لیتا اور آوازیں نکالنے لگ جاتا۔ ایک دن وہ اژدہا کعبے کی دیوار پر دھوپ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] صحیح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ ﴾، حديث: 3364 والمصنف لعبدالرزاق، المناسك، باب بنيان الكعبة: 105/5، حديث: 9107 ومسند أحمد: 347/1 .

ایک پرندہ بھیجا جو اسے اٹھا کر لے گیا، یہ منظر دیکھ کر قریشی پکار اٹھے: ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام سے راضی ہے جس کا ہم نے ارادہ کیا ہے، ہمارے پاس ایک معمار دوست ہے، لکڑی بھی مہیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے سانپ سے بھی بچا لیا ہے۔

بہر حال جب تمام رؤسائے قریش کعبے کے انہدام اور تعمیر نو پر متفق ہو گئے تو ابو وہب بن عمرو بن عائذ بن عبد بن عمران بن مخزوم نے کعبے کے ایک پتھر کو پکڑا تو وہ ہاتھ سے گر کر اپنی جگہ پر چلا گیا تو انھوں نے قریشیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: اے سردارانِ قریش! تعمیر کعبہ میں جو کچھ بھی خرچ کیا جائے، وہ کسب حلال سے ہو، زنا، سود اور ظلم کا ایک پیسہ بھی اس میں شامل نہ ہو۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے اس کلام کو ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کی طرف منسوب کیا ہے۔[1]

تعمیر کعبہ میں شرکت کی سعادت کے لیے تعمیری امور مختلف قبائل میں تقسیم کر دیے گئے، دروازے کے جانب کی تعمیر عبد مناف اور زُہرہ کے حصے میں آئی، حجر اسود اور رکن یمانی کا درمیانی حصہ بنی مخزوم اور قریش کے بعض دیگر قبائل کے حصے میں آیا، بیت اللہ کی پشت بنی جمح اور سَہم کے حصے میں آئی اور ''حطیم'' بنی عبدالدار بن قُصَی، بنی اسد بن عبدالعزی بن قُصَی اور بنی عدی بن کعب بن لُؤیّ کے حصے میں آیا۔

قدیم عمارت کے انہدام کے وقت پھر سب لوگ ڈر گئے بالآخر ولید بن مغیرہ نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کدال سے کعبے کی دیواروں کو گرانا شروع کر دیا، ولید کدال چلاتا جاتا تھا اور ساتھ ہی یہ دعا بھی کرتا جاتا تھا: اے اللہ! ہمیں خوف زدہ نہ کر، ہم اچھا کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ولید نے حجر اسود اور رکن یمانی کی طرف سے عمارت کو منہدم کرنا شروع کیا تو لوگوں نے ولید کا شریک کار بننے کے لیے ایک رات تک انتظار کرنا مناسب سمجھا اور فیصلہ یہ کیا کہ اگر ولید پر کوئی آفت نازل ہوئی تو ہم کچھ نہیں گرائیں گے بلکہ ولید کے گرائے ہوئے حصے کو بھی اسی طرح اصل کے مطابق بنا دیں گے۔ بصورت دیگر اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس کام سے راضی ہے۔ دوسری صبح ولید جب ہاتھ میں کدال اٹھائے صحیح سلامت بیت اللہ شریف میں داخل ہوا تو دیگر سب لوگ بھی اس کار خیر میں شریک ہو گئے۔

اہل مکہ نے بنیادوں کی اتنی گہرائی تک کھدائی کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رکھی ہوئی بنیادیں نمودار ہو گئیں جو کہ سبز رنگ کے پتھروں پر مشتمل تھیں، اور وہ پتھر دندانوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ پیوست تھے۔ ابن ہشام کہتے ہیں مجھ سے یہ بیان کرنے والوں میں سے کسی نے بتایا ہے کہ قریش میں سے ایک آدمی نے جب ان پتھروں میں ان کو جدا کرنے کے لیے پھاوڑا داخل کیا کہ وہ انھیں جدا کر دے تو اس قدر زور دار دھماکہ ہوا جس سے تمام مکہ لرز اٹھا۔ انھوں نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ سمجھ کر آگے کھدائی کا کام بند کر دیا اور انھی بنیادوں پر تعمیر کا کام شروع کر دیا۔[2]

حجر اسود رکھنے کے بارے میں جھگڑا اور رسول اللہ ﷺ کا عادلانہ فیصلہ: ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ تعمیر کعبہ کے

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام، حديث بنيان الكعبة وحكم رسول اللهﷺ:192/1. [2] السيرة النبوية لابن هشام، بنيان الكعبة، الوليد بن المغيرة وهدم الكعبة......:195/1.

لیے ہر قبیلے نے الگ الگ پتھر جمع کیے حتی کہ جب کعبے کی دیواریں اٹھ گئیں اور حجر اسود کی تنصیب کا وقت آیا تو ہر قبیلہ یہ شرف حاصل کرنا چاہتا تھا کہ وہ اسے اس کی جگہ پر نصب کرے، بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گئی کہ تلواریں بے نیام ہوگئیں۔ بنوعبدالدار اور بنوعدی بن کعب بن لُوَیّ نے عرب کے دستور کے مطابق خون سے بھرے ہوئے پیالے میں اپنی انگلیاں ڈبو لیں۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ ہم کعبے کی دیوار میں حجر اسود نصب کر کے رہیں گے یا پھر لڑ کر جان دے دیں گے۔ چار پانچ روز اسی کشمکش میں گزر گئے۔

پھر مسجد حرام میں جمع ہو کر وہ مشورہ کرنے لگے تاکہ جھگڑے کا فیصلہ کیا جا سکے۔ آخر کار بعض اہل روایت کے بقول ابوامیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم نے جو اس وقت قریش میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھا، یہ تجویز پیش کی کہ اے قریش! جو شخص سب سے پہلے مسجد الحرام کے دروازے (باب بنی شیبہ) سے داخل ہو، اسی کو حَکَم مان لیا جائے اور جو وہ فیصلہ کرے سب اسے تسلیم کرلیں۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ مسجد میں سب سے پہلے داخل ہونے والے رسول اللہ ﷺ ہیں تو آپ کو دیکھتے ہی سب بیک زبان پکار اٹھے: یہ تو امین ہیں، یہ محمد ہیں، ہم آپ کو حَکَم بنانے پر راضی ہیں۔

جب آپ کو ساری صورت حال بتائی گئی تو آپ نے فرمایا: [هَلُمَّ إِلَيَّ ثَوْبًا] ''میرے پاس ایک چادر لاؤ۔'' چادر لائی گئی تو آپ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اس میں رکھ دیا اور فرمایا: [لِتَأْخُذْ كُلُّ قَبِيلَةٍ بِنَاحِيَةٍ مِّنَ الثَّوْبِ ، ثُمَّ ارْفَعُوهُ جَمِيعًا] ''تمام قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی چادر کے کونے کو تھام لے، پھر سب مل کر اسے اٹھائیں۔'' جب سب نے مل کر اٹھایا اور حجر اسود اپنے مقام پر پہنچ گیا تو آپ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو نصب فرما دیا، پھر اس کے اوپر دیوار بنائی گئی۔ یاد رہے وحی کے نزول سے قبل قریش رسول اللہ ﷺ کو امین کے نام سے پکارتے تھے۔

جب قریش تعمیر کعبہ سے فارغ ہوگئے اور انھوں نے اپنی مرضی کے مطابق اسے بنا دیا تو زبیر بن عبدالمطلب نے درج ذیل اشعار کہے جن میں انھوں نے اس سانپ کا بھی ذکر کیا ہے جس سے قریش ڈرتے تھے ؎

عَجِبْتُ لَمَّا تَصَوَّبَتِ الْعُقَابُ إِلَى الثُّعْبَانِ وَهِيَ لَهَا اضْطِرَابُ

''جب عقاب سانپ کی طرف اتر آیا تو مجھے اس سے تعجب ہوا کیونکہ عقاب تو سانپ سے ڈرتا ہے۔''

وَقَدْ كَانَتْ يَكُونُ لَهَا كَشِيشٌ وَّأَحْيَانًا يَّكُونُ لَهَا وِثَابٌ

''اور اس سانپ کی کھال سے کبھی تو ایک خاص قسم کی آواز نکلا کرتی تھی اور کبھی وہ حملہ ہی کر دیا کرتا تھا۔''

إِذَا قُمْنَا إِلَى التَّأْسِيسِ شَدَّتْ تُهَيِّبُنَا الْبِنَاءَ وَقَدْ تُهَابُ

''جب کعبے کی تعمیر نو کے لیے ہم اٹھتے تو سانپ ہمیں ڈرانے کے لیے اس عمارت پر سے حملہ کرتا اور خود بھی ڈرتا تھا۔''

فَلَمَّا أَنْ خَشِينَا الزَّجْرَ جَاءَتْ عُقَابٌ تَتْلَئِبُّ لَهَا انْصِبَابٌ

''جب ہم اس کی طرف سے تکلیف ونقصان سے ڈر گئے تو ایک عقاب آیا جو خاص اسی مقصد کے لیے نازل ہوا تھا۔''

فَضَمَّتْهَا إِلَيْهَا ثُمَّ خَلَتْ لَنَا الْبُنْيَانُ لَيْسَ لَهُ حِجَابُ

''اس (عقاب) نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا، پھر اس سے ہمارے لیے کعبے کی عمارت خالی ہوگئی اور اب کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔''

فَقُمْنَا حَاشِدِينَ إِلَى بِنَاءٍ لَّنَا مِنْهُ الْقَوَاعِدُ وَالتُّرَابُ

''ہم سب کے سب متفقہ طور پر جلد تعمیر کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اس کی بنیادوں اور مٹی کا کام ہمارے ہی ذمے تھا۔''

غَدَاةَ نَرْفَعُ التَّأْسِيسَ مِنْهُ وَلَيْسَ عَلَى مُسَوِّينَا ثِيَابُ

''اس دن جبکہ ہم کعبے کی بنیاد اونچی کر رہے تھے اور ہم میں سے کام کرنے والوں کے جسم پر کپڑے بھی نہ تھے۔''

أَعَزَّ بِهِ الْمَلِيكُ بَنِي لُؤَيٍّ فَلَيْسَ لِأَصْلِهِ مِنْهُمْ ذَهَابُ

''اللہ تعالیٰ نے اس (مقدس کام) کی وجہ سے بنی لوی کو اعزاز بخشا کہ یہ اعزاز کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔''

وَقَدْ حَشَدَتْ هُنَاكَ بَنُو عَدِيٍّ وَّمُرَّةُ قَدْ تَقَدَّمَهَا كِلَابُ

''اس جگہ بنی عدی بھی جمع تھے جو کام میں سرگرم عمل تھے اور بنی مرّہ بھی لیکن کلاب تو سب سے پیش پیش تھے۔''

فَبَوَّأَنَا الْمَلِيكُ بِذَاكَ عِزًّا وَّعِنْدَ اللّٰهِ يُلْتَمَسُ الثَّوَابُ

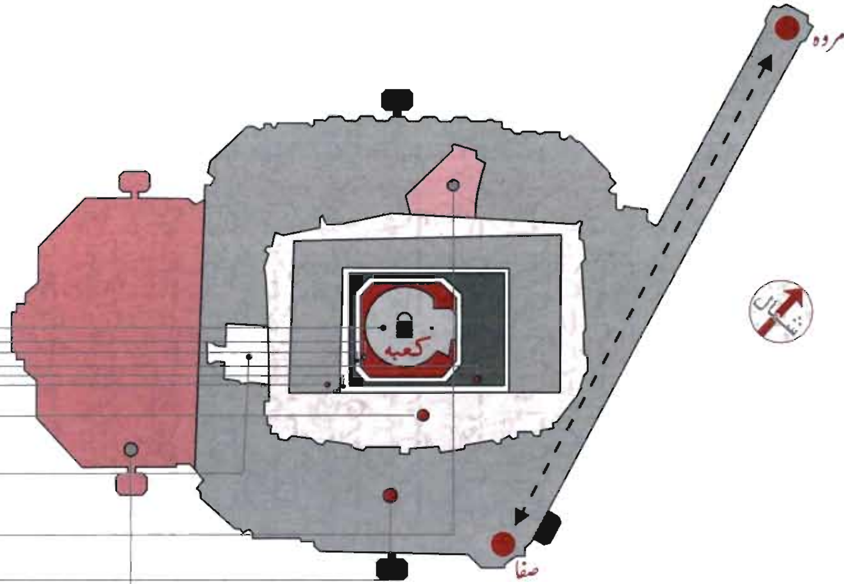
''اس مقدس کام کی وجہ سے اللہ بادشاہ نے ہمیں عزت سے سرفراز فرمایا اور اجر وثواب بھی اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کیا جاتا ہے۔''[1]

ابنِ زبیر رضی اللہ عنہما اور تعمیر کعبہ: ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ کعبہ نبی ﷺ کے عہد میں اٹھارہ ہاتھ تھا اور اسے کتّان کے کپڑے کا غلاف پہنایا جاتا تھا، پھر یمنی چادروں کا غلاف شروع کیا گیا، ریشمی غلاف سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے پہنایا تھا۔[2] کعبہ تعمیر قریش ہی کے مطابق تھا حتی کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی امارت کے شروع میں 60ھ کے بعد یزید بن معاویہ کی حکومت کے آخری دنوں میں کعبہ اس وقت جل گیا جب ابن زبیر کا محاصرہ کرلیا گیا تھا۔ جلنے کی وجہ سے ابن زبیر نے تعمیر کے لیے زمین میں نیچے تک کھدائی کی، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں سے تعمیر کو اٹھایا۔ حِجر کو بھی عمارت میں شامل کرلیا اور زمین کے برابر مشرقی اور مغربی جانب دو دروازے بنا دیے جیسا کہ انھوں نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کی بیت اللہ کو اس طرح تعمیر کرنے کی خواہش تھی۔[3] ابن زبیر کے دور امارت میں کعبے کی عمارت اسی طرح رہی حتی کہ ابن زبیر کو حجاج نے شہید کردیا اور عبدالملک بن مروان کے حکم سے کعبے کی عمارت کو پھر اسی طرح بنا دیا جس طرح پہلے تھی۔

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام، بنيان الكعبة......، إشارة أبي أمية......:198/1. [2] السيرة النبوية لابن هشام، بنيان الكعبة، ارتفاع الكعبة وأوّل من كساها الديباج:198/1. [3] حضرت عائشہ کی یہی روایت چند سطور بعد ملاحظہ فرمائیے۔

● کوہ صفا سے کوہ مروہ تک سعی کی جگہ جو ملک سعود کی توسیع کے وقت مسجد حرام میں شامل کر دی گئی۔



① تعمیر قریشِ مکہ 604ء/605ء
② توسیع عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ 17ھ/639ء
③ توسیع عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ 26ھ/648ء
④ توسیع عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما 65ھ/685ء
⑤ ولید بن عبدالملک اُموی 91ھ/709ء
⑥ توسیع ابوجعفر منصور عباسی 137ھ/754ء
⑦ توسیع محمد مہدی عباسی 160ھ/777ء
⑧ توسیع معتضد باللہ عباسی 284ھ/897ء
⑨ توسیع مقتدر باللہ عباسی 306ھ/918ء
⑩ توسیع ملک سعود بن عبدالعزیز آل سعود 1375ھ/1955ء (گزشتہ تمام توسیعات سے 6 گنا زیادہ)
⑪ توسیع خادم الحرمین الشریفین فہد بن عبدالعزیز 1409ھ/1988ء

الحمدللہ توسیع کا یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔

مسجد حرام کی مرحلہ وار توسیع (تاریخ کے آئینے میں)

(سعودی عہد کی مجموعی توسیع سے گزشتہ تمام توسیعات کی نسبت رقبہ 9 گنا ہو گیا ہے جبکہ مقتدر باللہ کی توسیع کے بعد 1069 برس تک کوئی توسیع نہیں ہوئی تھی۔)

امام مسلم نے اپنی صحیح میں عطاء سے روایت کیا ہے کہ اہل شام کی لڑائی کی وجہ سے جب یزید بن معاویہ کے زمانے میں بیت اللہ جل گیا تو ابن زبیر نے موسم حج کے آنے تک عمارت کو اسی طرح رہنے دیا، آپ درحقیقت مسلمانوں کو اہل شام کے خلاف بھڑکانا چاہتے تھے،لوگ جب حج کے لیے آئے تو آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ کعبے کی ساری عمارت کو منہدم کر کے دوبارہ بنایا جائے یا صرف متأثرہ حصوں کی مرمت کروادی جائے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ صرف متأثرہ حصوں کی مرمت کروادیں اور بیت اللہ کو اسی حالت اور انھی پتھروں پر باقی رہنے دیں جن پر لوگوں نے اسلام کو قبول کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے یہ سن کر کہا کہ اگر کسی کا گھر جل جائے تو وہ اس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک وہ اسے نیا نہ بنالے تو اللہ عزوجل کے گھر کو نیا کیوں نہ بنایا جائے؟ اس لیے میں پہلے تین بار استخارہ کروں گا، پھر کوئی پروگرام بناؤں گا۔

جب تین دن گزر گئے تو انھوں نے یہ رائے قائم کی کہ ساری عمارت کو گرادیں لیکن لوگ اس بات سے ڈر محسوس کرنے لگے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو شخص سب سے پہلے عمارت پر چڑھے تو اس پر آسمان سے کوئی مصیبت نازل ہو جائے حتی کہ ایک آدمی عمارت پر چڑھ گیا اور اس نے ایک پتھر کو الگ کیا اور لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ اسے کچھ نہیں ہوا تو وہ بھی اس کام میں شریک ہو گئے اور انھوں نے ساری عمارت کو گرا کر زمین کے برابر کر دیا۔ ابن زبیر نے ستون بنا کر ان پر پردے ڈال دیے حتی کہ عمارت بلند ہو گئی۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَوْلَا أَنَّ النَّاسَ حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ بِكُفْرٍ ، وَّلَيْسَ عِنْدِي مِنَ النَّفَقَةِ مَا يُقَوِّينِي عَلٰى بِنَائِهٖ لَكُنْتُ أُدْخَلْتُ فِيهِ مِنَ الْحِجْرِ خَمْسَةَ أَذْرُعٍ ، وَّلَجَعَلْتُ لَهَا بَابًا يَّدْخُلُ النَّاسُ مِنْهُ ، وَبَابًا يَّخْرُجُونَ مِنْهُ] ”اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگوں نے کفر کو نیا نیا خیر باد کہا ہے، اور میرے پاس تعمیر کعبہ کے لیے خرچ بھی نہیں، تو میں حجر (حطیم) سے پانچ ہاتھ جگہ بھی بیت اللہ میں داخل کر دیتا اور ایک دروازہ لوگوں کے داخل ہونے اور ایک دروازہ باہر نکلنے کے لیے بنا دیتا۔“

ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میرے پاس تو خرچ بھی موجود ہے اور میں لوگوں سے بھی نہیں ڈرتا، لہٰذا انھوں نے حجر سے پانچ ہاتھ جگہ بھی اس میں شامل کر دی۔ پھر اس قدر کھدائی کی کہ آخری بنیاد بھی لوگوں کو نظر آنے لگی تو اس بنیاد پر عمارت استوار کی گئی۔ کعبے کی بلندی پہلے اٹھارہ ہاتھ تھی، جب انھوں نے عمارت میں اضافہ کیا تو اس بلندی کو کم سمجھا اور اس میں دس ہاتھ کا اضافہ کر دیا اور دو دروازے بھی بنا دیے جن میں سے ایک اندر آنے اور دوسرا باہر جانے کے لیے تھا۔

جب ابن زبیر رضی اللہ عنہما شہید ہو گئے تو حجاج نے عبدالملک کو خط لکھا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایسی بنیاد پر عمارت کو قائم کیا تھا جس کو مکہ کے عادل لوگوں نے دیکھا تھا تو عبدالملک نے جواب میں لکھا کہ ابن زبیر کی اس برائی [1] میں ہم شریک نہیں ہو سکتے، لہٰذا اس نے کعبہ کے بلندی میں جو اضافہ کیا ہے، اسے تو باقی رہنے دو۔ ہاں، البتہ حجر کا جو حصہ اس نے شامل کیا ہے تو اسے ختم کر دو

[1] یعنی حجر کی جانب جو اضافہ کیا ہے۔

اور جو اس نے ایک نیا دروازہ کھولا ہے اسے بھی بند کر دو، لہٰذا حجاج نے اس کو گرا کر اسے از سرِ نو تعمیر کروایا۔[1] امام نسائی نے بھی اپنی سنن میں مذکورہ بالا حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع روایت کیا ہے لیکن مذکورہ بالا قصہ بیان نہیں کیا۔[2]

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے اس فعل کو حدیث سے تائید حاصل تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی خواہش کا اظہار فرمایا تھا لیکن آپ نے اس خوف کے پیش نظر اس خواہش کو عملی جامہ نہ پہنایا کہ ان لوگوں کے دل اسے پسند نہیں کریں گے جو نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں اور کفر کو ابھی ابھی خیر باد کہہ کر آئے ہیں لیکن عبدالملک بن مروان کو اس حدیث کا علم نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ جب اسے تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ عمل تو اس حدیث کے مطابق ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے تو کہنے لگا کہ اے کاش! ہم اسے اسی طرح باقی رہنے دیتے جس طرح ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے تعمیر کروایا تھا۔

جیسا کہ امام مسلم نے عبداللہ بن عبید سے روایت کیا ہے کہ حارث بن عبداللہ جب عبدالملک بن مروان کے پاس اس کے دورِ خلافت میں آیا تو عبدالملک نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ ابن زبیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایسی کسی حدیث کو نہیں سنا ہوگا؟ حارث نے کہا: کیوں نہیں! اس حدیث کو تو میں نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے۔ عبدالملک نے پوچھا کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا سنا ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے آپ سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ قَوْمَكِ اسْتَقْصَرُوا مِنْ بُنْيَانِ الْبَيْتِ ، وَلَوْلَا حَدَاثَةُ عَهْدِهِمْ بِالشِّرْكِ أَعَدْتُ مَا تَرَكُوا مِنْهُ ، فَإِنْ بَدَا لِقَوْمِكِ مِنْ بَعْدِي أَنْ يَبْنُوهُ فَهَلُمِّي لِأُرِيكِ مَا تَرَكُوا مِنْهُ] ’’عائشہ! تمھاری قوم نے کعبے کی عمارت کو چھوٹا کر دیا تھا، اگر یہ لوگ نئے نئے شرک کو خیر باد کہہ کر نہ آئے ہوتے تو میری خواہش تھی کہ عمارت کے جس حصے کو انھوں نے ترک کیا تھا میں اسے بھی اصل عمارت میں شامل کر دیتا، لہٰذا تیری قوم اگر میرے بعد اسے اسی طرح تعمیر کرنا چاہے تو آ میں تجھ کو وہ حصہ دکھا دیتا ہوں جسے انھوں نے چھوڑ دیا تھا۔‘‘ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہ جگہ دکھائی جو سات ہاتھ کے قریب تھی۔

اس حدیث کے ایک راوی ولید بن عطاء نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بیان فرمایا تھا: [وَلَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ مَوْضُوعَيْنِ فِي الْأَرْضِ شَرْقِيًّا وَّغَرْبِيًّا ، وَّهَلْ تَدْرِينَ لِمَ كَانَ قَوْمُكِ رَفَعُوا بَابَهَا؟ قَالَتْ: قُلْتُ: لَا، قَالَ: تَعَزُّزًا أَنْ لَّا يَدْخُلَهَا إِلَّا مَنْ أَرَادُوا ، فَكَانَ الرَّجُلُ إِذَا هُوَ أَرَادَ أَنْ يَّدْخُلَهَا يَدَعُونَهُ يَرْتَقِي، حَتّٰى إِذَا كَادَ أَنْ يَّدْخُلَ دَفَعُوهُ فَسَقَطَ] ’’اور (میری خواہش ہے کہ) میں اس عمارت کے دو دروازے بنا دوں، ایک مشرقی جانب اور دوسرا مغربی جانب، پھر آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کیا تم کو یہ معلوم ہے کہ تمھاری قوم نے کعبے کے دروازے کو زمین سے اونچا کیوں رکھا؟ انھوں نے عرض کی: نہیں، مجھے نہیں معلوم تو آپ نے فرمایا کہ یہ اس بات پر فخر کی وجہ سے کہ کعبے میں صرف وہی داخل ہو سکتا ہے جسے وہ چاہیں جب کوئی شخص کعبے کے اندر جانے کا ارادہ کرتا تو اسے چھوڑ دیتے حتی کہ جب وہ

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب نقض الكعبة وبنائها، حديث: (402) - 1333. اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس نے مکمل کعبہ کو گرا دیا تھا بلکہ اس نے شمالی دیوار کو گرایا تھا جو حِجر (حطیم) کی جانب تھی۔ دیکھیے مِنّة المنعم شرح مسلم للشيخ صفي الرحمن مبار كفوری حفظه الله: 331/2. [2] سنن النسائي، مناسك الحج، باب الحجر، حديث:2913.

دروازے تک چڑھ جاتا تو اسے دھکا مار دیتے اور وہ گر جاتا۔" عبدالملک نے حارث سے پوچھا: کیا آپ نے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے تو حارث نے کہا: جی ہاں، میں نے خود آپ سے یہ سنا ہے تو کچھ دیر وہ سوچ کی حالت میں اپنی چھڑی سے زمین کو کریدتا رہا اور کہنے لگا: اے کاش! اس نے جو کیا تھا میں اسے اسی طرح برقرار رہنے دیتا۔[1]

قیامت کے قریب ایک حبشی کعبے کو گرا دے گا: صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُو السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ] "دو چھوٹی چھوٹی پنڈلیوں والا ایک حبشی کعبے کی عمارت کو گرا دے گا۔"[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كَأَنِّي بِهِ أَسْوَدَ أَفْحَجَ ، يَقْلَعُهَا حَجَرًا حَجَرًا] "گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک سیاہ فام متکبر شخص کعبے کی اینٹ سے اینٹ بجا رہا ہے۔"[3]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُو السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ ، وَيَسْلُبُهَا حِلْيَتَهَا، وَيُجَرِّدُهَا مِنْ كِسْوَتِهَا، وَلَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ أُصَيْلِعَ أُفَيْدِعَ ، يَضْرِبُ عَلَيْهَا بِمِسْحَاتِهِ وَمِعْوَلِهِ] "ایک چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی کعبہ کو گرا دے گا، اس کے زیور کو لوٹ لے گا اور غلاف کو اتار دے گا، میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ وہ گویا ایک گنجا اور ٹیڑھے ہاتھ پاؤں والا شخص ہے جو اس پر اپنے پھاوڑے اور کدالیں چلا رہا ہے۔"[4]

معلوم ہوتا ہے کہ یہ حادثہ یاجوج ماجوج کے نکل آنے کے بعد پیش آئے گا۔ واللہ أعلم - کیونکہ صحیح بخاری میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَيُحَجَّنَّ الْبَيْتُ وَلَيُعْتَمَرَنَّ بَعْدَ خُرُوجِ يَأْجُوجَ وَ مَأْجُوجَ] "یاجوج ماجوج کے نکل آنے کے بعد بھی بیت اللہ کا حج و عمرہ کیا جائے گا۔"[5]

دعائے خلیل علیہ السلام: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے یہ دعا بھی کی تھی: ﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿128﴾ ﴾ "اے پروردگار! ہم کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھنا اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہنا اور (پروردگار!) ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما، بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔"

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی اس دعا کا مفہوم یہ ہے کہ اے اللہ! ہمیں اپنے حکم کا فرماں بردار اور اپنا اطاعت گزار بنا دے کہ ہم اطاعت و عبادت میں تیرے سوا کسی کو بھی تیرا شریک نہ بنائیں۔[6] عکرمہ فرماتے ہیں

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب نقض الكعبة وبنائها، حديث:(403)-1333. [2] صحيح البخاري، الحج، باب هدم الكعبة، حديث:1596 و صحيح مسلم، الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل......، حديث: (57) - 2909. [3] صحيح البخاري، الحج، باب هدم الكعبة، حديث:1595. [4] مسند أحمد:220/2. [5] صحيح البخاري، الحج، باب قول الله تعالى: ﴿ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ ﴾ ، حديث:1593. [6] تفسير الطبري:768/1.

کہ جب انھوں نے یہ دعا کی کہ اے پروردگار! ہم کو اپنا فرماں بردار بنائے رکھنا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تمھاری دعا کو قبول کرلیا۔ اسی طرح انھوں نے جب یہ دعا کی کہ ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہنا تو اس کے جواب میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمھاری اس دعا کو بھی قبول کرلیا۔[1] حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی یہ دعا اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی اور مومن بندوں کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ یہ دعا کرتے رہتے ہیں: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ○ ﴾ (الفرقان 25:74) ''اور وہ جو (اللہ سے) دعا مانگتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔'' دعا کا یہ انداز بھی شرعًا پسندیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے پوری پوری محبت کا یہ تقاضا ہے کہ آدمی اس بات کو پسند کرے کہ اس کی اولاد بھی صرف اور صرف اللہ وحدہ لا شریک ہی کی عبادت کرے۔

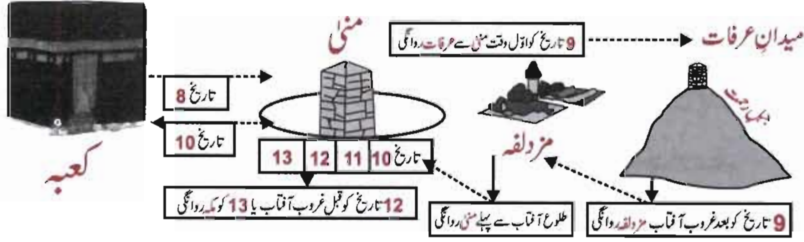
یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا: ﴿ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ ﴾ ''کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔'' تو حضرت ابراہیم نے عرض کی: ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ ﴾ ''میری اولاد میں سے بھی (پیشوا بنانا۔)'' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ○ ﴾ (البقرة 2:124) ''میرا عہد ظالموں کے لیے نہیں ہوا کرتا۔'' اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک اور دعا میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ﴿ وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۞ ﴾ (إبراهيم 14:35) ''اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں، بچائے رکھ۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ : إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ] ''جب کوئی انسان فوت ہوتا ہے تو تین کے سوا اس کے دیگر تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں (اور وہ تین اعمال یہ ہیں:) (1) صدقۂ جاریہ (2) علم جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے (3) اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔''[2]

مناسک کی تفسیر: سعید بن منصور نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی: ﴿ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا ﴾ ''اور (اے پروردگار!) ہمیں طریق عبادت بتا۔'' تو جبرئیل آپ کا ہاتھ پکڑ کر بیت اللہ میں لے گئے اور کہنے لگے کہ اس کی بنیادوں کو اٹھاؤ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی بنیادوں کو اٹھایا اور عمارت کو مکمل طور پر بنا دیا، پھر جبرئیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ کو پکڑ کر آپ کو کوہِ صفا پر لے گئے اور کہا: یہ پہاڑ شعائر اللہ میں سے ہے، پھر آپ کو کوہ مروہ پر لے گئے اور کہا: یہ پہاڑ بھی شعائر اللہ میں سے ہے، پھر آپ کو منیٰ لے گئے، جب گھاٹی کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ابلیس درخت کے پاس کھڑا ہے تو جبرئیل نے کہا: اللہ أکبر کہو اور اسے کنکری مارو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللّٰہ أکبر کہا اور اسے کنکری ماری، ابلیس یہاں سے چلا گیا اور جمرہ وسطیٰ کے پاس جا کھڑا ہوا، جب جبرئیل و ابراہیم کا یہاں سے گزر ہوا تو جبرئیل نے کہا: اللّٰہ أکبر کہو اور اسے

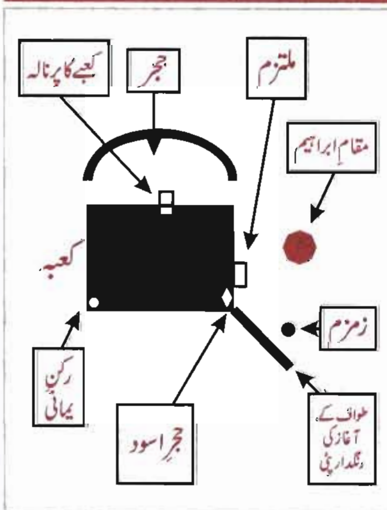
---

[1] تفسير ابن أبي حاتم :234/1. [2] صحيح مسلم، الوصية، باب مايلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، حديث:1631.

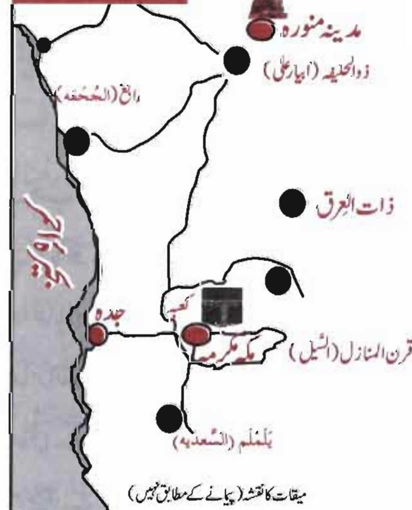
کعبہ ۔ منیٰ ۔ مزدلفہ ۔ میدانِ عرفات



خانۂ کعبہ، مقامِ ابراہیم، ملتزم اور زمزم



میقاتِ حج وعمرہ



رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

اے ہمارے رب! اور ان لوگوں کے لیے انھی میں سے ایک رسول بھیج، وہ ان کے سامنے تیری آیتیں تلاوت کرے، اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم

وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿129﴾ ع 15 8 15

دے، اور انھیں پاک کرے، بے شک تو ہی غالب، خوب حکمت والا ہے ﴿129﴾

کنکری مارو، تو آپ نے اللہ أکبر کہا اور کنکری ماری (پھر ابلیس جمرہ قصوٰی کے پاس چلا آیا تو جبرئیل نے کہا کہ اللہ أکبر کہو اور اسے کنکری مارو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ أکبر کہا اور کنکری ماری) تو ابلیس چلا گیا۔

درحقیقت یہ خبیث چاہتا تھا کہ حج میں اپنی طرف سے بھی کچھ اضافہ کر دے مگر اس کے لیے ایسا ممکن نہ ہوا، پھر جبرئیل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ کو پکڑا اور آپ کو مشعرِ حرام لے آئے اور کہنے لگے: یہ ہے مشعرِ حرام، اس کے بعد آپ علیہ السلام کو عرفات میں لے آئے تو یہاں پہنچ کر جبرئیل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تین بار یہ کہا: کیا آپ نے ان تمام اشیاء کو پہچان لیا ہے جو میں نے آپ کو دکھائی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں، میں نے انھیں پہچان لیا ہے۔ [1] ابو مجلز اور قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [2]

تفسیر آیت: 129

دعائے خلیل، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بارے میں: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہلِ حرم کے لیے جو آخری دعا فرمائی، وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ان میں اولادِ ابراہیم ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمائے، یہ دعائے مستجاب اللہ تعالیٰ کی اس تقدیر کے مطابق تھی جس میں پہلے سے یہ تعین کیا جا چکا تھا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو عرب و عجم کے تمام انسانوں اور جنوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا جائے گا جیسا کہ امام احمد نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ ، وَإِنَّ آدَمَ عليه السلام لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ ، وَسَأُنَبِّئُكُمْ بِأَوَّلِ ذٰلِكَ ، دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ ، وَبَشَارَةُ عِيسٰى بِي، وَرُؤْيَا أُمِّيَ الَّتِي رَأَتْ وَكَذٰلِكَ أُمَّهَاتُ النَّبِيِّينَ تَرَيْنَ] ''میں اللہ کا بندہ اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب آدم علیہ السلام کا خمیر ابھی مٹی میں گوندھا ہوا تھا، میں تمھیں ابتدائی بات بتاتا ہوں اور وہ یہ کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں جو انھوں نے دیکھا تھا۔ اور انبیائے کرام کی مائیں اسی طرح کے خواب دیکھا کرتی ہیں۔'' [3] مراد یہ ہے کہ جنھوں نے سب سے پہلے آپ ﷺ کے ذکر کی سعادت حاصل کی اور لوگوں میں چرچا کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، لوگوں میں ہمیشہ آپ کا ذکرِ خیر جاری و ساری رہا حتی کہ بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے باقاعدہ آپ کے اسم گرامی کا تعارف

[1] سنن سعید بن منصور، تفسیر سورة البقرة، قوله تعالىٰ: ﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ ﴾ 2:615، حدیث:220 و تفسیر ابن أبي حاتم:235/1 واللفظ له. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:235/1. [3] مسند أحمد:127/4 اور کچھ کمی بیشی کے ساتھ یہ حدیث عنوان: ''حرمت مكة المكرمة'' سورۂ بقرہ، آیت: 125 کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

کراتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ط ﴾ (الصّف 6:61) ''اے بنی اسرائیل! میں تمھارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آ چکی ہے (یعنی) تورات، اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا، ان کی بشارت سناتا ہوں۔'' اسی وجہ سے ایک حدیث میں آپ نے فرمایا ہے: [دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ ، وَبُشْرٰى عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ] ''میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا اور عیسیٰ ابن مریم کی بشارت ہوں۔''[1] اسی طرح آپ نے فرمایا: [وَرَأَتْ أُمِّي أَنَّهُ يَخْرُجُ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَتْ مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ] ''میری ماں نے یہ خواب دیکھا کہ ان سے روشنی نکلی ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔''[2]

اس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی والدہ نے یہ خواب اس وقت دیکھا جب آپ ابھی تک شکم مادر ہی میں تھے۔[3] انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں کو بھی یہ خواب سنایا جس کی وجہ سے آپ کا چرچا خوب عام ہو گیا تھا۔ آپ کی والدہ کے خواب میں مشاہدۂ نور سے شام کے محلات کے بطور خاص منور ہونے سے اس طرف اشارہ تھا کہ بلادِ شام میں آپ کے دین ونبوت کو استقرار نصیب رہے گا، یہی وجہ ہے کہ شام ہی آخری زمانے میں اسلام اور مسلمانوں کا مرکز ہوگا، اسی علاقے میں، یعنی دمشق میں سفید مشرقی مینارے پر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم کی حدیث میں آیا ہے: [لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ ، لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَذَلَهُمْ (وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ) حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ] ''میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق کے ساتھ غالب رہے گی، اسے رسوا کرنے والے یا اس کی مخالفت کرنے والے اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے حتی کہ اللہ تعالیٰ کا امر آ جائے گا اور وہ اسی طرح حق پر ہی ہوں گے۔''[4] اور صحیح بخاری میں یہ الفاظ بھی ہیں: [وَهُمْ بِالشَّامِ] ''وہ شام میں ہوں گے۔''[5]

کتاب وحکمت کی تفسیر: ﴿ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ ''اور وہ انھیں کتاب اور دانائی سکھایا کرے۔'' کتاب سے قرآن مجید اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ حسن، قتادہ، مُقاتِل بن حَیّان اور ابو مالک وغیرہ کا یہی قول ہے۔[6] اور ایک قول یہ بھی ہے کہ حکمت سے مراد فہم دین ہے۔[7] اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ﴿ وَیُزَكِّیْهِمْ ط ﴾ ''اور ان (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی

---

[1] مسند أحمد:262/5 والمعجم الكبير للطبراني:175/8، حديث:7729 عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ. [2] مسند أحمد:262/5 عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ. [3] المستدرك للحاكم، تواريخ المتقدمين، ذكر أخبار سيد المرسلين وخاتم النبيين:600/2، حديث:4174 وسلسلة الأحاديث الصحيحة:59/4، حديث:1545. [4] صحيح البخاري، المناقب، باب:28، حديث:3641,71 عن معاوية بن أبي سفيان رضی اللہ عنہ و صحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ:[لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق......]، حديث:1920 عن ثوبان رضی اللہ عنہ واللفظ له لیکن [وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ] صحیح بخاری کے مطابق ہے۔ [5] صحيح البخاري، حوالۂ مذکورہ لیکن یہ الفاظ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہیں۔ [6] تفسير ابن أبي حاتم:237,236/1. [7] تفسير الطبري:775/1.

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي

اور کون بے رغبتی کر سکتا ہے ملت ابراہیم سے سوائے اس کے جس نے اپنے نفس کو احمق بنالیا اور بے شک ہم نے ابراہیم کو دنیا میں چن لیا

الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿130﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ

اور یقیناً وہ آخرت میں ضرور نیکو کاروں میں سے ہوگا﴿130﴾ اور جب ابراہیم سے اس کے رب نے کہا: فرمانبردار ہو جا! تو اس نے کہا: میں

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿131﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى

رب العالمین کا فرمانبردار ہو گیا﴿131﴾ ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی (کلمۂ حق) کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی: اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے

لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿132﴾ ؕ

تمھارے لیے یہ دین چن لیا ہے، پس تمھیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو﴿132﴾

اطاعت وفرمانبرداری پر لگا دے۔[1] ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿129﴾ ﴾ ''بے شک تو غالب (اور) صاحب حکمت ہے۔'' عزیز کے معنی ہیں وہ ذات گرامی جو سب پر غالب ہو۔ اور جسے کوئی عاجز نہ کر سکے اور وہ ہر چیز پر قادر ہو۔ اور حکیم وہ ہے جس کے تمام افعال اور اقوال حکمت پر مبنی ہوں اور وہ تمام اشیاء کو اپنے علم وحکمت اور عدل کے مطابق اپنی اپنی جگہ پر رکھے۔

تفسیر آیات: 130-132

ملتِ ابراہیم سے کوئی نادان ہی روگردانی کر سکتا ہے: کفار نے امام الحُنفاء حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی ملت کے خلاف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ جو شرک شروع کیا تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ابراہیم تو اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی خالص توحید کے علمبردار تھے، انھوں نے کبھی غیر اللہ کو نہیں پکارا، کبھی لحہ بھر کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کیا بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود سے بے زار تھے اور اس سلسلے میں انھوں نے اپنی ساری قوم حتی کہ اپنے باپ کی مخالفت بھی مول لے لی تھی اور فرمایا تھا: ﴿ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ ﴾ (الأنعام 6:78،79) ''لوگو! جن چیزوں کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بے زار ہوں۔ میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے آپ کو اسی ذات کی طرف متوجہ کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ○ ﴾ (الزخرف 43:26،27) ''اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو، میں ان سے بے زار ہوں۔ ہاں! جس نے مجھ کو پیدا کیا وہی مجھے سیدھا رستہ دکھائے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ○ ﴾ (التوبة 9:114) ''اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے لیکن جب ان کو

[1] تفسير الطبری: 776/1.

معلوم ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بے زار ہو گئے کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۙ ﴾ (النحل 16:120-122) ''بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور (اپنی) سیدھی راہ پر چلایا تھا۔ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔''

اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ ﴾ ''اور ابراہیم کے دین سے کون روگردانی کر سکتا ہے؟'' یعنی ابراہیم کے طریقے اور منہج سے کون روگردانی کر سکتا ہے؟ ﴿ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ ﴾ ''سوائے اس کے جو نہایت نادان ہو۔'' یعنی سوائے اس کے جس نے خود اپنے آپ پر اپنی نادانی اور سوئے تدبیر سے ظلم کر رکھا ہو اور حق کو ترک کر کے ضلالت کو اختیار کر لیا ہو اور اس طرح اس نے اس شخصیت کے راستے کی مخالفت کی جسے اللہ تعالیٰ نے بچپن سے لے کر انھیں خلیل بنانے تک دنیا میں ہدایت اور رشد و بھلائی سے سرفراز فرمایا اور آخرت میں بھی صالح اور سعادت مند لوگوں میں ان کا شمار ہوگا، پس جو ان کے طریقے اور مسلک و ملت کو چھوڑ دے اور ضلالت و گمراہی کے طریقوں کو اختیار کرے تو اس سے بڑھ کر نادان اور کون ہو سکتا ہے؟ یا اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہو سکتا ہے؟ جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ ﴾ (لقمٰن 31:13) ''شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے۔''

ابو العالیہ اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ انھوں نے ایسا طریقہ ایجاد کر لیا تھا جو اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ نہیں تھا اور اس میں انھوں نے ملت ابراہیمی کی بھی مخالفت کی تھی۔ [1] اس قول کی تائید درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی ہوتی ہے: ﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (آل عمران 3:67,68) ''ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک (اللہ) کے ہو رہے تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں نہ تھے۔ ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر (آخر الزماں) اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور اللہ مومنوں کا دوست ہے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿131﴾ ﴾ ''جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انھوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں۔'' اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخلاص اور اطاعت و فرمانبرداری کے بجالانے کا حکم دیا تو آپ نے شرعًا اور قدرًا سرِ اطاعت خم کر دیا۔

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 238/1.

فرمان الٰہی: ﴿ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ﴾ ''اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا۔)'' یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اسی ملت، یعنی اللہ کے لیے اطاعت وفرمانبرداری کی وصیت کی یا پھر ﴿ بِهَآ ﴾ میں ضمیر کا مرجع یہ فرمانِ الٰہی: ﴿ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ہے کیونکہ اس کلمہ سے حرص ومحبت کی وجہ سے ساری زندگی انھوں نے خود بھی اس کی حفاظت کی اور بوقت وفات اپنے بعد آنے والی اولاد کو بھی اس کی وصیت فرمائی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ ﴾ (الزخرف 28:43) ''اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے۔''

بعض سلف نے ﴿ وَيَعْقُوْبُ ﴾ کو ﴿ بَنِيْهِ ﴾ پر عطف کی وجہ سے منصوب بھی پڑھا ہے۔[1] اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں اور اپنے پوتے یعقوب بن اسحاق کو وصیت فرمائی۔

اور بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ کی زندگی ہی میں حضرت اسحاق کے ہاں ان کے بیٹے یعقوب کی ولادت ہوگئی تھی جیسا کہ درج ذیل آیت کریمہ میں حضرت سارہ کو ان دونوں کی بشارت دی گئی تھی: ﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴾ (ھود 71:11) ''ہم نے اس (سارہ) کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوش خبری دی۔''

یہاں ﴿ وَيَعْقُوْبُ ﴾ کو حرف جار (با) کے حذف کرنے کی وجہ سے بھی منصوب پڑھا گیا ہے۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت سارہ کی زندگی میں یعقوب موجود نہ ہوتے تو پھر حضرت اسحاق کی اولاد کے ضمن میں ان کے ذکر کرنے کا کوئی خاص فائدہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ عنکبوت میں بھی فرمایا ہے: ﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ ﴾ (العنکبوت 27:29) ''اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کر دی۔'' اور ایک دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ﴾ (الأنبیآء 72:21) ''اور ہم نے اس (ابراہیم) کو اسحاق اور مزید برآں یعقوب عطا کیے۔''

ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں پیدا ہو چکے تھے علاوہ ازیں وہ بیت المقدس کے بانی بھی ہیں جیسا کہ سابقہ کتابوں میں موجود ہے۔ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ نے فرمایا: [اَلْمَسْجِدُ الْحَرَامُ، قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: اَلْمَسْجِدُ الْأَقْصٰى، قُلْتُ: كَمْ كَانَ بَيْنَهُمَا؟ قَالَ: أَرْبَعُونَ سَنَةً] ''مسجد حرام، میں نے عرض کی: اس کے بعد کون سی؟ فرمایا: مسجد اقصیٰ، میں نے عرض کی: دونوں کے درمیان کی مدت کتنی ہے؟ فرمایا: چالیس سال۔''[2]

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو جو وصیت فرمائی تھی، اس کا ذکر بھی عنقریب آ رہا ہے۔[3] اس ساری تفصیل سے

[1] اس کو منصوب پڑھنے والے: عمرو بن فائد الاسواری اور اسماعیل بن عبداللہ المکی ہیں۔ لیکن قُشَیری نے اسے بعید قرار دیا ہے۔ دیکھیے تفسیر القرطبی: 136/2، البقرۃ، آیت: 132 کے ذیل میں۔ [2] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب: 10، حدیث: 3366 وصحیح مسلم، کتاب و باب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث: 520. [3] دیکھیے البقرۃ، آیت: 133 کے ذیل میں۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بھی من جملہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو وصیت کی گئی تھی۔

توحید کی پابندی ساری زندگی واجب ہے: ﴿ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾

”اے میرے بیٹو! اللہ نے تمھارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے تو تم ہرگز نہ مرنا مگر اسلام کی حالت پر۔“ یعنی حالتِ حیات میں اسلام پر رہو اور اسی کی پابندی کرو تا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اسی پر خاتمے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ عموماً آدمی کا خاتمہ انھی عقائد و اعمال پر ہوتا ہے جن کو اس نے اپنی زندگی میں اختیار کر رکھا ہوتا ہے، پھر قیامت کے دن انھی حالات کے مطابق زندہ کیا جائے گا جن پر موت آئی ہوگی۔ اور اللہ کریم کی عادت مبارکہ یہ ہے کہ جو شخص خیر و بھلائی کا قصد کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے توفیق ارزاں فرما دیتا ہے اور جو نیت نیک رکھے اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدمی عطا فرماتا ہے۔ یہ بات اس صحیح حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں ہے: [إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَ بَيْنَهَا إِلَّا (بَاعٌ أَوْ) ذِرَاعٌ ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا] ”آدمی ہمیشہ اہل جنت کے کام کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کے بقدر فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر غالب آ جاتی ہے اور وہ جہنمیوں کا سا کوئی عمل کر کے جہنم رسید ہو جاتا ہے اور اسی طرح ایک آدمی ہمیشہ اہل دوزخ کے کام کرتا رہتا ہے حتی کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان دو بازوؤں کے پھیلاؤ یا صرف ایک ہاتھ کی مقدار فاصلہ رہ جاتا ہے اور تقدیر اس پر غالب آ جاتی ہے تو وہ جنتیوں کا کوئی عمل کر کے جنت کا حقدار بن جاتا ہے۔“[1] کیونکہ اسی طرح کی بعض روایات میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: [لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فِيمَا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ] ”ایسے عمل کرتا ہے جو لوگوں کو بظاہر اہل جنت کے عمل معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ جہنمیوں میں سے ہوتا ہے یا وہ ایسے عمل کرتا ہے جو لوگوں کو بظاہر اہل جہنم کے عمل معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ جنتیوں میں سے ہوتا ہے۔“[2]

مطلب یہ ہے کہ درحقیقت وہ اعمالِ صالحہ ہوتے ہی نہیں ورنہ جو حقیقی طور پر اعمال صالحہ کرتا رہا ہو، اس کی موت غالباً انھی پر واقع ہوتی ہے جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ ﴾ (الليل 92:5-10) ”تو جس نے (اللہ کے رستے میں مال) دیا

---

① صحیح البخاري، القدر، باب:1، حدیث:6594 اور قوسین والے الفاظ مسلم میں نہیں، البتہ صحیح بخاری میں اس طرح ہیں: [غَيْرَ ذِرَاعٍ أَوْ بَاعٍ] مزید برآں یہاں پہلے جنت کے حقدار کا ذکر ہے، پھر جہنم رسید ہونے والے کا۔ وصحیح مسلم، القدر، باب كيفية خلق الآدمي ......، حدیث:2643 واللفظ له عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ جبکہ یہی حدیث دیگر کتب حدیث میں کچھ کمی بیشی کے ساتھ مذکور ہے: سنن أبي داود، السنة، باب في القدر، حدیث: 4708 و جامع الترمذي:2137 و سنن ابن ماجه:76 والطيالسي:296 و مسند أحمد:382/1. ② صحیح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حدیث:4207 عن سهل رضی اللہ عنہ اور اس حدیث کا سیاق حدیثِ مذکور سے مختلف ہے۔

اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ

کیا جب یعقوب کو موت آئی اس وقت تم موجود تھے؟ جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟

بَعۡدِىۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ

انھوں نے کہا: ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک معبود ہے اور ہم اُسی

وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ

کے فرمانبردار ہیں (133) یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی۔ اسی کے لیے ہے جو اس نے کمایا اور تمھارے لیے ہے جو تم نے کمایا، اور جو عمل وہ کرتے تھے تم سے

وَلَا تُسۡـئَلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۴﴾

ان کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا (134)

اور پرہیزگاری کی اور نیک بات کو سچ جانا، اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا، اسے سختی میں پہنچائیں گے۔‘‘

تفسیر آیات: 134,133

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بوقت وفات اپنے بیٹوں کو وصیت: عرب مشرکین جو حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے تھے اور کفارِ بنی اسرائیل (جو حضرت اسحاق کی اولاد تھے) کے خلاف دلیل پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو انھوں نے تو اپنے بیٹوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی وصیت کرتے ہوئے پوچھا تھا: ﴿مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ﴾ ’’میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انھوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا، یعنی ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔‘‘ یہاں اسماعیل علیہ السلام کو تغلیباً باپ کہا گیا ہے حقیقت میں تو وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے تایا ہیں۔ نحاس لکھتے ہیں کہ عرب چچا یا تایا) کے لیے بھی أَبٌ (باپ) کا لفظ استعمال کر لیتے ہیں، اسے امام قرطبی نے ذکر کیا ہے۔[1]

اس آیت کریمہ سے ان لوگوں نے بھی استدلال کیا ہے جنھوں نے (وراثت میں) دادا کو بھی باپ شمار کیا ہے اور اس کی موجودگی میں بہن بھائیوں کو وراثت سے محروم قرار دیا ہے جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام بخاری نے اسے آپ سے بطریق ابن عباس[2] اور ابن زبیر بیان کیا ہے۔[3] اور لکھا ہے کہ اس مسئلے میں آپ سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔[4] ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی مذہب ہے، نیز امام حسن بصری، طاؤس اور عطاء کا بھی یہی قول ہے۔[5]

---

① تفسیر القرطبی: 138/2. ② صحیح البخاری، الفرائض، باب میراث الجدّ مع الأب والإخوة، حدیث: 6738.
③ صحیح البخاری، فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب قول النبی ﷺ: [لو کنت متخذًا خلیلاً]، حدیث: 3658. ④ صحیح البخاری، الفرائض، باب میراث الجدّ مع الأب والإخوة، قبل الحدیث: 6737. ⑤ تفسیر القرطبی: 68/5 النساء، آیت: 11 کے ذیل میں۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ

اور انھوں نے کہا: تم یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو تم ہدایت پا جاؤ گے۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: (نہیں) بلکہ ہم تو ملت ابراہیم کی پیروی کرتے ہیں جو سب کو

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿135﴾

چھوڑ کر ایک اللہ کا ہو گیا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا﴿135﴾

جبکہ امام مالک، شافعی اور مشہور روایت کے مطابق امام احمد کا بھی قول یہ ہے کہ دادا کے ساتھ ساتھ بہن بھائی بھی وراثت میں حصے دار ہوں گے، حضرت عمر، عثمان، علی، ابن مسعود، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور سلف وخلف کی ایک جماعت سے یہ قول منقول ہے۔[1] اور فرمان الٰہی: ﴿ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ ﴾ "جو معبود یکتا ہے۔" یعنی ہم الوہیت میں اسی کی توحید کے قائل ہوں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ ﴿ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿133﴾ ﴾ "اور ہم اسی کے اطاعت گزار اور فرماں بردار ہیں۔" جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران 3:83) "اور سب اہل آسمان وزمین خوشی یا زبردستی سے اللہ کے فرمانبردار ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔" اور اسلام ہی تمام انبیائے کرام کا دین ہے، گو شریعتیں اور طریقے مختلف رہے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴾ (الأنبياء 21:25) "اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے، ان کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو۔"

اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات واحادیث ہیں، مثلاً: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [اَلْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِّعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ] "انبیاء علاتی بھائی ہیں اور ان کی مائیں مختلف ہیں (شریعتیں مختلف ہیں) اور ان کا دین ایک ہی ہے۔"[2] اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ ﴾ "یہ جماعت گزر چکی ہے۔" ﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ ﴾ "ان کو ان کے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمھارے اعمال (کا۔)" یعنی اپنے اسلاف اور انبیاء وصالحین جیسے آباء واجداد کی طرف انتساب بھی تمھارے کچھ کام نہ آئے گا، تمھارے کام صرف تمھارے اپنے نیک اعمال آئیں گے کیونکہ تمھارے آباء واجداد کے اعمال کا بدلہ انھی کو ملے گا اور تمھیں صرف تمھارے اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ ﴿ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿134﴾ ﴾ "اور جو عمل وہ کرتے تھے، ان کی پرسش بھی تم سے نہیں ہو گی۔"

اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے: [وَمَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ] "اور جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے رکھا تو اس کا حسب ونسب اسے آگے نہیں لے جا سکے گا۔"[3]

---

[1] فتح الباري: 12/19-22، قبل الحديث: 6737 و المصنف لابن أبي شيبة: 6/262. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ﴾، حديث: 3443 و صحيح مسلم، الفضائل، باب فضائل عيسى عليه السلام، حديث: (145)-2365 و مسند أحمد: 2/319 عن أبي هريرة رضي الله عنه. [3] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، حديث: 2699 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

تم کہو: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر (ایمان لائے) جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی

وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

اولاد کی طرف نازل کیا گیا، اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک کے

اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿136﴾

درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں ﴿136﴾

تفسیر آیت:135

محمد بن اسحاق نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن صُوریا اَعْوَر نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہدایت تو صرف وہ ہے جس پر ہم ہیں، لہٰذا اے محمد (ﷺ)! آپ بھی ہماری پیروی کریں تا کہ ہدایت حاصل کر لیں، اسی طرح عیسائیوں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے ایسے ہی کہا تھا تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ تم یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سیدھے رستے پر لگ جاؤ گے۔''[1] اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ ﴾ ''(اے پیغمبر! ان سے) کہہ دیجیے: (نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیم (اختیار کیے ہوئے ہیں) جو ایک اللہ کے ہو رہے تھے۔'' یعنی ہمارا اس یہودیت اور نصرانیت کو اختیار کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے جس کی تم دعوت دے رہے ہو۔ محمد بن کعب قُرظی اور عیسیٰ بن جارِیہ کہتے ہیں کہ حنیف کے معنی صاحب استقامت کے ہیں۔[2] جبکہ ابوقِلابہ کا قول ہے کہ حنیف اسے کہتے ہیں جس کا اول سے لے کر آخر تک کے تمام رسولوں پر ایمان ہو۔[3]

تفسیر آیت:136

مسلمان کا اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں پر ایمان اور انبیائے کرام علیہم السلام میں عدم تفریق: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی رہنمائی فرمائی ہے کہ اس نے اپنے رسول محمد ﷺ کے واسطے سے ان کی طرف جو کتاب نازل فرمائی ہے، اس پر مفصل ایمان لائیں اور سابقہ انبیائے کرام کی طرف اس نے جن کتابوں کو نازل فرمایا تھا، ان پر بھی مجمل ایمان لائیں، اس آیت میں کچھ انبیائے کرام کا تو اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ نام لے کر ذکر فرمایا ہے جبکہ باقی تمام کی طرف اجمالی طور پر اشارہ فرما دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ مومن ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہ کریں بلکہ تمام کے ساتھ ایمان لائیں اور ان لوگوں کی سی روش اختیار نہ کریں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ ﴾ (النسآء 4:150، 151) ''اور وہ اللہ اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے درمیان ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں۔ وہی لوگ حقیقی کافر ہیں۔''

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:241/1 وتفسیر الطبری:784/1. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:241/1. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:242/1.

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اہل کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور مسلمانوں کے لیے عربی میں اس کی تفسیر بیان کیا کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ، وَ ﴿قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾] ''مسلمانو! تم اہل کتاب کی تصدیق کرو اور نہ تکذیب بلکہ یہ کہہ دیا کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو اس نے ہماری طرف نازل فرمایا ہے، ایمان لاتے ہیں۔''①

امام مسلم، ابوداود اور نسائی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر نماز فجر کی دوسنتوں میں سے پہلی رکعت میں ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○﴾ (آل عمران 52:3) کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔②

ابوالعالیہ، ربیع اور قتادہ بیان کرتے ہیں کہ أسباط سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں جن میں سے ہر بیٹے کی اولاد خوب پروان چڑھی اور اس کی تعداد بہت زیادہ تھی، یہی وجہ ہے کہ انھیں أسباط کے نام سے موسوم کیا گیا۔③ خلیل بن احمد اور دیگر کا قول ہے کہ أسباط کی بنی اسرائیل میں وہ حیثیت ہے جو قبائل کی بنی اسماعیل میں۔④ اس کے معنی یہ ہوئے کہ أسباط سے مراد بنی اسرائیل کی قومیں ہیں۔⑤

نیز اس وحی پر ایمان لانا مراد ہے جو ان میں سے موجود انبیاء پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے نازل فرمائی تھی جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا: ﴿اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ﴾ (المآئدة 5:20) ''تم پر اللہ نے جو احسان کیے ہیں، ان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر پیدا کیے اور تمھیں بادشاہ بنایا۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا﴾ (الأعراف 7:160) ''اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) کو الگ الگ کر کے بارہ قبیلے بنا دیا۔'' امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سِبط اس جماعت اور قبیلے کو کہتے ہیں جس کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہو۔⑥

قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں اور اس کے تمام رسولوں کی تصدیق کریں۔⑦ سلیمان بن حبیب کا قول ہے کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم تورات وانجیل کے ساتھ ایمان لائیں لیکن ان کے مطابق عمل نہ کریں۔⑧ ابن ابوحاتم نے مَعْقِل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تورات، زبور اور انجیل کے ساتھ ایمان تو لاؤ لیکن عمل کرنے کے لیے تمھیں قرآن ہی کافی ہے۔⑨

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا﴾ (البقرة 2:136)، حديث:4485. ② صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر......، حديث:727 و سنن أبي داود، التطوع، باب في تخفيفهما، حديث:1259 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب:129 قوله تعالى: ﴿اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ○﴾ 339:6، حديث:11158. لیکن السنن الكبرى میں آل عمران کی آیت کے بجائے سورۂ مائدہ کی آیت:111 ہے۔ ③ تفسير ابن أبي حاتم:243/1. ④ تفسير القرطبي:141/2. ⑤ الكشاف:168/2، آيت:160. ⑥ تفسير القرطبي:141/2. ⑦ تفسير ابن أبي حاتم:243/1. ⑧ تفسير ابن أبي حاتم:243/1. ⑨ تفسير ابن أبي حاتم:243/1.

فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ فَقَدِ اهۡتَدَوۡا ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا هُمۡ فِىۡ شِقَاقٍ ۚ

پھر اگر وہ (اہل کتاب) اس چیز پر ایمان لے آئیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ منہ موڑیں تو پھر وہی ہیں مخالفت

فَسَيَكۡفِيۡكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿137﴾ صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ

میں، سو ان کے مقابلے میں آپ کو اللہ کافی ہے اور وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿137﴾ (اے نبی! کہہ دیجیے:) اللہ کا رنگ (اختیار کرو) اور رنگ

صِبۡغَةً ۡ وَّنَحۡنُ لَهٗ عٰبِدُوۡنَ ﴿138﴾

کے لحاظ سے اللہ سے زیادہ اچھا کون ہے؟ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں ﴿138﴾

قُلۡ اَتُحَآجُّوۡنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمۡ ۚ وَلَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ۚ وَنَحۡنُ لَهٗ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے اور ہمارے لیے ہمارے عمل

مُخۡلِصُوۡنَ ﴿139﴾ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا

ہیں اور تمھارے لیے تمھارے عمل اور ہم خالص اسی کے لیے عمل کرنے والے ہیں ﴿139﴾ کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور

هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى ؕ قُلۡ ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ شَهَادَةً عِنۡدَهٗ

(ان کی) اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ کہہ دیجیے: کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ؟ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے وہ گواہی چھپائی جو اللہ کی

مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿140﴾ تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ

طرف سے اس کے پاس ہے؟ اور اللہ اس سے غافل نہیں جو تم عمل کرتے ہو ﴿140﴾ یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، اسی کے لیے ہے جو اس نے کمایا اور

16 ع 12 16 مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ وَلَا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿141﴾ ع

تمھارے لیے ہے جو تم نے کمایا۔ اور تم سے ان کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا جو وہ عمل کرتے تھے ﴿141﴾

تفسیر آیات: 138,137

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اگر کفار اہل کتاب وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں اور تمام رسولوں پر اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح مومنو! تم ایمان لائے ہو اور وہ ان میں سے کسی میں فرق نہ کریں تو وہ بھی حق کو پا کر رہنمائی حاصل کر لیں گے۔ اور اگر وہ حق سے منہ پھیر کر اتمام حجت کے بعد بھی باطل کو اختیار کر لیں تو وہ تمھارے مخالف ہیں اور ان کے مقابلے میں تمھیں اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہ ان کے مقابلے میں تمھیں فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے گا ﴿وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿137﴾﴾ کہ وہ خوب سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

امام ابن ابوحاتم نے زیاد بن یونس کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ نافع بن ابونعیم نے بیان کیا کہ جب ایک خلیفہ نے میرے پاس اصلاح کی غرض سے مصحف عثمان بن عفان بھیجا تو (زیاد کہتے ہیں کہ) میں نے ان (نافع بن ابونُعیم) سے کہا: لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو مصحف شریف آپ کی گود میں تھا اور آپ کا خون اس آیت پر گرا تھا: ﴿فَسَيَكۡفِيۡكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿137﴾﴾ نافع نے جواب دیا: ہاں، یہ درست ہے میں نے خود اس آیت پر حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کو دیکھا تھا۔ ①

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ ﴾ سے مراد اللہ کا دین ہے۔ مجاہد، ابوالعالیہ، عکرمہ، ابراہیم، حسن، قتادہ، ضحاک، عبداللہ بن کثیر، عطیہ عوفی، ربیع بن انس اور سدّی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ② جبکہ ﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ ﴾ (الروم 30:30) سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اختیار کیے رکھو۔

تفسیر آیات: 139-141

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ کی رہنمائی فرما رہا ہے کہ مشرکوں کے جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے ان سے کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو، یعنی کیا تم ہم سے اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کے لیے اخلاص، اس کے احکام کی اتباع واطاعت اور اس کے منع کردہ امور سے اجتناب کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو؟ ﴿ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ ﴾ ''حالانکہ وہی ہمارا اور تمھارا پروردگار ہے۔'' ہم پر اور تم پر صرف اسی کا تصرف اور اختیار ہے اور صرف وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اسی وحدہ لاشریک کو خالص اور حقیقی معبود تسلیم کیا جائے۔

﴿ وَلَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ ﴾ ''اور ہم کو ہمارے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمھارے اعمال (کا)۔'' یعنی ہم تم سے اور معبودان باطلہ سے براءت کا اظہار کرتے ہیں اور تم ہم سے بری ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّاۤ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (یونس 10:41) ''اور اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو کہہ دیجیے کہ مجھ کو میرے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تم کو تمھارے اعمال (کا) تم میرے عملوں کے جواب دہ نہیں ہو اور میں تمھارے عملوں کا جواب دہ نہیں ہوں۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ ﴾ (آل عمران 3:20) ''(اے پیغمبر!) اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑنے لگیں تو آپ کہہ دیں کہ میں اور میرے پیرو تو اللہ کے فرمانبردار ہو چکے۔'' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ ﴾ (الأنعام 6:80) ''اور ان کی قوم ان سے بحث کرنے لگی تو انھوں نے کہا کہ تم مجھ سے اللہ کے بارے میں (کیا) بحث کرتے ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖۤ ﴾ (البقرة 2:258) ''بھلا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑنے لگا؟''

اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ وَلَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝139 ﴾ یعنی ہم تم سے براءت کا اظہار کرتے ہیں اور تم ہم سے بری ہو اور ہم تو خاص اسی کی عبادت کرنے والے اور اسی کی طرف متوجہ ہونے والے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کے اس دعوے کی بھی تردید فرمائی ہے کہ ابراہیم اور ان کے بعد ذکر کردہ انبیائے کرام علیہم السلام

① تفسیر ابن أبي حاتم: 244/1. ② تفسیر ابن أبي حاتم: 243/2.

یہودی یا عیسائی تھے اور نہ ہی ان کی اولاد انھی کی ملت پر یہودی یا عیسائی تھی، بنا بریں فرمایا: ﴿ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ ﴾ ''کہہ دیجیے: بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟'' یعنی اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے۔

اور اسی وجہ سے تو اس نے یہ بتایا ہے کہ ابراہیم یہودی یا عیسائی نہ تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران 3:67) ''ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک (اللہ) کے ہو رہے تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں نہ تھے۔'' اور اس کے بعد والی آیت بھی دلالت کرتی ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی شہادت کو جو اس کے پاس (کتاب میں موجود) ہے، چھپائے؟'' کے بارے میں امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کو پڑھتے تھے جو اللہ نے انھیں عطا فرمائی جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ دین تو اسلام ہی ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد یہودیت و نصرانیت سے بری تھی، انھوں نے اللہ کے لیے اس کی گواہی دی اور اس گواہی دینے کا اللہ کے لیے اقرار بھی کر لیا لیکن اس سب کچھ کے باوجود ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی یہ شہادت جو موجود تھی، اسے انھوں نے چھپایا۔[1] اور فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝١٤٠ ﴾ ''اور جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو، اللہ اس سے غافل نہیں۔'' میں شدید وعید اور سرزنش ہے کہ اس بات کو نہ بھولو کہ اللہ تعالیٰ کا علم تمھارے عمل کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور وہ تمھیں تمھارے عمل کے مطابق ہی بدلہ بھی دے گا۔

پھر فرمایا: ﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ ﴾ ''یہ جماعت گزر چکی۔'' ﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ ﴾ ''اس کو وہ (ملے گا) جو اس نے کیا اور تم کو وہ جو تم نے کیا۔'' یعنی انھیں اپنے اعمال کا اور تمھیں اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ ﴿ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١٤١ ﴾ ''اور جو عمل وہ کرتے تھے، ان کی پرسش تم سے نہیں ہوگی۔'' یعنی ان کی اطاعت و پیروی کے بغیر محض ان کی طرف انتساب تمھارے کچھ کام نہ آ سکے گا۔

لٰہذا محض نسبت کی وجہ سے فریب خوردہ نہ بنو بلکہ ان کی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سرِ اطاعت خم کرنے والے اور ان تمام رسولوں کی اتباع کا دم بھرنے والے بن جاؤ جنھیں خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر مبعوث کیا گیا تھا کیونکہ جو اللہ کے کسی ایک نبی خصوصاً سید الانبیاء، خاتم المرسلین اور تمام انس و جن کی طرف رسولِ رب العالمین کے ساتھ کفر کرے تو اس نے گویا تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ کفر کیا۔

صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلٰى سَائِرِ أَنْبِيَاءِ اللّٰهِ أَجْمَعِينَ

[1] تفسير ابن أبي حاتم:246/1.

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ

جلد ہی بے وقوف لوگ (یہ) کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے اس قبلے سے کس چیز نے پھیر دیا جس پر یہ تھے؟ اے نبی! کہہ دیجیے: مشرق اور

الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿142﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں، وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے ﴿142﴾ اور (جیسے تمھیں ہدایت دی) اسی طرح ہم نے تمھیں افضل اُمت بنایا

لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ

تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہوں۔ اور (اے نبی!) جس قبلے (بیت المقدس) پر آپ پہلے تھے، اسے تو ہم نے صرف یہ جاننے کے لیے مقرر کیا

عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً

تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے اور بے شک یہ (قبلے کی تبدیلی) بہت بھاری ہے (کافروں پر) مگر اُن لوگوں پر

اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿143﴾

(نہیں) جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور اللہ ایسا نہیں کہ تمھارا ایمان ضائع کر دے۔ بے شک اللہ لوگوں پر بہت نرمی کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿143﴾

تفسیر آیات: 143,142

تحویل قبلہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدینہ میں) سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائی لیکن آپ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ ہو۔ آپ نے عصر کی نماز پڑھائی (اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے آپ نے جو سب سے پہلی نماز ادا فرمائی، وہ نماز عصر تھی) کچھ لوگوں نے آپ کے ساتھ مل کر یہ نماز ادا کی، پھر ان میں سے ایک شخص ایک مسجد والوں کے پاس سے گزرا وہ بھی نماز (عصر) ادا کر رہے تھے۔ اور وہ اس وقت حالت رکوع میں تھے، اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی ہے تو ان لوگوں نے حالتِ نماز ہی میں بیت اللہ کی طرف منہ کر لیا۔

بہت سے لوگ تھے جنھوں نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی مگر وہ تحویل قبلہ کے حکم سے قبل ہی شہید ہو گئے تو ہم نہیں جانتے تھے کہ ان کے بارے میں کیا کہیں تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿143﴾﴾ ”اور اللہ ایسا نہیں کہ تمھارے ایمان کو یونہی کھو دے اللہ تو لوگوں پر بڑا مہربان (اور) صاحبِ رحمت ہے۔“ ان الفاظ سے اس روایت کو (شیخین میں سے) صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔[1] امام مسلم نے اسے دوسری سند سے روایت کیا ہے۔[2]

محمد بن اسحاق نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے

---

[1] صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله تعالی: ﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ...﴾ (البقرة 2:142)، حدیث:4486. اور قوسین والے الفاظ دیکھیے حدیث:40 و 399. [2] صحیح مسلم، المساجد، باب تحویل القبلة......، حدیث:526,525 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ و 527 عن أنس رضی اللہ عنہ.

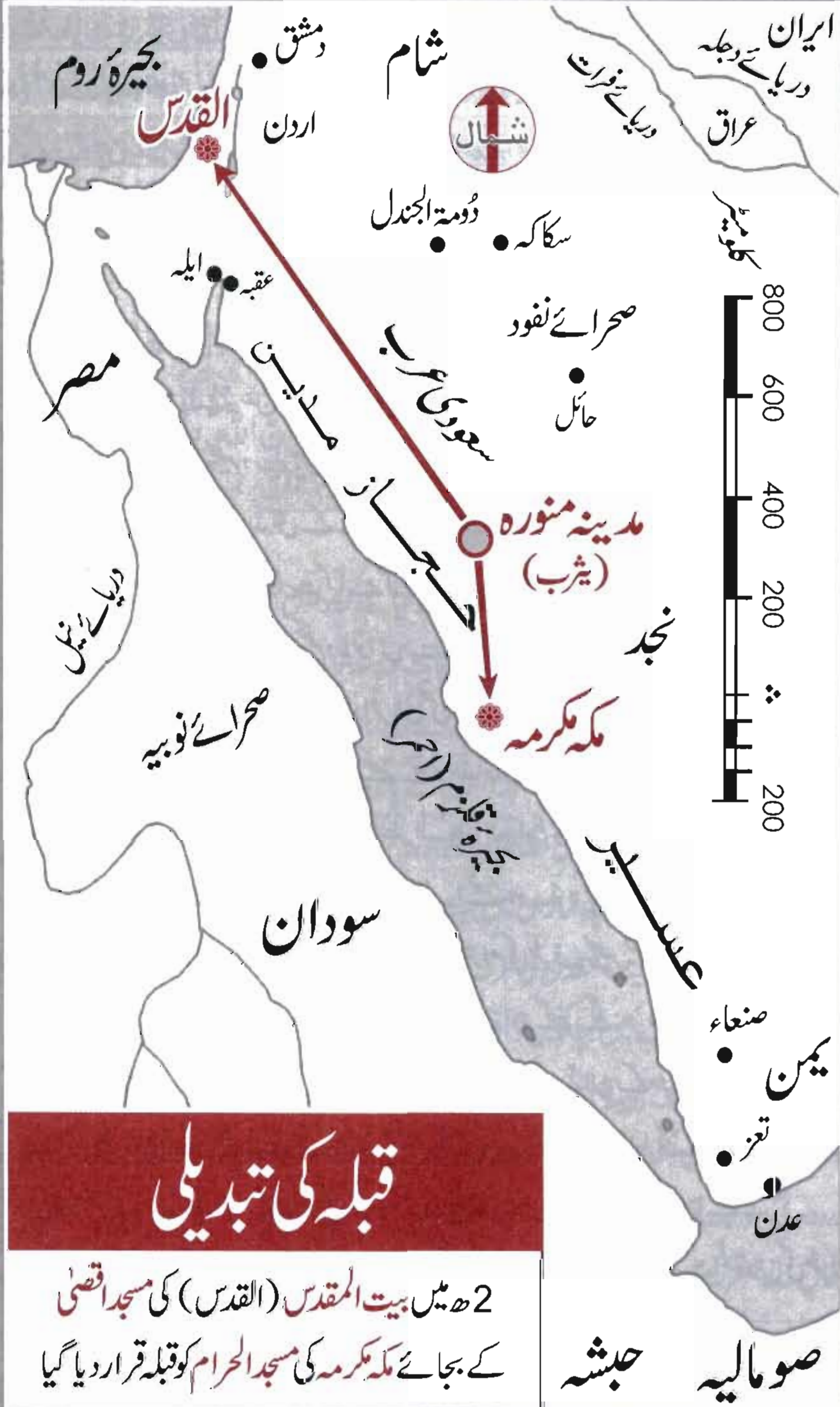
تھے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے انتظار میں آسمان کی طرف کثرت سے نگاہ اٹھا کر دیکھا کرتے تھے۔ اسی کیفیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ﴾ (البقرة 2:144) ”(اے نبی!) ہم آپ کا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم آپ کو اسی قبلے کی طرف، جس کو آپ پسند کرتے ہیں، منہ کرنے کا حکم دیں گے تو آپ اپنا منہ مسجد حرام (خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لیں۔“

کچھ مسلمانوں نے کہا کہ ہم اس بات کو معلوم کرنا پسند کرتے ہیں کہ جو لوگ تحویل قبلہ سے پہلے فوت ہو گئے ہیں، ان کا کیا حال ہوگا؟ نیز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی ہماری نمازوں کا کیا بنے گا؟ تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ﴾ ”اور اللہ ایسا نہیں کہ تمھارے ایمان کو یونہی کھو دے۔“ کچھ احمق لوگوں، یعنی اہل کتاب نے جب یہ کہا: ﴿مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ﴾ ”مسلمان جس قبلے پر پہلے سے چلے آتے تھے اب اس سے کس چیز نے ان کے منہ پھیر دیے ہیں؟“ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ﴾ ”(اے نبی!) کہہ دیجیے: مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لیے ہیں۔“ کو نازل فرمایا۔[1]

علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ ہجرت کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم دیا تو اس سے یہودیوں کو بڑی خوشی ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سے بھی زیادہ مہینوں تک بیت المَقدِس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائی تھی لیکن آپ قبلۂ ابراہیمی کو پسند فرماتے تھے۔ اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی فرماتے اور آسمان کی طرف بھی دیکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرما دیا: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ﴾ (البقرة 2:144) ”ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں تو ہم ضرور آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پھر آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنے منہ اسی (مسجد) کی طرف کر لیا کرو۔“ اس سے یہودی شک میں مبتلا ہوئے اور کہنے لگے: ﴿مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ﴾ ”مسلمان جس قبلے پر پہلے سے چلے آتے تھے اب اس سے کس چیز نے ان کے منہ پھیر دیے ہیں؟“ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ١٤٢﴾ ”(اے نبی!) آپ کہہ دیں کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے لیے ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔“[2]

اس باب میں بہت سی احادیث وارد ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صخرۂ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے

[1] الدر المنثور: 261/1 و تفسير ابن أبي حاتم: 248/1، البتہ تفسیر میں یہاں ﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ﴾ کے بجائے آیت کریمہ: ﴿سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ ......﴾ تھی تفسیر ابن ابوحاتم سے یہ تصحیح کی گئی ہے جیسا کہ ابن عباس اور قتادہ کے آثار بھی اس کی تائید کرتے ہیں، دیکھیے تفسير الطبری: 9,8/2. [2] تفسير الطبری: 8/2.



قبلہ کی تبدیلی

2ھ میں بیت المقدس (القدس) کی مسجد اقصیٰ
کے بجائے مکہ مکرمہ کی مسجد الحرام کو قبلہ قرار دیا گیا

نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا تو مکہ میں آپ رکن یمانی اور حجر اسود کے مابین نماز ادا فرماتے۔[1] لہٰذا صخرۂ بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کی حالت میں کعبہ بھی آپ کے سامنے ہی ہوتا تھا مگر ہجرتِ مدینہ کے بعد اس طرح دونوں کی طرف بیک وقت منہ کر کے نماز ادا کرنا ممکن نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم دے دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور کا یہی قول ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ انصار بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز عصر ادا کر رہے تھے کہ انھیں تحویل قبلہ کا حکم معلوم ہوا تو انھوں نے حالتِ نماز ہی میں کعبے کی طرف منہ کر لیا۔[2] (یہ بنوسلمہ کے لوگ تھے جو مسجد قبلتین کے قریب رہائش پذیر تھے۔)[3]

صحیح بخاری و مسلم ہی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوگ قُبا میں نماز صبح ادا کر رہے تھے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے بتایا کہ آج رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن میں یہ حکم نازل کیا گیا ہے کہ آپ کعبے کو قبلہ بنالیں تو ان لوگوں نے نماز ہی کی حالت میں کعبے کی طرف اپنا رخ کر لیا تھا، پہلے ان کے منہ شام کی طرف تھے اور اب وہ گھوم کر کعبے کی طرف ہو گئے تھے۔[4]

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ناسخ کے مطابق حکم اسی وقت لازم ہوتا ہے جب اس کا علم ہو جائے، خواہ اس کا نزول اور ابلاغ پہلے ہی سے کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کو عصر، مغرب اور عشاء کی ان نمازوں کے دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا جو انھوں نے تحویل قبلہ کے حکم کے بعد بھی بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے ادا کی تھیں اور انھیں ابھی تک پہلے قبلے کے نسخ کا علم نہیں ہوا تھا۔ واللہ أعلم.

تحویل قبلہ کے بارے میں اس حکم کے نازل ہونے کے بعد کچھ منافق، متشکک اور کافر یہودی ہدایت سے دور ہو کر دیوانگی اور تشکیک میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے: ﴿مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا﴾ یعنی آخر مسلمانوں کو کیا ہوا، انھیں اپنے پہلے قبلے سے کس چیز نے پھیر دیا ہے؟ کبھی اس طرف منہ کرتے ہیں اور کبھی اس طرف۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ﴾ ''(اے نبی!) آپ کہہ دیں کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے لیے ہیں۔'' یعنی حکم، تصرف اور امر صرف اللہ ہی کا ہے، ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (البقرة 2:115) ''تو جدھر تم رخ کرو، ادھر اللہ کا چہرہ ہے۔'' اور فرمایا: ﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ﴾

---

[1] لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دوران میں حطیم میں نماز پڑھنا ثابت ہے، دیکھیے صحیح البخاری، مناقب الأنصار، باب مالقی النبی ﷺ وأصحابه......، حدیث: 3856. [2] ملخص از صحیح البخاری، الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حیث کان، حدیث: 399 و صحیح مسلم، المساجد، باب تحویل القبلة ......، حدیث: 525. [3] دیکھیے منة المنعم شرح صحیح مسلم: 337/1. [4] صحیح البخاری، الصلاة، باب ماجاء فی القبلة......، حدیث: 403 و صحیح مسلم، المساجد، باب تحویل القبلة......، حدیث: 526.

(البقرۃ 2:177) ''نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق ومغرب (کو قبلہ سمجھ کران) کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے۔''

یعنی تمام تر خوبی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سراطاعت جھکا دیا جائے، وہ ہمیں جس طرف حکم دے، ہم اسی طرف اپنا منہ کرلیں۔ اطاعت اس کے حکم کو ماننے کا نام ہے، خواہ وہ ہمیں ہر روز مختلف جہتوں اور سمتوں کی طرف منہ کرنے کا حکم دے۔ ہم تو صرف اسی کے بندے، غلام اور خدام ہیں اور اسی کا تصرف واختیار ہم میں کارفرما ہے، وہ جس طرف حکم دے گا ہم اس طرف اپنا منہ کرلیں گے۔

اور یہ بھی اس کی اپنے عبد اور رسول حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت پر عظیم عنایت ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام کے قبلے کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اور ان کے رخ کو اس کعبے کی طرف متوجہ کر دیا جسے اللہ وحدہ لاشریک ہی کے پاک نام پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اور جو اس روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ محترم گھر ہے کیونکہ اس گھر کے معمار حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں، اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۱۴۲﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیں کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے لیے ہیں، وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کے متعلق فرمایا: [إِنَّهُمْ لَا يَحْسُدُونَا عَلٰى شَيْءٍ كَمَا يَحْسُدُونَا عَلٰى يَوْمِ الْجُمُعَةِ الَّتِي هَدَانَا اللّٰهُ لَهَا وَضَلُّوا عَنْهَا ، وَعَلَى الْقِبْلَةِ الَّتِي هَدَانَا اللّٰهُ لَهَا وَضَلُّوا عَنْهَا ، وَعَلٰى قَوْلِنَا خَلْفَ الْإِمَامِ: آمِينَ] ''ان کو ہمارے بارے میں کسی اور چیز کی وجہ سے اس قدر حسد نہیں ہے جس قدر جمعے کے دن کی وجہ سے حسد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی ہدایت فرمائی اور یہ اس سے محروم رہے۔ اور قبلے کی وجہ سے حسد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی بھی ہدایت فرمائی اور یہ لوگ اس سے بھی محروم رہے، نیز ہم جو امام کے پیچھے آمین کہتے ہیں، اس کی وجہ سے بھی یہ ہم سے حسد کرتے ہیں۔''[1]

امت محمدیہ کی فضیلت: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ﴾ ''اور (جیسے تمھیں ہدایت دی) اسی طرح ہم نے تمھیں افضل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں۔'' اللہ تعالیٰ یہ فرمارہا ہے کہ ہم نے تمھیں قبلۂ ابراہیم علیہ السلام کی طرف پھیر دیا ہے اور تمھارے لیے اس قبلے کو اس لیے منتخب کیا ہے تاکہ تمھیں بہترین امت بنا دیں۔ اور تم قیامت کے دن دیگر امتوں پر گواہ بن جاؤ کیونکہ دیگر تمام امتیں تمھارے شرف وفضل کی معترف ہیں۔

وَسَطَ کا لفظ یہاں بہترین اور اعلیٰ کے معنی میں ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: قُرَيْشٌ أَوْسَطُ الْعَرَبِ نَسَبًا وَّدَارًا ''قریش نسب اور خاندان کے اعتبار سے تمام عربوں سے بہتر ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ بھی اپنی قوم میں نسب کے اعتبار سے وَسَط، یعنی

[1] مسند أحمد: 135/6 مطولاً مزید دیکھیے جمعے کی بابت: صحیح البخاری: 896 و صحیح مسلم: 855 اور آمین کی بابت: سنن ابن ماجہ: 856، 857.

سب سے اشرف وافضل تھے، اسی محاورے کے مطابق سب سے افضل نماز، یعنی نماز عصر کو صلاۃ وُسطیٰ کہا جاتا ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔[1]

جب اس امت کو اللہ تعالیٰ نے بہترین امت بنایا ہے تو اسے سب سے مکمل شریعت، سب سے بہتر طریقہ اور سب سے واضح اور روشن مذہب عطا فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ ھٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ﴾ (الحج 22:78) ''اس (اللہ) نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی، اپنے باپ ابراہیم کی ملت کی اتباع کرو، اسی نے پہلے (پہلی کتابوں میں) بھی تمھارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے) تاکہ پیغمبر تم پر شاہد ہوں اور تم لوگوں پر شاہد ہو۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يُدْعٰى نُوحٌ عليه السلام يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ لَهُ:هَلْ بَلَّغْتَ ؟ فَيَقُولُ : نَعَمْ ، فَيُدْعٰى قَوْمُهُ فَيُقَالُ لَهُمْ : هَلْ بَلَّغَكُمْ؟ فَيَقُولُونَ : مَا أَتَانَا مِنْ نَّذِيرٍ أَوْ مَا أَتَانَا مِنْ أَحَدٍ، فَيُقَالُ لِنُوحٍ: مَنْ يَّشْهَدُ لَكَ ؟ فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ وَّأُمَّتُهُ ، قَالَ : فَذٰلِكَ قَوْلُهُ: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ قَالَ: الْوَسَطُ الْعَدْلُ، قَالَ: فَتُدْعَوْنَ فَتَشْهَدُونَ لَهُ بِالْبَلَاغِ، قَالَ: ثُمَّ أَشْهَدُ عَلَيْكُمْ]

''قیامت کے دن نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: کیا آپ نے (دین) پہنچا دیا تھا؟ وہ فرمائیں گے: ہاں، تو پھر آپ کی قوم کو بلایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا: کیا تم کو نوح علیہ السلام نے (دین) پہنچا دیا تھا؟ تو وہ جواب دے گی کہ نہیں، ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ یا کہے گی کہ ہمارے پاس کوئی نہیں آیا۔ تو نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا کہ آپ کا کون گواہ ہے؟ آپ جواب دیں گے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت میری گواہ ہے۔ آپ نے فرمایا: اس آیت: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ سے اسی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: وَسَط کے معنی عدل کے ہیں۔ فرمایا: پھر تمھیں بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے کہ واقعی حضرت نوح علیہ السلام نے (اللہ کے دین) کو پہنچا دیا تھا اور فرمایا: پھر تمھارے بارے میں، میں گواہی دوں گا۔''[2] اس حدیث کو امام بخاری، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی مختلف الفاظ اور طرق کے ساتھ روایت کیا ہے۔[3]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَجِيءُ النَّبِيُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَعَهُ الرَّجُلُ، وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّجُلَانِ وَأَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ ، فَيُدْعٰى قَوْمُهُ ، فَيُقَالُ لَهُمْ : هَلْ بَلَّغَكُمْ هٰذَا ؟

---

[1] دیکھیے البقرۃ، آیت: 238 کے ذیل میں۔ [2] مسند أحمد: 32/3. [3] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله عزوجل: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ﴾، حديث: 3339 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث: 2961 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾: 292/6، حديث: 11007 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة أمة محمد ﷺ، حديث: 4284 لیکن نسائی اور ابن ماجہ کے الفاظ بعد والی روایت کی طرح ہیں۔

فَيَقُولُونَ: لَا ، فَيُقَالُ لَهُ : هَلُ بَلَّغْتَ قَوْمَكَ ؟ فَيَقُولُ: نَعَمُ ، فَيُقَالُ لَهُ: مَنُ يَّشُهَدُ لَكَ ؟ فَيَقُولُ: مُحَمَّدٌ وَّأُمَّتُهُ ، فَيُدُعٰى مُحَمَّدٌ وَّأُمَّتُهُ ، فَيُقَالُ لَهُمُ: هَلُ بَلَّغَ هٰذَا قَوُمَهُ؟ فَيَقُولُونَ: نَعَمُ، فَيُقَالُ: وَمَا عِلُمُكُمُ؟ فَيَقُولُونَ: جَاءَ نَا نَبِيُّنَا ﷺ فَأَخُبَرَنَا: أَنَّ الرُّسُلَ قَدُ بَلَّغُوا ، فَذٰلِكَ قَوُلُهُ: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ قَالَ: يَقُولُ: عَدُلًا ﴿لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾]

’’قیامت کے دن ایک نبی آئے گا اور اس کے ساتھ صرف ایک آدمی ہوگا، اور کسی کے ساتھ دو یا دو سے زیادہ آدمی ہوں گے، پھر اس کی قوم کو بلایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا: کیا اس نبی نے تم تک (دین) پہنچایا تھا؟ وہ کہیں گے: نہیں، پھر اس نبی سے کہا جائے گا: کیا آپ نے اپنی قوم کو (دین) پہنچا دیا تھا؟ وہ فرمائیں گے: ہاں، ان سے پوچھا جائے گا کہ آپ کا گواہ کون ہے؟ وہ جواب دیں گے کہ میرے گواہ محمد ﷺ اور ان کی امت ہیں، پھر حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا: کیا انھوں نے اپنی قوم کو (دین) پہنچا دیا تھا؟ تو وہ جواب دیں گے: ہاں، پہنچا دیا تھا تو ان سے پوچھا جائے گا کہ تمھیں اس بات کا کیسے علم ہوا؟ وہ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس جب ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ تشریف لائے تو آپ نے ہمیں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں نے (اللہ کے دین کو) پہنچا دیا تھا۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ ’’اور (جیسے تمھیں ہدایت دی) اسی طرح ہم نے تمھیں افضل امت بنایا۔‘‘ کے یہی معنی ہیں۔ اور وَسَطَ کے معنی عدل کے ہیں ﴿لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ ’’تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں۔‘‘[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے ابو اسود سے روایت کیا ہے کہ میں جب مدینہ میں آیا تو وہاں ایک مرض پھیلا ہوا تھا جس کی وجہ سے لوگ کثرت سے فوت ہو رہے تھے۔ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک جنازہ گزرا اور اس میت کی تعریف کی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واجب ہوگئی، پھر ایک دوسرا جنازہ گزرا تو میت کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کیا گیا تو پھر بھی آپ نے فرمایا: واجب ہوگئی، پھر ایک تیسرا جنازہ گزرا تو میت کے بارے میں برے خیالات کا اظہار کیا گیا، آپ نے فرمایا واجب ہوگئی تو ابو اسود نے پوچھا: اے امیر المؤمنین! کیا واجب ہوگئی؟ آپ نے کہا کہ یہ بات میں نے اسی طرح کی ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے: [أَيُّمَا مُسُلِمٍ شَهِدَ لَهُ أَرُبَعَةٌ بِخَيْرٍ أَدُخَلَهُ اللّٰهُ الُجَنَّةَ، قَالَ: فَقُلُنَا: وَثَلَاثَةٌ؟ قَالَ: فَقَالَ: وَثَلَاثَةٌ، قَالَ: قُلُنَا: وَاثُنَانِ؟ قَالَ: وَاثُنَانِ] ’’جس مسلمان کے بارے میں چار آدمی خیر کی گواہی دے دیں تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔ ہم نے عرض کی کہ اگر گواہ تین ہوں تو فرمایا: تین کی گواہی سے بھی، پھر ہم نے عرض کی کہ اگر گواہ دو ہوں تو آپ نے فرمایا کہ دو کی گواہی سے بھی اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔‘‘ پھر اس کے بعد ایک آدمی کی گواہی کے بارے میں ہم نے آپ ﷺ سے سوال نہیں کیا۔[2] اسی طرح امام

① مسند أحمد: 58/3 اور دیکھیے سابقہ حوالہ۔ ② مسند أحمد: 22,21/1.

بخاری، ترمذی اور نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[1]

تحویل قبلہ کی حکمت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ ﴾ ”اور جس قبلے پر آپ (پہلے) تھے اس کو ہم نے اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم معلوم کریں کہ کون (ہمارے) پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔ اور یہ بات (تحویل قبلہ لوگوں کو) گراں معلوم ہوئی مگر جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے۔“ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: اے نبی! میں نے ہی پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تھا اور پھر کعبے کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیا تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ کون آپ کی اتباع واطاعت کرتا ہے اور قبلہ رخ ہونے میں ساتھ دیتا ہے۔ ﴿ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ ﴾ ”کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے؟“ یعنی دین سے مرتد ہو جاتا ہے۔

﴿ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً ﴾ ”اور یہ بات (لوگوں کو) گراں معلوم ہوئی۔“ یعنی بیت المقدس کے بجائے کعبے کی طرف منہ کرنے کی بات اگرچہ کچھ لوگوں کے لیے بہت گراں تھی مگر جن لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرتے اور اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ آپ دین کا جو حکم بھی لائے ہیں، وہ بلاشک وشبہ حق ہے، انھیں تحویل قبلہ کی یہ بات قطعاً گراں محسوس نہ ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا کرتا اور جو ارادہ فرماتا حکم دے دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کو جو چاہے حکم دے اور اپنے جس حکم کو چاہے منسوخ فرما دے۔ یہ تمام امور اسی کی حکمتِ تامہ اور حجتِ بالغہ پر مبنی ہوتے ہیں۔

اور اس کے برعکس جن لوگوں کے دلوں میں مرض تھا، ہر نئے حکم کے نازل ہونے پر ان کے لیے مزید شک پیدا ہو جاتا جس طرح اہل ایمان کے دل ہر نئے حکم کے نازل ہونے سے ایمان وتصدیق سے لبریز ہو جاتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ ﴾ (التوبة 9:124,125) ”اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو بعض (منافق استہزا کرتے اور) پوچھتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے؟ سو جو ایمان والے ہیں ان کو تو اس (سورت) نے ایمان میں زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں مرض ہے اس (سورت) نے ان کے حق میں خبث پر خبث زیادہ کیا۔“ اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ ﴾ (بنی إسرآءيل 17:82) ”اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور وہ ظالموں کو خسارے ہی میں زیادہ کرتا ہے۔“

---

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب ثناء الناس على الميت، حديث:1368 و جامع الترمذي، الجنائز، باب في الثناء الحسن على الميت، حديث:1059 و سنن النسائي، الجنائز، باب الثناء، حديث:1936. آپ ﷺ کے دورِ مبارک میں اسی نوعیت کا واقعہ پیش آیا تھا، اُس سے اِس حدیث کا مفہوم اور محل استشہاد مزید واضح ہو جاتا ہے، دیکھیے صحيح البخاري حوالۂ مذکورہ، حديث:1367.

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اس مسئلے میں رسول اللہ ﷺ کی تصدیق واتباع پر ثابت قدم رہے اور بلاشک وشبہ اسی طرف اپنا منہ کر لیا جس طرف منہ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا، وہ سادات صحابہ میں شمار ہوئے۔ اور بعض اہل علم کے بقول مہاجرین و انصار میں سے اولین سبقت کرنے والے وہ ہیں جنھوں نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ لوگ مسجد قُبا میں نماز صبح ادا کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ نبی ﷺ پر (آج رات) قرآن نازل ہوا ہے اور آپ کو کعبے کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو یہ سنتے ہی وہ سب لوگ کعبہ رخ ہو گئے۔[1] اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2] ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس وقت وہ حالتِ رکوع میں تھے اور وہ اسی حالتِ رکوع ہی میں کعبے کی طرف مڑ گئے۔[3] امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے (کہ وہ حالتِ رکوع میں تھے۔)[4] یہ حدیث بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے کمال درجے پر فائز تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت بجالانے کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ رضي الله عنهم أجمعين.

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ﴾ ''اور اللہ ایسا نہیں کہ تمھارے ایمان کو یوں ہی کھو دے۔'' کے معنی یہ ہیں کہ اس سے پہلے تم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے جو نمازیں ادا کی ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا ثواب ضائع نہیں ہوگا۔ صحیح بخاری میں ابواسحاق سبیعی کی براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب کچھ لوگ فوت ہو گئے جنھوں نے بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تھی تو لوگوں نے کہا کہ ان کا اس سلسلے میں کیا حال ہوگا؟ تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ﴾ ''اور اللہ ایسا نہیں کہ تمھارے ایمان کو یوں ہی کھو دے۔''[5] اس حدیث کو امام ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔[6]

ابن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمھارے اس ایمان کو کھو دے جو قبلۂ اولیٰ کے بارے میں تھا اور اپنے نبی کی تصدیق واتباع کرتے ہوئے تم نے دوسرا قبلہ اختیار کر لیا تھا تا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں دونوں قبلوں کی طرف منہ کرنے کے اجر وثواب سے نواز دے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٣﴾ ﴾ ''بے شک اللہ تو لوگوں پر بڑا مہربان (اور) صاحب رحمت ہے۔''[7]

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسی قیدی عورت کو دیکھا جس کا بچہ اس سے جدا ہو گیا تھا، وہ قیدیوں میں

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قول الله تعالى: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ ﴾ (البقرة 143:2)، حديث: 4488. [2] صحيح مسلم، المساجد، باب تحويل القبلة......، حديث: 526. [3] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث: 2962. [4] صحيح مسلم، المساجد، باب تحويل القبلة......، حديث: 527. [5] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ ... ﴾ (البقرة 142:2)، حديث: 4486. [6] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث: 2964. [7] تفسير ابن أبي حاتم: 252/1.

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں تو ہم ضرور آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پھر آپ

الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ

اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنے منہ اس کی طرف پھیر لو اور بے شک وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی وہ ضرور جانتے ہیں کہ

اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿144﴾

بے شک یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ اس سے غافل نہیں جو وہ عمل کرتے ہیں ﴿144﴾

سے جس بچے کو بھی دیکھتی اسی کو پکڑ کر اپنے گلے لگا لیتی، بچے کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے جب اس نے تلاش کر لیا تو اسے گلے لگا لیا اور اس کے منہ میں دودھ دیا، یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَتُرَوْنَ هٰذِهِ طَارِحَةً وَّلَدَهَا فِي النَّارِ؟ قُلْنَا: لَا، وَ هِيَ تَقْدِرُ عَلٰى أَنْ لَّا تَطْرَحَهُ، فَقَالَ: لَلّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا] ”تمھارا کیا خیال ہے کہ یہ عورت اپنے بیٹے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: نہیں، (اے اللہ کے رسول!) اور وہ اسے نہ پھینکنے پر قدرت بھی رکھتی ہو تو آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! جس قدر یہ عورت اپنے بچے کے لیے رحم دل ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑھ کر اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے۔“[1]

تفسیر آیت:144

قرآن مجید میں سب سے پہلے قبلے کا حکم منسوخ ہوا تھا: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید میں سب سے پہلے قبلے کا حکم منسوخ ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب ہجرت فرمائی تو مدینہ کے باشندوں کی اکثریت یہودیوں پر مشتمل تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم دیا تو اس سے یہودی بہت خوش ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے تیرہ ماہ سے زیادہ عرصے تک اس طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائی لیکن آپ قبلۂ ابراہیمی کو پسند کرتے، اس کے لیے دعا فرماتے اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ﴾ ”(اے پیغمبر!) ہم آپ کے منہ کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھ رہے ہیں تو ہم ضرور آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پھر آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنے منہ اسی کی طرف کر لیا کرو۔“ اس سے یہود شک میں پڑ گئے اور کہنے لگے کہ مسلمان جس قبلے پر پہلے سے چلے آ رہے تھے اب اس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے جواب میں آپ کہہ دیں کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے لیے ہیں۔[2] اور فرمایا: ﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ﴾ (البقرة 2:115) ”تو جدھر تم رخ کرو ادھر اللہ کا چہرہ ہے۔“ مزید فرمایا: ﴿وَمَا

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد……، حديث:5999 و صحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله، حديث:2754. [2] تفسير ابن أبي حاتم:248/1 والدر المنثور:261/1.

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ

اور (اے نبی!) اگر آپ ان لوگوں کے پاس ہر قسم کی نشانی لے آئیں جنھیں کتاب دی گئی تو بھی وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے، اور نہ آپ ان

بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ

کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی گروہ دوسرے گروہ کے قبلے کی پیروی کرنے والا نہیں۔ اور اگر آپ نے ان کی خواہشات کی

مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿145﴾ وقف لازم

پیروی کی، اس علم کے بعد جو آپ کے پاس آ چکا ہے تو یقیناً اس وقت آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے ﴿145﴾

جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ (البقرة 2:143) ”اور جس قبلے پر تم (پہلے) تھے اس کو ہم نے اس لیے مقرر کیا تھا کہ معلوم کریں کہ کون (ہمارے) پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔“

قبلہ عین کعبہ ہے یا جہت کعبہ؟ امام حاکم نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ میں شطر کے معنی طرف کے ہیں، پھر امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔[1] ابو العالیہ، مجاہد، عِکرِمہ، سعید بن جبیر، قتادہ، اور ربیع بن انس رحمہم اللہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ ”اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو (نماز پڑھنے کے وقت) اسی (مسجد) کی طرف منہ کر لیا کرو۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب، زمین کی تمام جہتوں سے کعبے ہی کی طرف منہ کیا جائے، اس سے اس کے سوائے اور کوئی صورت مستثنیٰ نہیں کہ حالت سفر میں سواری پر نفل نماز ادا کی جا رہی ہو تو اس صورت میں ادھر منہ کیا جا سکتا ہے جدھر سواری کا رخ ہو لیکن دل کعبے ہی کی طرف ہونا چاہیے یا پھر دوران جنگ میں نماز خوف ادا کرتے ہوئے کسی طرف بھی منہ کیا جا سکتا ہے یا اگر کسی جگہ قبلے کی جہت کا علم ہی نہ ہو تو اپنے اجتہاد سے قبلے کا تعین کر لیا جائے، خواہ حقیقت میں یہ اجتہاد غلط ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

یہودیوں کو تحویل قبلہ کا مسئلہ معلوم تھا: ارشاد باری تعالیٰ: وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ ”اور بے شک جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ (نیا قبلہ) ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔“ یعنی یہ یہودی جنھوں نے بیت المقدس سے آپ کے منہ پھیر لینے کا انکار کیا، حقیقت میں یہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کعبے کی طرف منہ کرنے کا حکم دے گا کیونکہ ان کی کتابوں میں ان کے انبیاء کی زبانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی شان اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس کامل اور عظیم ترین شریعت سے سرفراز فرمایا ہے، اس کا ذکر موجود ہے لیکن اہل کتاب حسد، کفر اور عناد کی وجہ سے ان باتوں کو چھپاتے تھے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

[1] المستدرك للحاكم، التفسير، باب من سورة البقرة: 269/2، حديث: 3064. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 254/1.

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس (رسول) کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور بے شک ان میں سے ایک گروہ ضرور حق کو

17 وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿146﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿147﴾

چھپاتا ہے، حالانکہ وہ جانتے ہیں ﴿146﴾ یہ حق ہے تمھارے رب کی طرف سے، لہٰذا (اس کے متعلق) تم ہرگز شک میں نہ پڑنا ﴿147﴾

﴿ يَعْمَلُوْنَ ﴿144﴾ ﴾ ''اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں، اللہ ان سے بے خبر نہیں۔''

تفسیر آیت: 145

یہودیوں کا عناد وانکار: اللہ تعالیٰ یہودیوں کے کفر وعناد اور رسول اللہ ﷺ کے مقام ومرتبے کو جاننے کے باوجود مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرما رہا ہے کہ آپ جس دین وشریعت کو لے کر آئے ہیں اگر اس کے صحیح ہونے کے تمام دلائل کا بھی ذکر فرما دیں تو پھر بھی یہ اپنی خواہشات کو ترک کر کے آپ کی اتباع نہیں کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾ (یونس 10: 97,96) ''جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) صادر ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آ جائے۔''

اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَلَىِٕنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ ﴾ ''اور اگر آپ ان اہل کتاب کے پاس تمام نشانیاں بھی لے کر آئیں تو بھی یہ آپ کے قبلے کی پیروی نہ کریں۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ ﴾ ''اور آپ بھی ان کے قبلے کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو جو حکم دیا ہے آپ کس قدر شدت کے ساتھ اس کی پیروی کرنے والے ہیں جس طرح یہودی اپنی آراء اور اپنی خواہشات کے پابند ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے رسول بھی اللہ کے حکم اور اطاعت کے پابند اور اپنے رب کی خوشنودی کے طلب گار ہیں، لہٰذا آپ کبھی بھی یہودیوں کی خواہشات کی پیروی نہیں کر سکتے۔ بیت المقدس کی طرف آپ نے منہ کیا تو اس لیے نہیں کہ یہ یہود کا قبلہ تھا بلکہ یہ اس لیے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات سے ڈرایا ہے کہ کوئی شخص جانتے بوجھتے حق کی مخالفت کر کے اپنی خواہش کی پیروی کرے کیونکہ جو شخص جانتا ہو اس پر تو نہ جاننے والے کی نسبت حجت زیادہ تمام ہوتی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے درحقیقت آپ کی امت سے فرمایا گیا: ﴿ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿145﴾ ﴾ ''اور اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی، اس علم کے بعد جو آپ کے پاس آ چکا ہے تو یقیناً اس وقت آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔''

تفسیر آیات: 147,146

یہودیوں کا نبی اکرم ﷺ کو پہچاننا اور حق کو چھپانا: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس کا رسول ﷺ جس دین حق کو لے کر آیا

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ

اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ منہ پھیرتا ہے، لہٰذا تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے، اللہ تم

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿148﴾

سب کو لے آئے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿148﴾

ہے، اس کے صحیح ہونے کو یہودی اسی طرح پہچانتے ہیں جیسے ان میں سے کوئی اپنی اولاد کو پہچانتا ہے۔ کسی چیز کے صحیح ہونے کے بارے میں عرب یہی مثال دیا کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے کہا جس کے ساتھ اس کا چھوٹا بچہ بھی تھا: [هٰذَا ابْنُكَ ؟ قَالَ: نَعَمْ، أَشْهَدُ بِهِ، قَالَ: (أَمَا إِنَّهُ) لَا يَجْنِي عَلَيْكَ وَلَا تَجْنِي عَلَيْهِ] ''کیا یہ تیرا بیٹا ہے؟ اس نے عرض کی: جی ہاں، میں اس کی گواہی دیتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ یہ تمھارے اور تم اس کے گناہ کے ذمے دار نہیں ہو گے۔'' [1]

امام قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ حضرت محمد ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹے کو؟ انھوں نے کہا: ہاں، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ آسمان سے ایک امین (جبریل) زمین کے ایک امین (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) پر نازل ہوا اور اس نے آپ ﷺ کی شان بتلائی جس کی وجہ سے میں نے آپ کو پہچان لیا ہے، حالانکہ آپ کی والدہ کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ [2]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ثبوت اور پختہ یقین کے باوجود ﴿ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ ﴾ ''ضرور وہ سچی بات کو چھپاتے ہیں۔'' یعنی ان کی کتابوں میں نبی ﷺ کی جو صفات لکھی ہوئی ہیں، انھیں یہ لوگوں سے چھپاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ اور اپنے اہل ایمان بندوں کو ثابت قدم رکھتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس دین و شریعت کو لائے ہیں، وہ بلا شک و شبہ حق اور سچ ہے، فرمایا: ﴿ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿147﴾ ﴾ ''(یہ) آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں۔''

تفسیر آیت:148

ہر امت کا ایک قبلہ ہے: عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ﴾ ''اور ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک سمت (مقرر) ہے جس کی طرف وہ منہ پھیرتا ہے۔'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد تمام اہل ادیان ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی پسند کا ایک قبلہ مقرر کر رکھا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ قبلہ تو وہ ہے جس کی طرف مومن اپنا منہ کرتے ہیں۔ [3]

اور ابو العالیہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگرچہ یہودی بھی ایک سمت کی طرف منہ کرتے ہیں اور نصاریٰ بھی مگر اے

[1] مسند أحمد: 163/4 اور [أَمَا إِنَّهُ]: 226/2 میں ہے۔ وسنن أبي داود، الديات، باب لا يؤخذ الرجل بجريرة أبيه أو أخيه، حدیث: 4495 اور یہ صحابی ابو رمثہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد تھے۔ [2] تفسير القرطبي: 163/2. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 256/1.

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ

اور (اے نبی!) آپ جہاں سے بھی نکلیں، اپنا منہ مسجد حرام کی جانب پھیر لیں اور بے شک وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ اس سے غافل

عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿149﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ

نہیں جو تم عمل کرتے ہو ﴿149﴾ اور آپ جہاں سے بھی نکلیں، اپنا منہ مسجد حرام کی جانب پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو، اپنے منہ اسی کی

فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا

جانب پھیر لو تا کہ تمھارے خلاف لوگوں کے لیے کوئی حجت نہ رہے۔ ہاں، ان میں سے جنھوں نے ظلم کیا (وہ باتیں کرتے رہیں گے)، پس تم ان سے مت

تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿150﴾

ڈرو اور صرف مجھ سے ڈرو تا کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کروں اور شاید کہ تم ہدایت پاؤ ﴿150﴾

امت محمدیہ کے لوگو! حقیقی قبلہ تو یہ ہے جس کے اختیار کرنے کی اللہ تعالیٰ نے تمھیں توفیق عطا فرمائی ہے۔ مجاہد، عطاء، ضحاک، ربیع بن انس اور سدی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1]

یہ آیت کریمہ اس فرمان باری تعالیٰ کے مشابہ ہے: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا﴾ (المآئدۃ 48:5) ''ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا مگر جو کچھ تمھیں دیا گیا ہے اس میں وہ تمھاری آزمائش کرنی چاہتا ہے، سو نیک کاموں میں جلدی کرو، تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿148﴾﴾ ''تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم سب کو جمع کر دے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' یعنی گو تمھارے جسم اور بدن منتشر اور الگ الگ ہوں گے، پھر بھی وہ ان سب کو زمین سے جمع کرنے پر قادر ہے۔

تفسیر آیات: 150,149

قبلے کی منسوخی کا ذکر تین بار کیوں؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہاں یہ تیسری بار حکم دیا جا رہا ہے کہ تمام اطراف واکناف عالم سے مسجد حرام ہی کی طرف منہ کیا جائے، اس تکرار کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا سیاق وسباق سے تعلق ہے۔ اس سلسلے میں پہلے تو ﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا﴾ (البقرۃ 144:2) ''(اے نبی!) ہم آپ کا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم آپ کو اس قبلے کی طرف جس کو آپ پسند کرتے ہیں منہ کرنے کا حکم دیں گے۔'' تا ﴿وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ۝﴾ (البقرۃ 144:2) ''اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ (نیا قبلہ) ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ ان سے بے خبر نہیں۔'' نازل فرمایا۔ اور اس مقام پر یہ ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 256/1.

نے اپنے نبی کی خواہش کو پورا کر دیا ہے اور اس قبلے کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیا ہے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔

دوسری بار قبلے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾ ﴾ ''اور آپ جہاں سے بھی نکلیں (نماز میں) اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کریں، بلاشبہ وہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں۔''

یہاں یہ فرمایا کہ یہ پروردگار کی طرف سے حق ہے۔ اس سے تحویل قبلہ کے حکم کا درجہ اور بھی بڑھ گیا، یعنی اسے صرف رسول اللہ ﷺ کی رضا اور خواہش کی تائید ہی میں قبلہ قرار نہیں دیا گیا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے اور اللہ تعالیٰ اسے پسند بھی فرماتا ہے۔

اور تیسری بار حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان مخالف یہودیوں کو لاجواب کر دیا ہے جو اس بات کو اپنے حق میں دلیل کے طور پر پیش کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کے قبلے کی طرف منہ کرتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلے کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیا جائے گا، نیز اس سے مشرکین عرب کی حجت بھی کٹ گئی کہ آپ قبلۂ یہود کے بجائے قبلۂ ابراہیم کی طرف منہ کیوں نہیں کرتے، حالانکہ یہ قبلہ اشرف ہے، مشرکین عرب خود بھی کعبے کی تعظیم کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے کعبے کی طرف منہ کرنے سے انھیں ایک گونہ خوشی بھی ہوئی۔

نسخ قبلہ کی حکمت: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ﴾ ''(یہ تاکید) اس لیے (کی گئی ہے) کہ لوگ تم کو کسی طرح کا الزام نہ دے سکیں۔'' میں لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں جو یہ جانتے تھے کہ اس امت کی ایک نمایاں صفت کعبے کی طرف منہ کرنا بھی ہے۔ اور اس صفت کی عدم موجودگی کی وجہ سے تو وہ بسا اوقات مسلمانوں پر اعتراض بھی کیا کرتے تھے۔ اور دوسری حکمت نسخ قبلہ میں یہ ہے کہ بیت المقدس کی طرف مسلمانوں کے منہ کرنے کو یہودی اپنی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش نہ کر سکیں۔

اور ﴿ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ﴾ ''ہاں! ان میں سے جنھوں نے ظلم کیا'' سے مراد مشرکین قریش ہیں جو ظالمانہ طور پر یہ اعتراض کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ کہتے تھے کہ یہ شخص اپنے آپ کو دین ابراہیم پر بتلاتا ہے، لہٰذا اگر ان کا بیت المقدس کی طرف منہ کرنا دین ابراہیم کے مطابق تھا تو اب اس سے انھوں نے کیوں رجوع کر لیا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے پہلے آپ کے لیے اس بات کو پسند فرمایا کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ کریں کیونکہ اس میں حکمت تھی اور آپ نے اپنے رب کے اس حکم کی اطاعت کی، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو قبلۂ ابراہیم کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیا اور اس سے مراد کعبہ ہے تو آپ اس حکم الٰہی کی اطاعت بھی بجالائے کیونکہ آپ تمام حالات میں اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار تھے۔ اور لمحہ بھر کے لیے بھی حکم الٰہی سے باہر قدم نہیں رکھتے تھے۔ اور امت بھی اس سلسلے میں آپ کی تابع ہے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ.

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

جیسے ہم نے تمھارے لیے تمھی میں سے ایک رسول بھیجے، وہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور تمھیں پاک کرتے ہیں اور تمھیں کتاب اور حکمت

18 ع 5 2 وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿151﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿152﴾

کی تعلیم دیتے اور تمھیں وہ (باتیں) سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے ﴿151﴾ چنانچہ تم مجھے یاد کرو، میں تمھیں یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو ﴿152﴾

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ﴾ ''سو ان سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔'' یعنی ان ظالموں اور جابروں کے پیدا کردہ شکوک وشبہات سے نہ ڈرو بلکہ صرف مجھی سے ڈرو کیونکہ صرف اسی کی ذات گرامی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ ﴾ کا ﴿ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ﴾ پر عطف ہے، یعنی استقبال قبلہ کا یہ حکم اس لیے بھی ہے تاکہ میں تمھیں اپنی تمام نعمتیں بخشوں اور تمھارے لیے یہ شریعت ہر اعتبار سے مکمل ہو جائے۔ ﴿ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿150﴾ ﴾ ''اور تاکہ تم راہ راست پر چلو۔'' یعنی جس سے سابقہ امتیں بھٹک گئی تھیں، ہم نے تمھیں اس کی ہدایت عطا فرمائی اور جس قبلے کو سابقہ ملتیں اختیار نہ کر سکیں، وہ ہم نے تمھارے لیے مخصوص کر دیا، یہی وجہ ہے کہ یہ امت سب سے اشرف وافضل امت ہے۔

تفسیر آیات: 152,151

رسول اللہ ﷺ کی بعثت عظیم ترین نعمت ہے: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر اپنے اس عظیم الشان احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے ان میں اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا جو ان میں اللہ تعالیٰ کی روشن آیات کی تلاوت کرتے اور اخلاق کی خرابیوں، نفسوں کی نجاستوں اور جاہلیت کے کاموں سے پاک کرتے ہیں، ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں کی طرف لے آتے ہیں۔ انھیں کتاب، یعنی قرآن اور حکمت، یعنی سنت کی تعلیم دیتے ہیں اور انھیں وہ باتیں بتاتے ہیں جو وہ نہیں جانتے تھے۔ اسلام سے قبل یہ لوگ بدترین جہالت میں مبتلا تھے، چکنی چپڑی اور بے وقوفی کی باتیں کرتے تھے لیکن آپ کی نبوت ورسالت کی وجہ سے اولیاء کے حالات اور علماء کی صفات کے علمبردار بن گئے اور سب لوگوں سے علم میں گہرے، دلوں کے پاکباز، تکلف میں کم اور گفتار کے سچے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾ (آل عمران 164:3) ''اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انھی میں سے ایک پیغمبر بھیجے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور ان کو پاک کرتے ہیں۔'' اور جو اس نعمت کی قدر نہ کرے، اس کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴾ (إبراهيم 28:14) ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا؟''

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ ﴾ میں اس نعمت سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔[1] یہی وجہ ہے کہ اللہ

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب قتل أبي جهل، حديث: 3977 مگر یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بجائے عمرو بن دینار کا ہے۔

تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا کہ وہ اس عظیم الشان نعمت کا اعتراف کریں اور اس کے صلے میں ذکر و شکر کو اختیار کریں، چنانچہ فرمایا: ﴿ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴾ ''سو تم مجھے یاد کیا کرو، میں تمھیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا۔'' مجاہد ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جیسے میں نے تم پر یہ احسان کیا ہے تم بھی میرا ذکر کرتے رہو۔[1] امام حسن بصری فرمان باری تعالیٰ: ﴿ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تم اس کو یاد کرو جو میں نے تم پر فرض کیا ہے، میں اسے یاد کروں گا جو میں نے اپنے اوپر فرض قرار دے رکھا ہے۔[2] اور صحیح حدیث میں ہے: [يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى:...... (مَنْ) ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَ (مَنْ) ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ] ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جو میرا بندہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے اسے میں اپنے آپ میں یاد کرتا ہوں اور جو جماعت میں میرا ذکر کرے تو میں اس سے بہتر (فرشتوں کی) جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔''[3]

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: يَا ابْنَ آدَمَ ! إِنْ ذَكَرْتَنِي فِي نَفْسِكَ ذَكَرْتُكَ فِي نَفْسِي ، إِنْ ذَكَرْتَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُكَ فِي مَلَإٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ ـ أَوْ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ ـ وَ إِنْ دَنَوْتَ مِنِّي شِبْرًا دَنَوْتُ مِنْكَ ذِرَاعًا ، وَّ إِنْ دَنَوْتَ مِنِّي ذِرَاعًا دَنَوْتُ مِنْكَ بَاعًا ، وَّ إِنْ أَتَيْتَنِي تَمْشِي أَتَيْتُكَ أُهَرْوِلُ] ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ابن آدم! اگر تو اپنے دل میں میرا ذکر کرے گا تو میں اپنے آپ میں تیرا ذکر کروں گا، اگر تو جماعت میں میرا ذکر کرے گا تو میں فرشتوں کی جماعت میں یا یہ فرمایا کہ اس سے بہتر جماعت میں تیرا ذکر کروں گا۔ اگر تو ایک بالشت میرے قریب آئے تو میں ایک ہاتھ تیرے قریب آؤں گا اور اگر تو ایک ہاتھ میرے قریب آئے تو میں دونوں بازوؤں کے پھیلاؤ کی مقدار تیرے قریب آؤں گا اور اگر تو چل کر میرے پاس آئے تو میں دوڑ کر تیرے پاس آؤں گا۔''[4] اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسے مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان فرمایا ہے۔[5]

اور فرمایا: ﴿ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴾ ''اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنا شکر بجالانے کا حکم دیا ہے اور شکر ادا کرنے پر مزید خیر و برکت سے نوازنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ﴿ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴾ (إبراهيم 14:7) ''اور جب تمھارے پروردگار نے (تم کو) آگاہ کیا کہ

[1] تفسير الطبري:2/50. [2] تفسير ابن أبي حاتم:1/261. [3] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ﴾ (آل عمران 3:30)، حديث:7405 و صحيح مسلم، الذكر والدعاء......، باب الحث على ذكر الله تعالى، حديث:2675 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ مطوّلاً، البتہ یہاں [مَنْ......] کے بجائے [إِنْ] ہے جبکہ [مَنْ......] مسند أحمد:2/405 میں ہے۔ [4] مسند أحمد:3/138. [5] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ﴾ (آل عمران 3:30)، حديث:7405.

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿153﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿153﴾ اور جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیے جائیں،

یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿154﴾

انھیں تم مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے ﴿154﴾

اگر شکر کرو گے تو میں تمھیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رکھو کہ) میرا عذاب (بھی) بڑا سخت ہے۔''

امام احمد نے ابورجاء عُطارِدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما ہمارے پاس تشریف لائے تو انھوں نے ریشم کا نہایت قیمتی حلہ زیب تن فرما رکھا تھا جو ہم نے اس سے پہلے یا بعد میں کبھی آپ کے پاس نہیں دیکھا۔ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [مَنْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهِ نِعْمَةً فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُحِبُّ أَنْ يُّرٰى أَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى خَلْقِهٖ] ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ نعمت سے سرفراز فرمائے تو وہ اس بات کو بھی پسند فرماتا ہے کہ اس کی مخلوق پر اس کی نعمت کے اثر کو دیکھا جائے۔'' رَوح کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: [عَلٰى عَبْدِهٖ] یعنی اس کے بندے پر اس کی نعمت کے اثر کو دیکھا جائے۔[1]

تفسیر آیات: 154,153

صبر اور نماز کی فضیلت: اللہ تعالیٰ نے شکر کا حکم دینے کے بعد اب صبر کا بیان شروع فرمادیا ہے اور راہنمائی فرمائی ہے کہ صبر اور نماز کے ساتھ مدد حاصل کی جائے کیونکہ بندہ یا تو حالت نعمت میں ہوتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے یا پھر حالت ابتلاء و آزمائش میں ہوتا ہے اور صبر کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: [عَجَبًا لِّلْمُؤْمِنِ لَا يَقْضِي اللّٰهُ لَهٗ شَيْئًا إِلَّا كَانَ خَيْرًا لَّهٗ]، [إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَ إِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ] ''مومن کا معاملہ انتہائی تعجب خیز ہے، اللہ تعالیٰ اس کے متعلق جو بھی فیصلہ فرمائیں وہ اس کے حق میں بہتر ہی ہوتا ہے۔ اگر اسے خوشی کی کوئی بات نصیب ہو تو یہ شکر بجالاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اس کے لیے بہتر ثابت ہوتا ہے اور اگر اسے رنج اور غم کی کوئی بات پہنچے تو یہ صبر کرتا ہے اور صبر کا مظاہرہ کرنا بھی اس کے حق میں بہتر ثابت ہوتا ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ مصائب برداشت کرنے کے سلسلے میں سب سے بہتر مدد جس چیز سے لی جاسکتی ہے، وہ صبر اور نماز ہے جیسا کہ قبل ازیں حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ۙ﴾ (البقرۃ 45:2) ''اور (رنج و تکلیف میں) صبر اور نماز سے مدد لیا کرو اور بے شک نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر (گراں نہیں ہے) جو عجز کرنے والے ہیں۔'' کی تفسیر میں بیان کیا جاچکا ہے۔ اور حدیث میں ہے: [كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ إِذَا حَزَبَهٗ أَمْرٌ صَلّٰى] ''رسول اللہ ﷺ جب کسی کام کی وجہ سے غم میں مبتلا ہوتے تو نماز شروع فرمادیتے تھے۔''[3]

---

① مسند أحمد: 438/4. ② صحیح مسلم، الزھد، باب المؤمن أمرہ کلہ خیر، حدیث: 2999 عن صهيب رضی اللہ عنہ. لیکن اس کا ابتدائی حصہ: مسند أحمد: 24/5 عن أنس رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔ ③ مسند أحمد: 388/5 و سنن أبي داود، التطوع، باب وقت قیام النبي ﷺ......، حدیث: 1319 عن حذیفة رضی اللہ عنہ.

صبر کی اقسام: صبر کی دو قسمیں ہیں: (1) حرام اور گناہ کے کاموں کے ترک پر صبر کیا جائے۔ (2) طاعت وتقرب الٰہی کے کاموں کے سرانجام دینے میں صبر کا مظاہرہ کیا جائے۔ ان میں سے اس دوسری قسم کے صبر پر زیادہ ثواب ملتا ہے کیونکہ اصل مقصود یہی ہے جبکہ صبر کی ایک تیسری قسم یہ ہے کہ مصائب اور مشکلات پر صبر کیا جائے، یہ صبر بھی واجب ہے جس طرح گناہوں سے استغفار واجب ہے جیسا کہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ صبر کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صبر کر کے اس چیز کو اختیار کیا جائے جو اسے پسند ہو، خواہ وہ نفوس اور ابدان پر گراں ہی کیوں نہ گزرے۔

اور دوسرا یہ کہ اللہ ہی کے لیے اس چیز سے صبر کیا جائے جو اسے ناپسند ہو، خواہ خواہشات نفس اس کا تقاضا ہی کیوں نہ کریں۔ جو شخص صبر کی ان صورتوں کو اختیار کرے گا، اس کا شمار ان صبر کرنے والوں میں ہوگا جنھیں اللہ تعالیٰ سلام کہے گا۔ [1] إن شاء اللّٰه.

شہداء کی برزخی زندگی: ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ ﴾ ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، ان کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں۔'' اللہ تعالیٰ ہمیں بتا رہا ہے کہ شہداء اپنے برزخ میں زندہ ہیں اور انھیں رزق بھی دیا جاتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے:

[أَرْوَاحُهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ، لَّهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَ تْ، ثُمَّ تَأْوِي إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ، فَاطَّلَعَ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ اِطِّلَاعَةً، فَقَالَ: هَلْ تَشْتَهُونَ شَيْئًا؟ قَالُوا: أَيَّ شَيْءٍ نَّشْتَهِي؟ وَ نَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا، فَفَعَلَ ذٰلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا رَأَوْا أَنَّهُمْ لَنْ يُّتْرَكُوا مِنْ أَنْ يُّسْأَلُوا، قَالُوا: يَارَبِّ! نُرِيدُ أَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَا فِي أَجْسَادِنَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخْرٰى، فَلَمَّا رَأٰى أَنْ لَّيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِكُوا]

''شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالبوں میں ہوتی ہیں، اور جنت میں جہاں سے چاہتی ہیں کھاتی پیتی ہیں، پھر عرش کے نیچے لٹکی ہوئی قندیلوں کے پاس آ کر بیٹھ جاتی ہیں، اور جب بھی ان کا پروردگار ان کی طرف دیکھتا ہے اور فرماتا ہے: کیا تم کچھ چاہتے ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں: ہم کیا چاہیں؟ جبکہ ہم تو جنت میں جہاں سے چاہتے ہیں کھاتے پیتے ہیں، اللہ تعالیٰ شہداء سے تین دفعہ یہی پوچھتا ہے، پھر جب وہ (شہداء) تصور کرتے ہیں کہ سوال کیے بغیر انھیں نہیں چھوڑا جائے گا تو وہ کہتے ہیں: اے ہمارے پالن ہار! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دے تاکہ ہم ایک بار پھر تیرے رستے میں شہید کر دیے جائیں، پھر جب باری تعالیٰ دیکھتا ہے کہ شہداء کو اور کسی شے کی ضرورت نہیں تو انھیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔'' [2]

ایک حدیث میں ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے، انھوں نے امام مالک سے، انھوں نے امام زہری سے،

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 262,261/1. [2] صحیح مسلم، الإمارة، باب بیان أن أرواح الشهداء فی الجنة...... ، حدیث: 1887.

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ

اور ہم تمھیں کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مالوں، جانوں اور پھلوں میں کمی کر کے ضرور آزمائیں گے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے (155)

الصّٰبِرِيْنَ ﴿155﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿156﴾ اُولٰٓئِكَ

وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں (156) یہی

عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿157﴾

لوگ ہیں جن کے لیے ان کے رب کی طرف سے بخشش اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں (157)

انھوں نے عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک سے اور انھوں نے اپنے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَائِرٌ يَّعْلُقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يُرْجِعَهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى إِلٰى جَسَدِهِ يَوْمَ يَبْعَثُهُ] ”بلاشبہ مومن کی روح ایک ایسا پرندہ ہے جو جنت کے درختوں سے (پھل وغیرہ) کھاتا رہتا ہے حتی کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسم میں لوٹا دے گا۔“[1] یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عام مومن بھی برزخ میں زندہ ہیں، گو عزت و شرف اور تکریم و تعظیم کے طور پر قرآن مجید میں شہداء کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔

تفسیر آیات: 155-157

مومن کی آزمائش اور صبر کی وجہ سے اجر: اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو امتحان اور آزمائش کی کٹھن منزلوں سے گزارتا رہتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ﴾ (محمد 31:47) ”اور ہم تم لوگوں کو آزمائیں گے تاکہ تم میں جو لڑائی کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں، ان کو معلوم کریں اور تمھارے حالات جانچ لیں۔“ اللہ تعالیٰ کبھی خوشی و مسرت کا سامان فراہم کر کے آزماتا ہے اور کبھی خوف اور بھوک کے رنج میں مبتلا کر کے جیسا کہ فرمایا: ﴿فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ﴾ (النحل 112:16) ”اللہ نے (ان کے اعمال کے سبب) ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔“ بھوکے پر بھوک اور ڈرنے والے پر خوف کا اثر چونکہ بالکل نمایاں اور ظاہر ہوتا ہے، اس لیے اسے بھوک اور خوف کے لباس سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اور یہاں فرمایا: ﴿بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ﴾ یعنی کسی قدر خوف اور بھوک سے ﴿وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ﴾ ”اور مالوں کے نقصان سے“ ﴿وَالْاَنْفُسِ﴾ ”اور جانوں کے نقصان سے“ کہ دوست، رشتے دار اور احباب جامِ موت نوش کر جائیں۔ ﴿وَالثَّمَرٰتِ ؕ﴾ ”اور پھلوں کے نقصان سے“ یعنی باغات اور کھیت حسب معمول ثمر بار نہ ہوں۔ اور اسی وجہ سے فرمایا ہے: ﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿155﴾﴾ ”اور صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دیجیے۔“

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی بیان فرما دیا ہے کہ صابر کون ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے؟ فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿156﴾﴾ ”ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ

[1] مسند أحمد: 455/3.

ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔'' یعنی انھیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنی اسی بات کے ساتھ تسلی حاصل کرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ اللہ ہی کا مال ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں جو چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے اور وہ اس حقیقت سے بھی خوب آگاہ ہیں کہ ذرّہ برابر چیز بھی روز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں ضائع نہ ہوگی۔

اور یہ بات ان کے اس اعتراف سے عیاں ہے کہ وہ اس کے بندے ہیں اور آخرت میں اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے انھیں جو عطا کیا ہے، اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے ثنا اور رحمت ہے۔ اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ عذاب سے امن بھی۔[1] ﴿ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴾ ''اور یہی سیدھے رستے پر ہیں۔''

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جانور کی پشت پر اس کے دونوں طرف کے یہ بوجھ بھی بہت اچھے ہیں اور دونوں کے درمیان جو مزید سامان رکھ دیا گیا ہے یہ بھی بہت اچھا ہے۔[2] یعنی صلوات اور رحمت کی مثال ایسے ہے، جیسے جانور کی پیٹھ پر دونوں طرف کے بوجھ اور ہدایت کی مثال اس زائد بوجھ کی ہے جسے دونوں طرف کے سامان کے درمیان جانور کی پیٹھ پر رکھ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کو نہ صرف اجر و ثواب دیا گیا بلکہ مزید سے بھی نوازا گیا۔

مصیبت کے وقت ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ پڑھنے کی فضیلت: مصیبتوں کے وقت ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ پڑھنے کے ثواب کے بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں، مثلاً: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک دن (میرے شوہر) ابو سلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آئے تو انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی بات سنی ہے جس سے مجھے بہت خوشی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے: [لَا يُصِيبُ أَحَدًا مِّنَ الْمُسْلِمِينَ مُصِيبَةٌ فَيَسْتَرْجِعُ عِنْدَ مُصِيبَتِهِ، ثُمَّ يَقُولُ: اللّٰهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَاخْلُفْ لِي خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا فُعِلَ ذٰلِكَ بِهِ] ''جب بھی کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ اس مصیبت کے وقت ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ پڑھ لے اور یہ دعا کرے: ''اے اللہ! میری اس مصیبت میں مجھے اجر دے اور مجھے اس کا بہتر بدل عطا فرما۔'' تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرتا ہے۔''

ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے آپ سے سن کر یہ دعا یاد کر لی۔ اور جب ابو سلمہ (عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی) فوت ہوئے تو میں نے ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ پڑھا اور اس دعا کو بھی، پھر دل میں خیال آیا کہ ابو سلمہ سے بہتر شوہر کس طرح مل سکتا ہے؟ جب میری عدت پوری ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اندر تشریف لانے کی اجازت طلب فرمائی، میں اس وقت ایک کھال رنگ رہی تھی۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے درخت سَلَمْ (کیکر) کے پتوں (کے رنگ) کو دھویا، آپ کو اجازت

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 266/1. [2] المستدرك للحاكم، التفسیر: 270/2، حدیث: 3068 و سنن سعید بن منصور: 634/2، رقم: 233.

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے، اور جو

بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿158﴾

شخص خوشی سے کوئی نیکی کرے تو بے شک اللہ قدر کرنے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿158﴾

دی، آپ کی خدمت میں ایک تکیہ پیش کیا جو کھال سے بنا اور کھجور کے درخت کے ریشوں سے بھرا ہوا تھا، آپ اس پر جلوہ افروز ہوئے اور آپ نے مجھ سے نکاح کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ آپ جب اپنی بات ارشاد فرما چکے تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے لیے تو یہ بہت سعادت کی بات ہے لیکن میں ایک تو بہت باغیرت (بیوہ) عورت ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسی بات سرزد ہو جائے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے عذاب میں مبتلا کر دے اور دوسری بات یہ کہ میں ایک عمر رسیدہ اور بچوں والی عورت ہوں۔

رسول ﷺ نے فرمایا: [أَمَّا مَا ذَكَرْتِ مِنَ الْغَيْرَةِ فَسَوْفَ يُذْهِبُهَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْكِ، وَأَمَّا مَا ذَكَرْتِ مِنَ السِّنِّ، فَقَدْ أَصَابَنِي مِثْلُ الَّذِي أَصَابَكِ، وَأَمَّا مَا ذَكَرْتِ مِنَ الْعِيَالِ فَإِنَّمَا عِيَالُكِ عِيَالِي] "لیکن تم نے جو (بیوگی کی) غیرت کی بات کی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ ختم کر دے گا، جہاں تک عمر کا تعلق ہے تو میں بھی تمھاری طرح عمر رسیدہ ہوں، اور جہاں تک بچوں کا تعلق ہے تو تمھارے بچے میرے بچے ہیں۔" کہتی ہیں: (یہ ارشاد سن کر) میں نے (اپنے آپ کو) آپ ﷺ کے حوالے کر دیا تو اس طرح رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے شادی فرمالی، پھر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے واقعی ابوسلمہ سے بہتر شوہر نامدار حضور اقدس ﷺ عطا فرما دیے۔[1] صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث مختصراً بیان ہوئی ہے۔[2]

تفسیر آیت:158

طواف صفا و مروہ کو گناہ سمجھنے کی تردید: امام احمد رحمہ اللہ نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی: ﴿ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ ﴾ "بے شک (کوہ) صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے، اس پر کوئی گناہ نہیں کہ دونوں کا طواف کرے۔" سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صفا و مروہ کے طواف نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بھانجے! تم نے بہت بری بات کہی ہے، اگر بات ایسے ہوتی جیسے تم نے کہی ہے تو پھر الفاظ یہ ہوتے: [فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا] "تو اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کا طواف نہ کرے۔" بات یہ ہے کہ یہ آیت ان انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اسلام سے قبل منات بت کے پاس لبیک کہتے تھے جس کی وہ مُشَلَّل کے پاس عبادت کیا کرتے تھے اور جو منات کے پاس لبیک کہہ دیتا، وہ صفا و مروہ کے طواف میں حرج محسوس کرتا تھا تو اس کے بارے میں سوال کرتے ہوئے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم زمانۂ جاہلیت میں تو صفا و مروہ کے طواف میں حرج سمجھتے تھے تو اس

[1] مسند أحمد: 28,27/4. [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب مايقال عندالمصيبة، حديث:918.

موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ ﴾.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا و مروہ کے طواف کو مسنون قرار دے دیا، لہٰذا کسی کے لیے ان کے طواف کو ترک کرنا جائز نہیں۔[1] اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

امام زہری رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ یہ حدیث میں نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رحمہ اللہ سے بیان کی تو (ابوبکر بن عبدالرحمٰن) حیران ہو گئے اور انھوں نے فرمایا: اس علم کو (تو میں نے نہیں سنا تھا) ہاں، البتہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا دیگر بعض اہل علم سے یہ ضرور سنا تھا جو یہ کہتے تھے کہ ان دو پتھروں کے درمیان طواف جاہلیت کے کاموں میں سے ہے جبکہ بعض انصار نے کہا تھا کہ ہمیں بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا گیا ہے، صفا و مروہ کے طواف کا نہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللَّهِ ۖ ﴾ . ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شاید یہ آیت ان دونوں قسم کے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہو۔[3] اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے،[4] نیز آپ نے اس سے ملتی جلتی حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔[5]

شعبی کہتے ہیں: اِساف کا بت صفا پر اور نائلہ کا مروہ پر تھا، زمانۂ جاہلیت میں لوگ انھیں چھوتے اور چومتے تھے، لہٰذا اسلام کی آمد کے بعد انھوں نے صفا و مروہ کے طواف میں حرج محسوس کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرما دیا۔[6]

سعی کا حکم اور اس کی بنیاد: صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت اللہ کے طواف سے فارغ ہوئے تو رکن کی طرف تشریف لائے، اسے چھوا، پھر باب صفا سے نکل گئے اور آپ اس آیت کریمہ: ﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللَّهِ ۖ ﴾ کی تلاوت کر رہے تھے اور فرما رہے تھے: [أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ] ''میں بھی اس سے شروع کرتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع فرمایا ہے۔''[7] نسائی کی روایت میں الفاظ یہ ہیں: [نَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ] ''ہم بھی اسی سے شروع کرتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع فرمایا ہے۔''[8]

امام احمد رحمہ اللہ نے حَبِیبہ بنت ابو تَجْرَاہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفا و مروہ کے مابین طواف کرتے ہوئے دیکھا، لوگ آگے تھے آپ پیچھے تھے آپ سعی فرما رہے تھے۔ اور قدرے تیز دوڑنے کی وجہ سے میں آپ کے دونوں

---

① مسند أحمد:144/6. ② صحيح البخاري، الحج، باب وجوب الصفا والمروة......، حديث:1643و صحيح مسلم، الحج، باب بيان أن السعى بين الصفا والمروة ركن...... ، حديث: (261)-1277. ③ صحيح مسلم، الحج، باب بيان أن السعى بين الصفا والمروة ركن......، حديث:(261)ـ1277. ④ صحيح البخاري، الحج، باب وجوب الصفا والمروة......، حديث:1643. ⑤ صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللَّهِ ۖ ﴾ (158/2)، حديث:4496و صحيح مسلم، الحج، باب بيان أن السعى بين الصفا......، حديث:1278. ⑥ تفسير القرطبي:179/2. ⑦ صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث:1218. ⑧ سنن النسائي، مناسك الحج، باب ذكر الصفا والمروة، حديث:2972.

گھٹنوں کو دیکھ رہی تھی اور آپ کا تہ بند دونوں گھٹنوں کے مابین گھوم رہا تھا اور آپ فرما رہے تھے: [اِسْعَوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيْكُمُ السَّعْيَ] ''سعی کرو اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی کو فرض قرار دے دیا ہے۔''[1]

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ صفا و مروہ کے مابین سعی حج کا رکن ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ واجب ہے رکن نہیں، اگر کوئی جان بوجھ کر یا بھول کر اسے ترک کر دے تو ایک جانور ذبح کرنے سے اس کی تلافی ہو جائے گی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سعی مستحب ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ رکن یا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ صفا و مروہ کے مابین طواف شعائر اللہ میں سے ہے، یعنی یہ ان امور میں سے ہے جنھیں مناسک حج کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے مقرر فرمایا تھا۔

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے[2] کہ سعی دراصل اس واقعہ کی یادگار ہے جب حضرت ہاجرہ اپنے بچے کے لیے پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کے مابین از خود رفتہ ہو کر دوڑی تھیں جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انھیں یہاں چھوڑ گئے تھے اور کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا تھا، یہاں کوئی اور انسان بھی موجود نہ تھا۔ اور جب انھیں بچے کی جان کے بارے میں خوف محسوس ہوا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی اور صفا و مروہ کے مابین اس مقدس اور مبارک وادی میں عجب بے بسی، بے کسی، بے قراری اور غم و اضطراب کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی پریشانی کو دور فرما دیا، بے قراری کو سکون بخش دیا، غم کو فرحت سے بدل دیا اور ان کے لیے زمزم کو پیدا فرما دیا جس کا پانی کھانے کا کام بھی دیتا ہے[3] اور بیماری سے شفا کا بھی۔[4]

صفا و مروہ کے مابین سعی کرنے والے کو چاہیے کہ وہ بھی اللہ ہی کے سامنے اپنے فقر و ذلت اور حاجت کا اظہار کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت دے، اس کے حال کی اصلاح کرے اور اس کے گناہ معاف کرے، سعی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ اقدس میں التجا کرنی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے نقائص و عیوب سے پاک فرما دے، صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت عطا فرمائے، تادم واپسیں اسی پر ثابت قدم رکھے اور گناہوں اور معاصی کی موجودہ حالت کو بدل کر مغفرت، رشد و بھلائی اور استقامت کی حالتِ کمال پر اسی طرح پہنچا دے جس طرح اس نے سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نوازا تھا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا﴾ ''اور جو کوئی خوش دلی سے نیک کام کرے۔'' اس نیک کام سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ صفا و مروہ کے مابین طواف کرتے ہوئے قدر واجب سے زائد، یعنی آٹھ یا نو چکر لگا لے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نفلی حج یا عمرہ میں بھی سعی کرے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو کوئی تمام عبادات ہی

---

[1] مسند أحمد: 422,421/6. [2] دیکھیے البقرۃ، آیت: 128 کے ذیل میں۔ [3] صحیح مسلم، فضائل الصحابۃ، باب من فضائل أبی ذر رضی اللہ عنہ، حدیث: 2473 مطوّلًا. اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں: [إِنَّهَا مُبَارَكَةٌ ، إِنَّهَا طَعَامُ طُعْمٍ]. [4] المطالب العالیۃ لابن حجر العسقلانی، الحج، باب فضل زمزم: 368/1، حدیث: 1242,1241 وکشف الأستار: 1172,1171 عن أبی ذر رضی اللہ عنہ و مجمع الزوائد: 286/3 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ اور دیکھیے السلسلۃ الصحیحۃ: 1056.

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ

بے شک جو لوگ ہمارے نازل کردہ صریح دلائل اور ہدایت کی باتوں کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے لوگوں کے لیے ان کو کتاب میں کھول کر بیان

لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿159﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

کر دیا ہے، وہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں ﴿159﴾ مگر وہ لوگ کہ جنھوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر

وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿160﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

لی اور (حق کو) کھول کر بیان کیا تو وہی لوگ ہیں جنکی میں توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، بہت رحم کرنے والا ہوں ﴿160﴾

وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿161﴾ ۙ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر ہی تھے تو وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے ﴿161﴾

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿162﴾

وہ اس (لعنت) میں ہمیشہ رہیں گے، نہ تو ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انھیں مہلت ہی دی جائے گی ﴿162﴾

میں خوشی خوشی کوئی کام کرے۔

یہ اقوال امام رازی نے بیان کیے ہیں اور ان میں سے تیسرے قول کو امام حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔[1]
واللہ أعلم.

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿158﴾ ﴾ ”بے شک اللہ قدر شناس اور خوب جاننے والا ہے۔“ کہ وہ تھوڑے عمل کا بھی بے پایاں ثواب عطا فرماتا ہے اور جزا و ثواب کی مقدار کو بھی خوب جانتا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی کو کم ثواب عطا فرمائے بلکہ اس کی تو شان یہ ہے: ﴿ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ ﴾ ”اللہ کسی کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کرتا اور اگر نیکی (کی) ہوگی تو اس کو دو چند کر دے گا اور اپنے ہاں سے اجر عظیم بخشے گا۔“ (النسآء 4:40)

تفسیر آیات:159-162

دینی احکام چھپانے والوں کے لیے دائمی لعنت: یہ وعید شدید اس شخص کے لیے ہے جو صحیح مقاصد کے لیے انبیائے کرام کے لائے ہوئے روشن دلائل اور دلوں کے لیے نفع بخش ہدایت کو چھپائے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے بندوں کے لیے ان کتابوں میں واضح فرما دیا ہے جنھیں اس نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا تھا۔

ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ان اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے حضرت محمد ﷺ کی صفت کو چھپایا تھا۔[2] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسا کرنے والوں پر ہر چیز لعنت کرتی ہے جیسا کہ عالم کے لیے ہر چیز حتی کہ مچھلیاں پانی میں[3] اور

---

[1] تفسیر الرازی: 161/4۔ صفا اور مروہ کا نقشہ سورہ بقرہ، آیات 126-128 کے ذیل میں دیکھیے۔ [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 285/1. [3] سنن أبي داود، العلم، باب في فضل العلم، حديث:3641 وجامع الترمذي، العلم، باب ماجاء في فضل الفقه......، حديث:2682.

پرندے فضا میں مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ ① لیکن ان علم چھپانے والوں کا طرز عمل چونکہ ان کے خلاف ہے، اس لیے ان پر اللہ تعالیٰ اور دیگر سب لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔

ایک مسند حدیث میں، جس کے بعض طرق بعض کے لیے باعث تقویت ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ ، أُلْجِمَ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ] ''جس سے علم کے بارے میں پوچھا جائے اور وہ اسے چھپائے تو اسے روز قیامت جہنم کی آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔'' ②

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر کتاب اللہ میں یہ دو آیتیں: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝١٥٩ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓىِٕكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝١٦٠﴾ ''بے شک جو لوگ ہمارے نازل کردہ دلائل اور ہدایت کی باتوں کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے لوگوں کے لیے ان کو کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے، وہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ کہ جنھوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور (حق کو) کھول کر بیان کیا تو وہی لوگ ہیں جن کی میں توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، بہت رحم کرنے والا ہوں۔'' نہ ہوتیں تو میں کسی سے کچھ بھی بیان نہ کرتا۔ ③

مجاہد فرماتے ہیں کہ جب زمین میں قحط سالی کی حالت ہو تو جانور کہتے ہیں کہ یہ گناہ گار بنی آدم کی وجہ سے ہے، اللہ تعالیٰ نافرمان انسانوں پر لعنت فرمائے۔ ④ ابو العالیہ، ربیع بن انس اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ﴿وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝١٥٩﴾ ''اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔'' کے معنی یہ ہیں کہ فرشتے اور مومن ان پر لعنت کرتے ہیں۔ ⑤

حدیث میں آیا ہے: [إِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَالْحِيتَانُ فِي جَوْفِ الْمَاءِ] ''بلاشبہ عالم کے لیے آسمان وزمین میں ہر چیز اور مچھلیاں پانی کے اندر بخشش کی دعا کرتی ہیں۔'' ⑥ اور اس آیت کریمہ میں ہے کہ علم چھپانے والے پر اللہ تعالیٰ، فرشتے اور تمام لوگ لعنت کرتے ہیں اور دیگر تمام لعنت کرنے والے بھی، خواہ وہ بازبان ہوں یا بے زبان، زبان قال سے یا زبان حال سے اور قیامت کے دن بھی ان پر لعنت کریں گے۔ واللّٰه أعلم.

---

① یہ بات اس حدیث کے عموم، یعنی: [يَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ] ''جو کوئی آسمانوں میں ہے اس کے لیے بخشش کی دعا کرتا ہے۔'' سے تو نکل سکتی ہے کیونکہ پرندے بھی اس میں شامل ہیں، البتہ وہ حدیث جس میں: [وَالطَّيْرُ فِي جَوِّ السَّمَاءِ] ''پرندے فضا میں (مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔)'' کے الفاظ ہیں ضعیف ہے، دیکھیے الترغيب والترهيب، حديث:126 ومجمع الزوائد:124/1. ② مسند أحمد:305/2 وسنن أبي داود، العلم، باب كراهية منع العلم، حديث:3656 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب من سئل عن علم فكتمه، حديث:264 عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ وحديث:265 عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ ومسند أبي يعلى:2585 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما. ③ صحيح البخاري، العلم، باب حفظ العلم، حديث:118 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي هريرة رضی اللہ عنہ، حديث:2492 بعد الحديث:2493. ④ تفسير ابن أبي حاتم:269/1. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم:269/1. ⑥ سنن أبي داود، العلم، باب في فضل العلم، حديث:3641.

19 ع 11 3 ﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿163﴾﴾ ع

اور تمھارا معبود ایک ہی ہے، اس کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، وہ نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے ﴿163﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے توبہ کرنے والوں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا﴾ یعنی جن لوگوں نے اپنی سابقہ زندگی کے گناہوں سے رجوع کر لیا، اپنے اعمال واحوال کی اصلاح کر لی اور جسے پہلے وہ چھپاتے تھے، اسے لوگوں کے سامنے واضح کر دیا، ﴿فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿160﴾﴾ ''تو میں ان کے قصور معاف کر دیتا ہوں اور میں بڑا معاف کرنے والا (اور) رحم والا ہوں۔''

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب کوئی کفر و بدعت کا داعی بھی توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے لیکن جو کفر کی روش اختیار کریں اور تادم واپسیں کفر ہی پر قائم رہیں ﴿عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿161﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ﴾ ''تو ایسوں پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے، وہ ہمیشہ اسی لعنت میں گرفتار رہیں گے۔'' یعنی قیامت کے دن تک ان پر یہ لعنت برستی رہے گی، پھر جہنم کی آگ میں بھی ان کے ساتھ ہی جائے گی اور ﴿لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ﴾ ''ان سے نہ تو عذاب ہلکا ہی کیا جائے گا۔'' ﴿وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿162﴾﴾ ''اور نہ انھیں کچھ مہلت ملے گی۔'' یعنی لمحہ بھر کے لیے بھی ان سے لعنت کو ختم نہیں کیا جائے گا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ تواتر و تسلسل کے ساتھ ان پر لعنت برستی رہے گی۔ فَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ.

کافروں پر لعنت کا جواز: کفار پر لعنت کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور آپ کے بعد کے ائمہ قنوت وغیرہ میں کفار پر لعنت کیا کرتے تھے۔[1]

ہاں، البتہ کسی معین کافر کے بارے میں علماء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اس پر لعنت نہ کی جائے کیونکہ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ کس حال پر فرمائے گا۔ ایک دوسری جماعت کا قول یہ ہے کہ کسی معین کافر پر لعنت کرنا بھی جائز ہے کیونکہ اس نشہ باز کے قصے میں مذکور ہے جسے نشہ کرنے کی وجہ سے (بار بار) حد لگائی گئی تھی اور ایک شخص نے کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے کس قدر کثرت سے اسے پکڑ کر لایا جاتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: [لَا تَلْعَنُهُ، فَإِنَّهُ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ] ''اس پر لعنت نہ کرو کیونکہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔''[2] یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جسے اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہ ہو تو اس پر لعنت کی جا سکتی ہے۔ واللّٰہ أعلم.

تفسیر آیت: 163

[1] ماخوذ از صحیح ابن خزیمۃ، باب ذکر الدلیل علی أن النبیﷺ إنما أوتر......: 155/2، حدیث: 1100 والموطأ للإمام مالك، الصلاۃ فی رمضان، باب ماجاء فی قیام رمضان: 39/1، حدیث: 258. [2] صحیح البخاری، الحدود، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر......، حدیث: 6780 عن عمر رضی اللہ عنہ. اس مسئلے کی تفصیل کے لیے صحیح البخاری، حدیث: 4069، 6256 کی شروح دیکھیے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں ان چیزوں کو لیے چلتی

الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ

ہیں جو لوگوں کو نفع دیتی ہیں اور اللہ کے نازل کردہ آسمانی پانی میں کہ پھر اس کے ذریعے سے زمین کو جو مردہ ہو چکی تھی زندہ کیا اور ان ہر قسم کے جانوروں

مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ

میں جو اس نے زمین میں پھیلائے ہیں اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان پابند کر دیے گئے ہیں، (ان سب

السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿164﴾

میں) ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں ﴿164﴾

اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ وہ اپنی الوہیت میں اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں بلکہ وہ اللہ واحد، احد، یکتا اور بے نیاز ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ بڑا مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان دو پاک ناموں رحمٰن اور رحیم کی تفسیر سورۂ فاتحہ کے شروع میں بیان کی جا چکی ہے۔

اور شہر بن حوشب کی حدیث میں ہے جسے انھوں نے اسماء بنت یزید بن سکن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اِسْمُ اللّٰهِ الْأَعْظَمُ فِی هَاتَیْنِ الْآیَتَیْنِ] ''اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے: (1) ﴿ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿163﴾ ﴾ ''اور تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، وہ نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔'' اور (2) ﴿ الٓمّٓ ۙ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ؕ ﴾ (آل عمران 3:1,2) ''الم۔ وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، وہ زندہ ہے، سب کو سنبھالنے والا ہے۔''[1]

تفسیر آیت: 164

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت میں اپنے یکتا ہونے کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اسی نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے سب کو وجود بخشا ہے اور اسی نے تمام مخلوقات کو جو پیدا فرمایا ہے، یہ سب اس کی وحدانیت کا ثبوت فراہم کر رہی ہیں۔

دلائل توحید: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں۔'' یعنی آسمانوں کی رفعت، لطافت، وسعت، نجوم وکواکب، ستاروں اور سیاروں اور فلک پر ان کی گردش میں اور زمین اور اس کی کثافت، پستی، اور اس کے پہاڑوں، سمندروں، جنگلوں، بیابانوں، آبادیوں اور ان منافع میں جو اس میں رکھ دیے گئے ہیں۔ ﴿ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ﴾ ''اور رات دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں۔'' یعنی ان میں سے ایک آتا اور دوسرا چلا جاتا ہے کہ لمحہ بھر کے لیے بھی نہیں رکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا

[1] سنن أبی داود، الوتر، باب الدعاء، حدیث: 1496.

الَّیۡلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیۡ فَلَكٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ○ ﴾ (یٰسٓ 36:40) ''نہ تو سورج ہی سے ہوسکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔'' کبھی دن لمبا ہو جاتا ہے اور کبھی رات، کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں آ جاتا اور کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں آ جاتا ہے، پھر ایک دوسرے کو کاٹنے لگ جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوۡلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیۡلِ ﴾ (الحج 22:61) ''وہی (اللہ) رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔'' یعنی رات کے حصے کو دن میں اور دن کے کچھ حصے کو رات میں داخل کر دیتا ہے۔

﴿ وَ الۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ ﴾ ''اور کشتیوں (اور جہازوں) میں جو سمندر میں لوگوں کے فائدے کے لیے رواں ہیں۔'' یعنی دریاؤں اور سمندروں کے مسخر کرنے میں جو کشتیوں اور جہازوں کو ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچا دیتے ہیں، اور اس طرح ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک کے لوگوں کی معیشت و تجارت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

﴿ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ﴾ ''اور بارش میں جس کو اللہ آسمان سے برساتا اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (خشک ہونے کے بعد سرسبز) کر دیتا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الۡاَرۡضُ الۡمَیۡتَةُ ۚۖ اَحۡیَیۡنٰهَا وَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهَا حَبًّا فَمِنۡهُ یَاۡكُلُوۡنَ ○ وَجَعَلۡنَا فِیۡهَا جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ وَّفَجَّرۡنَا فِیۡهَا مِنَ الۡعُیُوۡنِ ○ لِیَاۡكُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتۡهُ اَیۡدِیۡهِمۡ ؕ اَفَلَا یَشۡكُرُوۡنَ ○ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَمِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ ○ ﴾ (یٰسٓ 36:33-36) ''اور ایک نشانی ان کے لیے مردہ زمین ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اسی میں سے اناج اگایا، پھر یہ اس میں سے کھاتے ہیں۔ اور اسی میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے اور اس میں چشمے جاری کر دیے تاکہ وہ ان کے پھل کھائیں اور ان کے ہاتھوں نے تو نہیں بنائے، پھر کیا یہ شکر نہیں کرتے؟ وہ اللہ پاک ہے جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے۔''

﴿ وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ ﴾ ''اور زمین پر ہر قسم کے جانوروں میں جو اس نے پھیلائے ہیں۔'' جو کہ شکلوں، رنگوں، منفعتوں اور چھوٹے بڑے ہونے کے اعتبار سے مختلف ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا اور رزق عطا فرماتا ہے۔ اور اس کے لیے ان میں سے کوئی ایک بھی مخفی نہیں ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزۡقُهَا وَیَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا وَمُسۡتَوۡدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِیۡ كِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ○ ﴾ (هود 11:6) ''اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے، وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی، یہ سب کچھ کتاب روشن میں (لکھا ہوا) ہے۔''

﴿ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ ﴾ ''اور ہواؤں کے چلانے میں۔'' کہ ہوا کبھی رحمت لے کر آتی ہے اور کبھی عذاب اور کبھی بادلوں کے آگے آگے بشارت لے کر آتی ہے، کبھی بادلوں کو چلاتی ہے، کبھی جمع کر دیتی ہے، کبھی الگ الگ کر دیتی ہے، کبھی شمال [1]

[1] تفسیر ابن کثیر کے متداول نسخوں میں جنوب کا لفظ ہے جبکہ شمال ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ أعلم.

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ

اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے سوا، دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں، وہ ان سے یوں محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے محبت (کرنی چاہیے) اور ایمان والے

اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ

اللہ کی محبت میں زیادہ سخت ہیں، اور جن لوگوں نے ظلم کیا اگر وہ (اس وقت کو دنیا ہی میں) دیکھ لیں جب وہ عذاب دیکھیں گے (تو یہ جان لیں کہ) بے شک

لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿165﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ

ساری کی ساری قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور یہ کہ بے شک اللہ شدید عذاب والا ہے ﴿165﴾ جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی، ان لوگوں سے بیزار ہو

اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿166﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ

جائیں گے جنھوں نے پیروی کی تھی اور وہ عذاب دیکھیں گے اور ان کے تمام تعلقات کٹ جائیں گے ﴿166﴾ اور جن لوگوں نے پیروی کی تھی، وہ کہیں

اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ

گے: کاش کہ ہمارے لیے ایک بار (دنیا میں) واپسی ہو تو ہم بھی ان لوگوں سے اسی طرح بیزار ہو جائیں جس طرح وہ ہم سے بیزار ہو گئے ہیں۔ اسی طرح

اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿167﴾ ع

اللہ ان کے اعمال کو نا کام خواہش بنا کر ان کے سامنے دکھائے گا اور وہ آگ کے عذاب سے نکلنے والے نہیں ہوں گے ﴿167﴾

کی طرف سے آتی ہے جسے شامی کہا جاتا ہے، کبھی یمن کی طرف سے آتی ہے، کبھی باد صبا آتی ہے اور اس سے مراد وہ ہے جو مشرق کی طرف سے آتی اور کعبے کے رخ سے ٹکراتی ہے، کبھی باد پچھم آتی ہے، یہ مغربی جانب، یعنی کعبے کی پشت کی طرف سے آنے والی ہوا ہوتی ہے۔ لوگوں نے ہواؤں، بارش اور ستاروں کے لغات و احکام سے متعلق بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن کا یہاں ذکر موجب طوالت ہوگا۔ واللہ أعلم.

﴿ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ یعنی بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان چلتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی مرضی اور مشیت سے جن زمینوں اور علاقوں کی طرف چاہتا ہے، انھیں لے جاتا ہے۔

﴿ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿164﴾ ﴾ ''عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔'' یعنی یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی روشن دلیلیں ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۚۙ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ ﴾ (آل عمران 3:190،191) ''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے اور آسمان، زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے) ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا تو پاک ہے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔''

تفسیر آیات: 165-167

مشرکوں کے دنیا و آخرت کے حالات اور قیامت کے دن پیشواؤں کا اپنے پیروؤں سے بیزار ہونا: اللہ تعالیٰ یہاں یہ ذکر فرما رہا ہے کہ مشرکوں کا دنیا میں کیا حال ہے اور آخرت میں ان کا کیا انجام ہوگا کہ دنیا میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنائے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی بھی عبادت کی اور ان سے اس طرح محبت کی جس طرح اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہے، حالانکہ وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ اس کا کوئی مقابل ہے، نہ اس کا کوئی ہمسر اور نہ کوئی شریک۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: [أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ] ''یہ کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمھیں پیدا فرمایا ہے۔''[1] اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ ''لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ ہی کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔'' یعنی انھیں اللہ تعالیٰ سے جو محبت اور اس کی مکمل معرفت حاصل ہے اور ان کے دلوں میں اللہ کی عظمت و توقیر اور توحید کا جو نقش بیٹھا ہوا ہے اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے بلکہ اسی وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کرتے، اسی کی ذات گرامی پر توکل کرتے اور اپنے تمام امور میں اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ شرک کرنے والوں اور خود اپنے ہی نفسوں پر ظلم کرنے والوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ ﴾ ''اور جن لوگوں نے ظلم کیا اگر وہ (اس وقت کو دنیا ہی میں) دیکھ لیں جب وہ عذاب دیکھیں گے (تو یہ جان لیں کہ) بے شک سب کی سب طاقت اللہ ہی کے لیے ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے کاش! انھیں اب وہ حقیقت معلوم ہو جائے جس کا وہاں معائنہ کریں گے اور اپنے شرک و کفر کی وجہ سے انتہائی ہولناک اور خطرناک صورتحال کا سامنا کریں گے تو اس ضلالت و گمراہی سے باز آ جائیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اپنے بتوں کا انکار کر دیں گے اور پیشوا اپنے پیروؤں سے بیزاری کا اظہار کر دیں گے، پس فرمایا: ﴿ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا ﴾ ''جب پیشوا اپنے پیروؤں سے بیزاری کا اظہار کر دیں گے۔'' جن فرشتوں کے بارے میں وہ یہ گمان کرتے تھے کہ وہ دنیا میں ان کی عبادت کرتے رہے ہیں، وہ فرشتے کہیں گے:[2] ﴿ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۡ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ۝ ﴾ (القصص 28:63) ''ہم تیری طرف (متوجہ ہو کر) ان سے بیزار ہوتے ہیں کہ یہ ہمیں پوجتے ہی نہیں تھے۔'' اور وہ کہیں گے: ﴿ سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ (سبا 34:41) ''تو پاک ہے تو ہی ہمارا دوست ہے نہ کہ یہ بلکہ یہ تو جنات کی پوجا کرتے تھے اور اکثر ان ہی کو مانتے تھے۔'' جن بھی ان سے اظہار براءت کرتے ہوئے ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ

---

[1] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة 2:22)، حديث: 7520 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب......، حديث: 86. [2] اس آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرشتوں کی بات نہیں جیسا کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں صراحت بھی کی ہے۔ واللہ أعلم.

اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿ (الأحقاف 46:5,6) ''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو۔ اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کر دیں گے۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ ﴾ (مریم 19:81,82) ''اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے موجب عزت ہوں۔ ہرگز نہیں، وہ (معبودان باطلہ) ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن (ومخالف) ہوں گے۔''

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: ﴿ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 29:25) ''تم جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو تو یہ محض دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کی وجہ سے ہے، پھر قیامت کے دن ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمھارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمھارا مددگار نہ ہوگا۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (سبا 34:31-33) ''اور (اے نبی!) کاش (ان) ظالموں کو آپ اس وقت دیکھیں جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں گے تو جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے وہ بڑے لوگوں سے کہیں گے: اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہو جاتے۔ بڑے لوگ کمزوروں سے کہیں گے کہ بھلا ہم نے تم کو ہدایت سے جب وہ تمھارے پاس آ چکی تھی، روکا تھا (نہیں) بلکہ تم ہی گناہ گار تھے۔ اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے: (نہیں) بلکہ (تمھاری) رات دن کی چالوں نے (ہمیں روک رکھا تھا) جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اس کا شریک بنائیں اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو دل میں پشیمان ہوں گے۔ اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، بس جو وہ عمل کرتے تھے انھی کا ان کو بدلہ ملے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ﴾ (إبراهيم 14:22) ''اور جب فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا: (جو) وعدہ اللہ نے تم سے کیا تھا (وہ تو) سچا (تھا) اور (جو) وعدہ میں نے تم سے کیا تھا وہ جھوٹا تھا اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا۔ ہاں، میں نے تم کو (گمراہی اور باطل کی طرف) بلایا تو تم نے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ

اے لوگو! تم ان چیزوں میں سے کھاؤ جو زمین میں حلال اور پاکیزہ ہیں اور مت پیروی کرو شیطان کے قدموں کی، بے شک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے ﴿168﴾

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿168﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿169﴾

بس وہ تو تمھیں صرف برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ کہ تم اللہ کے بارے میں وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے ﴿169﴾

(جلدی سے اور بے دلیل) میرا کہنا مان لیا تو (آج) مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ نہ میں تمھاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو، میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم پہلے مجھے شریک بناتے تھے، بے شک جو ظالم ہیں ان کے لیے درد دینے والا عذاب ہے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿166﴾ ﴾ ''اور (دونوں) عذاب (الٰہی) دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔'' یعنی جب وہ عذاب الٰہی کو دیکھیں گے تو ان کے تمام حیلے بہانے اور عذاب سے نجات کے اسباب ختم ہو جائیں گے اور عذاب سے بچنے کی کوئی صورت اور کوئی تدبیر نہ پائیں گے۔ عطاء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿166﴾ ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ان کی محبت ختم ہو جائے گی۔[1] ابن ابونجیح کی روایت کے مطابق مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ ﴾ ''(یہ حال دیکھ کر) پیروی کرنے والے (حسرت سے) کہیں گے کہ اے کاش! ہمیں پھر دنیا میں جانا نصیب ہوتا کہ جس طرح یہ ہم سے بیزار ہو رہے ہیں اسی طرح ہم بھی ان سے بیزار ہو جائیں۔'' یعنی اگر ہمیں ایک بار پھر دنیا میں جانا نصیب ہو جائے تو ہم بھی ان سے اور ان کی عبادت سے بیزاری کا اظہار کر دیں گے اور ان کی طرف قطعاً کوئی التفات نہ کریں گے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں گے، حالانکہ وہ یہ بات کرنے میں جھوٹے ہوں گے کیونکہ اگر انھیں دنیا میں لوٹنے کا موقع دیا جائے تو یہ جھوٹے پھر اپنی اسی سابقہ روش ہی کی طرف پلٹ آئیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ہمیں بتلایا ہے اور اسی لیے تو فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ ﴾ ''اس طرح اللہ ان کو ان کے اعمال حسرت بنا کر دکھائے گا۔'' یعنی ان کے اعمال ختم اور مضمحل ہو کر رہ جائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:23) ''اور جو انھوں نے عمل کیے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اڑتی خاک کر دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ ﴾ (ابراھیم 14:18) ''جن لوگوں نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا ان کے اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے کہ آندھی کے دن اس پر زور کی ہوا چلے (اور) اسے اڑا لے جائے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ ﴾ (النور 24:39) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے

[1] تفسیر الطبری: 98/2. [2] تفسیر الطبری: 98/2.

اعمال (کی مثال ایسی ہے) جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اسے پانی سمجھے۔'' اور اسی لیے تو فرمایا: ﴿ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴾ ''اور وہ دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے۔''

تفسیر آیات:169,168

حلال کھانے کا حکم اور شیطان کے نقش قدم پر چلنے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے جب یہ بیان فرمایا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور صرف اور صرف وہی تمام مخلوق کو پیدا کرنے والا ہے تو اب اس نے اس بات کو بیان فرمانا شروع کیا ہے کہ اپنی تمام مخلوق کو رزق پہنچانے والا بھی وہی ہے۔ اس نے بطور احسان اس کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے اس بات کو جائز قرار دے دیا ہے کہ اس کے بندے اس کی طرف سے زمین کی حلال اور طیب قرار دی گئی چیزوں کو کھائیں، یعنی ایسی چیزیں جو بجائے خود پاک بھی ہیں اور جسموں اور عقلوں کے لیے نقصان دہ بھی نہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو شیطان کے قدموں پر چلنے سے منع فرمایا ہے۔ شیطان کے قدموں سے مراد اس کے وہ طریقے اور راستے ہیں جن پر چلا کر اس نے اپنے ماننے والوں کو ضلالت وگمراہی میں مبتلا کر دیا کہ انھوں نے بَحِيرَة ، سَائِبَة اور وَصِيلَة وغیرہ جانوروں کو حرام قرار دے لیا۔[1]

اور زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کو شیطان نے خوب اچھی طرح ان میں مبتلا کر دیا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں عیاض بن حمار سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَلَا! إِنَّ رَبِّي أَمَرَنِي...... كُلُّ مَالٍ نَّحَلْتُهُ عَبْدًا حَلَالٌ ـ وَّ فِيهِ ـ وَ إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ، وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَّا أَحْلَلْتُ لَهُمْ......] ''لوگو متنبہ ہو جاؤ! میرے پالنہار نے مجھے حکم دیا ہے کہ۔۔ ہر وہ مال جو میں نے اپنے بندوں کو عطا فرمایا وہ ان کے لیے حلال ہے۔ اس حدیث قدسی میں یہ بھی ہے کہ۔۔ میں نے اپنے بندوں کو اس طرح پیدا کیا تھا کہ وہ سب سے کٹ کر صرف اسی کی طرف متوجہ تھے مگر شیطان ان کے پاس آئے اور انھوں نے انھیں دین سے دور کر دیا اور ان چیزوں کو حرام قرار دلایا جو میں نے ان کے لیے حلال قرار دی تھیں۔''[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ ''وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔'' یہ شیطان سے نفرت دلانے اور اس سے بچانے کے لیے فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ؕ ﴾ (فاطر 6:35) ''شیطان تمھارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو۔ وہ اپنے (پیروؤں کے) گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں ہوں۔'' اور ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ○ ﴾ (الکھف 50:18) ''کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو، حالانکہ وہ تمھارے دشمن ہیں۔ اور (شیطان کی دوستی) ظالموں کے لیے (اللہ کی دوستی کا) برا بدل ہے۔''

امام قتادہ اور سدی ﴿ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی شیطان کے نقش

---

[1] اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں المآئدة ، آیت: 103 کی تفسیر۔ [2] صحيح مسلم، الجنة و نعيمها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة و أهل النار، حديث: 2865.

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس (قرآن) کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں: (نہیں) بلکہ ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم

اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿170﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ

نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ کیا (وہ پیروی کریں گے) اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ انھوں نے راہ ہدایت ہی پائی ہو؟﴿170﴾ اور جن لوگوں نے

كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ

کفر کیا، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اس (جانور) کو پکارتا ہے جو پکارنے اور چلانے کے سوا کچھ نہیں سنتا۔ وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں،

فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿171﴾

اس لیے وہ عقل نہیں رکھتے ﴿171﴾

قدم پر چلنے کا نام ہے۔[1] عبد بن حُمَید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہر وہ قسم اور نذر جس کا اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے تعلق ہو، وہ شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے اور اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿169﴾﴾ ”وہ تو تم کو برائی اور بے حیائی ہی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور یہ بھی کہ اللہ کی نسبت ایسی باتیں کہو جن کا تمھیں (کچھ بھی) علم نہیں۔“ یعنی تمھارا یہ دشمن شیطان تمھیں برے برے کام کرنے کا حکم دیتا ہے جن میں سے بدترین کام بدکاری ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ برا کام یہ ہے کہ علم کے بغیر اللہ تعالیٰ کی طرف کسی بات کو منسوب کیا جائے۔ یاد رہے! اس حکم میں ہر کافر اور بدعتی داخل ہے۔

تفسیر آیات: 171,170

مشرک تقلید کرتا ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ان کافروں مشرکوں سے کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کی پیروی کرو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے اور اپنی ضلالت و جہالت کو ترک کر دو تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے آباء واجداد کو اصنام وانداد کی عبادت پر پایا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ﴾ ”اگرچہ ان کے باپ دادا“ یعنی ان کے وہ آباء واجداد جن کی یہ اقتدا کرتے ہیں اور جن کے یہ نقش قدم پر چلتے ہیں ﴿لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿170﴾﴾ ”کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ انھوں نے راہِ ہدایت ہی پائی ہو۔“ یعنی فہم وہدایت سے محروم ہوں تو کیا پھر بھی وہ انھی کی تقلید کیے جائیں گے؟ ابن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کی اس جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی تھی تو انھوں نے جواب میں یہی کہا تھا کہ نہیں بلکہ ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔[3]

مشرک حیوان کی طرح ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک مثال بیان کی ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 281/1. [2] الدر المنثور: 305/1. [3] تفسیر الطبری: 2/107,108.

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿172﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں رزق کے طور پر دی ہیں اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ

ہو﴿172﴾ اللہ نے تو تم پر صرف مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ چیز حرام کی ہے جس پر اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا جائے، پھر جو شخص مجبور ہو جائے جبکہ وہ

غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿173﴾

سرکشی کرنے والا اور حد سے گزرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے﴿173﴾

بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ ﴾(النحل 60:16) ”جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، انھی کے لیے بری مثال ہے۔“ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ؕ ﴾ ”جو لوگ کافر ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اس (جانور) کو پکارتا ہے جو پکارنے اور چلانے کے سوا کچھ نہیں سنتا۔“ یعنی وہ حماقت، ضلالت اور جہالت کے اعتبار سے ان جانوروں کی طرح ہیں جو اس بات کو سمجھتے ہی نہیں جو ان سے کہی جاتی ہے، انھیں چَرانے والا جب بھی کسی ایسی بات کی طرف پکارتا ہے جس میں ان کی بھلائی ہو تو وہ اسے قطعاً نہیں سمجھتے بلکہ اس کی صرف آواز کو سنتے ہیں۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو العالیہ، مجاہد، عِکرمہ، عطاء، حسن، قتادہ، عطاء خراسانی اور ربیع بن انس رحمہم اللہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ ﴾ ”(یہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔“ یعنی حق سننے سے بہرے ہیں، حق بولنے سے گونگے ہیں اور حق کے طریقے اور راستے کو دیکھنے سے اندھے ہیں۔ ﴿ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿171﴾ ﴾ یعنی پس یہ نہ عقل رکھتے ہیں اور نہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔

تفسیر آیات: 173,172

پاک چیزیں کھانے کا حکم اور حرام کا بیان: اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو حکم دے رہا ہے کہ وہ ان پاک چیزوں کو کھائیں جن کا اللہ تعالیٰ نے انھیں رزق عطا فرمایا اور اگر وہ اس کی بندگی کا دم بھرتے ہیں تو پھر اس کی ان نعمتوں پر اس کا شکر بھی بجالائیں۔ رزق حلال کھانا دعا اور عبادت کی قبولیت کا سبب ہے جیسا کہ رزق حرام دعا اور عبادت کی قبولیت میں مانع ہوتا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَّا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَّ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ ، فَقَالَ: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ؕ ﴾(المؤمنون 51:23) وَقَالَ: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ! يَا رَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَّمَشْرَبُهُ حَرَامٌ ، وَّمَلْبَسُهُ حَرَامٌ ، وَّغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ ؟]

[1] تفسير ابن أبي حاتم :282/1.

''لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے، پاک ہی کو قبول فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں کو حکم دیا تھا، رسولوں کو اس نے یہ حکم دیا تھا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۟ؕ ﴾ (المؤمنون 23:51) ''اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور بھلے کام کرو جو عمل تم کرتے ہو میں ان سے واقف ہوں۔'' اور مومنوں سے فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ ''اے اہل ایمان! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ۔'' پھر آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے، پریشان حال اور غبار آلود ہے، اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے: یارب! یارب! مگر اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے، اس کا لباس حرام ہے، مال حرام ہی کے ساتھ اس نے پرورش پائی ہے تو اس کی دعا کیسے قبول ہو؟''[1] اس حدیث کو امام مسلم اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رزق کا احسان فرمایا اور پاکیزہ چیزیں کھانے کے لیے ان کی رہنمائی کی تو ساتھ ہی یہ بھی ذکر فرما دیا کہ اس نے ان کے لیے صرف مردار کو حرام قرار دیا ہے، اس سے مراد وہ جانور ہے جو ذبح کیے بغیر از خود مر جائے، خواہ وہ گلا گھوٹنے سے مرے یا چوٹ لگنے سے یا گر کر یا سینگ لگنے سے یا کسی درندے نے اس پر حملہ کیا ہو۔

ہاں، البتہ سمندر کا مرا ہوا جانور اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ ﴾ (المآئدة 5:96) ''تمھارے لیے دریا (کی چیزوں) کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے۔'' عنقریب، ان شاء اللہ تعالیٰ، اس کی تفصیل آئے گی اور جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں عَنبَر نامی بہت بڑی مچھلی کا مردہ ملنا، صحابہ کا اسے کھانا اور نبی ﷺ کا انکار نہ کرنا آیا ہے۔[3] مسند، موطأ اور سنن میں نبی اکرم ﷺ کا دریا کے بارے میں یہ فرمان موجود ہے: [هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ] ''اس کا پانی پاک اور مردار حلال ہے۔''[4]

امام شافعی، احمد، ابن ماجہ اور دارقطنی رحمہم اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے: [أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ: فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْحُوتُ وَالْجَرَادُ وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ] ''ہمارے لیے دو مردار اور دو خون حلال قرار دیے گئے ہیں: دو مردار: مچھلی اور ٹڈی، دو خون کلیجی اور تلی ہیں۔''[5] ان مسائل کی تفصیل سورۂ مائدہ میں بیان کی جائے گی۔[6] إن شاء الله.

---

[1] مسند أحمد:328/2. [2] صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، حديث:1015 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث:2989 . [3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة سيف البحر......، حديث:4361. [4] مسند أحمد:365/5 والموطأ للإمام مالك، الطهارة، باب الطهور للوضوء، حديث: 45 وسنن أبي داود، الطهارة، باب الوضوء بماء البحر، حديث:83 وجامع الترمذي، الطهارة، باب ماجاء في ماء البحرأنه طهور، حديث:69 وسنن النسائي، المياه، باب الوضوء بماء البحر، حديث:333 وسنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب الوضوء بماء البحر، حديث:386. [5] كتاب الأم للشافعي، الصيد والذبائح، باب ذكاة الجراد والحيتان:177/3 ومسند أحمد:97/2 وسنن ابن ماجه، الأطعمة، باب الكبد والطحال، حديث:3314 وسنن الدارقطني، الأشربة وغيرها، باب الصيد والذبائح والأطعمة وغير ذلك، حديث:4687 واللفظ لابن ماجه. [6] دیکھیے المائدة، آیت :3 کے ذیل میں۔

مردار کا دودھ اور اسی طرح مردہ جانور کا انڈا جو ابھی تک اس کے پیٹ میں ہے امام شافعی رحمہ اللہ اور کئی دیگر کے نزدیک نجس ہے کیونکہ یہ اسی کے جسم کا حصہ ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ ہے تو پاک لیکن نجس کے ساتھ ملنے کی وجہ سے ناپاک ہے۔ اسی طرح مردار کی إِنْفَحَة[1] کے بارے میں بھی اختلاف ہے، ائمۂ کرام کے نزدیک مشہور بات یہ ہے کہ یہ ناپاک ہے، گو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مجوس کے پنیر کو کھانا ان کے خلاف بطور اعتراض پیش کیا جا سکتا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس جگہ اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس میں دودھ کی مقدار بہت ہی قلیل ہوتی ہے اور اگر بہت کثیر مائع چیز میں بہت قلیل مقدار میں نجاست گر جائے تو وہ قابل معافی ہے۔[2]

ابن ماجہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی، پنیر اور جنگلی گدھے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: [اَلْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ ، وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ] ''حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اس نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے اور جس سے اس نے سکوت فرمایا ہے وہ قابل معافی ہے۔''[3]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سؤر کے گوشت کو بھی حرام قرار دیا ہے، خواہ اسے ذبح کیا گیا ہو یا وہ اپنی موت آپ مرا ہو۔ سؤر کی چربی کا حکم بھی وہی ہے جو اس کے گوشت کا ہے اور یہ حکم یا تو تغلیبًا ہے یا اس لیے کہ گوشت کا لفظ چربی کو بھی شامل ہے یا پھر یہ بطریق قیاس حرام ہے۔ اسی طرح اس نے ہر اس چیز کو بھی حرام قرار دیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، یعنی اسے اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں، شریکوں اور تیروں وغیرہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ ان کے نام پر اپنے جانور ذبح کرتے تھے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اثر کو بیان کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ بعض عجمی لوگ اپنی عیدوں میں جانوروں کو ذبح کرتے ہیں، پھر ان کے گوشت کا مسلمانوں کو تحفہ بھی دے دیتے ہیں؟ فرمایا: جو انھوں نے اپنے اس خاص دن کے لیے ذبح کیا ہو، اسے نہ کھاؤ اور ان کے درختوں (کے پھلوں) کو کھا لو۔[4]

مضطر اور ناچار کے لیے حرام کھانا جائز ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے ضرورت اور احتیاج کے وقت جبکہ کھانے کی دوسری چیزیں موجود نہ ہوں، حرام کھانے کی بھی اجازت دے دی ہے اور فرمایا: ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ ﴾ ''ہاں، جو ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے۔'' یعنی مجبور و بے بس ہو جائے اور سرکشی و دشمنی کی وجہ سے حد سے تجاوز نہ کرنا چاہے: ﴿ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ﴾ ''تو اس پر (اس کے کھانے کی وجہ سے) کچھ گناہ نہیں ہوگا۔'' ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ﴿173﴾ ''بے شک اللہ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔''

---

[1] بچھڑوں اور بکری کے بچوں کے معدے کا ایک مادہ جس کے ذریعے سے دودھ کا پنیر بنایا جاتا ہے۔ [2] تفسير القرطبي: 221/2.
[3] سنن ابن ماجه، الأطعمة، باب أكل الجبن والسمن، حديث: 3367. [4] تفسير القرطبي: 224/2 و المصنف لابن أبي شيبة: 125/5، رقم: 24361.

مجاہد فرماتے ہیں کہ جو شخص ناچار ہو جائے اور وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے، حد سے تجاوز نہ کرے، رہزن نہ ہو، حکمرانوں کا مخالف نہ ہو یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لیے نہ نکلا ہو تو اس کے لیے حرام کھانے کی رخصت ہے۔ اور جو شخص سرکشی، دشمنی اور اللہ کی نافرمانی کے لیے نکلا ہو تو اس کے لیے اضطراری حالت میں بھی حرام کھانے کی رخصت نہیں ہے۔[1] سعید بن جبیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

سعید بن جبیر سے ایک دوسری روایت میں، نیز مُقَاتِل بن حَیّان سے مروی ہے کہ وہ اسے حلال سمجھنے والا نہ ہو۔[3] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ﴾ کے بارے میں مروی ہے کہ ﴿غَيْرَ بَاغٍ﴾ یعنی مردار کا طلب گار نہ ہو ﴿وَّلَا عَادٍ﴾ اور مردار کھانے میں حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو۔[4] قتادہ بھی فرماتے ہیں کہ مردار کے کھانے میں سرکشی کرنے والا نہ ہو، یعنی حلال سے تجاوز کر کے حرام کو اختیار کرنے والا نہ ہو جبکہ وہ اس سے بچ سکتا ہو۔[5]

مسئلہ: ایک شخص جو بھوک کے مارے مجبور و بے بس ہو، اسے ایک طرف مردار جانور نظر آئے اور دوسری طرف کسی دوسرے شخص کا مال جسے حاصل کرنے کے لیے نہ قطع رحمی سے کام لینا پڑتا ہے اور نہ کسی قسم کی ایذا ہی سے تو اس کے لیے مردار کھانا حلال نہ ہوگا بلکہ وہ اس دوسرے شخص کے مال کو کھالے اور اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ابن ماجہ میں عباد بن شُرَحبِیل غُبَرِیّ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم قحط سالی میں مبتلا ہوئے تو میں مدینہ میں آیا اور ایک کھیت میں داخل ہو کر میں نے کچھ بالیاں توڑیں اور انھیں توڑ چھیل کر کھانے لگا اور تھوڑی سی بالیاں اپنی چادر میں ڈال کر لے چلا تو اتنے میں کھیت کا مالک بھی آ گیا تو اس نے مجھے مارا اور میرے کپڑے کو بھی چھین لیا تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے سارا ماجرا کہہ سنایا تو آپ نے اس شخص سے فرمایا: [مَا أَطْعَمْتَهُ إِذْ كَانَ جَائِعًا أَوْ سَاغِبًا وَّلَا عَلَّمْتَهُ إِذْ كَانَ جَاهِلًا] "تم نے نہ تو اسے کچھ کھلایا جبکہ وہ بھوک میں مبتلا یا فاقہ کش تھا اور نہ اسے کچھ سمجھایا بجھایا جبکہ وہ نادان تھا۔" پھر آپ نے اسے حکم دیا اور اس نے اس کی چادر کو لوٹا دیا اور آپ نے اسے یہ بھی حکم دیا کہ اس شخص کو کھانے کا ایک یا نصف وسق (ایک وسق چار من کے قریب ہوتا ہے۔) بھی دو۔[6]

اس حدیث کی سند صحیح، قوی اور جید ہے اور اس کے بہت سے شواہد بھی ہیں، مثلاً: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے درخت پر لٹکے ہوئے پھل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: [مَنْ أَصَابَ مِنْهُ مِنْ ذِي حَاجَةٍ، غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً ، فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ] "جو ضرورت مند وہاں کھالے اور اپنے ساتھ لے کر نہ جائے تو اس کے لیے کوئی گناہ نہیں۔"[7]

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 283/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 284/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 284/1. [4] تفسير ابن أبي حاتم: 284/1. [5] تفسير ابن أبي حاتم: 285/1. [6] سنن ابن ماجه، التجارات، باب من مرعلى ماشية قوم أو حائط، هل يصيب منه؟ حديث: 2298. اور دیکھیے سنن أبي داود، حديث: 2620 وسنن النسائي، حديث: 5411.

[7] جامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء في الرخصة في أكل الثمرة للمارّ بها، حديث: 1289.

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓىِٕكَ مَا يَاْكُلُوْنَ

بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کی گئی کتاب میں سے کچھ (باتیں) چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑا سا مول لیتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں آگ کے

فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ ۖۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿174﴾ اُولٰٓىِٕكَ

سوا کچھ نہیں بھرتے اور قیامت کے دن اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ انھیں پاک ہی کرے گا اور ان کے لیے بہت دردناک عذاب ہے ﴿174﴾ وہی

الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَاۤ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿175﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ

لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور بخشش کے بدلے عذاب خریدا، چنانچہ وہ آگ پر کس قدر صبر کرنے والے ہیں؟ ﴿175﴾ یہ اس لیے کہ

اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿176﴾ ع 21 / 9 / 5

بے شک اللہ نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور بے شک جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا، وہ مخالفت میں بہت دور تک چلے گئے ہیں ﴿176﴾

مُقاتِل بن حَیّان نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿173﴾﴾ ”اس پر کچھ گناہ نہیں، بے شک اللہ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔“ کے بارے میں لکھا ہے کہ جو شخص اضطراری حالت میں کھا لے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔[1] سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اس صورت میں جو حرام کھائے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا۔[2] مسروق سے روایت ہے کہ اگر کوئی مجبور و بے بس ہو کر بھی حرام کو نہ کھائے پیے اور مر جائے تو وہ جہنم میں داخل ہو گا۔[3] اس سے معلوم ہوا کہ مجبور و مضطر کے لیے مردار کھانا عزیمت ہے رخصت نہیں۔

تفسیر آیات: 176-174

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کو چھپانے کی وجہ سے یہودیوں کی مذمت: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ ”بے شک جو لوگ (اللہ کی) کتاب سے ان (آیتوں اور ہدایتوں) کو جو اس نے نازل فرمائی ہیں چھپاتے ہیں۔“ اس سے مراد وہ یہودی ہیں جنھوں نے اپنے پاس موجود ان کتابوں میں لکھی ہوئی حضرت محمد ﷺ کی شان کو چھپایا جو آپ کی نبوت و رسالت کی شاہد تھیں۔ انھوں نے ان باتوں کو اس لیے چھپایا تاکہ ان کی ریاست و قیادت کا خاتمہ نہ ہو اور ان تحائف اور نذرانوں کا سلسلہ ختم نہ ہو جائے جو عرب ان کی تعظیم کی وجہ سے ان کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔ یہ ملعون اس بات سے خائف تھے کہ اگر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے اپنی کتابوں میں لکھے ہوئے ان اوصاف و صفات کو ظاہر کر دیا تو لوگ آپ کی اتباع شروع کر دیں گے اور انھیں چھوڑ دیں گے، چنانچہ انھوں نے معمولی اور حقیر دنیوی فوائد کی خاطر ان حقائق کو چھپایا اور ان فوائد کی خاطر اپنے نفسوں کو بیچ ڈالا اور ہدایت، اتباع حق، تصدیق رسول اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین و شریعت پر ایمان کے بجائے اس معمولی دنیوی منفعت کو قبول کر لیا جس کی وجہ سے یہ دنیا و آخرت میں خائب و خاسر ہو گئے تھے۔

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 285/1. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 285/1. [3] السنن الكبرٰى للبيهقي، الضحايا، باب ما يحل من الميتة بالضرورة؟ 357/9، حديث: 20196.

دنیا میں تو اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو جس منصب نبوت سے سرفراز فرمایا، واضح آیات اور قطعی دلائل سے نوازا، اس کی صداقت کو اپنے بندوں کے سامنے آشکارا کر دیا، لہٰذا ان لوگوں نے بھی آپ کی تصدیق کی جن کے بارے میں یہودیوں کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ وہ کہیں آپ کی اتباع نہ کرنے لگ جائیں مگر یہی لوگ یہودیوں کے خلاف جہاد میں آپ کے دست و بازو بنے اور یہودی غضب بالائے غضب کے مستحق قرار پائے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے کئی ایک مقامات پر ان کی مذمت فرمائی ہے جن میں سے ایک یہ آیت کریمہ بھی ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ﴾ ''جو لوگ (اللہ کی) کتاب سے ان (آیتوں اور ہدایتوں) کو، جو اس نے نازل فرمائی ہیں، چھپاتے ہیں اور ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کرتے ہیں۔'' تھوڑی قیمت سے مراد دنیوی منفعت ہے۔

﴿ اُولٰٓىِٕكَ مَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ ﴾ ''وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھرتے ہیں۔'' یعنی کتمان حق کے مقابلے میں جو کچھ یہ کھاتے ہیں وہ درحقیقت جہنم کی آگ ہے جو قیامت کے دن ان کے پیٹوں میں بھڑک رہی ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۠ ﴾ (النسآء 10:4) ''جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور وہ جلد دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔'' اور ایک صحیح حدیث میں ہے: [اَلَّذِي يَشْرَبُ فِي إِنَاءِ الْفِضَّةِ إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ] ''جو شخص چاندی کے برتنوں میں پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔''[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَكِّیْهِمْ ۖۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۴﴾ ﴾ ''ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے۔'' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان پر بہت سخت ناراض ہوگا کیونکہ انھوں نے علم کے باوجود حق کو چھپایا جس کی وجہ سے وہ غضب الٰہی کے مستحق قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی طرف نہ دیکھے گا اور نہ انھیں گناہوں سے پاک ہی کرے گا، نہ ان کی کوئی مدح و ثنا کرے گا بلکہ انھیں انتہائی دکھ دینے والے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی کو خریدا۔'' ہدایت تو یہ تھی کہ ان کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے اوصاف وصفات کا جو تذکرہ تھا، آپ کی بعثت اور آپ کے بارے میں بشارت کا جو ذکر تھا اسے عام کرتے اور آپ کی اتباع و تصدیق کا دم بھرتے مگر انھوں نے اس ہدایت کے بدلے اور عوض میں ضلالت و گمراہی کو حاصل کر لیا۔ اور وہ یہ کہ انھوں نے آپ کی تکذیب کی، آپ کے ساتھ کفر کیا اور اپنی کتابوں میں لکھی ہوئی آپ کی صفات کو لوگوں سے چھپایا۔ ﴿ وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ ﴾ یعنی انھوں نے مغفرت اور بخشش کے عوض میں عذاب کو حاصل کر لیا کیونکہ انھوں نے مذکورہ امور کو جب اختیار کیا تو وہ عذاب الٰہی کا سبب بن گئے۔

[1] صحيح البخاري، الأشربة، باب آنية الفضة، حديث: 5634 و صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم استعمال أواني الذهب والفضة......، حديث: 2065.

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر ، آخرت کے دن پر ،

وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى

فرشتوں پر ، (آسمانی) کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے اور مال سے محبت کے باوجود اُسے رشتے داروں ، یتیموں ، مسکینوں

وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ۙ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ

مسافروں،سوال کرنے والوں اور گردنیں چھڑانے کے لیے خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکوۃ دے اور (نیکی ان کی بھی ہے جو) جب عہد کرلیں تو

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ؕ

اپنا عہد پورا کریں اور تنگدستی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت صبر کریں،

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿177﴾

وہی لوگ سچے اور وہی پرہیزگار ہیں ﴿177﴾

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿175﴾ ﴾ ''یہ آتش (جہنم) کو کس قدر برداشت کرنے والے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ وہ بے حد سخت، بہت بڑے اور ہولناک عذاب میں مبتلا ہوں گے، ان کو دیکھنے والا بڑے تعجب کا اظہار کرے گا کہ یہ کس قدر برداشت کرنے والے ہیں، حالانکہ یہ شدید ترین عذاب، ہولناک سزاؤں اور جہنم کی بیڑیوں میں جکڑے ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ ﴾ ''یہ اس لیے کہ اللہ نے کتاب سچائی کے ساتھ نازل فرمائی ہے۔'' یہ عذاب شدید کے مستحق اس لیے قرار پائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ پر اور آپ سے پہلے سابقہ انبیائے کرام پر اپنی کتابوں کو اس لیے نازل فرمایا تھا کہ ان سے حق حق اور باطل باطل ثابت ہو جائے مگر ان لوگوں نے آیاتِ الٰہی کا مذاق اڑایا۔ ان کی کتاب نے انھیں حکم تو یہ دیا تھا کہ یہ علم کو ظاہر اور نشر کریں مگر انھوں نے اپنی ہی کتاب کی مخالفت اور تکذیب کی۔

اسی طرح خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد ﷺ نے انھیں اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول کرنے کی دعوت دی، نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کا حکم دیا مگر انھوں نے آپ کی تکذیب و مخالفت کی، آپ کا انکار کیا اور آپ کی صفات کو چھپایا اور ان آیات کا مذاق اڑایا جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا تھا، اسی وجہ سے یہ عذاب اور سزا کے مستحق قرار پائے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِی الْكِتٰبِ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ﴿176﴾ ﴾ ''یہ اس لیے کہ اللہ نے کتاب سچائی کے ساتھ نازل فرمائی اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا وہ ضد میں (آکر نیکی سے) دور (ہو گئے) ہیں۔''

تفسیر آیت:177

نیکیوں کا ایک جامع پیکج: یہ آیت کریمہ عظیم جملوں، ٹھوس قواعد اور مستقیم عقائد پر مشتمل ہے۔ جہاں تک اس کی تفسیر کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے پہلے پہل مسلمانوں کو جب بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم دیا، پھر اسے منسوخ کر کے بیت اللہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دیا تو یہ بات اہل کتاب کی ایک جماعت اور بعض مسلمانوں پر بہت گراں گزری تو اللہ تعالیٰ نے اس حکم کی تبدیلی میں جو حکمت تھی اسے بیان فرما دیا کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے احکام کے سامنے جاں سپاری اور تسلیم و رضا کا مظاہرہ کرنا ہے اور رخ اس طرف کرنا ہے جس طرف وہ حکم دے اور اتباع اس کی کرنی ہے جسے وہ شریعت قرار دے دے، بس یہی نیکی و تقویٰ اور ایمان کامل ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم و شریعت کی اطاعت پیش نظر نہ ہو تو پھر مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ ''نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق و مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قربانی اور ہدی کے جانوروں کی بابت فرمایا ہے: ﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ﴾ (الحج 22:37) ''اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ اس تک تمھاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔''

ابوالعالیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہود مغرب کی طرف اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ ﴾ ''نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق و مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لو۔'' یہ کلام ایمان پر مبنی ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ امام حسن بصری اور ربیع بن انس رحمہما اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1]

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ ﴿ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں نیکی کی تمام انواع و اقسام کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اور انھوں نے بالکل بجا فرمایا ہے۔ جو شخص اس آیت کریمہ پر عمل کرے وہ گویا سارے اسلام میں داخل ہو گیا اور اس نے تمام نیکیوں کو اپنا لیا۔ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں کے وجود کی تصدیق کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے مابین سفیر ہیں۔

﴿ وَالْكِتٰبِ ﴾ ''اور کتاب پر ایمان لانا۔'' کتاب کا لفظ یہاں اسم جنس کے طور پر استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد وہ تمام آسمانی کتابیں ہیں جو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل ہوئی تھیں۔ اور ان سب کے آخر میں وہ کتاب نازل ہوئی جو ان سب سے اشرف و افضل ہے اور وہ قرآن ہے جو سابقہ تمام آسمانی کتابوں کا نگہبان ہے، جس پر پہنچ کر ہر قسم کی خیر و بھلائی ختم ہو جاتی ہے، جو دنیا و آخرت کی تمام سعادتوں اور کامرانیوں پر مشتمل ہے، جس نے سابقہ تمام آسمانی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے اور جو اول نبی سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیائے کرام پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 287/1.

﴿ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ﴾ ''اور باوجود مال عزیز رکھنے کے دے۔'' یعنی محبت و رغبت کے باوجود مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل صدقے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: [أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَحِيحٌ شَحِيحٌ ، تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَأْمُلُ الْغِنٰى] ''(افضل صدقہ) یہ ہے کہ تو اپنی صحت اور مال کی محبت کی حالت میں صدقہ کرے جبکہ تجھے کمی و فقر کا اندیشہ ہو اور مال کی زیادتی کی رغبت۔''[1]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ ﴾ (الدهر 76:8,9) ''اور باوجودیکہ ان کو خود طعام کی خواہش (اور حاجت) ہے مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں کہ) ہم تم کو خالص اللہ کے لیے کھلاتے ہیں، نہ تو تم سے عوض کے خواستگار ہیں، نہ شکر گزاری کے (طلب گار۔)'' اور فرمایا: ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ ﴾ (آل عمران 3:92) ''(مومنو!) جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمھیں عزیز ہیں (اللہ کی راہ میں) صرف نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے۔''

اور فرمایا: ﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ ﴾ (الحشر 59:9) ''اور وہ (ان کو) اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں، خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔'' یہ ایک دوسرا کردار ہے جو پہلے سے بھی بلند ہے، یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو ضرورت و حاجت کے باوجود دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں جبکہ پہلے ان لوگوں کے کردار کا ذکر تھا جو مال کی محبت کے باوجود دوسروں کو اپنا مال دیتے اور کھلاتے ہیں۔

اللہ کے ارشاد: ﴿ ذَوِي الْقُرْبٰى ﴾ سے مراد انسان کے اپنے رشتے دار ہیں اور یہ دوسروں کی نسبت صدقے کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے: [اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ وَّالصَّدَقَةُ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ اثْنَتَانِ: صَدَقَةٌ وَّصِلَةٌ] ''مسکینوں پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے مگر اپنے رشتے دار کو دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔''[2] کیونکہ وہ آپ کی نیکی اور عطیے کے دوسرے تمام لوگوں کی نسبت زیادہ حقدار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں رشتے داروں کے ساتھ احسان کرنے کا کئی ایک مقامات پر حکم دیا ہے۔

﴿ وَالْيَتٰمٰى ﴾ سے مراد وہ بچے ہیں جن کا کمانے والا کوئی نہ ہو، ان کے باپ فوت ہو گئے ہوں اور وہ کمزور اور چھوٹے ہوں اور ابھی بلوغت اور کمانے کی عمر کو نہ پہنچے ہوں۔ محدث عبدالرزاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يُتْمَ بَعْدَ الْحُلُمِ] ''بلوغت کے بعد یتیمی نہیں ہے۔''[3]

﴿ وَالْمَسٰكِيْنَ ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس اپنی خوراک، لباس اور رہائش کی ضرورتوں کے لیے کافی مال نہ ہو، لہٰذا ان کو بھی مال دیا جائے تاکہ یہ اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کر سکیں۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

---

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب فضل صدقة الشّحيح الصحيح، حديث:1419 و صحيح مسلم، الزكاة، باب بيان أن أفضل الصدقة......، حديث:1032. [2] مسند أحمد:4/ 214 عن سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ. [3] المصنف لعبدالرزاق، الطلاق ، باب الطلاق قبل النكاح، حديث:11450 نیز دیکھیے سنن أبي داود:2873 و السلسلة الصحيحة:3180.

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[لَيْسَ الْمِسْكِينُ بِهٰذَا الطَّوَّافِ الَّذِي يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ، فَتَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ، وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ، قَالُوا: فَمَا الْمِسْكِينُ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيهِ، وَلَا يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ]''مسکین وہ نہیں ہے جو مانگتا پھرتا ہو اور ایک یا دو لقمے، ایک یا دو کھجوریں اسے لوٹا دیتی ہوں۔ صحابہ نے عرض کی: مسکین کون ہے؟ اے اللہ کے رسول! تو آپ نے فرمایا: مسکین تو وہ ہے جس کے پاس نہ تو اس قدر مال ہو جو اس کی ضرورت کے لیے کافی ہو اور نہ اس کی احتیاج کی بابت علم ہو کہ اسے صدقہ دیا جا سکے۔''[1]

﴿ وَابْنَ السَّبِيلِ ﴾ سے مراد وہ مسافر ہے جس کا زادِ راہ ختم ہو گیا ہو تو اسے اس قدر دیا جا سکتا ہے جس سے وہ اپنے گھر پہنچ سکے۔ اسی طرح جو شخص نیکی کی خاطر کسی سفر کا ارادہ کرے تو اسے آمد و رفت کے اخراجات پورے کرنے کے لیے مال دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح مہمان کو بھی مال دیا جا سکتا ہے جیسا کہ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابن سبیل سے مراد مسلمانوں کا مہمان بھی ہے۔[2] مجاہد، سعید بن جبیر، ابوجعفر باقر، حسن بصری، قتادہ، ضحاک، زہری، ربیع بن انس اور مُقاتل بن حیان رحمہم اللہ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔[3]

﴿ وَالسَّآئِلِيْنَ ﴾ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مانگتے ہیں اور انھیں زکاۃ و صدقات دیے جاتے ہیں۔ ﴿ وَفِي الرِّقَابِ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ ان غلاموں کو دیا جائے جنھوں نے اپنے مالکوں کو یہ لکھ کر دے دیا ہے کہ وہ اپنی آزادی کے لیے انھیں اس قدر مال دیں گے مگر وہ اس قدر مال انھیں دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ان اصناف میں سے اکثر کے بارے میں تفصیل کے ساتھ ذکر سورۂ براءت کی اس آیت کی تفسیر میں آئے گا جس میں مصارفِ زکاۃ کا بیان ہے۔[4] إن شاء الله تعالىٰ.

ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے افعالِ نماز کو ان کے اوقات میں سرانجام دیا اور رکوع، سجود، طمانیت اور خشوع کے ساتھ اس طرح سرانجام دیا جس طرح شرعاً مطلوب اور پسندیدہ ہے اور ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ﴾ سے مال کی زکاۃ مراد ہے جیسا کہ سعید بن جبیر اور مُقاتل بن حیان رحمہما اللہ نے بھی کہا ہے۔[5]

اور ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ﴾ ''اور جب عہد کر لیں تو اس کو پورا کریں۔'' اسی طرح ہے جس طرح یہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴾ (الرعد 20:13) ''جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور قرار کو نہیں توڑتے۔''

اس کے برعکس صفت کو نفاق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے:[آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ]''منافق کی تین نشانیاں ہیں: (1) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ﴾ (البقرة 273:2)، حديث:4539 وصحيح مسلم، الزكاة، باب المسكين الذي......، حديث:1039 واللفظ له. [2] تفسير ابن أبي حاتم:289/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم:290/1. [4] دیکھیے آیت:60 کے ذیل میں۔ [5] تفسير ابن أبي حاتم:290/1.

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! قتل ہو جانے والوں (کے معاملے) میں تمھارے لیے برابر کا بدلہ لینا فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد، آزاد کے بدلے، غلام، غلام

وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ

کے بدلے اور عورت، عورت کے بدلے، پھر جس (قاتل) کو اس کا بھائی (مقتول کا ولی) کچھ (قصاص) معاف کر دے تو معروف طریقے سے اتباع (دیت کا

بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ

مطالبہ) ہو اور اچھے طریقے سے (دیت کی) ادائیگی ہو۔ یہ تمھارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے، پھر اس کے بعد جس شخص نے زیادتی کی اس

اَلِيْمٌ ﴿178﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿179﴾

کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿178﴾ اور اے عقل والو! تمھارے لیے برابر کا بدلہ لینے ہی میں زندگی ہے تاکہ تم (قتل و غارت سے) بچو ﴿179﴾

(2) وعدہ کرے تو پورا نہ کرے اور (3) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔''[1] ایک دوسری حدیث میں اس طرح آیا ہے: [إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، (وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ) وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ] ''(1) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (2) جب عہد کرے تو عہد شکنی کرے۔ (3) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔ اور (4) جب لڑائی جھگڑا کرے تو گالی دے۔''[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ ﴾ ''اور سختی اور تکلیف میں اور معرکۂ کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔'' بَأْساء سے مراد حالتِ فقر اور ضرَّآء سے مراد مرض اور بیماری کی حالت ہے اور ﴿ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ ﴾ سے مراد معرکۂ کارزار اور دشمن سے مڈ بھیڑ کی حالت ہے۔ یہ ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم، ابو العالیہ، مرہ ہمدانی، مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ، ضحاک رحمہم اللہ اور دیگر بہت سے ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔[3]

﴿ وَالصّٰبِرِيْنَ ﴾ کو مدح کی وجہ سے منصوب پڑھا گیا ہے۔ ان حالات میں شدت و صعوبت کی وجہ سے صبر کی ترغیب دی گئی ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ، وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ. (وہی دستگیر ہے اور اسی پر بھروسا ہے۔)

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں۔'' یعنی یہ لوگ جو ان مذکورہ بالا صفات سے متصف ہیں یہ اپنے ایمان میں سچے ہیں کیونکہ انھوں نے اپنے قلبی ایمان کو اپنے اقوال و افعال کے ساتھ سچ ثابت کر رکھا ہے، لہٰذا یہی لوگ سچے ہیں اور ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿177﴾ ﴾ ''اور یہی ہیں جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔'' اس لیے کہ یہ محرمات سے بچے رہے اور طاعات کو سرانجام دیتے رہے۔

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث:33 و صحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث:59 عن أبي هريرة رضي الله عنه. [2] صحيح البخاري ، المظالم، باب: إذا خاصم فجر ،حديث :2459 و صحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث:58 عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما لیکن قوسین والے الفاظ تفسیر میں نہیں ہیں۔

[3] تفسير ابن أبي حاتم:291/1، 292 و تفسير الطبري:138/2.

تفسیر آیات: 179,178

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مومنو! تمھارے لیے قصاص میں بھی عدل کو فرض قرار دیا گیا ہے کہ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت کو مارا جائے۔ اور حد سے تجاوز نہ کرو جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں نے حد سے تجاوز کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بدل دیا تھا۔ اس آیت کے نزول کا سبب بنوقریظہ اور بنونضیر ہیں۔ بنونضیر نے زمانۂ جاہلیت میں بنو قریظہ سے لڑائی کر کے انھیں مغلوب کر دیا تھا، لہٰذا جب بنونضیر کا کوئی آدمی بنوقریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو اسے قصاص میں قتل نہیں کیا جا سکتا تھا بلکہ ایک سو وسق کھجور بطور فدیہ ادا کر دی جاتی تھی جو کہ بنوقریظہ کی دیت سے بہت کم تھی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ قصاص میں بھی عدل کو اختیار کیا جائے اور فساد کرنے والوں، تحریف کرنے والوں اور ازراہ کفر و بغاوت اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرنے والوں کے نقش قدم پر نہ چلا جائے، پس اسی وجہ سے فرمایا کہ تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص (خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے (اس طرح کہ) آزاد کے بدلے آزاد (مارا جائے) اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ اس آیت کا کچھ حصہ اس آیت نے منسوخ کیا ہے جس میں یہ حکم ہے کہ جان کے بدلے میں جان کو مارا جائے۔[1]

اسی طرح جمہور کا مذہب ہے کہ کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ] ''کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جا سکتا۔''[2] اور اس فرمان نبوی کے مقابلے میں کوئی دوسری حدیث یا تاویل صحیح نہیں ہے۔ ہاں، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ سورۂ مائدہ کی آیت (45) کے عموم کے پیش نظر کافر کے بدلے میں مسلمان کو بھی قتل کیا جائے گا۔[3]

مسئلہ: ائمۂ اربعہ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ایک شخص کے بدلے میں اس پوری جماعت کو قتل کیا جائے گا جو اس کے قتل میں شریک ہو جیسا کہ ایک لڑکے کو سات آدمیوں نے قتل کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان ساتوں کو قتل کروا دیا تھا اور فرمایا کہ اگر تمام اہل صنعاء بھی اس کے قتل میں شریک ہوتے تو میں ان سب کو قتل کروا دیتا۔[4] آپ کے زمانے میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے اس مسئلے میں آپ کی مخالفت نہیں کی تھی تو گویا اس پر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا۔ امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ایک کے بدلے پوری جماعت کو قتل نہیں کیا جا سکتا، ایک جان کے بدلے صرف ایک ہی جان کو مارا جا سکتا ہے۔ ابن منذر نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاذ، ابن زبیر رضی اللہ عنہم، عبدالملک بن مروان، زہری، ابن سیرین اور حبیب بن ابوثابت رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔[5]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ ''اور اگر قاتل کو

---

① المائدة 45/5. ② صحيح البخاري، العلم، باب كتابة العلم، حديث: 111. ③ عمدة القاري: 227/2، تحت الحديث: 111 و المجموع للنووي، الجنايات، باب تحريم القتل: 277/20. ④ صحيح البخاري، الديات، باب إذا أصاب قوم من رجل......، حديث: 6896 و السنن الكبرى للبيهقي، الجنايات، باب النفر يقتلون الرجل: 41/8 و اللفظ له. ⑤ دیکھیے المجموع للنووي، الجنايات، باب تحريم القتل: 291,290/20.

اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (وارثِ مقتول کو) پسندیدہ طریق سے (قرار داد کی) پیروی (مطالبۂ خون بہا) کرنا اور (قاتل کو) خوش خوئی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔" معاف کرنے سے مراد یہ ہے کہ قتلِ عمد میں دیت کو قبول کر لیا جائے۔ ابو العالیہ، ابو الشعثاء، مجاہد، سعید بن جبیر، عطاء، حسن، قتادہ اور مُقاتل بن حَیّان رحمہم اللہ سے اسی طرح مروی ہے۔[1] اور ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جسے اپنے بھائی کی طرف سے کوئی چیز چھوڑ دی جائے، یعنی خون کے استحقاق کے باوجود دیت قبول کر لی جائے تو یہ بھی معافی ہے۔[2] پھر طالب کو چاہیے کہ وہ جب دیت کو قبول کر لے تو دستور کے مطابق پیروی کرے اور اسے قاتل کی طرف سے بھی کسی ضرر اور مدافعت کے بغیر ادا کر دیا جائے۔

﴿ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ﴾ "یہ تمھارے پروردگار کی طرف سے (تمھارے لیے) آسانی اور مہربانی ہے۔" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قتل عمد میں جو دیت کو مشروع قرار دیا گیا ہے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے کیونکہ سابقہ امتوں میں صرف یہ حکم تھا کہ یا تو قاتل کو بطور قصاص قتل کر دیا جائے یا اسے معاف کر دیا جائے جیسا کہ سعید بن منصور نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے قصاص ہی کو فرض قرار دیا تھا، ان میں معافی کا حکم نہیں تھا۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس امت سے فرمایا کہ تم کو مقتولوں کے بارے میں قصاص کا حکم دیا جاتا ہے کہ آزاد کے بدلے آزاد مارا جائے اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت اور اگر قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے، چنانچہ معافی یہ ہے کہ قتل عمد میں دیت کو قبول کر لیا جائے۔[3] ابن حبان نے بھی اسے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔[4]

امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر رحم فرمایا ہے اور انھیں دیت بطور رزق عطا کی ہے جبکہ سابقہ امتوں میں سے کسی ایک کے لیے بھی حلال نہ تھی، مثلاً: اہل تورات کے لیے حکم قصاص یا معافی کا تھا کہ وہ معاف کر دیں مگر اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے تین آپشن رکھے ہیں: (1) قصاص (2) معافی اور (3) دیت۔ سعید بن جبیر، مُقاتل بن حَیّان اور ربیع بن انس رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[5]

مقتول کے وارث کو تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ "جو اس کے بعد زیادتی کرے، اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص دیت قبول کرنے کے بعد قاتل کو قتل کر دے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید دکھ دینے والے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عطاء، عکرمہ، حسن، قتادہ، ربیع بن انس، سدی اور مُقاتل بن حَیّان رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[6]

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:294/1 وتفسیر الطبری:147,146/2. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:295/1. [3] سنن سعید بن منصور، تفسیر سورۃ البقرۃ:652/2. [4] صحیح ابن حبان، الدیات، ذکر تفضل اللّٰہ جل وعلا علی ھذہ الأمۃ ...... : 362/13، حدیث:6010 اور دیکھیے صحیح البخاری، حدیث:4498. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:296/1. [6] تفسیر ابن أبی حاتم:297/1.

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ

تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے، اگر وہ مال چھوڑے جا رہا ہو تو والدین اور رشتے داروں کے لیے معروف طریقے سے

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿180﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ

وصیت کرے، یہ متقیوں پر لازم ہے ﴿180﴾ پھر جو شخص اس (وصیت) کو سن لینے کے بعد بدل دے تو اس کا گناہ انھی لوگوں پر ہو گا جو اسے بدلیں گے،

يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿181﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ

بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿181﴾ پھر اگر کسی کو وصیت کرنے والے کی طرف سے حق تلفی یا کسی گناہ کا ڈر ہو اور وہ ان میں صلح کروا دے

بَيْنَهُمْ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿182﴾ ع 22/6/6

تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿182﴾

قصاص کا فائدہ وحکمت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ﴾ ''(حکم) قصاص میں (تمھاری) زندگانی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں جو قصاص کا حکم دیا ہے کہ قاتل کو قتل کر دیا جائے تو اس میں ایک عظیم حکمت پنہاں ہے اور وہ ہے سیکڑوں کی بقا اور حفاظت۔ اور وہ اس طرح کہ جب قاتل کو یہ معلوم ہو کہ اگر اس نے قتل کیا تو اسے بھی اسی طرح قتل کر دیا جائے گا تو وہ اپنے اس کرتوت سے باز رہے گا تو اس طرح حکم قصاص میں انسانی جانوں کی زندگی کا راز مضمر ہے۔

سابقہ کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے: اَلْقَتْلُ أَنْفٰى لِلْقَتْلِ ''قتل، قتل کو روکنے کا ذریعہ ہے۔'' قرآن مجید میں یہ بات زیادہ فصاحت و بلاغت اور زیادہ خوبصورت انداز میں بیان کی گئی ہے: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ﴾ ''اور تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔'' ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قصاص کو زندگی قرار دیا ہے اور یہ اس لیے کہ کتنے ہی لوگ قتل کرنا چاہتے ہیں مگر وہ اس خوف کی وجہ سے قتل نہیں کرتے کہ انھیں بھی قتل کر دیا جائے گا۔

مجاہد، سعید بن جبیر، ابو مالک، حسن، قتادہ، ربیع بن انس اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1] ﴿يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿179﴾﴾ ''اے اہل عقل! تاکہ تم (گناہ کے کاموں سے) بچو۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے اصحاب عقل وفہم ودانش! یہ حکم تمھیں اس لیے دیا جا رہا ہے تاکہ تم گناہ کے کاموں سے اور ان امور سے بچو جن کو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے حرام قرار دیا ہے۔ تقویٰ تمام نیکیوں کے کرنے اور برائیوں کے ترک کرنے کا ایک جامع نام ہے۔

تفسیر آیات: 180-182

والدین اور رشتے داروں کے لیے وصیت کا حکم، پھر وارثوں کے لیے اس کی منسوخی: اس آیت کریمہ میں والدین اور رشتے داروں کے لیے وصیت کا حکم دیا گیا ہے۔ صحیح قول کے مطابق آیت میراث کے نزول سے قبل وصیت کرنا واجب تھا مگر جب آیت میراث نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور میراث کے مقررہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض قرار پائے جو حق داروں کا لازمی حق ہے جس کے لیے نہ وصیت کی ضرورت ہے اور نہ وصیت کرنے والے کے بار احسان ہونے کی، چنانچہ سنن

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 297/1.

اور دیگر کتب حدیث میں عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مذکور ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبے میں ارشاد فرماتے ہوئے سنا:[إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَعْطٰى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ] ''اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے، لہٰذا اب وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں ہے۔''①

امام احمد رحمہ اللہ نے محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیٹھے سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے حتی کہ جب اس آیت کریمہ پر پہنچے: ﴿ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ﴾ تو فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہوگئی ہے۔ اسے سعید بن منصور نے روایت کیا ہے اور امام حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔② ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ﴾ کے بارے میں لکھا ہے کہ اسے اس آیت کریمہ نے منسوخ کر دیا ہے: ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ○ ﴾ (النسآء 4:7) ''جو مال ماں باپ اور رشتے دار چھوڑ مریں تھوڑا ہو یا بہت اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی، یہ حصے (اللہ کے) مقرر کیے ہوئے ہیں۔'' پھر ابن ابو حاتم نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیّب، حسن، مجاہد، عطاء، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، عِکرِمہ، زید بن اسلم، ربیع بن انس، قتادہ، سدی، مُقاتل بن حَیّان، طاؤس، ابراہیم نخعی، شریح، ضحاک اور امام زہری رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور آیتِ میراث اس کی ناسخ ہے۔③

وارث نہ بننے والے رشتے دار کے لیے وصیت: اب باقی رہ گئے وہ وارث جن کا میراث میں حصہ مقرر نہیں ہے تو مستحب یہ ہے کہ مال کے ثلث حصے میں سے ان کے لیے وصیت کر دی جائے تاکہ آیت وصیت پر بھی عمل ہو سکے، پھر صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَا حَقُّ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ لَّهُ شَيْءٌ يُّوصِي فِيهِ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ] ''کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کے پاس کوئی چیز ہو جس کے بارے میں وہ وصیت کرنا چاہتا ہو، پھر وہ وصیت لکھے بغیر دو راتیں بھی گزارے۔''④ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سننے کے بعد ایک رات بھی نہ گزری تھی کہ میں نے اپنی وصیت لکھ کر اپنے پاس رکھ لی۔⑤ بہت سی آیات و احادیث مبارکہ ہیں جن میں رشتے داروں کے ساتھ نیکی و احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

---

① سنن أبي داود، الوصايا، باب ماجاء في الوصية للوارث، حديث:2870 وجامع الترمذي، الوصايا، باب ماجاء لا وصية لوارث، حديث:2120 عن أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه و 2121 عن عمرو بن خارجة رضي الله عنه وسنن ابن ماجه، الفرائض، باب لا وصية لوارث، حديث:2714 عن أنس رضي الله عنه اور یہ خطبہ خطبۂ حجۃ الوداع تھا۔ ② سنن سعيد بن منصور:663/2 والمستدرك للحاكم:237/2، حديث:3083. ③ تفسير ابن أبي حاتم:299/1 و تفسير الطبري:161/2. ④ صحيح البخاري، كتاب وباب الوصايا، حديث:2738 وصحيح مسلم، الوصية، باب وصية الرجل مكتوبة عنده، حديث: 1627. ⑤ صحيح مسلم، الوصية، باب وصية الرجل مكتوبة عنده، حديث:(4)-1627.

دستور کے مطابق وصیت: دستور کے مطابق وصیت کرنے سے مراد یہ ہے کہ اسراف اور بخل کے بغیر اس طرح وصیت کی جائے جس سے وارثوں کی حق تلفی نہ ہو جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے پاس بہت مال ہے اور میری وارث صرف ایک بیٹی ہے تو کیا میں اپنے مال کے دو تہائی حصے کے بارے میں وصیت کر سکتا ہوں؟ فرمایا: نہیں، انھوں نے عرض کی: نصف مال کے بارے میں؟ فرمایا: نہیں، انھوں نے عرض کی: ایک تہائی کے بارے میں؟ فرمایا: [اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَّتَكَفَّفُونَ النَّاسَ] ''ہاں، ایک تہائی کے بارے میں وصیت کر تو سکتے ہو لیکن ایک تہائی بھی بہت ہے۔ اپنے وارثوں کو دولت مند چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم انھیں فقیر بنا کر چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔''[1]

صحیح بخاری میں ہے کہ اگر لوگ تہائی کے بجائے چوتھائی حصے تک کی وصیت کریں تو یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: [اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ] ''تم ایک تہائی کے بارے میں وصیت کر تو سکتے ہو لیکن ایک تہائی بھی بہت ہے۔''[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''جو شخص وصیت کو سننے کے بعد بدل ڈالے تو اس (کے بدلنے) کا گناہ انھی لوگوں پر ہے جو اس کو بدلیں اور بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص وصیت کو بدل دے اور اس میں تحریف کر دے تو اس نے اس کے حکم کو بدل دیا اور اس میں کمی بیشی کر دی، اور وصیت کو چھپانا اس میں بدرجہ اولیٰ داخل ہوگا۔ ﴿فَاِنَّمَاۤ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ﴾ ''اس (کے بدلنے) کا گناہ انھی لوگوں پر ہے جو اس کو بدلیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی ایک سے مروی ہے کہ میت کا اجر اللہ کے ذمے ثابت ہو چکا اور گناہ ان لوگوں کو ہوگا جو وصیت کو بدل دیں۔[3] ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میت نے کیا وصیت کی ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جن لوگوں کو وصیت کی گئی تھی انھوں نے اس میں کیا تبدیلی کر دی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا﴾ ''پھر اگر کسی کو وصیت کرنے والے کی طرف سے (کسی وارث کی) طرف داری یا حق تلفی کا اندیشہ ہو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو العالیہ، مجاہد، ضحاک، ربیع بن انس اور سدی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جَنَفًا کے معنی غلطی کے ہیں۔[4] اور یہ لفظ ہر قسم کی غلطی پر مشتمل ہے، مثلاً: یہ کہ کسی واسطے یا وسیلے سے کسی وارث کو اس طرح زیادہ دلوا دے کہ کسی چیز کے بارے میں یہ وصیت کر دے کہ یہ فلاں شخص کو اتنے میں فروخت کر دی جائے یا بیٹی کو اس کے حصے سے زیادہ دینے کے لیے نواسے کو وصیت کر دے یا اس کے کچھ اور طریقے اختیار کرے۔ غلطی خواہ کسی نے قصد و ارادے کے بغیر طبعی محبت و شفقت سے کی ہو یا جان بوجھ کر اور گناہ سے تو وصی (جس کو وصیت کی گئی ہے) کو اس کے ردو

---

[1] صحيح البخاري، الوصايا، باب أن يترك ورثته أغنياء......، حديث:2742 و صحيح مسلم، الوصية، باب الوصية بالثلث، حديث:1628. [2] صحيح البخاري، الوصايا، باب الوصية بالثلث، حديث: 2743 عن ابن عباس رضي الله عنهما.

[3] تفسير الطبري:167/2. [4] تفسير ابن أبي حاتم:302/1.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿183﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزہ رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ ﴿183﴾

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى

(روزے) گنتی کے چند دن ہیں، پھر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر لے اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں

الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ

(پھر نہ رکھیں) تو اس کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے، پھر اگر کوئی اپنی خوشی سے (زیادہ) نیکی کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اور تمھارا روزہ رکھنا

تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿184﴾

تمھارے لیے کہیں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو ﴿184﴾

بدل میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ وصیت کو شرعی احکام کے مطابق کر کے جاری کر دے تاکہ وصیت کرنے والے کا مقصد پورا ہو جائے اور شرعی حکم بھی، اس قسم کی اصلاح اور تبدیلی میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ أعلم.

وصیت میں عدل کی فضیلت: امام عبدالرزاق نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ الْخَيْرِ سَبْعِينَ سَنَةً ، فَإِذَا أَوْصٰى حَافَ فِي وَصِيَّتِهِ ، فَيُخْتَمُ لَهُ بِسُوءِ عَمَلِهِ ، فَيَدْخُلُ النَّارَ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ الشَّرِّ سَبْعِينَ سَنَةً فَيَعْدِلُ فِي وَصِيَّتِهِ فَيُخْتَمُ لَهُ بِخَيْرِ عَمَلِهِ، فَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ] ''آدمی ستر سال تک نیک لوگوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے لیکن جب وصیت کرتا ہے تو اس میں ظلم کرتا ہے تو اس کے لیے اس کے برے عمل کی مہر لگا دی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ جہنم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور ایک شخص ستر سال تک برے لوگوں کے سے اعمال کرتا رہتا ہے لیکن وصیت میں عدل سے کام لیتا ہے تو اس کے لیے اس کے نیک عمل کی مہر لگا دی جاتی ہے تو وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت کریمہ بھی پڑھ لو: ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○ ﴾ (النسآء 4:13,14) ''یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے آگے نکلے گا تو اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''[1]

[1] سنن ابن ماجه، الوصايا، باب الحيف في الوصية، حديث:2704 و المصنف لعبدالرزاق، الوصايا، باب الحيف في الوصية والضرار......:9/88، حديث:16455. تفسیر ابن کثیر کے نسخوں میں ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ﴾ درج ہے جو سبقت قلم ہے اور یہ تصحیح سنن ابن ماجہ اور مصنف عبدالرزاق سے کی ہے۔ مزید دیکھیے سنن أبي داود، حدیث:2867 و جامع الترمذي، حدیث:2117.

تفسیر آیات:184,183

روزے کا حکم: اللہ تعالیٰ اس امت کے مومنوں کو مخاطب کرتے ہوئے روزہ رکھنے کا حکم دے رہا ہے۔ روزہ یہ ہے کہ خالص اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لیے نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جنسی تعلق سے رکا جائے۔ روزے میں نفوس کی پاکیزگی وطہارت کا سامان بھی ہے اور سفلی اختلاط اور رذیل اخلاق سے پاک وصاف کرنے کا اہتمام بھی، اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ اس نے جس طرح مومنوں پر روزے کو فرض قرار دیا ہے اسی طرح پہلے لوگوں پر بھی اسے فرض قرار دیا تھا، چنانچہ وہ لوگ ان کے لیے ایک نمونہ ہیں، لہٰذا انھیں چاہیے کہ اسے پہلے لوگوں کی نسبت زیادہ کامل طریقے سے سرانجام دیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ﴾ (المآئدۃ 5:48) ''ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمھیں اس (کتاب) کے بارے میں آزمائے جو اس نے تمھیں دی ہے، چنانچہ تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔'' اور اسی وجہ سے یہاں فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۸۳﴾ ''مومنو! تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیزگار بنو۔'' کیونکہ روزے میں بدن کے لیے تزکیہ بھی ہے اور شیطان کے راستوں کو تنگ کر دینے کا اہتمام بھی۔

اسی وجہ سے صحیحین کی حدیث سے یہ ثابت ہے: [يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ] ''اے گروہ نوجوانان! تم میں سے جو شادی کی استطاعت رکھے تو وہ شادی کر لے اور جسے استطاعت نہ ہو تو وہ روزہ رکھے، یہ اس کی شہوت کو منقطع کر دے گا۔''[1] پھر اللہ تعالیٰ نے روزوں کی مقدار بیان فرمائی ہے کہ وہ گنتی کے چند دن ہیں تاکہ طبائع پر گراں نہ گزریں اور وہ ان کے ادا کرنے سے عاجز وقاصر نہ ہوں۔

امام بخاری ومسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی یہ حدیث بیان کی ہے کہ عاشوراء کا روزہ رکھا جاتا تھا اور جب رمضان کے روزوں کو فرض قرار دیا گیا تو جو چاہتا روزہ رکھ لیتا اور جو چاہتا نہ رکھتا۔[2] امام بخاری نے ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ﴾ ''اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں

① صحیح البخاری، النکاح، باب قول النبی ﷺ: [من استطاع منكم الباءة......]، حدیث: 5065 وصحیح مسلم، النکاح، باب استحباب النکاح......، حدیث: 1400. ② صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ (البقرة 2: 183)، حدیث: 4502 وصحیح مسلم، الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: 1125. ③ صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ (البقرة 2: 183)، حدیث: 4503,4501 وصحیح مسلم، الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: 1127,1126.

(لیکن رکھیں نہیں) وہ روزے کے بدلے محتاج کو کھانا کھلا دیں۔'' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابتدا میں حکم یہ تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے روزہ نہ رکھے اور اس کے بدلے ہر دن مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے سَلَمَہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو جو روزہ نہ رکھنا چاہتا وہ اس کے بدلے میں فدیہ ادا کر دیتا تھا حتی کہ اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی جس نے اسے منسوخ کر دیا۔[1] حدیث عبیداللہ، از نافع، از ابن عمر رضی اللہ عنہما میں بھی مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔[2]

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ ﴾ کے معنی ہیں کہ جو روزہ رکھنے میں تکلیف محسوس کرتے ہیں۔[3] یعنی جو چاہے روزہ رکھ لے اور جو چاہے افطار کر کے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اور ﴿ فَمَنْ تَطَوَّعَ ﴾ کے معنی ہیں کہ اگر وہ ایک اور مسکین کو بھی کھانا کھلا دے ﴿ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ ''تو یہ اس کے حق میں زیادہ اچھا ہے اور اگر سمجھو تو روزہ رکھنا ہی تمھارے حق میں بہتر ہے۔'' یہ حکم اسی طرح تھا حتی کہ اس آیت کریمہ نے اسے منسوخ کر دیا: ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ ﴾ (البقرۃ 2:185) ''تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے۔''

مُعمّر مرد و عورت کے لیے روزے کا فدیہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ ﴾ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا، پھر انھوں نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ ان بہت بڑی عمر کے مرد و عورت کے بارے میں ہے جو روزے کی استطاعت نہیں رکھتے ہیں، وہ ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔[4] اسی طرح دیگر کئی راویوں نے بھی سعید بن جبیر کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نسخ صحیح اور مقیم کے حق میں ثابت ہے کہ اب اس کے لیے روزہ رکھنا ہی واجب ہے اور یہ وجوب ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ ﴾ (البقرۃ 2:185) سے ثابت ہے۔ ہاں، البتہ بہت بوڑھے، شیخ فانی کے لیے جسے روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو، یہ اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے۔ اس کے لیے قضا بھی لازم نہیں ہوگی کیونکہ اس کے لیے ایسی حالت ممکن ہی نہیں جس میں وہ روزے کی قضا دے سکے، لہٰذا اس کے لیے واجب ہے کہ ہر دن کے عوض فدیہ دے دے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمۂ سلف نے اس کی تفسیر بیان فرمائی اور قرآن مجید کے ان الفاظ کو اس طرح پڑھا ہے: [وَعَلَى الَّذِينَ يُطَوَّقُونَهٗ] یعنی جو روزہ رکھنے میں تکلیف محسوس کرتے ہیں۔[5] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ ﴾ (البقرۃ 2: 185)، حدیث: 4507. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ ﴾ (البقرۃ 2: 185)، حدیث: 4506. [3] تفسیر الطبری: 187/2. [4] صحیح البخاری، التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: ﴿ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ ﴾ (البقرۃ 2: 184)، حدیث: 4505.
[5] تفسیر الطبری: 187/2.

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی واضح اور حق کو باطل سے جدا کرنے والی

وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ

دلیلیں ہیں، پھر تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے تو اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری

مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا

کرے۔ اللہ تمھارے لیے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمھارے لیے تنگی نہیں چاہتا اور تا کہ تم گنتی پوری کرو اور اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمھیں

اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿185﴾

ہدایت دی اور تا کہ تم شکر کرو ﴿185﴾

صحابہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام بخاری نے بھی اس قول کو پسند کیا ہے کہ شیخ کبیر کو جب روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو تو وہ فدیہ دے دے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بڑھاپے میں ایک یا دو سال ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو روٹی گوشت کھلایا اور روزہ نہ رکھا۔ [1]

یہ روایت جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً بیان کیا ہے، اسے حافظ ابو یعلی موصلی نے اپنی مسند میں ایوب بن ابو تمیمہ سے با سند بھی روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس قدر کمزور ہو گئے کہ روزہ نہیں رکھ سکتے تھے تو انھوں نے گوشت روٹی کے بڑے بڑے پیالے تیار کروائے اور تیس مسکینوں کو بلا کر کھانا کھلایا۔ [2]

اسی طرح حمل والی اور اپنے بچے کو دودھ پلانے والی خواتین کو بھی جب روزے کی وجہ سے اپنے یا اپنے بچے کے بارے میں خدشہ ہو تو وہ بھی روزے کا فدیہ دے دیں، ان کے لیے روزے کی قضا نہیں ہو گی۔

تفسیر آیت:185

رمضان کی فضیلت اور اس میں قرآن کا نزول: اللہ تعالیٰ ماہ صیام کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے قرآن عظیم کے نزول کے لیے دیگر مہینوں میں سے اس کا انتخاب فرمایا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ دیگر انبیائے کرام پر بھی آسمانی کتابوں کو اسی مہینے میں نازل کیا گیا تھا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے واثلہ بن اسقع سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أُنْزِلَتْ صُحُفُ إِبْرَاهِيمَ عليه السلام فِي أَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَّمَضَانَ ، وَأُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ لِسِتٍّ مَّضَيْنَ مِنْ رَّمَضَانَ ، وَالْإِنْجِيلُ لِثَلَاثَ عَشْرَةَ خَلَتْ مِنْ رَّمَضَانَ وَأُنْزِلَ الْفُرْقَانُ لِأَرْبَعٍ وَّعِشْرِينَ خَلَتْ مِنْ رَّمَضَانَ] ”صحف ابراہیم رمضان کی پہلی رات، تورات رمضان کی چھٹی رات، انجیل رمضان کی تیرھویں رات اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے رمضان کی چوبیسویں رات میں نازل فرمایا ہے۔“ [3]

① صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله تعالی: ﴿ أَيَّامًا مَّعْدُودَٰتٍ ﴾ ...... (البقرة 2:184)، قبل الحديث: 4505.

② مسند أبي يعلى: 204/7، حدیث: 4194. ③ مسند أحمد: 107/4. اور دیکھیے السلسلة الصحيحة: 1575.

قرآن مجید کی فضیلت: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ﴾ ''جو لوگوں کا راہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور جو (حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے۔'' یہ اس قرآن مجید کی تعریف ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کے دلوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے جو اس پر ایمان لائیں، تصدیق کریں اور اس کی پیروی کریں، نیز اس میں فہم و تدبر کرنے والوں کے لیے بیّن، واضح اور روشن دلائل و براہین بھی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس میں ضلالت کے مقابلے میں جس ہدایت، سرکشی کے مقابلے میں جس رشد و بھلائی اور حق و باطل اور حلال و حرام میں جو تفریق کی گئی ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

ماہ رمضان کے روزوں کا وجوب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ ''تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو تو اسے چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے۔'' اور اس جملے میں رمضان کے روزے کو ہر اس شخص کے لیے واجب و فرض قرار دیا جا رہا ہے جو اس مہینے میں موجود ہو، یعنی ماہ رمضان میں وہ اپنے شہر میں مقیم ہو اور جسمانی طور پر تندرست ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ضرور روزے رکھے۔ اس آیت نے اس سابقہ اباحت کو منسوخ کر دیا کہ صحیح مقیم شخص روزہ نہ رکھنے کے عوض ہر دن ایک مسکین کو (دو وقت) کھانا کھلا دے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔[1]

جب روزے کو حتمی فریضہ قرار دیا تو دوبارہ پھر اس بات کا ذکر فرمایا کہ مریض و مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے اور شرط یہ ہے کہ وہ بعد میں قضا دے لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ ''اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (روزے رکھ کر) گنتی پوری کر لے۔'' یعنی جو شخص جسمانی طور پر بیمار ہو اور روزہ رکھنا اس کے لیے (بہت) گراں یا تکلیف دہ ہو یا وہ حالت سفر میں ہو تو جتنے دن وہ روزے نہ رکھ سکے، اتنے دن بعد میں روزے رکھ لے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ ''اللہ تمھارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور وہ تمھارے حق میں سختی نہیں چاہتا۔'' یعنی مقیم اور تندرست شخص کے لیے روزہ رکھنا اگرچہ ایک حتمی فریضہ ہے تاہم آسانی اور رحمت و شفقت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے سفر اور مرض کی حالت میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت عطا فرما دی ہے۔

سفر سے متعلق روزے کے کچھ مسائل: سنت سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ فتح مکہ کے موقع پر ماہ رمضان میں سفر پر نکلے تھے اور جب آپ مقام کَدِید پر پہنچے تو روزہ افطار فرمایا اور لوگوں کو بھی حکم دیا کہ وہ روزہ افطار کر لیں۔[2] یہ حتمی طور پر فرض نہیں کہ سفر میں ضرور افطار کیا جائے بلکہ اختیار ہے کہ اگر کوئی چاہے تو روزہ رکھ لے اور اگر چاہے تو افطار کر لے کیونکہ راوی (ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ جب ہم ماہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلتے تو ہم میں سے کچھ لوگوں نے روزہ رکھا ہوتا تھا اور کچھ نے نہیں۔ روزہ رکھنے والے نہ رکھنے والوں پر اور نہ رکھنے والے رکھنے والوں پر کوئی الزام نہیں

[1] دیکھیے البقرۃ، آیت: 184 کے ذیل میں۔ [2] صحیح البخاری، الصوم، باب إذا صام أيامًا من رمضان ثم سافر، حدیث: 1944 و صحیح مسلم، الصیام، باب جواز الصوم والفطر فی شهر رمضان للمسافر......، حدیث: 1113 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

لگاتے تھے۔① اگر حالت سفر میں روزہ نہ رکھنا ہی واجب ہوتا تو روزہ رکھنے سے رسول اللہ ﷺ منع فرما دیتے۔

آپ ﷺ سے بھی حالت سفر میں روزہ رکھنا ثابت ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ماہ رمضان میں سخت گرمی میں نکلے حتی کہ گرمی کی شدت کے باعث مجبور ہو کر ہم اپنے ہاتھ سر پر رکھ لیتے تھے اور ہم میں رسول اللہ ﷺ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور نے روزہ نہیں رکھا ہوا تھا۔②

رخصت پر عمل کرنا افضل ہے: رخصت پر عمل کے پیش نظر سفر میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے اور اس وجہ سے بھی کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ سے سفر میں روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: [هِيَ رُخْصَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَمَنْ أَخَذَبِهَا فَحَسَنٌ وَّمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّصُومَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ] ''یہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے جس نے اس کو لیا تو اچھا ہے اور جس کو روزہ رکھنا پسند ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔''③

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: [عَلَيْكُمْ بِرُخْصَةِ اللّٰهِ الَّتِي رَخَّصَ لَكُمْ] ''تم اللہ تعالیٰ کی اس رخصت کو قبول کرو جو اس نے تمھیں عطا فرمائی ہے۔''④

ایک جماعت کا کہنا ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا یا نہ رکھنا دونوں برابر ہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں روزے کثرت سے رکھتا ہوں تو کیا سفر میں بھی روزہ رکھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا: [إِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَإِنْ شِئْتَ فَأَفْطِرْ] ''اگر چاہو تو روزہ رکھ لو اور اگر چاہو تو نہ رکھو۔'' یہ حدیث صحیحین میں ہے۔⑤

اس مسئلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر روزہ گراں گزرے تو نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ حدیث جابر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس پر سایہ کیا جا رہا تھا، آپ نے فرمایا: [مَا هٰذَا ؟ فَقَالُوا: صَائِمٌ ، فَقَالَ: لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ] ''یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک روزے دار ہے تو آپ نے فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔''⑥

کیا روزوں کی قضا میں تسلسل ضروری ہے؟ قضا کے لیے یہ واجب نہیں ہے کہ روزے مسلسل رکھے جائیں، کوئی چاہے تو مسلسل بھی رکھ سکتا ہے اور متفرق طور پر بھی، دلائل سے یہی ثابت ہے کیونکہ مسلسل رکھنا تو رمضان میں روزے رکھنے کی وجہ سے واجب ہے اور رمضان کے بعد واجب یہ ہے کہ جتنے دنوں کے وہ روزے نہیں رکھ سکا اتنے دنوں کے

---

① صحيح مسلم، الصيام، باب جواز الصوم والفطر......، حديث:1116. ② صحيح البخاري، الصوم، باب:35، حديث:1945و صحيح مسلم، الصيام، باب التخيير في الصوم والفطر في السفر، حديث:1122. ③ صحيح مسلم، الصيام، باب التخيير في الصوم والفطر في السفر، حديث:(107)1121عن حمزة بن عمرو الأسلمي رضي الله عنه. ④ صحيح مسلم، الصيام، باب جواز الصوم والفطر في شهر رمضان للمسافر......،حديث:1115و سنن النسائي، الصيام، باب العلة التي من أجلها ......، حديث:2260 و اللفظ له عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه. ⑤ صحيح البخاري، الصوم، باب الصوم في السفر والإفطار، حديث:1943و صحيح مسلم، الصيام، باب التخيير في الصوم والفطر في السفر، حديث: 1121. ⑥ صحيح البخاري، الصوم، باب قول النبي ﷺ لمن ظلل عليه......،حديث:1946و صحيح مسلم، الصيام، باب جواز الصوم والفطر في شهر رمضان للمسافر......، حديث:1115.

وہ روزے رکھ لے، خواہ مسلسل طور پر یا متفرق۔[1] اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ﴾ ''تو دوسرے دنوں میں (روزے رکھ کران کی) گنتی پوری کر لے۔''

آسانی نہ کہ سختی: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ ''اللہ تمھارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور وہ تمھارے حق میں سختی نہیں چاہتا۔'' امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَسَكِّنُوا وَلَا تُنَفِّرُوا] ''آسانی پیدا کرو اور مشکل میں نہ ڈالو، تسکین دلاؤ اور متنفر نہ کرو۔''[2] اسے امام بخاری و مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[3]

صحیحین ہی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا تو فرمایا: [يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا ، بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا ، وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا] ''تم دونوں آسانی پیدا کرنا، مشکل میں نہ ڈالنا، خوش خبری سنانا نفرت نہ دلانا، باہمی اتفاق سے رہنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔''[4] کتب سنن اور مسانید میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ] ''مجھے آسان، سچے دین حنیف کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔''[5]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ ﴾ ''اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے نہ کہ تنگی کا تاکہ تم گنتی کو پورا کرو۔'' کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مرض، سفر اور اس طرح کے دیگر عذروں کی حالت میں تمھیں روزہ نہ رکھنے کی اس لیے رخصت دی ہے کہ وہ تمھارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور نہ رکھے گئے روزوں کی قضا کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ تم اپنے مہینے کے روزوں کی تعداد کو پورا کر لو۔

عبادت کی تکمیل پر اللہ کا ذکر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ﴾ ''اور اس احسان کے بدلے کہ اللہ نے تم کو ہدایت بخشی ہے تم اس کی بڑائی بیان کرو۔'' یعنی جب تم اپنی اس عبادت کو پورا کر لو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ﴾ (البقرة 2:200) ''پھر جب تم حج کے ارکان پورے کر چکو تو (منیٰ میں) اللہ کو یاد کرو جس طرح تم اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔''

اور فرمایا: ﴿ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ ﴾ (اَلْجُمُعَة 10:62) ''پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرتے رہو

---

[1] قضا کے روزوں کو مسلسل یا متفرق طور پر رکھنے کے لیے دیکھیے الموطأ للإمام مالك ، الصيام ، باب ما جاء في قضاء رمضان: 93/1 ، وسنن الدار قطني ، الصيام ، باب القبلة للصائم ، حديث: 2292,2291 و المحلّى لابن حزم: 261/6 ، مسئلة: 768 وتفسير القرطبي: 281/2. [2] مسند أحمد: 131/3. [3] صحيح البخاري ، الأدب ، باب قول النبي ﷺ: [يسروا ولا تعسروا] ، حديث: 6125 و صحيح مسلم ، الجهاد ، باب في الأمر بالتيسير وترك التنفير ، حديث: 1734. [4] صحيح البخاري ، الجهاد والسير ، باب مايكره من التنازع...... ، حديث: 3038 و صحيح مسلم ، الجهاد ، باب في الأمر بالتيسير وترك التنفير ، حديث: 1733. [5] مسند أحمد: 266/5 و صحيح البخاري ، الإيمان ، باب الدين يُسرٌ ، قبل الحديث: 39 عن أبي أمامة رضي الله عنه.

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ

اور (اے نبی!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو بے شک میں قریب ہوں، میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں،

فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿186﴾

جب بھی وہ مجھ سے دعا کرے، پس چاہیے کہ وہ بھی میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں﴿186﴾

تاکہ تم نجات پاؤ۔'' اور فرمایا: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝﴾ (قٓ 40,39:50) ''اور آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو اور رات کے بعض اوقات میں بھی اور نماز کے بعد بھی اس (کے نام) کی تنزیہ کیا کرو۔'' اسی وجہ سے سنت سے یہ ثابت ہے کہ فرض نمازوں کے بعد تسبیح، تحمید اور تکبیر (سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ) پڑھنا مستحب ہے۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مکمل ہونے کا علم تکبیر (اللہ أکبر) سے ہوتا تھا۔[2] اسی آیت کریمہ سے بہت سے علماء نے عید الفطر میں تکبیروں کے پڑھنے کا استدلال کیا ہے۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿185﴾﴾ یعنی جب تم اس کے فرائض کو ادا کر کے، اس کے محرمات کو ترک کر کے اور اس کی حدود کی حفاظت کر کے اس کی اطاعت بجالاؤ گے تو اس کا شکر ادا کر سکو گے۔

تفسیر آیت:186

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پکار کو سنتا ہے: امام احمد رحمہ اللہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوے میں تھے کہ ہم جب بھی کسی ٹیلے پر چڑھتے یا کسی وادی میں اترتے تو بلند آواز سے تکبیریں کہتے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے قریب تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَيُّهَا النَّاسُ! اِرْبَعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ، فَإِنَّكُمْ مَّا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا ، إِنَّمَا تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا ، إِنَّ الَّذِي تَدْعُونَ أَقْرَبُ إِلٰى أَحَدِكُمْ مِّنْ عُنُقِ رَاحِلَتِهِ ، يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسٍ! أَلَا أُعَلِّمُكَ كَلِمَةً مِّنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ ؟ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ] ''لوگو! اپنے آپ پر رحم کرو، تم کسی بہرے یا غائب کو تو نہیں پکارتے بلکہ تم تو اس ذات گرامی کو پکارتے ہو جو خوب سنتا اور خوب دیکھنے والا ہے جس ذات گرامی کو تم پکارتے ہو وہ تو تم سے تمھاری سواری کی گردن سے بھی قریب تر ہے (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تمھیں جنت کے خزانوں میں سے ایک کلمہ نہ سکھاؤں؟ اور وہ کلمہ ہے: [لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ] ''تیری توفیق کے بغیر نہ کوئی گناہ سے بچ سکتا ہے اور نہ نیکی ہی کر سکتا ہے۔''[3]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ

[1] دیکھیے صحیح البخاری، الأذان، باب الذکر بعد الصلاۃ، حدیث:843. [2] صحیح البخاری، الأذان، باب الذکر بعد الصلاۃ، حدیث:842. [3] مسند أحمد:402/4 و صحیح البخاری، الدعوات، باب الدعاء إذا علا عقبۃ، حدیث: 6384 و صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذکر……، حدیث:2704.

عَبُدِی بِی وَأَنَا مَعَهٗ إِذَا دَعَانِی] ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے اس گمان کے مطابق ہوں جو وہ میرے بارے میں رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے۔''①

دعا قبول کی جاتی ہے، ضائع نہیں ہوتی: امام احمد رحمہ اللہ ہی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَا مِنْ مُّسُلِمٍ یَّدُعُو اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ بِدَعُوَةٍ لَّيُسَ فِيهَا إِثُمٌ وَّلَا قَطِيعَةُ رَحِمٍ ، إِلَّا أَعُطَاهُ اللّٰهُ بِهَا إِحُدٰى ثَلَاثٍ: إِمَّا أَنُ تُعَجَّلَ لَهٗ دَعُوَتُهٗ ، وَإِمَّا أَنُ يَّدَّخِرَهَا لَهٗ فِي الْآخِرَةِ ، وَإِمَّا أَنُ يَّصُرِفَ عَنُهُ مِنَ السُّوءِ مِثُلَهَا، قَالُوا: إِذًا نُّكُثِرُ ؟ قَالَ : اللّٰهُ أَكُثَرُ] ''جب بھی کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ سے ایسی دعا کرے جس میں کوئی گناہ کی بات یا قطع رحمی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا فرما دیتا ہے، یا تو اس کی دعا کو فوراً قبول فرما لیتا ہے یا اسے آخرت کے لیے ذخیرہ فرما دیتا ہے یا اس دعا کی برکت سے اسی طرح کی کسی مصیبت کو دور فرما دیتا ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: پھر تو ہم کثرت سے دعائیں کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی رحمت بھی بہت زیادہ اور بے پایاں ہے۔''②

عبداللہ بن امام احمد نے جُبَیر بن نُفَیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان (جبیر بن نفیر) سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَا عَلٰى ظَهُرِ الْأَرُضِ مِنُ رَّجُلٍ مُّسُلِمٍ يَّدُعُو اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ بِدَعُوَةٍ إِلَّا آتَاهُ اللّٰهُ إِيَّاهَا، أَوُ كَفَّ عَنُهُ مِنَ السُّوءِ مِثُلَهَا مَا لَمُ يَدُعُ بِإِثُمٍ أَوُ قَطِيعَةِ رَحِمٍ] ''روئے زمین پر جو بھی مسلمان آدمی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرما لیتا ہے یا اس کی دعا کی وجہ سے اسی طرح کی کسی مصیبت کو دور کر دیتا ہے بشرطیکہ وہ کوئی ایسی دعا نہ کرے جس میں گناہ یا قطع رحمی کی کوئی بات ہو۔''③

امام مالک نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[يُسُتَجَابُ لِأَحَدِكُمُ مَّا لَمُ يَعُجَلُ، يَقُولُ : دَعَوُتُ فَلَمُ يُسُتَجَبُ لِي] ''تم میں سے ہر ایک کی دعا قبول ہوتی ہے بشرطیکہ وہ عجلت سے کام نہ لے (عجلت یہ ہے کہ) وہ کہے کہ میں دعا کرتا ہوں مگر میری دعا تو قبول ہی نہیں ہوتی۔'' صحیحین میں بھی یہ حدیث بروایت امام مالک ہے اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔④

امام مسلم نے بھی آپ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَا يَزَالُ يُسُتَجَابُ لِلُعَبُدِ مَا لَمُ يَدُعُ بِإِثُمٍ أَوُ قَطِيعَةِ رَحِمٍ مَّا لَمُ يَسُتَعُجِلُ، قِيلَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! مَا الْإِسُتِعُجَالُ ؟ قَالَ: يَقُولُ : قَدُ دَّعَوُتُ وَ قَدُ دَّعَوُتُ، فَلَمُ أَرَ يَسُتَجِيبُ لِي ، فَيَسُتَحُسِرُ عِنُدَ ذٰلِكَ وَيَدَعُ الدُّعَاءَ] ''بندے کی دعا ہمیشہ شرف قبولیت سے نوازی جاتی ہے بشرطیکہ وہ گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ کرے اور جلدی نہ کرے۔ عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! جلدی کرنے سے کیا

① مسند أحمد:210/3. ② مسند أحمد:18/3. ③ مسند أحمد:329/5 وجامع الترمذی، الدعوات، باب فی انتظار الفرج وغیرذلك، حدیث:3573. ④ صحیح البخاری، الدعوات، باب یُستجاب للعبد مالم یعجل، حدیث: 6340 وصحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب بیان أنه یستجاب للداعی مالم یعجل...... ، حدیث:2735 والموطأ للإمام مالك ، القرآن، باب ماجاء فی الدعاء:73/1، حدیث:506.

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللّٰهُ

تمھارے لیے روزے کی رات کو اپنی عورتوں کے ساتھ صحبت کرنا حلال کر دیا گیا ہے، وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ اللہ نے

أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۖ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ

جان لیا کہ بے شک تم اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے، چنانچہ اس نے تم پر توجہ فرمائی اور تمھیں معاف کر دیا، اس لیے اب تم ان سے ہم بستری کر سکتے

اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۚ

ہو اور اللہ نے تمھارے لیے جو لکھ رکھا ہے وہ تلاش کرو، اور کھاؤ اور پیو حتی کہ تمھارے لیے صبح کی سفید دھاری کالی دھاری سے واضح

ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عٰكِفُونَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ۗ تِلْكَ

(روشن) ہو جائے، پھر تم روزے کو رات تک پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھو تو اپنی عورتوں سے ہم بستری نہ کرو

حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿187﴾

یہ اللہ کی حدیں ہیں، لہٰذا تم ان کے قریب مت جاؤ، اللہ لوگوں کے لیے اپنی آیتیں اسی طرح بیان فرماتا ہے تاکہ وہ متقی بنیں ﴿187﴾

مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ کہ وہ کہے میں نے تو بہت دعا کی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ میری دعا قبول نہیں ہوگی، پھر وہ مایوس ہو کر دعا ترک ہی کر دے۔''[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْقُلُوبُ أَوْعِيَةٌ وَّ بَعْضُهَا أَوْعٰى مِنْ بَعْضٍ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ أَيُّهَا النَّاسُ! فَاسْأَلُوهُ وَأَنْتُمْ مُّوقِنُونَ بِالْإِجَابَةِ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيبُ لِعَبْدِهِ دُعَاءً عَنْ ظَهْرِ قَلْبٍ غَافِلٍ] ''دل برتنوں کی طرح ہیں اور بعض، بعض کی نسبت زیادہ یاد رکھنے والے ہیں، اے لوگو! تم جب اللہ سے سوال کرو تو اس سے اس طرح سوال کرو کہ تمھارے دل قبولیت کے یقین سے سرشار ہوں کیونکہ جو شخص غافل دل کے ساتھ دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نہیں نوازتا۔''[2]

تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی: مسند امام احمد، سنن ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ثَلَاثَةٌ لَّا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ : اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ ، وَالصَّائِمُ حِينَ يُفْطِرُ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ ، يَرْفَعُهَا اللّٰهُ دُونَ الْغَمَامِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَتُفْتَحُ لَهَا أَبْوَابُ السَّمَآءِ، وَ يَقُولُ: بِعِزَّتِي! لَأَنْصُرَنَّكِ وَ لَوْ بَعْدَ حِينٍ] ''تین آدمیوں کی دعا رد نہیں ہوتی: (1) امام عادل (2) روزے دار کی، روزہ افطار کرنے کے وقت اور (3) مظلوم کی دعا۔ اسے اللہ تعالیٰ روز قیامت بادلوں سے بھی اوپر اٹھائے گا اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: مجھے اپنی عزت کی قسم! میں ضرور تیری مدد کروں گا، خواہ کچھ عرصہ بعد ہی سہی۔''[3]

[1] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب بيان أنه يستجاب للداعي مالم يعجل......، حديث:2735. [2] مسند أحمد: 177/2. [3] مسند أحمد: 305/2 و جامع الترمذي، الدعوات، باب: [سبق المُفَرِّدُون......]، حديث: 3598 و سنن ابن ماجه، الصيام، باب في الصائم لاترد دعوته، حديث: 1752 و اللفظ له. البتہ لفظ [حین] جامع ترمذی کے مطابق ہے۔

تفسیر آیت:187

رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور مباشرت کی اجازت: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے رخصت اور اس حکم میں تبدیلی ہے جو ابتدائے اسلام میں تھا کہ افطار کے بعد عشاء تک کھانا پینا اور مباشرت کرنا حلال تھا جب کوئی نماز عشاء ادا کر لیتا یا سو جاتا تو اگلی رات تک کھانا پینا اور مباشرت کرنا حرام ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے بہت زیادہ مشقت کا سامنا تھا۔ اس آیت کریمہ میں: رَفَث کے معنی مباشرت کرنے کے ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، مجاہد، سعید بن جبیر، طاؤس، سالم بن عبداللہ، عمرو بن دینار، حسن، قتادہ، زہری، ضحاک، ابراہیم نخعی، سدی، عطاء خراسانی اور مُقاتِل بن حَیّان رحمہم اللہ کا قول ہے۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ، سدی اور مُقاتِل بن حَیّان رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وہ تمھارے لیے وجۂ تسکین ہیں اور تم ان کے لیے وجۂ تسکین ہو۔[2] ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ تمھارے لیے لحاف ہیں اور تم ان کے لیے لحاف ہو۔[3]

حاصل کلام یہ ہے کہ مرد و عورت میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ اختلاط کرتا، چھوتا اور لپٹتا ہے، لہٰذا مناسب یہی تھا کہ ان کے لیے رمضان کی راتوں میں بھی صحبت کی اجازت ہوتی تاکہ انھیں کوئی دشواری اور حرج محسوس نہ ہو۔

اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب وہی ہے جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث کی روشنی میں قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔[4] اور ابواسحاق نے بھی براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اگر کوئی شخص روزے کی حالت میں ہوتا اور وہ روزہ افطار کرنے سے قبل سو جاتا تو اگلی رات کی آمد تک کھا، پی نہیں سکتا تھا۔ قَیس بن صِرمہ انصاری رضی اللہ عنہ نے روزہ رکھا ہوا تھا اور دن بھر اپنی زمین میں کام بھی کرتے رہے تھے۔ افطار کے وقت بیوی سے پوچھا کھانے کے لیے کچھ ہے؟ تو اس نے جواب دیا: نہیں، البتہ میں جاتی ہوں اور کہیں سے کچھ لاتی ہوں، اتنے میں ان کی آنکھ لگ گئی اور سو گئے۔ بیوی واپس آئی تو انھیں دیکھا کہ سو گئے ہیں، کہنے لگی: ہائے افسوس! تم تو سو گئے؟ اگلے دن جب دوپہر ہوئی تو یہ بے ہوش ہو گئے۔ اس واقعہ کا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذکر کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے: ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ ﴾ تا ﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ آیت نازل فرما دی جس سے حضرات صحابۂ کرام کو بے حد خوشی ہوئی۔[5]

صحیح بخاری میں ابواسحاق کے طریق سے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے براء رضی اللہ عنہ سے سنا کہ جب رمضان کے روزے کا حکم نازل ہوا تو لوگ سارا رمضان عورتوں کے قریب نہ جاتے تھے جبکہ کچھ لوگ اپنے نفسوں کی خیانت کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس

---

① تفسیر ابن أبي حاتم:315/1. ② تفسیر ابن أبي حاتم:316/1. ③ تفسیر ابن أبي حاتم:316/1. ④ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت مفصل تفسیر ابن کثیر میں سورۂ بقرہ کی آیت:184 کے ذیل میں مذکور ہے۔ اور یہ روایت سنن أبي داود، الصلاة، باب کیف الأذان؟ حدیث:507 و مسند أحمد:247,246/5 وغیرہ میں ہے، نیز دیکھیے إرواء الغلیل:4/17-24، حدیث:912. ⑤ تفسیر الطبري:224/2.

آیت کریمہ کو نازل فرما دیا: ﴿ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ﴾ ''اللہ کو معلوم ہے کہ تم (ان کے پاس جانے سے) اپنے آپ سے خیانت کرتے تھے، سو اس نے تم پر مہربانی کی اور تم سے درگزر فرمایا۔''[1]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مسلمان جب ماہ رمضان میں نماز عشاء ادا کر لیتے تو اگلی رات تک عورتیں اور کھانا حرام ہو جاتا تھا، پھر کچھ لوگ رمضان میں نماز عشاء کے بعد عورتوں کے قریب چلے گئے اور انھوں نے کھانا بھی کھا لیا، انھی میں سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے تو انھوں نے اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ ﴾ عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ ''اور اللہ نے تمھارے لیے جو چیز لکھ رکھی ہے اس کو (اللہ سے) طلب کرو۔'' حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، انس رضی اللہ عنہم، قاضی شریح، مجاہد، عِکرِمہ، سعید بن جبیر، عطاء، ربیع بن انس، سدی، زید بن اسلم، حَکَم بن عُتَیبہ، مُقاتِل بن حَیّان، حسن بصری، ضحاک، قتادہ رحمہم اللہ اور دیگر بہت سے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اولاد ہے۔[3] قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس رخصت کو طلب کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے لکھ رکھی ہے۔ اور سعید نے قتادہ سے یہ روایت کیا ہے: ﴿ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو تمھارے لیے حلال قرار دے دیا ہے اسے طلب کرو۔[4]

سحری کا آخری وقت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ﴾ ''اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے، پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو۔'' اب اللہ تعالیٰ نے رات کو کھانے پینے کی بھی اجازت فرما دی جیسا کہ قبل ازیں یہ اجازت عطا فرمائی تھی کہ رات کو جس وقت چاہے روزے دار مباشرت کر سکتا ہے حتی کہ ظلمت شب سے سپیدۂ سحر نمودار ہو جائے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے سفید اور سیاہ دھاری سے تعبیر فرمایا ہے اور رفعِ اِلتباس کے لیے ﴿ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ کے الفاظ بھی ذکر فرما دیے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں بھی ہے جسے ابوعبداللہ امام بخاری رحمہ اللہ نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پہلے ﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ ﴾ کے الفاظ نازل ہوئے تھے اور اس کے ساتھ ﴿ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ کے الفاظ نازل نہیں ہوئے تھے تو روزہ رکھنے والے کچھ لوگ اپنے دونوں پاؤں کے پاس سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لیتے اور اس وقت تک کھاتے پیتے رہتے جب تک ان میں فرق نمایاں طور پر نظر نہ آنے لگتا، پھر اللہ تعالیٰ نے ﴿ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ کے الفاظ نازل فرما دیے جس سے معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد رات اور دن ہے۔[5]

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ﴾ (البقرۃ2:187)، حدیث:4508. [2] تفسیر الطبری:225,224/2. [3] تفسیر الطبری:231,230/2 وتفسیر ابن أبی حاتم:317/1. [4] تفسیر الطبری: 231/2. [5] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا ﴾...... (البقرۃ 2:187)، حدیث:4511.

امام بخاری رحمہ اللہ نے شعبی سے اور انھوں نے حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عدی رضی اللہ عنہ نے ایک سیاہ اور ایک سفید دھاگا لے لیا اور رات کو انھیں دیکھا تو دونوں میں فرق واضح نہ ہوسکا، صبح ہوئی تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے دھاگے اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیے تھے، آپ نے فرمایا: [إِنَّ وِسَادَكَ إِذًا لَّعَرِيضٌ، أَنْ كَانَ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ تَحْتَ وِسَادَتِكَ] ''پھر تو تمھارا تکیہ بہت بڑا ہوا کہ سفید و سیاہ دھاری تمھارے تکیے کے نیچے تھی۔''①

بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا: [إِنَّكَ لَعَرِيضُ الْقَفَا] ''پھر تو تمھاری گدّی بہت لمبی چوڑی ہے۔'' بعض نے آپ کے ان الفاظ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ یہ کند ذہنی کی طرف اشارہ تھا جبکہ یہ بات صحیح نہیں۔ صحیح بات یہی ہے جسے آپ نے فرمایا کہ تمھارا تکیہ بہت چوڑا ہے کیونکہ اگر تکیہ چوڑا ہوگا تو اس کی گردن بھی لمبی چوڑی ہوگی۔ واللہ أعلم.

اس کی تفسیر صحیح بخاری میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! سیاہ و سفید دھاری سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے دو دھاگے مراد ہیں؟ فرمایا: [إِنَّكَ لَعَرِيضُ الْقَفَا إِنْ أَبْصَرْتَ الْخَيْطَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: لَا بَلْ هُوَ سَوَادُ اللَّيْلِ وَ بَيَاضُ النَّهَارِ] ''تمھاری گدّی بہت لمبی چوڑی ہے اگر تم نے ان دونوں دھاریوں کو دیکھ لیا ہے، پھر فرمایا: نہیں، ان سے مراد دو دھاگے نہیں بلکہ ان سے مراد رات کی سیاہی اور صبح کی سفیدی ہے۔''②

سحری کھانے کا استحباب اور اس کا وقت: اللہ تعالیٰ نے طلوع فجر تک کھانے کو جو جائز قرار دے دیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سحری کھانا رخصت ہی نہیں بلکہ مستحب اور محبوب عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سنت سے بھی سحری کھانے کی ترغیب ثابت ہے۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السُّحُورِ بَرَكَةً] ''سحری کھاؤ، بے شک سحری کھانا باعث برکت ہے۔''③

صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَ صِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَكْلَةُ السَّحَرِ] ''ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق سحری کا کھانا ہے۔''④ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلسُّحُورُ أَكْلَةٌ بَرَكَةٌ فَلَا تَدَعُوهُ وَ لَوْ أَنْ يَّجْرَعَ أَحَدُكُم جَرْعَةً مِّنْ مَّاءٍ، فَإِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِينَ] ''سحری بابرکت کھانا ہے، اسے ترک نہ کرو، خواہ پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لو، بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں۔''⑤

سحری کھانے کی ترغیب میں بہت سی احادیث وارد ہیں حتی کہ حدیث میں آیا ہے کہ ''خواہ پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لو'' تاکہ سحری کھانے والوں کے ساتھ مشابہت ہو جائے۔ طلوع فجر تک سحری کو مؤخر کرنا مستحب ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت انس بن

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا......﴾ (البقرة 2:187)، حديث:4509. ② صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا......﴾ (البقرة2:187)، حديث:4510. ③ صحيح البخاري، الصوم، باب بركة السحور من غير إيجاب، حديث:1923 وصحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور و تأكيد استحبابه......، حديث:1095. ④ صحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور و تأكيد استحبابه......، حديث:1096. ⑤ مسند أحمد:44/3 .

مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی، پھر ہم نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زید سے پوچھا کہ اذان اور سحری میں کتنا وقفہ تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ پچاس آیات پڑھنے کے بقدر۔ ①

سلف میں سے بہت سے لوگوں سے یہ ثابت ہے کہ فجر کے قریب انھوں نے سحری کھانے میں تسامُح سے کام لیا ہے۔ان میں سے حضرت ابوبکر، عمر، علی، ابن مسعود، حذیفہ، ابوہریرہ، ابن عمر، ابن عباس، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے بھی بہت سے حضرات، مثلاً: محمد بن علی بن حسین، ابومجلز، ابراہیم نخعی، ابوالضحی، ابووائل رحمہم اللہ اور دیگر اصحاب ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عطاء، حسن، حَکَم بن عُتَیبہ، مجاہد، عُروہ بن زبیر، ابوشعثاء اور جابر بن زید رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔اَعمش اور مَعْمَر بن راشد کا بھی یہی مذہب ہے۔ہم نے اپنی کتاب ''الصیام المفرد'' میں ان اسانید کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

صحیحین میں قاسم کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ بِلَالاً يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ] ''یقیناً بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان کہتے ہیں، لہٰذا تم ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی اذان (سننے) تک کھاتے پیتے رہو۔'' یہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں۔ ②

امام احمد رحمہ اللہ نے قَیس بن طَلْق سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَيْسَ الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيلَ فِي الْأُفُقِ وَ لٰكِنَّهُ الْمُعْتَرِضُ الْأَحْمَرُ] ''فجر وہ نہیں جو افق پر مستطیل شکل میں پھیل جاتی ہے بلکہ وہ سرخی والی اور کنارے کنارے ظاہر ہونے والی ہوتی ہے۔'' ③ اسے امام ابوداود اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور دونوں کے الفاظ یہ ہیں: [كُلُوا وَاشْرَبُوا ، وَ لَا يَهِيدَنَّكُمُ السَّاطِعُ الْمُصْعِدُ ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَعْتَرِضَ لَكُمُ الْأَحْمَرُ] ''کھاؤ پیو اور اوپر کو چڑھنے والی صبح کو دیکھ کر کھانے پینے سے نہ رکو حتی کہ سرخ دھاری ظاہر ہو جائے۔'' ④

امام مسلم نے اپنی صحیح میں سَمُرہ بن جُندُب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يَغُرَّنَّكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ وَّلَا هٰذَا الْبَيَاضُ ـ لِعَمُودِ الصُّبْحِ ـ حَتّٰى يَسْتَطِيرَ هٰكَذَا] ''بلال کی اذان اور یہ سفیدی۔صبح کی کرن۔تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے حتی کہ وہ اس طرح خوب ظاہر ہو جائے۔'' ⑤

حالت جنابت میں صبح ہو جائے تو روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں: اللہ تعالیٰ کے اپنے روزے دار بندوں کے لیے طلوع

① صحیح البخاری، الصوم، باب قدر کم بین السحور و صلاة الفجر؟ حدیث:1921 و صحیح مسلم، الصیام، باب فضل السحور و تأکید استحبابه......، حدیث:1097. ② صحیح البخاری، الأذان، باب الأذان قبل الفجر، حدیث: 623,622، صحیح مسلم، الصیام، باب بیان أن الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر......، حدیث:1092. ③ مسند أحمد:23/4. ④ سنن أبی داود، الصیام، باب وقت السحور، حدیث:2348 و جامع الترمذی، الصوم، باب ماجاء فی بیان الفجر، حدیث:705. ⑤ صحیح مسلم، الصیام، باب بیان أن الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر......، حدیث:(42)-1094.

فجر کو کھانے پینے اور مباشرت کے لیے حد جواز بنانے سے استدلال ہوتا ہے کہ جسے حالت جنابت میں صبح ہو جائے تو وہ غسل کر کے اپنے روزے کو پورا کر لے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ ائمۂ اربعہ اور جمہور علمائے سلف وخلف کا بھی یہی مذہب ہے[1] اس لیے کہ امام بخاری و مسلم نے حضرت عائشہ اور ام سَلَمہ (ہند بنت ابوامیہ) رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت جنابت میں -احتلام کی وجہ سے نہیں بلکہ مباشرت کی وجہ سے- صبح ہو جاتی تو آپ (سحری کھانے کے بعد) غسل فرما کر روزہ پورا کر لیتے تھے۔[2] حدیث ام سَلَمہ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر آپ اس روزے کو نہ چھوڑتے اور نہ اس کی قضا ہی دیتے تھے۔[3]

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! حالت جنابت میں نماز صبح کا وقت ہو جاتا ہے تو کیا میں روزہ رکھوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [وَأَنَا تُدْرِكُنِي الصَّلَاةُ وَأَنَا جُنُبٌ فَأَصُومُ] ''مجھے بھی حالت جنابت میں نماز صبح کا وقت ہو جاتا ہے تو میں روزہ رکھ لیتا ہوں، اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ تو ہماری طرح نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیے ہیں تو آپ نے فرمایا: [وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَعْلَمَكُمْ بِمَا أَتَّقِي] اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ میں تم سب کی نسبت اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور تم سب سے زیادہ تقوے کی باتوں کو جاننے والا ہوں۔''[4]

رات کے شروع ہوتے ہی روزہ ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا فوراً افطار کر دینا چاہیے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ ''پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو'' کا تقاضا یہ ہے کہ غروب آفتاب کے وقت روزہ افطار کر دیا جائے، حکم شریعت یہی ہے جیسا کہ صحیحین میں امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هٰهُنَا ، وَ أَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هٰهُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ] ''جب ادھر سے رات آ جائے اور ادھر سے دن چلا جائے تو روزے دار روزہ افطار کر لے۔''[5]

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ] ''لوگ اس وقت تک خیر و بھلائی میں رہیں گے جب تک روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے۔''[6] امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: إِنَّ أَحَبَّ عِبَادِي إِلَيَّ أَعْجَلُهُمْ فِطْرًا] ''اللہ عزوجل فرماتا ہے: مجھے اپنے بندوں میں سے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو سب سے جلد افطار

---

① المغني لابن قدامة:3/79,78. ② صحيح البخاري، الصوم، باب الصائم يصبح جنبًا، حديث:1925، 1931 و صحيح مسلم، الصيام، باب صحة صوم من طلع عليه الفجر و هو جنب، حديث:1109. ③ صحيح مسلم ، الصيام، باب صحة صوم من ......، حديث:(77)-1109. ④ صحيح مسلم، الصيام، باب صحة صوم من طلع عليه الفجر و هو جنب، حديث:(79)-1110. ⑤ صحيح البخاري، الصوم، باب : متى يحل فطر الصائم؟حديث:1954 و صحيح مسلم، الصيام، باب بيان وقت انقضاء الصوم وخروج النهار، حديث:1100. ⑥ صحيح البخاري، الصوم، باب تعجيل الإفطار، حديث:1957 و صحيح مسلم، الصيام، باب فضل السحور......، حديث:1098.

کرنے والا ہے۔''[1] اسے امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔[2]

صومِ وصال کی ممانعت: صحیح احادیث میں صوم وصال کی ممانعت آئی ہے۔صوم وصال سے مراد یہ ہے کہ ایک دن کو دوسرے کے ساتھ اس طرح ملا دیا جائے کہ دونوں کے درمیان کچھ بھی نہ کھایا جائے۔امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَا تُوَاصِلُوا، قَالُوا:يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّكَ تُوَاصِلُ ؟ قَالَ: إِنِّي لَسْتُ مِثْلَكُمْ إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَ يَسْقِينِي] ''وصال نہ کرو، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ تو صومِ وصال رکھتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمھاری طرح نہیں ہوں، میں تو اس طرح شب بسر کرتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب وصال سے نہ رکے تو آپ نے دو دن اور دو راتوں کا وصال کیا، پھر چاند دیکھ لیا اور فرمایا:[لَوْ تَأَخَّرَ الْهِلَالُ لَزِدْتُكُمْ] ''اگر چاند لیٹ ہو جاتا تو میں وصال میں اور بھی اضافہ کر دیتا۔'' یہ آپ نے گویا سزا کے طور پر فرمایا۔[3] اسے امام بخاری و مسلم نے بھی صحیحین میں روایت کیا ہے۔[4]

کئی احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے صوم وصال سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ جو صوم وصال رکھتے تو یہ آپ کے خصائص میں سے تھا، آپ کو اس کی طاقت بھی تھی۔اور آپ کی اس سلسلے میں مدد بھی کی جاتی تھی۔اور ظاہر ہے کہ آپ کے حق میں یہ کھانا پینا معنوی تھا حسی نہیں تھا اور اگر اسے حسی قرار دیا جائے تو پھر آپ کا صوم وصال نہ ہوا۔

اگر کوئی شخص غروب آفتاب کے بعد سے لے کر سحری تک کچھ نہ کھائے تو اسے اس کی اجازت ہے جیسا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَا تُوَاصِلُوا، فَأَيُّكُمْ أَرَادَ أَنْ يُّوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ، قَالُوا: فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ، إِنِّي أَبِيتُ لِي مُطْعِمٌ يُّطْعِمُنِي وَسَاقٍ يَّسْقِينِ] ''وصال نہ کرو اور اگر کوئی وصال کا ارادہ کرے تو وہ بس سحری تک وصال کرے۔صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ تو وصال کرتے ہیں؟ فرمایا: میں تمھاری طرح نہیں ہوں، میں اس طرح شب بسر کرتا ہوں کہ ایک کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا مجھے پلاتا ہے۔'' اسے بھی امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں بیان کیا ہے۔[5]

احکام اعتکاف: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ﴾ ''اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو ان سے ہم بستری نہ کرو'' کے بارے میں علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو رمضان وغیر رمضان میں مسجد میں اعتکاف کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے عورتوں سے ہم بستری کو دن یا رات میں اس وقت تک حرام قرار دیا ہے جب تک وہ اپنے اعتکاف کو پورا نہ کر لے۔[6]

[1] مسند أحمد:238,237/2. [2] جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في تعجيل الإفطار، حديث:700. [3] مسند أحمد:281/2. [4] صحيح البخاري، الصوم، باب التنكيل لمن أكثر الوصال، حديث:1965و صحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن الوصال، حديث:1103. [5] صحيح البخاري، الصوم، باب الوصال إلى السحر، حديث:1967 و صحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن الوصال، حديث:1102-1105. [6] تفسير الطبري:246/2.

ضحاک فرماتے ہیں کہ پہلے یہ صورت تھی کہ آدمی جب اعتکاف میں ہوتا تو وہ مسجد سے باہر نکل کر ہم بستری کر آتا تھا، بالآخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: ﴿ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ ﴾ ''اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو ان سے ہم بستری نہ کرو۔'' یعنی جب تک تم حالت اعتکاف میں ہو تو عورتوں کے قریب نہ جاؤ، نہ مسجد میں نہ مسجد سے باہر۔[1] مجاہد، قتادہ اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے اسی طرح کہا ہے کہ لوگ اس طرح کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔[2] ابن ابو حاتم فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، محمد بن کعب، مجاہد، عطاء، حسن، قتادہ، ضحاک، سدی، ربیع بن انس اور مُقاتِل رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ حالت اعتکاف میں کوئی شخص عورت کے قریب نہ جائے۔[3] ان حضرات سے اس مسئلے میں یہ جو قول بیان کیا ہے تو یہ امر علماء کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ مُعتَکِف کے لیے، جب تک وہ مسجد میں حالت اعتکاف میں ہے، عورتوں کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنا حرام ہے۔

اگر کوئی معتکِف کھانے پینے یا قضائے حاجت وغیرہ کی کسی ناگزیر ضرورت کی وجہ سے گھر جائے تو وہ بقدر ضرورت ہی گھر میں ٹھہر سکتا ہے۔ اور اس صورت میں اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ اپنی بیوی کو بوسہ دے یا اسے گلے لگائے یا اعتکاف کے سوا کوئی اور مشغولیت اختیار کرے یا مریض کی بیمار پرسی کے لیے جائے۔ ہاں، البتہ راہ چلتے ہوئے مریض سے اس کا حال پوچھ سکتا ہے۔ اعتکاف سے متعلق بہت سے مفصل احکام ہیں جن میں سے ایک اچھی خاصی تعداد کو ہم نے اپنی کتاب ''الصیام'' کے آخر میں بیان کیا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

قرآن عظیم کی اقتدا ہی کے پیش نظر فقہاء مصنفین اپنی کتابوں میں کتاب الصوم کے بعد کتاب الاعتکاف کو بیان کرتے ہیں کیونکہ قرآن مجید نے بھی روزے کے مسائل کے بعد اعتکاف کا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے روزے کے احکام و مسائل کے بعد جو اعتکاف کا ذکر فرمایا ہے تو اس میں اس طرف بھی راہ نمائی ہے کہ اعتکاف روزے ہی کی حالت میں ہو سکتا ہے، نیز اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ ماہ صیام کے آخر میں ہونا چاہیے جیسا کہ سنت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے حتی کہ اللہ عزوجل نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔ پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے بھی اعتکاف فرمایا جیسا کہ امام بخاری و مسلم نے بروایت اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کیا ہے۔[4]

صحیحین میں ہے کہ حضرت صَفِیّہ بنت حُیَیّ رضی اللہ عنہا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آیا کرتی تھیں جب آپ مسجد میں حالت اعتکاف میں ہوتے تھے (ایک بار آپ تشریف لائیں) کچھ دیر گفتگو کی اور پھر گھر جانے کے لیے کھڑی ہوئیں، یہ رات کا وقت تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کھڑے ہو گئے تاکہ ان کے ساتھ چل کر گھر تک پہنچا آئیں۔ ان کا گھر مدینہ کے ایک طرف دارِ اسامہ بن زید

---

① تفسير الطبري:246/2. ② تفسير الطبري:247/2. ③ تفسير ابن أبي حاتم:319/1. ④ صحيح البخاري، الاعتكاف، باب الاعتكاف في العشر الأواخر، حديث:2026 و صحيح مسلم، الاعتكاف، باب اعتكاف العشر الأواخر من رمضان، حديث:1172.

میں تھا۔ راستے میں دو انصاری ملے جب انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا تو اپنی رفتار تیز کر دی، ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ نبی ﷺ سے حیا کی وجہ سے وہ چھپ گئے [1] کیونکہ آپ اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ تھے......، آپ نے ان دونوں سے فرمایا: [عَلٰى رِسْلِكُمَا، إِنَّهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ] ''ذرا رک جاؤ، دیکھو! یہ صفیہ بنت حُیَی ہے۔'' یعنی تیز نہ چلو اور جان لو کہ اس وقت میرے ساتھ میری بیوی صفیہ بنت حُیَیّ ہے۔ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! سبحان اللہ! آپ نے فرمایا: [إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَّقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا شَيْئًا ـ وَفِي رِوَايَةٍ ـ شَرًّا] ''شیطان انسان میں اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون، لہٰذا مجھے یہ ڈر لاحق ہوا کہ کہیں وہ تمھارے دلوں میں کوئی بات۔ اور ایک روایت میں ہے کہ۔ یا کوئی برائی۔ نہ ڈال دے۔'' [2]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے رسول اللہ ﷺ نے ارادہ یہ فرمایا کہ اپنی امت کو اس بات کی تعلیم دیں کہ وہ تہمت سے بچیں۔ آپ نے ان دونوں سے یہ وضاحت اس لیے فرما دی تاکہ وہ کسی بری بات میں مبتلا نہ ہو جائیں، حالانکہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے تھے اور اس بات سے بہت بلند کہ نبی ﷺ کے بارے میں کسی بدگمانی میں مبتلا ہوں۔ [3] واللہ أعلم.

مباشرت جس سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد جماع بھی ہے اور اس کے اسباب بوسہ و معانقہ وغیرہ بھی۔ اور جہاں تک عورت سے کسی چیز کے لینے دینے کا تعلق ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سر مبارک کو میرے قریب کر دیتے اور میں کنگھی کر دیتی، حالانکہ میں اپنے خاص ایام میں ہوتی تھی۔ (جب آپ اعتکاف کی حالت میں ہوتے تو) آپ صرف انسانی ضرورت کی وجہ سے گھر میں تشریف لاتے تھے۔ [4] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ بعض اوقات گھر میں کوئی مریض ہوتا تو میں صرف راہ چلتے ہوئے اس کا حال پوچھ لیتی تھی۔ [5]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ ﴾ ''یہ اللہ کی حدیں ہیں۔'' یعنی یہ جو ہم نے روزے کو فرض قرار دیا اور اس کے احکام کو بیان کیا، اس میں کچھ امور کو مباح اور کچھ کو حرام قرار دیا ہے، پھر روزے کے مقاصد اور اس میں رخصت و عزیمت کے

[1] تفسیر ابن کثیر میں یہاں [تواريا] ہے لیکن بسیار تلاش کے باوجود یہ لفظ نہیں مل سکا، البتہ [قَنَّعَارُءُ وسَهُمَا] یعنی انھوں نے اپنے سروں کو چھپا لیا، کے الفاظ: صحيح ابن حبان، الصوم، باب الاعتكاف......، ذكر جواز زيارة المرأة......:428/8، حديث:3671 میں ہیں۔ اور [إِسْتَحْيَا] ''ان دونوں نے شرم محسوس کی۔'' اور [إِسْتَحْيَيَا] کے الفاظ علی الترتیب صحيح ابن حبان: 348/10، حديث:4496 و المعجم الكبير:72/24، حديث:190 میں ہیں۔ [2] صحيح البخاري، الاعتكاف، باب زيارة المرأة......، حديث:3281،2038 و صحيح مسلم، السلام، باب بيان أنه يستحب لمن رؤى خاليا بامرأة......، حديث: 2175. [3] تاريخ دمشق الكبير لابن عساكر، ترجمة محمد بن إدريس الشافعي رحمہ اللہ:247/54 میں بالفاظ دیگر یہ مفہوم بیان ہوا ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام حاکم کے حوالے سے اسے بیان کیا ہے، دیکھیے فتح الباري:280/4، تحت الحديث: 2035. [4] صحيح البخاري، الاعتكاف، باب: لايدخل البيت إلا لحاجة، حديث:2029 و صحيح مسلم، الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها......، حديث:297. [5] صحيح مسلم، الحيض، باب جواز غسل الحائض......، حديث:(7)-297 و سنن ابن ماجه، الصيام، باب في المعتكف......، حديث:1776.

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ

اور تم اپنے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ اور انھیں حاکموں کے پاس نہ لے جاؤ تاکہ تم لوگوں کے مالوں میں سے کچھ مال

23 ع 6 7 النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿188﴾

گناہ کے ساتھ کھاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو﴿188﴾

مسائل کو جو بیان کیا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جنھیں اس نے خود بیان فرمایا ہے تو تم ان کے قریب نہ جاؤ، یعنی ان سے تجاوز نہ کرو۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ یہ چار حدیں ہیں، پھر وہ ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ﴾ سے ﴿ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ﴾ تک پڑھتے اور فرماتے کہ حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ اور ہمارے دیگر اساتذہ یہی فرماتے اور اس آیت کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

اور فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ ﴾ ''اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔'' یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے روزے کے احکام و مسائل کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اسی طرح وہ دیگر تمام احکام و مسائل کو بھی اپنے عبد و رسول حضرت محمد ﷺ کی زبانی تفصیل سے بیان فرمائے گا۔ ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿187﴾ ﴾ ''تاکہ وہ پرہیزگار بنیں۔'' یعنی تاکہ وہ جان لیں کہ وہ کس طرح ہدایت پائیں گے اور کس طرح اطاعت بجالائیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (الحدید 9:57) ''وہی تو ہے جو اپنے بندے پر واضح (مطالب) آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ وہ تم کو اندھیروں میں سے نکال کر روشنی میں لائے، بے شک اللہ تم پر نہایت شفقت کرنے والا (اور) انتہائی مہربان ہے۔''

تفسیر آیت:188

رشوت گناہ اور حرام ہے: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جس کے ذمے کسی شخص کا مال ہو اور کوئی گواہی موجود نہ ہو اور وہ انکار کرتے ہوئے جھگڑے کو حکام کے پاس لے جائے، حالانکہ وہ جانتا ہو کہ حق اس کے خلاف ہے اور وہ گناہ گار اور مال حرام کھانے والا ہے۔[1] مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، حسن، قتادہ، سدی، مُقاتِل بن حَیّان اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے مروی ہے کہ جب تمھیں یہ معلوم ہو کہ تم ظالم ہو تو پھر جھگڑا نہ کرو۔[2]

قاضی کے فیصلے سے حرام، حلال اور حلال، حرام نہیں بنتا: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ام سَلَمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَّإِنَّهُ يَأْتِينِي الْخَصْمُ، فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَّكُونَ أَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ فَأَحْسِبُ أَنَّهُ صَدَقَ فَأَقْضِيَ لَهُ بِذٰلِكَ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ، فَلْيَأْخُذْهَا أَوْ لِيَتْرُكْهَا] ''بے شک میں ایک بشر ہوں، میرے پاس جھگڑا کرنے والے آتے ہیں اور ممکن ہے کہ تم میں سے بعض لوگ اپنی بات کو زیادہ اچھے طریقے سے پیش کر سکتے ہوں تو میں خیال کروں کہ اس نے سچ کہا ہے جس کی وجہ سے میں

① تفسیر الطبری: 251/2. ② تفسیر ابن أبي حاتم: 321/1 وتفسیر الطبری: 252,251/2.

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا

(اے نبی!) آپ سے چاند (کے احوال) کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے: وہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے اوقات مقررہ ہیں اور نیکی یہ نہیں کہ تم

الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪

اپنے گھروں میں ان کے پچھواڑوں کی طرف سے آؤ بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی پرہیزگاری اختیار کرے، اور تم اپنے گھروں میں ان کے دروازوں سے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿189﴾

آؤ، اور تم اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ﴿189﴾

اس کے حق میں فیصلہ دے دوں تو جس شخص کو میں کسی دوسرے مسلمان کا حق دے دوں تو وہ درحقیقت جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا ہے، چاہے تو وہ اسے لے لے یا چھوڑ دے۔''[1]

اس آیت کریمہ اور حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ حاکم کے فیصلے سے کسی چیز میں فی نفسہ کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی، یعنی جو فی نفسہ حرام ہو وہ کسی حاکم کے فیصلے سے حلال نہیں بنتا اور جو فی نفسہ حلال ہو وہ کسی قاضی کے فیصلے سے حرام قرار نہیں پاتا کیونکہ حاکم یا قاضی تو ظاہری حالات کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند ہے اگر اس کا فیصلہ حقیقت کے مطابق ہو تو بہت خوب ورنہ اسے اجر ضرور مل جائے گا اور حیلہ باز کے کندھوں پر اس کا گناہ ہوگا۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿188﴾﴾ ''اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (بطور رشوت) حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو۔''

یعنی تم جانتے ہو کہ جس بات کا تم دعویٰ کرتے اور اپنے کلام میں رواج دیتے ہو وہ باطل ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! اس بات کو خوب جان لو کہ قاضی کا فیصلہ تمھارے لیے حرام کو حلال اور باطل کو حق قرار نہیں دے سکتا کیونکہ قاضی تو اپنی رائے اور گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے جبکہ قاضی ایک انسان ہے جس کا فیصلہ غلط بھی ہوسکتا ہے اور صحیح بھی، لہٰذا خوب جان لو کہ جس کے حق میں باطل فیصلہ ہو جائے تو اس کا جھگڑا ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جمع کرے گا اور حق والے کے حق میں باطل والے کے خلاف اس سے بدرجہا بہتر فیصلہ فرمائے گا جو دنیا میں ہوا تھا۔[2]

تفسیر آیت:189

چاند کے بارے میں سوال: عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند کے بارے میں سوال کیا تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ﴾ ''اے نبی! لوگ آپ سے نئے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے؟) کہہ دیجیے کہ وہ لوگوں کے (کاموں کی

[1] صحيح البخاري، المظالم، باب إثم من خاصم في باطل و هو يعلمه، حديث:2458 وصحيح مسلم، الأقضية، باب بيان أن حكم الحاكم لا يغير الباطن، حديث:1713. [2] تفسير الطبري:251/2.

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿190﴾ وَ

اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو (جہاد کرو) جو تم سے لڑتے ہیں اور تم زیادتی نہ کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿190﴾ اور

اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا

تم انھیں جہاں بھی پاؤ ان کو قتل کر دو اور تم انھیں نکال دو جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا اور فتنہ قتل سے زیادہ سخت (گناہ) ہے اور تم

تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ

ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو یہاں تک کہ وہ اس میں تم سے لڑیں، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم انھیں قتل کرو، ایسے کافروں کی یہی سزا ہے ﴿191﴾

الْكٰفِرِیْنَ ﴿191﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿192﴾ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ

پھر اگر وہ باز آ جائیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے ﴿192﴾ اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین

الدِّیْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ﴿193﴾

صرف اللہ کے لیے ہو جائے پھر اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی جائز نہیں ﴿193﴾

میعادیں) معلوم ہونے کا ذریعہ ہے۔" اس سے وہ قرض کی مدت، عورتوں کی عدت اور حج کے وقت کو معلوم کر سکتے ہیں۔ [1]

عبدالرزاق نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْأَهِلَّةَ مَوَاقِيتَ لِلنَّاسِ، فَصُومُوا لِرُؤْيَتِهِ، وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَعُدُّوا لَهُ ثَلَاثِينَ يَوْمًا] "اللہ تعالیٰ نے چاند کو لوگوں کے لیے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ بنا دیا ہے، لہٰذا چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزے رکھنا چھوڑ دو اور اگر آسمان ابر آلود ہو تو مہینے کے دنوں کی تعداد تیس پوری کر لو۔" [2] امام حاکم نے اسے مستدرک میں روایت کیا، صحیح الاسناد قرار دیا اور لکھا ہے کہ امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔ [3]

نیکی کا دارومدار تقوے پر ہے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا﴾ "اور نیکی اس بات میں نہیں کہ (احرام کی حالت میں) گھر میں ان کے پچھواڑے کی طرف سے آ ؤ بلکہ نیکوکار وہ ہے جو پرہیزگار ہو اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو۔" کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لوگ جب زمانۂ جاہلیت میں حالت احرام میں ہوتے تو وہ گھر میں پچھواڑے کی طرف سے آیا کرتے تھے، چنانچہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا تھا۔ [4] اسی طرح امام ابوداود طیالسی نے بھی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انصار کے ہاں یہ معمول تھا کہ جب وہ سفر سے واپس آتے تو گھر کے دروازے سے داخل نہیں ہوتے تھے، چنانچہ اسی وجہ سے یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ [5]

---

① تفسیر الطبری:254/2. ② المصنف لعبدالرزاق، باب الصیام:156/4، حدیث:7306. ③ المستدرک للحاکم، الصوم:423/1، حدیث:1539. ④ صحیح البخاری، التفسیر، باب:29 ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ﴾ ...... (البقرة 189:2)، حدیث:4512. ⑤ مسند أبی داود الطیالسی:90/2، حدیث:752.

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کچھ لوگ سفر کا ارادہ کرتے اور اپنے ارادۂ سفر کے تحت گھر سے نکل جاتے اور گھر سے باہر نکل جانے کے بعد وہ سفر کا ارادہ ترک کر کے مقیم ہو جاتے تو پھر گھر میں اپنے دروازے سے داخل نہ ہوتے بلکہ پچھواڑے کی جانب سے دیوار پھلانگ کر گھر میں داخل ہوا کرتے تھے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا ﴾ ’’نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے گھروں میں ان کے پچھواڑوں کی طرف سے آؤ۔‘‘[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۸۹ ﴾ ’’اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔‘‘ یعنی تم اللہ سے ڈرو اور وہ کام کرو جس کا اس نے تمھیں حکم دیا ہے اور اس سے رک جاؤ جس سے اس نے منع فرمایا ہے۔ ﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۸۹ ﴾ تاکہ کل تم اس وقت نجات پاؤ جب اپنے رب تعالیٰ کے دربار عالی میں کھڑے ہوگے اور وہ تمھیں تمھارے اعمال کا پورا پورا بدلہ عطا فرمائے گا۔

تفسیر آیات:190-193

جو لڑتے ہوں ان سے لڑنے اور جہاں بھی وہ پائے جائیں انھیں قتل کرنے کا حکم: امام ابوجعفر رازی نے ربیع بن انس سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ ﴾ ’’اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے لڑو۔‘‘ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ مدینہ میں قتال کے بارے میں نازل ہونے والی پہلی آیت ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان لوگوں سے لڑنا شروع کر دیا جو آپ سے لڑتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نہیں لڑتے تھے جو آپ سے نہیں لڑتے تھے حتی کہ سورۂ براءت نازل ہوگئی۔[2]

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے حتی کہ انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے: ﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ (التوبة 9:5) ’’مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔‘‘ لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ ﴾ ’’جو لوگ تم سے لڑتے ہیں۔‘‘ میں ان کافروں کے خلاف برانگیختہ کیا گیا ہے جن کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنا ہو، یعنی جس طرح وہ تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان کے خلاف اسی طرح لڑو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ﴾ (التوبة 9:36) ’’اور تم سب کے سب مشرکوں سے لڑو، جیسے وہ سب کے سب تم سے لڑتے ہیں۔‘‘ اسی لیے تو اس آیت میں اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ ﴾ ’’اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے (مکہ سے) وہاں سے تم بھی ان کو نکال دو۔‘‘ یعنی تمھارا عزم و ارادہ بھی ان سے لڑنے کا ہو جس طرح وہ تمھارے ساتھ لڑنے کے لیے کمربستہ رہتے ہیں اور جس طرح انھوں نے تمھیں تمھارے شہر سے نکال دیا ہے تم بھی بطور قصاص انھیں یہاں سے نکال دو۔

مُثلہ اور چوری و خیانت کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۱۹۰ ﴾ ’’اور تم زیادتی نہ کرنا، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد تو کرو مگر کسی سے

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:324/1. [2] تفسیر الطبری:258/2 و تفسیر البغوی:236/1 و تفسیر الماوردی:251/1.

زیادتی نہ کرو، زیادتی کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ ان امور کا ارتکاب کیا جائے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے جیسا کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ [1] جیسے: مثلہ کیا جائے یا چوری وخیانت کی جائے، عورتوں، بچوں اور ان بوڑھوں کو قتل کیا جائے جن کی کوئی رائے یا جنگ میں کوئی حصہ نہ ہو، تارک دنیا اور گوشہ نشینوں کو قتل کیا جائے، درختوں کو جلا دیا جائے اور بغیر کسی مصلحت کے جانوروں کو قتل کر دیا جائے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عمر بن عبدالعزیز، مُقاتل بن حیّان اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے۔ [2]

یہی وجہ ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [أُغْزُوا بِاسْمِ اللّٰهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ ، أُغْزُوا وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا، (وَلَا أَصْحَابَ الصَّوَامِعِ)] ''اللہ کے نام کے ساتھ، اللہ کے راستے میں جہاد کرو جو اللہ کے ساتھ کفر کرے اس سے لڑو، جہاد کرو لیکن خیانت نہ کرو، نہ عہد شکنی کرو، نہ مثلہ کرو اور نہ بچوں اور گرجوں والوں کو قتل کرو۔'' [3]

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض غزوات میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرما دیا۔ [4] اس مسئلے سے متعلق اور بھی بہت سی احادیث اور آثار موجود ہیں۔

شرک قتل سے بھی بڑھ کر ہے: جہاد میں چونکہ انسانی جانوں کا خاتمہ اور مردوں کو قتل کرنا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر وشرک کرتے اور اس کی راہ سے روکتے ہیں تو یہ قتل سے بھی بڑھ کر شدید اور سنگین جرم ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ﴾ ''اور (کفر وشرک کا) فساد قتل وخون ریزی سے کہیں بڑھ کر ہے۔'' ابو مالک فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کفر وشرک پر تم قائم ہو یہ تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ [5] ابو العالیہ، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، حسن، قتادہ، ضحاک اور ربیع بن انس رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شرک قتل سے کہیں بڑھ کر ہے۔ [6]

حرم میں قتال کی حرمت اور حملہ آور کو روکنے کا جواز: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ ''اور مسجد محترم (خانہ کعبہ) کے پاس تم ان سے نہ لڑو۔'' جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم میں ہے:

[إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَ لَمْ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ ولا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا، وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا۔ وَ فِي رِوَايَةٍ۔ فَإِنْ أَحَدٌ

[1] تفسير ابن أبي حاتم:326/1. [2] تفسير الطبري:259/2 وتفسير ابن أبي حاتم:325/1. [3] صحيح مسلم، الجهاد، باب تأمير الإمام......، حديث:1731 لیکن قوسین والے الفاظ مسند أحمد:300/1 کے ہیں۔ [4] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب قتل الصبيان في الحرب، حديث:3014 وصحيح مسلم، الجهاد، باب تحريم قتل النساء والصبيان في الحرب، حديث:1744. [5] تفسير ابن أبي حاتم:326/1. [6] تفسير ابن أبي حاتم:326/1.

تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقُولُوا: إِنَّ اللّٰهَ أَذِنَ لِرَسُولِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ]
''اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن سے محترم قرار دیا ہے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تو یہ اللہ تعالیٰ کے محترم قرار دینے کی وجہ سے قیامت تک محترم ہے، مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس میں لڑائی کرنا حلال نہ تھا اور میرے لیے بھی دن کی صرف ایک گھڑی میں لڑنا حلال قرار دیا گیا تھا، چنانچہ یہ اللہ تعالیٰ کے محترم قرار دینے کی وجہ سے قیامت تک محترم ہے۔ اس کے کانٹوں کو نہ کاٹا جائے اور نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے اور نہ اس کی گری پڑی چیز کو اٹھایا جائے مگر جو اس کا اعلان کرے اور اس کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے۔''① اور ایک روایت میں ہے: ''اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے قتال کو بطور دلیل پیش کرے تو اس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تو اجازت عطا فرمادی تھی مگر تمھیں اس کی اجازت نہیں دی۔''②

رسول اللہ ﷺ کا اشارہ فتح مکہ کے دن اہل مکہ سے لڑنے کی طرف تھا، آپ نے مکہ کو زبردستی فتح کیا تھا اور مکہ کے چند باشندے بھی خَنْدَمَة کے پاس مارے گئے تھے، آپ نے یہ فرما کر مکہ کے لوگوں کو امن عطا فرمادیا تھا: [مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ وَّمَنْ أَغْلَقَ عَلَيْهِ دَارَهُ فَهُوَ آمِنٌ وَّمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ آمِنٌ] ''جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے۔ جس نے اپنے دروازے کو بند کر لیا وہ بھی امن میں ہے اور جو مسجد (الحرام) میں داخل ہو جائے وہ بھی امن میں ہے۔''③

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ١٩١﴾ ''یہاں تک کہ وہ تم سے اس (مسجد محترم) کے پاس لڑیں، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان کو قتل کر ڈالو، کافروں کی یہی سزا ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو۔ ہاں، البتہ اگر وہ از خود لڑائی کا آغاز کریں تو تم ان سے لڑائی کر سکتے ہو اور حملہ آور کو مار بھگا سکتے ہو جیسا کہ نبی ﷺ نے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے حدیبیہ کے دن درخت کے نیچے قتال پر بیعت لی تھی جبکہ قریشیوں نے اور ان کے اس سال کے حلیف خاندان ثقیف وحبشہ کے لوگوں نے آپ کے خلاف یورش کی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کے مابین قتال کو روک دیا اور فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ﴾ (الفتح 24:48) ''اور وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو ان (کافروں) پر فتح یاب کرنے کے بعد وادئ مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے روک دیے۔'' اور فرمایا: ﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَــُٔـوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ لَوْ

① صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لا ينفر صيد الحرم، حديث:1833 و صحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة و تحريم صيدها......، حديث:1353 و اللفظ له. عن ابن عباس ﷺ. ② صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب لا يعضد شجر الحرم، حديث:1832 و صحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة ......، حديث:1354 عن أبي شُريح ﷺ. ③ صحيح مسلم، الجهاد، باب فتح مكة، حديث:(86)-1780 و السنن الكبرى للبيهقي، السير، باب فتح مكة حرسها الله تعالى:119/9 و اللفظ له عن ابن عباس ﷺ. اور خندمۃ مکہ مکرمہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔

تَزَیَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا﴾ (الفتح48:25) ’’اور اگر ایسے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم جانتے نہ تھے کہ اگر تم ان کو پامال کر دیتے تو تم کو ان کی طرف سے بے خبری میں نقصان پہنچ جاتا (تو ابھی تمھارے ہاتھ سے فتح ہو جاتی مگر تاخیر) اس لیے (ہوئی) کہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے اور اگر وہ (مومن اور کافر) الگ الگ ہو جاتے تو جو ان میں کافر تھے ان کو ہم دکھ دینے والا عذاب دیتے۔‘‘

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ’’پھر اگر وہ باز آ جائیں تو اللہ بخشنے والا (اور) رحم والا ہے‘‘ کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ حرم میں قتال کو ترک کر دیں اور اسلام کی طرف رجوع کر کے توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ انھوں نے گو حرم میں مسلمانوں کو قتل کیا تھا لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا، خواہ اس کا گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔

فتنے کے خاتمے تک لڑائی کا حکم: پھر اللہ تعالیٰ نے اس وقت تک کفار سے قتال کا حکم دیا ہے جب تک کہ فتنہ نیست و نابود نہ ہو جائے اور فتنہ سے یہاں شرک مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن، قتادہ، ربیع بن انس، مُقاتل بن حیّان، سدی اور زید بن اسلم رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔[1] ﴿وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ﴾ ’’اور (زمین میں) اللہ ہی کا دین ہو جائے۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کا دین تمام دینوں پر غالب آ جائے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص شجاعت کے لیے یا حمیّت کے لیے یا ریاکاری کے لیے لڑائی کرتا ہے تو ان میں سے اللہ کے راستے میں کون لڑتا ہے؟ فرمایا: [مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ’’جو اس لیے لڑے تا کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ سربلند ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑتا ہے۔‘‘[2]

صحیحین ہی کی ایک دوسری روایت میں آپ نے فرمایا ہے: [أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَإِذَا قَالُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ] ’’مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں حتی کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں اور جب وہ اس کا اقرار کر لیں گے تو مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچا لیں گے الا یہ کہ اس کلمے (یا اسلام) کی وجہ سے کوئی حق ہو (اور اسے پامال کر دیا جائے۔) اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔‘‘[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ ’’پھر اگر وہ (فساد سے) باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں (کرنی چاہیے۔)‘‘ یعنی اگر وہ شرک سے اور مومنوں سے جنگ کرنے سے باز آ جائیں تو تم بھی ان

① تفسیر ابن أبي حاتم: 327/1. ② صحیح البخاري، التوحید، باب قوله تعالٰی: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا...﴾، حدیث: 7458 وصحیح مسلم، الإمارة، باب من قاتل لتكون كلمة الله...، حدیث: 1904 واللفظ له. ③ صحیح البخاري، الإیمان، باب: ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ...﴾، حدیث: 25 عن ابن عمر رضي الله عنهما. وصحیح مسلم، الإیمان، باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا...، حدیث: 21(35) واللفظ له عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما.

سے رک جاؤ کیونکہ اس کے بعد ان سے جو لڑے گا وہ ظالم ہوگا اور ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں کرنی چاہیے۔ اور یہی معنی ہیں حضرت مجاہد کے قول کے کہ اسی سے قتال کیا جائے جو قتال کرے۔ [1]

یا اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ باز آ جائیں تو وہ گویا ظلم، یعنی شرک سے باز آ گئے، لہٰذا اس کے بعد ان پر کوئی زیادتی نہ کی جائے۔ اور زیادتی سے یہاں مراد انھیں سزا دینا اور ان سے جنگ کرنا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ (البقرۃ2:194) ''پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔'' اور فرمایا: ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشوریٰ42:40) ''اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ (النحل16:126) ''اور اگر تم ان کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو ان سے پہنچی ہو۔'' یہی وجہ ہے کہ حضرت عکرمہ اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ظالم وہ ہے جو لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دے۔ [2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ کی تفسیر میں نافع کے حوالے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فتنۂ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے دنوں میں دو آدمی آپ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ لوگ کٹ مر رہے ہیں اور آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں تو آپ (ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف) خروج کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: مجھے خروج سے یہ بات روکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اپنے بھائی کے خون کو حرام قرار دیا ہے۔ ان دونوں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ ''ان (کفار) سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔'' تو آپ نے فرمایا ہم نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر) جہاد کیا حتی کہ فتنہ نابود ہو گیا اور دین اللہ کے لیے ہو گیا اور تم اس لیے لڑنا چاہتے ہو تا کہ فتنہ برپا ہو جائے اور دین اللہ کے لیے نہ رہے۔

عثمان بن صالح نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! آپ کو اس بات پر کس نے آمادہ کیا ہے کہ ایک سال حج اور ایک سال عمرہ تو کریں لیکن جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیں، حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کس قدر ترغیب دی ہے؟ فرمایا: بھتیجے! اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے: (1) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ (2) نماز پنجگانہ ادا کرنا۔ (3) رمضان کے روزے رکھنا۔ (4) زکاۃ ادا کرنا اور (5) بیت اللہ کا حج کرنا۔ انھوں نے عرض کی: اے ابوعبدالرحمٰن! کیا آپ نے یہ نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے: ﴿وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ﴾ (الحُجرات49:9) ''اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کر لے۔''

[1] تفسیر الطبری:267/2. [2] تفسیر الطبری:267/2.

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ

(تم پر) ماہ حرام (کی پابندی اُن کی طرف سے) ماہ حرام (کی پابندی) کے بدلے میں ہے اور حرمتیں بدلے کی چیزیں ہیں، پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم

بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿194﴾

اس کے برابر اس پر زیادتی کرو جو زیادتی اس نے تم پر کی، اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے ﴿194﴾

اور فرمایا: ﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾ ”اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نابود ہو جائے۔“
آپ نے جواب دیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اسی طرح کیا تھا، اس وقت اسلام کم تھا آدمی کو دین کے اعتبار سے فتنے میں مبتلا کر دیا جاتا حتی کہ اسے شہید کر دیا جاتا یا طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کر دیا جاتا یہاں تک کہ اسلام زیادہ ہو گیا اور فتنہ وفساد باقی نہ رہا۔ اس نے پوچھا کہ علی اور عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے تو معاف فرما دیا ہے مگر تم اس بات کو ناپسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے اور جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے برادر عم زاد بھی ہیں اور آپ کے داماد بھی اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ ان کا گھر ہے جسے تم دیکھ رہے ہو۔[1]

تفسیر آیت:194

حرمت کے مہینوں میں لڑائی حرام ہے الا یہ کہ دشمن ان میں لڑائی شروع کر دے: عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، نیز ضحاک، سدی، قتادہ، مِقْسَم، ربیع بن انس اور عطاء رحمہم اللہ وغیرہ ائمۂ تفسیر سے مروی ہے کہ جب 6ھ میں رسول اللہ ﷺ عمرے کے لیے تشریف لے گئے اور مشرکوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھ جانے والے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے اور بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دیا تو یہ ذوالقعدہ کا مہینہ تھا جو حرمت کا مہینہ ہے اور انھوں نے تقاضا کیا کہ آپ اگلے سال تشریف لائیں تو آپ اور مسلمان اگلے سال تشریف لائے اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں سے بدلہ لے لیا تو اسی سلسلے میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تھی: ﴿ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ ﴾ ”(تم پر) ماہ حرام (کی پابندی) ماہ حرام (کی پابندی) کے بدلے میں ہے اور حرمتیں بدلے کی چیزیں ہیں۔“[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حرمت والے مہینے میں جہاد نہیں کیا کرتے تھے الا یہ کہ دشمن پہل کرتا تو پھر اس سے لڑتے تھے۔ جب حرمت کا مہینہ ہوتا تو آپ جنگ سے رک جاتے تھے حتی کہ وہ مہینہ گزر جاتا۔[3] اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے حُدَیْبِیَہ میں پڑاؤ ڈالا ہوا تھا اور آپ کو یہ خبر پہنچی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے جنھیں آپ نے مشرکین کی طرف اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا، تو آپ نے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے جن کی تعداد چودہ سو تھی، درخت کے نیچے مشرکین کے خلاف جہاد کرنے کے لیے بیعت لی اور جب آپ کو یہ خبر پہنچی

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾ ...... (البقرة2:193)، حديث:4513-4515.
[2] تفسير الطبري:2/268-270. [3] مسند أحمد:3/345.

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿195﴾

اور تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھ ہلاکت (کے کام) میں نہ ڈالو اور تم نیکی کرو، یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿195﴾

کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا گیا تو آپ لڑائی سے رک گئے اور صلح کی طرف مائل ہو گئے جیسا کہ یہ قصہ مشہور ہے۔ ①

اسی طرح آپ جب حنین کے دن ہوازن (قبیلے) کی لڑائی سے فارغ ہوئے اور مشرکین طائف میں جا کر قلعہ بند ہو گئے تو آپ بھی وہاں تشریف لے گئے اور آپ نے محاصرہ فرما لیا۔ ② آپ نے مَنْجَنِیق ③ کے ساتھ محاصرہ کیا ہوا تھا کہ ذوالقعدہ کا مہینہ شروع ہو گیا۔ اور چالیس دن تک یہ محاصرہ رہا جیسا کہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ ④ پھر جب بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے تو آپ نے فتح کے بغیر ہی یہ محاصرہ ختم کر دیا ⑤ اور آپ مکہ مکرمہ کی طرف واپس تشریف لے گئے اور مقام جِعرانہ سے عمرے کا احرام باندھا جہاں آپ نے حنین کی غنیمتوں کو تقسیم فرمایا تھا۔ آپ نے یہ عمرہ ذوالقعدہ 8ھ میں ادا فرمایا۔ ⑥ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ.

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾ ''پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عدل کرنے کا حکم ہے حتی کہ مشرکوں کے ساتھ بھی! جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ (النحل16:126) ''اور اگر تم ان کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو ان سے پہنچی ہو۔'' اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿194﴾﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' میں یہ حکم ہے کہ اس کی اطاعت اور تقوے کو اختیار کیا جائے، نیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے اللہ تعالیٰ انھیں دنیا و آخرت میں اپنی نصرت اور تائید و حمایت سے سرفراز فرمائے گا۔

تفسیر آیت:195

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آیت: ﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ﴾ ''اور تم اللہ کی راہ میں (مال) خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' نفقے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ⑦ ابن ابوحاتم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد،

① السيرة النبوية لابن هشام، إشاعة مقتل عثمان:330,329/3 و صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عثمان......، حديث:4157,3699 . ② صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف......، حديث:4325 و صحيح مسلم، الجهاد، باب غزوة الطائف، حديث:1778 عن عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ. ③ المراسيل لأبي داود، باب في فضل الجهاد:335 و الطبقات الكبرى لابن سعد، غزوة رسول الله ﷺ الطائف:159/2. ④ [أربعين ليلة] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صرف صحيح مسلم، الزكاة، باب اعطاء المؤلفة......، حديث:(136)-1059 میں ہے۔ یاد رہے واقعۂ حنین کے دن سے آپ کی جِعرانہ سے مدینہ واپسی کے دن تک چالیس دن بنتے ہیں۔ ⑤ صحيح البخاري، حديث:4325 و صحيح مسلم، حديث:1778. ⑥ صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث:4148 . ⑦ صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا......﴾ (البقرة2:195) ، حديث:4516.

عکرمہ، سعید بن جبیر، عطاء، ضحاک، حسن، قتادہ، سدی اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1]

امام لیث بن سعد نے یزید بن ابوحبیب سے اور انھوں نے ابوعمران اسلم سے روایت کیا ہے کہ قسطنطنیہ میں مہاجرین میں سے کچھ لوگوں نے دشمن کی صف پر اس طرح حملہ کیا کہ صف کو چیر ڈالا۔ اس وقت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی ہمارے ساتھ تھے، ایک شخص نے یہ دیکھ کر کہا کہ اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا ہے، یہ سن کر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت کے بارے میں ہم زیادہ بہتر جانتے ہیں کیونکہ یہ ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی تھی، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی، ہم تمام موقعوں پر آپ کے ساتھ تھے اور ہم نے آپ کی مدد کی جب اسلام پھیل کر خوب ظاہر ہوگیا تو ہم گروہ انصار جمع ہو کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و نصرت کی وجہ سے عزت عطا فرمائی ہے حتی کہ اسلام پھیل گیا اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا ہے۔ ہم نے اپنے اہل و عیال اور اولاد و اموال پر آپ کو ترجیح دی تھی اور اب جبکہ حالت جنگ ختم ہوگئی ہے تو ہم اپنے اہل و اولاد میں لوٹ جائیں گے اور ان میں اقامت پذیر ہوں گے تو اس وقت ہمارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی: ﴿ وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾ ''اور اللہ کی راہ میں (مال) خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' گویا اہل و مال میں اقامت اختیار کرنا اور جہاد کو ترک کر دینا بھی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

اسے امام ابوداود، ترمذی، نسائی نے (اپنی اپنی سنن میں) اور عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں، نیز ابن ابوحاتم، ابن جریر، ابن مردویہ نے اور حافظ ابویعلی نے اپنی مسند میں، ابن حبان نے صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔[2] امام ترمذی نے اسے حسن صحیح غریب قرار دیا ہے اور حاکم نے اسے شیخین کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ شیخین نے اسے بیان نہیں کیا۔

ابوداود میں ابوعمران اسلم کی روایت میں ہے کہ ہم قسطنطنیہ میں تھے، اہل مصر پر اس وقت عُقبہ بن عامر حاکم تھے اور اہل شام پر فضالہ بن عُبید۔ رومیوں کی ایک عظیم صف نکلی تو ہم بھی ان کے بالمقابل صف آراء ہوگئے تو ایک مسلمان نے رومیوں پر اس زور کا حملہ کیا کہ وہ ان کی صفوں میں داخل ہوگیا، لوگ چیخ اٹھے اور کہنے لگے: سبحان اللہ! اس نے تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! تم اس آیت کا غلط مطلب لیتے ہو۔ یہ آیت ہم گروہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو سرفرازی عطا فرمادی اور اس کے مددگاروں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا تو ہم

[1] تفسير ابن أبي حاتم:331/1. [2] سنن أبي داود، الجهاد، باب في قوله عزوجل: ﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾، حديث:2512 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث:2972 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ ...... ﴾: 299/6، حديث:11029 وتفسير ابن أبي حاتم:331,330/1 وتفسير الطبري:279/2 وصحيح ابن حبان، السير، باب فرض الجهاد:10,9/11، حديث:4711 والمستدرك للحاكم، الجهاد: 85,84/2، حديث:2434، مسند أبي يعلى میں یہ روایت بسیار تلاش کے باوجود نہیں مل سکی۔

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ

اور تم حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو، پھر اگر تمھیں (راستے میں) روک دیا جائے تو قربانی کے لیے جو میسر ہو (وہ قربان کردو) اور اپنے سر نہ منڈاؤ حتی کہ

حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ

قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ پہنچ جائے، پھر اگر کوئی شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور وہ سر منڈوا لے) تو فدیے میں روزے رکھے یا

صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ٙ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ

صدقہ دے یا قربانی کرے، پھر جب تمھیں امن مل جائے (اور تم حج سے پہلے مکہ پہنچ جاؤ) تو تم میں سے جس نے حج (کے احرام) تک عمرے کا فائدہ اٹھایا وہ

مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ

(احرام کھول کر) جو میسر ہو قربانی کرے، پھر جو شخص (قربانی) نہ پائے تو وہ تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات اس وقت جب تم گھر لوٹ آؤ،

عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ

یہ پورے دس (روزے) ہیں۔ یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں اور تم اللہ سے ڈرو

وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ؑ ﴿196﴾ 24 ع 8 8

اور جان لو بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ﴿196﴾

آپس میں کہنے لگے کہ اب اگر ہم اپنے اموال پر توجہ دیں اور انھیں درست کر لیں تو کیا اچھا ہو، چنانچہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔[1]

ابوبکر بن عیاش نے ابواسحاق سَبیعی سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے کہا کہ اگر میں اکیلا دشمن پر حملہ کروں اور وہ مجھے قتل کر دے تو کیا میں نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا: ﴿ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ ﴾ (النسآء 84:4) ''چنانچہ (اے نبی!) آپ اللہ کی راہ میں لڑیں، آپ اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں ہیں۔'' اور یہ آیت ﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ...... ﴾ نفقے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] اسے ابن مردُوْیَہ نے روایت کیا اور امام حاکم نے بھی مستدرک میں بیان کیا اور لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے مگر انھوں نے اسے بیان نہیں کیا۔[3]

ثوری اور قیس بن ربیع نے بھی اسے ابواسحاق سے اور انھوں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور ﴿ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ ﴾ کے بعد کہا کہ ہلاکت یہ ہے کہ آدمی گناہ کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دے اور توبہ نہ کرے۔[4]

عطاء نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے: ﴿ وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ ﴾ کے بارے

① مسند أبي داود الطيالسي، أحاديث أبي أيوب الانصاري رضی اللہ عنہ: 490/1، حديث: 600 کے الفاظ اس روایت کے قریب تر ہیں۔ و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة البقرة، حديث: 2972. ② مسند أحمد: 281/4. ③ المستدرك للحاكم: 276/2، حديث: 3089 لیکن یہ روایت اس سے کچھ مختلف ہے۔ ④ تفسیر الطبري: 277/2.

میں روایت کیا ہے کہ اس کا تعلق قتال سے نہیں بلکہ نفقات سے ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کو روک لو گے تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالو گے۔[1]

اس آیت شریفہ کا مضمون یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور تقرب و طاعت الٰہی کے دیگر تمام کاموں میں خصوصاً دشمنوں سے جہاد کے لیے مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ دشمنوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو تقویت حاصل ہو، پھر بتایا گیا ہے کہ ایسا نہ کرنے میں تباہی و بربادی اور ہلاکت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے احسان، جو مقاماتِ اطاعت میں بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے، کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاَحۡسِنُوۡا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۹۵﴾ ﴾ ''اور احسان کرو، بے شک اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

تفسیر آیت:196

حج وعمرہ کو پورا کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے پہلے احکام صیام کا ذکر فرمایا، پھر جہاد کا ذکر کیا اور اب احکام و مناسک حج کا ذکر کرتے ہوئے حج وعمرہ کو پورا کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ سیاق کلام سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ حکم یہ ہے کہ جب حج و عمرے کے افعال کو شروع کر دیا جائے تو انھیں بہر صورت مکمل کیا جائے۔ اسی لیے اس کے بعد فرمایا: ﴿ فَاِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ ﴾ یعنی اگر تمھیں بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دیا جائے اور حج وعمرے کے مکمل کرنے سے منع کر دیا جائے ......، اسی وجہ سے علماء کا اتفاق ہے کہ حج وعمرے کو شروع کرنے کے بعد ان کو پورا کرنا لازم ہے۔ مکحول فرماتے ہیں کہ ان کو پورا کرنا یہ ہے کہ ان دونوں کو میقات سے شروع کیا جائے۔[2]

امام عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے زہری سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاَتِمُّوا الۡحَجَّ وَالۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ ؕ ﴾ ''اور تم اللہ (کی خوشنودی) کے لیے حج وعمرے کو پورا کرو۔'' کے بارے میں فرمایا کہ انھیں پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ سرانجام دیا جائے اور عمرے کو حج کے مہینوں کے علاوہ دیگر مہینوں میں سرانجام دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اَلۡحَجُّ اَشۡهُرٌ مَّعۡلُوۡمٰتٌ ۚ ﴾ (البقرۃ2:197) ''حج کے مہینے (معین ہیں جو) معلوم ہیں۔''[3]

امام سدی فرمان باری: ﴿ وَاَتِمُّوا الۡحَجَّ وَالۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ ؕ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ حج وعمرے کو قائم کرو۔[4]
قتادہ نے زُرارہ کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حج عرفہ اور عمرہ طواف کا نام ہے۔[5] اعمش نے ابراہیم کے حوالے سے علقمہ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہ ہے: وَأَقِيمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ إِلَى الْبَيْتِ ''حج وعمرے کو بیت اللہ تک قائم کرو۔''[6] اور عمرے میں بیت اللہ سے تجاوز نہ کیا جائے۔ ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس کا سعید بن جبیر سے ذکر کیا تو انھوں نے بتایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح فرمایا تھا۔[7] سفیان نے اعمش سے، انھوں نے ابراہیم سے اور انھوں نے علقمہ سے روایت کیا ہے کہ حج وعمرے کو بیت اللہ تک قائم

[1] تفسیر الطبری:274/2. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:333/1. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:334/1. [4] تفسیر الطبری: 286/2. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:334/1. [6] تفسیر الطبری:282/2. [7] تفسیر الطبری:282/2.

کرو۔① امام ثوری نے منصور از ابراہیم کے حوالے سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے کہ انھوں نے اس طرح: وَأَقِيمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ إِلَى الْبَيْتِ قراءت کی ہے۔②

مُحرِم کو جب راستے میں روک دیا جائے؟ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ ''پھر اگر تم (راستے میں) روک لیے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (وہ قربان کردو۔)'' کے بارے میں ائمۂ تفسیر نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ آیت سن 6 ہجری میں، یعنی حدیبیہ کے سال اس وقت نازل ہوئی تھی جب مشرکین رسول اللہ ﷺ اور بیت اللہ کے مابین حائل ہو گئے تھے جیسا کہ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے پوری سورۂ فتح بھی نازل فرمائی تھی اور اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ اپنے قربانی کے جانوروں کو ذبح کر دیں، جو کہ ستر اونٹ تھے، اپنے سروں کو منڈوا دیں اور احرام کھول دیں، اس وقت رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جب یہ حکم دیا کہ وہ سر منڈا دیں اور احرام کھول کر حلال ہو جائیں تو انھوں نے ایسا کرنے میں قدرے تاخیر کی تا کہ یہ حکم منسوخ ہو جائے مگر جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر مبارک منڈوا دیا تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کی اتباع میں ایسا ہی کیا۔ ہاں، البتہ کچھ لوگوں نے بال کٹوا دیے اور کچھ نے منڈوا دیے۔ اسی وجہ سے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: [رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِينَ قَالُوا: وَالْمُقَصِّرِينَ ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!- فَقَالَ فِي الرَّابِعَةِ-: وَالْمُقَصِّرِينَ] ''اللہ تعالیٰ بال منڈوانے والوں پر رحم فرمائے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! بال کٹوانے والوں کے لیے بھی دعا فرمائیں، چنانچہ چوتھی بار آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بال کٹوانے والوں پر بھی رحم فرمائے۔''③

اس موقع پر اونٹ (اور گائے) کی قربانی میں سات سات آدمی شریک تھے۔④ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی کل تعداد چودہ سو تھی۔⑤ حرم سے باہر حدیبیہ کے مقام پر انھوں نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ صحابۂ کرام کا قیام حرم کی سرحد پر تھا۔ واللّٰہ أعلم.

حَصر (راستے کی رکاوٹ) عام ہے، خواہ یہ دشمن کی وجہ سے ہو یا مرض کی وجہ سے یا راستے سے بھٹک جانے وغیرہ کی وجہ سے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حجاج بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [مَنْ كُسِرَ أَوْ عَرَجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ أُخْرٰى] ''جس شخص کا کوئی عضو ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے تو وہ حلال ہو جائے تو اسے دوبارہ حج کرنا ہوگا۔'' فرماتے ہیں: میں نے ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے اس کا ذکر کیا تو دونوں نے فرمایا کہ وہ سچ کہتے ہیں۔⑥ اس حدیث کو اصحاب کتب اربعہ نے بیان کیا ہے۔⑦

① تفسیر الطبری:282/2. ② تفسیر الطبری:282/2. ③ صحیح مسلم، الحج، باب تفضیل الحلق علی التقصیر ......، حدیث:1301(318) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ. صلح حدیبیہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر الطبری:302/2-307 و الرحیق المختوم:337-348. ④ صحیح مسلم، الحج، باب جواز الاشتراك فی الهدی......، حدیث:1318 و صحیح ابن حبان، الحج، باب ذکر إباحة اشتراك......:318/9، حدیث:4006 عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ. ⑤ صحیح البخاری، المغازی، باب غزوة الحدیبیة، حدیث:4150. ⑥ مسند أحمد:450/3. ⑦ جامع الترمذی، الحج، باب ماجاء فی الذی یهل بالحج......، حدیث:940 و سنن النسائی، مناسك الحج، باب فیمن أحصر بعدو، حدیث:2863.

امام ابوداود اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں نبیٔ اکرم ﷺ کے یہ الفاظ ہیں: [مَنْ كُسِرَ أَوْ عَرَجَ أَوْ مَرِضَ ......] ''جس شخص کا کوئی عضو ٹوٹ جائے یا وہ لنگڑا ہو جائے یا بیمار ہو جائے ......''[1] امام ابن ابو حاتم نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ اور انھوں نے فرمایا ہے کہ حضرت ابن مسعود، ابن زبیر رضی اللہ عنہم، علقمہ، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، مجاہد، نخعی، عطاء اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ احصار دشمن یا مرض یا پاؤں وغیرہ کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور امام سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ احصار ہر اس چیز کی وجہ سے ہو سکتا ہے جو انسان کے لیے تکلیف دہ ہو۔[2]

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ضُبَاعَہ بنت زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں حج کا ارادہ رکھتی ہوں لیکن میں بیمار ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: [حُجِّي وَاشْتَرِطِي، أَنَّ مَحِلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي] ''تم حج کرو اور یہ شرط لگا لو کہ (اے اللہ!) میں وہاں احرام کھول دوں گی جہاں تو مجھے روک لے گا۔''[3] امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[4] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج میں اس طرح کی شرط لگا لینا بھی جائز ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ﴾ ''تو قربانی کے لیے جو میسر ہو'' کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد بکری ہے۔[5] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قربانی اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری (نر و مادہ) کی آٹھوں قسموں سے ادا کی جا سکتی ہے۔[6] امام عبدالرزاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق قربانی کر دے۔[7] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر خوش حال ہو تو اونٹ کی قربانی کر دے ورنہ گائے کی اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو بکری کی قربانی کر دے۔[8] ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ قربانی ہے جو سستی اور مہنگی کے مابین ہو۔[9]

احصار کی صورت میں بکری کی قربانی کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو واجب قرار دیا ہے کہ جیسی قربانی میسر ہو کر دی جائے اور قربانی پالتو جانوروں، یعنی اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری ہی سے کی جا سکتی ہے جیسا کہ امت کے بہت بڑے عالم، بحر العلوم، ترجمان القرآن اور رسول اللہ ﷺ کے برادر عم زاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے، نیز صحیح بخاری و مسلم میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: [أَهْدَى النَّبِيُّ ﷺ مَرَّةً غَنَمًا] ''نبی ﷺ نے ایک بار بکری

---

[1] سنن أبي داود، المناسك، باب الإحصار، حديث:1863 وسنن ابن ماجه، المناسك، باب المحصر، حديث: 3078. [2] تفسير ابن أبي حاتم:335/1. (حصر یا احصار ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں، (یعنی) راستے کی رکاوٹ) [3] صحيح البخاري، النكاح، باب الأكفاء في الدين، حديث:5089 وصحيح مسلم، الحج، باب جواز اشتراط المحرم......، حديث:(105)-1207 واللفظ له. [4] صحيح مسلم، الحج، باب جواز اشتراط المحرم التحلل ......، حديث: 1208. [5] الموطأ للإمام مالك، الحج، باب ما استيسر من الهدى:149/1، حديث:893. [6] تفسير ابن أبي حاتم: 336/1. [7] تفسير ابن أبي حاتم:337/1. [8] تفسير الطبرى:298/2. [9] تفسير ابن أبي حاتم:337/1.

کی قربانی دی تھی۔‘‘[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ﴾ کا عطف ﴿ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ﴾ پر ہے، اس کا عطف ﴿ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ﴾ پر نہیں ہے جیسا کہ ابن جریر رحمہ اللہ کا گمان ہے کیونکہ نبی ﷺ اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حدیبیہ والے سال جب کفار قریش نے حرم میں داخل ہونے سے روک دیا تھا تو انھوں نے سر منڈا دیے اور اپنے قربانی کے جانوروں کو حرم سے باہر ہی ذبح کر دیا تھا۔

البتہ حالت امن میں اور حرم تک پہنچ جانے کی صورت میں سر منڈانا جائز نہیں ہے ﴿ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ﴾ ’’حتی کہ قربانی اپنے حلال ہونے کے مقام تک پہنچ جائے۔‘‘ اور حج کرنے والا اگر قارن ہے تو حج و عمرے کے افعال سے فارغ ہو جائے اور اگر مفرد (حج افراد کرنے والا) یا مُتَمَتِّع (حج تمتع کرنے والا) ہے تو ان میں سے ایک سے فارغ ہو جائے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! لوگوں نے تو عمرہ کر کے احرام کھول دیا ہے مگر آپ نے نہیں کھولا؟ تو آپ نے فرمایا: [إِنِّي لَبَّدْتُ رَأْسِي وَقَلَّدْتُ هَدْيِي فَلَا أَحِلُّ حَتّٰى أَنْحَرَ] ’’میں نے اپنے سر کے بالوں کو چپکا لیا اور اپنے قربانی کے جانور کو قلادہ پہنا دیا ہے، لہٰذا میں اس وقت تک احرام کھول کر حلال نہیں ہو سکتا جب تک قربانی کے جانور کو ذبح نہ کر دوں۔‘‘[2]

جو شخص حالت احرام میں سر منڈا دے تو اس پر فدیہ واجب ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ﴾ ’’پھر اگر کوئی تم میں بیمار ہو یا اس کے سر میں کسی طرح کی تکلیف ہو تو (اگر وہ سر منڈوا لے) تو اس کے بدلے میں روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔‘‘

امام بخاری رحمہ اللہ نے عبدالرحمٰن بن اصبہانی سے روایت کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن معقل سے سنا کہ میں کعب بن عُجرہ رضی اللہ عنہ کے پاس اس مسجد (مسجد کوفہ) میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے ان سے روزوں کی صورت میں فدیے کی ادائیگی کے متعلق پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ مجھے جب نبی ﷺ کی خدمت میں لے جایا گیا تو میرے چہرے پر جوئیں چل رہی تھیں، آپ نے فرمایا: [مَا كُنْتُ أُرَى أَنَّ الْجَهْدَ قَدْ بَلَغَ بِكَ هٰذَا، أَمَا تَجِدُ شَاةً ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ لِكُلِّ مِسْكِينٍ نِّصْفُ صَاعٍ مِّنْ طَعَامٍ ، وَّاحْلِقْ رَأْسَكَ] ’’میرا خیال نہیں تھا کہ تمھاری تکلیف یہاں تک پہنچ جائے گی، کیا تمھارے پاس ایک بکری موجود ہے؟ میں نے عرض کی: نہیں، تو آپ نے فرمایا: تین روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو اور ہر مسکین کو نصف صاع کھانا دو اور اپنے سر کو منڈوا دو۔‘‘ تو یہ آیت خاص طور پر میرے بارے میں

---

[1] صحیح البخاری، الحج، باب تقلید الغنم، حدیث:1701 و صحیح مسلم، الحج، باب استحباب بعث الهدى إلى الحرم......، حدیث:1321. [2] صحیح البخاری، الحج، باب التمتع والقران والإفراد بالحج......، حدیث:1566 و صحیح مسلم، الحج، باب بیان أن القارن لا یتحلل إلا في وقت تحلل الحاج المفرد، حدیث:1229.

نازل ہوئی تھی لیکن اس کا حکم تم سب کے لیے عام ہے۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہا تھا اور جوئیں میرے چہرے یا میری پلکوں پر چل رہی تھیں تو آپ نے فرمایا: [أَيُؤْذِيكَ هَوَامُّ رَأْسِكَ؟ قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ ، قَالَ: فَاحْلِقْهُ، وَ صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ، أَوْ أَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِينَ ، أَوِ انْسُكْ نَسِيكَةً] ''کیا تمھارے سر کی جوئیں تمھیں تکلیف دے رہی ہیں؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! تو آپ نے فرمایا کہ اپنے سر کو منڈوا دو اور تین روزے رکھ لو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو یا قربانی کر لو۔'' ایوب (حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے ان میں سے پہلے کس کا ذکر فرمایا۔[2]

قرآن مجید کے الفاظ میں چونکہ رخصت کو بیان کرنا مقصود تھا، اس لیے قرآن نے سب سے پہلے زیادہ آسان صورت کو بیان کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ افضل عمل کی طرف راہنمائی فرمائی تھی، اس لیے آپ نے فرمایا کہ بکری قربان کر دو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو یا تین روزے رکھ لو[3] تو ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ بہت خوب ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

حج میں تمتع کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَإِذَآ أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِٱلْعُمْرَةِ إِلَى ٱلْحَجِّ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْيِ﴾ ''پھر جب تمھیں امن مل جائے (اور تم حج سے پہلے مکہ پہنچ جاؤ) تو تم میں سے جس نے حج (کے احرام) تک عمرے کا فائدہ اٹھایا وہ (احرام کھول کر) جو قربانی میسر ہو کرے۔'' یعنی جب مناسک حج ادا کرنا تمھارے لیے ممکن ہو جائے اور تم میں سے جو حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے۔ اور یہ حکم اس کے لیے ہے جس نے حج و عمرہ دونوں کا احرام باندھا ہو اور اس کے لیے بھی جس نے پہلے صرف عمرے کا احرام باندھا ہو اور عمرے سے فراغت کے بعد حج کا احرام باندھ لیا ہو اور یہی خاص تمتع ہے جو فقہا کے کلام میں معروف ہے۔ اور عام تمتع دونوں قسموں کو شامل ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ بعض راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع کیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ آپ نے حج قِران کیا تھا لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ ہدی کے جانور ساتھ لائے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَمَن تَمَتَّعَ بِٱلْعُمْرَةِ إِلَى ٱلْحَجِّ فَمَا ٱسْتَيْسَرَ مِنَ ٱلْهَدْيِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح کی ہدی مقدور ہو وہ ذبح کر دے جو کم سے کم ایک بکری تو ہونی چاہیے۔ اسی طرح گائے بھی ذبح کر سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کو ذبح کیا تھا۔ امام اوزاعی نے یحییٰ بن ابو کثیر سے انھوں نے ابوسلمہ سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کو ذبح کیا اور انھوں نے حج تمتع کا احرام باندھا ہوا تھا۔[4] اسے ابوبکر بن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا ...... ﴾ (البقرة2:196)، حديث:4517 و صحيح مسلم، حديث:(85)-1201. [2] مسند أحمد:241/4 و صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث:4190.

[3] کسی حدیث میں بعینہ یہ ترتیب ہمیں نہیں ملی۔ و الله أعلم. [4] سنن أبي داود، المناسك، باب في هدى البقر، حديث:1751.

یہ حدیث حج تمتع کی مشروعیت کی دلیل ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کتاب اللہ میں آیت تمتع نازل ہوئی تھی اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج تمتع کیا، قرآن نے اسے حرام یا ممنوع قرار نہیں دیا حتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کہا۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا اشارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف ہے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی صراحت بھی منقول ہے کہ آپ لوگوں کو حج تمتع سے منع کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ہم کتاب اللہ کو لیں تو اس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتمام کا حکم دیا ہے، آپ کا اشارہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ﴾ کی طرف تھا۔ درحقیقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے اس لیے منع نہیں فرماتے تھے کہ آپ اسے حرام سمجھتے تھے بلکہ آپ اس لیے منع فرماتے تھے تاکہ حج وعمرہ کرنے والوں کا بیت اللہ کی طرف زیادہ سے زیادہ قصد ہو جیسا کہ آپ سے اس کی صراحت موجود ہے۔

ہدی کا جانور میسر نہ ہو تو متمتع دس روزے رکھے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ﴾ ''پھر جس کو (قربانی) نہ ملے وہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات اس وقت جب تم گھر لوٹ آؤ، یہ پورے دس (روزے) ہوئے۔'' یعنی جس کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو تو وہ تین روزے ایام حج میں رکھ لے۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس کے پاس قربانی نہ ہو تو وہ ایام حج میں عرفے کے دن سے پہلے پہلے تین روزے رکھ لے اور اگر تیسرا دن عرفہ ہو تو اس کے روزے پورے ہو گئے اور سات روزے اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر رکھ لے۔[2]

اسی طرح ابواسحاق نے وبرہ سے اور انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک دن یوم الترویہ سے پہلے روزہ رکھ لے، ایک یوم الترویہ کو روزہ رکھ لے اور ایک روزہ عرفے کے دن رکھ لے۔[3] جعفر بن محمد نے اپنے والد گرامی محمد باقر رحمہ اللہ سے اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[4]

اگر تینوں یا ان میں سے کچھ روزے عید سے پہلے نہ رکھ سکے تو ایام تشریق میں بھی یہ روزے رکھنا جائز ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا قول صحیح بخاری میں ہے کہ ایام تشریق میں روزے رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں، البتہ جس شخص کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو تو وہ ان دنوں میں بھی روزے رکھ سکتا ہے۔[5] سفیان نے جعفر بن محمد سے انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص ایام حج میں روزے نہ رکھ سکے تو وہ ایام تشریق میں رکھ لے۔ عُبید بن عمیر لیثی، عکرِمہ، امام حسن بصری، اور عروہ بن زبیر رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[6] انھوں نے یہ بات: ﴿ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ ﴾ (البقرة 2:196)، حديث:4518 و صحيح مسلم، الحج، باب جواز التمتع، حديث:1226. [2] تفسير الطبري:340/2. [3] تفسير الطبري:341/2. [4] تفسير الطبري: 338/2. [5] صحيح البخاري، الصوم، باب صيام أيام التشريق، حديث:1997، 1998. [6] تفسير الطبري:340/2 و تفسير ابن أبي حاتم:342/1.

﴿فِی الۡحَجِّ﴾ کے عموم کے پیشِ نظر فرمائی ہے۔ اور امام مسلم نے نُبَیْشَة هُذَلِی رضی اللہ عنہ سے جو یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَّ شُرْبٍ وَّ ذِكْرِ اللّٰهِ] ''ایام تشریق کھانے، پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔''① تو یہ حکم عام ہے جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات خاص ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَ سَبۡعَةٍ اِذَا رَجَعۡتُمۡ﴾ ''اور سات اس وقت جب تم گھر لوٹ آؤ'' کے بارے میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ جب تم اپنی رہائش گاہوں میں واپس آجاؤ۔ اور دوسرا یہ کہ جب تم اپنے وطنوں میں واپس آؤ تو روزے رکھ لو۔ امام عبدالرزاق نے سالم سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ آپ اس آیت کے بارے میں فرما رہے تھے کہ سات روزے اس وقت رکھے جب اپنے گھر والوں کے پاس واپس آئے۔ سعید بن جبیر، ابوالعالیہ، مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، زہری اور ربیع بن انس رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔②

امام بخاری نے سالم بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں عمرے کے ساتھ حج تک فائدہ اٹھایا تھا، آپ نے قربانی بھی دی اور قربانی کا جانور اپنے ساتھ ذوالحلیفہ سے لائے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابتدا میں عمرے کا احرام باندھا، پھر آپ نے حج کا احرام باندھا اور لوگوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عمرے سے حج تک فائدہ اٹھایا، یعنی حج تمتع کیا، کچھ لوگ قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے اور کچھ لوگ قربانی کے جانور اپنے ساتھ نہیں لائے تھے۔ نبی ﷺ جب مکہ میں تشریف لائے تو آپ نے لوگوں سے فرمایا: [مَنْ كَانَ مِنْكُمْ أَهْدٰى فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى يَقْضِيَ حَجَّهُ وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ مِّنْكُمْ أَهْدٰى فَلْيَطُفْ بِالْبَيْتِ وَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَيُقَصِّرْ وَلْيَحْلِلْ ثُمَّ لْيُهِلَّ بِالْحَجِّ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ هَدْيًا فَلْيَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةً إِذَا رَجَعَ إِلٰى أَهْلِهِ] ''تم میں سے جو شخص قربانی کا جانور اپنے ساتھ لایا ہو تو اس کے لیے اس وقت تک احرام کی وجہ سے حرام ہونے والی چیزوں میں سے کوئی بھی حلال نہ ہوگی جب تک وہ اپنے حج کو پورا نہ کر لے۔ اور جو شخص قربانی کا جانور اپنے ساتھ نہ لایا ہو تو وہ بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف کر لے، بال کٹوا دے اور حلال ہو جائے، پھر حج کا احرام باندھ لے اور جسے قربانی میسر نہ ہو تو وہ ایام حج میں تین روزے رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھے جب اپنے اہل و عیال کے پاس لوٹ جائے۔'' پھر اس کے بعد باقی ساری حدیث بھی بیان کی ہے۔ اور یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں بیان کی گئی ہے۔③

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ ''یہ پورے دس ہوئے'' میں ﴿كَامِلَةٌ﴾ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اسے بطور تاکید لایا گیا ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں کہ ''میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا''، ''میں نے اپنے کانوں سے سنا''، ''میں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيۡرُ بِجَنَاحَيۡهِ﴾ (الأنعام6:38) ''اور نہ کوئی پرندہ

① صحيح مسلم، الصيام، باب تحريم صوم أيام التشريق......، حديث:1141. ② تفسير ابن أبي حاتم:343/1. ③ صحيح البخاري، الحج، باب من ساق البُدْن معه، حديث:1691 و صحيح مسلم، الحج، باب وجوب الدم على المتمتع ......، حديث:1227.

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي

حج کے مہینے معلوم ومقرر ہیں، چنانچہ جس شخص نے ان (مہینوں) میں حج کو لازم کر لیا تو حج کے دوران میں وہ جنسی باتیں نہ کرے، اللہ کی نافرمانی نہ کرے

الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ

اور کسی سے جھگڑا نہ کرے اور جو نیک کام تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے اور (حج کے لیے) زادراہ لے لو، بے شک بہترین زادراہ تقویٰ ہے اور اے عقل

يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿197﴾

مندو! تم مجھ ہی سے ڈرو ﴿197﴾

جو اپنے دو پروں سے اڑتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ ﴾ (العنکبوت 48:29) ''اور نہ آپ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ ﴾ (الأعراف 142:7) ''اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا (کہ وہ انھیں کوہ طور پر گزارے) اور ہم نے انھیں (مزید) دس راتوں کے ساتھ پورا کر دیا تو اس کے پروردگار کی (مقرر کی ہوئی) چالیس رات کی میعاد پوری ہوگئی۔'' اور ﴿ كَامِلَةٌ ؕ ﴾ کے دوسرے معنی یہ بھی بیان کیے گئے ہیں کہ ان روزوں کے اکمال اور اتمام کا حکم دیا گیا ہے۔

اہل مکہ کے لیے تمتع نہیں ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ ﴾ ''یہ حکم اس شخص کے لیے ہے جس کے اہل وعیال مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں۔'' یعنی اہل حرم کے لیے تمتع نہیں ہے۔ امام عبدالرزاق نے طاؤس سے روایت کیا ہے کہ تمتع دیگر لوگوں کے لیے ہے اہل مکہ کے لیے نہیں ہے۔ امام عبدالرزاق نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی طاؤس ہی کے قول کی طرح ہے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو۔'' یعنی جس بات کا اس نے تمھیں حکم دیا ہے وہ کرو اور جس سے منع فرمایا ہے اس سے رک جاؤ۔ ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿196﴾ ﴾ ''اور جان رکھو کہ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔'' یعنی جو اس کے حکم کی مخالفت کرے اور جس سے اس نے منع فرمایا ہے اس کا ارتکاب کرے تو اسے وہ سخت عذاب میں مبتلا کر دے گا۔

تفسیر آیت:197

حج کے لیے احرام کب باندھا جائے؟ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ ﴾ ''حج کے مہینے (معین ہیں جو) معلوم ہیں۔'' کے معنی یہ ہیں کہ حج کا احرام حج کے مہینوں ہی میں باندھا جا سکتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔[2] اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے، نیز حضرت عطاء، طاؤس اور مجاہد رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کیونکہ سال کے تمام مہینوں میں سے وقتِ حج کی معین ومعلوم مہینوں کے ساتھ تخصیص اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے پہلے حج کا احرام باندھنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ وقت سے پہلے نماز ادا کرنا صحیح نہیں ہے۔

[1] تفسیر الطبری:349/2. [2] تفسیر الطبری:352/2 وتفسیر ابن أبي حاتم:345/1.

امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ﴾ [1] امام ابن خزیمہ نے بھی اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں ہی میں باندھا جائے، چنانچہ حج کی سنت یہ ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں ہی میں باندھا جائے۔ [2] اس کی سند صحیح ہے اور کسی صحابی کا یہ کہنا کہ سنت اس طرح ہے، یہ اکثر محدثین کے نزدیک مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتا ہے خصوصاً ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہوئے اس طرح فرمانا تو یقیناً مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔

اس کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی موجود ہے، ابن مردویہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [لَا يَنبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يُحْرِمَ بِالْحَجِّ إِلَّا فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ] ''کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حج کے مہینوں کے سوا حج کا احرام باندھے۔'' [3] اس کی سند میں بھی اگرچہ کوئی علت نہیں ہے، تاہم امام شافعی اور امام بیہقی نے مختلف سندوں کے ساتھ ابن جریج کے واسطے سے ابوزبیر سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے سنا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا: کیا حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھا جا سکتا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: نہیں۔ [4] یہ موقوف روایت مذکورہ بالا مرفوع روایت سے زیادہ صحیح اور ثابت ہے، پھر صحابی کے مذہب کی تقویت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے ہو گئی کہ سنت یہ ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں ہی میں باندھا جائے۔ واللّٰہ أعلم.

حج کے مہینے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ﴾ کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ ان سے شوال، ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے مراد ہیں۔ [5] امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس معلق روایت کو صیغہ جزم کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور حافظ ابن جریر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ﴾ کی تفسیر میں یہ موصول روایت بھی بیان فرمائی ہے کہ ان سے مراد شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔ [6] اس حدیث کی سند بھی صحیح ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی اسے مستدرک میں روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق ہے۔ [7] میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث حضرت عمر، علی، ابن مسعود، عبداللہ بن زبیر، ابن عباس رضی اللہ عنہم، عطاء، طاؤس، مجاہد، ابراہیم نخعی، شعبی، حسن، ابن سیرین، مکحول، قتادہ، ضحاک بن مزاحم، ربیع بن انس اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے۔ [8]

---

① كتاب الأم للشافعي، الحج، باب الوقت الذى يجوز فيه الحج والعمرة: 529/2، حديث: 914 وتفسير ابن أبى حاتم: 345/1. ② صحيح ابن خزيمة، المناسك، باب النهى عن الإحرام بالحج فى غير أشهر الحج……: 162/4، حديث: 2596 وصحيح البخاري، الحج، باب قول الله تعالى: ﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ …… ﴾، معلّقا، قبل الحديث: 1560. ③ الدر المنثور: 394/1. ④ كتاب الأم للشافعي، الحج، باب الوقت الذى يجوز فيه الحج والعمرة: 529/2، حديث: 910 والسنن الكبرى للبيهقي، الحج، باب لا يهل بالحج فى غير أشهر الحج: 343/4. ⑤ صحيح البخاري، الحج، باب قوله تعالى: ﴿ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ …… ﴾، ذكره تعليقًا، قبل الحديث: 1560. ⑥ تفسير الطبري: 354/2. ⑦ المستدرك للحاكم، التفسير، ومن سورة البقرة: 276/2، حديث: 3092. ⑧ تفسير ابن أبى حاتم: 345/1.

حافظ ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ دو مہینوں اور تیسرے مہینے کے کچھ حصے کو شامل کر کے تغلیباً ان کے لیے جمع کے لفظ کا اطلاق صحیح ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں زُرْتُهُ الْعَامَ، رَأَيْتُهُ الْيَوْمَ ''میں نے اس سال اس کی زیارت کی'' اور'' آج اس کو دیکھا ہے۔'' حالانکہ ایسا سال کے بعض حصے میں اور دن کے کچھ حصے میں واقع ہوا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ﴾ (البقرة2:203) ''پھر جس نے دو دنوں میں (منی سے مکے کی طرف واپسی میں) جلدی کی تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔'' حالانکہ اس نے ایک دن اور نصف دن میں جلدی کی ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ ﴾ ''چنانچہ جس شخص نے ان (مہینوں) میں حج کو لازم کر لیا'' یعنی احرام باندھ کر اپنے اوپر حج کو واجب کر لیا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حج کے لیے احرام لازم ہے اور احرام باندھنے کے بعد حج کو جاری رکھنا چاہیے۔ حافظ ابن جریر فرماتے ہیں کہ ائمۂ تفسیر کا اجماع ہے کہ ﴿ فَرَضَ ﴾ سے یہاں واجب و لازم مراد ہے۔ [1] علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جو حج یا عمرے کا احرام باندھ لے۔ عطاء فرماتے ہیں کہ یہاں ﴿ فَرَضَ ﴾ سے مراد احرام باندھنا ہے۔ ابراہیم، ضحاک اور دیگر کئی علماء کا بھی یہی قول ہے۔ [2]

حج میں اپنی عورتوں سے اختلاط تک کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَلَا رَفَثَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص حج یا عمرے کا احرام باندھ لے تو وہ عورتوں سے رفث، یعنی جماع سے اجتناب کرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآىِٕكُمْ ﴾ (البقرة2:187) ''روزوں کی راتوں میں تمھارے لیے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے۔'' میں بھی ﴿ الرَّفَثُ ﴾ کا لفظ عورتوں کے ساتھ مباشرت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حج میں جس طرح عورتوں سے مباشرت حرام ہے اسی طرح اس کے مبادیات، بوس و کنار اور عورتوں کی موجودگی میں اس موضوع پر گفتگو بھی حرام ہے۔ ابن جریر نے نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ الرفث سے مراد عورتوں سے جنسی تعلق قائم کرنا اور اس موضوع پر مردوں اور عورتوں کا گفتگو کرنا ہے۔ [3] عطاء بن ابورباح کا قول ہے کہ الرفث سے مراد جماع بھی ہے اور فحش بات بھی۔ [4] عمرو بن دینار کا قول بھی یہی ہے۔ عطاء فرماتے ہیں کہ حالت احرام میں تعریض بھی مکروہ ہے۔ [5] طاؤس فرماتے ہیں کہ اس کی مثال یہ ہے کہ آپ عورت سے یہ کہیں کہ میں جب حلال ہو گیا تو پھر تجھ سے صحبت کروں گا۔ [6] ابوالعالیہ کا بھی یہی قول ہے علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ الرفث سے مراد عورتوں سے مباشرت، بوس و کنار، معانقہ اور فحش گفتگو ہے۔ [7]

حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا بھی یہ قول ہے کہ الرفث سے مراد عورتوں سے مباشرت ہے۔ حضرت سعید بن جبیر، عِکرِمہ، مجاہد، ابراہیم، ابوالعالیہ، عطاء، مکحول، عطاء خراسانی، عطاء بن یَسار، عَطِیّہ، ابراہیم نخعی، ربیع، زہری، سدی، مالک بن

---

① تفسير الطبري:357/2. ② تفسير الطبري:357/2. ③ تفسير ابن أبي حاتم:346/1. ④ تفسير الطبري:360/2.
⑤ تفسير الطبري:361/2. ⑥ تفسير الطبري:361/2. ⑦ تفسير الطبري:361/2.

انس، مُقاتل بن حیان، عبدالکریم، حسن، قتادہ، ضحاک رحمہ اللہ اور دیگر بہت سے اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔[1]

حج میں برے کام کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا فُسُوْقَ ﴾ ”اور نہ کوئی برا کام کرے۔“ مقسم اور دیگر کئی راویوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ فُسُوْقَ ﴾ سے مراد گناہ کے کام ہیں۔[2] عطاء، مجاہد، طاؤس، عِکرِمہ، سعید بن جبیر، محمد بن کعب قرظی، حسن بصری، قتادہ، ابراہیم نخعی، زہری، مکحول، ربیع بن انس، عطاء بن یسار، عطاء خُراسانی اور مُقاتل بن حَیّان رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] ابن وہب نے یونس سے اور انھوں نے نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ ﴿ فُسُوْقَ ﴾ سے مراد حرم میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام کرنا ہے۔[4]

دیگر ائمۂ تفسیر نے کہا ہے کہ ﴿ فُسُوْقَ ﴾ سے مراد گالی دینا ہے۔ ان کی دلیل صحیح بخاری کی یہ حدیث ہے: [سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَّقِتَالُهُ كُفْرٌ] ”مسلمان کو گالی دینا فسق اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔“[5] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ یہاں ﴿ فُسُوْقَ ﴾ سے مراد بتوں کے نام پر ذبح کرنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ (الأنعام 145:6) ”یا کوئی گناہ کی چیز ہو کہ اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔“[6] امام ضحاک فرماتے ہیں کہ ﴿ فُسُوْقَ ﴾ سے مراد ایک دوسرے کے برے نام رکھنا ہے۔[7]

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہاں ﴿ فُسُوْقَ ﴾ سے مراد تمام گناہ ہیں انھی کا قول زیادہ صحیح ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں میں ظلم سے منع فرمایا ہے، ظلم اگرچہ سارا سال ہی ممنوع ہے لیکن حرمت والے مہینوں میں اس کی ممانعت کی زیادہ تاکید ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۬ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ﴾ (التوبة 36:9) ”ان میں سے چار مہینے حرمت (ادب) والے ہیں۔ یہی دین (کا) سیدھا (راستہ) ہے تو ان (مہینوں) میں (قتالِ ناحق سے) اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا۔“ اور حرم کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ (الحج 25:22) ”اور جو اس میں شرارت سے کج روی (وکفر) کرنا چاہے، اس کو ہم درد دینے والے عذاب کا مزا چکھائیں گے۔“ اور صحیح بخاری و مسلم میں ابو حازم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ ، فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ] ”جو شخص اللہ کے لیے حج کرے، پھر نہ عورتوں سے جنسی باتیں کرے اور نہ کوئی گناہ کا کام کرے تو وہ گناہوں سے پاک ہو کر لوٹتا ہے گویا (اس دن کی طرح ہو جاتا ہے) جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔“[8]

حج میں لڑائی جھگڑے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ﴾ ”اور نہ حج میں کسی سے جھگڑے“ میں

---

① تفسیر ابن أبی حاتم: 346/1 وتفسیر الطبری: 364/2. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 347/1. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 347/1. ④ تفسیر ابن أبی حاتم: 347/1. ⑤ صحیح البخاری، الإیمان، باب خوف المؤمن……، حدیث: 48. ⑥ تفسیر الطبری: 349/2. ⑦ تفسیر ابن أبی حاتم: 347/1. ⑧ صحیح البخاری، الحج، باب فضل الحج المبرور، حدیث: 1521 وصحیح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرة، حدیث: 1350.

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم (حج کے دوران میں) اپنے رب کا فضل تلاش کرو، پھر جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کو یاد کرو

عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿198﴾

اور تم اسے اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمھیں ہدایت دی اور یقیناً اس سے پہلے تم گمراہوں میں سے تھے ﴿198﴾

﴿ جِدَالَ ﴾ سے مراد لڑائی جھگڑا ہے۔ ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ﴿ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے ساتھی سے لڑائی جھگڑا کرو حتی کہ اسے ناراض کر دو۔[1] ابو العالیہ، عطاء، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، جابر بن زید، عطاء خراسانی، مکحول، سدی، مُقاتل بن حیّان، عمرو بن دینار، ضحاک، ربیع بن انس، ابراہیم نخعی، عطاء بن یسار، حسن، قتادہ اور امام زہری رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

حج میں نیک کام کرنے اور زادِ راہ لینے کی ترغیب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ ﴾ ”اور جو نیک کام تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔“ پہلے اللہ تعالیٰ نے برے قول و فعل سے منع فرمایا تو اب نیک کام کی ترغیب دی ہے اور فرمایا کہ اسے تمھارے نیک کام کا علم ہے اور وہ قیامت کے دن اس کی پوری پوری جزا عطا فرمائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ ﴾ ”اور (حج کے لیے) زادِ راہ (رستے کا خرچ) ساتھ لے جاؤ بے شک بہترین زادِ راہ پرہیزگاری ہے۔“ امام بخاری اور ابوداود رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اہل یمن حج کرتے تو زادِ راہ ساتھ نہیں لیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم مُتَوَکِّل ”توکل کرنے والے“ ہیں تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: ﴿ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ ﴾[3] امام ابن جریر اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب وہ احرام باندھتے اور ان کے پاس زادِ راہ ہوتا تو اسے پھینک دیتے، پھر نیا زادِ راہ لے لیتے تو اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا اور حکم دیا کہ وہ آٹا، ستو اور روٹی وغیرہ بطور زادِ راہ ساتھ لے جائیں۔[4]

آخرت کا زادِ سفر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ ﴾ ”بے شک بہترین زادِ راہ پرہیزگاری ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے جب دنیا کے اس سفر میں زادِ راہ ساتھ لینے کا حکم دیا تو ساتھ ہی سفر آخرت کے لیے زادِ راہ کی تیاری کی طرف بھی رہنمائی فرما دی اور وہ یہ کہ آخرت کے لیے تقوے کو بطور زادِ راہ کے تیار رکھو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ﴾ (الأعراف 26:7) ”اور (جو) پرہیزگاری کا لباس (ہے) وہ سب سے اچھا ہے۔“ یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر لباس حسی کا ذکر فرمایا ہے تو پھر ساتھ ہی لباس معنوی کی طرف بھی رہنمائی فرما دی ہے اور لباس معنوی سے مراد خشوع، اطاعت اور تقویٰ ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ذکر فرما دیا کہ یہ معنوی لباس زیادہ بہتر اور زیادہ نفع بخش ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي

[1] تفسير الطبري: 370/2. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 348/1. [3] صحيح البخاري، الحج، باب قول الله تعالى: ﴿ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ ﴾، حديث: 1523 و سنن أبي داود، المناسك، باب التزود في الحج، حديث: 1730.
[4] تفسير الطبري: 380/2.

الْاَلْبَابِ﴿۱۹۷﴾ ”اور اے اہل عقل! مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔“ اور اے اہل عقل و دانش! اس شخص کو میری گرفت، میری سزا اور میرے عذاب سے خوب ڈرنا چاہیے جو میری مخالفت کرتا اور میرے حکم کی اطاعت نہیں بجالاتا۔

تفسیر آیت:198

حج میں تجارت: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عُکاظ، مَجَنَّة اور ذو المَجاز زمانۂ جاہلیت کے بازار تھے، لوگوں نے موسم حج میں تجارت کرنے کو گناہ سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ط﴾ ”اس کا تمھیں کچھ گناہ نہیں کہ (حج کے دنوں میں بذریعہ تجارت) اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو۔“[1] امام ابوداود وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لوگ موسم حج میں خرید و فروخت اور تجارت سے اجتناب کیا کرتے تھے کہ یہ ذکر الٰہی کے دن ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ط﴾[2]

حضرت مجاہد، سعید بن جبیر، عِکرِمہ، منصور بن معتمر، قتادہ، ابراہیم نخعی، ربیع بن انس رحمہم اللہ اور دیگر ائمہ نے بھی اس آیت کریمہ کی اسی طرح تفسیر بیان فرمائی ہے۔ امام ابن جریر نے ابواُمیمہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ آپ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو حج کرتا ہے اور اس کے پاس سامان تجارت بھی ہے تو جواب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ کو پڑھ دیا۔[3] یہ روایت گو موقوف ہے مگر قوی اور جید ہے، نیز یہ مرفوعًا بھی مروی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوامامہ تیمی سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ہم کرائے کا کام کرتے ہیں تو کیا ہمارا حج ہو جائے گا؟ فرمایا: کیا تم طواف نہیں کرتے، عرفے میں نہیں آتے، جمرات کو رمی نہیں کرتے اور اپنے سروں کو نہیں منڈواتے؟ ہم نے عرض کی: کیوں نہیں! تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک شخص نے آپ سے یہی سوال پوچھا تھا جو تم نے مجھ سے پوچھا ہے تو آپ نے اسے ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت کریمہ لے کر نازل ہو گئے: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ط﴾ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا: [أَنْتُمْ حُجَّاجٌ] ”تم حاجی ہو۔“[4]

امام ابن جریر نے ابوصالح مولیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کی: اے امیر المؤمنین! کیا آپ حضرات حج میں تجارت کر لیا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کی معیشت کا انحصار حج کی تجارت ہی پر تو تھا۔[5]

وقوفِ عرفہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ ”پھر جب تم عرفات سے واپس ہونے لگو تو مشعر حرام، یعنی مزدلفہ میں اللہ کا ذکر کرو۔“ لفظ عرَفَات میں اگرچہ منع صرف کے اسباب میں

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ ......﴾ (البقرة2:198)، حديث:4519. ② تفسير الطبري: 388/2 و الدر المنثور:400/1 و سنن أبي داود، المناسك، باب التجارة في الحج، حديث:1731 نحوه . ③ تفسير الطبري:386/2. ④ مسند أحمد:155/2. ⑤ تفسير الطبري:389,388/2.

سے دو سبب علَم اور تانیث موجود ہیں لیکن پھر بھی اسے منصرف پڑھا گیا ہے کیونکہ اصل میں یہ ''مسلمات'' اور ''مومنات'' کی طرح جمع ہے اور ایک معین اور مخصوص جگہ کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے، لہٰذا اصل کی رعایت کے پیش نظر اسے منصرف پڑھا گیا ہے۔ حافظ ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ①

عرفہ حج میں وقوف کا مقام ہے اور وقوفِ عرفہ افعال حج میں سب سے اہم فعل ہے۔ اسی وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ اور اہل سنن نے حضرت عبدالرحمٰن بن یَعْمُر دِیلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [اَلْحَجُّ عَرَفَاتٌ، اَلْحَجُّ عَرَفَاتٌ، اَلْحَجُّ عَرَفَاتٌ۔ ثَلَاثًا۔ وَأَیَّامُ مِنًی ثَلَاثٌ ﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ۙ﴾ وَمَنْ أَدْرَكَ عَرَفَةَ قَبْلَ أَنْ یَّطْلُعَ الْفَجْرُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ] ''حج (وقوف) عرفات ہی کا نام ہے، حج (وقوف) عرفات ہی کا نام ہے، حج (وقوف) عرفات ہی کا نام ہے اور ایام منٰی تین ہیں ''پھر جس نے دو دنوں میں (منٰی سے مکے کی طرف واپسی میں) جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے (ایک دن کی) تاخیر کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔'' اور جو شخص طلوع فجر سے پہلے وقوف عرفہ کو پالے تو اس نے حج کو پالیا۔'' ②

وقوف کا وقت یوم عرفہ کے زوال سے لے کر قربانی کے دن کی صبح صادق کے طلوع تک ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر نماز ظہر ادا کرنے کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک وقوف فرمایا تھا اور اس موقع پر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا: [لِتَأْخُذُوا مَنَاسِكَكُمْ] ''مجھ سے حج کے احکام سیکھ لو۔'' ③ اور فرمایا: [وَمَنْ أَدْرَكَ عَرَفَةَ قَبْلَ أَنْ یَّطْلُعَ الْفَجْرُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ] ''جس نے طلوع فجر سے پہلے پہلے وقوف عرفہ کو پالیا تو اس نے حج کو پالیا۔'' ④

عروہ بن مُضَرِّس بن اوس بن حارثہ بن لام طائی سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مُزْدَلِفہ میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ نماز کے لیے نکل چکے تھے، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں ''طے'' کے دو پہاڑوں سے آیا ہوں، میں نے اپنی سواری کو تیز دوڑایا اور اپنے آپ کو خوب تھکایا ہے، اللہ کی قسم! میں نے کوئی ٹیلہ (یا پہاڑ) نہیں چھوڑا جس پر وقوف نہ کیا ہو تو کیا میرا حج ہو جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ شَهِدَ صَلٰوتَنَا هٰذِهِ ، وَوَقَفَ مَعَنَا حَتّٰی یَدْفَعَ ، وَقَدْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَیْلًا أَوْ نَهَارًا فَقَدْ تَمَّ حَجُّهٗ وَقَضٰی تَفَثَهٗ] ''جو ہماری اس نماز میں حاضر ہوا اور اس نے ہمارے ساتھ وقوف کیا حتی کہ وہ یہاں سے روانہ ہو گیا اور اس سے پہلے رات یا دن کو عرفہ میں وقوف کر لیا تو اس کا حج پورا ہو گا اور اس نے اپنے میل کچیل کو دور کر لیا۔''

① تفسیر الطبری:390/2. ② مسند أحمد:309/4 وسنن أبی داود، المناسك، باب من لم یدرك عرفة، حدیث:1949 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورة البقرة، حدیث:2975 واللفظ له و سنن النسائی، مناسك الحج، باب فیمن لم یدرك صلاة الصبح مع الإمام بالمزدلفة ، حدیث:3047 و سنن ابن ماجه، المناسك ، باب من أتی عرفة قبل الفجر لیلة جمع، حدیث:3015. ③ صحیح مسلم، الحج، باب استحباب رمی جمرة العقبة یوم النحر راكبًا ......، حدیث:1297. ④ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورة البقرة، حدیث:2975.

اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے روایت کیا اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔[1]

عرفہ کی وجہ تسمیہ: عرفات کی وجہ تسمیہ کے بارے میں یہ قول بھی بیان کیا گیا ہے جیسا کہ مصنف عبدالرزاق میں حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجا تو آپ نے ان کے ساتھ حج کیا حتی کہ جب آپ عرفے میں تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اسے پہچان لیا ہے کیونکہ ایک بار آپ اس سے پہلے بھی یہاں تشریف لا چکے تھے۔ اسی وجہ سے اسے عرفے کے نام سے موسوم کیا گیا۔[2]

ابن مبارک نے عبدالملک بن ابوسلیمان سے اور انھوں نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ ''عرفہ'' کو اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مناسک حج سکھا رہے تھے تو آپ فرما رہے تھے کہ میں نے جان لیا، میں نے جان لیا، تو اسی وجہ سے اسے عرفات کے نام سے موسوم کیا گیا۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء اور ابومجلز سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4] واللہ أعلم.

عرفات کو مشعر حرام، مشعر اقصٰی اور إلال (ہلال کے وزن پر) کے ناموں سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اور میدان عرفات کے درمیان میں جو پہاڑ ہے، اس کا نام جبل رحمت ہے۔

عرفات اور مزدلفہ سے واپسی کا وقت: امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اہل جاہلیت عرفہ میں وقوف کرتے حتی کہ سورج جب پہاڑوں کے سروں پر اس طرح ہوتا گویا وہ عمامہ ہے تو وہ عرفے سے واپس ہونا شروع کر دیتے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے غروب آفتاب تک مؤخر فرما دیا۔[5] اس حدیث کو ابن مردویہ نے بھی روایت کیا اور یہ اضافہ بھی کیا ہے: پھر آپ مزدلفہ میں وقوف فرماتے اور نماز فجر اندھیرے میں ادا فرماتے حتی کہ جب ہر چیز روشن ہو جاتی اور یہ صبح کا آخری وقت ہوتا تو آپ روانہ ہو جاتے۔[6] اس حدیث کی سند حسن ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی اس طویل حدیث میں ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے عرفے میں وقوف فرمایا حتی کہ سورج غروب ہو گیا، اس کی زردی تھوڑی سی ختم ہو گئی حتی کہ سورج کی ٹکیہ غائب ہو گئی تو آپ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنی سواری پر پیچھے بٹھایا اور آپ وہاں سے روانہ ہو گئے، آپ نے اپنی ناقہ ''قصوا'' کے سر کو لگام کے ساتھ باندھا ہوا تھا حتی کہ اس کا سر کاب کو لگ رہا تھا اور آپ دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرما رہے تھے: [أَيُّهَا النَّاسُ! السَّكِينَةَ السَّكِينَةَ] ''لوگو! آرام و سکون سے چلو، آرام و سکون سے چلو۔''

① سنن أبي داود، المناسك، باب من لم يدرك عرفة، حديث:1950 وجامع الترمذي، الحج، باب ماجاء في من أدرك الإمام بجمع فقد أدرك الحج، حديث:891 واللفظ له. وسنن النسائي، مناسك الحج، باب فيمن لم يدرك صلاة الصبح مع الإمام بالمزدلفة، حديث:3045 وسنن ابن ماجه، المناسك، باب من أتى عرفة قبل الفجر ليلة جمع، حديث:3016 ومسند أحمد:261/4. ② المصنف لعبدالرزاق، الحج، باب بنيان الكعبة:96/5، حديث:9099 وتفسير الطبري:392/2. ③ تفسير الطبري:392/2. ④ تفسير الطبري:392/2 وتفسير ابن أبي حاتم:352/1. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم:352/1. ⑥ الدر المنثور:402/1.

آپ جب بھی کسی پہاڑ کے پاس تشریف لاتے تو اس کی لگام کو تھوڑا سا ڈھیلا چھوڑ دیتے تاکہ وہ پہاڑ پر چڑھ جائے حتی کہ آپ مزدلفہ میں تشریف لے آئے۔ یہاں آپ نے مغرب وعشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ادا فرمائیں اور دونوں نمازوں کے فرضوں کے درمیان اور کوئی نوافل وغیرہ ادا نہیں فرمائے۔ پھر آپ نے طلوع فجر تک آرام فرمایا جب صبح ہوگئی تو اذان و اقامت کے ساتھ نماز فجر ادا فرمائی، پھر اپنی اونٹنی ''قصوا'' پر سوار ہوئے اور مشعر حرام تشریف لے آئے، قبلہ رخ ہوئے، اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اللہ تعالیٰ کی تکبیر و تہلیل و توحید کے کلمات ادا فرمائے، آپ کھڑے رہے حتی کہ دن خوب روشن ہوگیا اور آپ طلوع آفتاب سے پہلے روانہ ہوگئے۔[1]

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے سوال کیا گیا کہ واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ کس طرح چل رہے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپ سُبک خرام تھے اور جب آپ کھلی جگہ پاتے تو اپنی سواری باد بہاری کی رفتار اور بھی تیز فرما دیتے۔[2]

مشعر حرام: امام عبدالرزاق نے سالم سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سارا مزدلفہ مشعر حرام ہے۔[3] اور ہشیم نے حجاج اور نافع کے واسطے سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ سے ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ ''چنانچہ تم مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو۔'' کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ پہاڑ اور اس کے ارد گرد کا سارا علاقہ مشعر حرام ہے۔[4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، سدی، ربیع بن انس، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا دونوں پہاڑوں کے درمیان مشعر حرام ہے۔[5]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [كُلُّ عَرَفَاتٍ مَّوْقِفٌ ، وَّارْفَعُوا عَنْ بَطْنِ عُرَنَةَ، وَكُلُّ مُزْدَلِفَةَ مَوْقِفٌ، وَّارْفَعُوا عَنْ مُّحَسِّرٍ، وَّكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ مَنْحَرٌ، وَّكُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَبْحٌ] ''سارا عرفات موقف (ٹھہرنے کی جگہ) ہے مگر عرنہ میں وقوف نہ کرو (کیونکہ یہ عرفات میں شامل نہیں) اور سارا مزدلفہ موقف ہے مگر وادیٔ محسر میں وقوف نہ کرو (اس لیے کہ یہ مزدلفہ سے خارج ہے) مکہ کے تمام راستوں میں قربانی کی جاسکتی ہے اور تمام ایام تشریق (ماہ ذوالحجہ کی گیارہ، بارہ اور تیرہ تاریخ) میں قربانی کے جانور ذبح کیے جاسکتے ہیں۔''[6]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدٰىكُمْ﴾ ''اور تم اسے اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمھیں ہدایت دی

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث:1218. [2] صحيح البخاري، الحج، باب السير إذا دفع من عرفة، حديث:1666 وصحيح مسلم، الحج ، باب الإفاضة من عرفات إلى المزدلفة......، حديث:1286. [3] تفسير ابن أبي حاتم:353/2. [4] تفسير الطبري:393/2. [5] تفسير ابن أبي حاتم:353/2. [6] مسند أحمد:82/4 وصحيح ابن حبان، الحج، باب ذكر وقوف الحاج بعرفات والمزدلفة:166/9، حديث:3854. ان میں [فِجَاجِ مَكَّةَ] کے بجائے [فِجَاجِ مِنًى] ہے، مکہ سے منیٰ کے تمام راستوں یا منیٰ سے مکہ کے تمام راستوں پر قربانی ہوسکتی ہے۔ میقات حج وعمرہ کا نقشہ اور منیٰ، مزدلفہ وغیرہ کا چارٹ سورۂ بقرہ، آیات:126-128 کے تحت دیکھیے۔

﴿ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۹۹ ﴾

پھر جہاں سے سب لوگ لوٹیں وہیں سے تم بھی لوٹو اور اللہ سے بخشش مانگو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے ۝۱۹۹

ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے توجہ مبذول کرائی ہے کہ اس نے ہدایت و بیان کا انعام فرمایا اور سنت ابراہیمی کے مطابق مناسک حج کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝۱۹۸ ﴾ ''اور یقیناً اس سے پیشتر تم لوگ گمراہوں میں سے (ان طریقوں سے محض ناواقف) تھے۔'' ﴿ مِّنْ قَبْلِهٖ ﴾ سے مراد اس ہدایت سے پہلے یا قرآن مجید سے پہلے یا رسول اللہ ﷺ سے پہلے ہے اور یہ سارے مفہوم آپس میں لازم وملزوم اور صحیح ہیں۔

تفسیر آیت:199

عرفہ میں وقوف اور وہاں سے واپسی کا حکم: ﴿ ثُمَّ ﴾ ''پھر'' یہ یہاں خبر کے خبر پر عطف اور اس کی ترتیب کے لیے ہے گویا اللہ تعالیٰ نے عرفات میں وقوف کرنے والے کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ مزدلفہ کی طرف واپس آئے تاکہ مشعر حرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، نیز حکم دیا ہے کہ تمام لوگوں کے ساتھ مل کر عرفات میں وقوف ہونا چاہیے۔ سب لوگ وقوف کے لیے عرفات چلے جاتے تھے مگر قریش حرم سے باہر نہیں نکلا کرتے تھے، وہ حرم کے ایک طرف حِلّ کے قریبی مقام پر وقوف کرلیا کرتے اور کہا کرتے تھے کہ ہم اہل اللہ ہیں، اس کے شہر میں رہتے اور اس کے گھر کے باسی ہیں، لہٰذا ہمیں باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ قریش اور ان کے ہم مذہب مزدلفہ میں وقوف کیا کرتے تھے اور اپنے آپ کو ''حُمس'' کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے جبکہ دیگر تمام عرب عرفات ہی میں وقوف کیا کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ بھی عرفات جائیں اور وہاں وقوف کریں، پھر وہاں سے واپس آئیں۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ ﴾ ''(پھر) جہاں سے اور لوگ واپس ہوں (وہیں سے تم بھی واپس ہو۔)'' کے یہی معنیٰ ہیں۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عطاء، قتادہ، سدی رحمہم اللہ اور دیگر کئی اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا اور فرمایا ہے کہ اس پر اجماع ہے۔[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے جبیر بن مُطعِم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عرفے میں میرا اونٹ گم ہوگیا تو میں اس کی تلاش میں نکلا تو دیکھا کہ نبی ﷺ (عرفہ میں) وقوف فرمائے ہوئے تھے۔ میں نے کہا کہ ان کا تعلق تو حُمس سے ہے تو یہ یہاں کیوں تشریف فرما ہیں؟ اس روایت کو امام بخاری و مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[3]

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہاں لوٹنے سے مراد مزدلفہ سے منیٰ کی طرف ''رمیِ جمار'' کے لیے لوٹنا ہے۔[4] واللّٰه أعلم.

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ ﴾ (البقرة2:199)، حديث:4520. ② تفسير الطبري:2/399-402. ③ مسند أحمد:4/80 و صحيح البخاري، الحج، باب الوقوف بعرفة، حديث:1664 و صحيح مسلم، الحج، باب في الوقوف......، حديث:1220. ④ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ ﴾ (البقرة2:199)، حديث:4521.

استغفار کا حکم اور استغفار کی بعض دعائیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ سے بخشش مانگو، بے شک اللہ بہت بخشنے والا (اور) نہایت رحمت کرنے والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اکثر و بیشتر عبادات کی تکمیل کے بعد اپنے ذکر کا حکم دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح مسلم کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار پڑھتے: أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ. [1] صحیح بخاری و مسلم میں حدیث موجود ہے کہ آپ نے تینتیس تینتیس مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور اَللّٰهُ أَكْبَرُ پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔ [2]

ابن مردویہ نے یہاں اس حدیث کو ذکر کیا ہے جسے امام بخاری نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سید الاستغفار'' یہ ہے کہ بندہ اس طرح کہے:

[اَللّٰهُمَّ ! أَنْتَ رَبِّي، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ ، وَأَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوءُ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْلِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، قَالَ: وَمَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوقِنًا بِهَا فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهِ قَبْلَ أَنْ يُّمْسِيَ ، فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ ، وَهُوَ مُوقِنٌ بِهَا، فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ يُّصْبِحَ ، فَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ]

''اے اللہ! تو ہی میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا ہی بندہ ہوں، میں تیرے وعدے اور عہد پر (قائم) ہوں جتنا مجھ سے ہو سکا، میں پناہ مانگتا ہوں ان (تمام کاموں) کے شر سے جو میں نے کیے اور میرے اوپر جو تیری نعمتیں ہیں ان کا اعتراف کرتا ہوں اور میں اپنے گناہوں کا بھی اقرار کرتا ہوں، پس تو میرے گناہوں کو بخش دے اس لیے کہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا۔ آپ نے فرمایا: جو شخص اس (استغفار) کو یقین رکھتے ہوئے دن کو پڑھے اور اسی دن شام سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جو آدمی اس (استغفار) کو یقین کے ساتھ رات کو پڑھے اور صبح سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔'' [3]

صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے ایک ایسی دعا سکھا دیں جو میں نماز میں پڑھ لیا کروں۔ آپ نے فرمایا یہ دعا پڑھ لیا کرو: [اَللّٰهُمَّ ! إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْلِي مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ ، وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ] ''اے اللہ! بے شک میں نے اپنی جان پر بہت ظلم (گناہ) کیے ہیں اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا، پس تو اپنی خاص مغفرت کے ساتھ میرے تمام گناہ معاف فرما دے اور مجھ پر رحم فرما، بے شک تو ہی بہت بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔'' [4] استغفار

[1] صحیح مسلم، المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ......، حدیث:591. [2] صحیح البخاری، الأذان، باب الذکر بعد الصلاۃ، حدیث:843 و صحیح مسلم، المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، حدیث:595.
[3] صحیح البخاری، الدعوات، باب أفضل الاستغفار، حدیث:6306. [4] صحیح البخاری، الأذان، باب الدعاء قبل السلام، حدیث:834 و صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب الدعوات......، حدیث:2705.

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ

پھر جب تم اپنے حج کے ارکان پورے کر چکو تو اللہ کو اس طرح یاد کرو جس طرح تم اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر (اللہ کو یاد

النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿200﴾

کرو)، چنانچہ کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا ہی میں (سب کچھ) دے دے، ایسے شخص کے لیے آخرت میں کوئی حصہ

وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ

نہیں ﴿200﴾ اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے

النصف

النَّارِ ﴿201﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿202﴾

عذاب سے بچا ﴿201﴾ انھی لوگوں کے لیے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿202﴾

کے بارے میں اور بھی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں۔

تفسیر آیات: 200-202

مناسک حج کو پورا کرنے کے بعد کثرت ذکر اور دنیا و آخرت کی بھلائی طلب کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مناسک حج کو پورا کرنے اور ان سے فراغت حاصل کرنے کے بعد کثرت سے اس کا ذکر کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ ﴾ ”(اللہ کو اس طرح یاد کرو) جس طرح تم اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے۔“ کے بارے میں سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اہل جاہلیت موسم حج میں کھڑے ہو جاتے اور ان میں سے ایک آدمی کہتا کہ میرا باپ تو لوگوں کو کھانا کھلایا کرتا، لوگوں کے بوجھ اٹھا لیتا اور ان کی طرف سے دیت ادا کر دیا کرتا تھا۔

الغرض اس موقع پر اپنے آباء و اجداد کے کارناموں کے ذکر کے سوا ان کا اور کوئی کام نہ تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر یہ آیت نازل فرمادی: ﴿ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ ﴾ [1] ”چنانچہ تم (منیٰ میں) اللہ کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔“ الغرض اس سے مقصود ذکر الٰہی کی کثرت کی ترغیب دینا ہے۔ اسی وجہ سے ﴿ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ ﴾ کو تمیز کی بنا پر منصوب پڑھا گیا ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے: كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ مِنْهُ ذِكْرًا.

﴿ أَوْ ﴾ یہاں خبر میں مماثلت کی تحقیق کے لیے ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ ﴾ (البقرة 2:74) ”چنانچہ وہ پتھروں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت۔“ اور فرمایا: ﴿ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ ﴾ (النسآء 4:77) ”(ان میں سے ایک گروہ کافر) لوگوں سے اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیے بلکہ وہ اس سے بھی بڑھ کر خوف زدہ تھا۔“ اور فرمایا: ﴿ وَأَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:147) ”اور ہم نے اسے ایک لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ (لوگوں) کی طرف بھیجا۔“ اور فرمایا: ﴿ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ﴾ (النجم

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 356,355/2.

9:53) ''تو وہ دو کمان کے فاصلے پر بلکہ اس سے بھی قریب تر ہو گیا۔'' تو ان تمام آیات کریمہ میں حرف اَوْ قطعی طور پر شک کے لیے نہیں ہے بلکہ ان آیات میں جس جس چیز کے بارے میں خبر دی گئی ہے یہ اس کی تحقیق مزید کے لیے ہے کہ وہ اس طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ کثرت سے اس کا ذکر کرنے کے بعد اس سے دعا کی جائے کیونکہ اس طرح دعا کی قبولیت کی امید ہے، نیز اس مقام پر اس شخص کی مذمت بھی کی گئی ہے جو محض اپنی دنیا کی خاطر تو دعا کرتا ہے مگر آخرت سے غافل ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ ''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو (اللہ سے) التجا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمیں دنیا ہی میں (سب کچھ) عنایت کر ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔'' ﴿خَلَاقٍ﴾ کے معنی نصیب اور حصے کے ہیں۔ اس مذمت کے ضمن میں اس شخص کے ساتھ مشابہت سے نفرت دلانا بھی مقصود ہے جس کا یہ حال ہو۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کچھ اَعراب موقف (میدان عرفات یا حج کے مشاعر) میں آتے اور یہ کہا کرتے تھے کہ ''اے اللہ! اس سال کو بارش، خوشحالی اور اچھی اولاد کے حصول کا سال بنا دے۔'' آخرت کی بہتری سے متعلق وہ کوئی دعا نہیں کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾[1] ان کے بعد جب دوسرے مومن لوگ آئے تو انھوں نے یہ دعا کی: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ''اے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی نعمت و بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت و بھلائی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔'' تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے کاموں کا حصہ (نیک اجر تیار) ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا (اور جلد اجر دینے والا) ہے۔''[2]

اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی تعریف فرمائی ہے جو اس سے دنیا و آخرت کی بہتری و بھلائی کا سوال کرتا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ اس دعا نے دنیا کی ہر خیر و بھلائی کو جمع کر دیا اور ہر خرابی و برائی کو دور کر دیا ہے کیونکہ ﴿فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ کے جامع الفاظ ہر دنیوی مطلوب و مقصود، مثلاً: صحت و عافیت، وسیع و کشادہ رہائش، خوب صورت بیوی، وسیع رزق، علم نافع، عمل صالح، عمدہ سواری اور اچھی تعریف وغیرہ پر مشتمل ہیں جیسے کہ اس کی تفسیر میں مفسرین کی مختلف عبارتیں ہیں[3] اور ان میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ یہ سب ﴿فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ میں شامل ہیں۔

جہاں تک آخرت کی بہتری و بھلائی کا تعلق ہے تو اس کی سب سے اعلیٰ صورت تو جنت میں داخل ہونا اور اس سے متعلق دیگر امور ہیں، مثلاً: میدان حشر میں بڑے بھاری خوف سے نجات، حساب میں آسانی اور اس طرح کے آخرت کے دیگر اچھے

① تفسیر ابن أبي حاتم:357/2. ② تفسیر ابن أبي حاتم:357/2. ③ تفسیر ابن أبي حاتم:358/2.

اچھے امور۔اور جہاں تک جہنم سے نجات کا تعلق ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ دنیا میں اس کے اسباب مہیا کیے جائیں۔اور وہ اس طرح کہ نہ صرف محرمات اور گناہوں سے اجتناب کیا جائے بلکہ شبہات کو بھی ترک کر دیا جائے۔

قاسم بن عبدالرحمٰن ، جن کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے، نے کہا ہے کہ جسے شکر کرنے والا دل، ذکر کرنے والی زبان اور صبر کرنے والا جسم مل گیا تو اسے دنیا وآخرت کی بہتری وبھلائی مل گئی اور وہ جہنم کے عذاب سے بھی بچا لیا جائے گا۔[1]

اس دعا کی جامعیت کی وجہ سے سنت میں اس کی ترغیب آئی ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:[اَللّٰھُمَّ ! رَبَّنَا ! اٰتِنَا فِي الدُّنيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ][2] ’’اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی خیر وبھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی خیر وبھلائی نصیب کر اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔‘‘

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کی عیادت فرمائی جو پرندے کے ننھے بچے کی طرح (ہڈیوں کا ڈھانچہ) ہو گیا تھا۔رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا:[هَلْ كُنْتَ تَدْعُو بِشَيْءٍ أَوْ تَسْأَلُهُ إِيَّاهُ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، كُنْتُ أَقُولُ : اَللّٰھُمَّ! مَا كُنْتَ مُعَاقِبِي بِهِ فِي الْاٰخِرَةِ فَعَجِّلْهُ لِي فِي الدُّنْيَا ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:سُبْحَانَ اللّٰهِ! لَا تُطِيقُهُ أَوْ لَا تَسْتَطِيعُهُ ، فَهَلَّا قُلْتَ: اَللّٰھُمَّ ! اٰتِنَا فِي الدُّنيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ] ’’کیا تم اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا یا سوال کیا کرتے تھے؟اس نے جواب دیا: ہاں، میں یہ دعا کیا کرتا تھا: اے اللہ! تو نے مجھے جو آخرت میں سزا دینی ہے وہ دنیا ہی میں دے دے۔یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! تمھیں اس کی طاقت واستطاعت کہاں؟ تم نے یہ دعا کیوں نہ کر لی:[اَللّٰھُمَّ! اٰتِنَا فِي الدُّنيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ] ’’اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔‘‘اس نے یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا عطا فرما دی۔[3] اس حدیث کو شیخین میں سے صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[4]

امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص آ کر کہنے لگا کہ میں نے کچھ لوگوں کا کام اس اجرت پر کیا ہے کہ وہ مجھے سوار کر کے ساتھ لے جائیں گے، پھر اجرت میں سے کچھ کم کر دیا تا کہ وہ مجھے حج کرنے دیں تو کیا میرا حج ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا: تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴾ ’’یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے کاموں کا حصہ (نیک اجر تیار) ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا (اور جلد اجر دینے والا) ہے۔‘‘ امام حاکم نے فرمایا ہے کہ یہ

[1] تفسير ابن أبي حاتم:359/2. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ...... ﴾ (البقرة2:201) ، حديث:4522. [3] مسند أحمد:107/3. [4] صحيح مسلم،الذكر والدعاء، باب كراهة الدعاء بتعجيل العقوبة في الدنيا، حديث:2688.

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ

اور گنتی کے چند دنوں میں تم اللہ کو یاد کرو، پھر جس نے دو دنوں (منیٰ سے مکے کی طرف واپسی) میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے (ایک دن کی)

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿203﴾

تاخیر کی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (بشرطیکہ) وہ تقویٰ اختیار کرے اور تم اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک تمھیں اسی کے حضور اکٹھا کیا جائے گا﴿203﴾

حدیث صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے مگر انھوں نے اسے روایت نہیں کیا ہے۔[1]

تفسیر آیت:203

ایام تشریق میں ذکر اور کھانا پینا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ﴾ سے مراد ایام تشریق ہیں اور ایام معلومات سے مراد ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔[2] عکرمہ فرماتے ہیں: ﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ ایام تشریق میں فرض نمازوں کے بعد تکبیر پڑھی جائے: اللہ اکبر، اللہ اکبر۔[3]

امام احمد رحمہ اللہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَوْمُ عَرَفَةَ وَ يَوْمُ النَّحْرِ، وَأَيَّامُ التَّشْرِيقِ عِيدُنَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ، وَهُنَّ أَيَّامُ أَكْلٍ وَّ شُرْبٍ] ''یوم عرفہ، یوم قربانی اور ایام تشریق ہم اہل اسلام کی عید کے دن اور کھانے پینے کے دن ہیں۔''[4] امام احمد رحمہ اللہ ہی نے نُبَیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [أَيَّامُ التَشْرِيقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَّ شُرْبٍ وَّ ذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ] ''ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔''[5] اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[6]

جبیر بن مُطعم رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے: [عَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ...... أَيَّامُ التَّشْرِيقِ كُلُّهَا ذَبْحٌ] ''سارا عرفہ موقف ہے......اور تمام ایام تشریق میں قربانی کا جانور ذبح کیا جا سکتا ہے۔''[7] عبدالرحمٰن بن یعمر دِیلی سے مروی یہ حدیث بھی قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے:[8] [أَيَّامُ مِنًى ثَلَاثَةٌ ﴿ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ﴾] ''ایام منیٰ تین ہیں'' پھر جس نے دو دنوں میں (منیٰ سے مکے کی طرف واپسی میں) جلدی کی تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جس نے (ایک دن کی) تاخیر کی تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں۔''[9]

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ طُعْمٍ

---

[1] المستدرك للحاكم، التفسير، من سورة البقرة:278,277/2، حديث:3099. [2] الدر المنثور:420/1. [3] تفسير ابن أبي حاتم:360/2 والدر المنثور:420/1. [4] مسند أحمد:152/4. [5] مسند أحمد:75/5. [6] صحيح مسلم، الصيام، باب تحريم صوم أيام التشريق......، حديث:1141. [7] ابتدائی حصہ صحيح مسلم، الحج، باب ماجاء أن عرفة كلها موقف، حديث:(149)-1218 میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت اور آخری حصہ السنن الكبرى للبيهقي، الحج، باب النحر يوم النحر، وأيام منى:239/5 کے مطابق ہے۔ اور بالفاظ دیگر یہ روایت مسند أحمد:82/4 میں بھی ہے۔ اور قبل ازیں یہ حدیث آیت:198 کے تحت عنوان: ''مشعر حرام'' میں بیان ہوئی ہے۔ [8] دیکھیے آیت:198 کے تحت عنوان: ''وقوف عرفہ'' میں۔ [9] سنن أبي داود، المناسك، باب من لم يدرك عرفة، حديث:1949.

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ

اور (اے نبی!) لوگوں میں کوئی تو ایسا ہے کہ آپ کو اس کی بات دنیا کی زندگی میں بہت بھلی لگتی ہے اور جو کچھ اس کے دل میں ہے اس پر وہ اللہ کو گواہ ٹھہراتا

اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿204﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ

ہے، حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے ﴿204﴾ اور جب وہ پلٹتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے کھیتوں اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا ﴿205﴾

لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿205﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ

اور جب اس کہا جاتا ہے: تو اللہ سے ڈر، تو اسکا غرور اسے گناہ پر ابھارتا ہے، چنانچہ ایسے شخص کے لیے جہنم کافی ہے اور یقیناً وہ برا ٹھکانا ہے ﴿206﴾

وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿206﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو (اس کے ہاتھ) بیچ ڈالتا ہے اور اللہ اپنے بندوں

رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿207﴾

پر بہت شفیق ہے ﴿207﴾

وَّ ذِكْرِ (اللّٰهِ)] ''ایام تشریق کھانے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔''[1] امام ابن جریر ہی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تا کہ وہ منیٰ میں یہ اعلان کر دیں: [لَا تَصُومُوا هٰذِهِ الْأَيَّامَ ، فَإِنَّهَا أَيَّامُ أَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَّذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ] ''ان دنوں میں روزے نہ رکھو کیونکہ یہ کھانے پینے اور اللہ عزوجل کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔''[2]

ایام معدودات کا بیان: مِقْسَم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ ﴾ سے مراد ایام تشریق ہیں جو چار دن ہیں، ایک قربانی کا دن اور تین دن اس کے بعد۔[3] حضرت ابن عمر، ابن زبیر، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم اور عطاء، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابو مالک، ابراہیم نخعی، یحییٰ بن ابوکثیر، حسن، قتادہ، سدی، زہری، ربیع بن انس، ضحاک، مُقاتل بن حیّان، عطاء خراسانی اور امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4] آیت کریمہ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے: ﴿ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ ﴾ اس سے بھی معلوم ہوا کہ ایام تشریق قربانی کے دن کے بعد تین دن ہیں۔ ﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ ﴾ سے متعلق ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ذکر ہے جو قربانیوں پر، فرض نمازوں کے بعد اور دیگر تمام حالات میں کیا جاتا ہے۔

نیز ایام تشریق میں سے ہر دن رمیِ جمرات کے وقت تکبیر اور اللہ کا ذکر بھی اسی سے متعلق ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے جسے امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ نے روایت کیا ہے: [إِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ، وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَرَمْيُ الْجِمَارِ لِإِقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ] ''بیت اللہ کا طواف، صفا و مروہ کی سعی اور رمیِ جمار اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی کے لیے مقرر کیے

[1] تفسير الطبرى:415/2 اور لفظ اللّٰه مسند أحمد:229/1 میں ہے۔ [2] تفسير الطبرى:415/2. [3] تفسير ابن أبى حاتم:361/2 و تفسير الطبرى:413/2. [4] تفسير ابن أبى حاتم:361/2.

گئے ہیں۔‘‘[1]

جب اللہ تعالیٰ نے یہاں لوگوں کے آنے جانے کا ذکر کیا، یعنی پہلے لوگوں نے اطراف واکنافِ عالم سے آ کر یہاں مشاعر ومواقف میں پڑاؤ ڈالا اور اب موسم حج کے اختتام پر وہ اپنے اپنے علاقوں اور ملکوں میں جا رہے ہیں تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا ہے: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ ’’اور تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ بے شک تمھیں اسی کے حضور اکٹھا کیا جائے گا۔‘‘ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ ﴾ (المؤمنون 23:79) ’’اور وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلایا اور اسی کی طرف تم جمع ہو کر جاؤ گے۔‘‘

تفسیر آیات :204-207

منافقوں کے حالات کا بیان: مفسر سدی نے لکھا ہے کہ یہ آیت اَخنَس بن شُرَیق ثَقَفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ظاہر یہ کیا کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے لیکن باطنی طور پر اس کی صورت حال اس کے خلاف تھی۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت ان منافقوں کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں گفتگو کی تھی اور ان پر عیب لگائے تھے، جو مقام ’’رَجیع‘‘ میں شہید ہو گئے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی مدحت میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ﴾ ’’اور لوگوں میں سے کوئی شخص ایسا بھی ہے جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے۔‘‘[3] یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیات عام ہیں اور تمام منافقوں اور تمام مومنوں کے لیے ہیں۔[4] یہ حضرت قتادہ، مجاہد، ربیع بن انس اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر کا قول ہے اور صحیح بات بھی یہی ہے۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے (محمد بن کعب) قُرَظی سے اور انھوں نے نَوف بِکالی سے روایت کیا ہے، یہ ان لوگوں میں سے تھا جو سابقہ کتب پڑھا کرتے تھے، اس نے کہا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں اس امت کے کچھ لوگوں کی صفات اس طرح پاتا ہوں کہ یہ لوگ حیلہ بازی کے ساتھ دین کے بدلے دنیا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، ان کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی مگر دل ایلوے سے بھی زیادہ کڑوے ہوں گے، لوگوں کے سامنے تو بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے مگر ان کے دل بھیڑیوں جیسے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا یہ لوگ میرے بارے میں جرأت کرتے اور مجھے دھوکا دیتے ہیں، مجھے اپنی ذات کی قسم! میں انھیں ایسے فتنے میں مبتلا کر دوں گا جو عقل مند اور دانشور لوگوں کو بھی حیران و پریشان کر دے گا۔ قُرَظی بیان کرتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید میں غور کر کے اس کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ یہ منافقوں کے حالات کا ذکر ہے، چنانچہ یہ آیت کریمہ ان کے مناسب حال ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ

---

① سنن أبي داود، المناسك، باب في الرمل، حديث:1888 و جامع الترمذي، باب ما جاء كيف ترمي الجمار؟ حديث: 902 عن عائشة رضي الله عنها. ② تفسير الطبري:425/2. ③ تفسير الطبري:426/2. ④ تفسير الطبري:425/2-428.

﴿ قَلْبِهٖ ﴾ ''اور لوگوں میں کوئی تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں آپ کو دلکش معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر پر اللہ کو گواہ بناتا ہے۔''[1] قُرطبی کی یہ بات بہت اچھی اور بالکل صحیح ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ ﴾ ''اور وہ اپنے مافی الضمیر پر اللہ کو گواہ بناتا ہے۔'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے تو اسلام کو ظاہر کرتا ہے مگر اللہ کے سامنے اس کفر ونفاق کو پیش کرتا ہے جو اس کے دل میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ ﴾ (النسآء4:108) ''یہ لوگوں سے تو (اپنی حرکات) چھپا سکتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپا سکتے۔'' یہی معنی ہیں اس قول کے جسے ابن اسحٰق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[2]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جب یہ لوگوں کے سامنے اپنے اسلام کا اظہار کرتا ہے تو اس پر قسم کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہے کہ جو اس کے دل میں ہے وہ اس کی زبان کے مطابق ہے۔ یہ معنی بھی صحیح ہیں اور یہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے۔[3] اسے امام ابن جریر نے اختیار کیا ہے اور اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کیا ہے، نیز اسے امام مجاہد کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴾ ''حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔'' ﴿ اَلَدُّ ﴾ کے معنی لغت میں ٹیڑھے کے ہیں۔ ﴿ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴾ (مریم19:97) یعنی تاکہ آپ اس کے ذریعے سے ٹیڑھے لوگوں کو ڈرائیں۔ منافق کا بھی جھگڑتے ہوئے یہی حال ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے، حق سے منہ موڑتا ہے اور اس کا ساتھ نہیں دیتا بلکہ افتراپردازی اور گالی گلوچ سے کام لیتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے: [آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ] ''منافق کی نشانیاں تین ہیں: (1) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (2) وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور (3) جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔''[4]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ أَبْغَضَ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ] ''اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ آدمی وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔''[5]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴾ ''اور جب وہ پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے تاکہ اس میں فتنہ انگیزی کرے اور کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کر دے اور اللہ فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا۔'' یعنی اس کا قول بہت ٹیڑھا اور فعل بہت برا ہے، اس کی بات جھوٹی، اعتقاد فاسد اور افعال بہت برے ہیں۔

﴿ سَعٰى ﴾ کا لفظ یہاں قصد وارادے کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بارے میں فرمایا

---

[1] تفسير الطبري:427/2. [2] تفسير ابن أبي حاتم:364/2. [3] تفسير الطبري:428/2. [4] صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث:33 عن أبي هريرة رضي الله عنه. [5] صحيح البخاري، المظالم، باب قول الله تعالى: ﴿ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴾، حديث:2457.

ہے: ﴿ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ ﴾ (النّٰزعٰت 79:22۔26) ''پھر وہ لوٹ گیا اور (فساد کا) ارادہ کرنے لگا۔ پھر (لوگوں کو) اکٹھا کر کے اعلان کیا تو کہا کہ تمھارا سب سے بڑا مالک میں ہوں تو اللہ نے اس کو دنیا اور آخرت (دونوں) کے عذاب میں پکڑ لیا، بے شک جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اس کے لیے اس قصے میں عبرت ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (الجمعة 62:9) ''مومنو! جب جمعے کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (نماز) کا قصد کرو۔'' یعنی تمھارا قصد وارادہ نماز جمعہ کی ادائیگی ہو ورنہ حسی طور پر نماز کے لیے دوڑ کر جانے کی تو سنت نبویہ میں ممانعت آئی ہے جیسا کہ فرمان نبوی ہے: [إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَلَا تَأْتُوهَا تَسْعَوْنَ، وَأْتُوهَا تَمْشُونَ، وَعَلَيْكُمُ السَّكِينَةَ] ''جب تم نماز کے لیے آؤ تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون اور وقار کے ساتھ چلتے ہوئے آؤ۔''[1]

منافق کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ زمین میں فساد برپا کرے اور کھیتی کو تباہ و برباد کرے جو کہ فصلوں اور پھلوں کے بڑھنے کا مقام ہے اور نسلوں کو ہلاک کرے۔ نسل سے مراد حیوانات ہیں اور انھی دونوں پر لوگوں کی زندگی کا انحصار ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ جب زمین میں فتنہ وفساد برپا کیا جائے تو اللہ تعالیٰ باران رحمت سے محروم کر دیتا ہے تو اس سے کھیتی اور نسل ہلاک ہو جاتی ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ ﴾ ''اور اللہ فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا۔'' یعنی اسے پسند نہیں فرماتا جس کا کام فتنہ انگیزی ہو اور جو ہمیشہ فتنہ انگیزی ہی میں لگا رہتا ہو۔

منافق کی علامت نصیحت کو رد کرنا ہے: ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ ﴾ ''اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے خوف کر تو اس کا غرور اس کو گناہ پر ابھارتا ہے۔'' یعنی جب اس فاجر کو قول وفعل پر نصیحت کی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر، اپنے اس قول وفعل سے رک جا اور حق کی طرف لوٹ آ تو وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے اور اسے حمیت وغضب گناہ میں پھنسا دیتا ہے۔

یہ آیت حسب ذیل آیت سے مشابہ ہے: ﴿ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ (الحج 22:72) ''اور جب ان کو ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو (ان کی شکل بگڑ جاتی ہے اور) آپ ان کے چہروں میں صاف طور پر ناخوشی (کے آثار) دیکھتے ہیں، یوں لگتا ہے کہ جو لوگ ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں ان پر حملہ کر دیں گے۔ کہہ دیجیے: کیا پھر میں تم کو اس سے بھی بری چیز بتاؤں؟ وہ (دوزخ کی) آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔'' اس لیے اس آیت کریمہ میں بھی فرمایا ہے: ﴿ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ ﴾ ''چنانچہ ایسے شخص کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ یقیناً بہت برا ٹھکانا ہے۔'' یعنی سزا کے لیے یہ اسے کافی ہے۔

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب إتيان الصلاة بوقار و سكينة......، حديث:602 وسنن النسائي، الإمامة، باب السعي إلى الصلاة، حديث:862 واللفظ له.

مومن مخلص کی علامت اللہ کی رضا کو ترجیح دینا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے۔''

پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقوں اور ان کی مذموم صفات کا ذکر کیا تھا اور اب اس آیت میں مومنوں اور ان کی صفات حمیدہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت انس رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیّب، ابوعثمان نہدی، عکرمہ اور مفسرین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انھوں نے جب مکہ میں اسلام قبول کر لیا، پھر ہجرت مدینہ کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے ہجرت کرتے ہوئے اپنا مال ساتھ لے جانے سے منع کر دیا اور کہا کہ اگر مال یہاں چھوڑ کر ہجرت کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔ آپ نے ان سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے اپنا سارا مال انھیں دے دیا تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں کی ایک جماعت کی حَرّہ کی طرف ان سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ صہیب! تم اس سودے میں کامیاب ہو۔ صہیب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اپنی تجارت میں خسارے سے بچائے، وہ کیا ہے (جس کی آپ مجھے مبارک باد دے رہے ہیں؟) تو انھوں نے بتایا کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا تھا۔ اور یہ بھی روایت کیا جاتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے یہ فرمایا تھا: [رَبِحَ الْبَيْعُ يَا أَبَا يَحْيٰى! رَبِحَ الْبَيْعُ يَا أَبَا يَحْيٰى! رَبِحَ الْبَيْعُ يَا أَبَا يَحْيٰى!] ''اے ابو یحییٰ! تمھاری یہ بیع نفع بخش ہے، اے ابو یحییٰ! تمھاری یہ بیع نفع بخش ہے، اے ابو یحییٰ! تمھاری یہ بیع نفع بخش ہے۔''[1]

اس آیت کریمہ کے معنی عام ہیں، اللہ کے رستے میں جہاد کرنے والا ہر مجاہد اس میں داخل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ﴾ (التوبۃ 9:111) ''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں (اور اس کے) عوض میں ان کے لیے بہشت (تیار کی) ہے، یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے جاتے بھی ہیں۔ یہ تورات، انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟ تو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے۔''

ہشام بن عامر رضی اللہ عنہما نے جب صف کے درمیان حملہ کیا تو بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے انھیں جواب دیتے ہوئے اسی آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی تھی: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ ﴾ ''اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے

[1] تفسیر الطبری:437/2 و تفسیر ابن أبی حاتم:368,369/2 و الدر المنثور:430,431/1.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور تم شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو، بے شک شیطان تمھارا کھلا دشمن

مُّبِيْنٌ ﴿208﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿209﴾

ہے (208) پھر اگر تمھارے پاس واضح دلائل آ جانے کے بعد تم پھسل جاؤ تو جان لو کہ بے شک اللہ غالب ہے، خوب حکمت والا (209)

لیے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور اللہ (اپنے) بندوں پر بہت مہربان ہے۔‘‘ (1)

تفسیر آیات: 209,208

مکمل اسلام پر عمل کرنا واجب ہے: اللہ تعالیٰ اپنے ایمان دار اور اپنے رسول کی تصدیق کرنے والے بندوں کو حکم دیتے ہوئے فرما رہا ہے کہ وہ مکمل دین و شریعتِ اسلام کو اپنائیں، اسلام کے تمام احکام کے مطابق عمل کریں اور مقدور بھر کوشش کر کے تمام منہیات کو ترک کر دیں۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، نیز حضرت مجاہد، طاؤس، ضحاک، عکرمہ، قتادہ، سدی اور ابن زید سے مروی ہے کہ ﴿ اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ ﴾ سے مراد اسلام میں داخل ہونا ہے۔ (2)

اور ﴿ كَآفَّةً ﴾ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ابو العالیہ، عکرمہ، ربیع بن انس، سدی، مُقاتل بن حیّان، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ سب داخل ہو جاؤ۔ (3) اور مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام اعمال صالحہ بجا لاؤ اور نیکی کی تمام صورتوں کو اپنا لو۔ (4) خصوصاً یہ حکم ان لوگوں کے لیے تھا جو اہل کتاب میں سے ایمان لائے تھے جیسا کہ ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ﴿ كَآفَّةً ﴾ کو منصوب پڑھا ہے، یعنی مومنین اہل کتاب کو بھی اسلام میں پورے پورے داخل ہو جانا چاہیے۔ انھیں بطور خاص اس لیے مخاطب کیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ابھی تک تورات اور اپنی سابقہ شریعتوں کے بعض احکام پر عمل پیرا تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں نازل فرمایا ہے: ﴿ اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ﴾ ’’اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔‘‘ (5) یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے تمام احکام کے مطابق عمل کرو اور ان میں سے کسی بھی حکم کو نہ چھوڑو اور تورات کے بارے میں بس اتنی بات ہی کافی ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ﴾ ’’اور شیطان کے پیچھے نہ چلو‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کو اختیار کرو اور اس سے اجتناب کرو جس بات کا تمھیں شیطان حکم دیتا ہے کیونکہ ﴿ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ 169:2) ’’وہ تو تم کو برائی اور بے حیائی ہی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور یہ بھی کہ

(1) تفسیر الطبری:438/2 والدر المنثور :431/1. یہ حملہ کابل (افغانستان) کے علاقے میں ہوا تھا۔ دیکھیے کتاب الزھد لابن المبارک، ص:258,257 والإصابة:425/6. (2) تفسیر الطبری:439/2 وتفسیر ابن أبی حاتم:370/2. (3) تفسیر ابن أبی حاتم:370/2. (4) تفسیر ابن أبی حاتم :370/2 وتفسیر الطبری:443/2. (5) تفسیر ابن أبی حاتم:369/2-370 و تفسیر الطبری:442/2.

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ وَقُضِيَ

کیا اب وہ اس انتظار میں ہیں کہ اللہ بادلوں کے سائے میں ان کے سامنے چلا آئے اور فرشتے بھی اور (ان کے) معاملے کا فیصلہ ہی کر ڈالا جائے؟ آخر

25 ع 14 9 الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ؑ ﴿210﴾

سارے معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ﴿210﴾

اللہ کی نسبت ایسی باتیں کہو جن کا تمھیں (کچھ بھی) علم نہیں۔'' ﴿ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ؕ ﴾ (فاطر 6:35) ''وہ اپنے (پیروؤں کے) گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں ہوں۔'' اور اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿208﴾ ﴾ ''بے شک وہ تمھارا صریح دشمن ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ ﴾ ''پھر اگر تمھارے پاس واضح دلائل آ جانے کے بعد تم پھسل جاؤ'' یعنی دلائل و براہین کے واضح ہو جانے کے بعد حق سے منہ موڑ لو ﴿ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ﴾ ''تو جان رکھو کہ اللہ غالب ہے۔'' کہ وہ انتقام لینے میں اس قدر غالب ہے کہ کوئی اس پر غالب نہیں آ سکتا اور نہ کوئی اس سے بھاگ کر کہیں اور جا سکتا ہے۔ ﴿ حَكِيْمٌ ﴿209﴾ ﴾ یعنی وہ اپنے احکام میں، انھیں ختم کرنے اور محکم کرنے میں حکمت والا ہے۔ ابوالعالیہ، قتادہ اور ربیع بن انس کا قول ہے کہ وہ اپنے انتقام میں غالب ہے اور اپنے حکم میں حکمت والا ہے۔[1]

تفسیر آیت:210

ایمان لانے میں تاخیر نہ کرنے کی ترغیب: نبی ﷺ کے ساتھ کفر کرنے والوں کو سرزنش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: ﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ ﴾ ''کیا یہ لوگ اسی بات کے منتظر ہیں کہ اللہ بادلوں کے سائے میں ان کے سامنے چلا آئے اور فرشتے بھی (اتر آئیں۔)'' یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اگلے اور پچھلے لوگوں میں فیصلے کے لیے آئے اور ہر عمل کرنے والے کو اس کے اچھے یا برے عمل کے مطابق صلہ دے۔ اور اسی لیے تو فرمایا ہے: ﴿ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿210﴾ ﴾ ''اور (ان کے) معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۙ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۚ وَجِايْٓءَ يَوْمَىِٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ۬ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ؕ ﴾ (الفجر 89:21-23) ''ہرگز نہیں! جب زمین (کی بلندی) خوب کوٹ کر پست کر دی جائے گی اور آپ کا پروردگار جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے صف در صف آ موجود ہوں گے اور دوزخ اس دن حاضر کی جائے گی تو انسان اس دن متنبہ ہوگا مگر (اب) انتباہ (سے) اسے (فائدہ) کہاں مل سکے گا؟'' اور فرمایا: ﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ ﴾ (الأنعام 6:158) ''یہ اس کے سوا اور کس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود آپ کا پروردگار آئے یا آپ کے پروردگار کی کچھ نشانیاں آئیں؟''

امام ابوجعفر رازی نے ربیع بن انس سے اور انھوں نے ابوالعالیہ سے: ﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 371/2.

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا

پوچھیے بنی اسرائیل سے! ہم نے انھیں کتنی واضح نشانیاں دیں اور جو کوئی اللہ کی نعمت پا لینے کے بعد اسے بدل دیتا ہے تو بے شک

جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿211﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ

اللہ سخت سزا دینے والا ہے ﴿211﴾ جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے لیے دنیا کی زندگی سجا دی گئی ہے اور وہ ان لوگوں سے مذاق کرتے ہیں جو ایمان لائے ہیں

وقف لازم الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿212﴾

اور جو لوگ متقی ہیں وہ قیامت کے دن ان سے بلند مرتبہ ہوں گے اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے ﴿212﴾

﴿الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ فرشتے تو بادل کے سائبانوں میں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے گا جلوہ افروز ہوگا۔[1]

بعض قراءتوں کے مطابق اس آیت کو اس طرح پڑھا گیا ہے: [هَلْ يَنْظُرُوْنَ إِلَّا أَنْ يَّأْتِيَهُمُ اللّٰهُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ] یہ آیت اسی طرح ہے، جیسے حسب ذیل آیت کریمہ ہے: ﴿وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاۗءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰۗىِٕكَةُ تَنْزِيْلًا ۝﴾ (الفرقان 25:25) ''اور جس دن آسمان ابر کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے لگا تار نازل کیے جائیں گے۔''[2]

تفسیر آیات: 212,211

اللہ تعالیٰ کی نعمت کو بدلنے اور مومنوں سے مذاق کرنے کی سزا: اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بارے میں بیان فرما رہا ہے کہ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے کتنے ہی ایسے روشن دلائل و براہین کو دیکھا جو ان کی صداقت کی قطعی دلیل تھے، مثلاً: ید بیضا، عصا کا سانپ بن جانا، سمندر کا پھٹنا، پتھر سے پانی کے چشموں کا نکلنا، گرمی کی شدت میں ان کے سروں پر بادل کا سایہ افگن ہونا، ان پر من وسلویٰ کا نازل ہونا۔ اور اس طرح کی دیگر بہت سی نشانیاں ایک طرف اللہ تعالیٰ فاعل ومختار کے وجود کی روشن دلیل تھیں تو دوسری طرف اس پیغمبر کی صداقت وحقانیت کی دلیل جس کے ہاتھ پر یہ خرق عادت معجزات صادر ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود بنی اسرائیل کی اکثریت نے ان سے اعراض کیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا، یعنی ایمان سے اعراض کر کے کفر کو قبول کر لیا۔

﴿وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿211﴾﴾ ''اور جو شخص اللہ کی نعمت کو اپنے پاس آنے کے بعد بدل دے تو اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار قریش کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝﴾ (ابراھیم 29,28:14) ''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت (ایمان) کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں جا اتارا؟ (یعنی) دوزخ میں، وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے دنیا کی زندگی کو کافروں کے لیے مزین کر دیا ہے اور وہ اس پر راضی اور مطمئن ہو گئے

[1] تفسیر الطبری: 446,445/2. [2] تفسیر الطبری: 446/2.

ہیں۔ اور انھوں نے مال و دولت کے انبار لگانا شروع کر دیے ہیں اور ان مصارف پر خرچ نہیں کرتے جن پر خرچ کرنے کا انھیں حکم دیا گیا تھا تاکہ اللہ ان سے راضی ہو جاتا مگر یہ ان اہل ایمان سے، جو دنیا سے کنارہ کشی کیے ہوئے ہیں، مذاق کرتے ہیں کیونکہ انھیں دنیا کا جو مال حاصل ہو جائے وہ اسے اپنے رب کی طاعت میں خرچ کرتے اور اس کی خوشنودی کے طلب گار رہتے ہیں، لہٰذا روز قیامت یہ سعادتوں اور کامرانیوں سے فیض یاب ہوں گے، حشر نشر میں، چلنے پھرنے میں اور اپنے مقام اور ٹھکانے کے اعتبار سے کفار کی نسبت کہیں بلند ہوں گے کہ انھیں تو اعلیٰ علیین میں بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ درجات پر فائز کیا جائے گا اور کفار جہنم کے انتہائی نچلے درجوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب الٰہی میں مبتلا رہیں گے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ ''اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے رزق عطا فرماتا ہے اور اسے دنیا و آخرت میں بے شمار اور بے حساب رزق سے نوازتا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے: [أَنْفِقُ يَا ابْنَ آدَمَ! أُنْفِقْ عَلَيْكَ] ''اے ابن آدم! تو خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔''[1] اور نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: [أَنْفِقْ بِلَالُ! وَلَاتَخْشَ مِنْ ذِی الْعَرْشِ إِقْلَالًا] ''اے بلال! خوب خوب خرچ کرو اور اس بات کا خوف نہ کھاؤ کہ عرش والا تمھیں محتاج کر دے گا۔''[2] اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ﴾ (سبا 39:34) ''اور تم جو چیز بھی خرچ کرو گے وہ اس کا (تمھیں) عوض دے گا۔''

صحیح حدیث میں ہے: [مَا مِنْ يَوْمٍ يُّصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ ! أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا، وَّيَقُولُ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ ! أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا] ''ہر روز صبح کے وقت دو فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا عوض عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! بخل کرنے والے کے مال کو تباہ و برباد کر دے۔''[3] ایک اور صحیح حدیث میں ہے: [يَقُولُ ابْنُ آدَمَ : مَالِي مَالِي، قَالَ: وَ هَلْ لَّكَ يَا ابْنَ آدَمَ! مِنْ مَّالِكَ إِلَّا مَا أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ ، أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ ، أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ ، وَفِي رِوَايَةٍ: وَّ مَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَّ تَارِكُهٗ لِلنَّاسِ] ''ابن آدم کہتا ہے: میرا مال، میرا مال، حالانکہ تیرا مال تو صرف وہ ہے جسے تو نے کھا لیا اور ہضم کر لیا یا پہن لیا اور بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''اس کے سوا جو ہے تو وہ دنیا سے جانے والا ہے اور تو اسے لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔''[4]

مسند امام احمد میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [اَلدُّنْيَا دَارُمَنْ لَّادَارَ لَهٗ، (وَمَالُ مَنْ لَّامَالَ لَهٗ)، وَلَهَا يَجْمَعُ

---

[1] صحیح البخاری، النفقات، باب فضل النفقة علی الأهل......، حدیث:5352. [2] المعجم الکبیر للطبرانی:342/1، أبوهریرة عن بلال ﷺ، حدیث:1025. [3] صحیح البخاری، الزکاة، باب قول اللّٰه تعالی: ﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ...... ﴾، حدیث:1442 و صحیح مسلم، الزکاة، باب فی المنفق والممسك ، حدیث:1010 عن أبی هریرة ﷺ. [4] صحیح مسلم، الزهد والرقائق، باب: [الدنیا سجن للمؤمن و جنة للکافر]، حدیث:2959,2958 عن عبداللّٰه بن شِخّیر و أبی هریرة ﷺ.

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ

لوگ (پہلے) ایک ہی امت تھے (پھر ان میں اختلافات پیدا ہو گئے) تو اللہ نے نبی بھیجے، خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ اس نے

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ

برحق کتاب نازل کی، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں انھوں نے اختلاف کیا اور اس میں اختلاف انھی لوگوں نے آپس کی

اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا

ضد سے کیا جنھیں کتاب دی گئی تھی، حالانکہ ان کے پاس واضح دلیلیں آ گئی تھیں، پھر جو ایمان لے آئے انھیں اللہ نے اپنے حکم سے اس حق کا راستہ دکھا

فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿213﴾

دیا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا اور اللہ جسے چاہتا ہے، سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے ﴿213﴾

مَنْ لَّا عَقْلَ لَهٗ] ''دنیا تو اس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو، یہ اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو اور اسے وہ جمع کرتا ہے جس میں عقل نہ ہو۔''[1]

تفسیر آیت:213

علم کے بعد اختلاف بغاوت وضلالت کی دلیل ہے: امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح اور حضرت آدم علیہما السلام کے درمیان دس صدیاں تھیں، ان میں سب لوگ شریعت حق کے مطابق عمل پیرا تھے لیکن پھر بعد میں یہ لوگ اختلاف میں مبتلا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے خوش خبریاں سنانے اور اس کے عذاب سے ڈرانے کے لیے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔

امام ابن جریر نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کے مطابق یہ آیت اس طرح ہے: [كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا] ''لوگ (پہلے) ایک ہی امت تھے پھر انھوں نے اختلاف کیا۔''[2] اسے امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔[3] امام ابوجعفر رازی نے ابوالعالیہ سے اور انھوں نے حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ بھی اس آیت کی اسی طرح قراءت فرماتے تھے: [كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَ مُنْذِرِينَ] ''لوگ (پہلے) ایک ہی امت تھے، پھر ان میں اختلافات پیدا ہو گئے تو اللہ نے نبی بھیجے، خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے۔''[4]

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے معمر کے حوالے سے حضرت قتادہ سے روایت کیا ہے کہ ﴿ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ سب لوگ ہدایت پر تھے۔ ﴿ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ ﴾ ''تو اللہ نے پیغمبر بھیجے۔'' سب سے پہلے جس پیغمبر کو مبعوث

---

[1] مسند أحمد: 71/6 عن عائشة رضی اللہ عنہا۔ یہ روایت ضعیف ہے، دیکھیے السلسلة الضعيفة: 1933 اور قوسین والے الفاظ نسخۂ میمنیہ میں نہیں ہیں۔ [2] تفسير الطبرى: 455/2. [3] المستدرك للحاكم، تواريخ المتقدمين......، باب ذكر نوح النبى ﷺ: 546/2 ، حديث: 4009. [4] تفسير الطبرى: 456/2 .

فرمایا وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے۔[1] امام عبدالرزاق ہی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ﴾ ''تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے، اللہ نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو اس کی راہ دکھادی۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[نَحْنُ الْاٰخِرُونَ الْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، نَحْنُ أَوَّلُ النَّاسِ دُخُولًا الْجَنَّةَ ، بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا، وَ أُوتِينَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ ، فَهَدَانَا اللّٰهُ لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ، فَهٰذَا الْيَوْمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهُ ، فَالنَّاسُ لَنَا فِيهِ تَبَعٌ ، فَغَدًا لِّلْيَهُودِ، وَ بَعْدَ غَدٍ لِّلنَّصَارٰى] ''ہم اگرچہ آخر میں آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن ہم پہلے ہوں گے، جنت میں ہم دوسرے لوگوں سے پہلے داخل ہوں گے، گوانھیں کتاب ہم سے پہلے ملی ہے اور ہمیں ان کے بعد ملی ہے۔ انھوں نے جس امر حق میں اختلاف کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ہمیں اس کی راہ دکھادی ہے، (مثلاً:) اس دن میں انھوں نے اختلاف کیا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے بارے میں ہدایت فرمادی ہے، چنانچہ لوگ اس دن (جمعے کے حوالے) سے ہم سے پیچھے ہیں، اس کے بعد کا دن (ہفتہ) یہودیوں کا دن ہے اور اس کے بعد والا دن (اتوار) عیسائیوں کا ہے۔''[2]

ابن وہب نے عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے اور انھوں نے اپنے والد زید بن اسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ لوگوں نے جمعے کے دن کے بارے میں اختلاف کیا تو یہودیوں نے ہفتے کے دن کو اختیار کر لیا اور عیسائیوں نے اتوار کے دن کو مگر اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کو جمعے کے دن کے اختیار کرنے کی ہدایت عطا فرمادی۔ اسی طرح لوگوں نے قبلے کے بارے میں اختلاف کیا تو عیسائیوں نے مشرق کو اور یہودیوں نے بیت المقدس کو قبلہ بنالیا لیکن اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کی بطور قبلہ کعبۃ اللہ کی طرف راہنمائی فرمادی۔

اسی طرح لوگوں نے نماز کے بارے میں اختلاف کیا تو ان میں سے کچھ لوگ اپنی نماز میں رکوع تو کرتے ہیں مگر سجدہ نہیں کرتے اور کچھ سجدہ کرتے ہیں مگر رکوع نہیں کرتے، کچھ لوگ نماز پڑھتے ہوئے باتیں بھی کرتے اور کچھ نماز پڑھتے ہوئے چلتے پھرتے بھی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو صحیح طریقے سے نماز ادا کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اسی طرح لوگوں نے روزے کے بارے میں اختلاف کیا، کچھ لوگ دن کے صرف کچھ حصے کا روزہ رکھتے ہیں اور کچھ لوگ کھانے پینے کی تمام نہیں بلکہ صرف کچھ چیزوں سے روزہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو صحیح صحیح روزہ رکھنے کی ہدایت فرمادی ہے۔ اسی طرح لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا۔ یہودیوں نے کہا کہ وہ یہودی تھے، عیسائیوں نے کہا کہ وہ عیسائی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں ﴿ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ﴾ (آل عمران 3:67) ''سب سے بے تعلق ہو کر ایک (اللہ) کے ہو رہنے والے اور اسی کے فرماں بردار'' قرار دیا ہے۔

---

[1] تفسیر عبدالرزاق:1/330، رقم:244. [2] صحیح البخاری، الجمعة، باب فرض الجمعة، حدیث:876 و صحیح مسلم، الجمعة، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة، حدیث:855 و تفسیر ابن أبی حاتم:2/377 و اللفظ له.

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ

(پھر) کیا تمھارا خیال ہے کہ تم یوں ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تک تمھیں ان لوگوں کے مانند (مشکلیں) پیش نہیں آئیں جو تم سے پہلے

الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ

گزرے، ان کو سختی اور تکلیف پہنچی اور وہ ہلا ڈالے گئے یہاں تک کہ رسول اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے تھے، کہنے لگے: اللہ کی مدد کب (آئے گی؟)

اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ﴿214﴾

آگاہ رہو! بے شک اللہ کی مدد قریب ہی ہے ﴿214﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ صحیح موقف اختیار کرنے کی بھی امت محمدیہ ہی کو ہدایت عطا فرمائی ہے۔ اسی طرح لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی اختلاف کیا، یہودیوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کی والدہ پر بہت بڑا بہتان لگایا۔ اور عیسائیوں نے آپ ہی کو معبود اور اللہ کا بیٹا قرار دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی طرف سے روح اور اپنا کلمہ قرار دیا اور آپ کے بارے میں اس صحیح صحیح موقف اختیار کرنے کی بھی صرف امت محمدیہ ہی کو ہدایت عطا فرمائی۔[1]

﴿ بِاِذۡنِهٖ ؕ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی طرف سے علم عطا فرما کر اور اپنی طرف سے ہدایت سے نواز کر راہ دکھا دی۔ یہ امام ابن جریر کا قول ہے۔[2] ﴿ وَاللّٰهُ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿213﴾ ﴾ ''اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھا دیتا ہے۔'' یعنی اپنی مخلوق میں سے۔ اور اس سلسلے میں صرف اور صرف اسی کا حکم اور اسی کی دلیل کارگر ثابت ہوتی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ ! رَبَّ جِبْرَائِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ، فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ، اِهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ ، إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ] ''اے اللہ! اے جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے رب! آسمانوں اور زمین کو ایجاد کرنے والے! پوشیدہ اور علانیہ کا علم رکھنے والے! جن باتوں میں (تیرے یہ بندے) اختلاف کر رہے ہیں تو ہی ان کا فیصلہ فرمائے گا، اور حق کے بارے میں جو اختلاف دنیا میں ہو رہا ہے اس میں اپنے فضل سے میری رہنمائی فرما، بے شک تو ہی جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔''[3]

اور ایک دعائے ماثور میں یہ الفاظ آئے ہیں: [اَللّٰهُمَّ ! أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا ، وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ ، وَأَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا، وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ ، وَلَا تَجْعَلْهُ مُلْتَبِسًا عَلَيْنَا فَنَضِلَّ ، وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا] ''اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے اجتناب کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اور باطل میں ہمارے لیے التباس پیدا نہ فرما کہیں ہم گمراہ نہ ہو جائیں اور ہمیں اپنے پرہیزگار بندوں کا امام بنا۔''[4]

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 378/2. [2] تفسیر الطبری: 462/2. [3] صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ النبی ﷺ و دعائه باللیل، حدیث: 770. [4] تخریج الإحیاء: 1418/3.

تفسیر آیت:214

فتح ونصرت اور جنت امتحان وآزمائش کے بعد ہی ملتی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ ﴾ ''کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ یوں ہی بہشت میں داخل ہو جاؤ گے؟'' اور تمھارا کوئی امتحان اور آزمائش نہ ہوگی جس طرح کہ تم سے پہلی امتوں کو امتحان وآزمائش کے مراحل سے گزرنا پڑا۔ اور اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ ﴾ ''حالانکہ ابھی تم کو پہلے لوگوں کی سی (مشکلیں) تو پیش آئی ہی نہیں، ان کو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں۔'' مثلاً: بیماریاں، آلام ومصائب، دکھ اور پریشانیاں۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور ابوالعالیہ، مجاہد، سعید بن جبیر، مرہ ہمدانی، حسن، قتادہ، ضحاک، ربیع، سدی اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ الۡبَاۡسَآءُ ﴾ سے مراد فقر ہے۔[1] اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ الضَّرَّآءُ ﴾ سے مراد بیماری ہے۔[2]

﴿ وَزُلۡزِلُوۡا ﴾ ''اور وہ (صعوبتوں میں) ہلا ہلا دیے گئے۔'' یعنی دشمنوں کی طرف سے آنے والی صعوبتوں میں بہت شدید ہلا دیے گئے اور بہت عظیم امتحانوں میں مبتلا کر دیے گئے جیسا کہ حضرت خبّاب بن ارت رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہمارے لیے مدد طلب نہیں کریں گے، کیا آپ ہمارے لیے دعا نہیں فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا: [كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُلَهُ فِي الْأَرْضِ، فَيُجْعَلُ فِيهِ ، فَيُجَاءُ بِالْمِيشَارِ فَيُوضَعُ عَلٰى رَأْسِهٖ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ وَمَا يَصُدُّهٗ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهٖ، وَ يُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَادُونَ لَحْمِهٖ مِنْ عَظْمٍ أَوْعَصَبٍ وَّمَا يَصُدُّهٗ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهٖ، وَاللّٰهِ ! لَيُتِمَّنَّ هٰذَا الْأَمْرَحَتّٰى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلٰى حَضْرَ مَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللّٰهَ ، أَوِ الذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهٖ وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ] ''تم سے پہلے ایک آدمی کے لیے گڑھا کھودا جاتا، پھر اس کو اس میں کھڑا کر کے آرا اس کے سر پر رکھ کر دو حصوں میں چیر دیا جاتا لیکن یہ (اذیت) اسے اس کے دین سے نہ روکتی، اسی طرح کسی کی ہڈیوں یا پٹھوں سے گوشت لوہے کی کنگھیوں کے ساتھ اتار دیا جاتا لیکن یہ (اذیت) بھی اسے دین سے نہ روک سکتی تھی۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور پورا فرمائے گا حتی کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک آئے گا اور اسے اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہ ہوگا حتی کہ اپنی بکریوں کے بارے میں اسے بھیڑیے کا بھی ڈر نہ ہوگا لیکن تم لوگ جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہو۔''[3]

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: ﴿ الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ ○ وَلَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلَيَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَلَيَعۡلَمَنَّ الۡكٰذِبِيۡنَ ○ ﴾ (العنکبوت 29:1-3) ''الٓمّٓ۔ کیا لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے، چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟ اور البتہ تحقیق جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان کو بھی آزمایا تھا (اور ان کو بھی آزمائیں گے)، چنانچہ اللہ ان کو ضرور ظاہر کرے گا جو (اپنے

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:380/2. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:380/2. [3] صحیح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حدیث:3612.

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۛؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى

(اے نبی!) لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے: تم اپنے مال میں سے جو بھی خرچ کرو، اپنے والدین، رشتے داروں،

وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿215﴾

یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے (خرچ کرو) اور تم جو بھلائی بھی کرو گے، تو بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے ﴿215﴾

ایمان میں) سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں۔''

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جنگ احزاب کے دن اس طرح کی زبردست آزمائش سے دوچار ہونا پڑا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ○ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ○ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ○﴾ (الأحزاب 33:10-12) ''جب دشمن تمھارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر (چڑھ) آئے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے، وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلائے گئے اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے تو ہم سے محض دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔''

اور جب ہرقل نے ابوسفیان سے یہ سوال کیا تھا کہ کیا تم نے اس نبی سے جنگ بھی کی ہے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا: ہاں! پھر ہرقل نے پوچھا کہ تمھارے مابین جنگ کیسی رہی ہے؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ جنگ ڈول کے مانند ہے جسے ہم پر انڈیل دیا جاتا ہے اور ہم اس پر انڈیل دیتے ہیں ہرقل نے کہا کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی اسی طرح آزمائش ہوتی ہے اور بالآخر انجام کار فتح و نصرت انھی کی قدم بوسی کرتی ہے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ﴾ کے معنی ہیں: تم سے پہلے لوگوں کے سے حالات جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاَهْلَكْنَاۤ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ○﴾ (الزخرف 43:8) ''تو جو ان میں سخت زور والے تھے ان کو ہم نے ہلاک کر دیا اور اگلے لوگوں کی مثال (حالت) گزر گئی ہے۔'' ﴿وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ﴾ ''یہاں تک کہ پیغمبر اور مومن لوگ جو ان کے ساتھ تھے، سب پکار اٹھے کہ کب اللہ کی مدد (آئے گی)؟'' یعنی وہ اپنے دشمنوں کے خلاف مدد مانگتے تھے اور اس تنگی اور سختی سے جلد نکلنے کے لیے دعائیں کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿214﴾﴾ ''دیکھو! اللہ کی مدد (عن) قریب (آیا چاہتی) ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ○﴾ (الإنشراح 94:5,6) ''پھر بے شک مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ (اور) بے شک مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔'' یعنی جس طرح کی مشکل اور سختی ہوتی ہے فتح و نصرت بھی اسی حساب سے نازل ہوتی ہے۔ اسی لیے تو اللہ

[1] ملخص از صحیح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول اللهﷺ؟......، حديث:7 وحديث: 2804.

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَنْ

تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے اور وہ تمھارے لیے ناگوار ہے اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ

26 ع 6 10 تُحِبُّوا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿216﴾

تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿216﴾

تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿214﴾ ﴾.

تفسیر آیت :215

کس پر خرچ کیا جائے؟ مُقاتل بن حَیّان نے کہا ہے کہ یہ آیت نفلی صدقے کے بارے میں ہے۔[1] اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کس طرح خرچ کریں؟ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے: ﴿ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ ﴾ ”کہہ دیجیے کہ تم اپنے مال میں سے جو بھی خرچ کرنا چاہو تو وہ (درجہ بدرجہ اہل استحقاق، یعنی) ماں باپ کو اور قریب کے رشتے داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو (سب کو) دو۔“ یعنی ان تمام پر خرچ کرو جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے: [أُمَّكَ وَأَبَاكَ، أُخْتَكَ وَأَخَاكَ ، ثُمَّ أَدْنَاكَ أَدْنَاكَ] ”اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بہن، اپنے بھائی، پھر درجہ بدرجہ قریبی رشتے داروں پر (خرچ کرو۔)“[2]

میمون بن مہران نے اس آیت کی تلاوت کی تو فرمایا کہ یہ ہیں خرچ کرنے کے مقامات اور ان میں کسی طبلے، بانسری، لکڑی کی تصویروں اور دیواروں کے پردوں وغیرہ پر خرچ کرنے کا ذکر نہیں ہے۔[3] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿215﴾ ﴾ ”اور جو بھلائی تم کرو گے، اللہ اس کو جانتا ہے۔“ یعنی تم سے جس نیک کام کا بھی صدور ہو گا اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے اور اس کی وہ تمھیں پوری پوری جزا بھی دے گا کیونکہ وہ کسی پر بھی ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔

تفسیر آیت :216

جہاد کا وجوب: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جہاد کو واجب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اسلام کی سرحدوں سے دشمنوں کے شر کو روکیں۔ امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جہاد ہر مسلمان پر واجب ہے، خواہ وہ جہاد کرے یا بیٹھ رہے۔ بیٹھ رہنے والے پر واجب ہے کہ جب اس سے مدد طلب کی جائے تو وہ مدد کرے جب اس سے فریاد رسی کی جائے تو وہ فریاد رسی کرے جب اس سے جہاد کے لیے نکلنے کا مطالبہ کیا جائے تو وہ جہاد کے لیے نکلے اور اگر اس کی جہاد کے لیے ضرورت نہ ہو تو پھر بے شک بیٹھ رہے۔ اسی لیے صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے: [مَنْ مَّاتَ وَلَمْ يَغْزُ ، وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ ، مَاتَ عَلَى شُعْبَةٍ مِّنْ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:381/2. [2] صحیح ابن حبان ، التاریخ، باب کتب النبي ﷺ:519/14، حدیث:6562 مطوّلًا و المستدرك للحاکم، معرفة الصحابة، باب ذکر صعصعة بن ناجیة المجاشعي ﷺ:611/3، حدیث:6563. [3] تفسیر ابن أبي حاتم:381/2.

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

(اے نبی!) لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑائی کیسی ہے؟ کہہ دیجیے: اس میں لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور

وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ

لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا اور اللہ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے (روکنا) اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی

الْقَتْلِ ؕ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَ مَنْ

بڑا (گناہ) ہے اور فتنہ انگیزی قتل سے کہیں بڑا گناہ ہے۔ اور وہ (کافر) تو ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو وہ تمھیں تمھارے

يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

دین سے پھیر دیں اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے پھر وہ حالت کفر ہی پر مر جائے تو انھی لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت (دونوں) میں

وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿217﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ

برباد ہو گئے اور وہ لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿217﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی

هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿218﴾

راہ میں جہاد کیا، وہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے ﴿217﴾

نِّفَاقٍ] ''جو شخص مر جائے اور وہ جہاد نہ کرے اور نہ اس کے دل میں جہاد کا خیال آئے تو وہ نفاق کی ایک حالت پر مرا۔''[1]
نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا: [لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ ، وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ وَّ إِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا] ''فتح مکہ کے بعد اب ہجرت تو نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت باقی ہے اور جب تم سے جہاد کے لیے نکلنے کا مطالبہ کیا جائے تو جہاد کے لیے نکل پڑو۔''[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ ﴾ ''اور وہ تمھیں ناگوار تو ہوگا۔'' یعنی وہ تمھیں بہت شدید اور پر مشقت معلوم ہوگا اور اس میں واقعی سختی اور مشقت ہے کیونکہ اس میں سفر کی مشقت اور دشمنوں کے مقابلے کی مشقت کے بعد انسان قتل ہو جاتا ہے یا زخمی، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ ﴾ ''مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمھارے حق میں بھلی ہو۔'' کیونکہ قتال کے بعد انسان کو نصرت، دشمن پر فتح اور دشمن کے شہروں، مالوں اور اولاد پر غلبہ و تسلط حاصل ہو جاتا ہے۔

فرمایا: ﴿ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ ﴾ ''اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمھارے لیے مضر ہو۔'' یہ ایک عام حکم ہے جس کا تمام امور سے تعلق ہو سکتا ہے کہ انسان ایک چیز کو اپنے لیے پسند کرتا ہے مگر ممکن ہے کہ اس میں کوئی خیر و بھلائی اور مصلحت نہ ہو، مثلاً: دشمن سے جنگ نہ کرنے اور بیٹھ رہنے کو انسان پسند کرتا ہے لیکن اس کے نتیجے میں دشمن علاقے کو

[1] صحیح مسلم، الإمارة، باب ذم من مات ولم يغز......، حدیث:1910. [2] صحیح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل الجهاد والسير، حدیث:2783.

فتح کر کے حکمران بن سکتا ہے، پھر فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور (ان باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' یعنی تمھاری نسبت تمھارے امور کے انجام کو وہ زیادہ بہتر جانتا ہے اور وہ تمھیں وہ باتیں بتاتا ہے جو دنیا و آخرت کے اعتبار سے تمھارے لیے بہتر ہیں، لہٰذا اس کے حکم پر لبیک کہو اور اسی کے فرمان کے سامنے سر اطاعت خم کر دو، اسی میں تمھاری بہتری و بھلائی ہے۔

تفسیر آیات:218,217

سَرِیَّہ نَخلَہ اور حرمت والے مہینے میں قتال: امام ابن ابو حاتم نے حضرت جُندُب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا اور اس پر ابوعبیدہ بن جرّاح رضی اللہ عنہ کو قائد مقرر کیا جب وہ روانہ ہونے لگے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے فراق کی وجہ سے رونے لگ گئے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی جگہ پر عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیا اور ایک دستاویز لکھ کر انھیں دی اور فرمایا: ''اس دستاویز کو فلاں مقام پر پہنچنے سے پہلے نہ پڑھنا'' اور آپ نے یہ بھی فرمایا: [لَا تُكْرِهَنَّ أَحَدًا عَلَى السَّيْرِ مَعَكَ مِنْ أَصْحَابِكَ] ''اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ جانے پر مجبور نہ کرنا۔'' جب انھوں نے دستاویز کو پڑھا تو ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ (البقرۃ2:156) پڑھنے لگ گئے اور کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول کا فرمان سر آنکھوں پر، پھر انھوں نے اپنے ساتھیوں کو صورت حال سے آگاہ کیا، نبی ﷺ کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا تو ان میں سے دو آدمی واپس آ گئے اور باقی ان کے ساتھ ہی رہے۔ ابن الحَضْرَمی سے ان کی ملاقات ہوئی تو اسے انھوں نے قتل کر دیا اور انھیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ دن رجب کا ہے یا جُمادیٰ کا۔ مشرکوں نے مسلمانوں سے کہا کہ تم نے تو حرمت والے مہینے میں لڑائی کی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ ﴾ ''(اے نبی!) لوگ آپ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں؟ آپ کہہ دیں: ان میں لڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔''[1]

''سیرۂ نبویہ'' کے راوی عبدالملک بن ہشام نے زیاد بن عبداللہ بَکّائی سے اور انھوں نے محمد بن اسحاق بن یَسار مدنی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے کہ بدر اولیٰ سے واپسی کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن جحش بن رِئاب اسدی کو رجب میں آٹھ مہاجر صحابہ کے ساتھ بھیجا، ان میں ایک بھی انصاری نہ تھا، آپ نے عبداللہ کو خط بھی لکھ کر دیا اور حکم دیا کہ دو دن تک چلتے رہنے سے پہلے اس خط کو نہ دیکھا جائے۔ دو دن کے بعد اسے دیکھے، پھر اس میں جو کچھ لکھا ہے اس کے مطابق عمل کرے اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو مجبور نہ کرے۔

عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے ان تمام ساتھیوں کا تعلق مہاجرین سے تھا۔ بنی عبد شمس بن عبد مَناف میں سے ابوحُذَیفہ بن عُتْبَہ بن رَبیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف تھے اور ان کے حلیفوں میں سے خود امیر قوم عبداللہ بن جحش تھے اور عُکّاشَہ بن مِحْصَن بھی ان کے حلیفوں میں سے تھے جو بنی اسد بن خُزَیمہ میں سے تھے اور بنی نوفل بن عبد مناف میں سے عُتْبَہ بن غَزْوان بن جابر تھے جو

[1] تفسير ابن أبي حاتم:384/2.

انھی کے حلیف تھے۔ بنی زُہرہ بن کِلاب میں سے سعد بن ابو وقاص تھے۔ بنی عدی بن کعب میں سے عامر بن ربیعہ تھے جو عَنَز بن وائل کی طرف سے ان کے حلیف تھے اور وَاقِد بن عبداللہ بن عبد مناف بن عَرِین بن ثعلبہ بن یَرْبُوع، بنی تمیم میں سے تھے اور ان کے حلیف تھے۔ اور خالد بن بُکَیر کا تعلق بنی سعد بن لیث سے تھا اور وہ بھی ان کے حلیف تھے، بنی حارث بن فِہر سے سُہَیل ابن بیضاء تھے۔

عبداللہ بن جحش نے دو دن تک چلنے کے بعد نامہ مبارک کو کھولا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ جب میرے اس خط کو دیکھو تو بدستور آگے بڑھتے جاؤ حتی کہ مکہ و طائف کے درمیان مقام نخلہ پر پڑاؤ ڈال لو اور قریش کے حالات پر نظر رکھو اور ہمیں ان کے حالات کے بارے میں مطلع کرو۔ عبداللہ بن جحش نے جب نامہ مبارک کو پڑھا تو کہا: چشم ما روشن دل ما شاد! پھر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ میں نخلہ جاؤں، قریش پر نظر رکھوں اور ان کے حالات کو معلوم کروں لیکن آپ نے مجھے اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ میں تم میں سے کسی کو مجبور کروں جو شخص شہادت کا طلب گار ہو تو وہ میرے ساتھ چلے اور جو ناپسند کرے وہ لوٹ جائے لیکن میں تو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی تعمیل میں آگے جا رہا ہوں، چنانچہ وہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے اور ان کے تمام ساتھی بھی ان کے ہمراہ تھے، ان میں سے کوئی ایک بھی واپس نہ گیا۔

یہ حجاز کی طرف چلے حتی کہ جب مَعْدِن (کان) میں پہنچے جو فُرُع سے آگے ہے جسے بُحران کہا جاتا تھا تو سعد بن ابو وقاص اور عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے چلے آرہے تھے تو وہ اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئے مگر عبداللہ بن جحش اور ان کے باقی ساتھی آگے چلتے گئے حتی کہ وہ مقام نخلہ پہنچ گئے، ان کے پاس سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ گزرا جو کشمش اور کھانے پینے کا دیگر سامان لیے جا رہا تھا۔ اس تجارتی قافلے میں عمرو بن حضرمی بھی تھا۔ حضرمی کا نام عبداللہ بن عباد تھا جو خاندان صَدَف میں سے تھا، نیز اس میں عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ مخزومی اور ہشام بن مغیرہ کا غلام حکم بن کیسان تھا۔ جب انھوں نے انھیں دیکھا تو ڈر گئے اور انھوں نے ان کے قریب ہی پڑاؤ ڈالا تھا۔ عُکّاشہ بن محصن نے انھیں جھانک کر دیکھا، انھوں نے اپنا سر منڈایا ہوا تھا۔ انھوں نے جب انھیں دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ تو عمرہ کرنے والے لوگ ہیں، لہٰذا ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے بارے میں مشورہ کیا، یہ ماہ رجب کا آخری دن تھا، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اگر تم نے انھیں آج رات چھوڑ دیا تو یہ حرم میں داخل ہو جائیں گے اور تم سے محفوظ ہو جائیں گے اور اگر تم ان سے لڑائی کرتے ہو تو یہ حرمت والا مہینہ ہے، لہٰذا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تردد میں تھے اور ان پر حملہ کرنے سے ڈرتے تھے، پھر انھوں نے دل گردے کو مضبوط کیا اور اس بات کا فیصلہ کیا کہ ان میں سے جو قابو آجائے اسے قتل کر دیا جائے اور اس کے مال کو چھین لیا جائے، اس کے بعد واقد بن عبداللہ تمیمی نے عمرو بن حضرمی کو تیر کا نشانہ بنایا اور اسے قتل کر دیا اور عثمان بن عبداللہ اور حَکَم بن کَیْسان کو گرفتار کر لیا، نوفل بن عبداللہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور اس نے انھیں عاجز کر دیا۔ عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھی اس قافلے اور دونوں

قیدیوں کو لے کر مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے خاندان سے بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ ہم نے جو مال غنیمت حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے، حالانکہ اس وقت مال غنیمت میں سے خُمس فرض ہی نہیں ہوا تھا۔ بہر حال انھوں نے پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے الگ کر دیا اور باقی اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ یہ لوگ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: [مَا أَمَرْتُكُمْ بِقِتَالٍ فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ] ''میں نے تمھیں حرمت والے مہینے میں لڑنے کا تو حکم نہیں دیا تھا۔'' قافلہ اور دونوں قیدی کھڑے تھے اور آپ نے ان میں سے کسی کو لینے سے انکار فرما دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے جب یہ فرمایا تو ان لوگوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور انھوں نے خیال کیا کہ وہ تباہ و برباد ہو گئے، مسلمانوں نے بھی انھیں برا بھلا کہا۔ ادھر قریش نے بھی یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے تو حرمت والے مہینے کو بھی حلال قرار دے لیا ہے، اس میں خون بہایا ہے، اموال چھین لیے ہیں اور لوگوں کو قیدی بنا لیا ہے۔ ان کے جواب میں مکہ میں موجود مسلمان یہ کہتے کہ انھوں نے یہ سب کچھ رجب میں نہیں کیا بلکہ شعبان میں کیا ہے۔ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بدشگونی پکڑتے ہوئے کہا کہ عمرو بن حضرمی کو واقد بن عبداللہ نے قتل کیا ہے (اور ان کے ناموں سے اس طرح بدشگونی لی:) عَمْرٌو، عَمَرَتِ الْحَرْبُ ''عمرو، گویا میدان جنگ آباد ہو گیا'' والْحَضْرَمِيُّ، حَضَرَتِ الْحَرْبُ ''حضرمی، گویا (اب) جنگ پیش آ گئی۔'' اور وَاقِدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ، وَقَدَتِ الْحَرْبُ ''واقد بن عبداللہ، گویا لڑائی بھڑک اٹھی۔'' مگر یہ تمام چیزیں اللہ نے انھیں کے خلاف کر دیں، ان کے حق میں نہیں کیں۔

جب لوگوں نے اس کے بارے میں زیادہ ہی باتیں کرنا شروع کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں اپنے رسول ﷺ پر یہ وحی نازل فرما دی: ﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ ﴾ ''(اے نبی!) لوگ آپ سے عزت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے کہ ان میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس سے کفر کرنا اور مسجد حرام (خانہ کعبہ میں جانے) سے (بند کرنا) اور اہل مسجد کو اس میں سے نکال دینا (جو یہ کفار کرتے ہیں) اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ (گناہ) ہے اور فتنہ انگیزی خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔'' یعنی اگر تم نے حرمت والے مہینے میں لڑائی کی ہے تو انھوں نے تمھیں اللہ کے رستے سے روکا اور اس کے ساتھ کفر بھی کیا ہے، نیز انھوں نے تو تمھیں مسجد حرام سے بھی روکا اور اس سے نکالا ہے، حالانکہ تم اہل مسجد حرام ہو اور یہ سب باتیں اس کے قتل سے بڑی ہیں جسے تم نے قتل کیا ہے۔

﴿ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ ﴾ ''اور فتنہ انگیزی خونریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔'' یعنی یہ لوگ تو مسلمانوں کو اس قدر

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ

(اے نبی!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں؟ کہہ دیجیے: ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے (کچھ) فائدہ

وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ

بھی ہے اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بہت بڑا ہے اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں: کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے: جو ضرورت سے زائد ہو۔ اللہ

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ؁ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

تمھارے لیے اپنے احکام اسی طرح بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو (219) دنیا اور آخرت دونوں کی بابت۔ اور لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے

الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

ہیں، کہہ دیجیے: ان کی اصلاح کرنا ان کے لیے بہت بہتر ہے اور اگر تم اپنا اور ان کا خرچ اور رہن سہن اکٹھا رکھو تو وہ تمھارے بھائی ہی ہیں اور اللہ جانتا ہے

الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ؁

کہ فساد کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون اور اگر اللہ چاہتا تو تمھیں تکلیف میں ڈال دیتا، بے شک اللہ بہت زبردست ہے، خوب حکمت والا (220)

فتنہ انگیزی میں مبتلا کر دیتے تھے کہ بعض ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹ جاتے۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے ہاں قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ ﴿وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ﴾ ''اور یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر مقدور رکھیں تو تم کو تمھارے دین سے پھیر دیں۔'' یعنی یہ لوگ تو بہت خبیث اور بہت بڑی بات پر قائم ہیں، اس سے توبہ بھی نہیں کرتے اور نہ اس بات کو ترک کرتے ہیں۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب اس کے بارے میں قرآن مجید میں حکم نازل ہو گیا اور مسلمان جس مشکل میں مبتلا تھے، اللہ تعالیٰ نے اسے دور فرما دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس قافلے اور دونوں قیدیوں کو اپنے قبضے میں لے لیا تو قریش نے عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کی رہائی کے لیے آپ کی خدمت میں فدیہ بھیجا تو آپ نے فرمایا: [لَا نُفْدِيكُمُوهَا حَتّٰى يَقْدَمَ صَاحِبَانَا يَعْنِي سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ وَّعُتْبَةَ بْنَ غَزْوَانَ ، فَإِنَّا نَخْشَاكُمْ عَلَيْهِمَا، فَإِنْ تَقْتُلُوهُمَا نَقْتُلُ صَاحِبَيْكُمْ] ''ہم اس وقت تک ان کو فدیہ لے کر رہا نہیں کریں گے جب تک ہمارے دونوں ساتھی، یعنی سعد بن ابو وقاص اور عتبہ بن غزوان ہمارے پاس نہیں آ جاتے کیونکہ ہمیں یہ خدشہ ہے کہ تم انھیں نقصان پہنچاؤ گے لیکن یاد رکھو کہ اگر تم نے ہمارے ان دونوں ساتھیوں کو قتل کیا تو ہم تمھارے ان دونوں آدمیوں کو قتل کر دیں گے۔'' چنانچہ سعد اور عتبہ خیریت سے واپس آ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فدیہ لے کر قریش کے دونوں آدمیوں کو رہائی عطا فرما دی۔

ان میں سے حکم بن کیسان تو مُشَرَّف بہ اسلام بھی ہو گیا تھا اور بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا، اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ہی اقامت اختیار کر لی تھی حتی کہ بئر معونہ کے دن جام شہادت نوش کیا۔ اللہ ان سے راضی ہو۔ اور عثمان بن عبداللہ مکہ میں واپس چلا گیا تھا اور وہاں حالت کفر میں فوت ہوا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ نزول قرآن کے بعد جب عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی یہ مشکل دور ہو گئی تو انھیں

اجر وثواب کی بھی امید ہوگئی اور انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم یہ امید رکھیں کہ ہمارا یہ عمل جہاد ہے اور ہمیں مجاہدین کا اجر وثواب ملے گا؟ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کے لیے وطن چھوڑ گئے اور (کفار سے) جنگ کرتے رہے، وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا (اور) رحمت کرنے والا ہے۔'' اس طرح اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رحمت کے عظیم ترین امیدوار قرار دیا۔[1]

تفسیر آیات:220,219

شراب کی حرمت کا حکم تدریجاً نازل ہوا: امام احمد رحمہ اللہ نے ابومَیسَرہ سے اور انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جن دنوں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے والا تھا تو انھوں نے کہا کہ اے اللہ! شراب کے بارے میں ہمارے لیے شافی حکم بیان فرما دے۔ جب سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوگئی: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ ﴾ ''(اے پیغمبر!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے کہ ان دونوں میں نقصان بڑے ہیں۔'' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی تو انھوں نے کہا: اے اللہ! شراب کے بارے میں ہمارے لیے شافی حکم بیان فرما دے تو پھر سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوگئی: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ﴾ (النسآء4:43) ''مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے پاس نہ جاؤ۔'' اس آیت کے نزول کے بعد جب نماز کھڑی ہونے لگتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک منادی یہ اعلان کر دیتا کہ کوئی نشے والا نماز کے پاس نہ جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کے سامنے اس آیت کو پڑھا گیا تو انھوں نے پھر یہی کہا: اے اللہ! شراب کے بارے میں ہمارے لیے شافی حکم بیان فرما دے تو پھر وہ آیت نازل ہوئی جو سورۂ مائدہ میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر جب اس آیت کو پڑھا گیا اور اس آیت کے آخر میں یہ الفاظ آئے: ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ ﴾ (المآئدۃ5:91) ''پھر کیا تم ان (برے کاموں) سے باز آتے ہو؟'' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا ''ہم ان سے باز آ گئے، ہم ان سے باز آ گئے۔''[2] امام ابوداود، ترمذی اور نسائی نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صالح اور صحیح ہے۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔[4] امام احمد نے اس حدیث کو بطریق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی روایت کیا ہے۔[5] ہم سورۂ مائدہ کی آیت کریمہ: ﴿ يٰٓاَيُّهَا

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام، سَرِيّة عبدالله بن جحش: 2/601-605 و السيرة النبوية لابن خلدون، سرية عبدالله بن جحش: 1/115، 116. [2] مسند أحمد: 1/53. [3] سنن أبي داود، الأشربة، باب تحريم الخمر، حديث: 3670 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المائدة، حديث: 3049 و سنن النسائي، الأشربة، باب تحريم الخمر، حديث: 5542. [4] فتح الباري، تحت حديث: 4620 و تحفة الأحوذي، تحت حديث: 3050. [5] مسند أحمد: 2/351، 352.

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿ (المآئدة 90:5) کی تفسیر میں اسے بیان کریں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ ﴾ ''(اے پیغمبر!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔'' یہاں خَمر سے مراد جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے، ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے جیسا کہ سورۂ مائدہ (آیت:90) میں اس کا بیان آئے گا۔ اور مَیسِر سے مراد جوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ؗ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ ان دونوں میں نقصان بڑے ہیں اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔'' یعنی ان کے نقصانات دین کے اعتبار سے ہیں جبکہ فوائد کا تعلق دنیا سے ہے کہ یہ بدن کو فائدہ پہنچاتی ہے، کھانے کو ہضم کرتی، جسم سے فضلات کو نکالتی، بعض ذہنوں کو جلا بخشتی اور لذت وسرور پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح خرید وفروخت کی صورت میں اس سے دنیوی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح جوئے سے حاصل ہونے والی رقم کو انسان اپنے نفس یا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے لیکن یہ فوائد ومنافع ان واضح اور نمایاں نقصانات کے مقابلے میں بالکل ہیچ ہیں جو اس سے دین اور عقل کو پہنچتے ہیں۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ ﴾ ''مگر ان دونوں کے نقصان ان کے فائدے سے کہیں زیادہ ہیں۔'' یہ آیت کریمہ شراب کو قطعی طور پر حرام کیے جانے سے قبل اس کی حرمت کی تمہید تھی۔ اس میں حرمت کو صراحت کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا بلکہ صرف اشارہ کیا گیا تھا۔ اسی لیے جب اس آیت کریمہ کو پڑھا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''اے اللہ! شراب کے بارے میں ہمارے لیے شافی حکم بیان فرمادے۔'' حتی کہ پھر سورۂ مائدہ کی ان آیات کریمہ میں صراحت کے ساتھ شراب کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا گیا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ○ ﴾ (المآئدة 91,90:5) ''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور آستانے اور فال نکالنے کے تیر، سب ناپاک کام ہیں اور شیطان کے عمل سے ہیں، چنانچہ تم ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمھارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمھیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے، پھر کیا تم (ان کاموں سے) باز آتے ہو؟'' اس مسئلے کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بحث ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ مائدہ (آیت:91) میں ہوگی۔ وَبِهِ الثِّقَةُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، امام شعبی، مجاہد، قتادہ، ربیع بن انس اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ بیان فرماتے ہیں کہ شراب کے بارے میں پہلی آیت تو یہی نازل ہوئی ہے: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ ﴾ پھر اس کے بعد سورۂ نساء کی آیت نازل ہوئی، پھر سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی جس نے شراب کو قطعی طور پر حرام قرار دے دیا۔[1]

---

[1] تفسیر الطبری:2/491-495.

ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے کا حکم: ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ﴾ ''اور یہ (بھی) آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کون سا مال خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجیے کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔'' میں ﴿ الْعَفْوَ ؕ﴾ کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور اسے دونوں طرح پڑھنا ہی صحیح ہے۔

حَکَم نے مِقْسَم سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو تمھارے اہل و عیال کی ضرورت سے زیادہ ہو۔[1] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، امام مجاہد، عطاء، عکرمہ، سعید بن جبیر، محمد بن کعب، حسن، قتادہ، قاسم، سالم، عطاء خُراسانی، ربیع بن انس رحمہم اللہ اور دیگر کئی ائمہ تفسیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

امام ابن جریر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک دینار ہے، فرمایا: [أَنْفِقْهُ عَلٰى نَفْسِكَ ، قَالَ : عِنْدِي اٰخَرُ ، قَالَ: أَنْفِقْهُ عَلٰى أَهْلِكَ ، قَالَ: عِنْدِي اٰخَرُ ، قَالَ : أَنْفِقْهُ عَلٰى وَلَدِكَ ، قَالَ: عِنْدِي اٰخَرُ ، قَالَ: فَأَنْتَ أَبْصَرُ] ''اپنے آپ پر اسے خرچ کرلو، اس نے عرض کی کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے، فرمایا: اسے اپنے اہل پر خرچ کرلو، اس نے عرض کی: میرے پاس ایک اور بھی ہے، فرمایا: اسے اپنی اولاد پر خرچ کرلو، اس نے عرض کی: میرے پاس ایک اور بھی ہے تو آپ نے فرمایا: اس کے بارے میں تم ہی زیادہ بہتر جانتے ہو۔''[3] اس حدیث کو امام مسلم نے بھی صحیح میں بیان فرمایا ہے۔[4]

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: [اِبْدَأْ بِنَفْسِكَ فَتَصَدَّقْ عَلَيْهَا ، فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ فَلِأَهْلِكَ ، فَإِنْ فَضَلَ عَنْ أَهْلِكَ شَيْءٌ فَلِذِي قَرَابَتِكَ ، فَإِنْ فَضَلَ عَنْ ذِي قَرَابَتِكَ شَيْءٌ فَهٰكَذَا وَهٰكَذَا] ''اپنے آپ سے آغاز کرو اور اپنے اوپر خرچ کرو، اگر کچھ بچ جائے تو اسے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو اور اگر اہل و عیال پر خرچ کرنے کے بعد کچھ بچ رہے تو اسے اپنے رشتے داروں پر خرچ کر دو اور اگر رشتے داروں پر خرچ کرنے کے بعد بھی بچ رہے تو اسے ادھر ادھر خرچ کر دو۔''[5]

حدیث میں یہ بھی آیا ہے: [يَا ابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ أَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَّكَ ، وَأَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَّكَ، وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ] ''اے ابن آدم! اگر تم ضرورت سے زیادہ کو خرچ کر دو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر اسے روک رکھو تو یہ تمھارے لیے بدتر ہے اور بقدر ضرورت رکھنے پر تمھیں ملامت نہیں کی جائے گی۔''[6]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١٩﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ﴾ ''اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنے احکام کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو (یعنی) دنیا اور آخرت کی باتوں میں (غور کرو۔)'' یعنی اللہ تعالیٰ نے جس طرح ان احکام کو تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اسی طرح وہ اپنے احکام اور وعدہ وعید سے متعلق

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:393/2. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:393/2. [3] تفسیر الطبری:497/2. [4] یہ حدیث صحیح مسلم میں ہمیں نہیں ملی، سنن أبي داود، الزکاة باب في صلة الرحم، حدیث:1691 میں ہے۔ [5] صحیح مسلم، الزکاة، باب الابتداء في النفقة بالنفس ......، حدیث:997. [6] صحیح مسلم، الزکاة، باب بیان أن الید العلیا خیر من الید السفلی......، حدیث:1036.

تمام آیات کو کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم دنیا و آخرت کی ان تمام باتوں پر غور و فکر کرو۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: تاکہ تم یہ سوچو کہ دنیا زوال پذیر ہو جانے والی اور فانی ہے اور آخرت ابدی و سرمدی اور باقی رہنے والی ہے۔[1]

یتیموں کے اموال کی اصلاح: اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ ﴾ ''اور لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں بھی دریافت کرتے ہیں، کہہ دیں کہ ان کی (حالت کی) اصلاح بہت اچھا کام ہے اور اگر تم ان سے مل جل کر رہنا (خرچ اکٹھا رکھنا) چاہو تو وہ تمھارے بھائی ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ خرابی کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو تکلیف میں ڈال دیتا۔''

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ (الأنعام6:152 و بنی إسرآء يل17:34) ''اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو۔'' اور یہ آیت کریمہ: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِھِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ ﴾ (النسآء4:10) ''بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور وہ جلد دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔'' نازل ہوئی تو جن لوگوں کے پاس یتیم تھے انھوں نے اپنا کھانا پینا ان کے کھانے پینے سے الگ کر لیا اور اگر یتیم کے کھانے پینے کی کوئی چیز بچ جاتی تو اسے اسی طرح سنبھال کر رکھ دیتے حتی کہ اسے خود یتیم ہی کھاتا یا پھر وہ چیز خراب ہو جاتی تو یہ صورت حال انھیں بہت گراں محسوس ہوئی اور اس کا انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ ﴾ ''اور لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں بھی دریافت کرتے ہیں کہہ دیجیے کہ ان کی (حالت کی) اصلاح بہت اچھا کام ہے اور اگر تم ان سے مل جل کر رہنا (خرچ اکٹھا رکھنا) چاہو تو وہ تمھارے بھائی ہیں۔'' تو اس کے بعد انھوں نے اپنا کھانا پینا اکٹھا کر لیا۔[2]

اسی طرح امام ابوداود اور نسائی نے اور حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔[3] امام مجاہد، عطاء، شعبی، ابن ابولیلیٰ، قتادہ اور ائمۂ سلف و خلف میں سے کئی ایک نے اس آیت کا شان نزول یہی بتایا ہے۔[4] امام وکیع بن جراح نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں اس بات کو ناپسند کرتی ہوں کہ میرے پاس یتیم کا مال الگ تھلگ پڑا رہے بلکہ میں اس بات کو پسند کرتی ہوں کہ اس کے کھانے پینے کی چیزوں کو اپنی چیزوں کے ساتھ ملا کر اکٹھا رکھوں۔[5]

پس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَيْرٌ ۭ ﴾ ''آپ کہہ دیں کہ ان کی اصلاح ہو سکے تو یہ بہت اچھا ہے۔'' ﴿ وَاِنْ

---

① تفسير الطبرى:502/2. ② تفسير الطبرى:503/2. ③ سنن أبي داود، الوصايا، باب مخالطة اليتيم في الطعام، حديث:2871 وسنن النسائي، الوصايا، باب ماللوصي من مال اليتيم إذا قام عليه؟ حديث:3699 والمستدرك للحاكم، الجهاد:103/2، حديث:2499. ④ تفسير الطبرى:503/2-505. ⑤ تفسير الطبرى:507/2.

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا

اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ ایک ایمان والی لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمھیں بھلی ہی

تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ

لگے اور تم (مسلمان عورتیں) مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ مومن غلام مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمھیں بھلا

يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ

ہی لگے۔ یہ (مشرک لوگ) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے تمھیں جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور وہ لوگوں کے لیے اپنی آیتیں

27 ع 5 11 لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ع ﴿221﴾

بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿221﴾

﴿ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ ﴾ یعنی ان کے کھانے پینے کی چیزوں کو اپنے کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ ملا لو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ تمھارے دینی بھائی ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ ﴾ ''اور اللہ خوب جانتا ہے کہ خرابی کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون؟'' یعنی اللہ جانتا ہے کہ خرابی کا قصد وارادہ اور نیت کس کی ہے اور اصلاح کا ارادہ ونیت کس کی ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿220﴾ ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو تکلیف میں ڈال دیتا بے شک اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔'' یعنی اگر اللہ چاہتا تو تم کو تنگی اور مشکل میں ڈال دیتا لیکن اس نے توسع اور تخفیف سے کام لیا ہے اور احسن انداز میں یتیموں کے ساتھ مل جل کر رہنے اور خرچ اکٹھا رکھنے کو جائز قرار دے دیا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ (الأنعام 152:6) ''اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے جو بہت ہی پسندیدہ ہو۔'' بلکہ اللہ تعالیٰ نے فقیر کے لیے تو دستور کے مطابق یتیم کے مال سے کھانا بھی جائز قرار دے دیا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اگر اس کے لیے ممکن ہو تو وہ اس کے عوض اسے مال دے دے اور اگر معاوضہ دینا اس کے لیے ممکن نہ ہو تو پھر مفت بھی کھا سکتا ہے جیسا کہ اس کا بیان تفصیل کے ساتھ سورۂ نساء (آیت:10 کے ذیل) میں آئے گا۔ إن شاء اللّٰہ.

تفسیر آیت:221

مشرک مردوں اور عورتوں سے نکاح حرام ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے یہ حرام قرار دیا ہے کہ وہ بت پرست مشرک عورتوں سے نکاح کریں۔ اگرچہ اس آیت کریمہ میں حکم عام ہے اور یہ ہر مشرک عورت کے لیے ہے، خواہ وہ کتابی ہو یا بت پرست لیکن اللہ تعالیٰ نے حسب ذیل آیت کریمہ میں اہل کتاب کی عورتوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے: ﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ﴾ (المآئدة 5:5) ''اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں) جبکہ تم ان کا مہر دے دو اور ان سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو نہ کہ کھلی

بدکاری کرنی۔“

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾ ”اور (مومنو!) تم مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں نکاح نہ کرو“ سے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔[1] امام مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، مکحول، حسن، ضحاک، زید بن اسلم، ربیع بن انس رحمہم اللہ اور دیگر کئی اہل علم کا بھی یہی قول ہے۔[2] دوسرا قول یہ ہے کہ مشرکوں سے یہاں مراد بتوں کے پجاری ہیں،[3] اہل کتاب یہاں مراد ہی نہیں ہیں اور اس قول کے معنی پہلے قول کے قریب ہی ہیں۔ واللہ أعلم.

امام ابوجعفر بن جریر رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمانے کے بعد کہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے جواز پر اجماع ہے، لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے مکروہ سمجھا ہے تاکہ لوگوں کی مسلمان عورتوں سے دلچسپی ختم نہ ہو جائے، نیز کچھ دیگر مصلحتوں کی وجہ سے انھوں نے اسے مکروہ سمجھا ہے۔[4] جیسا کہ ابوکریب نے شقیق سے روایت کیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جب ایک یہودی عورت سے شادی کر لی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں لکھا کہ اس عورت کو الگ کر دو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اسے الگ تو کر دیا مگر انھوں نے آپ سے پوچھا: کیا آپ کے خیال میں یہ حرام ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں میرے خیال میں یہ حرام تو نہیں لیکن مجھے خدشہ ہے کہیں تم ان کی بدکار عورتوں سے شادی نہ کرنے لگ جاؤ۔[5] اس واقعے کی سند صحیح ہے۔

امام ابن جریر نے زید بن وہب سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسلمان تو نصرانی عورت سے شادی کر سکتا ہے لیکن کوئی نصرانی مرد کسی مسلمان عورت سے شادی نہیں کر سکتا۔[6] اس حدیث کی سند پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو مکروہ سمجھا اور آیت: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾ کی انھوں نے یہی تفسیر کی ہے۔[7] حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول بیان فرمایا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور شرک کیا ہو سکتا ہے کہ عیسائی عورت یہ کہے کہ میرا رب عیسیٰ ہے۔[8]

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا وَ لِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا ، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ ، تَرِبَتْ يَدَاكَ] ”عورت سے شادی کے وقت چار چیزوں کو دیکھا جاتا ہے: (1) اس کے مال کو (2) اس کے خاندان کو (3) اس کے حسن و جمال کو اور (4) اس کے دین کو، تم دین دار عورت سے شادی کرنے میں کامیابی حاصل کرو، تمھارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔“[9] صحیح مسلم میں یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی

[1] تفسیر الطبری:2/511. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:2/397. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:2/397. [4] تفسیر الطبری:2/514. [5] تفسیر الطبری:2/514. [6] تفسیر الطبری:2/514. [7] تفسیر ابن أبی حاتم:2/398. [8] صحیح البخاری، الطلاق، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾، حدیث:5285. [9] صحیح البخاری، النکاح، باب الأکفاء فی الدین، حدیث:5090 وصحیح مسلم، الرضاع، باب استحباب نکاح ذات الدین، حدیث:1466.

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ

اور (اے نبی!) لوگ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے: وہ تو گندگی ہے۔ تم حیض (کی حالت) میں عورتوں سے الگ رہو اور ان

حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

سے ہم بستری نہ کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں' پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے، بے شک اللہ

التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿222﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ز

توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے﴿222﴾ تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں، پس تم جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں آ ؤ

وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿223﴾

اور تم اپنی ذات کے لیے (نیک عمل) آگے بھیجو اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک (ایک دن) تمھیں اس سے ملنا ہے اور مومنوں کو خوشخبری سنا دیجیے ﴿223﴾

اسی طرح مروی ہے۔[1] نیز صحیح مسلم ہی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلدُّنيَا مَتَاعٌ، وَّخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ] ''دنیا ساز و سامان کا نام ہے اور دنیا کا بہترین ساز و سامان نیک عورت ہے۔''[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ﴾ یعنی مشرک مردوں کے نکاح میں مومن عورتوں کو نہ دو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ﴾ (الممتحنۃ 10:60) ''نہ وہ (مسلمان عورتیں) ان (کفار) کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کافر) ان (عورتوں) کے لیے حلال ہیں۔''

پھر فرمایا: ﴿ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ﴾ ''البتہ مومن غلام مشرک سے بہتر ہے، خواہ وہ تم کو کیسا ہی بھلا لگے۔'' یعنی مومن مرد اگر چہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو مشرک سے بہتر ہے، خواہ وہ کوئی سردار اور کتنا مال دار ہی کیوں نہ ہو۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ﴾ ''یہ (مشرک لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔'' یعنی ان سے میل جول اور تعلقات دنیا کی محبت، حصول دنیا کی چاہت اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے پر برانگیختہ کرتے ہیں اور اس کا انجام بہت خطرناک ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ﴾ ''اور اللہ اپنی مہربانی سے بہشت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی شریعت اور اپنے احکام ونواہی کے ذریعے سے جنت ومغفرت کی طرف بلاتا ہے۔ ﴿ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿221﴾﴾ ''اور وہ اپنے حکم لوگوں سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔''

تفسیر آیات: 223,222

حالت حیض میں عورتوں سے کنارہ کشی کا حکم: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب عورت کے ایام حیض شروع ہو جاتے تو یہودی نہ اس کے ساتھ کھاتے پیتے اور نہ گھروں ہی میں رہتے سہتے تھے، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

---

[1] صحیح مسلم، الرضاع، باب استحباب نکاح ذات الدین، حدیث: 715، بعد الحدیث: 1466. [2] صحیح مسلم، الرضاع، باب خیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ، حدیث: 1469.

نے اس کے بارے میں نبیٔ اکرم ﷺ سے دریافت کیا تو جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ ﴾ ''اور لوگ آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجیے: وہ تو نجاست ہے، چنانچہ تم ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔'' اس طرح یہ پوری آیت اس سوال کے جواب میں نازل ہوئی۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اِصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ] ''ایام حیض میں تم عورتوں سے مقاربت کے سوا اور سب کچھ کر سکتے ہو۔'' یہودیوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو کہنے لگے کہ یہ شخص تو اب ہر کام میں ہماری مخالفت کا ارادہ کرنے لگا ہے۔ اُسَید بن حُضَیر اور عبّاد بن بِشر رضی اللہ عنہما نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہودیوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں تو کیا ہم ان سے اس حالت میں بھی مقاربت نہ کرلیا کریں؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ اقدس کا رنگ بدل گیا جس کی وجہ سے ہمیں یہ گمان ہوا کہ آپ ان سے ناراض ہیں، یہ دونوں چلے گئے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دودھ کا تحفہ پیش ہوا تو آپ نے انھیں واپس بلوایا اور دودھ پلایا جس سے ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ آپ ان سے ناراض نہیں ہیں۔[1] اس حدیث کو امام مسلم نے بھی بیان فرمایا ہے۔[2]

پس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ایام حیض میں عورتوں کی شرم گاہوں سے دور رہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [اِصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ] ''ایام حیض میں تم عورتوں سے مقاربت کے سوا اور سب کچھ کر سکتے ہو۔'' اسی لیے بہت سے بلکہ اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ شرم گاہ کے علاوہ حائضہ عورت سے دیگر امور جائز ہیں۔ امام ابوداود رحمہ اللہ نے عِکرِمہ سے اور انھوں نے بعض ازواج مطہرات سے روایت کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ جب حائضہ سے کچھ ارادہ فرماتے تو اس کے مقام خاص پر کپڑا ڈال دیتے تھے۔[3]

امام ابوجعفر بن جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرت مَسروق سفر کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ نبیٔ اکرم ﷺ اور آپ کے اہل بیت پر سلام! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا: ابوعائشہ! مرحبًا، مرحبًا! انھوں نے اندر آنے کی اجازت دے دی تو یہ اندر چلے گئے اور عرض کی: میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں لیکن میں سوال پوچھنے سے بہت شرم بھی محسوس کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: میں تمھاری ماں ہوں اور تم میرے بیٹے ہو۔ انھوں نے عرض کی: حالت حیض میں مرد کے لیے اپنی بیوی سے کیا کچھ جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: مقام خاص کے سوا اور سب کچھ جائز ہے۔[4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن اور عِکرِمہ کا بھی یہی قول ہے۔[5]

اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا اور اس کے ساتھ مل کر کھانا پینا جائز ہے۔ اُم المؤمنین

---

[1] مسند أحمد: 133,132/3. [2] صحيح مسلم، الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها......، حديث: 302.

[3] سنن أبي داود، الطهارة، باب في الرجل يُصيب منها مادون الجماع، حديث: 272. [4] تفسير الطبري: 520/2.

[5] تفسير الطبري: 521/2 وتفسير ابن أبي حاتم: 401/2.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک کو دھو دیتی تھی، حالانکہ میں اپنے خاص ایام میں ہوتی تھی۔ اسی طرح آپ میری گود میں تکیہ لگا کر قرآن مجید کی تلاوت فرمالیا کرتے تھے اور میں اپنے ان خاص ایام میں ہوتی تھی۔ ①

اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں کوئی مشروب پیتی، اور میں خاص ایام میں ہوتی، پھر میں نبی اکرم ﷺ کو برتن دے دیتی تو آپ بھی وہیں سے نوش فرماتے جہاں سے میں نے پیا ہوتا تھا، اور میں ہڈی سے گوشت کھاتی، اور میں خاص ایام میں ہوتی تھی، پھر میں یہ ہڈی نبی اکرم ﷺ کو دے دیتی تو آپ بھی وہیں سے گوشت کھاتے جہاں سے میں نے کھایا ہوتا تھا۔ ②

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب ازواج مطہرات میں سے کسی سے خاص ایام میں جسم سے جسم لگانا چاہتے تو آپ حکم دیتے اور وہ تہ بند باندھ لیتی تھی۔ یہ بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں۔ ③ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ④ امام احمد، ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میری بیوی جب اپنے خاص ایام میں ہو تو کیا کچھ حلال ہے؟ فرمایا: [لَكَ مَا فَوْقَ الْإِزَارِ] ''تیرے لیے ازار بند سے اوپر اوپر سب کچھ حلال ہے۔'' ⑤

پس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ ''اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔'' یہ درحقیقت ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ﴾ ''چنانچہ تم ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو'' کی تفسیر ہے، یعنی جب تک حیض موجود ہو اللہ تعالیٰ نے عورتوں سے مقاربت کو منع فرما دیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حیض ختم ہو جائے تو پھر مقاربت حلال ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ﴾ ''پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو جس طریق سے اللہ نے تمھیں ارشاد فرمایا ہے ان کے پاس جاؤ'' اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ عورتوں سے مقاربت اس وقت کی جائے جب حیض ختم ہونے کے بعد وہ غسل کر لیں۔ اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ حیض ختم ہونے کے بعد اس وقت تک عورت حلال نہیں ہے جب تک پانی سے غسل کر کے پاک نہ ہو جائے یا اگر پانی کے استعمال میں کوئی شرعی

---

① صحیح البخاری، الحیض، باب غسل الحائض رأس زوجها ......، حدیث:297,295. ② صحیح مسلم، الحیض، باب جوازغسل الحائض رأس زوجها......، حدیث:300. ③ صحیح البخاری، الحیض، باب مباشرة الحائض، حدیث:303 و صحیح مسلم، الحیض، باب مباشرة الحائض فوق الإزار، حدیث:294. ④ صحیح البخاری، الحیض، باب مباشرة الحائض، حدیث:302 و صحیح مسلم، الحیض، باب مباشرة الحائض فوق الإزار، حدیث:293. ⑤ مسند أحمد:342/4 و سنن أبی داود، الطهارة، باب فی المذی، حدیث:212 و اللفظ له و جامع الترمذی، الطهارة، باب ماجاء فی مؤاكلة الجنب......، حدیث:133 و سنن ابن ماجه، الطهارة، باب فی مؤاكلة الحائض، حدیث:651 لیکن مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ کی اسی سند سے یہ مروی ہے کہ میں (عبداللہ بن سعد) نے نبی اکرم ﷺ سے حائضہ (عورت) کے ساتھ کھانے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: [وَاكِلْهَا] ''اس (بیوی) کو اپنے ساتھ کھلایا پلایا کرو۔''

عذر مانع ہو تو پھر شریعت کے مقرر کردہ شرائط کے مطابق تیمّم نہ کر لے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ﴾ کے معنی ہیں حتی کہ وہ خون سے پاک ہو جائیں۔ اور ﴿ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ ﴾ کے معنی ہیں کہ جب وہ پانی سے غسل کر کے پاک ہو جائیں۔ امام مجاہد، عِکرِمہ، حسن، مُقاتِل بن حَیّان، لیث بن سعد رحمہم اللہ اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے بھی یہی فرمایا ہے۔[1]

دُبُر میں وطی کی حرمت: ﴿ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ﴾ ''جس طریق سے اللہ نے تمھیں ارشاد فرمایا ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد، اور کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد عورت کی شرم گاہ ہے۔[2] اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عورت کی دبر میں وطی کرنا حرام ہے جیسا کہ اس کا بیان۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ عنقریب آ رہا ہے۔ ابورَزین، عِکرِمہ، ضحاک رحمہم اللہ اور کئی ایک اہل علم نے فرمایا ہے: ﴿ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ﴾ ''تو جس طریق سے اللہ نے تمھیں ارشاد فرمایا ہے، ان کے پاس جاؤ۔'' سے مراد یہ ہے کہ جب وہ پاک ہوں اور حالت حیض میں نہ ہوں تو ان کے پاس جاؤ۔[3] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو گناہ سے توبہ کرنے والے ہوں، خواہ گناہ کا بار بار ارتکاب ہوا ہو اور جو ان نجاستوں اور غلاظتوں سے پاک صاف رہنے والے ہوں جن سے اللہ تعالیٰ نے انھیں منع فرمایا ہے کہ نہ تو حالت حیض ہی میں عورتوں سے مقاربت کرتے ہوں اور نہ غیر محل ہی کو استعمال کرتے ہوں۔

﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ﴾ کا شان نزول: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ﴾ ''تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿ حَرْثٌ ﴾ سے مراد بچے کی پیدائش کی جگہ ہے۔[4] ﴿ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ ''تو تم اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ۔'' یعنی جس حالت میں چاہو مقاربت کرو، خواہ آگے سے یا پیچھے سے مگر سوراخ صرف ایک، یعنی سامنے والا ہی استعمال کرنا ہے جیسا کہ اس کے بارے میں کئی احادیث ثابت ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن مُنکَدِر سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا کہ یہودی کہتے تھے: اگر عورت کے پیچھے کی طرف سے مقاربت کی جائے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے، تب اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ ''تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں تو تم اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ۔''[5]

امام ابن ابوحاتم نے محمد بن مُنکَدِر سے روایت کیا ہے کہ انھیں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے یہ خبر دی کہ یہودیوں نے مسلمانوں سے کہا: جو پشت کی طرف سے عورت سے مقاربت کرے تو اس سے بچہ بھینگا پیدا ہوگا، تب اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 402/2. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 402/2. [3] تفسیر الطبری: 528/2 و تفسیر ابن أبي حاتم: 402/2. [4] تفسیر الطبری: 532/2. [5] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ﴾، حدیث: 4528 و صحیح مسلم، النکاح، باب جواز جماعه امرأته فی قبلها......، حدیث: 1435 و سنن أبی داود، النکاح، باب فی جامع النکاح، حدیث: 2163.

آیت نازل فرمادی: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ ابن جُریج نے اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: [مُقْبِلَةً وَّمُدْبِرَةً إِذَا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْفَرْجِ] ''عورت خواہ سیدھے رخ ہو یا الٹے رخ لیکن مقاربت شرم گاہ ہی میں ہونی چاہیے۔''[1]

امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ﴾ انصار لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی، وہ نبی ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے سوال کیا، تو نبی ﷺ نے فرمایا: [اِئْتِهَا عَلٰى كُلِّ حَالٍ، إِذَا كَانَ فِي الْفَرْجِ] ''ہر طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے جب فرج میں (مقاربت) ہو۔''[2]

امام احمد نے عبدالرحمٰن بن سَابِط سے روایت کیا ہے کہ میں حَفْصَہ بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے پاس گیا اور کہا کہ میں ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن حیا دامن گیر ہے، انھوں نے فرمایا: برادر زادے پوچھو اور شرماؤ نہیں، تو انھوں نے کہا کہ میں عورتوں کی دبر میں وطی کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں؟ انھوں نے جواب دیا کہ مجھ سے حضرت ام سَلَمَہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا ہے کہ انصار عورتوں سے پشت کی طرف سے مقاربت نہیں کیا کرتے تھے اور یہودی کہتے تھے کہ اگر پشت کی طرف سے عورت سے مباشرت کی جائے تو اس سے بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔ جب مہاجرین مدینے میں آئے اور انھوں نے انصاری عورتوں سے شادی کی تو انھوں نے پشت کی طرف سے مقاربت کی، چنانچہ ایک عورت نے اس سلسلے میں اپنے شوہر کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ تم ایسا ہرگز نہیں کر سکو گے جب تک کہ میں رسول اللہ ﷺ سے نہ پوچھ لوں۔ وہ حضرت ام سَلَمَہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور اس نے اس بات کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ بیٹھ جائیں حتی کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو اسے رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھنے میں حیا دامن گیر ہوا جس کی وجہ سے وہ پوچھے بغیر ہی چلی گئی، پھر حضرت ام سَلَمَہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے پاس اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: [اُدْعِي الْأَنْصَارِيَّةَ] ''اس انصاری خاتون کو بلاؤ۔'' اسے بلایا گیا تو آپ نے اسے یہ آیت کریمہ سنا دی: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ لیکن ضروری ہے کہ مقاربت ایک ہی رستے سے ہو۔[3] امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو بیان کیا اور اسے حسن قرار دیا ہے۔[4]

امام نسائی نے کعب بن علقمہ سے اور انھوں نے ابونضر سے روایت کیا ہے، انھوں نے نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے۔ کہا: آپ کے بارے میں یہ اکثر بیان کیا جاتا ہے کہ آپ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فتویٰ دیا تھا کہ عورتوں کی دبروں میں بھی مقاربت کی جا سکتی ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میری طرف یہ جھوٹی بات منسوب کی جا رہی ہے لیکن میں یہ بیان کرتا ہوں کہ اصل صورت حال کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو قرآن سنایا جا رہا تھا، میں ان کے پاس موجود تھا حتی کہ جب یہ آیت آئی: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ تو انھوں نے فرمایا: نافع! اس آیت کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟ میں نے عرض کی: جی نہیں، تو انھوں نے فرمایا کہ ہم قریشی لوگ عورتوں سے پشت کی طرف سے

[1] تفسير ابن أبي حاتم :405,404/2. [2] مسند أحمد :268/1. [3] مسند أحمد:305/6. [4] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث:2979.

مقاربت کر لیتے تھے، جب ہم مدینے میں آئے اور یہاں انصاری عورتوں سے نکاح کیے تو ہم نے اسی طرح حسب معمول ان سے مقاربت کرنا چاہی تو انھوں نے اسے بہت ناپسند اور ناگوار سمجھا کیونکہ انصاری عورتوں نے اس سلسلے میں یہودیوں کے معمول کو اختیار کر رکھا تھا اور ان سے پہلوؤں کے بل صحبت کی جاتی تھی تو اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی:

﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ﴾ [1]

امام احمد نے خزیمہ بن ثابت خطمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَسْتَحْيِي اللّٰهُ مِنَ الْحَقِّ۔ ثَلَا ثًا۔ لَاتَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَعْجَازِهِنَّ] ''اللہ تعالیٰ حق بات بیان فرمانے میں عار نہیں کرتا، یہ بات آپ نے تین بار دہرائی، تم عورتوں کی دبروں میں مباشرت نہ کیا کرو۔''[2] اسے امام نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

امام ترمذی اور نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلٰى رَجُلٍ أَتٰى رَجُلًا أَوِ امْرَأَةً فِي الدُّبُرِ] ''اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف دیکھے گا بھی نہیں جس نے کسی مرد یا عورت کی دبر میں جنسی خواہش کی تکمیل کی۔''[4] امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اسے امام ابن حبان نے بھی صحیح میں تقریباً اسی طرح بیان فرمایا ہے۔[5] نیز اسے امام ابن حزم نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔[6]

امام احمد رحمہ اللہ نے علی بن طَلْق سے روایت بیان کی ہے: [نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَدْبَارِهِنَّ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ] ''رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی دبروں میں مباشرت سے منع فرمایا ہے اور (فرمایا:) بے شک اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے عار نہیں کرتا۔''[7] امام ترمذی نے اسے بیان کیا اور اسے حسن قرار دیا ہے۔[8]

امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی نے اپنی مسند (سنن) میں سَعید بن یَسَار ابوحُبَاب سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ ان باندیوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں جن سے تحمیض کی جائے؟ انھوں نے فرمایا کہ تحمیض کیا ہے؟ میں نے کہا کہ دبر میں وطی کرنا، تو انھوں نے فرمایا: کیا کوئی مسلمان یہ کام کر سکتا ہے؟[9] اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سے اس کام کی حرمت کے بارے میں نص صریح ہے۔

---

[1] السنن الكبرى للنسائي، عشرة النساء، باب تأويل قول الله جل ثناؤه: ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ﴾ ......:315/5، حديث: 8978. [2] مسند أحمد:215/5. [3] السنن الكبرى للنسائي، عشرة النساء، باب ذكر الاختلاف على عبدالله بن علي بن السائب:319,318/5، حديث:8989-8995 وسنن ابن ماجه، النكاح، باب النهي عن إتيان النساء في أدبارهن، حديث:1924. [4] جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في كراهية إتيان النساء في أدبارهن، حديث:1165 والسنن الكبرى للنسائي، عشرة النساء، ذكر حديث ابن عباس فيه......:320/5، حديث:9001. [5] صحيح ابن حبان، النكاح، باب ذكر الزجر عن إتيان المرء امرأة......:517/9، حديث:4203,4204 [6] المحلّى، الرضاع، باب العنين: 70/10، مسئلة:1905. [7] أطراف المسند لابن حجر:384/4 والسنن الكبرى للبيهقي، النكاح، باب إتيان النساء في أدبارهن:198/7 واللفظ له. [8] جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في كراهية إتيان النساء في أدبارهن، حديث: 1164. [9] سنن الدارمي، الطهارة، باب من أتى امرأته في دبرها:179/1، حديث:1143.

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ

اور تم اللہ کا نام اپنی قسموں کے لیے استعمال نہ کرو، یہ کہ تم نیکی (نہیں) کرو گے اور تقویٰ (نہیں) اپناؤ گے اور لوگوں کے درمیان صلح (نہیں) کراؤ گے اور اللہ

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿224﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ

خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے﴿224﴾ اللہ تمھاری لغو قسموں پر تمھیں نہیں پکڑے گا لیکن وہ ان قسموں پر تمھیں ضرور پکڑے گا جن کا تمھارے دلوں نے

قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿225﴾

ارادہ کیا، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت حوصلے والا ہے﴿225﴾

ابوبکر بن زیاد نیشاپوری نے بیان کیا ہے کہ مجھ سے اسماعیل بن حِصن نے اور ان سے اسماعیل بن رَوح نے بیان کیا کہ میں نے امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ عورتوں سے دبر میں وطی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیا تم عرب نہیں ہو؟ اور عربی زبان میں الحرث مزروعہ زمین نہیں ہوتی؟ کیا تم نے اللہ کا یہ ارشاد: ﴿ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ؗ ﴾ نہیں سنا؟ یعنی کھڑی، بیٹھی اور پہلو کے بل کسی بھی حالت میں آپ اپنی بیویوں سے مباشرت کر سکتے ہیں لیکن شرم گاہ سے تجاوز نہ کریں، تو میں نے عرض کی: اے ابوعبداللہ! میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ آپ اس کو جائز قرار دیتے ہیں؟ آپ نے تین دفعہ فرمایا کہ یہ لوگ میرے بارے میں جھوٹ بولتے ہیں۔[1] آپ سے یہی ثابت ہے کہ آپ وطی فی الدُّبر کو حرام سمجھتے تھے۔

حضرت سعید بن مسیّب، ابوسلمہ، عِکرِمہ، طاؤس، عطاء، سعید بن جبیر، عروہ بن زبیر، مجاہد بن جَبر، حسن رحمہم اللہ اور دیگر بہت سے ائمۂ سلف کا بھی یہی قول ہے اور انھوں نے اس فعل کو انتہائی بدترین قرار دیا ہے بلکہ بعض نے ایسا کرنے والے کو کافر بھی قرار دیا ہے۔ جمہور علماء کا بھی یہی مذہب ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ ﴾ ''اور تم اپنی ذات کے لیے (نیک عمل) آگے بھیجو۔'' یعنی افعال طاعت بجالاؤ اور جن محرمات سے تمھیں منع کر دیا گیا ہے انھیں ترک کر دو۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ بے شک (ایک دن) تمھیں اس کے روبرو حاضر ہونا ہے۔'' تو وہ تم سے تمھارے تمام اعمال کا حساب لے گا۔ ﴿ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿223﴾ ﴾ ''اور (اے پیغمبر!) ایمان والوں کو بشارت سنا دیں۔'' یعنی ان کو جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت بجالاتے ہیں اور جن کاموں سے اس نے منع فرمایا ہے، ان کو ترک کر دیتے ہیں۔ امام ابن جریر نے عطاء سے اور انھوں نے شاید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ ﴾ سے مراد جماع کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا ہے، یعنی وہ بسم اللہ کہے۔[2]

اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّأْتِيَ أَهْلَهُ فَقَالَ: بِاسْمِ اللّٰهِ ، اَللّٰهُمَّ! جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا ، فَإِنَّهُ إِنْ يُّقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر:285/8، ترجمة:إسماعيل بن رَوح. [2] تفسير الطبری:542/2.

فِي ذٰلِكَ لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا] ''جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے صحبت کا ارادہ کرے اور یہ دعا پڑھ لے:[بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ ! جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَارَزَقْتَنَا]''اللہ کے نام سے، اے اللہ! تو ہمیں شیطان سے بچا اور جو اولاد تو ہم کو عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچا۔'' چنانچہ اس صحبت کے نتیجے میں اگر ان کے ہاں اولاد پیدا ہو تو شیطان اسے کبھی بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''[1]

تفسیر آیات: 225,224

اعمال صالحہ ترک کردینے کی قسم کھانے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم اپنی قسموں کو نیکی اور صلہ رحمی کے کاموں کے ترک کرنے کا ذریعہ نہ بناؤ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۗ أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ ﴾ (النور 24:22) ''اور جو لوگ تم میں صاحب فضل اور صاحب وسعت ہیں، وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو کچھ خرچ نہیں دیں گے، ان کو چاہیے کہ معاف کردیں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تم کو بخش دے؟''

قسم کا کفارہ ادا کر کے اس سے نکل جانے کے بجائے اگر انسان اپنی (ناجائز) قسم ہی پر برقرار رہے تو وہ گناہ گار ہوگا جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:[وَاللّٰهِ ! لَأَنْ يَّلِجَّ أَحَدُكُمْ بِيَمِينِهٖ فِي أَهْلِهٖ ، آثَمُ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ أَنْ يُّعْطِيَ كَفَّارَتَهُ الَّتِي افْتَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْهِ] ''ہم گو آخر میں آنے والے ہیں لیکن روز قیامت سب سے سبقت کرنے والے ہوں گے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''اللہ کی قسم! اگر کوئی شخص قسم کے بارے میں اللہ کے فرض کیے ہوئے کفارے کو ادا کرنے کے بجائے اپنے گھر والوں کے بارے میں کھائی ہوئی قسم ہی پر ڈٹا رہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گناہ گار ٹھہرے گا۔''[2] اسے امام مسلم اور امام احمد رحمہما اللہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں روایت کیا ہے: ﴿ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ ﴾ ''اور اللہ کا نام اپنی قسموں کے لیے استعمال نہ کرو۔'' یعنی میری قسم کو نیکی نہ کرنے کا عذر نہ بناؤ بلکہ قسم کا کفارہ دے دو اور نیکی کا کام کرو۔[4] امام مَسروق، شعبی، ابراہیم نخعی، مجاہد، طاؤس، سعید بن جبیر، عطاء، عِکرِمہ، مکحول، زہری، حسن، قتادہ، مُقاتل بن حَیّان، ربیع بن انس، ضحاک، عطاء خُراسانی اور سُدِّی رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[5]

ان جمہور علمائے کرام کے اس قول کی تائید صحیح بخاری و مسلم کی اس حدیث کے آخری حصے سے بھی ہوتی ہے جو حضرت

---

① صحيح البخاري، التوحيد، باب السؤال بأسماء الله تعالى......، حديث:7396. ② صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب قول الله تعالى: ﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ أَيْمَانِكُمْ ﴾، حديث:6625,6624. ③ صحيح مسلم، الأيمان، باب النهي عن الإصرار على اليمين......، حديث:1655 و مسند أحمد:317/2 عن أبي هريرة ﷺ. ④ تفسير الطبري:545/2. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم:407/2.

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[إِنِّي وَاللّٰهِ ! إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ، لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِينٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا ، إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَّتَحَلَّلْتُهَا] ''میں اگر کسی بات پر قسم کھاؤں اور پھر یہ دیکھوں کہ کوئی دوسری بات اس سے زیادہ بہتر ہے تو میں ان شاء اللہ زیادہ بہتر بات کو اختیار کرلوں گا اور اپنی قسم کا کفارہ دے دوں گا۔''[1] اور امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينٍ فَرَأٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا فَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَّمِينِهِ وَلْيَفْعَلِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ] ''جو شخص کسی کام کے بارے میں قسم کھالے، پھر دیکھے کہ دوسرا کام اس سے زیادہ بہتر ہے تو وہ اپنی قسم کا کفارہ دے دے اور زیادہ بہتر کام کو سرانجام دے۔''[2]

لغو قسم: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ ﴾ ''اللہ تمھاری لغو قسموں پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔'' یعنی تمھاری لغو قسموں کا اللہ تعالیٰ نہ تو تم سے مؤاخذہ کرے گا اور نہ ان کی پابندی ہی کو لازم قرار دے گا۔ ''لغو قسم'' سے مراد وہ قسم ہے جو قسم اٹھانے والے کی زبان پر قصد و ارادے کے بغیر محض عادت کے طور پر آجائے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلِفِهِ : بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى، فَلْيَقُلْ: لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ] ''جو شخص قسم اٹھائے اور کہہ بیٹھے کہ لات وعزّیٰ کی قسم! تو اسے چاہیے کہ وہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پڑھ لے۔''[3]

آپ نے یہ بات ان لوگوں سے فرمائی تھی جو زمانۂ جاہلیت کو نئے نئے خیر باد کہہ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور قصد و ارادے کے بغیر ان کی زبانوں پر لات وعزّیٰ کی قسم آجاتی تھی تو انھیں حکم دیا گیا کہ اس صورت میں وہ کلمۂ اخلاص پڑھ لیں تاکہ یہ لات وعزّیٰ کی قسم کا کفارہ ہوجائے۔ اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ﴾ ''لیکن جو قسمیں تم قصد سے کھاؤ گے ان پر وہ تمھارا مؤاخذہ کرے گا۔'' اور دوسری آیت میں اس مفہوم کے لیے الفاظ یہ آئے ہیں: ﴿ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ﴾ (المآئدۃ5:89) ''(لیکن وہ ان قسموں پر ضرور تمھارا مؤاخذہ کرے گا) جو تم نے مضبوط باندھ لیں۔''

امام ابوداود رحمہ اللہ نے باب لغو الیمین میں عطاء سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[هُوَ كَلَامُ الرَّجُلِ فِي بَيْتِهِ: كَلَّا وَاللّٰهِ ! وَ بَلٰى وَاللّٰهِ!] ''لغو قسم یہ ہے کہ آدمی اپنے گھر میں اس طرح کہتا رہتا ہے: ہرگز نہیں اللہ کی قسم! کیوں نہیں اللہ کی قسم!''[4] امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''لغو قسم'' وہ ہے جو آپ غصے کی حالت میں کھا لیتے ہیں۔[5] انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ''لغو قسم'' یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ کسی چیز کو حرام قرار دے لیں تو اس کا کوئی کفارہ آپ پر نہیں ہے۔ حضرت سعید بن جبیر سے

---

[1] صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب لحم الدّجاج، حدیث:5518 وصحیح مسلم، الأیمان، باب ندب من حلف یمینًا فرأی غیرها خیرًا منها......، حدیث:1649. [2] صحیح مسلم، الأیمان، باب ندب من حلف یمینًا فرأی غیرها خیرًا منها......، حدیث:1650. [3] صحیح البخاری، الأیمان والنذور، باب لایحلف باللّات والعزّٰی ......، حدیث:6650 وصحیح مسلم، الأیمان، باب من حلف باللّات والعزّٰی......، حدیث:1647. [4] سنن أبی داود، الأیمان والنذور، باب لغو الیمین، حدیث:3254، بعد حدیث:3324. [5] تفسیر ابن أبی حاتم :410/2.

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

جولوگ اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیتے ہیں انھیں چاہیے کہ چار ماہ انتظار کریں، پھر اگر وہ رجوع کرلیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم

رَّحِيْمٌ ﴿226﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿227﴾

والا ہے ﴿226﴾ اور اگر انھوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو تو بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿227﴾

بھی اسی طرح مروی ہے۔[1]

امام ابوداود رحمہ اللہ نے باب الیمین فی قطیعة الرحم[2] میں حضرت سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ دو انصاری بھائیوں کی مشترکہ میراث تھی تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے میراث کی تقسیم کے بارے میں کہا تو اس نے جواب دیا کہ اگر تم نے آئندہ میراث کی تقسیم کے بارے میں کہا تو میرا سارا مال کعبے کے دروازے کے لیے وقف ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک کعبہ تمھارے مال سے بے نیاز ہے، تم اپنی قسم کا کفارہ دو اور اپنے بھائی سے گفتگو کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: [لَا يَمِينَ عَلَيْكَ وَلَا نَذْرَ فِي مَعْصِيَةِ الرَّبِّ ، وَ فِي قَطِيعَةِ الرَّحِمِ وَ فِيمَا لَا تَمْلِكُ] ''رب تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہو تو نہ قسم کا اعتبار ہے اور نہ نذر کا، اسی طرح قطع رحمی میں یا جس چیز کے تم مالک ہی نہیں ہو اس میں بھی قسم اور نذر کا کوئی اعتبار نہیں۔''[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ﴾ ''لیکن جو قسمیں تم دل کے ارادے سے کھاؤ گے ان پر وہ ضرور تمھارا مؤاخذہ کرے گا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد اور کئی ایک ائمہ نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز پر قسم کھائے اور اسے معلوم ہو کہ وہ جھوٹا ہے۔ امام مجاہد وغیرہ نے فرمایا کہ یہ آیت ایسے ہے جیسے یہ آیت کریمہ ہے: ﴿ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ ﴾ (المآئدۃ 89:5) ''لیکن وہ ان قسموں پر تمھارا مؤاخذہ کرے گا جو تم نے مضبوط باندھ لیں۔'' ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿225﴾ ﴾ ''اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا بردبار ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے والا اور ان سے حلم و بردباری کا معاملہ فرمانے والا ہے۔

تفسیر آیات: 227,226

ایلاء اور اس کا حکم: ایلاء کے معنی قسم کھانے کے ہیں۔ جب کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ وہ ایک مدت تک اپنی بیوی سے مجامعت نہیں کرے گا تو یہ مدت یا چار ماہ سے کم ہوگی یا زیادہ۔ اگر کم ہو تو اسے مدت پوری ہونے تک انتظار کرنا چاہیے اور مدت پوری ہونے کے بعد اپنی بیوی سے مجامعت کرنی چاہیے۔ عورت کو بھی اس دوران میں صبر سے کام لینا چاہیے اور اسے یہ مطالبہ نہیں کرنا چاہیے کہ وہ اس مدت کے پورا ہونے سے پہلے اس سے مجامعت کرے جیسا کہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ تک ازواج مطہرات کے پاس نہ جانے کی قسم کھالی تھی، پھر آپ انتیسویں دن تشریف لے

① تفسير ابن أبي حاتم: 409/2. ② تفسیر ابن کثیر کے نسخوں میں باب الیمین فی الغضب ہے اور یہ باب ہمیں سنن وغیرہ میں نہیں ملا۔ ③ سنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب اليمين في قطيعة الرحم، حديث: 3272.

آئے تو آپ نے فرمایا: [اَلشَّهْرُ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ] ”مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔“① صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔②

اور اگر مدت چار ماہ سے زیادہ ہو جائے تو بیوی کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے شوہر سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ یا تو اس سے ہم بستری کرے یا پھر اسے طلاق دے دے۔ حاکم وقت بھی اسے اس بات پر مجبور کرے تاکہ عورت کو نقصان نہ ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: ﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ﴾ یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے جماع نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں۔ یہ آیت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ایلاء کا تعلق بیویوں سے ہے لونڈیوں سے نہیں جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔

﴿ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ﴾ یعنی قسم کے وقت سے لے کر چار ماہ تک شوہر انتظار کرے، پھر اس سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ یا تو رجوع کر لے یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ فَاِنْ فَآءُوْ ﴾ اگر وہ اسی حالت کی طرف لوٹ آئیں جس پر وہ پہلے تھے۔ یہ جماع سے کنایہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مسروق، شعبی، سعید بن جبیر رحمہم اللہ اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے یہی فرمایا ہے جن میں امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔③ ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ”تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔“ یعنی قسم کھا لینے کی وجہ سے ان کے حق میں جو کوتاہی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور رحم فرمائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ ﴾ ”اور اگر وہ طلاق ہی کا ارادہ کر لیں۔“ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محض چار ماہ کی مدت گزرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے نافع سے اور انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، خواہ چار ماہ کی مدت گزر جائے حتی کہ اس سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ طلاق دے یا پھر رجوع کرے۔④ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی بیان فرمایا ہے۔⑤

اور امام ابن جریر نے سُہَیل بن ابو صالح سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ میں نے بارہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لے تو انھوں نے فرمایا کہ اس پر کچھ نہیں ہے حتی کہ جب چار ماہ کی مدت گزر جائے تو اس سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ رجوع کرے یا پھر طلاق دے دے۔⑥ امام دارقطنی نے بھی اس روایت کو بطریق سُہَیل بیان فرمایا ہے۔⑦ حضرت عمر فاروق، عثمان، علی، ابوالدرداء، ام المومنین حضرت عائشہ، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے اور سعید بن مسیّب، عمر بن عبدالعزیز، مجاہد، طاؤس، محمد بن کعب اور قاسم

① صحیح البخاری، المظالم، باب الغرفة والعُلِّيَّة المُشرِفَة......، حدیث:2468 عن عمر رضی اللہ عنہ. وصحیح مسلم، الصیام، باب الشهر یکون تسعا وعشرین، حدیث:1083. ② صحیح البخاری، النکاح، باب موعظة الرجل ابنته لحال زوجها، حدیث:5191 وصحیح مسلم، الطلاق، باب فی الإیلاء واعتزال النساء......، حدیث:1479. ③ تفسیر الطبری:577/2. ④ الموطأ للإمام مالك، الطلاق، باب الإیلاء:202/2، حدیث:1210. ⑤ صحیح البخاری، الطلاق، باب قول اللہ تعالی: ﴿ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ﴾، حدیث:5291. ⑥ تفسیر الطبری:591/2. ⑦ سنن الدارقطنی، الطلاق:61/4، حدیث:3995.

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ

اور مطلقہ عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں اور ان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے پیٹ میں جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھپائیں اگر

فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ

وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہیں (تو ایسا ہرگز نہ کریں) اور ان کے خاوند اگر اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں تو وہ زیادہ حق دار ہیں کہ انھیں اس (مدت)

ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ

میں لوٹا لیں، اور دستور کے مطابق عورتوں کے لیے (مردوں پر) ویسے ہی حقوق ہیں جیسے (مردوں کے لیے) عورتوں پر ہیں اور مردوں کے لیے ان پر

ع 28/7/12 دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿228﴾

فضیلت ہے اور اللہ غالب، خوب حکمت والا ہے ﴿228﴾

رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

تفسیر آیت:228

مطلقہ عورت کی عدت کا بیان: یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان مطلقہ عورتوں کو حکم دیا ہے جن کے ساتھ دخول ہو چکا ہو اور انھیں حیض آتا ہو کہ وہ تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں، یعنی جب ان کے شوہر انھیں طلاق دے دیں تو طلاق کے بعد تین حیض تک انتظار کریں اور اس کے بعد اگر وہ چاہیں تو شادی کر لیں۔

قُرْءٌ کے معنی: امام سفیان ثوری نے علقمہ سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ آپ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا: میرے شوہر نے مجھے ایک یا دو طلاقوں کے ساتھ الگ کر دیا تھا، پھر وہ میرے پاس آیا جبکہ میں نے (غسل کے لیے) پانی رکھ دیا تھا، اپنے کپڑے اتار دیے تھے اور دروازہ بند کر لیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ جب تک عورت کے لیے نماز حلال نہیں ہوتی، میرے نزدیک یہ اس کی بیوی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری بھی یہی رائے ہے۔[1]

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، عثمان، علی، ابوالدرداء، عُبادہ بن صامت، انس بن مالک، ابن مسعود، معاذ، اُبَیّ بن کَعْب، ابوموسیٰ اشعری، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور سعید بن مسیّب، عَلْقَمہ، اَسْود، ابراہیم، مجاہد، عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر، عِکرِمہ، محمد بن سیرِین، حَسن، قتادہ، شَعْبی، رَبیع، مُقاتل بن حَیَّان، سُدِّی، مکحول، ضحاک اور عطاء خُراسانی رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے کہ أَقْرَاء سے مراد حیض ہے۔[2] اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام ابوداود اور نسائی نے فاطمہ بنت ابوحُبَیْش سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: [إِذَا أَتٰى قَرْؤُكِ فَلَا تُصَلِّي] ''جب تجھے حیض آئے تو نماز نہ پڑھ۔''[3] یہ حدیث اگر صحیح ہو تو اس سے صریحًا معلوم ہوتا ہے کہ قَرْءٌ سے مراد حیض ہے لیکن اس کے ایک راوی مُنذر

---

[1] تفسير الطبري:597/2. [2] تفسير الطبري:595/2، 596 و تفسير ابن أبي حاتم:415/2. [3] سنن أبي داود، الطهارة، باب في المرأة تستحاض......، حديث:280 و سنن النسائي، الحيض، باب ذكر الأقراء، حديث:358.

کے بارے میں امام ابوحاتم نے فرمایا ہے کہ وہ مجہول ہے مشہور نہیں لیکن امام ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے۔

حیض وطہر کے بارے میں عورتوں کا کلام مقبول ہے: ﴿ وَلَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنۡ یَّكۡتُمۡنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیۡۤ اَرۡحَامِهِنَّ ﴾ ”ان کو جائز نہیں کہ اللہ نے جو کچھ ان کے شکم میں پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں۔“ یعنی حمل یا حیض۔ یہ حضرت ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ عنہم، مجاہد، شعبی، حکم بن عُتَیبہ، ربیع بن انس، ضحاک رحمہم اللہ اور کئی اہل علم کا قول ہے۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِنۡ كُنَّ یُؤۡمِنَّ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ﴾ ”اگر وہ اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہیں۔“ یہ ان کے لیے دھمکی ہے کہ وہ خلاف حق کوئی بات نہ کریں۔ نیز یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اس سلسلے میں رجوع انھی کی طرف کیا جائے گا کیونکہ اس امر کو صرف انھی کی طرف سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور اس مسئلے کو اکثر و بیشتر حالات میں کسی دلیل سے ثابت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، لہٰذا اس مسئلے کو انھی کے سپرد کر دیا گیا اور انھیں تاکید کر دی گئی ہے کہ وہ خلاف حق کوئی بات نہ کہیں تاکہ اپنی عدت کو جلد ختم نہ کر لیں یا کچھ مقاصد کی وجہ سے اسے طول نہ دے دیں، لہٰذا عورتوں کو حکم یہ دیا گیا ہے کہ وہ اس سلسلے میں کسی کمی بیشی کے بغیر صحیح بات بتائیں۔

شوہر رجوع کا زیادہ حقدار ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَبُعُوۡلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ اِنۡ اَرَادُوۡۤا اِصۡلَاحًا ؕ ﴾ ”اور ان کے خاوند اگر پھر موافقت چاہتے ہوں تو اس (مدت) میں وہ ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حقدار ہیں۔“ یعنی جب تک عورت اپنی عدت میں ہو اس کا وہ شوہر جس نے اسے طلاق دی ہو، اسے اپنی زوجیت میں لے لینے کا زیادہ حقدار ہے جبکہ اس کا ارادہ اصلاح اور خیر کا ہو۔ اس مسئلے کا تعلق ان عورتوں سے ہے جن سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

اور جہاں تک مطلقات بائنہ کا تعلق ہے تو اس آیت کے نزول کے وقت کوئی مطلقہ بائنہ نہ تھی کیونکہ مطلقات بائنہ تو اس وقت وجود میں آئیں جب طلاق کو تین کے عدد میں محصور کر دیا گیا۔ اور اس آیت کے نزول کے وقت خاوند اپنی بیوی کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لے لینے کا زیادہ حقدار تھا، خواہ اس نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاق دے دی ہو، چنانچہ اس کے بعد والی آیت میں جب طلاق کو تین میں محصور کر دیا گیا تو مطلقہ عورتوں کی بائنہ اور غیر بائنہ کے اعتبار سے تقسیم ہو گئی۔

حقوق زوجین: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَهُنَّ مِثۡلُ الَّذِیۡ عَلَیۡهِنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ﴾ ”اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔“ یعنی عورتوں کا بھی مردوں پر ویسا ہی حق ہے جیسا کہ مردوں کا عورتوں پر حق ہے، لہٰذا ہر ایک کو دوسرے کا حق دستور کے مطابق ادا کرنا چاہیے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا: [فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ] ”عورتوں کے بارے میں تم

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:416,415/2 .

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا

طلاق (رجعی) دو مرتبہ ہے، پھر یا تو (عورت کو) دستور کے مطابق روک لیا جائے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دیا جائے اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم انھیں

مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا

جو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو الا یہ کہ دونوں کو ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے۔ پس اگر تمھیں ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدیں قائم

حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ

نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیے میں وہ مال دے (کر خلع حاصل کرلے)۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں، سو تم ان سے آگے نہ بڑھو، اور جو

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿229﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ

لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کرتے ہیں، وہی ظالم ہیں ﴿229﴾ پھر اگر وہ (خاوند) اسے (تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد وہ (عورت) اس کے لیے

مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ

حلال نہیں یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے، پھر اگر وہ بھی اسے طلاق دے دے تو ان دونوں (سابقہ میاں بیوی) پر کوئی گناہ

يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا

نہیں کہ آپس میں رجوع کرلیں اگر وہ دونوں خیال کریں کہ اللہ کی حدیں قائم رکھ سکیں گے، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، وہ انھیں ان لوگوں کے لیے بیان

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿230﴾

کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں ﴿230﴾

اللہ سے ڈرو، تم نے انھیں اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمے کے ساتھ ان کی شرم گاہوں کو حلال کیا ہے، تمھارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمھارے بستر پر کسی ایسے شخص کو نہ بیٹھنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور اگر وہ ایسا کریں تو انھیں ایسی سزا دو جس سے جسم پر نشان نہ پڑے اور انھیں دستور کے مطابق کھانا اور لباس دو۔‘‘[1]

حکیم بن مُعاویہ قُشَیری اپنے باپ (معاویہ بن حَیدَہ قُشَیری) سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: [أَنْ تُطعِمَهَا إِذَا طَعِمتَ ، وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلَا تَضرِبِ الْوَجهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ] ’’یہ کہ جب تم کھانا کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب تم لباس پہنو تو اسے بھی پہناؤ، اس کے چہرے پر نہ مارو، اسے گالی نہ دو اور اس سے قطع تعلق نہ کرو مگر گھر ہی میں۔‘‘[2]

امام وَکیع نے بشیر بن سلمان[3] سے، انھوں نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کے لیے اسی طرح زینت اختیار کروں جس طرح میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میری

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث:1218. [2] سنن أبي داود، النكاح، باب في حق المرأة على زوجها، حديث:2142. [3] تفسیر ابن کثیر کے نسخوں میں سُلیمان ہے جو کہ خطا ہے۔ دیکھیے تقريب التهذيب وتهذيب التهذيب.

بیوی میرے لیے زیب وزینت کو اختیار کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ ''اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔''[1]

مردوں کی عورتوں پر فضیلت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ ''اور مردوں کے لیے ان (عورتوں) پر فضیلت ہے۔'' یعنی خَلق و خُلق، مقام ومرتبہ، اطاعت، انفاق، مصلحتوں کے قیام اور دنیا وآخرت کے شرف کے اعتبار سے مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ (النسآء4:34) ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنے مالوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ غالب (اور) صاحب حکمت ہے۔'' یعنی جو اس کی نافرمانی اور اس کے حکم کی مخالفت کرے، اس سے انتقام لینے میں وہ غالب ہے اور اپنے حکم، اپنی شریعت اور اپنی تقدیر میں وہ صاحبِ حکمت ہے۔

تفسیر آیات: 230,229

طلاقیں تین ہی ہیں اور رجعی و بائن طلاق کا بیان: ابتدائے اسلام میں جو یہ حکم تھا کہ شوہر اپنی بیوی کو دوبارہ اپنی زوجیت میں لے لینے کا زیادہ حقدار ہے، خواہ اس نے اسے ایک سو طلاق دے دی ہو بشرطیکہ بیوی عدت میں ہو، اس آیت کریمہ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا ہے کیونکہ اس میں عورتوں کا بہت نقصان تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اب طلاقوں کو صرف تین تک محدود کر دیا ہے اور پہلی اور دوسری طلاق کے بعد عدت کے اندر رجوع کرنے کو جائز قرار دیا اور تیسری طلاق کے بعد اس کو بائنہ قرار دے دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ﴾ ''طلاق (صرف) دو بار ہے (جب دو دفعہ طلاق دے دی جائے) تو (عورتوں کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔''

امام ابوداود نے اپنی سنن میں ایک باب کا عنوان اس طرح قائم فرمایا ہے کہ باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث ''تین طلاقوں کے بعد مراجعت کے منسوخ ہونے کا بیان۔'' پھر انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ ﴾ (البقرة2:228) ''اور مطلقہ عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں اور ان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے پیٹ میں جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھپائیں۔'' کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا تو وہ رجوع کا زیادہ حقدار تھا، خواہ اسے تین طلاقیں ہی کیوں نہ دے دیتا تھا تو اس آیت نے اسے منسوخ کر دیا اور فرمایا: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ ''طلاق (صرف) دو بار

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:417/2 وتفسیر الطبری:615/2.

ہے۔''[1] اس روایت کو امام نسائی نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

اور امام ابن ابو حاتم نے حضرت عروہ (بن زبیر) سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نہ تو کبھی تجھے طلاق دوں گا اور نہ کبھی اپنے گھر بساؤں گا۔ اس نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ کہنے لگا کہ تجھے طلاق دے دوں گا اور جب عدت ختم ہونے کے قریب آ جائے گی تو رجوع کر لوں گا، چنانچہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا تذکرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾[3] امام ابن جریر نے بھی اپنی تفسیر میں اسی طرح روایت کیا ہے۔[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ﴾ ''پھر (عورتوں کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔'' یعنی جب آپ اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے دیں تو آپ کو اس کے بارے میں جب تک اس کی عدت باقی ہو یہ اختیار ہے کہ یا تو عورت کی اصلاح اور اس کے ساتھ احسان کرنے کی نیت سے اسے لوٹا لیں اور یا پھر اسے چھوڑ دیں حتی کہ اس کی عدت پوری ہو جائے اور وہ مستقل طور پر علیحدہ ہو جائے تو اسے بھلائی کے ساتھ چھوڑ دیں کہ نہ تو اس کی ذرہ بھر کوئی حق تلفی کریں اور نہ اسے قطعاً کوئی نقصان ہی پہنچائیں۔ علی بن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دے تو اسے تیسری کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے کہ یا تو بیوی کو بطریق شائستہ اپنے نکاح میں رہنے دے اور اس سے حسن سلوک سے پیش آئے یا پھر بھلائی کے ساتھ اسے چھوڑ دے اور اس کی ذرہ بھر بھی حق تلفی نہ کرے۔[5]

مہر واپس لینے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا ﴾ ''اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔'' یعنی یہ تمھارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم انھیں اس قدر تنگی اور مشکل میں مبتلا کر دو کہ وہ تم سے جان چھڑانے کے لیے تمھارے دیے ہوئے مہر یا اس کے کچھ حصے کو بطور فدیہ دینے کے لیے مجبور ہو جائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ﴾ (النسآء4:19) ''اور تم انھیں (اس نیت سے) نہ روک رکھو کہ تم نے انھیں جو مہر دیا ہوا اس کا کچھ حصہ واپس لے لو مگر اس صورت میں انھیں روکنا جائز ہے اگر وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں۔'' ہاں، البتہ اگر عورت بطیب خاطر اپنے شوہر کو کچھ واپس کرنا چاہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝ ﴾ (النسآء4:4) ''پھر اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ مہر تمھیں چھوڑ دیں تو اسے ذوق وشوق سے کھا سکتے ہو۔''

خلع میں مہر واپس لینے کی اجازت: جب میاں بیوی میں اختلاف پیدا ہو جائے اور عورت مرد کے حقوق کو ادا نہ کرے، اس سے نفرت کرے اور اس کے ساتھ مل جل کر نہ رہ سکے تو اس صورت میں عورت کو یہ اختیار ہے کہ مہر کو بطور فدیہ دے کر اس سے

---

[1] سنن أبي داود، الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، حديث:2195. [2] سنن النسائي، الطلاق، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، حديث:3584. [3] تفسير ابن أبي حاتم :418/2. [4] تفسير الطبري: 618/2. [5] تفسير الطبري:620/2.

رہائی حاصل کرلے۔ اس صورت میں نہ تو عورت کے لیے مہر واپس کرنے میں کوئی حرج ہے اور نہ مرد کے لیے اسے قبول کرنے میں کوئی مضائقہ۔ اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ ﴾ ''اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو۔ ہاں، اگر دونوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گے، پس اگر تمھیں ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیے میں وہ مال دے (کر خلع حاصل کرلے۔)''

عورت کا بلا وجہ خلع کا مطالبہ کرنا: اور اگر عورت کے لیے کوئی عذر نہ ہو اور وہ فدیہ دے کر اپنے شوہر سے بلا وجہ علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا مِّنْ غَيْرِ مَا بَأْسٍ ، فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ] ''جو عورت بلا وجہ اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔''[1] امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا ہے۔[2]

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ آیت کریمہ ثابت بن قیس بن شَمَّاس اور ان کی بیوی جمیلہ بنت عبداللہ بن اُبَی ابن سَلُول کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[3] امام مالک رحمہ اللہ نے ''موطأ'' میں حبیبہ بنت سہل انصاریہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ثابت بن قیس بن شماس کے عقد میں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت کاشانۂ نبوت سے باہر تشریف لائے تو آپ نے اندھیرے میں انھیں دروازے کے پاس پایا تو فرمایا:

[مَنْ هٰذِهِ ؟ قَالَتْ : أَنَا حَبِيبَةُ بِنْتُ سَهْلٍ يَّا رَسُولَ اللّٰهِ ! قَالَ : مَا شَأْنُكِ ؟ فَقَالَتْ: لَا أَنَا وَلَا ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ، لِّزَوْجِهَا ، فَلَمَّا جَاءَ زَوْجُهَا ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ، قَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هٰذِهِ حَبِيبَةُ بِنْتُ سَهْلٍ قَدْ ذَكَرَتْ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَذْكُرَ، فَقَالَتْ حَبِيبَةُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! كُلُّ مَا أَعْطَانِي عِنْدِي ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ: خُذْ مِنْهَا ، فَأَخَذَ مِنْهَا وَجَلَسَتْ فِي بَيْتِ أَهْلِهَا]

''یہ کون ہے؟ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں حبیبہ بنت سہل ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ انھوں نے اپنے شوہر کا نام لیتے ہوئے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اور ثابت بن قیس اکٹھے نہیں رہ سکتے جب ان کے شوہر ثابت بن قیس آئے تو آپ نے فرمایا کہ یہ حبیبہ بنت سہل ہیں، انھوں نے یہ بات کی ہے۔ حبیبہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! انھوں نے جو مجھے (مہر) دیا تھا وہ سب کچھ میرے پاس موجود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اپنا مال) ان سے لے لو، چنانچہ ثابت نے اپنا مال لے لیا اور یہ اپنے والدین کے گھر میں بیٹھ گئیں۔''[4] اور اسی طرح امام احمد، ابوداود اور نسائی رحمہم اللہ نے

---

[1] تفسیر الطبری:634/2 اور [مَا] سنن أبی داود، حدیث:2226 و سنن ابن ماجه، حدیث:2055 میں ہے۔ [2] جامع الترمذی، الطلاق واللعان، باب ماجاء فی المختلعات، حدیث:1187. [3] تفسیر الطبری:627/2. [4] الموطأ للإمام مالك، الطلاق، باب ماجاء فی الخلع:204/2 ، حدیث:1226.

اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ①

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ان کے اخلاق اور دین کے بارے میں کوئی اعتراض نہیں لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهٗ ؟ قَالَتْ: نَعَمْ ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:اِقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً] ''کیا تم ان کا باغ واپس کر دو گی؟ اس نے عرض کی: جی ہاں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت سے فرمایا کہ اپنے باغ کو لے لو اور اسے طلاق دے دو۔'' ② اور اسی طرح امام نسائی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ ③

خُلع حاصل کرنے والی عورت کی عدت: امام ترمذی نے رُبَیِّع بنت مُعَوِّذ بن عَفراء سے روایت کیا ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں خلع حاصل کیا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا تھا کہ یہ ایک حیض تک عدت گزارے۔ ④

حدود الٰہی سے تجاوز ظلم ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ ''یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں، چنانچہ تم ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کریں گے وہی گناہ گار ہوں گے۔'' یعنی یہ احکام شریعت جنھیں اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے مقرر فرما دیا ہے یہ اس کی حدیں ہیں، چنانچہ تم ان سے تجاوز نہ کرو جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے: [إِنَّ اللّٰهَ حَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا،وَفَرَضَ لَكُمْ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا ، وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا، وَتَرَكَ أَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْهُ لَكُمْ فَاقْبَلُوهَا وَلَا تَبْحَثُوا فِيهَا] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ حدود کو مقرر فرمایا ہے، تم ان سے تجاوز نہ کرو، کچھ فرائض مقرر کیے ہیں، تم انھیں ضائع نہ کرو، کچھ باتوں کو حرام قرار دیا ہے، تم ان کی بے حرمتی نہ کرو اور کچھ باتوں سے تم پر رحمت کے پیش نظر نہ کہ نسیان کی وجہ سے، سکوت فرمایا ہے، تم ان کو قبول کرو، اور ان میں بحث مت کرو۔'' ⑤

ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینا حرام ہے: اس آیت کریمہ سے استدلال کیا گیا ہے کہ ایک ہی کلمے کے ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام ہے۔ اس کی تائید محمود بن لبید کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ایک ایسے شخص کے بارے میں بتایا گیا جس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی تھیں تو آپ غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: [أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟] ''کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کو

① مسند أحمد: 434,433/6، و سنن أبي داود، الطلاق، باب في الخلع، حديث: 2227 و سنن النسائي، الطلاق، باب ماجاء في الخلع، حديث: 3492. ② صحيح البخاري، الطلاق، باب الخلع و كيف الطلاق فيه......، حديث: 5273.
③ سنن النسائي، الطلاق، باب ماجاء في الخلع، حديث: 3493. ④ جامع الترمذي، الطلاق واللعان، باب ماجاء في الخلع، حديث: 1185. ⑤ المستدرك للحاكم، الأطعمة: 115/4، حديث: 7114 عن أبي ثعلبة رضی اللہ عنہ. البتہ یہ روایت ضعیف ہے، دیکھیے غاية المرام للألباني، ص: 21، حدیث: 4 اور دیکھیے السلسلة الصحيحة: 2256.

کھیل بنالیا گیا ہے، حالانکہ میں ابھی تک تمھارے درمیان موجود ہوں؟'' حتی کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟[1]

تیسری طلاق کے بعد رجوع نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ ''پھر اگر شوہر (دوطلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اس (پہلے شوہر) پر حلال نہیں ہوگی۔'' یعنی جب شوہر دوطلاقوں کے بعد اپنی بیوی کو تیسری طلاق بھی دے دے تو وہ اس کے لیے حرام ہو جائے گی۔ ﴿حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ یعنی جب تک وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اور وہ دوسرا شخص صحیح نکاح کی صورت میں اس سے مقاربت نہ کر لے، وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی، اگر کوئی شخص اس سے نکاح کے بغیر ہم بستری کرے، خواہ ملک یمین ہی کی صورت میں ہو تو وہ پھر بھی اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جس سے کسی شخص نے شادی کی ہو، پھر اسے طلاق دے دی ہو، پھر اس سے کوئی دوسرا شخص شادی کر لے اور مقاربت سے پہلے ہی طلاق دے دے تو کیا وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی؟ فرمایا: [لَا، حَتّٰى يَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا] ''نہیں! حتی کہ وہ اس سے لطف اندوز ہو۔''[2] اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[3]

امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رِفاعہ قُرظی کی بیوی آئی اور اس وقت میں اور میرے والد گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی نبی ﷺ کے پاس تھے۔ اس نے کہا: رفاعہ نے مجھے طلاقِ بتہ دے دی تھی اور عبدالرحمٰن بن زَبیر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے شادی کر لی اور اس کا (عضو تناسل) تو کپڑے کے ڈورے جیسا ہے، اس نے اپنی اوڑھنی کے ایک ڈورے کو پکڑ کر کہا کہ اس جیسا، اس وقت خالد بن سعید بن عاص دروازے کے پاس کھڑے تھے اور انھیں اندر آنے کی ابھی تک اجازت نہیں ملی تھی۔ انھوں نے کہا: ابوبکر! تم اس عورت کو منع کیوں نہیں کرتے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کس طرح کھلم کھلے انداز میں گفتگو کر رہی ہے، رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر صرف تبسم فرمایا۔ اور فرمایا: [كَأَنَّكِ تُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلٰى رِفَاعَةَ ؟ لَا، حَتّٰى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ ، وَ يَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ] ''کیا تو دوبارہ رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی ہے؟ (فرمایا:) نہیں، اس وقت تک واپس نہیں جا سکتی جب تک تو اس سے اور وہ تجھ سے لطف اندوز نہ ہو۔''[4] اور اسی طرح اس حدیث کو امام بخاری، مسلم اور نسائی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔[5] مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ رفاعہ نے اسے تیسری اور آخری

[1] سنن النسائی، الطلاق، باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ، حديث:3430. [2] صحيح مسلم، النكاح، باب لاتحل المطلقة ثلاثا لمطلقها......، حديث:1433. [3] صحيح البخاری، الطلاق، باب من قال لامرأته: أنتِ عليّ حرام ، حديث:5265 عن عائشة ﷺ. [4] مسند أحمد:34/6 . [5] صحيح البخاری، الأدب، باب التبسم والضحك، حديث:6084 وصحيح مسلم، النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثا لمطلقها......، حديث:1433 وسنن النسائی، الطلاق، باب طلاق البتة، حديث:3438.

طلاق دے دی تھی۔[1]

اس حدیث میں لفظ [عُسَيْلَة] سے مراد ''جماع'' ہے کیونکہ امام احمد اور نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْعُسَيْلَةُ هِيَ الْجِمَاعُ] ''عسیلہ سے مراد جماع ہے۔''[2]

حلالہ کرنے والے اور کروانے والے پر لعنت: مقصود یہ ہے کہ اس دوسرے شوہر کی اس عورت میں رغبت ہو اور وہ اس کے ساتھ واقعی زندگی بسر کرنا چاہتا ہو جس طرح کہ نکاح سے اصل مقصود یہی ہوتا ہے اور اگر دوسرے شوہر کا مقصد صرف پہلے شوہر کے لیے بیوی کو حلال کرنا ہو تو اسے مُحَلِّلْ ''حلالہ کرنے والا'' کہا جاتا ہے اور احادیث مبارکہ میں اس کی بے حد مذمت آئی ہے اور اس پر لعنت کی گئی ہے۔ اور اگر وہ عقد کے وقت اپنے اس مقصود کی صراحت کر دے تو جمہور ائمہ کے نزدیک یہ نکاح ہی باطل ہو جاتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ (ابن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: [لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْوَاشِمَةَ وَالْمُوتَشِمَةَ وَالْوَاصِلَةَ وَالْمَوْصُولَةَ وَالْمُحِلَّ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ وَاٰكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ] ''رسول اللہ ﷺ نے گودنے والی اور گدوانے والی اور بال ملانے والی اور بال ملوانے والی اور حلالہ کرنے والے اور حلالہ کروانے والے اور سود کھانے والے اور سود کھلانے والے (ان سب) پر لعنت فرمائی ہے۔''[3] امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اہل علم، مثلاً: حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم کا عمل اسی کے مطابق ہے، فقہاء تابعین کا بھی یہی قول ہے۔[4] حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[5]

امام حاکم نے مستدرک میں نافع سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر اس شخص کے بارے میں پوچھا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں اور اس کے بھائی نے اس سے مشورہ کیے بغیر اس سے نکاح کر لیا تاکہ اپنے بھائی کے لیے اسے حلال کر دے تو کیا اس طرح وہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی؟ انھوں نے فرمایا: نہیں! وہ حلال نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں عورت صرف نکاحِ رغبت ہی سے حلال ہوتی ہے، یہ صورت جو تم نے بیان کی ہے، اسے ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زنا شمار کیا کرتے تھے۔[6] امام حاکم نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، البتہ امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔

---

[1] صحیح مسلم، النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثا......، حديث: (113)-1433. [2] مسند أحمد: 62/6 یہ روایت معنیً صحیح ہے، إرواء الغليل: 163/7 و سنن النسائی، الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثا......، حديث: 3444 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ بالفاظ دیگر عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نسائی میں نہیں ملی۔ [3] مسند أحمد: 448/1 و سنن النسائی، الطلاق، باب إحلال المطلقة ثلاثا ......، حديث: 3445. [4] جامع الترمذی، النكاح، باب ماجاء في المحل والمحلل له، حديث: 1120. [5] جامع الترمذی، النكاح باب ما جاء في المحل والمحلل له، حديث: 1119. [6] المستدرك للحاكم، الطلاق: 199/2، حديث: 2806.

وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ ۪

اور جب تم عورتوں کو (پہلی یا دوسری) طلاق دو پھر ان کی عدت پوری ہونے کو ہو تو انھیں دستور کے مطابق روک لو یا انھیں دستور کے مطابق چھوڑ دو اور

وَّلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰيٰتِ

انھیں ستانے کے لیے نہ روکو تاکہ تم زیادتی کرو اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ یقیناً اپنے آپ ہی پر ظلم کرے گا اور تم اللہ کی آیتوں کو ہنسی مذاق نہ بناؤ' اور اللہ

اللّٰهِ هُزُوًا ۙ وَّاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِكۡمَةِ يَعِظُكُمۡ

کی طرف سے تم پر جو انعام ہوا اسے یاد کرو اور اس کتاب اور حکمت کو بھی یاد کرو جو اس نے تم پر نازل کی، وہ تمھیں اس کی نصیحت کرتا ہے اور تم اللہ سے

بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿231﴾ ع 29 الثلثۃ 3 13

ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿231﴾

یہ اسلوبِ بیان کہ ''ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسے زنا شمار کیا کرتے تھے۔'' مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ اسی طرح امام ابوبکر بن ابوشیبہ، جوزجانی، حَرب کرمانی اور امام ابوبکر اَثرم رحمہم اللہ نے قبیصہ بن جابر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے پاس کوئی حلالہ کرنے والا اور کروانے والا لایا گیا تو میں ان دونوں کو رجم کرادوں گا۔ ①

مُطلَّقہ ثلاثہ پہلے شوہر کے لیے کب حلال ہوتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاِنۡ طَلَّقَهَا﴾ یعنی اگر دوسرا شوہر مقاربت کے بعد طلاق دے دے ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يَّتَرَاجَعَاۤ﴾ ''تو ان دونوں (سابقہ میاں بیوی) پر کوئی گناہ نہیں کہ ایک دوسرے کی طرف رجوع کریں۔'' ﴿اِنۡ ظَنَّاۤ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''بشرطیکہ دونوں یقین کریں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔'' یعنی دستور کے مطابق زندگی بسر کرسکیں گے۔ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ بشرطیکہ دونوں یقین کریں کہ ان کا یہ نکاح دھوکا وفریب پر مبنی نہیں ہے۔ ② ﴿وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ﴾ یعنی یہ شرائع واحکام اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں۔ ﴿يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿230﴾﴾ ''وہ انھیں ان لوگوں کے لیے بیان فرماتا ہے جو دانش رکھتے ہیں۔''

تفسیر آیت:231

مُطلَّقہ کے ساتھ حسنِ سلوک: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب ان میں سے کوئی اپنی بیوی کو ایسی طلاق دے جس میں اسے رجوع کا حق حاصل ہو تو وہ اس سے جب اس کی عدت پوری ہو جائے اور صرف اس قدر باقی ہو کہ اس کے لیے رجوع کرنا ممکن ہو تو حسن سلوک کا معاملہ کرے اور اسے یا تو دستور کے مطابق اپنی عصمت نکاح میں روک لے اور رجوع پر گواہ مقرر کرلے اور دستور کے مطابق اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی نیت کرے یا پھر اسے چھوڑ دے حتی کہ اس کی عدت پوری ہو جائے، پھر اسے اختلاف وانتشار، لڑائی جھگڑے اور گالی گلوچ کے بغیر احسن انداز میں اپنے گھر سے رخصت کردے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ﴾ ''اور اس نیت سے ان کو نکاح میں نہ رہنے

① المصنف لابن أبي شيبة، النكاح، باب في الرجل يطلق امرأته فيتزوجها رجل ليحلّها له:547/3، حديث:17074.

② تفسير الطبرى:649/2.

دینا چاہیے کہ تم انھیں تکلیف دو اور ان پر زیادتی کرو۔‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد، مسروق، حسن، قتادہ، ضحاک، ربیع، مُقاتِل بن حیّان رحمہم اللہ اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے لکھا ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا تھا اور جب عدت ختم ہونے کے قریب ہوتی تو وہ رجوع کر لیتا تا کہ اسے تکلیف دے اور وہ کسی اور کے پاس بھی نہ جا سکے، پھر اسے ایک اور طلاق دے دیتا اور عورت کی عدت شروع ہو جاتی، پھر جب عدت ختم ہونے کے قریب ہوتی تو اسے طلاق دے دیتا تا کہ اس کے ذریعے سے اس عورت کی ایذا رسانی کی مدت کو طول دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔[1] اور اس پر ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ﴾ یعنی جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے اپنا ہی نقصان کرے گا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ﴾ ’’اور اللہ کی آیات کو ہنسی (اور کھیل) نہ بناؤ۔‘‘ امام ابن جریر نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشعریوں سے ناراض ہو گئے تو ابوموسیٰ آئے اور انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ اشعریوں سے ناراض ہو گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: [يَقُولُ أَحَدُكُمْ : قَدْ طَلَّقْتُ ، قَدْ رَاجَعْتُ ، لَيْسَ هٰذَا طَلَاقَ الْمُسْلِمِينَ ، طَلِّقُوا الْمَرْأَةَ فِي قُبُلِ عِدَّتِهَا] ’’(ہاں! اس لیے کہ) تم میں سے ایک یہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق دی، میں نے رجوع کر لیا، یہ مسلمانوں کا طلاق دینے کا طریقہ نہیں ہے، عورت کو اس کی عدت کے شروع (حیض کے بعد طہر) میں طلاق دو۔‘‘[2] مسروق فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو عورت کو صحیح طریقے سے طلاق نہیں دیتا بلکہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دینے اور رجوع کرنے سے نقصان پہنچانا چاہتا ہے تا کہ اس کی عدت طویل ہو جائے۔[3]

امام حسن بصری، قتادہ، عطاء خراسانی، ربیع اور مُقاتِل بن حیّان رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو طلاق دے اور کہے کہ میں تو ہنسی مذاق کر رہا تھا۔ اسی طرح وہ کسی غلام لونڈی کو آزاد کرے یا کسی عورت سے نکاح کرے اور کہے کہ میں تو ہنسی مذاق کر رہا تھا تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ کی آیات (احکام) کو ہنسی (اور کھیل) نہ بناؤ۔‘‘[4] اس طرح اللہ تعالیٰ نے (ہنسی، مذاق اور کھیل میں) نکاح وطلاق وغیرہ کو لازم قرار دے دیا ہے (کہ یہ اس حالت میں بھی واقع ہو جائیں گے۔)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ﴾ ’’اور اللہ کی طرف سے تم پر جو انعام ہوا اسے یاد کرو۔‘‘ کہ اس نے ہدایت اور روشن دلائل کے ساتھ اپنے رسول کو تمھاری طرف مبعوث فرمایا، ﴿ وَمَاۤ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ ﴾ ’’اور تم پر جو کتاب اور دانائی کی باتیں نازل کی ہیں (اسے بھی یاد کرو۔)‘‘ حکمت سے مراد سنت ہے۔ ﴿ يَعِظُكُمْ بِهٖ ﴾ ’’(جن سے) وہ تمھیں نصیحت فرماتا ہے۔‘‘ یعنی تمھیں حکم دیتا، منع فرماتا اور محرمات کے ارتکاب کی وجہ سے اپنے عذاب سے ڈراتا

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 425/2. [2] تفسیر الطبري: 655/2. [3] الدر المنثور: 509/1 وتفسیر الطبري: 651/2. [4] تفسیر ابن أبي حاتم: 425/2.

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو تم انھیں اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کریں جبکہ وہ دستور

تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ

کے مطابق آپس میں راضی ہوں۔ یہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ تمھارے لیے

الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿232﴾

بہت سلجھا ہوا اور زیادہ پاکیزہ طریقہ یہی ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿232﴾

ہے۔ ﴿وَ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو۔'' یعنی ان کاموں میں جنھیں تم بجالاتے ہو اور جنھیں تم ترک کر دیتے ہو سب میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ ﴿وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿231﴾﴾ ''اور جان رکھو کہ بے شک اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔'' یعنی تمھارے ظاہری و باطنی امور و معاملات میں سے کچھ بھی اس سے مخفی نہیں ہے، پھر وہ تمھارے انھی اعمال کے مطابق ہی تمھیں بدلہ دے گا۔

تفسیر آیت:232

ولی عورت کو طلاق دینے والے شوہر سے نکاح کرنے سے منع نہ کرے: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے دے، پھر اس کی عدت پوری ہو جائے اور وہ اس سے رجوع یا شادی کرنا چاہے اور اس کی بیوی بھی یہی چاہے مگر اس کے وارث اسے اس سے منع کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ اس کے وارث اسے دوبارہ اپنے اسی شوہر سے شادی کرنے سے روکیں۔[1] عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] مسروق، ابراہیم نخعی، زہری اور ضحاک رحمہم اللہ نے بھی اس آیت کے بارے میں یہی فرمایا ہے۔[3] اور اس آیت کریمہ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

ولی کے بغیر نکاح نہیں: یہ آیت کریمہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی۔ ضروری ہے کہ اس کا نکاح اس کا ولی کرے جیسا کہ امام ترمذی اور امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے۔[4] اور جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے: [لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ ، وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا ، فَإِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ الَّتِي تُزَوِّجُ نَفْسَهَا] ''کوئی عورت خود کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے کیونکہ وہ عورت زانیہ ہے جو اپنا نکاح خود کرتی ہے۔''[5] اور ایک دوسری حدیث میں ہے: [لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَّشَاهِدَيْ عَدْلٍ] ''ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہے۔''[6]

---

① تفسیر الطبری:659/2. ② تفسیر الطبری:660/2. ③ تفسیر الطبری:660/2. ④ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورة البقرة، حدیث:2981 و تفسیر الطبری:662/2 . ⑤ سنن ابن ماجه، النكاح، باب لا نكاح إلّا بولي، حدیث:1882 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. ⑥ صحیح ابن حبان ، النكاح ، باب ذكر نفي إجازة ......:386/9 ، حدیث:4075 و سنن الدارقطني ، النكاح :225/3، حدیث:3492-3494 .

آیت کریمہ کا شان نزول: روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ مَعْقِل بن یسار مُزَنی رضی اللہ عنہ اور ان کی بہن کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بیان فرمایا ہے کہ معقل بن یسار کی بہن کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی اور جب ان کی عدت پوری ہوئی تو انھوں نے پھر سے نکاح کا پیغام بھیج دیا تو معقل نے انکار کر دیا، تب اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ "چنانچہ تم ان کو ان کے (سابقہ) شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے مت روکو۔"[1] امام ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابوحاتم، ابن جریر، ابن مردویہ رحمہم اللہ نے متعدد طرق کے ساتھ حسن سے اور انھوں نے معقل بن یسار سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور ان کی معقل بن یسار سے روایت کے الفاظ یہ ہیں: "اس نے اپنی بہن کی شادی رسول اللہ کے زمانے میں ایک مسلمان سے کر دی، ان کی بہن کچھ عرصہ اس کے عقد میں رہی، پھر اس نے اسے ایک طلاق دے دی اور رجوع نہ کیا حتی کہ عدت گزر گئی، پھر دونوں ہی رجوع کے خواہش مند ہوئے، چنانچہ اس نے بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیج دیا تو معقل نے کہا: اے کمینے شخص! میں نے اس عورت کو تیرے نکاح میں دے کر تیری عزت افزائی کی مگر تو نے اسے طلاق دے دی، لہٰذا اب تو کبھی بھی رجوع نہ کر سکے گا مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ اس شخص کو اس عورت کی اور اس عورت کو اپنے شوہر کی ضرورت ہے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿232﴾﴾ "اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو تم انھیں اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کریں جبکہ وہ دستور کے مطابق آپس میں راضی ہوں۔ یہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ تمھارے لیے بہت سلجھا ہوا اور زیادہ پاکیزہ طریقہ یہی ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

حضرت معقل نے اس آیت کریمہ کو سنا تو کہا کہ میں اپنے رب کے فرمان کو سن کر اطاعت بجا لاتا ہوں، پھر انھوں نے اپنی بہن کے سابقہ خاوند کو بلایا اور کہا کہ میں تمھیں بہن کا نکاح دیتا اور تمھاری عزت افزائی کرتا ہوں۔[3] ابن مردویہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ انھوں نے کہا: "میں اپنی قسم کا کفارہ دیتا ہوں۔"[4]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ﴾ "اس (حکم) سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتا ہے۔" یعنی یہ جو ہم نے تمھیں منع کیا ہے کہ اپنی عورتوں کو

---

[1] صحیح البخاری، النکاح، باب من قال: لانکاح إلا بولی، حدیث: 5130. [2] سنن أبی داود، النکاح، باب فی العضل، حدیث: 2087 و جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورۃ البقرۃ، حدیث: 2981 و تفسیر ابن أبی حاتم: 427,426/2 و تفسیر الطبری: 657,656/2. [3] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورۃ البقرۃ، حدیث: 2981.
[4] السنن الکبرٰی للبیهقی، النکاح، باب لانکاح إلا بولی: 104/7.

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى

اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں، (یہ حکم) اس شخص کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے (اس صورت میں) باپ کے

الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ

ذمے ہے کہ ان (ماؤں) کو دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا دے، کسی جان پر اس کی گنجائش سے بڑھ کر بوجھ نہ ڈالا جائے، نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ

بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ

سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے (تنگ کیا جائے) اور (اگر باپ مرجائے تو) اس کے وارث کا یہی ذمہ ہے، پھر اگر دونوں (ماں

تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ

باپ) آپس کی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانے کا ارادہ کریں تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تم ارادہ کرو کہ اپنی اولاد کو کسی اور عورت سے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

دودھ پلواؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم اس معاوضے کی ادائیگی کر دو جو تم نے دستور کے مطابق دینا طے کیا ہو اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿233﴾

تمھارے ہر عمل پر کڑی نگاہ رکھتا ہے جو تم کرتے ہو ﴿233﴾

اپنے شوہروں سے دوبارہ شادی کرنے سے منع نہ کرو جبکہ وہ دستور کے مطابق باہم رضامند ہو جائیں تو وہ اس حکم کو مانتا، اس سے نصیحت حاصل کرتا اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔ ﴿ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ ﴾ ''(اے لوگو!) جو تم میں سے'' ﴿ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ﴾ ''اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی شریعت پر ایمان رکھتا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی وعید، عذاب اور جزا سزا سے ڈرتا ہے۔ ﴿ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ ﴾ ''یہ تمھارے لیے نہایت خوب اور بہت پاکیزگی کی بات ہے۔'' یعنی عورتوں کو ان کے شوہروں کی طرف واپس کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی اتباع اور اس سلسلے میں حمیت کو ترک کر دینا بہت خوب اور دلوں کے لیے بہت پاکیزگی کی بات ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ ﴾ ''اور اللہ جانتا ہے۔'' ان مصلحتوں کو جن پر اس کا امر و نہی مبنی ہوتا ہے۔ ﴿ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿232﴾ ﴾ ''اور تم نہیں جانتے۔'' اس بھلائی کو جو تمھارے ان کاموں میں ہوتی ہے جن کو تم کرتے ہو یا جنھیں تم ترک کر دیتے ہو۔

تفسیر آیت:233

وہی رضاعت معتبر ہے جو مدت رضاعت میں ہو: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ماؤں کو یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو پوری مدت تک، جو کہ دو سال ہے، دودھ پلائیں، اس کے بعد رضاعت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ ﴾ ''یہ (حکم) اس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔'' یعنی اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوگی جو دو سال کے اندر اندر ہو اور اگر بچے نے دو سال سے زیادہ عمر میں دودھ پیا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔

امام ترمذی نے ایک باب کا عنوان اس طرح قائم کیا ہے: باب مَاجَاءَ مَا ذُكِرَ أَنَّ الرَّضَاعَةَ لَاتُحَرِّمُ إِلَّافِي الصِّغَرِ دُونَ الْحَوْلَيْنِ ''صرف اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو صغر سنی میں دو سال کے اندر اندر ہو۔'' پھر انھوں نے اس باب میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ] ''صرف اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوگی جو پستان سے ہو اور انتڑیوں کو پھاڑ دے اور دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے پہلے ہو۔''

امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور حضرات صحابۂ کرام اور دیگر اہل علم میں سے اکثر کا عمل اسی کے مطابق ہے کہ صرف اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو دو سال کی عمر سے پہلے پہلے ہو اور جو رضاعت مکمل دو سال کی عمر کے بعد ہو تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔[1] امام ترمذی اس حدیث کے بیان کرنے میں منفرد ہیں لیکن اس کے رجال صحیحین کی شرط کے مطابق ہیں۔

حدیث میں جو یہ الفاظ آئے ہیں: [إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ] ان کے معنی یہ ہیں کہ وہی رضاعت معتبر ہے جو محل رضاعت، یعنی پستان سے ہو اور دو سال سے پہلے ہو جیسا کہ اس حدیث میں بھی آیا ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادۂ گرامی حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ نے فرمایا: [إِنَّ لَهُ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ] ''اس کے لیے جنت میں دودھ پلانے والی ایک دایہ مقرر ہے۔''[2]

اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا رِضَاعَ إِلَّا مَا كَانَ فِي الْحَوْلَيْنِ] ''صرف اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو دو سال کے اندر ہو۔''[3] اس حدیث کو امام مالک رحمہ اللہ نے بھی موطا میں ثور بن زید کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا روایت کیا ہے۔[4] اسے دراوردی نے بھی ثور از عکرمہ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور ان الفاظ کو بھی بیان کیا ہے: [وَمَا كَانَ بَعْدَ الْحَوْلَيْنِ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ] ''اور جو رضاعت دو سال کے بعد ہو وہ کچھ نہیں ہے۔''[5] یہ حدیث زیادہ صحیح ہے۔

رضاعت کبیر: صحیح حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ کے نزدیک رضاعت کبیر سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔[6] عطاء بن ابورباح اور لیث بن سعد رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن آدمیوں کو اپنے گھر میں

---

[1] جامع الترمذی، الرضاع، باب ماجاء ما ذکر أن الرضاعة لاتحرم......، حدیث: 1152. [2] مسند أحمد: 302/4 و صحیح البخاری، الجنائز، باب ما قیل فی أولاد المسلمین، حدیث: 1382. [3] سنن الدارقطنی، الرضاع: 174/4، حدیث: 4318. [4] الموطأ للإمام مالك، الرضاع، باب رضاعة الصغیر: 221/2، حدیث: 1315. [5] السنن الکبرٰی للبیهقی، الرضاع، باب ماجاء فی تحدید ذلك بالحولین: 462/7. [6] صحیح مسلم، الرضاع، باب رضاعة الکبیر، حدیث: 1453.

آنے جانے کی اجازت دیتی تھیں، ان کے بارے میں اپنے خاندان کی بعض عورتوں کو یہ حکم دے دیتی تھیں کہ وہ انھیں دودھ پلا دیں۔ اور اس سلسلے میں آپ کا استدلال حدیث سالم مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہما سے تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوحذیفہ کی بیوی کو حکم دے دیا تھا کہ وہ سالم کو دودھ پلا دے، حالانکہ وہ بڑی عمر کا لڑکا تھا۔ اور اسی رضاعت کی وجہ سے وہ ان کے پاس آتا جاتا تھا لیکن باقی تمام ازواج مطہرات اس کی قائل نہیں تھیں۔ ان کی رائے میں یہ واقعہ خصائص میں سے تھا۔[1] جمہور کا بھی یہی قول ہے کہ رضاعت کبیر سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

رضاعت کی اجرت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ''اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہوگا۔'' یعنی بچے کے باپ کے ذمے یہ ہے کہ وہ ماؤں کو دستور کے مطابق نفقہ اور کپڑا وغیرہ دے۔ دستور سے مراد یہ ہے کہ ان کے شہر میں ان جیسی عورتوں کے کھانے اور کپڑے کا جو معمول ہو اس کے مطابق اِسراف اور بخل کے بغیر انھیں بھی دیا جائے، یعنی ہر شخص مالی خوش حالی یا درمیانے درجے کی مالی حالت یا تنگی و ترشی کے اعتبار سے جیسی بھی اس کی حالت ہو اس کے مطابق وہ حسب دستور کھانا اور کپڑا دے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ ﴾ (الطلاق 7:65) ''صاحب وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے اور جس کے رزق میں تنگی ہو وہ جتنا اللہ نے اس کو دیا ہے، اس کے موافق خرچ کرے، اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کے مطابق جو اس کو دیا ہے اور اللہ عنقریب تنگی کے بعد کشائش بخشے گا۔''

ضحاک فرماتے ہیں کہ جب کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس سے اس کا بچہ بھی ہو اور وہ اس کے بچے کو دودھ پلائے تو والد پر یہ واجب ہے کہ دستور کے مطابق اسے نفقہ اور کپڑا دے۔[2]

ابتدا کرکے یا بدلے میں نقصان نہ پہنچایا جائے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا ﴾ ''ماں اپنے بچے کے سبب (اس کے باپ کو) نقصان نہ پہنچائے۔'' یعنی ماں کو بھی یہ نہیں چاہیے کہ بچے کو اپنے سے دور کر دے تاکہ اس کی تربیت کی ذمے داری کی وجہ سے اس کے باپ کو نقصان پہنچائے۔ جب اس نے بچے کو جنم دیا ہے تو اسے چاہیے کہ اس وقت تک بچے کو اپنے سے دور نہ کرے جب تک اسے اس مدت تک دودھ نہ پلا لے جس وقت تک وہ عموماً دودھ پیے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، پھر اس کے بعد اگر چاہے تو بچے کو اپنے سے الگ کر سکتی ہے لیکن اگر اس کا مقصد باپ کو نقصان پہنچانا ہو تو پھر اس کے لیے بچے کو الگ کرنا حلال نہ ہوگا۔ اسی طرح باپ کے لیے بھی یہ حلال نہیں ہے کہ نقصان پہنچانے کی غرض سے بچے کو اس کی ماں سے الگ کرے۔

اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۝ ﴾ ''اور نہ باپ اپنے بچے کے سبب (اس کی ماں کو) نقصان پہنچائے۔'' یعنی

---

[1] سنن أبي داود، النكاح، باب من حرَّم به، حديث: 2061. [2] تفسير الطبري: 672/2.

باپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ محض نقصان پہنچانے کی خاطر بچے کو اس کی ماں سے چھین لے۔ یہ امام مجاہد، قتادہ، ضحاک، زہری، سدی، ثوری اور ابن زید رحمہم اللہ وغیرہ کا قول ہے۔ ①

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ ﴾ ''اور اسی طرح (نان ونفقہ) بچے کے وارث کے ذمے ہے۔'' اس کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ وارث کے لیے بھی یہ واجب ہے کہ وہ اپنے قریبی عزیز کو نقصان نہ پہنچائے۔ یہ امام مجاہد، شعبی اور ضحاک رحمہم اللہ کا قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وارث پر بھی بچے کے والد کی طرح یہ واجب ہے کہ وہ بچے کی ماں پر خرچ کرے، اس کے حقوق کو پورا کرے اور اسے کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ یہ جمہور کا قول ہے۔ امام ابن جریر نے اس مسئلے پر اپنی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ ②

کہا جاتا ہے کہ دو سال کے بعد رضاعت بچے کے جسم یا عقل کو نقصان پہنچاتی ہے۔ امام سفیان ثوری نے اعمش سے انھوں نے ابراہیم سے اور انھوں نے علقمہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ایک عورت کو دیکھا جو دو سال کے بعد بھی دودھ پلا رہی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اب اسے دودھ نہ پلاؤ۔ ③

دونوں کی رضامندی سے دودھ چھڑانا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۭ ﴾ ''پھر اگر دونوں (ماں باپ) آپس کی رضامندی اور صلاح سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔'' یعنی بچے کے والدین اگر اس بات پر متفق ہو جائیں کہ دو سال سے پہلے ہی بچے کا دودھ چھڑا دیا جائے اور بچے کی مصلحت بھی اسی میں ہو اور باہمی مشورے سے اس بات پر وہ اتفاق کر لیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس مسئلے میں والدین میں سے صرف ایک ہی کی رائے کافی نہیں ہے اور نہ کسی ایک کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ دوسرے کے مشورے کے بغیر از خود زبردستی کوئی فیصلہ کرے۔ یہ امام ثوری وغیرہ کا قول ہے۔ اسی میں بچے کی احتیاط ہے اور یہ حکم بھی کہ اس کے بارے میں خوب غور وفکر کے بعد فیصلہ کیا جائے۔

پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے رحمت بھی ہے کہ اس نے ماں باپ دونوں پر بچے کی تربیت کی پابندی عائد کی اور ایسے امور کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی جس میں ان دونوں کی اور بچے کی بہتری ہے جیسا کہ سورۂ طلاق میں فرمایا: ﴿ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ۝ ﴾ (الطلاق 6:65) ''پھر اگر وہ بچے کو تمھارے کہنے سے دودھ پلائیں تو تم ان کو ان کی اجرت دو اور (بچے کے بارے میں) آپس میں پسندیدہ طریق سے موافقت رکھو اور اگر تم باہم ضد (اور نااتفاقی) کرو گے تو (بچے کو) اس کے (باپ کے) کہنے سے کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ﴾

① تفسیر الطبری: 676,675/2. ② تفسیر الطبری: 686-673/2. ③ تفسیر الطبری: 668/2.

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ چار ماہ دس دن اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں،

وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں، وہ اپنی ذات کے معاملے میں دستور کے مطابق جو چاہیں کریں (انھیں اختیار ہے)

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿234﴾

اور اللہ تمھارے ہر عمل سے خوب خبردار ہے جو تم کرتے ہو ﴿234﴾

''اور اگر تم اپنی اولاد کو کسی اور عورت سے دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ تم دودھ پلانے والیوں کو دستور کے مطابق ان کا حق، جو تم نے دینا کیا تھا، دے دو۔'' یعنی جب والدہ اور والد اتفاق سے یہ طے کر لیں کہ والد بچے کو اس کی والدہ سے لے لے، خواہ اس میں والدہ کی طرف سے کوئی عذر ہو یا بچے کی وجہ سے کوئی عذر ہو تو والد کے خرچ کرنے کی وجہ سے عورت کو کوئی گناہ نہیں ہوگا اور نہ والد کو عورت سے (بچہ) لے لینے کی وجہ سے گناہ ہوگا جبکہ وہ اس کی مکمل اجرت احسن انداز میں ادا کر دے اور اپنے بچے کے لیے کسی دوسری عورت کو دستور کے مطابق اجرت پر دودھ پلانے کے لیے رکھ لے جیسا کہ کئی ایک مفسرین نے کہا ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ''اور تم (اپنے تمام حالات میں) اللہ سے ڈرتے رہو۔'' ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿233﴾﴾ ''اور تم جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔'' یعنی تمھارے احوال و اقوال میں سے کوئی چیز بھی تو اس سے مخفی نہیں ہے۔

تفسیر آیت:234

جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اس کی عدت: اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کو جن کے شوہر فوت ہو جائیں یہ حکم دیا ہے کہ وہ چار ماہ اور دس دن تک عدت گزاریں۔ یہ حکم سب عورتوں کے لیے ہے، خواہ ان کے شوہروں کا ان سے ازدواجی تعلق قائم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ اور اس مسئلے پر تمام علماء وفقہاء کا اجماع ہے۔

جس عورت سے اس کے شوہر کا ازدواجی تعلق قائم نہ ہوا ہو اس کے لیے اس عدت کے سلسلے میں اسی آیت کریمہ کے عموم سے استدلال کیا گیا ہے، نیز اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے جسے امام احمد اور اہل سنن نے روایت کیا اور امام ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کسی عورت سے نکاح کیا مگر اس سے ازدواجی تعلق قائم کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا اور اس نے اس کے لیے مہر کا بھی تعین نہیں کیا تھا، لوگوں نے اس مسئلے کے لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کئی بار رجوع کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں اس کا جواب اپنی رائے سے دیتا ہوں، اگر صحیح ہوا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اگر غلط ہوا تو یہ میری اور شیطان کی طرف سے ہوگا اور اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہوں گے۔ اس عورت کو مہر کامل ملے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اسے مہر مثل ملے گا، نہ کم اور نہ زیادہ اور اسے عدت بھی گزارنا ہوگی اور اسے میراث سے حصہ بھی ملے گا۔

آپ کا یہ جواب سن کر حضرت مَعْقِل بن سِنان [1] اشجعی نے کہا: میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی برْوَع بنت وَاشِق کے بارے میں یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ یہ بات سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بے حد خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا۔ ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ خاندان اشجع کے کچھ لوگ کھڑے ہوئے اور انھوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے برْوَع بنت واشِق کے بارے میں یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ [2]

اس سے صرف وہ مُتَوَفّٰی عَنْهَا زَوْجُهَا (وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے) مستثنیٰ ہے جو حاملہ ہو کیونکہ اس کی عدت وضع حمل ہے، خواہ وہ شوہر کی وفات کے ایک ہی لمحہ بعد بچے کو جنم دے دے۔ اس کی دلیل ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط ﴾ (الطلاق 4:65) ''اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (بچہ جننے) تک ہے۔'' کا عموم ہے۔ اور حدیث سُبَیْعہ اَسلمِیّہ سے بھی یہی ثابت ہے جو کہ صحیحین میں کئی سندوں سے بیان ہوئی ہے۔ ان کے شوہر سعد بن خولہ جب فوت ہوئے تو وہ حاملہ تھیں۔ ان کی وفات کے کچھ ہی دیر بعد انھوں نے بچے کو جنم دے دیا۔ ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ انھوں نے چند راتوں کے بعد ہی بچے کو جنم دے دیا۔ جب وہ نفاس سے فارغ ہوئیں تو انھوں نے منگنی کے لیے آرائش و زیبائش کا اہتمام کیا تو ان کے پاس ابوسنابل بن بعلک آئے تو انھوں نے کہا: کیا بات ہے؟ تم نے آرائش و زیبائش اختیار کر رکھی ہے، شاید تمھارا نکاح کا ارادہ ہے؟ واللہ! تم چار ماہ دس دن سے پہلے نکاح نہیں کر سکتی، سبیعہ نے کہا کہ جب انھوں نے یہ بات کہی تو میں نے شام کے وقت کپڑے بدلے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مجھے فتویٰ یہ دیا کہ بچے کو جنم دینے کے بعد تم حلال ہو گئی ہو اور آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو نکاح کر سکتی ہو۔ [3]

اس عدت کی حکمت: سعید بن مسیّب، ابوالعالیہ اور دیگر کئی اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ وفات کی صورت میں چار ماہ اور دس دن کی عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر رحم میں حمل ہو تو وہ واضح ہو جائے۔ [4] کیونکہ اگر رحم میں حمل ہو تو اس مدت تک انتظار کرنے کی صورت میں وہ یقیناً ظاہر ہو جاتا ہے جیسا کہ اس حدیث ابن مسعود میں ہے جو صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں ہے: [إِنَّ خَلْقَ أَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ إِلَيْهِ مَلَكًا...... ثُمَّ يَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ] ''تم میں سے کسی ایک کی تخلیق کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ چالیس دن تک شکم مادر میں نطفہ ہوتا ہے، پھر وہ اسی طرح چالیس دن لوتھڑا ہوتا ہے اور اسی طرح چالیس دن تک بوٹی ہوتا ہے، پھر اللہ

---

[1] ابن کثیر کے نسخوں میں ''یسار'' ہے جو کہ خطا ہے۔ [2] مسند أحمد: 480/3 و سنن أبي داود، النكاح، باب فيمن تزوج ولم يسم لها صداقًا......، حديث: 2116 و جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في الرجل يتزوج المرأة فيموت عنها قبل أن يفرض لها، حديث: 1145 و سنن النسائي، النكاح، باب إباحة التزويج بغير صداق، حديث: 3356 و سنن ابن ماجه، النكاح، باب الرجل يتزوج ولا يفرض......، حديث: 1891. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب 10، حديث: 3991 و صحيح مسلم، الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفّٰى عنها وغيرها......، حديث: 1484. [4] ماخوذ از تفسير الطبري: 700,699/2.

تعالیٰ اس کی طرف فرشتے کو بھیجتا ہے...... پھر وہ اس میں روح پھونک دیتا ہے۔''[1] ان تینوں مراحل کے چار ماہ بن گئے اور اس کے بعد احتیاط کی خاطر دس دن اور رکھے گئے ہیں کیونکہ بعض ماہ پورے تیس دن کے نہیں ہوتے اور اس لیے بھی کہ بچے میں حرکت اس میں روح پھونکے جانے کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے۔ واللّٰہ أعلم.

ام ولد[2] کی عدت: اسی وجہ سے بعض اہل علم نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ لونڈی کی عدت بھی وہی ہے جو ایک آزاد عورت کی ہے اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ ہم پر ہمارے نبی کی سنت کو خلط ملط نہ کرو، اُم ولد (لونڈی) کا آقا جب فوت ہو جائے تو اس کی عدت بھی چار ماہ دس دن ہے۔[3] اس حدیث کو ابوداود اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

اس عدت میں سوگ واجب ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِيٓ أَنفُسِهِنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿234﴾ ﴾ ''پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں، وہ اپنی ذات کے معاملے میں دستور کے مطابق جو چاہیں کریں (انھیں اختیار ہے) اور اللہ تمھارے سب کاموں سے خوب واقف ہے۔'' اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو اس کے لیے عدت کی اس مدت میں سوگ منانا واجب ہے کیونکہ صحیحین میں کئی سندوں سے اُم المؤمنین ام حبیبہ اور زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ ، إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا] ''کسی بھی ایسی عورت کے لیے جس کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان ہو، یہ حلال نہیں کہ وہ کسی بھی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ منائے۔ ہاں، البتہ وہ اپنے شوہر کی وفات کی صورت میں چار ماہ دس دن تک سوگ منائے گی۔''[5]

صحیحین ہی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری بیٹی کا شوہر فوت ہو گیا ہے اور اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے تو کیا ہم اس کی آنکھوں میں سرمہ ڈال سکتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: [لَا، مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلَّ ذٰلِكَ يَقُولُ: لَا، ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا هِيَ: أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا وَّقَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلٰى رَأْسِ الْحَوْلِ] ''نہیں! آپ نے دو یا تین بار فرمایا: نہیں! پھر فرمایا کہ یہ مدت چار ماہ اور دس دن ہے

---

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة ، حديث:3208 وصحيح مسلم، القدر، باب كيفية خلق الآدمي ...... ، حديث:2643 وسنن أبي داود، السنة ، باب في القدر، حديث:4708 واللفظ له. [2] وہ لونڈی جس کا اس کے آقا سے بچہ پیدا ہو چکا ہو۔ [3] مسند أحمد:203/4 . [4] سنن أبي داود، الطلاق، باب في عدة أم الولد، حديث:2308 وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب عدة أم الولد، حديث:2083. یہ روایت ضعیف ہے۔ [5] صحيح البخاري، الطلاق، باب تُحِدُّ المتوفّٰى عنها أربعة أشهر وعشرًا، حديث: 5334 وصحيح مسلم، الطلاق، باب وجوب الإحداد في عدة الوفاة ...... ، حديث:1486.

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ

اور اس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کی عدت کے دوران انھیں اشارے کنائے میں نکاح کا پیغام دو یا تم اپنا ارادہ اپنے دلوں میں چھپائے

اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ۬ وَلَا تَعْزِمُوْا

رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ بے شک تم ان عورتوں کا ذکر ضرور کرو گے لیکن ان سے نکاح کا خفیہ وعدہ نہ کرو، مگر یہی کہ دستور کے مطابق بات کہو اور عقد نکاح کا

عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ

پختہ ارادہ مت کرو یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے، اور جان لو! بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے، پس تم اس سے ڈرو اور جان لو

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿235﴾ ع 30/4/14

کہ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت بردبار ہے ﴿235﴾

جبکہ تم میں سے کوئی ایک زمانۂ جاہلیت میں ایک سال تک انتظار کر کے مینگنی پھینکتی تھی (تب عدت سے فارغ ہوتی تھی۔)''[1]

زینب بنت ام سلمہ سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کسی عورت کا شوہر فوت ہو جاتا تو وہ ایک کٹیا میں داخل ہو جاتی، بدترین کپڑے پہنتی، خوشبو وغیرہ قطعاً استعمال نہ کرتی حتی کہ ایک سال کی مدت اسی حالت میں گزرتی، پھر کسی جانور، گدھے، بکری یا پرندے کو لایا جاتا تو وہ اسے چھوتی تھی، بہت کم ایسا ہوا ہوگا کہ کسی جانور کو اس نے چھوا ہو اور وہ مرا نہ ہو، پھر وہ نکلتی اسے مینگنی دی جاتی وہ اسے پھینکتی تھی، پھر خوشبو وغیرہ کی بابت جو چاہتی کرتی۔[2]

سوگ کے ایام میں عورت زیب و زینت سے بچے: غرض سوگ یہ ہے کہ عورت زینت، خوشبو کے استعمال اور ایسے زیورات اور کپڑوں کے استعمال کو ترک کر دے جن کو شوہر کے لیے پہنا جاتا ہو۔ عدت وفات میں یہ سوگ واجب ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور اس سلسلے میں کوئی دوسرا قول نہیں ہے، نیز ان تمام بیویوں کے لیے جن کے شوہر فوت ہو جائیں یہ سوگ منانا واجب ہے، خواہ وہ بہت چھوٹی عمر کی ہوں یا حیض سے ناامید ہو گئی ہوں یا آزاد ہوں یا لونڈی ہوں یا مسلمان ہوں یا کافر ہوں کیونکہ آیت کریمہ کے عموم کا تقاضا یہی ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ یعنی جب یہ اپنی عدت پوری کر چکیں۔ ضحاک اور ربیع بن انس نے ان الفاظ کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔[3] ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ ''تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔'' امام زہری فرماتے ہیں: یعنی اس عورت کے وارثوں پر۔[4] ﴿فِيْمَا فَعَلْنَ﴾ ''اس چیز میں جو وہ (نکاح) کر لیں۔'' یعنی یہ عورتیں جن کی عدت پوری ہو چکی ہے۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب عورت کو طلاق مل جائے یا اس کا شوہر فوت ہو جائے اور اس

[1] صحيح البخاري، الطلاق، باب تحد المتوفّى عنها أربعة أشهر وعشرًا، حديث: 5336 و صحيح مسلم، الطلاق، باب وجوب الإحداد في عدة الوفاة......، حديث: 1488. [2] صحيح البخاري، الطلاق، باب تحد المتوفى عنها ......، حديث: 5337 و صحيح مسلم، الطلاق، باب وجوب الإحداد في عدة الوفاة ......، حديث: 1489. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 437/2. [4] تفسير ابن أبي حاتم: 437/2.

کی عدت پوری ہو جائے، پھر اس کے لیے اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ وہ زیب و زینت کو اختیار کر کے اور آرائش و زیبائش کا اہتمام کر کے اپنے آپ کو نکاح کے لیے پیش کرے اور اس سلسلے میں دستور اور معروف کو پیش نظر رکھے۔ ① ابن جریج نے مجاہد سے روایت کیا ہے: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ''تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنی ذات کے معاملے میں دستور کے مطابق جو چاہیں کریں۔'' اس سے مراد حلال وطیب نکاح ہے۔ امام حسن بصری، امام زہری اور امام سدی رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ②

تفسیر آیت:235

عدت میں نکاح کی ممانعت مگر اس سلسلے میں اشارہ و کنایہ جائز ہے: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ ''اور تم پر کچھ گناہ نہیں۔'' کہ جو عورتیں اپنے شوہر کی وفات کی وجہ سے عدت میں ہوں اور تم انھیں کسی صراحت کے بغیر اشارے و کنایے میں نکاح کا پیغام بھیج دو۔ امام ثوری، شعبہ اور جریر وغیرہ نے منصور سے انھوں نے مجاہد سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ﴾ ''اور اس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کی عدت کے دوران انھیں اشارے کنایے میں نکاح کا پیغام دو۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ تعریض یہ ہے کہ ''آدمی یوں کہے: میرا شادی کرنے کا ارادہ ہے۔'' یا یہ کہے کہ میں اس عورت کو پسند کرتا ہوں جو ایسی ایسی ہو، یعنی دستور کے مطابق اشارے و کنایے سے کام لے۔ ③ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''میں بھی چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی کوئی بیوی عطا فرمائے۔'' یا اس طرح کے کوئی اور الفاظ استعمال کر لے لیکن صراحت کے ساتھ منگنی کا پیغام نہ دے۔ ④

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ انسان کہے کہ میرا شادی کرنے کا پروگرام ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے کوئی نیک بیوی عطا فرمائے۔ ⑤ امام مجاہد، طاؤس، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، شعبی، حسن، قتادہ، زہری، یزید بن قُسیط، مُقاتل بن حیّان، قاسم بن محمد رحمہم اللہ اور کئی ایک ائمۂ سلف وخلف نے تعریض کے بارے میں لکھا ہے کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو اس سے عدت کے دوران میں صراحت کے ساتھ تو نہیں، البتہ اشارے کنایے کی زبان میں منگنی کے بارے میں بات کی جا سکتی ہے۔ ⑥

اسی طرح جس عورت کو طلاق بتہ ہوئی ہو تو اس کی عدت کے دوران میں اسے بھی کنایے سے نکاح کا پیغام دینا جائز ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا جبکہ ان کے شوہر ابو عمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے انھیں آخری تیسری طلاق بھی دے دی تھی تو آپ نے انھیں حکم دیا تھا کہ وہ ابن ام مکتوم کے گھر میں عدت گزاریں اور فرمایا: [فَإِذَا حَلَلْتِ فَآذِنِينِي] ''جب تمھاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے بتا دینا۔'' وہ کہتی ہیں جب میری عدت پوری ہو گئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

① تفسير ابن أبي حاتم: 437/2. ② تفسير ابن أبي حاتم: 438/2. ③ تفسير الطبري: 701/2. ④ تفسير الطبري: 701/2. ⑤ صحيح البخاري، النكاح، باب قول الله عزوجل: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ......﴾، حديث: 5124. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم: 439,438/2.

عرض کی: اسامہ بن زید...... نے نکاح کا پیغام بھیجا ہے تو آپ نے فرمایا: اسامہ بن زید سے نکاح کر لو۔ [1] اور جس عورت کو رجعی طلاق ہوئی ہو تو اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کی عدت کے دوران میں اس کے شوہر کے علاوہ کسی اور کے لیے صراحت یا کنایے سے پیغام نکاح بھیجنا جائز نہیں ہے۔ واللہ أعلم۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ﴾ ''یا تم اپنا ارادہ اپنے دلوں میں مخفی رکھو'' کہ تم انھیں منگنی کا پیغام دو گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ ﴾ (القصص 69:28) ''اور ان کے سینے جو کچھ مخفی کرتے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں، تمھارا پروردگار اس کو جانتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ﴾ (الممتحنة 1:60) ''اور جو کچھ تم مخفی طور پر اور جو علی الاعلان کرتے ہو وہ مجھے معلوم ہے۔'' اسی لیے فرمایا: ﴿ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ ﴾ ''اللہ کو معلوم ہے کہ تم ان (عورتوں سے نکاح) کا ذکر ضرور کرو گے۔'' یعنی اپنے دلوں میں، لہٰذا اس سلسلے میں اس نے تم سے حرج کو دور کر دیا ہے۔

پھر فرمایا: ﴿ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا ﴾ ''لیکن (ایام عدت میں) پوشیدہ طور پر ان سے قول وقرار نہ کرنا۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ تم اس سے یہ نہ کہو کہ میں تمھارا عاشق ہوں، لہٰذا وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہیں کرو گی یا اس طرح کی کوئی اور بات نہ کہو۔ [2] اسی طرح سعید بن جبیر، شعبی، عکرمہ، ابوالضحیٰ، ضحاک، زہری، امام مجاہد اور امام سفیان ثوری رحمہم اللہ سے مروی ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس عورت سے یہ پختہ عہد لے کہ وہ اس کے سوا کسی اور سے نکاح نہیں کرے گی۔ [3]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴾ ''مگر یہی کہ دستور کے مطابق کوئی بات کہہ دو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، سُدّی، ثوری اور ابن زید رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہی ہے جو عدت کے دوران میں کنایے کے جواز کی پہلے اجازت دی جا چکی ہے، جیسے کوئی یہ کہہ دے کہ مجھے تجھ سے رغبت ہے وغیرہ۔ [4] محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے عَبِیدہ سے پوچھا: ﴿ اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴾ کے معنی کیا ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عورت کے ولی سے کہے کہ جلدی نہ کرنا، یعنی مجھے بتائے بغیر اس کی شادی نہ کرنا۔ [5]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ﴾ ''اور جب تک عدت پوری نہ ہو جائے نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرو۔'' یعنی عدت پوری ہونے تک نکاح نہ کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، شعبی، قتادہ، ربیع بن انس، ابو مالک، زید بن اسلم، مُقاتِل بن حَیّان، زہری، عطاء خراسانی، سدی، ثوری اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ﴿ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ عدت پوری ہونے تک نکاح نہ کرو۔ [6]

[1] صحیح مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، حدیث: 1480 و مسند أحمد: 412/6. [2] تفسیر الطبری: 709/2. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 439/2 و تفسیر الطبری: 711,710/2. [4] تفسیر ابن أبي حاتم: 440/2 و تفسیر الطبری: 714,713/2. [5] تفسیر ابن أبي حاتم: 441/2. [6] تفسیر ابن أبي حاتم: 441/2.

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو جبکہ تم نے انھیں ہاتھ نہ لگایا ہو اور نہ ان کے لیے کچھ مہر مقرر کیا ہو اور انھیں کچھ مال ومتاع دے دو،

وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا

وسعت والے آدمی پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق، فائدہ پہنچانا ہے معروف طریقے سے، (یہ) نیکی کرنے

عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿236﴾

والوں پر لازم ہے ﴿236﴾

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا

اور اگر تم انھیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو جبکہ تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو تو اس (مہر) کا نصف ادا کرنا ہوگا جو تم نے مقرر کیا ہو۔ ہاں! وہ

فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ

عورتیں چاہیں تو (مہر) معاف کر سکتی ہیں یا وہ شخص معاف کر سکتا ہے جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے اور تم معاف کر دو تو یہ تقوے کے زیادہ قریب ہے

لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿237﴾

اور تم آپس میں بھلائی اور احسان کا برتاؤ کرنا مت بھولو، بے شک اللہ تمھارے ہر عمل پر نگاہ رکھتا ہے جو تم کرتے ہو ﴿237﴾

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مدتِ عدت میں عقد نکاح صحیح نہیں ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ﴾ ''اور جان رکھو کہ جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے اللہ کو سب معلوم ہے، لہٰذا تم اس سے ڈرتے رہو۔'' عورتوں کے امور ومعاملات سے متعلق جو کچھ دلوں میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سے ڈرایا ہے اور رہنمائی فرمائی ہے کہ دلوں میں اچھی بات ہی کو لاؤ، بری بات کو نہ لاؤ، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی رحمت سے مایوس و ناامید نہیں کیا، چنانچہ فرمایا ہے: ﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿235﴾ ﴾ ''اور جان رکھو کہ بے شک اللہ بہت بخشنے والا (اور) حلم والا ہے۔''

تفسیر آیت:236

صنفی تعلق قائم کرنے سے پہلے طلاق: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بات کو بھی جائز قرار دیا ہے کہ عورت کو عقد نکاح کے بعد اور صنفی تعلق قائم کرنے سے پہلے طلاق دے دی جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، طاؤس، ابراہیم، اور امام حسن بصری رحمہم اللہ فرماتے ہیں (اس آیت تمسوھن میں) مَسّ سے مراد نکاح ہے۔[1] بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ اگر حق مہر مقرر کیے بغیر شادی ہو چکی ہے تو صنفی تعلق قائم کرنے اور مہر مقرر کرنے سے قبل طلاق دے دی جائے، گو اس سے عورت کا دل ٹوٹ جاتا ہے مگر طلاق جائز ہے۔

متعہ طلاق: اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اسے کچھ خرچ ضرور دیا جائے۔ یہ خرچ گویا اس چیز کے عوض ہے جو اسے شوہر سے اس کے حالات کے مطابق ملنا تھا اور اب طلاق کی وجہ سے یہ اس سے محروم ہو گئی ہے۔ اور یہ خرچ مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق دے۔

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 442/2.

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سہل بن سعد اور ابواُسَید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمَیمہ بنت شراحیل سے نکاح کیا اور اسے جب آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ نے اپنا دست مبارک اس کی طرف بڑھایا تو اس نے گویا اسے ناپسند کیا تو آپ نے ابواسید رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے رخصت کرنے کے لیے تیار کر دیا جائے اور اسے سفید کَتّان کے دو (سوتی) کپڑے پہنا دیے جائیں۔ [1]

تفسیر آیت:237

مقاربت سے قبل طلاق ہو تو نصف مہر ہے: اس سے پہلی آیت کریمہ میں عورت کو خرچ دینے کا جو حکم دیا گیا تھا، اس آیت میں اس کی تعیین کر دی گئی ہے اور وہ یہ کہ اگر شوہر مقاربت سے پہلے عورت کو طلاق دے دے تو طے شدہ مہر کا نصف دے گا۔ اگر اسے کچھ اور خرچ دینا بھی واجب ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے بھی بیان فرما دیتا، خصوصاً جبکہ اس آیت کو اس پہلی آیت کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے جس میں اسے خرچ دینے کا ذکر ہے۔ والله أعلم .

اس حالت میں نصف مہر دینے پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور اس مسئلے میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر اس نے مہر مقرر کر دیا ہو اور مقاربت سے قبل اسے طلاق دے دے تو اس کے لیے اس مہر کا نصف ہوگا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّاۤ اَنْ يَّعْفُوْنَ ﴾ الا یہ کہ عورتیں اس نصف مہر کو بھی معاف کر دیں جو ان کے شوہروں پر واجب ہے تو پھر اس صورت میں ان کے لیے کچھ بھی واجب نہیں رہے گا۔ سدی نے ابوصالح سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں: ''الا یہ کہ عورت معاف کر دے اور اپنے حق کو چھوڑ دے۔'' امام ابومحمد بن ابوحاتم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ شُرَیح، سعید بن مسیّب، عِکرِمہ، مجاہد، شعبی، حسن، نافع، قتادہ، جابر بن زید، عطاء خراسانی، ضحاک، زہری، مقاتِل بن حیان، ابن سیرین، ربیع بن انس اور سدی رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ﴾ ''یا مرد جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے (اپنا حق) چھوڑ دے (اور پورا مہر دے دے تو اس کو اختیار ہے۔)'' امام ابن ابوحاتم نے فرمایا ہے کہ عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [وَلِيُّ عُقْدَةِ النِّكَاحِ الزَّوْجُ] ''جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے، اس سے مراد شوہر ہے۔'' [3]

ابن مردویہ نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسی قول کو امام ابن جریر نے اختیار کیا ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے اس سے مراد حقیقت میں شوہر ہی ہے کیونکہ اس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے۔ اسے مضبوط رکھنا، توڑ دینا یا منہدم کر دینا اسی کے ہاتھ میں ہے، اس سے مراد عورت کا ولی نہیں ہے کیونکہ جس طرح ولی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ جس عورت کا ولی بنا ہے اس کا مال کسی کو ہبہ کرے، اسی طرح اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے مہر کو معاف کر دے۔

---

[1] صحيح البخاري، الطلاق، باب من طلق......، حديث :5257. [2] تفسير ابن أبي حاتم :444/2. [3] تفسير ابن أبي حاتم :445/2. یہ روایت ضعیف ہے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿238﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا

اور تم سب نمازوں اور خاص طور پر درمیان والی نماز کی حفاظت کرو اور اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے بن کر کھڑے ہو﴿238﴾ پھر اگر تم خوف کی

اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿239﴾

حالت میں ہو تو پیدل یا سوار ہی (نماز پڑھ لو)، پھر جب تم امن میں ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کرو جس طرح اس نے تمھیں وہ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے﴿239﴾

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ ﴾ ''اور اگر تم مرد لوگ ہی اپنا حق چھوڑ دو تو یہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔'' بعض نے کہا ہے کہ اس ارشاد کے مخاطب مرد اور عورتیں ہیں۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آیت: ﴿ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں سے زیادہ متقی وہ ہے جو معاف کر دے۔[2] امام شعبی وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ امام مجاہد، نخعی، ضحاک، مُقاتِل بن حَیّان، ربیع بن انس اور ثوری فرماتے ہیں کہ یہاں فضیلت کی بات یہ ہے کہ عورت اپنے نصف مہر کو بھی معاف کر دے یا شوہر اسے نصف کے بجائے پورا مہر ہی دے دے۔[3]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ ﴾ ''اور تم آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا۔'' بھلائی سے یہاں احسان کرنا مراد ہے جیسا کہ سعید (بن مسیب) نے فرمایا ہے۔[4] ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿237﴾ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ تمھارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔'' یعنی تمھارے امور و معاملات اور حالات میں سے کچھ بھی اس سے مخفی نہیں ہے اور وہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا۔

تفسیر آیات: 239,238

اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے کہ نمازوں کی ان کے اوقات میں محافظت کی جائے، اور ان کے حدود کی حفاظت کی جائے اور انھیں ان کے مقرر کردہ اوقات ہی میں ادا کیا جائے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: [اَلصَّلَاةُ عَلٰى وَقْتِهَا ، قَالَ : ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ : ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ ، قَالَ : ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ : اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: والدین سے نیکی کرنا۔ آپ نے عرض کی: پھر کون سا؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان فرمایا تھا اور اگر میں کچھ مزید سوال کرتا تو آپ بھی یقیناً کچھ مزید ارشاد فرماتے۔[5]

---

[1] تفسیر الطبری: 747/2. [2] تفسیر الطبری: 747/2. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 446/2 و تفسیر الطبری: 749,748/2.
[4] تفسیر الطبری: 749/2. [5] صحیح البخاری، الأدب، باب البر والصلة، حدیث: 5970 لیکن یہاں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا سوال اس طرح مروی ہے کہ ''اللہ عزوجل کی بارگاہ میں کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟'' اور تفسیر میں مذکور یہ الفاظ صحیح البخاری، الجهاد والسير، باب فضل الجهاد والسير، حدیث: 2782 کے مطابق ہیں۔ و صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان کون الإیمان باللّٰه تعالیٰ أفضل الأعمال، حدیث: 85.

صلاۃ وسطیٰ: اللہ تعالیٰ نے نمازوں میں سے درمیان والی نماز، یعنی نماز عصر کے بارے میں خاص تاکید فرمائی ہے۔ امام ترمذی وبغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء صحابہ اور دیگر اہل علم کا یہی قول ہے کہ صلاۃ وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے۔[1] قاضی ماوردی فرماتے ہیں: کہ جمہور تابعین کا بھی یہی قول ہے۔ حافظ ابوعمر بن عبدالبر کہتے ہیں کہ اکثر اہل حدیث کا یہی قول ہے۔[2] ابومحمد بن عطیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جمہور کا یہی قول ہے۔ شرف الدین عبدالمؤمن بن خلف دِمیاطی نے اپنی کتاب کَشْفُ الْمُغَطّٰی فِي فَضْلِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰی میں لکھا ہے کہ اس سے مراد نماز عصر ہے اور حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابوایوب، عبداللہ بن عمرو، سمرہ بن جندب، ابوہریرہ، ابوسعید، حفصہ، ام حبیبہ، ام سَلَمہ، ابن عباس، اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کا صحیح روایت کے مطابق یہی قول ہے۔ عبیدہ، ابراہیم نخعی، رزین، زِرّ بن حُبَیْش، سعید بن جبیر، ابن سیرین، حسن، قتادہ، ضحاک، کلبی، مقاتل اور عبید بن ابومریم رحمہم اللہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔[3]

اس کی دلیل: امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن فرمایا تھا: [شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطٰی صَلَاةِ الْعَصْرِ، مَلَأَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ وَبُيُوتَهُمْ نَارًا] ''انھوں نے ہمیں نماز وسطیٰ، یعنی نماز عصر سے مشغول کر دیا، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں اور گھروں کو آگ سے بھر دے۔'' پھر آپ نے اسے مغرب وعشاء کے مابین ادا فرمایا۔[4] اور اسی طرح امام مسلم اور نسائی نے اس حدیث کو شُتَیر بن شکل از علی رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔[5] اور شیخین، امام ابوداود، ترمذی، نسائی رحمہم اللہ اور کئی اصحاب مسانید وسنن وصحاح نے عَبِیدہ سلمانی عن علی رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے۔[6]

جنگ خندق کے دن مشرکوں کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز عصر ادا کرنے سے روکنے کے بارے میں یہ حدیث صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے جس کا ذکر موجب طوالت ہوگا کیونکہ اس وقت مقصود تو ان سے ایک نص کو بیان کرنا ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ نماز وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے، اسے امام مسلم نے حضرت ابن مسعود اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کیا ہے۔[7]

---

① جامع الترمذی، الصلاة، باب ماجاء فی الصلاة الوسطی......، حدیث: 182 عن سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ وتفسیر البغوی:323,322/1. ② الاستذکار، باب الصلاة الوسطی:429/5. ③ تفسیر الطبری:755-750/2. ④ مسند أحمد :113/1 مسند احمد اور صحیح مسلم میں [قُلُوبَهُم] کے بجائے [قُبُورَهُم] ہے، البتہ ابن کثیر کے الفاظ کی تائید صحیح ابن خزیمة :289/2، حدیث:1336 وتفسیر الطبری:759/2 وغیرہ سے ہوتی ہے۔ ⑤ صحیح مسلم، المساجد، باب الدلیل لمن قال:الصلاة الوسطی هی صلاة العصر، حدیث:627 والسنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب قوله جل ثناؤه: ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ :304,303/6، حدیث:11045. ⑥ صحیح البخاری، الدعوات، باب الدعاء علی المشرکین، حدیث:6396 وصحیح مسلم، المساجد، باب الدلیل لمن قال: الصلاة الوسطی هی صلاة العصر، حدیث:627 وسنن أبی داود، الصلاة، باب وقت العصر، حدیث:409 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة البقرة، حدیث:2984 وسنن النسائی، الصلاة، باب المحافظة علی صلاة العصر، حدیث:474. ⑦ صحیح مسلم، المساجد، باب الدلیل لمن قال : الصلاة الوسطی هی صلاة العصر، حدیث:628-630.

امام احمد نے حضرت سمُرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[صَلاۃُ الْوُسطی صَلاۃُ الْعَصرِ] ''نماز وُسطیٰ نمازِ عصر ہے۔''① اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے ﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى﴾ کے بارے میں نام لے کر یہ فرمایا کہ اس سے مراد نماز عصر ہے۔② ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[هِيَ الْعَصرُ] ''یہ نماز عصر ہے۔'' (اس حدیث کے ایک راوی) ابن جعفر بیان کرتے ہیں کہ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ سے نماز وسطیٰ کے بارے میں دریافت کیا گیا تھا۔③ اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔④ امام ابوحاتم ابن حبان نے صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[صَلاۃُ الْوُسطی صَلاۃُ الْعَصرِ] ''نماز وسطیٰ نماز عصر ہے۔''⑤ امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[صَلاۃُ الْوُسطی صَلاۃُ الْعَصرِ] ''نماز وسطیٰ نماز عصر ہے۔'' پھر انھوں نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔⑥ امام مسلم نے بھی اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[شَغَلُونَا عَنِ الصَّلاۃِ الْوُسطی صَلاۃِ الْعَصرِ] ''انھوں نے ہمیں نماز وسطیٰ نماز عصر کے ادا کرنے سے مشغول کر دیا۔''⑦

یہ احادیث مبارکہ اس مسئلے میں نصوص ہیں جن میں بجز اس کے اور کوئی احتمال ہی نہیں کہ نماز وُسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے نماز عصر کی حفاظت کا بطور خاص حکم دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[مَنْ فَاتَتْهُ الْعَصرُ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلُهُ وَمَا لُهُ] ''جس شخص کی نماز عصر فوت ہوگئی، گویا اس کا اہل و مال تباہ و برباد ہوگیا۔''⑧

حضرت بُرَیدہ بن حُصَیب سے صحیح حدیث میں ہے، وہ (بریدہ) نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں:[(بَكِّرُوا بِالصَّلاۃِ فِي يَوْمِ الْغَيْمِ) فَإِنَّهُ مَنْ تَرَكَ صَلاۃَ الْعَصرِ، فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ] ''ابر آلود موسم میں عصر کی نماز جلد ادا کر لیا کرو کیونکہ جس شخص کی نماز عصر چھوٹ جائے اس کے اعمال رائیگاں ہوگئے۔''⑨

نماز میں گفتگو کرنے کی ممانعت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ ''اور اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے بن کر کھڑے ہوا کرو۔'' یعنی اس کے آگے بڑے خشوع و خضوع اور عاجزی و انکسار کے ساتھ کھڑے ہوا کرو، یہ حکم اس

① مسند أحمد:22/5. ② مسند أحمد:8/5. ③ مسند أحمد:7/5. ④ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة البقرة، حدیث:2983. ⑤ صحیح ابن حبان، الصلاة، باب فضل الصلوات الخمس:41/5، حدیث:1746. ⑥ جامع الترمذی، الصلاة، باب ماجاء فی الصلاة الوسطی أنها العصر......، حدیث:181. ⑦ صحیح مسلم، المساجد، باب الدلیل لمن قال:الصلاة الوسطی هی العصر،حدیث:628 . ⑧ صحیح مسلم، المساجد، باب التغلیظ فی تفویت صلاة العصر، حدیث:626. ⑨ ابتدائی حصہ مسند أحمد:361/5 و سنن ابن ماجه، الصلاة، باب میقات الصلاة فی الغیم،حدیث:694. کے مطابق ہے اور یہ مرفوعًا صحیح ثابت نہیں بلکہ یہ موقوف ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے الموسوعة الحدیثیة (مسند أحمد):38/157-159 و إرواء الغلیل:1/276,277، حدیث:255 اور دوسرا حصہ صحیح ابن حبان، الصلاة، باب الوعید علی ترک الصلاة:332/4، حدیث:1470 کے مطابق ہے۔

بات کو مستلزم ہے کہ نماز ادا کرتے ہوئے گفتگو کو ترک کر دیا جائے کیونکہ یہ خشوع وخضوع کے منافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز ادا فرماتے ہوئے جب نبی ﷺ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سلام کا جواب نہ دیا تو آپ نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا: [إِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغْلًا] ''بے شک نماز دوسرے کاموں سے مشغول کر دیتی ہے۔''①

صحیح مسلم میں ہے کہ جب معاویہ بن حکم سُلمی رضی اللہ عنہ نے نماز میں گفتگو کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: [إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ ، إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ] ''اس نماز میں لوگوں سے گفتگو کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس میں تو تسبیح وتکبیر اور قراءت قرآن ہے۔''② امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں آدمی بوقت ضرورت اپنے ساتھی سے نماز میں گفتگو کر لیا کرتا تھا حتی کہ جب یہ آیت: ﴿ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴾ ''اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے بن کر کھڑے ہوا کرو۔'' نازل ہوئی تو ہمیں خاموشی کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ اسے امام ابن ماجہ کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔③

نمازِ خوف: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''پھر اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیادے یا سوار (جس حالت میں ہو نماز پڑھ لو) پھر جب امن (واطمینان) ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو جس طرح اللہ نے تم کو وہ سکھایا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔'' جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نمازوں کی حفاظت اور ان کی حدود کو قائم رکھنے کا حکم دیا اور اس کی تاکید کرتے ہوئے نہایت سخت حکم دیا تو اب اس حالت کا ذکر کیا جا رہا ہے جس میں آدمی بہت زیادہ مشغول ہو جاتا ہے اور وہ ہے حالتِ قتال اور جنگ۔ اور بتایا ہے کہ اس حالت میں تم نے نماز کو کس طرح ادا کرنا ہے، فرمایا: ﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ ﴾ یعنی جو بھی حالت ہو، خواہ تم پیادہ ہو یا سوار، قبلہ رخ ہو یا نہ ہو، ہر حالت میں نماز پڑھو۔

جیسا کہ امام مالک نے نافع سے روایت کیا ہے کہ اگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز خوف کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ اس کے طریقے کو بیان کر دیتے، پھر فرماتے کہ اگر خوف بہت زیادہ ہو تو پھر پیادہ ہو یا سوار، قبلہ رخ ہو یا نہ ہو جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لو۔ نافع بیان کرتے ہیں: میرا خیال ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اسے نبی ﷺ کے حوالے سے بیان کیا کرتے

① صحيح البخاري، العمل في الصلاة، باب ما يُنهى من الكلام في الصلاة، حديث:1216,1199 وسنن أبي داود، الصلاة، باب رد السلام في الصلاة، حديث:923 واللفظ له. ② صحيح مسلم، المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة......، حديث:537. ③ مسند أحمد:368/4 وصحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴾ (البقرة 238:2)، حديث:4531 وصحيح مسلم، المساجد، باب تحريم الكلام في الصلاة ......، حديث:539 وسنن أبي داود، الصلاة، باب النهي عن الكلام......، حديث:949 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث: 2986 وسنن النسائي، السهو، باب الكلام في الصلاة، حديث:1220.

تھے۔[1] اسے امام بخاری اور مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے اور یہ الفاظ بخاری کی روایت کے مطابق ہیں۔[2]

امام مسلم، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ اور ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی کی زبانی حضر میں نماز کی چار رکعتیں، سفر میں دو رکعتیں اور حالت خوف میں ایک ہی رکعت فرض قرار دی ہے۔[3] امام حسن بصری، قتادہ اور ضحاک وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔[4]

امام بخاری نے صحیح کے بَابُ الصَّلَاةِ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ الْحُصُونِ وَلِقَاءِ الْعَدُوِّ میں لکھا ہے کہ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ اگر فتح قریب ہو اور نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو ہر ہر شخص الگ الگ اشارے سے نماز ادا کرلے اور اگر اشارے سے بھی نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو نماز کو مؤخر کر دیں حتی کہ جنگ ختم ہو جائے یا وہ امن کی حالت میں ہو جائیں تو پھر دو رکعتیں پڑھ لیں اور اگر دو رکعتیں پڑھنا ممکن نہ ہو تو ایک رکعت دو سجدوں کے ساتھ ادا کر لیں اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پھر محض تکبیر کہنا کافی نہ ہوگا، لہٰذا نماز کو مؤخر کرلیں حتی کہ وہ امن کی حالت میں ہو جائیں۔ مکحول کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تُستَر کے قلعے کے محاصرے کے وقت موجود تھا، فجر کا وقت تھا، گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا حتی کہ نماز پڑھنا بھی ممکن نہ تھا، لہٰذا اس نماز کو ہم نے سورج بلند ہونے کے بعد ادا کیا۔ ہم نے اس نماز کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح سے بھی نوازا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اس نماز سے مجھے جس قدر خوشی تھی وہ دنیا و مافیہا سے حاصل نہیں ہو سکتی۔[5] یہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں۔

حالت امن میں پوری نماز پڑھنے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَإِذَآ أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ ﴾ ”پھر جب تمھیں امن (واطمینان) ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو۔“ یعنی نماز اس طرح ادا کرو جس طرح تمھیں حکم دیا گیا ہے۔ رکوع و سجود اور قیام و قعود کو مکمل کرو اور پورے خشوع و خضوع سے نماز ادا کرو۔ ﴿ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾ ”جس طرح اللہ نے تم کو وہ سکھایا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔“

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنے انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا، ہدایت سے نوازا اور تمھیں وہ سکھایا جو دنیا و آخرت دونوں میں تمھارے لیے نفع بخش ہے تو تم بھی اس کے جواب میں اپنے رب تعالیٰ کا شکر کرو اور اس کے ذکر میں رطب اللسان رہو جیسا کہ اس نے نماز خوف کے بعد کے لیے حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ ۚ إِنَّ

[1] الموطأ للإمام مالك، صلاة الخوف، باب صلاة الخوف: 178/1، حديث: 451. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ ﴾ (البقرة 2:238)، حديث: 4535 و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الخوف، حديث: 839. [3] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها، حديث: 687 و سنن أبي داود، صلاة السفر، باب من قال يصلي بكل طائفة ركعة......، حديث: 1247 و سنن النسائي، تقصير الصلاة......، باب: 1، حديث: 1443 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات......، باب تقصير الصلاة في السفر، حديث: 1068 و تفسير الطبري: 781/2. [4] تفسير الطبري: 777/2. [5] صحيح البخاري، صلاة الخوف، باب الصلاة عند مُناهضة الحُصون ولقاء العدو، قبل حديث: 945.

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں، ان پر اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کرنا (لازم) ہے کہ انھیں خرچ دیا جائے اور ان کو

الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ

ایک سال تک گھر سے نہ نکالا جائے، پھر اگر وہ خود چلی جائیں تو تم پر اس کے بارے میں کوئی گناہ نہیں جو وہ دستور کے مطابق اپنی ذات کے معاملے میں

مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿240﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِیْنَ ﴿241﴾

کریں اور اللہ غالب ہے، خوب حکمت والا ﴿240﴾ اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو انھیں بھی دستور کے مطابق کچھ دے دلا کر رخصت کیا جائے، (یہ) متقی

31 ع 7 15 كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿242﴾ ع

لوگوں پر لازم ہے ﴿241﴾ اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو ﴿242﴾

الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ (النسآء 4:103) ’’پھر جب خوف جاتا رہے تو (اس طرح سے) نماز پڑھو (جس طرح امن کی حالت میں پڑھتے ہو) بے شک نماز مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔‘‘

نماز خوف اور اس کے پڑھنے کے طریقے کے بارے میں وارد شدہ احادیث سورۂ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِذَا كُنْتَ فِیْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ﴾ (النسآء 4:102) کی تفسیر میں بیان کی جائیں گی۔ (إن شاء اللّٰه)

تفسیر آیات: 240-242

یہ آیت کریمہ منسوخ ہے: اکثر علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس سے پہلی آیت ناسخ ہے جس میں یہ حکم ہے: ﴿ یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ ﴾ (البقرۃ 2:234) ’’تو عورتیں چار مہینے اور دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔‘‘ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی: ﴿ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ ﴾ کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے؟ تو آپ نے اسے کیوں لکھا، اسے چھوڑ کیوں نہ دیا؟ تو انھوں نے فرمایا: برادرزادے! میں قرآن مجید کی کسی چیز کو اس کی جگہ سے تبدیل نہیں کروں گا۔ ①

ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جو اشکال پیش کیا وہ درحقیقت یہ ہے کہ اگر اس کا حکم چار مہینوں والی آیت سے منسوخ ہے اور اس کا حکم اب ختم ہو چکا ہے تو اس آیت کے الفاظ کو باقی رکھنے میں کیا حکمت ہے؟ کیونکہ ناسخ آیت کے بعد منسوخ آیت کے باقی رہنے سے تو یہ خیال آتا ہے کہ شاید اس (منسوخ آیت) کا حکم اب بھی باقی ہو؟ تو امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہ آیات اسی ترتیب سے ثابت شدہ ہیں، اس میں رائے وغیرہ کا دخل نہیں۔ میں نے اسی طرح منسوخ آیت کو ناسخ آیت کے بعد پایا ہے، لہٰذا میں اس (منسوخ آیت) کو اسی مقام پر برقرار رکھوں گا۔ (یہ نہیں کہ منسوخ آیت کو پہلے اور ناسخ کو بعد میں کر دوں جبکہ تقاضا تو یہی ہے۔)

① صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ ﴾ (البقرۃ 2:234)، حدیث: 4530.

امام ابن ابوحاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ ﴾ ''اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں ان پر اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کرنا (لازم) ہے کہ انھیں خرچ دیا جائے اور ان کو ایک سال تک گھر سے نہ نکالا جائے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جاتا تو گھر ہی میں رہنے کی صورت میں اسے ایک سال تک کے لیے خرچہ اور رہائش دی جاتی تھی لیکن اس حکم کو آیت میراث نے منسوخ کر دیا اور اس کے لیے شوہر کے ترکے سے چوتھایا آٹھواں حصہ مقرر کر دیا۔①

علی بن ابوطلحہ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے کہ آدمی جب فوت ہو جاتا اور اس کی بیوی ہوتی تو وہ اس گھر میں ایک سال تک عدت گزارتی اور اس پر اس کے شوہر کے مال میں سے خرچ کیا جاتا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ ﴾ (البقرۃ234:2) ''اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو عورتیں چار مہینے اور دس دن اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔''

یہ اس عورت کی عدت ہے جس کا شوہر فوت ہو جائے الا یہ کہ وہ حاملہ ہو کیونکہ حاملہ کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کے بچے کو جنم دے دے۔ ان کے حصۂ میراث کو ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ ﴾ (النسآء12:4) ''اور اگر تمھاری اولاد نہ ہو تو تمھارے ترکے میں سے تمھاری عورتوں کا چوتھا حصہ ہے، پھر اگر تمھاری اولاد ہو تو تمھارے ترکے میں سے ان کا آٹھواں حصہ ہے۔'' اس میں وصیت و نفقے کو ترک کر کے عورت کی میراث کو بیان کیا گیا ہے۔②

امام مجاہد، حسن، عکرمہ، قتادہ، ضحاک، ربیع اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ اس آیت کو ﴿ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ ﴾ نے منسوخ کر دیا ہے۔③

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت مجاہد سے ﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ ﴾ (البقرۃ 234:2) ''اور جو تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ چار ماہ دس دن اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ (جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی) یہ عدت تھی۔ اور عورت کے لیے یہ واجب تھا کہ اس عدت کو وہ شوہر کے اہل خانہ ہی میں گزارے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ ﴾ ''تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو ان پر

---

① تفسیر ابن أبی حاتم:451/2. ② تفسیر الطبری:785/2. ③ تفسیر ابن أبی حاتم:452/2. لیکن مابعد سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام مجاہد اس کی منسوخیت کے قائل نہ تھے۔

بیویوں کے حق میں وصیت کرنا (لازم) ہے کہ انھیں خرچ دیا جائے اوران کو ایک سال تک گھر سے نہ نکالا جائے ، پھر اگر وہ خود چلی جائیں تو تم پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں جو وہ دستور کے مطابق اپنی ذات کے معاملے میں کریں۔'' اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے سات ماہ بیس دن بطور وصیت شامل کرکے ایک سال کی مدت پوری کر دی ،لہٰذا اگر وہ چاہے تو وصیت کے ایام (7 ماہ 20 دن) میں خاوند کے گھر رہے اور اگر چاہے تو چلی جائے ۔اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ﴾ ''(وہ عورتیں) گھر سے نہ نکالی جائیں۔ ہاں! اگر وہ خود گھر سے چلی جائیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔'' یعنی (چار ماہ دس دن کی) عدت اسی طرح اس پر واجب ہے جس طرح پہلے تھی ۔ابن ابونجیح کہتے ہیں کہ یہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ کا قول ہے۔

اور عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بیان کیا ہے کہ اس آیت نے اس حکم کو منسوخ کر دیا کہ عورت عدت اپنے شوہر کے اہل خانہ میں گزارے اور اب یہ حکم دے دیا کہ وہ جہاں چاہے عدت گزارے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ ﴾ ''وہ گھر سے نہ نکالی جائیں۔'' عطاء فرماتے ہیں کہ اگر چاہے تو وہ اپنے اہل خانہ میں عدت گزارے اور وصیت کے مطابق سکونت رکھے اور اگر چاہے تو چلی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ ﴾ ''تو تم پر اس کے بارے میں کچھ گناہ نہیں جو وہ (دستور کے مطابق) اپنے معاملے میں کریں۔'' عطاء فرماتے ہیں: اس کے بعد آیت میراث نازل ہوئی تو اس نے سکونت کو منسوخ کر دیا اور اختیار دے دیا کہ وہ جہاں چاہے عدت گزارے، اس کے لیے سکونت نہیں ہے۔ ①

عطاء اور ان کے ہم نواؤں کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ آیت میراث نے اس آیت کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے، اگر ان کا مقصود یہ ہے کہ چار ماہ دس دن سے زیادہ کے بارے میں حکم منسوخ ہے تو اسے ہم تسلیم کرتے ہیں اور اگر ان کا مقصود یہ ہے کہ چار ماہ دس دن کی رہائش بھی میت کے ترکے میں واجب نہیں ہے تو اس مسئلے میں ائمہ میں اختلاف ہے۔انھوں نے شوہر کے گھر میں وجوب سُکنٰی کے بارے میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے امام مالک رحمۃ اللہ نے اپنی ''موطا'' میں زینب بنت کعب بن عُجرہ سے روایت کیا ہے کہ فُریعہ بنت مالک بن سِنان، جو ابوسعید خدری کی بہن ہے رضی اللہ عنہما، نے انھیں بتایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ اجازت طلب کرنے کے لیے آئیں کہ وہ اپنے خاندان بنی خُدرہ میں چلی جائیں کیونکہ ان کا شوہر جب اپنے بھاگ جانے والے غلاموں کی تلاش میں نکلا اور اس نے انھیں قدُوم کی جانب جا پکڑا تو انھوں نے اسے قتل کر دیا۔فُریعہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے خاندان بنی خُدرہ میں واپس چلے جانے کی اجازت طلب کی اور کہا کہ میرے شوہر نے اپنی ملکیت کا نہ کوئی مکان اپنے پیچھے چھوڑا ہے اور نہ نفقے کے لیے کوئی سامان، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اور جب میں واپس جانے لگی اور ابھی تک حجرے ہی میں تھی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا یا آپ نے کسی کو حکم دیا

① صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ﴾ (البقرۃ 2:234)، حدیث:4531.

کہ وہ مجھے بلائے تو آپ نے فرمایا: تم نے کیا کہا تھا؟ میں نے اپنے شوہر کا سارا قصہ دوبارہ بیان کر دیا تو آپ نے فرمایا: [أُمْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهٗ] ''اپنے گھر ہی میں رہو حتی کہ حکم الٰہی پورا ہو جائے۔'' بیان کرتی ہیں کہ اس فرمان نبوی کے بعد میں نے چار ماہ دس دن اسی گھر میں گزارے۔ حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور میں مجھ سے یہ مسئلہ پوچھا تھا۔ میں نے جب انھیں بتایا تو انھوں نے بھی اسی فرمان نبوی کی پیروی کی اور اس کے مطابق فیصلہ فرمایا۔[1] اور اسی طرح اس حدیث کو امام ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔[2]

مطلقہ عورتوں کو کچھ نہ کچھ مال و متاع دینا واجب ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''اور مطلقہ عورتوں کو بھی دستور کے مطابق مال و متاع دینا چاہیے، پرہیز گاروں پر (یہ بھی) حق ہے۔'' کے بارے میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ مَتَاعًاۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ○ ﴾ (البقرۃ2:236) ''ان کو دستور کے مطابق کچھ خرچ ضرور دو، نیکی کرنے والوں پر یہ ایک طرح کا حق ہے۔'' تو ایک شخص نے کہا کہ میں اگر چاہوں تو نیکی کروں اور اگر چاہوں تو نہ کروں، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''اور مطلقہ عورتوں کو بھی دستور کے مطابق مال و متاع دینا چاہیے، پرہیز گاروں پر (یہ بھی) حق ہے۔''[3]

اس آیت کریمہ سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جن کا مذہب یہ ہے کہ ہر مطلقہ کو تھوڑا بہت مال و متاع دینا واجب ہے، خواہ اس سے بلا مہر نکاح کیا گیا ہو یا اس کے لیے مہر مقرر کر دیا گیا ہو یا اسے صنفی تعلق سے قبل ہی طلاق دے دی گئی ہو یا مقاربت کے بعد طلاق دی گئی ہو۔ سعید بن جبیر اور دیگر کئی ائمۂ سلف کا یہی مذہب ہے۔[4] امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[5]

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًاۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ○ ﴾ (البقرۃ2:236) ''اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے یا ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ ہاں! ان کو دستور کے مطابق کچھ مال و متاع ضرور دو (یعنی) مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق دے اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق۔ نیک لوگوں پر یہ ایک

① الموطأ للإمام مالك، الطلاق، باب مقام المتوفى عنها زوجها في بيتها حتى تحل:216/2، حديث:1287. ② سنن أبي داود، الطلاق، باب في المتوفى عنها تنتقل، حديث:2300 وجامع الترمذي، الطلاق واللعان، باب ماجاء أين تعتد المتوفى عنها زوجها؟ حديث:1204 وسنن النسائي، الطلاق، باب مقام المتوفى عنها زوجها في بيتها حتى تحل، حديث:3558 وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب أين تعتد المتوفى عنها زوجها؟ حديث:2031. ③ تفسير الطبري: 791/2. ④ تفسير الطبري:791/2. ⑤ تفسير الطبري:791/2.

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ

(اے نبی!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے گھروں سے موت کے ڈر سے نکلے اور وہ کئی ہزار تھے، پس اللہ نے ان سے کہا:

اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

تم مر جاؤ، پھر اس نے ان کو زندہ کر دیا، بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے، لیکن اکثر لوگ

يَشْكُرُوْنَ ﴿243﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿244﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ

شکر نہیں کرتے ﴿243﴾ اور تم اللہ کی راہ میں لڑو اور جان لو کہ بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿244﴾ کون ہے جو اللہ کو

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿245﴾

قرض حسنہ دے؟ پھر اللہ وہ مال اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے اور اللہ ہی تنگی کرتا ہے اور فراخی کرتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ﴿245﴾

طرح کا حق ہے۔'' (جوائمہ، ہر ایک طلاق یافتہ عورت کو کچھ نہ کچھ مال ومتاع دے کر رخصت کرنے کے قائل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ نہیں کہ صرف اس عورت کو مال ومتاع دینا چاہیے جس سے صنفی تعلق بھی قائم نہ ہوا ہو اور نہ حق مہر ہی مقرر کیا ہو کیونکہ یہ قرآنی حکم) اس باب سے ہے کہ عام میں سے ایک خاص صورت کا ذکر کرنا اسی صورت کے ساتھ اس حکم کو مخصوص نہیں کرتا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ ''اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے۔'' یعنی حلال وحرام، فرائض وحدود اور اوامر ونواہی کے سلسلے میں اس نے اپنے تمام احکام کو نہایت واضح طور پر بیان فرما دیا ہے اور کسی ایسی بات کو مجمل نہیں چھوڑا جس کی تمھیں ضرورت ہو۔ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿242﴾ ﴾ تاکہ تم سمجھو اور غور وفکر سے کام لو۔

تفسیر آیات: 243-245

ان مرنے والوں کا قصہ: امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ لوگ دَاوَرْدَان نامی بستی کے رہنے والے تھے۔[1] علی بن عاصم نے بھی کہا ہے کہ یہ دَاوَرْدَان نامی ایک بستی کے رہنے والے تھے جو واسط کی طرف سے ایک فرسخ (تین میل) کی مسافت پر تھی۔[2]

امام وکیع بن جراح نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار تھی اور یہ طاعون کی وجہ سے اپنے گھروں سے نکلے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ایک ایسی زمین میں چلے جاتے ہیں جہاں موت نہیں ہے لیکن جب ایک جگہ پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ﴿ مُوْتُوْا ۫ ﴾ ''مر جاؤ'' تو یہ سب مر گئے، پھر ان کے پاس سے اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کا گزر ہوا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انھیں زندہ کر دے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کر دیا۔[3] ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ ﴾ ''(اے نبی!) بھلا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو (شمار میں) ہزاروں میں تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے۔'' میں اسی واقعے کو بیان کیا گیا ہے۔

کئی ایک ائمۂ سلف نے ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل کے زمانے میں ایک شہر کے رہنے والے تھے ان کے علاقے

[1] تفسیر ابن أبی حاتم :455/2. [2] تفسیر الطبری :794/2. [3] الدر المنثور :551/1 وتفسیر الطبری :793/2.


داوردان کے بنی اسرائیل اور لشکر طالوت (دریائے اردن پر)
ترکی
مرسین
عدانہ
قبرص
بحیرۂ روم
طرابلس
حلب
حماۃ
حمص
شام
دمشق
دریائے اردن
القدس
فلسطین
عمّان
اُردن
صحرائے شام
صحرائے نقب
قلزم
ایلہ
سیناء
طور
مصر
صحرائے نفود
عرب
اورفہ
حرّان
نصیبین
ماری
نینوئ
موصل
اربیل
دریائے زاب صغیر
دریائے دیالی
دریائے فرات
دریائے دجلہ
واسط
داوردان
بابل
عراق
اُور
کرمان شاہ
فارس (ایران)
اکبتانہ (ہمدان)
قزوین
شمال
دریائے کارون
خلیج فارس
800
600
400
200
کلومیٹر

میں آب و ہوا خراب ہوگئی جس کی وجہ سے بہت شدید وبا پھیل گئی تو یہ موت کے ڈر سے بھاگ کر جنگل کی طرف چلے گئے اور ایک وسیع وعریض وادی میں جا کر پڑاؤ ڈال دیا جس سے وادی اپنے دونوں کناروں تک بھر گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف دو فرشتوں کو بھیجا۔ ان میں سے ایک وادی کے زیریں طرف اور دوسرا بالائی جانب تھا اور ان دونوں نے اس قدر زور سے چیخ ماری کہ یہ سب کے سب چشم زدن میں مر گئے۔ ان کو گڑھوں میں ڈال دیا گیا اور اوپر دیواریں اور قبریں بنا دیں گئیں۔ بہرحال یہ سب فنا ہو گئے، گل سڑ گئے اور ان کی لاشوں کے ذرے بھی بکھر گئے اور پھر ایک عرصۂ دراز بعد انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کا وہاں سے گزر ہوا جن کا نام حزقیل تھا، انھوں نے دعا کی اللہ تعالیٰ ان کے سامنے انھیں زندہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرما لیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ یہ کہیں: اے بوسیدہ ہڈیو! اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ تم جمع ہو جاؤ۔ اس سے ہر ہر جسم کی ہڈیاں آپس میں یکجا ہو گئیں، پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ یہ کہیں کہ اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ گوشت، اعصاب اور کھال پہن لو، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ اب یہ کہو کہ اے روحو! اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ ہر روح اس جسم میں واپس آ جائے جس جس کو اس نے پہلے آباد (زندہ) رکھا تھا اس سے وہ سب زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے اور دیکھنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں طویل مدت کے بعد زندہ کیا تو وہ سُبْحَانَكَ رَبَّنَا! وَبِحَمْدِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ ''اے ہمارے پروردگار! ہم تیری پاکیزگی تیری تعریف کے ساتھ بیان کرتے ہیں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔'' کا ورد کرنے لگے۔[1]

ان لوگوں کے دوبارہ زندہ کیے جانے میں جہاں عبرت ہے، وہاں یہ اس بات کی قطعی دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کو ان کے جسموں سمیت دوبارہ زندہ فرمائے گا۔ اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ لوگوں پر مہربانی کرنے والا ہے۔'' جو انھیں روشن آیات، قطعی دلائل اور ناقابل تردید شواہد و براہین دکھاتا رہتا ہے، ﴿ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴾ ''لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں دین و دنیا کی جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے وہ ان کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اس قصے میں اس بات کی عبرت و دلیل بھی ہے کہ تقدیر سے کوئی احتیاط نہیں بچا سکتی۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی ملجا و ماویٰ نہیں۔ یہ لوگ وبا سے ڈر کر اور طویل زندگی کی خواہش میں وہاں سے بھاگے تھے مگر ان کی یہ تدبیر ان کے کچھ کام نہ آئی اور وہ بہت جلد آن واحد میں موت سے ہمکنار ہو گئے۔

اسی قبیل سے وہ صحیح حدیث ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف تشریف لے جا رہے تھے حتی کہ جب آپ مقام ''سَرغ'' پہنچے تو لشکروں کے قائدین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ شام میں وبا پھیلی ہوئی ہے...... اتنے میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ آ گئے جو اپنے کسی کام کے لیے گئے ہوئے تھے، انھوں نے فرمایا کہ میرے پاس اس سلسلے میں علم ہے،

---

[1] تفسير الطبري:2/795,794 و تفسير ابن أبي حاتم:2/458,457.

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: [إِذَا كَانَ بِأَرْضٍ وَّأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِّنْهُ ، وَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ] ''جب کسی زمین میں وبا پھیلی ہو اور تم وہاں موجود ہو تو اس سے فرار اختیار کرتے ہوئے وہاں سے نہ نکلو اور جب کسی زمین کے بارے میں تم یہ سنو کہ وہاں وبا پھیلی ہوئی ہے تو وہاں نہ جاؤ۔'' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ فرمان نبوی سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور واپس تشریف لے آئے۔[1] اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے بھی اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔[2]

جہاد سے فرار موت کو قریب یا دور نہیں کر سکتا: ﴿ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ ''اور تم (اے مسلمانو!) اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جان رکھو کہ اللہ (سب کچھ) سنتا (اور سب کچھ) جانتا ہے۔'' یعنی جس طرح کوئی تدبیر تقدیر سے نہیں بچا سکتی اسی طرح جہاد سے فرار اور اجتناب موت کو قریب یا دور نہیں کر سکتا بلکہ انسان کی عمر اور اس کا رزق مقدر، مقرر اور طے شدہ ہے کہ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران 3:168) ''یہ وہی لوگ ہیں جو خود تو (جنگ سے بچ کر) پیچھے بیٹھے رہے مگر (جنھوں نے اللہ کی راہ میں جانیں قربان کر دیں) اپنے (ان) بھائیوں کے بارے میں کہنے لگے: اگر ہمارا کہا مانتے تو قتل نہ ہوتے۔ کہہ دیں کہ اگر سچے ہو تو اپنے اوپر سے موت کو ٹال دو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ ﴾ (النسآء 4:77،78) ''اور وہ کہنے لگے کہ اے اللہ! تو نے ہم پر جہاد (جلد) کیوں فرض کر دیا، تھوڑی مدت اور ہمیں کیوں مہلت نہ دی (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دیں کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور بہت اچھی چیز تو پرہیز گار کے لیے (نجات) آخرت ہے اور تم پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (اے جہاد سے ڈرنے والو!) تم کہیں بھی رہو موت تو تمھیں آ کر رہے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔''

امیر جیوش، مُقدَّم عساکر، اسلام کی سرحدوں کے محافظ اور دشمنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی تیغ بے نیام ابوسلیمان خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ جب موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھے تو آپ نے فرمایا: میں نے فلاں فلاں جنگوں میں شرکت کی، جسم کا کوئی عضو ایسا نہیں جس پر تیر، تلوار یا نیزے بھالے سے زخم نہ لگا ہو مگر اب میں اپنے بستر پر فوت ہو رہا ہوں جیسے جنگلی گدھا فوت ہوتا ہے۔ بزدلوں کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوں۔ یعنی آپ کو اس بات کی تکلیف تھی کہ جنگ میں شہید نہ ہوئے اور اس بات کا آپ کو افسوس تھا کہ شہادت کی موت سے ہمکنار ہونے کے بجائے اپنے بستر پر فوت ہو رہے ہیں۔[3]

قرض حسن اور اس کا ثواب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا

---

[1] مسند أحمد: 194/1. [2] صحيح البخاري، الطب، باب مايذكر في الطاعون، حديث: 5729 وصحيح مسلم، السلام، باب الطاعون......، حديث: 2219. [3] معمولی فرق کے ساتھ دیکھیے الاستيعاب: 409/1 وتاريخ دمشق لابن عساكر ترجمة خالد بن الوليد رضی اللہ عنہ: 197/18، رقم: 1910.

وقف لازم اَلَمۡ تَرَ اِلَی الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰی ۘ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِیٍّ لَّہُمُ ابۡعَثۡ لَنَا

(اے نبی!) کیا آپ نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی ایک جماعت نہیں دیکھی؟ جب انھوں نے اپنے نبی سے کہا: آپ ہمارے لیے ایک

مَلِکًا نُّقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ قَالَ ہَلۡ عَسَیۡتُمۡ اِنۡ کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا

بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں۔ اس نے کہا: ممکن ہے کہ اگر تم پر جہاد فرض کر دیا گیا تو تم جہاد نہ کرو،

تُقَاتِلُوۡا ؕ قَالُوۡا وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَقَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِیَارِنَا وَاَبۡنَآئِنَا ؕ

انھوں نے کہا: آخر ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں جبکہ ہمیں اپنے گھروں اور اپنے بیٹوں سے نکال دیا گیا ہے،

فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیۡہِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡہُمۡ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ ﴿246﴾

پھر جب ان پر لڑنا فرض کر دیا گیا تو ان میں سے تھوڑے سے لوگوں کے سوا سب پھر گئے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿246﴾

کَثِیۡرَۃً ؕ﴾ ''کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے؟ پھر اللہ وہ مال اس کے لیے کئی گناہ بڑھا دے۔'' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو اپنی کتاب مقدس میں کئی مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔ حدیث نزول (وہ حدیث جس میں اللہ تعالیٰ کے آسمان دنیا کی طرف نزول کا ذکر ہے) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [مَنۡ یُّقۡرِضُ غَیۡرَ عَدِیمٍ وَّلَا ظَلُومٍ] ''کوئی ہے جو اسے قرض دے جو نہ فقیر ہے اور نہ ظالم۔''①

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضۡعَافًا کَثِیۡرَۃً ؕ﴾ ''وہ اس کے بدلے میں اس کو کئی حصے زیادہ دے گا۔''

جیسا کہ فرمایا: ﴿مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ کُلِّ سُنۡۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ؕ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ﴾ (البقرۃ 2:261) ''جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان (کے مال) کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں اور ہر ایک بالی میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے (اجر) زیادہ کر دیتا ہے۔'' اس آیت کے بارے میں مزید بحث آئندہ ہوگی۔②

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاللّٰہُ یَقۡبِضُ وَیَبۡصُۜطُ ۪﴾ ''اور اللہ ہی روزی کو تنگ کرتا اور (وہی اسے) کشادہ کرتا ہے۔'' یعنی خرچ کرو اور رزق کے کم ہونے کی پروا نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی رزق عطا فرماتا ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کے رزق کو چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور جس کی روزی کو چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے۔ اور اس کے یہ تمام فیصلے اسی کی حکمت بالغہ کے تحت ہوتے ہیں۔ ﴿وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿245﴾﴾ ''اور تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔'' یعنی قیامت کے دن۔

تفسیر آیت:246

یہود کا بادشاہ، جہاد کا مطالبہ اور ان میں سے بعض کی استقامت: مجاہد فرماتے ہیں کہ اس نبی سے مراد حضرت شمعون علیہ السلام ہیں۔③ وہب بن منبہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کچھ مدت تک تو سیدھے رستے پر رہے،

---

① صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب الترغیب فی الدعاء والذکر......، حدیث: 758. ② دیکھیے البقرۃ، آیت: 261 کے ذیل میں۔ ③ تفسیر الطبری: 807/2.

پھر بدعات کو شروع کر دیا حتی کہ ان میں سے بعض نے تو بتوں کی پوجا بھی شروع کر دی، حالانکہ ان میں ہمیشہ انبیائے کرام موجود رہے جو انھیں نیکی کا حکم دیتے، برائی سے منع کرتے تھے اور تورات کے طریقے پر قائم رکھتے تھے مگر ان کی برائیوں اور بدعملیوں میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا جنھوں نے ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا۔

اور ان کے بہت سے علاقوں کو بھی ان سے چھین لیا لیکن جو بھی ان سے لڑائی کرتا بالآخر یہ اس پر غالب آ جاتے تھے کیونکہ ان کے پاس تورات بھی موجود تھی اور وہ تابوت بھی جو زمانۂ قدیم سے ان کے پاس تھا اور زمانۂ سلف، یعنی موسیٰ کلیم علیہ السلام سے خلف کے دور تک یہ میراث ان میں منتقل ہوتی چلی آئی تھی۔

پھر ان کے ضلالتوں اور گمراہیوں میں مبتلا رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ سزا دی کہ بعض بادشاہوں نے بعض جنگوں میں ان سے اس تابوت کو چھین لیا تھا حتی کہ ان کے ہاتھوں سے تورات کو بھی لے لیا گیا اور صرف چند لوگ باقی رہ گئے جو تورات کے حافظ تھے اور نبوت بھی ختم ہو گئی تھی۔ اور خاندان ''لاوی'' جس میں انبیاء آیا کرتے تھے، اس خاندان کی صرف ایک حاملہ عورت باقی رہ گئی تھی اور اس کا خاوند بھی قتل ہو گیا تھا۔

انھوں نے اس عورت کو ایک گھر میں بند کر دیا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ ایک ایسے بچے کو جنم دے جو نبی ہو۔ یہ عورت بھی مسلسل دعا کرتی رہی کہ اللہ تعالیٰ اسے بچہ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور اسے بچہ عطا فرما دیا۔ اس نے بچے کا نام شمویل رکھا جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو سن لیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس بچے کا نام شمعون رکھا گیا۔ اس کے معنی بھی یہی ہیں۔

یہ بچہ جوان ہوا، انھی میں پروان چڑھا، اللہ تعالیٰ نے اس کی اچھی طرح تربیت فرمائی اور جب یہ انبیاء کی عمر کو پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی نازل فرما دی اور حکم دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کی توحید کی طرف دعوت دیں۔ انھوں نے جب بنی اسرائیل کو اس کی دعوت دی تو بنی اسرائیل نے ان سے یہ مطالبہ کر دیا کہ ان کے لیے ایک بادشاہ کو مقرر کر دیں تاکہ اس کے ساتھ مل کر یہ اپنے دشمنوں سے جہاد کریں۔ اس وقت ان کی حکومت بھی تباہ و برباد ہو چکی تھی۔

نبی نے ان سے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو تمھارے لیے کسی کو بادشاہ مقرر فرما دے مگر تم اس کے ساتھ مل کر جہاد کرنے کے وعدے کو پورا نہ کرو۔ ﴿قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا ؕ﴾ ''وہ کہنے لگے کہ ہم اللہ کی راہ میں کیوں نہ لڑیں جبکہ ہم وطن سے (خارج) اور بال بچوں سے جدا کر دیے گئے ہیں۔'' یعنی ہمارے وطن پر قبضہ کر لیا گیا اور ہمارے بچوں کو غلام بنا لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۲۴۶﴾ ''لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا سب پھر گئے اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔'' یعنی انھوں نے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا نہ کیا اور ان میں سے اکثر نے جہاد سے اعراض کیا اور اللہ تعالیٰ

وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ

اوران کے نبی نے ان سے کہا: بے شک اللہ نے تمھارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ انھوں نے کہا: ہم پر اس کی بادشاہی کیسے ہوسکتی ہے جبکہ

عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ

ہم بادشاہی کے اس سے زیادہ حقدار ہیں؟ اور اسے مال کی وسعت نہیں ملی۔ اس نے کہا: بے شک اللہ نے اسے تم پر چن لیا ہے، اور اسے علم اور جسم

وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿247﴾

(دونوں) میں زیادہ کشادگی دی ہے، اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک عطا کرتا ہے اور اللہ بڑا وسعت والا، خوب جاننے والا ہے ﴿247﴾

انھیں خوب جانتا ہے۔[1]

تفسیر آیت:247

طالوت بادشاہ کا تقرر: انھوں نے جب اپنے نبی سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ انھی میں سے کسی کو ان کا بادشاہ مقرر کر دیں تو انھوں نے طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا۔ اس شخص کا تعلق ان کے ایک فوجی گھرانے سے تو تھا مگر شاہی خاندان سے نہیں تھا کیونکہ ان میں بادشاہ ''یہودا'' کے خاندان سے ہوتے تھے اور یہ اس خاندان میں سے نہیں تھے۔ اسی لیے انھوں نے کہا: ﴿ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا ﴾ یعنی اسے ہم پر بادشاہی کا حق کیونکر ہوسکتا ہے؟ ﴿ وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ ﴾ ''بادشاہی کے مستحق اس کی نسبت تو ہم ہیں اور اس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں۔'' یعنی اسے ہم پر بادشاہی کا حق کیسے ہوسکتا ہے؟ پھر وہ فقیر بھی ہے، اس کے پاس بادشاہی کرنے کے لیے مال بھی نہیں ہے۔ بعض نے ذکر کیا ہے کہ وہ ''سقا'' یا ''رنگ ریز'' تھا۔ اپنے نبی پر یہ اعتراض ان کی ہٹ دھرمی کا مظہر تھا، حالانکہ انھیں چاہیے تھا کہ اچھی بات کہتے اور اپنے نبی کی اطاعت بجالاتے۔

نبی نے ان کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ ﴾ ''اللہ نے اس کو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کے لیے) منتخب فرمایا ہے۔'' یعنی تم میں سے اللہ تعالیٰ نے اسے منتخب فرمایا ہے اور تمھاری نسبت اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں زیادہ بہتر جانتا ہے اور پھر اسے میں نے اپنی طرف سے متعین نہیں کیا بلکہ تمھارے مطالبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسے بادشاہ مقرر کر دوں۔

﴿ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ ﴾ ''اس نے اسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور تن و توش بھی (بڑا عطا کیا ہے۔)'' پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ تم سے زیادہ علم و عقل اور زیادہ خوب صورت شکل والا ہے جنگ کو تم سے زیادہ بہتر جانتا اور اس میں تمھاری نسبت قوت وصبر کا زیادہ مظاہرہ کرنے والا ہے۔ الغرض! علم اور قد و قامت میں تمھاری نسبت زیادہ مکمل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ ایسا ہونا چاہیے جو صاحب علم، صاحب حسن و جمال اور جسمانی طور پر بھی بہت طاقت وقوت کا مالک ہو۔ پھر فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ ﴾ ''اور اللہ (کو اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے۔'' وہ حاکم ہے جو

[1] مذکورہ واقعے کی تفصیل ملاحظہ ہو تفسیر الطبری:810/2 و الدر المنثور:557/1 .

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ

اوران کے نبی نے ان سے کہا: بے شک اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمھارے پاس وہ صندوق آئے گا جس میں تمھارے رب کی طرف سے تسکین

مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ

اور وہ بقیہ چیزیں ہوں گی جنھیں آل موسیٰ اور آل ہارون چھوڑ گئے تھے، اسے فرشتے اٹھا کر لائیں گے۔ بے شک اس میں تمھارے لیے ایک عظیم نشانی

32 ع 6 16 كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿248﴾

ہے اگر تم مومن ہو﴿248﴾

چاہے کرے، وہ جو کرے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا جبکہ انسانوں کو جواب دہی کرنا پڑے گی، لہٰذا اس نے اپنے علم وحکمت اور اپنی مخلوق پر رحمت وشفقت کے پیش نظر اسے بادشاہی عطا کی ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے: ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ بڑا وسعت والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔'' وہ بے پایاں فضل وکرم والا ہے۔ جسے چاہے اپنی رحمت سے نوازے اور وہی جانتا ہے کہ کون بادشاہت کا مستحق ہے اور کون مستحق نہیں ہے۔

تفسیر آیت: 248

طالوت کی بادشاہت کی نشانی: ان کے نبی نے ان سے فرمایا کہ تم پر طالوت کی بادشاہت کی برکت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں وہ تابوت لوٹا دے گا جو تم سے چھین لیا گیا تھا۔ ﴿فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''اس میں تمھارے پروردگار کی طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہوگی۔'' سکینت کے معنی ''وقار'' اور ''جلالت'' کے بیان کیے گئے ہیں جیسا کہ امام عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ سکینت کے معنی وقار کے ہیں۔[1]

ربیع فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ''رحمت'' کے ہیں۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی معنی روایت کیے ہیں۔ ﴿وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ﴾ ''اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی جو آل موسیٰ اور آل ہارون چھوڑ گئے تھے۔'' امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور تختیوں کے ٹکڑے ہیں۔[2] اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد عصا اور دو جوتے ہیں۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ﴾ ''جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔'' ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فرشتے اس تابوت کو آسمان وزمین کے مابین اٹھائے ہوئے آئے حتی کہ انھوں نے اسے طالوت کے سامنے رکھ دیا اور لوگ بھی اسے دیکھ رہے تھے۔[4] سدی کہتے ہیں کہ تابوت طالوت کے گھر میں آ گیا جسے دیکھ کر بنی اسرائیل حضرت شمعون کی نبوت پر ایمان لے آئے اور انھوں نے طالوت کی بھی اطاعت شروع کر دی۔[5]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ﴾ ''بے شک اس میں تمھارے لیے ایک بڑی نشانی ہے۔'' یہ میری

[1] الدر المنثور: 563/1 وتفسير الطبری: 829/2. [2] تفسير الطبری: 830/2. [3] تفسير الطبری: 831/2. [4] تفسير الطبری: 832/2. [5] تفسير الطبری: 833/2.

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ

پھر جب طالوت فوجیں لے کر نکلا تو اس نے کہا: بے شک اللہ تمھیں ایک نہر کے ذریعے سے آزماتا ہے، پس جس نے اس سے (سیر ہو کر) پانی پیا وہ مجھ

فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا

سے نہیں اور جس نے اسکا پانی نہ چکھا تو یقیناً وہ میرا ہے، ہاں! کوئی اپنے ہاتھ سے ایک آدھ چلو بھر لے (تو حرج نہیں) پھر ان میں سے تھوڑے لوگوں کے

مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ

سوا سب نے اس (نہر) کا پانی پی لیا، پھر جب طالوت نے وہ نہر پار کر لی اور ان لوگوں نے (بھی) جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، تو انھوں نے (آپس

لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ

میں) کہا: آج ہم میں جالوت اور اس کی فوجوں کے خلاف لڑنے کی طاقت نہیں۔ وہ لوگ جو اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ بے شک وہ اللہ سے ملنے

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿249﴾

والے ہیں، انھوں نے کہا: کئی بار چھوٹی سی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئی ہے۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿249﴾

صداقت کی، نبوت کی اور طالوت کی اطاعت کا میں نے جو حکم دیا ہے اس کی ایک نشانی ہے۔ ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿248﴾﴾ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر آیت:249

لشکر طالوت کی آزمائش: اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بادشاہ طالوت کے بارے میں فرما رہا ہے کہ جب وہ لشکروں اور بنی اسرائیل میں سے اپنے اطاعت گزاروں کے ساتھ نکلا اور بقول سدی اس وقت لشکر طالوت کی تعداد اسی ہزار تھی،[1] واللہ أعلم. تو اس نے ان سے کہا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ تمھاری آزمائش کرنے والا ہے ﴿بِنَهَرٍ ۚ﴾ ”ایک نہر (دریا) کے ساتھ۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد اردن اور فلسطین کے درمیان ایک نہر (دریا) ہے[2] جو ”نہر شریعت“ کے نام سے مشہور ہے۔ ﴿فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ﴾ ”جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا (اس کی نسبت تصور کیا جائے گا کہ) وہ میرا نہیں۔“ اور وہ اس رستے میں میرے ساتھ نہ رہے۔ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ﴾ ”اور جو نہ پیے گا وہ (سمجھا جائے گا کہ) میرا ہے۔ ہاں! اگر کوئی ہاتھ سے چلو بھر پانی پی لے (تو خیر ہے)“ ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس نے چلو بھر پانی پیا وہ سیر ہو گیا اور جس نے خوب پانی پیا وہ سیر نہیں ہوا تھا۔[3]

ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم بیان کیا کرتے تھے کہ ان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

---

① تفسیر الطبری:2/835. ② تفسیر الطبری:2/836. دریائے اردن کا نقشہ سورۂ بقرہ، آیت:243 کے ذیل میں دیکھیے۔ ③ تفسیر الطبری:2/838.

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا

اور جب وہ جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابلے پر نکلے تو انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم پر صبر ڈال دے اور ہمارے قدم جمائے رکھ اور اس کافر

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿250﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۣۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ

قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما ﴿250﴾ پس مومنوں نے اللہ کے حکم سے کافروں کو شکست دی اور داود نے جالوت کو قتل کیا اور اللہ نے داود کو بادشاہی اور

وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ

حکمت عطا کی اور جو چاہا اسے سکھایا اور اگر اللہ انسانوں کے ایک (گروہ) کو دوسرے (گروہ) کے ذریعے سے ہٹاتا نہ رہتا تو یقیناً ساری زمین کا نظام بگڑ

الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿251﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ

جاتا، لیکن اللہ دنیا والوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے ﴿251﴾ یہ اللہ کی آیتیں ہیں، ہم حق کے ساتھ آپ پر ان کی تلاوت کرتے ہیں اور بے شک آپ

وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿252﴾

رسولوں میں سے ہیں ﴿252﴾

کی تعداد جنھوں نے غزوۂ بدر میں شرکت فرمائی، تین سو تیرہ سے زیادہ اور ان اصحاب طالوت کی تعداد کے برابر تھی جنھوں نے طالوت کے ساتھ دریا کو عبور کیا تھا اور ان کے ساتھ صرف مومنوں نے دریا کو عبور کیا تھا۔[1] امام بخاری نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ﴾ ''پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اس کے ساتھ تھے دریا کے پار ہو گئے تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔'' دشمن کی تعداد کی کثرت کی وجہ سے انھوں نے اپنے آپ کو اس کے مقابلے میں کمتر جانا لیکن ان کے علماء نے ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور فتح ونصرت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، ساز وسامان یا تعداد کی کثرت سے فتح ونصرت حاصل نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے انھوں نے کہا: ﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ''بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی اور اللہ استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔''

تفسیر آیات:250-252

داود (علیہ السلام) کے ہاتھوں جالوت کا قتل: اور جب اہل ایمان جو کہ ''اصحاب طالوت'' تھے اور قلیل تعداد میں تھے اپنے دشمن ''اصحاب جالوت'' کے مقابلے میں آئے جو کہ تعداد میں بہت زیادہ تھے، ﴿قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا﴾ ''تو انھوں نے (اللہ سے) دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر کے دہانے کھول دے۔'' یعنی اپنی طرف سے ہم پر صبر نازل فرما۔ ﴿وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا﴾ ''اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ۔'' یعنی دشمنوں کے مقابلے میں ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور فرار و عجز سے محفوظ فرما۔ ﴿وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ''اور لشکر کفار پر ہمیں فتح یاب کر۔''

[1] تفسير الطبري :839/2. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب عدة أصحاب بدر، حديث:3957-3959.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ ’’چنانچہ طالوت کی فوج نے اللہ کے حکم سے ان کو ہزیمت دی۔‘‘ یعنی ان پر غالب آ گئے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت واعانت سے انھیں مغلوب کر دیا، ﴿ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ ﴾ ’’اور داود نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔‘‘ اسرائیلی روایات میں ہے کہ داود علیہ السلام نے اس گوپیے کے ساتھ جالوت کو قتل کیا جوان کے ہاتھ میں تھا، انھوں نے اس سے پتھر پھینکا جو جالوت کو لگا اور وہ قتل ہو گیا۔ طالوت نے داود علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس نے جالوت کو قتل کر دیا تو وہ اسے اپنی بیٹی کا رشتہ دے گا، نصف مال دے گا اور اپنی حکومت میں شریک کر لے گا، چنانچہ اس نے یہ وعدہ پورا کر دیا، پھر بالآخر حضرت داود علیہ السلام ہی بلا شرکت غیرے بادشاہ بن گئے۔ اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انھیں نبوت کے عظیم منصب سے بھی سرفراز فرمایا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ﴾ ’’اور اللہ نے ان کو بادشاہی بخشی۔‘‘ یعنی جو طالوت کے پاس تھی، ﴿ وَالْحِكْمَةَ ﴾ ’’اور دانائی۔‘‘ یعنی شمویل کے بعد انھیں نبوت سے بھی سرفراز کیا، ﴿ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں وہ علم سکھا دیا جو چاہا اور ان کے لیے جسے مخصوص فرما دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ﴾ ’’اگر اللہ لوگوں کے ایک (گروہ) کو دوسرے (گروہ) کے ذریعے سے نہ ہٹاتا رہتا تو ساری زمین کا نظام تباہ ہو جاتا۔‘‘ یعنی اگر اللہ تعالیٰ ایک قوم کے ساتھ دوسروں کو نہ ہٹاتا، جیسے اس نے بنی اسرائیل سے ان کے دشمن کو طالوت کے جہاد اور داود علیہ السلام کی شجاعت سے دور ہٹایا، تو وہ تباہ و ہلاک ہو جاتے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴾ (الحج22:40) ’’اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو بلاشبہ (راہبوں کے) صومعے اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں، جن میں اللہ کا بہت سا ذکر کیا جاتا ہے، گرائی جا چکی ہوتیں۔‘‘ ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ’’لیکن اللہ اہل عالم پر بڑا مہربان ہے۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے احسان و رحمت کے باعث بعض لوگوں کو بعض سے ہٹاتا رہتا ہے اور اس کے تمام افعال واقوال میں مخلوق کے لیے حکم بھی ہے اور حکمت و حجت بھی۔

پھر فرمایا: ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ ’’یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو سچائی کے ساتھ پڑھ کر سناتے ہیں اور (اے نبی ﷺ!) آپ بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ آیات جو ہم نے ان لوگوں سے متعلق سنائی ہیں جن کا یہاں تذکرہ کیا ہے، یہ بالکل سچ ہیں، یعنی یہ امر واقع اور اس کے مطابق ہیں جو حق اس وقت اہل کتاب کے پاس ہے اور جسے علمائے بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں۔ ﴿ وَاِنَّكَ ﴾ اور بلاشبہ اے محمد (ﷺ)! آپ ﴿ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ ’’البتہ پیغمبروں میں سے ہیں۔‘‘ اور یہ لام اِنَّ کی مزید تاکید کے لیے اور قسم کے معنی میں ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ

یہ سب رسول ہیں، ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی، ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور ان میں سے بعض کے درجے

دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا

بلند کیے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح نشانیاں عطا کیں اور روح القدس (جبریل) کے ساتھ اس کی مدد کی اور اگر اللہ چاہتا تو ان (رسولوں) کے بعد

اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ

آنے والے لوگ باہم نہ لڑتے جبکہ ان کے پاس واضح نشانیاں آچکی تھیں لیکن انھوں نے (باہم) اختلاف کیا، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو ایمان

اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿253﴾

لائے اور کچھ وہ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ باہم نہ لڑتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ﴿253﴾

تفسیر آیت:253

بعض انبیائے کرام علیہم السلام کی بعض پر فضیلت: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾ (بنی إسرآءیل 55:17) ''اور ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت بخشی اور داود (علیہ السلام) کو زبور عنایت کی۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ ﴾ ''یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، بعض ایسے ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا۔'' یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی کے شرف سے نوازا جیسا کہ اس حدیث میں ذکر ہے جو صحیح ابن حبان میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔[1]

﴿ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ ﴾ ''اور بعض کے مرتبے بلند کیے۔'' جیسا کہ حدیث اسراء سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مختلف درجات و مراتب کے حوالے سے دیکھا تھا۔[2]

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت کریمہ اور صحیح بخاری و مسلم کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث میں تطبیق کس طرح ہوگی جس میں یہ ذکر ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی نے باہم گالی گلوچ کی۔ مسلمان نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جہان والوں میں سے منتخب کر لیا! اور یہودی نے قسم کھاتے ہوئے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو

---

[1] ابن حبان میں یہ مفصل روایت ہے جس میں آدم علیہ السلام کے بارے میں ہے: [كَلَّمَهُ قُبُلًا] ''اللہ تعالیٰ نے ان سے آمنے سامنے کلام فرمایا۔'' لیکن یہ روایت سخت ضعیف ہے۔ اس میں ابراہیم بن ہشام بن یحییٰ بن یحییٰ الغسانی الدمشقی کذاب راوی ہے۔ ایک اور سند سے مسند احمد میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے، دیکھیے صحیح ابن حبان، البر والإحسان، باب ما جاء في الطاعات وثوابها: 77,76/2، حدیث:361 و مسند أحمد:178/5. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ذكر إدريس عليه السلام ......، حدیث:3342 و صحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله ......، حدیث:162- 164 و مسند أحمد:144,143/5 عن أنس وأُبي بن كعب رضي الله عنهما.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ہم نے تمھیں جو کچھ دیا اس میں سے خرچ کرو، اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی

شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿254﴾

دوستی یا سفارش ہی کام آئے گی اور کفر کرنے والے ہی ظالم ہیں ﴿254﴾

تمام جہان والوں میں سے منتخب کر لیا تھا! تو مسلمان نے یہودی کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ یہودی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس مسلمان کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تُخَيِّرُونِي عَلٰى مُوسٰى، فَإِنَّ النَّاسَ يَصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُّفِيقُ، فَإِذَا مُوسٰى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ، فَلَا أَدْرِي أَكَانَ مُوسٰى فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي أَوْ كَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ] ”مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو، قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہوں گے، چنانچہ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کی ایک جانب کو پکڑے ہوئے ہوں گے، نہیں معلوم کہ موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے ہوش میں آ جائیں گے یا ان میں سے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس بے ہوشی سے مستثنیٰ کر رکھا ہے۔“[1] ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: [لَا تُفَضِّلُوا بَيْنَ أَنْبِيَاءِ اللّٰهِ] ”انبیائے کرام علیہم السلام کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔“[2]

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حالت میں فضیلت کی ممانعت ہے جس میں (اس موضوع پر) باہمی لڑائی جھگڑے کے مقدمے کا فیصلہ کرانے کے لیے آئیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ کسی کو کسی پر فضیلت عطا کرنا یہ تمھارا مقام نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اور تمھارا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام و ارشادات کے سامنے سر تسلیم خم کر دو اور اس پر ایمان لاؤ۔

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ ﴾ ”اور عیسیٰ ابن مریم کو ہم نے کھلی ہوئی نشانیاں عطا کیں۔“ میں ﴿ الْبَيِّنٰتِ ﴾ سے مراد وہ قطعی دلائل و براہین ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دین سچا ہے جسے آپ بنی اسرائیل کے پاس لائے اور آپ اللہ کے بندے اور اس کے سچے رسول ہیں۔ ﴿ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ ﴾ ”اور ہم نے روح القدس سے ان کو مدد دی۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام سے ان کی مدد فرمائی، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ ﴾ ”اور اگر اللہ چاہتا تو ان سے پچھلے لوگ اپنے پاس کھلی نشانیاں آنے کے بعد آپس میں نہ لڑتے لیکن انھوں نے اختلاف کیا تو ان میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض کافر ہی رہے اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ باہم جنگ و قتال نہ کرتے۔“ لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کے مطابق ہوا، اسی لیے تو فرمایا: ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿253﴾ ﴾ ”لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب نفخ الصور، حديث: 6517 و صحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسى ﷺ، حديث: (160)-2373. اور استثنا والی آیت یہ ہے: ﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ .... ﴾ (الزمر 68:39). [2] صحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسى ﷺ، حديث: 2373.

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۥ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، زندہ ہے، سب کو سنبھالے ہوئے ہے، اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں

فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ

ہے، سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ وہ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ

پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کو اپنے احاطے میں نہیں لا سکتے، سوائے اس بات کے جو وہ چاہے۔ اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیر

وَلَا يَـــــُٔـــوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿255﴾

رکھا ہے، اور اسے ان دونوں کی حفاظت تھکاتی نہیں اور وہ بلند تر، نہایت عظمت والا ہے ﴿255﴾

تفسیر آیت:254

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ اس نے انھیں جو رزق عطا فرمایا ہے، اس میں سے اس کے راستے میں، یعنی نیکی کے راستے میں بھی خرچ کریں تا کہ اپنے آقا و مولیٰ کے پاس اس کا ثواب جمع کر سکیں، نیز تلقین فرمائی ہے کہ وہ دنیا کی اس زندگی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں جلدی کریں ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ﴾ اس دن، یعنی قیامت کے دن کے آنے سے پہلے پہلے ﴿لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ﴾ ''جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا اور نہ دوستی اور سفارش ہو سکے گی۔'' یعنی وہ اپنے آپ کو بیچ کر (عذاب سے بچ نہیں سکے گا) اور نہ اس کی طرف سے مال کو بطور فدیہ قبول کیا جائے گا، خواہ وہ ساری زمین کے برابر سونا کیوں نہ پیش کرے۔ اور نہ کسی کی دوستی، محبت اور قرابت داری ہی کام آسکے گی جیسا کہ فرمایا: ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ﴾ (المؤمنون 101:23) ''پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو نہ تو ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔'' ﴿وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ﴾ یعنی اور نہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت ہی کام آسکے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿254﴾﴾ ''اور کفر کرنے والے لوگ ہی ظالم ہیں۔'' یہاں مبتدا اپنی خبر ہی میں محصور ہے، یعنی اس سے بڑھ کر اور کوئی ظالم نہیں ہو سکتا جو اس دن اللہ کے پاس کافر بن کر آئے۔ امام ابن ابو حاتم نے عطاء بن دینار سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿254﴾﴾ اور یہ نہیں فرمایا: [وَالظَّالِمُونَ هُمُ الْكٰفِرُونَ] ''ظلم کرنے والے ہی کافر ہیں۔''[1]

تفسیر آیت:255

آیت الکرسی کی فضیلت: یہ آیت الکرسی ہے، عظیم الشان آیت ہے، رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ یہ کتاب اللہ کی سب سے افضل آیت ہے۔ امام احمد نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے

---

① تفسیر ابن أبي حاتم:485/2.

پوچھا:[أَيُّ آيَةٍ فِي كِتَابِ اللّٰهِ أَعْظَمُ ؟ قَالَ : اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ ، فَرَدَّدَهَا مِرَارًا ، ثُمَّ قَالَ أُبَيٌّ: آيَةُ الْكُرْسِيِّ ، قَالَ: لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ أَبَا الْمُنْذِرِ! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّ لَهَا لِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ تُقَدِّسُ الْمَلِكَ عِنْدَ سَاقِ الْعَرْشِ] ''کتاب اللہ کی سب سے عظیم الشان آیت کون سی ہے؟ تو انھوں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے یہ سوال کئی بار دہرایا تو پھر اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: آیت الکرسی قرآن مجید کی سب سے عظیم الشان آیت ہے تو آپ نے فرمایا: ابومنذر! تمھیں علم مبارک ہو، اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک اس آیت کی ایک زبان اور دو ہونٹ ہیں اور یہ عرش الٰہی کے پائے کے پاس اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان کرتی ہے۔''① اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے لیکن یہاں ''اس ذات کی قسم......'' سے لے کر آخر تک کے الفاظ نہیں ہیں۔②

امام احمد نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کی الماری تھی (انھوں نے اس میں کھجوریں رکھی ہوئی تھیں) مگر جنّ آتے اور وہ انھیں لے جاتے تھے۔ انھوں نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا:[فَإِذَا رَأَيْتَهَا فَقُلْ : بِاسْمِ اللّٰهِ ، أَجِيبِي رَسُولَ اللّٰهِ] ''جب انھیں دیکھو تو کہو: بسم اللہ! آ و اللہ تعالیٰ کے رسول کے پاس چلو۔'' چنانچہ جب جنّ آیا تو انھوں نے اس سے یہی کہا اور اسے پکڑ لیا تو اس نے کہا کہ وہ آئندہ نہیں آئے گا تو انھوں نے اسے چھوڑ دیا، پھر ابوایوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا:[مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ ؟] ''اپنے قیدی کے بارے میں سناؤ؟'' انھوں نے عرض کی: میں نے اسے پکڑ لیا تھا لیکن اس نے جب مجھ سے یہ کہا کہ میں پھر نہیں آؤں گا تو میں نے اسے چھوڑ دیا، آپ نے فرمایا:[إِنَّهَا عَائِدَةٌ] ''وہ پھر بھی آئے گا۔''

الغرض میں نے اسے اس طرح دو تین بار پکڑا مگر وہ ہر بار یہی کہتا کہ میں آئندہ نہیں آؤں گا، میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ فرماتے:[مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ ؟] ''اپنے قیدی کا حال سناؤ؟'' ابوایوب کہتے: میں نے اسے پکڑ لیا تھا، پھر وہ جن کہتا کہ آئندہ میں نہیں آؤں گا تو آپ فرماتے: [إِنَّهَا عَائِدَةٌ] ''یہ آئندہ بھی آئے گا۔'' بہرحال میں نے اسے پھر پکڑا تو اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو، میں تمھیں ایک ایسی چیز سکھاتا ہوں کہ جسے پڑھ لو گے تو کوئی چیز تمھارے قریب نہ آئے گی، وہ آیت الکرسی ہے۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: [صَدَقَتْ وَهِيَ كَذُوبٌ] ''اس نے بات سچی کی ہے گو وہ خود جھوٹا ہے۔''③

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی جامع کے أبواب فضائل القرآن میں ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔④ اور اس حدیث میں ''جنّ'' کے لیے جو لفظ [غُول] استعمال ہوا ہے، اس کے معنی لغت عرب میں اس جنّ کے ہیں جو رات کو نمودار ہو۔

---

① مسند أحمد:142,141/5. ② صحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب فضل سورة الكهف وآية الكرسي، حديث: 810. ③ مسند أحمد:423/5. اور کھجوروں کی موجودگی کا ذکر مسند احمد میں نہیں بلکہ جامع ترمذی میں ہے، حوالے کے لیے دیکھیے بعد والا حاشیہ۔ ④ جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب حديث أبي أيوب في الغُول......، حديث:2880.

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی طرح کا قصہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جو صحیح بخاری کی کتاب فضائل القرآن، الوکالة اور باب صفة إبليس میں مذکور ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رمضان کی زکاۃ (صدقۂ فطر) کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا تو رات کو ایک آنے والا آیا اور اس نے (اپنے کپڑے میں) کھانے کی چیزیں بھرنا شروع کر دیں تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو، میں محتاج عیالدار اور سخت حاجت مند ہوں تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔

صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَا أَبَاهُرَيْرَةَ ! مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ ؟ قَالَ : قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! شَكَا حَاجَةً شَدِيدَةً وَّعِيَالًا ، فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ ، قَالَ: أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ سَيَعُودُ ، لِقَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ : "إِنَّهُ سَيَعُودُ" فَرَصَدْتُهُ] ''ابو ہریرہ! اپنے رات کے قیدی کا حال سناؤ؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس نے کہا کہ وہ بہت سخت حاجت مند اور عیالدار ہے تو میں نے رحم کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا: ''اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے، وہ پھر بھی آئے گا۔'' اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ واقعی دوبارہ آئے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا تھا کہ وہ دوبارہ آئے گا، اس لیے میں چوکنا رہا، چنانچہ وہ آیا اور اس نے (اپنے کپڑے میں) کھانے کی چیزیں ڈالنا شروع کر دیں تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ تجھے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں گا۔ کہنے لگا: مجھے چھوڑ دو میں بہت محتاج ہوں اور مجھ پر اہل و عیال کی ذمہ داری کا بوجھ ہے، میں آئندہ نہیں آؤں گا۔

میں نے رحم کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا، صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ؟ قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! شَكَا حَاجَةً شَدِيدَةً وَّعِيَالًا ، فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ ، قَالَ : أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ] ''ابو ہریرہ! اپنے رات کے قیدی کا حال سناؤ؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس نے اپنی سخت حاجت اور اہل و عیال کی ذمہ داری کے بوجھ کا ذکر کیا تو میں نے ترس کھاتے ہوئے اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا: ''اس نے تم سے جھوٹ بولا ہے، وہ پھر آئے گا۔''

میں نے تیسری بار اس کی گھات لگائی تو وہ پھر آیا اور اس نے (اپنے کپڑے میں) کھانے کی اشیا ڈالنا شروع کر دیں، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا: اب میں تجھے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں گا۔ بس یہ تیسری اور آخری دفعہ ہے، تو روز کہتا ہے کہ اب نہیں آئے گا لیکن وعدہ کرنے کے باوجود پھر آ جاتا ہے۔ اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو میں تمھیں کچھ ایسے کلمات سکھا دیتا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ تمھیں نفع دے گا۔ میں نے کہا: وہ کیا کلمات ہیں؟ کہنے لگا: جب بستر پر آؤ تو آیت الکرسی: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ﴾ سے لے کر آیت کے آخر تک پڑھ لیا کرو تو ساری رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ تمھاری حفاظت کرتا رہے گا اور صبح تک کوئی شیطان تمھارے قریب نہ آ سکے گا۔

میں نے اسے چھوڑ دیا، صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ ؟ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ !

زَعَمَ أَنَّهُ يُعَلِّمُنِي كَلِمَاتٍ يَّنْفَعُنِيَ اللّٰهُ بِهَا، فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ ، قَالَ : مَا هِيَ؟ قُلْتُ : قَالَ لِي: إِذَا أَوَيْتَ إِلٰى فِرَاشِكَ ، فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ مِنْ أَوَّلِهَا ، حَتّٰى تَخْتِمَ الْآيَةَ: ﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ ﴾ وَقَالَ لِي: لَنْ يَّزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ ، وَّلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتّٰى تُصْبِحَ- وَكَانُوا أَحْرَصَ شَيْءٍ عَلَى الْخَيْرِ- فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَمَا إِنَّهُ قَدْصَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ، تَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلَاثِ لَيَالٍ يَّا أَبَا هُرَيْرَةَ ؟ قَالَ: لَا ، قَالَ: ذَاكَ شَيْطَانٌ] ’’اپنے رات کے قیدی کا حال سناؤ؟‘‘ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس نے کہا تھا کہ وہ مجھے کچھ ایسے کلمات سکھائے گا جن سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے گا تو (یہ سن کر) میں نے پھر اسے چھوڑ دیا۔ آپ نے فرمایا: ’’وہ کیا ہیں؟‘‘ میں نے عرض کی: اس نے مجھ سے کہا کہ جب بستر پر آؤ تو اول سے لے کر آخر تک مکمل آیت الکرسی پڑھ لیا کرو تو اس سے ساری رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محافظ تمھاری حفاظت کرے گا اور صبح تک کوئی شیطان تمھارے قریب نہ آ سکے گا۔ جبکہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خیر و بھلائی کے سیکھنے کے حد درجہ شائق تھے۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: ’’اس نے تم سے بات سچی کی ہے، حالانکہ وہ خود جھوٹا ہے۔ ابو ہریرہ! تمھیں یہ معلوم ہے کہ تین راتیں کس سے باتیں کرتے رہے ہو؟‘‘ عرض کی: نہیں، تو آپ نے فرمایا: ’’یہ شیطان تھا۔‘‘[1] اسے امام نسائی نے بھی کتاب عمل الیوم و اللیلۃ میں روایت کیا ہے۔[2]

آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم ہے: امام احمد نے اسماء بنت یزید بن سکن رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان فرماتے ہوئے سنا کہ ان دو آیتوں: ﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ ﴾ اور ﴿ الٓمّٓ ۟ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۟ ﴾ (آل عمران 2,1:3) میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔[3] اسی طرح اس حدیث کو امام ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[4] امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

ابن مردویہ نے ابوامامہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: [اِسْمُ اللّٰهِ الْأَعْظَمُ الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ، فِي سُوَرٍ ثَلَاثٍ: الْبَقَرَةِ وَآلِ عِمْرَانَ وَطٰهٰ] ’’اللہ تعالیٰ کا وہ اسم اعظم جس کے واسطے سے دعا کی جائے تو وہ شرف قبولیت سے نوازتا ہے، تین سورتوں: (یعنی) بقرہ، آل عمران اور طٰہٰ میں ہے۔‘‘[5] ہشام، یعنی ابن عمار خطیب دِمَشق فرماتے ہیں کہ سورۂ بقرہ کی آیت: ﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ ﴾ آل عمران کی آیت: ﴿ الٓمّٓ ۟ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۟ ﴾ (آل عمران

---

① صحيح البخاري، الوكالة، باب إذا وكّل رجلا فترك الوكيلُ شيئًا......، حديث:2311 وبدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده ، حديث:3275 وفضائل القرآن، باب فضل سورة البقرة، حديث:5010. ② السنن الكبرٰى للنسائي، عمل اليوم والليلة، ذكر مايكبّ العفريت ويطفئ شعلته:238/6، حديث:10795. ③ مسند أحمد:461/6. ④ سنن أبي داود ، الوتر، باب الدعاء، حديث:1496 وجامع الترمذي، الدعوات، باب في إيجاب الدعاء بتقديم الحمد والثناء والصلاة على النبي ﷺ ،حديث:3478 وسنن ابن ماجه، الدعاء ، باب اسم الله الأعظم، حديث:3855 لیکن یہاں ﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ ﴾ کے بجائے اس آیت ﴿ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴾ (البقرة2:163) کا ذکر ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے آگے آنے والی حدیث کو اس کا شاہد قرار دیا ہے، دیکھیے حاشیہ هداية الرواة (المحقق):2231. ⑤ سنن ابن ماجه ، الدعاء، باب اسم الله الأعظم، حديث:3856 والمعجم الكبير للطبراني:237/8، حديث:7925.

2,1:3) اور طٰہٰ کی آیت: ﴿ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ﴾ (طٰہٰ 111:20) ''اور سب چہرے حیی قیوم (اللہ) کے آگے جھک جائیں گے۔'' کی طرف اشارہ ہے۔ ①

یہ آیت دس مستقل جملوں پر مشتمل ہے: (1) پس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ ﴾ ''اللہ معبود (برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔'' اس جملے میں یہ بتایا گیا ہے کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی تمام مخلوقات کا معبود برحق ہے کہ اس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

(2) — ﴿ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ ﴾ ''زندہ ہے سب کو سنبھالنے والا ہے۔'' یعنی وہ خود زندہ ہے کہ اسے کبھی موت نہیں آئے گی اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے، تمام موجودات اس کی محتاج ہیں اور وہ خود ان سب سے بے نیاز ہے جبکہ وہ اپنے وجود کو اس کے حکم کے بغیر قائم ہی نہیں رکھ سکتیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ﴾ (الروم 25:30) ''اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔''

(3) — اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ ﴾ ''اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔'' یعنی وہ ہر قسم کے نقص اور غفلت سے پاک ہے اور اسے اپنی مخلوق کے بارے میں ذرّہ برابر بھی ذہول نہیں ہوسکتا بلکہ وہ ہر جاندار کے کام کی نگرانی کر رہا ہے، ہر چیز سے آگاہ اور باخبر ہے، اس سے کوئی چیز غائب نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی چیز اس سے مخفی رہ سکتی ہے۔ اور اس کی مکمل قیومیت کی شان یہ ہے کہ اسے نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، پس ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ ﴾ یعنی اس پر غنودگی اور اونگھ غالب نہیں آتی، ﴿ وَّلَا نَوْمٌ ؕ ﴾ ''اور نہ نیند ہی (غالب آتی ہے۔)'' جو کہ اونگھ سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم میں کھڑے ہو کر چار باتیں بیان فرمائیں، آپ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يَنَامُ ، وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَنَامَ ، يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ ، يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ، وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ ، حِجَابُهُ النُّورُ- وَفِي رِوَايَةِ أَبِي بَكْرٍ : اَلنَّارُ- لَوْ كَشَفَهُ لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهِ مَا انْتَهَى إِلَيْهِ بَصَرُهُ مِنْ خَلْقِهِ] ''اللہ تعالیٰ نہیں سوتا اور نہ اس کے یہ شایانِ شان ہے کہ وہ سوئے، وہ میزان کو جھکاتا اور اٹھاتا رہتا ہے، رات کا عمل دن کے عمل سے پہلے اور دن کا عمل رات کے عمل سے پہلے اس کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے، اس کا حجاب نور، اور ابوبکر کی روایت کے مطابق ''نار'' ہے، اگر وہ اپنے حجاب کو دور ہٹا دے تو اس کے چہرے کے انوار وتجلیات سے مخلوق میں سے ہر وہ چیز جل کر راکھ ہو جائے جس پر اس کی نظر پاک پڑے۔'' ② یعنی

---

① مستدرک حاکم میں اس حدیث کے راوی ابوعبدالرحمٰن قاسم سے یہ منقول ہے کہ میں نے تلاش کیا تو اسم اعظم کو انھی مقامات پر پایا، دیکھیے المستدرك للحاكم، الدعاء والتكبير: 506/1، حدیث:1866 اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس قسم کے الفاظ ابوحفص دمشقی سے بیان کیے ہیں، تحفة الأخيار: 47/8، مزید دیکھیے السلسلة الصحيحة: 371/2، حدیث:746 والله أعلم. ② صحيح مسلم، الإيمان، باب في قوله ﷺ: [إن الله لاينام ......]، حدیث:(193)- 179 اور [بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ] کا ذکر: (194)-179 میں ہے۔ بعض احادیث میں پہلے [عمل النهار] کے الفاظ بھی ہیں جیسا کہ تفسیر میں ہے، دیکھیے صحيح ابن حبان، الإيمان ، باب ماجاء في الصفات: 499/1، حدیث:266 و سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فيما أنكرت الجهمية، حدیث:195.

ساری مخلوق جل جائے۔

(4)۔۔۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اسی کا ہے۔'' یہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ ساری مخلوق اسی کی غلام، اسی کی مملوک اور اسی کے غلبہ وتسلط میں ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَ كُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝ ﴾ (مریم 19:93-95) ''آسمانوں اور زمین کی مخلوق میں سے ہر ایک اللہ کے روبرو غلام بن کر آئے گا۔ اس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے۔ اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔''

(5)۔۔۔ اور فرمان الٰہی: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ ''کون ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس سے (کسی کی) سفارش کر سکے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ۝ ﴾ (النجم 53:26) ''اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی مگر اس وقت کہ اللہ جس کے لیے چاہے اجازت بخشے اور (سفارش) پسند کرے۔'' ﴿ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ﴾ (الأنبیآء 21:28) ''اور وہ (اس کے پاس کسی کی) سفارش نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جس سے اللہ خوش ہو۔''

اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اور کبریائی کی وجہ سے کوئی اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس کسی دوسرے کی سفارش نہیں کر سکتا جیسا کہ حدیث شفاعت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [فَآتِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَقَعُ سَاجِدًا]، [فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّدَعَنِي ، ثُمَّ يُقَالُ: اِرْفَعْ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ ! قُلْ تُسْمَعْ ، سَلْ تُعْطَهْ ، اِشْفَعْ تُشَفَّعْ...... ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُخْرِجُهُمْ مِّنَ النَّارِ ، وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ] ''میں عرش کے نیچے آ کر سجدہ ریز ہو جاؤں گا، جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا مجھے حالتِ سجدہ میں رکھے گا، پھر مجھ سے کہا جائے گا کہ اے محمد (ﷺ)! اپنے سر کو اٹھاؤ اور کہو تمھاری بات سنی جائے گی، سوال کرو تمھیں عطا کیا جائے گا، سفارش کرو تمھاری سفارش قبول ہوگی...... پھر میں سفارش کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی اور میں اس کے مطابق لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کراؤں گا۔''[1]

(6)۔۔۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾ ''جو کچھ لوگوں کے روبرو ہو رہا ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہو چکا ہے، اسے سب معلوم ہے۔'' یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم کائنات کے ماضی، حال اور مستقبل کا احاطہ کیے ہوئے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝ ﴾ (مریم 19:64) ''اور ہم (فرشتے) آپ کے پروردگار کے حکم کے سوا اتر نہیں سکتے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے، سب اسی کا ہے اور آپ کا

[1] ابتدائی حصہ صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ﴾ (بنی إسرآءیل 17:3)، حدیث: 4712 کے آخر اور صحیح مسلم، الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة فیها، حدیث: 194 عن أبي هریرة رضی اللہ عنہ کے مطابق اور دوسرا حصہ صحیح مسلم حوالہ مذکورہ، حدیث: 193 عن أنس رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔

پروردگار بھولنے والا نہیں۔''

(7)۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِۦٓ إِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ ﴾ ''اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے۔ ہاں، جس قدر وہ چاہتا ہے (اسی قدر معلوم کرا دیتا ہے۔)'' یعنی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے علم میں سے کسی چیز پر مطلع نہیں ہو سکتا مگر جو اللہ چاہے معلوم کروا دے اور جس پر چاہے وہ مطلع فرما دے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس جملے سے مراد یہ ہو کہ اس کی ذات وصفات کے علم میں سے کسی چیز پر یہ لوگ مطلع نہیں ہو سکتے مگر جس پر اللہ تعالیٰ چاہے مطلع فرما دے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِۦ عِلْمًا ۝ ﴾ (طٰہٰ 110:20) ''اور وہ (اپنے) علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔''

(8)۔ اور ﴿ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ ۖ ﴾ ''اُس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو گھیر رکھا ہے۔'' وکیع نے اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کرسی اللہ تعالیٰ کے دونوں قدموں کی جگہ ہے اور عرش الٰہی کا کوئی شخص اندازہ نہیں لگا سکتا۔[1] امام حاکم نے بھی مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح موقوفاً ہی روایت کیا ہے اور اس کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے مگر شیخین نے اسے بیان نہیں کیا۔[2] امام ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو پھیلا کر آپس میں ملا دیا جائے تو کرسی کی وسعت کے مقابلے میں یہ ایسے ہوں گے جیسے بیابان میں کوئی انگوٹھی پڑی ہو۔[3]

(9)۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا يَـُٔودُهُۥ حِفْظُهُمَا ۚ ﴾ ''اور اسے ان کی حفاظت کچھ بھی دشوار نہیں۔'' یعنی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، ان سب کی حفاظت نہ اس کے لیے گراں ہے اور نہ اسے مشقت میں مبتلا کرتی ہے بلکہ اس کے لیے یہ بے حد سہل اور آسان ہے۔ وہ ہر ہر جاندار کے اعمال کو دیکھ رہا ہے، تمام اشیاء کا نگہبان ہے، اس سے کوئی چیز بھی مخفی ہے نہ غائب، تمام اشیاء اس کے سامنے حقیر و ذلیل ہیں، اس کے مقابلے میں بہت ہی چھوٹی اور اس کے سامنے محتاج و فقیر ہیں، وہ غنی و حمید ہے اور جو ارادہ فرماتا ہے اسے کر گزرتا ہے، وہ جو کرتا ہے اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا جبکہ مخلوقات سے یقیناً باز پرس ہوگی، وہ ہر چیز پر غالب، ہر چیز کا محاسب، ہر چیز کا نگہبان اور عالی رتبہ و جلیل القدر ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ رب۔

(10)۔ پس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَهُوَ ٱلْعَلِيُّ ٱلْعَظِيمُ ۝ ﴾ ''وہ بڑا عالی رتبہ (اور) جلیل القدر ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ ٱلْكَبِيرُ ٱلْمُتَعَالِ ۝ ﴾ (الرعد 9:13) ''سب سے بڑا (اور سب سے) بلند و بالا ہے۔'' ان (اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق) آیات کریمہ اور ان کے ہم معنی صحیح احادیث مبارکہ کے بارے میں سلف صالح کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ کسی تکییف اور تشبیہ کے بغیر ان پر اسی طرح ایمان لایا جائے جیسے یہ کتاب وسنت میں مذکور ہیں۔

[1] المعجم الكبير للطبراني: 39/12، حديث: 12404. [2] المستدرك للحاكم، التفسير، من سورة البقرة: 282/2، حديث: 3116. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 491/2. اور دیکھیے السلسلة الصحيحة: 223/1، حديث: 209 و كتاب العظمة لأبي الشيخ، حديث: 259,252,220,206.

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ

دین میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت، گمراہی سے واضح ہو چکی ہے، پھر جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿256﴾

تو یقیناً اس نے ایک مضبوط کڑا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں۔ اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿256﴾

تفسیر آیت:256

دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ﴾ ”دین (اسلام کے بارے) میں زبردستی نہیں ہے۔“ یعنی دین اسلام میں داخل ہونے کے لیے کسی کو مجبور نہ کرو کیونکہ یہ ایک روشن اور واضح دین ہے، اس کے دلائل و براہین بے حد جلی ہیں، یہ دین اس بات کا قطعاً محتاج نہیں ہے کہ کسی کو زبردستی اس میں داخل کیا جائے بلکہ جسے اللہ تعالیٰ اسلام کی ہدایت عطا فرمائے اور اس کے لیے اسے شرح صدر اور نور بصیرت سے نوازے تو اسے علی وجہ البصیرت دین میں داخل ہونا چاہیے، اور جس کے دل کو اللہ تعالیٰ اندھا کر دے اور اس کے کانوں اور آنکھوں پر مہر لگا دے تو دین میں زبردستی داخل ہونا اس کے کسی کام نہیں آ سکتا۔

اگرچہ اس آیت کا حکم عام ہے تاہم ائمۂ تفسیر نے اس کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ انصار کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے، چنانچہ امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر کسی عورت کے بچے زندہ نہ رہتے تو وہ یہ نذر مان لیتی کہ اگر اس کا بچہ زندہ بچ گیا تو وہ اسے یہودی بنا دے گی، لہٰذا جب بنونضیر کو جلا وطن کیا گیا تو ان میں کئی انصار کے بیٹے بھی تھے تو انھوں نے کہا کہ ہم تو اپنے بیٹوں کو نہیں چھوڑیں گے، یعنی انھیں زبردستی اسلام میں داخل کریں گے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ﴾ ”دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے، ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔“[1] اس کو امام ابوداود اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

اور وہ حدیث جسے امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: [أَسْلِمْ، قَالَ: إِنِّي أَجِدُنِي كَارِهًا، قَالَ: وَإِنْ كُنْتَ كَارِهًا] ”مسلمان ہو جاؤ، اس نے عرض کی: میں اسے پسند نہیں کرتا تو آپ نے فرمایا: خواہ پسند نہ کرو۔“[3] یہ حدیث ثلاثی (امام احمد اور نبیٔ اکرم ﷺ کے درمیان صرف تین واسطوں والی) اور صحیح ہے لیکن یہ اس قبیل میں سے نہیں ہے کیونکہ اس شخص پر نبی ﷺ نے اسلام قبول کرنے کے لیے سختی نہیں کی تھی بلکہ اسے دعوت دی تھی تو اس نے بتایا کہ اس کا جی اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہے بلکہ وہ اسلام کو ناپسند کرتا ہے تو اس موقع پر آپ نے فرمایا: ”مسلمان ہو جاؤ، خواہ تم اسے پسند نہ کرو۔“ اللہ تعالیٰ تمھیں جلد ہی حسن نیت اور اخلاص عطا فرما دے گا۔

توحید ہی عُروۃ الوثقی ”مضبوط سہارا“ ہے: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

---

① تفسیر الطبری: 21/3. ② سنن أبي داود، الجهاد، باب في الأسیر یکره علی الإسلام، حدیث: 2682 والسنن الکبری للنسائي، التفسیر، باب قوله تعالی: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾: 304/6، حدیث: 11048. ③ مسند أحمد: 181/3.

﴿بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ ''تو جوشخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے (طاغوت کا انکار کر دے) اور اللہ پر ایمان لائے تو یقیناً اس نے ایک مضبوط کڑا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔'' یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے تمام شریکوں، بتوں اور ان تمام معبودان باطلہ کو ترک کر دے جن کی عبادت کی شیطان دعوت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کرے، صرف اور صرف اسی کی عبادت کرے اور صدق دل سے اس بات کی گواہی دے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ﴾ ''تو یقیناً اس نے ایک مضبوط کڑا تھام لیا۔'' یعنی وہ اپنے معاملے میں ثابت قدم ہے اور وہ صراط مستقیم پر گامزن ہے۔

ابو قاسم بَغَوِی نے حسان بن فائد عَبْسی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جِبت کے معنی جادو اور طَاغُوت کے معنی شیطان ہیں۔[1] طاغوت کے معنی آپ نے جو شیطان کے بیان کیے ہیں تو یہ بالکل صحیح ہیں کیونکہ طاغوت ہر اس شر پر مشتمل ہے جسے زمانۂ جاہلیت کے لوگوں نے اختیار کر رکھا تھا، خواہ اس کا تعلق بتوں کی عبادت سے ہو یا ان سے فیصلے کرانے سے یا ان سے مدد مانگنے سے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ﴾ ''تو یقیناً اس نے ایک مضبوط کڑا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں۔'' یعنی اس نے دین جیسے مضبوط و مستحکم سہارے کو پکڑ لیا ہے۔ اسے ایسے مضبوط کڑے سے تشبیہ دی گئی ہے جو ٹوٹنے والا نہ ہو کیونکہ یہ سہارا فی نفسہ بہت مضبوط و مستحکم اور قوی ہے اور اس کا ربط بھی بہت قوی اور شدید ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ﴾ مجاہد فرماتے ہیں: عروۂ وثقی، یعنی مضبوط کڑے سے مراد ایمان ہے۔[2] سدی نے کہا: اس سے مراد اسلام ہے۔[3]

امام احمد رحمہ اللہ نے قَیس بن عُبَاد سے روایت کیا ہے کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص وہاں آیا جس کے چہرے سے خشوع کے اثرات نمایاں تھے، مسجد میں داخل ہونے کے بعد اس نے وہاں دو ہلکی پھلکی رکعتیں ادا کیں تو حاضرین نے کہا کہ یہ شخص تو جنتی ہے، جب وہ صاحب مسجد سے باہر نکلے تو میں ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا حتی کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہونے لگے تو میں بھی انھی کے ساتھ ان کے گھر کے اندر چلا گیا اور میں نے ان سے باتیں شروع کر دیں، لہٰذا جب وہ قدرے مانوس ہوئے تو میں نے عرض کی: آپ جب تھوڑی دیر پہلے مسجد میں تشریف لائے تھے تو لوگوں نے یہ یہ باتیں کی تھیں تو انھوں نے کہا: سبحان اللہ! کسی کو کوئی ایسی بات نہیں کہنی چاہیے جسے وہ جانتا نہ ہو، میں عرض کرتا ہوں کہ انھوں نے کس بنا پر (مجھے جنتی) کہا ہے؟

بلاشبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک خواب دیکھا اور اسے آپ کی خدمت میں بیان کیا، میں نے خواب یہ دیکھا تھا گویا میں ایک سرسبز و شاداب باغ میں ہوں ۔۔ ابن عون بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اس باغ کی سرسبزی و شادابی اور اس کی وسعت کا بھی ذکر کیا تھا ۔۔ اس کے درمیان لوہے کا ایک ایسا ستون تھا جس کی بنیادیں زمین میں مگر چوٹی آسمان میں تھی

---

[1] تفسیر الطبری:27/3 و تفسیر ابن أبی حاتم:3/974,975 و495/2. [2] تفسیر الطبری:29/3. [3] تفسیر الطبری:29/3.

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ

اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے، وہ ان کو اندھیروں سے نکال کے روشنی کی طرف لاتا ہے اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان کے دوست

يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿257﴾ ع 34 4/2

طاغوت ہیں، وہ انھیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، وہی لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿257﴾

اور اس کی چوٹی پر ایک حلقہ تھا، مجھ سے کہا گیا کہ اس ستون پر چڑھو، میں نے کہا کہ میں اس پر نہیں چڑھ سکتا تو میرے پاس ایک خدمت گزار لڑکا آیا اور اس نے پیچھے سے میرے کپڑے اٹھا لیے اور کہا کہ اب چڑھو تو میں چڑھ گیا حتی کہ میں نے اس کی چوٹی پر موجود حلقے کو پکڑ لیا تو وہ کہنے لگا کہ اسے مضبوطی سے تھامے رکھو، جب میں بیدار ہوا تو وہ حلقہ میرے ہاتھ میں تھا۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس خواب کو بیان کیا تو آپ نے فرمایا: [أَمَّا الرَّوْضَةُ فَرَوْضَةُ الْإِسْلَامِ، وَأَمَّا الْعَمُودُ فَعَمُودُ الْإِسْلَامِ ، وَأَمَّا الْعُرْوَةُ فَهِيَ الْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى، أَنْتَ عَلَى الْإِسْلَامِ حَتّٰى تَمُوتَ] ''باغ سے مراد چمن زار اسلام ہے، ستون سے مراد ستونِ اسلام ہے، حلقے سے مراد عروۂ وثقی ہے اور تم تادم واپسیں اسلام ہی پر قائم رہو گے۔'' راوی کا بیان ہے کہ یہ شخص حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تھے۔[1] اسے امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے بھی بیان فرمایا ہے۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ایک اور سند سے بھی بیان فرمایا ہے۔[3]

تفسیر آیت: 257

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جو شخص اس کی رضا اور خوشنودی کی پیروی کرے تو وہ اسے سلامتی کے راستوں کی ہدایت فرماتا ہے اور اپنے مومن بندوں کو کفر اور شک و ریب کے اندھیروں سے نکال کر واضح، جلی، روشن، آسان اور منور حق کے نور کی طرف لے آتا ہے، نیز فرمایا: کافروں کا دوست شیطان ہے، وہ ان جہالتوں اور ضلالتوں کو ان کے سامنے مزین کر کے پیش کرتا ہے جن میں وہ مبتلا ہیں اور انھیں طریقِ حق سے ہٹا کر کفر و افترا پردازی کے راستوں پر چلاتا ہے۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿257﴾ ﴾ ''یہی لوگ اہل دوزخ ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نور کے لفظ کو واحد مگر ظلمات کو جمع کے صیغے کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ اس لیے کہ حق تو ایک ہی ہے مگر کفر کی بہت سی قسمیں ہیں جو کہ سب کی سب باطل ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ ﴾ (الأنعام 153:6) ''اور یقیناً میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلو دیگر راستوں پر نہ چلو کہ (ان پر چل کر) اللہ کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے، ان باتوں

---

(1) مسند أحمد: 452/5. (2) صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب مناقب عبدالله بن سلام رضي الله عنه، حديث: 3813 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة ، باب من فضائل عبدالله بن سلام رضي الله عنه، حديث: 2484 . (3) صحيح البخاري، التعبير، باب الخُضَرِ في المنام والروضة الخضراء، حديث: 7010 و باب التعليق بالعروة والحلقة، حديث: 7014 عن عبدالله ابن سلام رضي الله عنه.

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ

کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں اس لیے جھگڑا کیا کہ اللہ نے اسے بادشاہی دے رکھی تھی؟ جب

الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ

ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اس (نمرود) نے کہا: میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا: بے شک اللہ تو

الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ

سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا اسے مغرب سے نکال کر دکھا، چنانچہ وہ ہکا بکا رہ گیا جس نے کفر کیا تھا۔ اور اللہ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

الظّٰلِمِیْنَ ۚ﴿258﴾

جو ظالم ہیں ﴿258﴾

کا اللہ تمھیں حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیز گار بنو۔''

اور فرمایا: ﴿ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ﴾ (الأنعام 6:1) ''اور اس نے اندھیرے اور روشنی بنائی۔'' اور فرمایا: ﴿ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ ﴾ (النحل 16:48) ''دائیں طرف سے اور بائیں اطراف سے۔'' ان آیات اور دیگر بہت سی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حق واحد ہے مگر باطل بہت سی انواع واقسام میں منقسم ہے۔

تفسیر آیت: 258

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا نمرود کے ساتھ مناظرہ: یہ شخص جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے رب تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کیا تھا، یہ بابل کا بادشاہ نُمرود[1] بن کنعان بن کُوش بن سام بن نوح تھا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس کا نام نُمرود بن فالخ بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح تھا، ان میں سے پہلا قول مجاہد وغیرہ کا ہے۔ امام مجاہد فرماتے ہیں: چار بادشاہ ایسے گزرے ہیں جو مشرق ومغرب سمیت پوری دنیا کے بادشاہ تھے، ان میں سے دو مومن ہیں اور دو کافر، مومن حضرت سلیمان بن داود علیہما السلام اور ذوالقرنین ہیں اور کافر نمرود اور بُخْتُ نَصَّر ہیں۔ واللہ أعلم.[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ ''بھلا آپ نے نہیں دیکھا؟'' کے معنی یہ ہیں کہ اے محمد (ﷺ)! اپنے دل کے ساتھ ﴿ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ ﴾ ''اس شخص کو جو ابراہیم سے اس کے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا؟'' یعنی اس نے رب تعالیٰ کے وجود کے بارے میں جھگڑا کیا کیونکہ وہ اپنے سوا کسی اور معبود کو تسلیم کرنے کا منکر تھا جیسا کہ فرعون نے بھی بعد میں اپنی قوم سے یہ کہا تھا: ﴿ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ ۚ ﴾ (القصص 28:38) ''میں اپنے سوا کسی کو تمھارا معبود نہیں جانتا۔'' اس سرکشی، غلیظ کفر اور شدید عناد پر اس کے جبر واستبداد اور طویل مدت کی بادشاہت نے اسے مجبور کیا تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ﴾ ''(اس نے یہ جھگڑا اس غرور کے سبب کیا) کہ اللہ نے اس کو سلطنت بخشی تھی۔''

[1] تفسیر کے بعض نسخوں اور دیگر کئی کتب میں نمروذ ہے، دونوں طرح درست ہے، دیکھیے تاج العروس: 287/5. [2] تفسیر الطبری: 36/3.

اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے گویا اس رب کے وجود کے بارے میں دلیل طلب کی تھی جس کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام دعوت دیتے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دلیل یہ پیش فرمائی: ﴿ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ﴾ ''میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔'' یعنی اس کے وجود کی دلیل یہ ہے کہ یہ چیزیں جو ہمیں نظر آ رہی ہیں ایک وقت تھا کہ یہ معدوم تھیں مگر اس نے انھیں وجود بخشا ہے اور وجود بخشنے کے بعد ایک وقت آئے گا کہ وہ انھیں پھر معدوم کر دے گا۔ یہ اس فاعل و مختار ہستی کے وجود کی بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ یہ چیزیں ازخود تو پیدا نہیں ہوتیں، لہٰذا ضروری ہے کہ کسی پیدا کرنے والے نے انھیں پیدا کیا ہو اور ان کا پیدا کرنے والا وہ رب تعالیٰ ہی ہے جس وحدہ لاشریک کی عبادت کی میں دعوت دیتا ہوں۔

اس جھگڑا کرنے والے نمرود نے یہ سن کر کہا: ﴿ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ﴾ ''میں بھی زندہ کر سکتا اور مار سکتا ہوں۔'' امام قتادہ، محمد بن اسحاق، سدی اور کئی اہل علم نے لکھا ہے کہ اس کے پاس دو آدمی لائے گئے جو قتل کے مستحق تھے تو اس نے ان میں سے ایک کے بارے میں حکم دے دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے اور دوسرے کے بارے میں حکم دیا کہ اسے قتل نہ کیا جائے اور زندہ کرنے اور مارنے کے اس نے یہ معنی سمجھے۔ [1]

حقیقت حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ ارادہ نہیں تھا کیونکہ یہ نہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کا جواب تھا اور نہ یہ اس کا مفہوم ہی تھا کیونکہ یہ بات وجود صانع سے تو مانع نہیں ہے۔ اس نے محض عناد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے لیے اس مقام پر فائز ہونے کا دعویٰ کیا اور تاثر یہ دیا کہ وہ بھی یہ کام کر سکتا ہے، یعنی وہ زندہ کر سکتا اور مار سکتا ہے جیسا کہ فرعون نے بھی اس کی اقتدا کرتے ہوئے کہا تھا: ﴿ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ﴾ (القصص 38:28) ''میں اپنے سوا کسی کو تمھارا معبود نہیں جانتا۔'' یہی وجہ ہے کہ جب اس نے فخر و غرور سے یہ دعویٰ کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ﴾ ''بے شک اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو ذرا اسے مغرب سے نکال کر دکھا!''

یعنی اگر تو اپنے اس دعوے میں سچا ہے کہ تو بھی زندہ کر سکتا اور مار سکتا ہے تو وہ ذات گرامی جو موت و حیات کی مالک ہے، اسی کا اس کائنات میں تصرف ہے، وہی کائنات کی ہر چیز کو پیدا کرتی اور تمام کواکب اور ان کی حرکات کو مسخر کرتی ہے، یہ سورج اس کے حکم سے ہر روز مشرق سے نکلتا ہے اگر تو اپنے دعوائے الوہیت اور موت و حیات کے مالک ہونے کے دعوے میں سچا ہے تو پھر سورج کو مغرب سے نکال کر دکھا؟ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ سورج کو مغرب سے نکالنے سے عاجز و قاصر ہے اور اس موقع پر وہ کسی ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ بھی نہیں کر سکتا تو وہ حیران رہ گیا اور اس قدر گنگ (گونگا) ہو گیا کہ اسے یارائے کلام تک نہ رہا کیونکہ ایک ایسی زبردست دلیل اس کے خلاف قائم ہو چکی تھی جس کا اس کے پاس قطعاً کوئی جواب نہ تھا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''اور اللہ ناانصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔'' یعنی اللہ

[1] تفسیر الطبری: 36/3 و تفسیر القرطبی: 286,285/3 و الدر المنثور: 586/1.

اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَۃٍ وَّہِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ ہٰذِہِ اللّٰہُ

یا اسی طرح اس شخص کو (نہیں دیکھا) جو ایک بستی سے گزرا اور وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی؟ اس نے کہا: اللہ اس بستی کو کیسے زندہ کرے گا اس کی موت

بَعۡدَ مَوۡتِہَا ۚ فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ ؕ قَالَ کَمۡ لَبِثۡتَ ؕ قَالَ لَبِثۡتُ

کے بعد؟ تو اللہ نے اسے ایک سو سال کے لیے موت دے دی، پھر اسے زندہ کیا۔ اللہ نے پوچھا: تو کتنی دیر (یہاں) رہا ہے؟ اس نے کہا: ایک دن یا دن

یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ ؕ قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَۃَ عَامٍ فَانۡظُرۡ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ

کا کچھ حصہ۔ اللہ نے فرمایا: (نہیں!) بلکہ تو (موت کی حالت میں) سو سال رہا، البتہ تو اپنے کھانے اور پینے (کے سامان) کی طرف دیکھ وہ بالکل سڑا بسا نہیں،

لَمۡ یَتَسَنَّہۡ ۚ وَانۡظُرۡ اِلٰی حِمَارِکَ وَلِنَجۡعَلَکَ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَانۡظُرۡ اِلَی الۡعِظَامِ کَیۡفَ

نیز دیکھ اپنے گدھے (کے ڈھانچے) کو، اور (یہ سب اس لیے ہوا ہے کہ) ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ اور تو (گدھے کی) ہڈیوں کی طرف

نُنۡشِزُہَا ثُمَّ نَکۡسُوۡہَا لَحۡمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ ۙ قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ

دیکھ کہ ہم کیسے انھیں ابھار کر جوڑتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں، پھر جب اس کے سامنے (یہ سب) واضح ہو گیا تو اس نے کہا: میں جانتا ہوں

شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۵۹﴾

کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿259﴾

تعالیٰ انھیں کوئی حجت و برہان نہیں سمجھا تا بلکہ ان کی ہر قسم کی دلیل ان کے رب کے ہاں ناکام و نامراد ہو کر رہ جاتی ہے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کے شدید عذاب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

قرآن مجید کے اس مقام کی یہ تفسیر اُس سے بدرجہا بہتر ہے جسے بہت سے ماہرین منطق نے بیان کیا ہے کہ پہلی بات سے دوسری بات کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منتقل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک دلیل کو چھوڑ کر اس سے زیادہ واضح دلیل کی طرف متوجہ ہوئے لیکن بات اس طرح نہیں ہے جس طرح انھوں نے کہا ہے (بلکہ آپ نے پہلی دلیل دوسری دلیل کے مقدمے کے طور پر بیان فرمائی تھی) تاکہ اپنی ان دونوں دلیلوں سے نمرود کے دعوے کو باطل ثابت کر سکیں۔ وَلِلّٰہِ الۡحَمۡدُ وَالۡمِنَّۃُ.

سُدّی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مابین یہ مناظرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ سے زندہ سلامت نکل آنے کے بعد ہوا تھا، اسی دن آپ کی اس بادشاہ سے ملاقات ہوئی تھی اور اسی ملاقات میں یہ مناظرہ ہوا تھا۔[1]

تفسیر آیت: 259

حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ: اس آیت سے قبل فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡ حَآجَّ اِبۡرٰہٖمَ فِیۡ رَبِّہٖۤ﴾ کا ذکر ہوا ہے اور وہ تقدیری طور پر ھَلْ رَاَیْتَ مِثْلَ الَّذِی...... ''کیا آپ نے (کسی کو) اس شخص کی طرح نہیں دیکھا......'' کے معنی میں ہے۔ اسی وجہ سے ﴿اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَۃٍ وَّہِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا ۚ﴾ کا عطف اس پر ڈالا گیا ہے، یعنی بھلا تم نے

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 499,498/2 و تفسیر الطبری: 38/3.

اس شخص کی طرح (کسی کو) نہیں دیکھا جس نے حضرت ابراہیم سے پروردگار کے بارے میں جھگڑا کیا تھا یا اسی طرح اس شخص کی طرح (کسی کو) نہیں دیکھا جس کا ایک گاؤں سے، جو اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا، گزر ہوا۔ امام ابن ابو حاتم نے ناجیہ بن کعب سے اور انھوں نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس شخص سے مراد حضرت عزیر علیہ السلام ہیں۔[1] امام ابن جریر نے ناجیہ کا اپنا قول بھی یہی بیان کیا ہے۔[2]

امام ابن جریر اور ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، قتادہ، سدی اور سلیمان بن بریدہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] مجاہد بن جَبُر کا قول ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص کا ہے۔[4] قریۃ کے بارے میں مشہور قول یہ ہے کہ اس سے مراد بیت المَقدِس ہے۔ اور ان کا یہاں سے گزر اس وقت ہوا تھا جب بُخْتُ نَصَّر نے بیت المَقدِس کو تباہ و برباد کر دیا اور اس کے باشندوں کو تہِ تیغ کر دیا تھا۔[5] ﴿ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ ﴾ ”اور وہ بستی اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی۔“ یعنی اس وقت بستی میں کوئی نہ تھا اور یہ بستی اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی اور اس کی دیواریں منہدم ہو کر صحنوں میں گر چکی تھیں تو یہ کھڑا ہو کر سوچ میں پڑ گیا کہ ایک وقت تھا کہ یہ بستی آباد و شاد اور ہنستی مسکراتی تھی مگر اب یہ اس کا کیا حال ہو گیا ہے! اس سوچ کے دوران میں اس کے دل میں خیال آیا: ﴿ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ ﴾ ”اللہ اس (کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا؟“ کیونکہ اس نے یہ دیکھا تھا کہ یہ بستی بری طرح تباہ و برباد ہو چکی اور شدید طور پر خراب ہو چکی ہے، اس نے سوچا کہ اب اس کا پہلی حالت میں آنا بہت بعید ہے تو اس نے کہا کہ اللہ اس کے باشندوں کو مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ ﴾ ”تو اللہ نے اس کی روح قبض کر لی (اور) سو برس تک (اس کو مردہ رکھا)، پھر اس کو جلا اٹھایا۔“

اور یہ بستی ان کی موت کے ستر سال بعد ہی آباد ہو گئی تھی، بنی اسرائیل یہاں لوٹ آئے اور اس کی آبادی بہت گنجان ہو گئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے جب مرنے کے بعد انھیں دوبارہ اٹھایا تو سب سے پہلے ان کی دونوں آنکھوں کو زندہ کیا تاکہ وہ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کو دیکھیں کہ وہ ان کے جسم کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔ جب یہ دوبارہ زندہ ہو کر جیتے جاگتے انسان بن کر کھڑے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتے کی وساطت سے ان سے فرمایا: ﴿ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ ﴾ ”تم کتنی دیر (یہاں) رہے ہو؟ اس نے کہا: ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔“ مفسرین نے لکھا ہے کہ انھوں نے یہ جواب اس لیے دیا تھا کہ وہ دن کے ابتدائی حصے میں فوت ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں دن کے آخری حصے میں دوبارہ زندہ کیا تھا، جب انھوں نے سورج کو باقی دیکھا تو گمان کیا کہ یہ شاید اسی دن کا سورج ہے،[6] اس لیے کہا: ﴿ اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ ﴾ ”یا دن کا کچھ حصہ“ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ ﴾ ”(نہیں!)

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 500/2. [2] تفسیر الطبري: 40/3. [3] تفسیر الطبري: 41,40/3 وتفسیر ابن أبي حاتم: 500/2. [4] تفسیر ابن أبي حاتم: 500/2. [5] تفسیر الطبري: 43/3 وتفسیر ابن أبي حاتم: 500/2. [6] تفسیر الطبري: 51/3.

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ

اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! مجھے دکھا تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ نے فرمایا: کیا تو (اس پر) ایمان نہیں لایا؟ ابراہیم نے کہا: کیوں

لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ

نہیں! (ایمان تو رکھتا ہوں) لیکن میں قلبی اطمینان چاہتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا: پھر تو چار پرندے لے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر لے اور ان کا ایک ایک ٹکڑا

35 ع 3 3 مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿260﴾

ہر پہاڑ پر رکھ دے، پھر ان کو بلا، وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے اور جان لے کہ بے شک اللہ غالب، خوب حکمت والا ہے ﴿260﴾

بلکہ سو برس (مرے) رہے ہو اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ (اتنی مدت میں مطلق سڑی) بُسی نہیں۔'' جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس وقت ان کے پاس انگور، انجیر اور پھلوں کا جوس تھا اور یہ تمام چیزیں ان کے پاس اسی طرح صحیح حالت میں تھیں کہ نہ تو جوس خراب ہوا، نہ ہی انجیر کھٹی یا بدبودار ہوئی اور نہ ہی انگور خراب ہوئے۔

﴿ وَانْظُرْ إِلٰى حِمَارِكَ ﴾ ''اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو'' کہ اللہ تعالیٰ تمھاری آنکھوں کے سامنے اسے کس طرح زندہ فرماتا ہے؟ ﴿ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ ﴾ ''اور غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کے لیے (اپنی قدرت کی) نشانی بنائیں۔'' کہ تم آخرت میں دوبارہ زندہ کیے جانے کی ایک دلیل بن جاؤ۔ ﴿ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ﴾ یعنی ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم ان کو کیسے اٹھائیں گے، پھر یہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جائیں گی؟

امام حاکم نے مستدرک میں خارجہ بن زید بن ثابت سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ﴾ کو ''زا'' کے ساتھ پڑھا تھا۔ امام حاکم نے اسے صحیح الاسناد قرار دے کر کہا ہے کہ شیخین نے اس روایت کو بیان نہیں فرمایا۔ ① اسے [......نُنْشِرُهَا] ''را'' کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں: ''ہم ان کو (کیونکر) زندہ کرتے ہیں؟'' یہ حضرت مجاہد کا قول ہے۔ ② ﴿ ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ ﴾ ''پھر ان پر (کس طرح) گوشت پوست چڑھا دیتے ہیں؟'' سدی وغیرہ نے لکھا ہے کہ ان کے گدھے کی ہڈیاں ان کے دائیں بائیں بکھری ہوئی تھیں، انھوں نے دیکھا تو سفید سفید ہڈیاں چمک رہی تھیں، اللہ تعالیٰ نے ہوا کو بھیجا جس نے جگہ جگہ بکھری ہوئی تمام ہڈیوں کو یکجا کر دیا اور ہر ہڈی کو اس کی جگہ پر جوڑ دیا حتی کہ ہڈیوں سے بنا ہوا ایک ڈھانچہ کھڑا ہو گیا جو گوشت سے خالی تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس ڈھانچے میں گوشت، اعصاب، رگیں اور کھال پیدا فرما دی، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے گدھے کے دونوں نتھنوں میں پھونک ماری تو گدھا اللہ تعالیٰ کے حکم سے صحیح سالم بن کر ہینگنے لگا۔ ③

حضرت عزیر علیہ السلام یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے، اس لیے اسے دیکھتے ہی وہ بے ساختہ پکار اٹھے: ﴿ أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿259﴾ ﴾ ''میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' یعنی میں اسے جانتا ہوں اور میں نے سر کی آنکھوں سے اس

① المستدرك للحاكم، التفسير: 234/2، حديث: 2918. ② تفسير الطبري: 62/3. ③ تفسير الطبري: 57/3 وتفسير ابن أبي حاتم: 506/2 نحوه.

کا مشاہدہ بھی کرلیا ہے، لہٰذا میں اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے اسے زیادہ جانتا ہوں۔ کچھ لوگوں نے ﴿ اَعْلَمُ ﴾ کو صیغۂ امر [اِعْلَمْ] بھی پڑھا ہے، یعنی اس بات کو خوب جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر آیت:260

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کی قبولیت: ائمۂ تفسیر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال کے کئی اسباب بیان کیے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انھوں نے جب نُمرود سے یہ کہا تھا: ﴿ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ﴾ ''میرا پروردگار تو وہ ہے جو جِلاتا ہے اور مارتا ہے۔'' تو آپ نے چاہا کہ آپ کو اس سلسلے میں علم الیقین کے بجائے عین الیقین حاصل ہو اور آپ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا اپنے سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں تو اس لیے بارگاہ ایزدی میں عرض کی: ﴿ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ؕ ﴾ ''اے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تو (اس پر) ایمان نہیں لایا؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! لیکن (میں دیکھنا) اس لیے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کرلے۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام بخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِذْقَالَ: ﴿ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِيْ ؕ ﴾ ''ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت شک کے زیادہ حق دار ہیں، جب انھوں نے کہا: ''اے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تمھیں یقین نہیں؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! لیکن (میں دیکھنا) اس لیے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینان حاصل کرے۔''[1] تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یقین طلب کرنے کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت ہم زیادہ حقدار ہیں۔

حضرت خلیل کی درخواست کا جواب: اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس درخواست کے جواب میں فرمایا: ﴿ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ ﴾ ''پھر تو چار پرندے لے۔'' مفسرین کا اس بات میں بہت اختلاف ہے کہ یہ چار پرندے کون کون سے تھے؟ لیکن ان پرندوں کے تعین میں کوئی فائدہ نہیں اگر اس میں کوئی فائدہ ہوتا تو قرآن مجید اسے خود ہی بیان فرما دیتا۔ اور اللہ کا فرمان ہے: ﴿ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ﴾ یعنی انھیں ٹکڑے ٹکڑے کرلو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابومالک، ابوالاسود الدِّیلی، وہب بن منبہ، حسن، سدی اور دیگر ائمۂ تفسیر نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔[2] انھوں نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے چار پرندے لیے، انھیں ذبح کرکے ٹکڑے ٹکڑے کردیا، ان کے بالوں کو نوچ کر توڑ دیا، پھر ان سب کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا، پھر ان کو الگ الگ ٹکڑوں میں کردیا اور ہر پہاڑ پر ایک ایک ٹکڑا ڈال دیا۔[3] بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے چار پہاڑوں اور ایک دوسرے قول کے مطابق سات پہاڑوں پر ان ٹکڑوں کو بکھیرا تھا۔

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ ﴾ (البقرة 2:260)، حديث: 4537. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 511/2 و تفسير الطبري: 79,78/3. ابوالاسود، الدُّؤَلی کی نسبت سے زیادہ مشہور ہیں۔ [3] تفسير الطبري: 81,80/3.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان پرندوں کے سروں کو آپ نے اپنے ہاتھ میں پکڑے رکھا، پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ پرندوں کو آواز دیں تو آپ نے ارشاد باری تعالیٰ کی تعمیل کرتے ہوئے انھیں آواز دی تو آپ نے دیکھا کہ ہر پرندے کا پراس کے پر کی طرف، خون، خون کی طرف اور گوشت، گوشت کی طرف اڑ رہا اور ایک دوسرے کے ساتھ جا کر مل رہا ہے حتی کہ ہر ایک پرندہ مکمل ہو کر اپنی جگہ کھڑا ہو گیا اور آپ کی طرف دوڑتے ہوئے آیا تاکہ آپ اچھی طرح اس حقیقت کا مشاہدہ فرما لیں جس کے بارے میں آپ نے سوال کیا تھا۔

الغرض! اب ان میں سے ہر پرندہ آپ کی طرف بھاگا چلا آرہا تھا تاکہ اپنے اس سر کو بھی حاصل کر لے جو آپ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ اگر آپ کسی پرندے کو اس کے اپنے سر کے علاوہ کوئی دوسرا سر دیتے تو وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتا تھا اور اگر اس کی طرف اس کے اپنے سر کو بڑھاتے تو وہ اس کے باقی تن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت وقوت سے جڑ جاتا۔[1]

اسی لیے فرمایا: ﴿وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ”اور جان لو کہ بے شک اللہ غالب، حکمت والا ہے۔“ یعنی خوب خوب جان لو کہ اللہ غالب ہے کہ کوئی چیز اس پر غالب نہیں آسکتی اور نہ کوئی چیز اس کی دسترس سے باہر رہ سکتی ہے، وہ جو چاہے بلا روک ٹوک ہو جاتا ہے، اس لیے کہ وہ ذات گرامی عظیم اور ہر چیز کو مغلوب کر دینے والی ہے، نیز وہ اپنے اقوال وافعال اور شرع وقدر میں حکیم ہے۔

امام عبدالرزاق نے معمر اور ایوب کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ میرے نزدیک قرآن مجید میں اس سے بڑھ کر اور کوئی آیت زیادہ امید افزا نہیں ہے۔[2] امام ابن ابو حاتم نے محمد بن مُنکَدِر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی ملاقات ہوئی تو ابن عباس نے ابن عمرو سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک قرآن مجید کی کون سی آیت زیادہ امید افزا ہے؟ تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ میرے نزدیک یہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (الزمر 53:39) ”آپ کہہ دیجیے: (اللہ فرماتا ہے:) اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے! تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ سب گناہ معاف کر دیتا ہے، یقیناً وہی بڑا بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ سب سے زیادہ امید افزا ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں تو ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَيْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى﴾ کو زیادہ امید افزا قرار دیتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات: ﴿بَلٰى﴾ ”کیوں نہیں!“ سے راضی ہو گیا کیونکہ اس طرح کی باتیں تو دلوں میں آتی رہتی ہیں اور شیطان ان کے بارے میں وسوسہ پیدا کرتا رہتا ہے۔[3]

امام حاکم نے بھی اس حدیث کو مستدرک میں اسی طرح روایت کیا، اس کی سند کو صحیح قرار دیا اور لکھا ہے کہ شیخین نے اسے

[1] تفسیر القرطبی:301,300/3 و تفسیر الطبری:81,80/3 عن قتادة والربیع. [2] تفسیر الطبری:69/3. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:509/2.

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ

ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں، اس دانے کی سی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر

سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿261﴾

بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہے (اجر) بڑھا دیتا ہے اور اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے ﴿261﴾

بیان نہیں کیا۔[1]

تفسیر آیت:261

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی جزا: اس مثال کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ کے راستے میں اس کی رضا کے حصول کے لیے خرچ کرے تو اسے دوگنا چوگنا اجر وثواب حاصل ہوتا ہے کیونکہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک عطا کیا جاتا ہے، پس ارشاد فرمایا: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان (کے مال) کی مثال۔'' سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے مراد اللہ کی اطاعت ہے۔[2] مکحول فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گھوڑوں پر خرچ کرنا ہے جو اللہ کے راستے میں بندھے ہوئے ہوں۔[3]

محض سات سو کا عدد ذکر کر دینے کی نسبت یہ مثال دلوں کے لیے زیادہ مؤثر ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اعمال صالحہ سرانجام دینے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پروان چڑھاتا رہتا ہے جس طرح کہ اس شخص کی کھیتی پروان چڑھتی ہے جس نے زرخیز زمین میں بیج ڈالا ہو۔

سنت نبوی سے بھی یہ ثابت ہے کہ نیکی کو سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے مہار والی ایک اونٹنی اللہ کی راہ میں صدقہ کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَتَأْتِيَنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِسَبْعِ مِائَةِ نَاقَةٍ مَّخْطُومَةٍ] ''یقیناً یہ قیامت کے دن مہار والی سات سو اونٹنیاں (اپنے ساتھ) لائے گی۔''[4] اسے امام مسلم اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک شخص مہار والی ایک اونٹنی لے کر آیا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ اللہ کی راہ میں ہے۔ آپ نے فرمایا: [لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُ مِائَةِ نَاقَةٍ] ''تجھے قیامت کے دن اس کے عوض میں سات سو اونٹنیاں ملیں گی (وہ سب مہار والی ہوں گی۔)''[5]

ایک دوسری حدیث: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ ، الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا ، إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلٰى مَا شَاءَ اللّٰهُ قَالَ اللّٰهُ : إِلَّا الصَّوْمَ

① المستدرك للحاكم، الإيمان: 60/1، حديث: 198 والتوبة والإنابة: 261,260/4، حديث: 7670 امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اس میں انقطاع ہے۔ ② تفسير ابن أبي حاتم: 514/2. ③ تفسير ابن أبي حاتم: 514/2. ④ مسند أحمد: 121/4.

⑤ صحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الصدقة في سبيل الله تعالى وتضعيفها، حديث: 1892 و سنن النسائي، الجهاد، باب فضل الصدقة في سبيل الله عزوجل، حديث: 3189 .

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى ۙ لَّهُمْ

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد احسان نہیں جتاتے اور نہ دکھ دیتے ہیں، ان کے لیے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿262﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ

ان کے رب کے پاس اجر ہے، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿262﴾ اچھی بات کہنا اور معاف کرنا اس صدقے سے بہتر ہے

مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿263﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا

جس کے بعد دکھ دیا جائے اور اللہ بے پروا، نہایت بردبار ہے ﴿263﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر

صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح ضائع نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا

الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ

تو اس کی مثال چکنے پتھر کی سی ہے جس پر مٹی پڑی ہو، پھر اس پر زور کی بارش ہو تو (ساری مٹی بہ جائے اور) صاف چٹان رہ جائے۔ وہ (ریاکار) جو نیکی کرتے

عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿264﴾

ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿264﴾

فَإِنَّهُ لِي ، وَأَنَا أَجْزِي بِهِ ، يَدَعُ طَعَامَهُ وَشَهْوَتَهُ مِنْ أَجْلِي ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ : فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ ، وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ ، وَلَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ ، الصَّوْمُ جُنَّةٌ ، الصَّوْمُ جُنَّةٌ] ”ابن آدم کے ہر عمل کو اس طرح بڑھا دیا جاتا ہے کہ ایک نیکی کا سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ جس قدر اللہ چاہے ثواب ملتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مگر روزہ، وہ میرے ہی لیے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا، وہ محض میری وجہ سے اپنے کھانے اور خواہش نفس کو چھوڑتا ہے، روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری اپنے رب تعالیٰ کے دیدار کے وقت، روزے دار کے منہ کی بو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی بڑھ کر پاکیزہ ہوگی۔ روزہ ڈھال ہے، روزہ ڈھال ہے۔“[1] اور اسی طرح اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[2]

اور یہاں اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾ ”اور اللہ جس (کے مال) کو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے۔“ اللہ تعالیٰ اسے اس کے اخلاص عمل کے حساب سے بڑھاتا رہتا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿261﴾﴾ ”وہ بڑی کشائش والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔“ یعنی اس کا فضل وکرم اس کی مخلوق کی نسبت بہت ہی زیادہ ہے اور صرف وہی جانتا ہے کہ کون اس کے فضل وکرم کا مستحق ہے اور کون نہیں بے شک وہ اپنی حمد وثنا کے ساتھ پاک ہے۔

تفسیر آیات: 262-264

صدقہ کرنے کے بعد احسان جتلانے اور ایذا پہنچانے کی ممانعت: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے

[1] مسند أحمد: 443/2. [2] صحيح مسلم، الصيام، باب فضل الصيام، حديث: 1151.

جو اپنے اموال اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور صدقہ و خیرات کرنے کے بعد اس شخص پر کوئی احسان نہیں جتلاتے جسے انھوں نے دیا ہو۔ الغرض! وہ کسی پر بھی قول یا فعل کے ساتھ احسان نہیں جتلاتے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَّلَآ اَذًى ﴾ ''اور نہ (کسی کو) تکلیف دیتے ہیں۔'' یعنی جس کے ساتھ انھوں نے کوئی احسان کیا ہو تو اسے کوئی تکلیف یا ایذا نہیں دیتے کہ اس سے ان کا سابقہ احسان ضائع ہو جائے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے بے پایاں اجر و ثواب کا وعدہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ''ان کے لیے ان کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس (تیار) ہے۔'' یعنی ان کا ثواب اللہ ہی کے ذمے ہے کسی اور کے ذمے نہیں۔ ﴿ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ﴾ ''اور نہ ان کو کچھ خوف ہوگا۔'' یعنی روز قیامت کی ہولناکیوں کا انھیں کچھ خوف نہ ہوگا۔ ﴿ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ ''اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' یعنی انھوں نے اپنے پیچھے جو اولاد چھوڑی اور جو دنیا اور اس کے اسباب و وسائل چھوڑے تو اس کا انھیں کوئی غم نہ ہوگا کیونکہ انھیں ان دنیوی چیزوں سے بدر جہا بہتر نعمتیں مل چکی ہوں گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ﴾ ''نرم بات کہہ دینی'' یعنی مسلمان سے کوئی اچھی بات کہہ دی جائے یا اسے دعا ہی دے دی جائے، ﴿ وَّمَغْفِرَةٌ ﴾ ''اور درگزر کرنا'' یعنی کسی قولی یا فعلی ظلم کو معاف کر دینا اور درگزر کرنا ﴿ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ﴾ ''اس خیرات سے بہتر ہے جس کے دینے کے بعد (لینے والے کو) ایذا دی جائے۔'' ﴿ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ ﴾ ''اور اللہ (اپنی مخلوق سے) بے پروا ہے۔'' ﴿ حَلِيْمٌ ﴾ ''(اور) بردبار ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ حلم و بردباری سے کام لیتا، درگزر کرتا اور معاف فرماتا ہے۔ صدقہ کر کے احسان جتلانے کی ممانعت کے بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں، مثلاً: صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ثَلَاثَةٌ لَّا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ...... اَلْمُسْبِلُ إِزَارَهُ ، وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ] ''تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ روز قیامت نہ کلام فرمائے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا......: اپنے تہبند (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اور صدقہ دے کر احسان جتلانے والا اور اپنے سودے کو جھوٹی قسم کے ساتھ بیچنے والا۔''[1]

اسی لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ﴾ ''مومنو! اپنے صدقات (و خیرات) کو احسان جتانے اور ایذا دینے سے برباد نہ کر دینا۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ احسان جتانے اور ایذا دینے سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے اور اس غلطی کی وجہ سے انسان صدقہ و خیرات کے اجر و ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ ﴾ ''اس شخص کی طرح جو لوگوں کے دکھاوے کے لیے مال خرچ کرتا ہے۔'' یعنی اپنے صدقات کو احسان اور ایذا سے اس طرح ضائع نہ کرو جس طرح لوگوں کے دکھاوے سے صدقہ ضائع ہو جاتا

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار......، حديث: 106.

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ

اور ان لوگوں کی مثال ،جو اللہ کی رضا جوئی اور پوری دلجمعی سے اپنے مال خرچ کرتے ہیں، اس باغ کی سی ہے جو کسی اونچی سطح پر ہو،

بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

اس پر زور کی بارش ہو تو وہ دوگنا پھل لائے، پھر اگر اس پر زور کی بارش نہ بھی ہو تو پھوار ہی (کافی ہے) اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اسے

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿265﴾

خوب دیکھنے والا ہے ﴿265﴾

ہے کیونکہ وہ لوگوں کے سامنے تو ظاہر یہ کرتا ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کر رہا ہے لیکن اس کا اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں یا وہ اچھے کارناموں کے ذریعے سے شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ لوگ اس کا شکریہ ادا کریں یا اسے کہا جائے کہ وہ بڑا سخی ہے، یعنی صدقہ و خیرات کرنے سے اس کے پیش نظر اس طرح کے دنیوی مقاصد ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے معاملہ اس کی رضا کی طلب اور اس کے بے پایاں اجر وثواب کا حصول اس کا مقصود نہیں ہوتا۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ﴾ ''اور وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے دکھاوے کے لیے خرچ کرنے والے، امام ضحاک کے بقول خرچ کر کے احسان جتلانے اور ایذا پہنچانے والے، کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:[1] ﴿ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ ﴾ ''اس کی مثال اس چٹان کی سی ہے۔'' ﴿ صَفْوَانٍ ﴾ صَفْوَانَة کی جمع ہے، بعض ائمۂ لغت کے بقول صفوان کا لفظ بطور مفرد بھی استعمال ہوتا ہے، اس کے معنی نرم اور ملائم چٹان کے ہیں۔ ﴿ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ ﴾ ''جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور اس پر زور کا مینہ برسے۔'' ﴿ وَابِلٌ ﴾ کے معنی موسلا دھار بارش کے ہیں۔

﴿ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ ﴾ ''وہ اسے صاف کر ڈالے۔'' یعنی یہ موسلا دھار بارش اس نرم و ملائم چٹان کو اس طرح صاف کر دے کہ اس پر قطعاً کوئی مٹی باقی نہ رہے بلکہ سب کی سب صاف ہو جائے۔ اسی طرح دکھاوا اور ریا کاری کرنے والوں کے کام اللہ تعالیٰ کے ہاں ختم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ گو، لوگوں کو ان کے اعمال مٹی کی طرح نظر آتے ہیں مگر بالآخر یہ بالکل ختم ہو جاتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿264﴾ ﴾ ''(اسی طرح یہ (ریاکار) لوگ اپنے اعمال کا کچھ بھی صلہ حاصل نہیں کر سکیں گے اور اللہ ایسے ناشکروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔''

تفسیر آیت:265

یہ ان مومنوں کی مثال ہے جو اپنے اموال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے خرچ کرتے ہیں: ﴿ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ''اور پوری دلجمعی سے'' یعنی انھیں اس بات کا پختہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں پوری پوری جزا عطا فرمائے گا۔ اس کی نظیر نبئ اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے جو متفق علیہ حدیث میں ہے: [مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا] ''جو شخص

[1] تفسیر الطبری: 93/3.

اَیَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ

کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو، اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں، اس باغ میں

فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَ اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَ لَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ

اس کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں اور اسے بڑھاپا آ جائے جبکہ اس کی اولاد کمزور ہو، پھر (اچانک) اس باغ پر ایسا بگولا آ پڑے جس میں آگ ہو

فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ ع 36 6 4

اور وہ اسے جلا کر رکھ دے؟ اس طرح اللہ تمھارے لیے آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو ﴿۲۶۶﴾

ایمان اور حصول ثواب کی امید سے رمضان کے روزے رکھے۔"[1] یعنی اس کا ایمان ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان روزوں کے رکھنے کا حکم دیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہی سے ان کے ثواب کی بھی امید رکھے۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ ﴾ "ان کی مثال ایک باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو۔" جنت کے معنی باغ کے ہیں اور ربوہ اس جگہ کو کہتے ہیں جو زمین سے اونچی ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام ضحاک نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ اس میں نہریں بہتی ہوں۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَصَابَهَا وَابِلٌ ﴾ "(جب) اس پر مینہ پڑے۔" ﴿ وَابِلٌ ﴾ شدید بارش کو کہتے ہیں جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا گیا ہے۔ ﴿ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَیْنِ ﴾ یعنی دوسرے باغوں کی نسبت وہ دوگنا پھل دے۔ ﴿ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ ﴾ "اگر مینہ نہ بھی برسے تو پھوار ہی کافی ہے۔" ضحاک کہتے ہیں کہ طَلّ کے معنی پھوار، یعنی ہلکی بارش کے ہیں۔[3] یعنی اونچی جگہ کا یہ باغ کبھی بھی قحط زدہ نہیں ہوتا کیونکہ اگر موسلا دھار بارش نہ بھی ہو تو اس کے لیے ہلکی بارش بھی کافی ہوتی ہے۔ اسی طرح مومنوں کا عمل بھی کبھی ضائع نہیں جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا، بڑھاتا اور پروان چڑھاتا ہے اور ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کے مطابق ہی جزا ملتی ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲۶۵﴾ ﴾ "اور اللہ تمھارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔" یعنی اس سے اپنے بندوں کا کوئی عمل بھی مخفی نہیں ہے۔

تفسیر آیت:266

نیکیوں کے برائیوں سے ضائع ہونے کی مثال: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عبید بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ تمھاری رائے میں یہ آیت: ﴿ اَیَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ﴾ "بھلا تم میں کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو؟" کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے۔

---

① صحیح البخاری، الإیمان، باب صوم رمضان احتسابا من الإیمان، حدیث: 38 و صحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب الترغیب فی قیام رمضان وھو التراویح، حدیث: 760 عن أبی ھریرة رضی اللہ عنہ. ② تفسیر الطبری: 100/3 و تفسیر البغوی: 363/1. تفسیر الطبری کے مطبوعہ نسخوں میں [لا تجری] ہے، یعنی اس میں نہریں نہ بہتی ہوں۔ ③ تفسیر الطبری: 101/3.

اس جواب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے اور انھوں نے فرمایا کہ یہ کہو کہ ہم جانتے ہیں یا نہیں جانتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے کہ امیر المؤمنین! اس کے بارے میں میرے دل میں ایک بات ہے، آپ نے فرمایا: برادر زادے! کہو اور اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت میں ایک عمل کی مثال بیان کی گئی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کس عمل کی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک عمل کی مثال بیان کی گئی ہے، پھر حضرت عمر نے (خود ہی) فرمایا: یہ مثال اس دولت مند شخص کے عمل کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مطابق عمل کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کے پاس شیطان کو بھیج دیتا ہے تو وہ گناہوں کے کام کرنے لگتا ہے حتی کہ اپنے سارے اعمال کو ضائع کر بیٹھتا ہے۔[1]

یہ حدیث اس آیت کی تفسیر اور اس میں جو مثال بیان کی گئی ہے اس کی وضاحت کے لیے کافی ہے کہ ایک شخص پہلے اچھے عمل کرتا رہتا ہے، پھر اس کی سیرت و کردار میں تبدیلی آ جاتی ہے اور وہ نیکیوں کے بجائے برائیاں شروع کر دیتا ہے۔ عِیَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ تو اپنے اس دوسرے برے عمل کی وجہ سے اپنی سابقہ نیکیوں کو بھی برباد کر بیٹھتا ہے مگر جب نازک اور کٹھن حالات میں اسے نیکیوں کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کے پاس کوئی نیکی باقی نہیں ہوتی، حالانکہ اس وقت اسے نیکیوں کی بہت شدید ضرورت تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ﴾ ''اور اسے بڑھاپا آ پکڑے جبکہ اس کے ننھے ننھے بچے بھی ہوں تو (ناگہاں) اس باغ پر ایسا بگولا آ پڑے۔'' إعصار شدید ترین ہوا کو کہتے ہیں۔ ﴿فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ﴾ ''جس میں آگ ہو تو وہ اسے جلا کر رکھ دے؟'' یعنی اس کے پھلوں کو جلا دے اور درختوں کو تباہ و برباد کر دے تو اس کا کیا حال ہوگا؟

امام ابن ابو حاتم نے بطریق عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ایک بہت خوبصورت مثال بیان فرمائی ہے اور اس کی بیان فرمودہ ساری مثالیں ہی بہت خوبصورت ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ﴾ ''بھلا تم میں کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہ رہی ہوں اور اس میں اس کے لیے ہر قسم کے میوے موجود ہوں؟'' مگر وہ اسے اپنے بڑھاپے میں ضائع کرے ﴿وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ﴾ ''اور اسے بڑھاپا آ پکڑے۔'' اور اس کی اس آخر عمر میں اس کی اولاد اور اس کے بچے کمزور ہوں تو ناگہاں اس باغ میں آگ کا بھرا ہوا بگولا چلے اور وہ اس باغ کو جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دے، اب اسے طاقت نہیں کہ پھر سے اس طرح کا باغ اگا سکے، اس کی اولاد کے پاس بھی مال و اسباب نہیں کہ وہ اس کی کوئی مدد کر سکے۔

روز قیامت کافر کو جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کیا جائے گا تو اس کا بھی یہی حال ہوگا، اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی کہ اس کی معذرت کو قبول کر لیا جائے جیسے کہ مثال میں بیان کیے گئے شخص کے پاس اب طاقت نہیں ہے کہ پہلا سا باغ بنا

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ﴾ (البقرة 2:266)، حدیث: 4538.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۨ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو اور ان میں سے بھی جو ہم نے تمھارے لیے زمین میں سے نکالی ہیں

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

اور مت ارادہ کرو (اللہ کی راہ میں) ردی اور خراب چیز خرچ کرنے کا جبکہ تم (خود) تو وہ (چیز) لینا بھی پسند نہیں کرتے الا یہ کہ اس کی بابت تم چشم پوشی کر جاؤ،

اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿267﴾ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً

اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بے پروا ہے، قابل تعریف ہے ﴿267﴾ شیطان تمھیں تنگدستی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی

مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿268﴾ ښ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ

بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے ﴿268﴾ اللہ جسے چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس شخص کو حکمت دی گئی تو اسے بہت

فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿269﴾

بھلائی عطا کی گئی اور (ان باتوں سے) عقل مند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں ﴿269﴾

سکے، وہ کوئی ایسی نیکی بھی نہیں پائے گا جسے اس نے آگے بھیجا ہو کہ اب وہ اس کے کام آسکے جیسے کہ باغ والے کے اس کی اولاد کام نہیں آئی، یہ اس وقت اجر وثواب سے محروم ہوگا جب اسے اجر وثواب کی بے حد ضرورت ہوگی، جیسے یہ شخص باغ سے اس وقت محروم ہوا جب اسے اس کی اپنے بڑھاپے اور اولاد کی کمزوری کی حالت میں شدید ضرورت تھی۔ ①

اسی طرح امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! اجْعَلْ أَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّي وَانْقِطَاعِ عُمُرِي] ''اے اللہ! اپنا کشادہ اور وسیع رزق مجھے میرے بڑھاپے اور عمر کے آخری ایام میں عطا فرما۔'' ② اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿266﴾ ﴾ ''اسی طرح اللہ تم سے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو (اور سمجھو۔)'' یعنی ان سے عبرت حاصل کرو، اَمثال اور ان کے معانی سمجھ کر انھیں حقیقی مراد پر محمول کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 43:29) ''اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے بیان کرتے ہیں اور انھیں تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں۔''

تفسیر آیات: 267-269

اللہ تعالیٰ کے راستے میں عمدہ مال خرچ کرنے کی ترغیب: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور یہاں خرچ کرنے سے مراد صدقہ کرنا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو جو رزق دیا اور جسے انھوں نے کمائی کے ذریعے سے حاصل کیا ہے یا ان فصلوں اور پھلوں کی

① تفسیر ابن أبي حاتم: 523/2. ② المستدرك للحاكم، الدعاء والتكبير...... :542/1 عن عائشة رضی اللہ عنہا یہ حدیث ضعیف ہے، السلسلة الضعيفة: 1385.

صورت میں حاصل کیا ہے جنھیں زمین نے ان کے لیے اگایا ہے تاکہ ان میں سے عمدہ اور پاکیزہ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ پاکیزہ، عمدہ اور بہترین مال کو اس کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے اپنے بندوں کو منع فرمایا ہے کہ وہ گھٹیا، ناقص اور ردی مال اس کی راہ میں خرچ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے اور وہ پاک مال ہی کو قبول فرماتا ہے، اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ﴾ یعنی بری اور خراب چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرو۔ ﴿وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ﴾ ”جبکہ تم (خود) تو وہ (چیز) لینا بھی پسند نہیں کرتے بجز اس کے کہ (لیتے وقت) آنکھیں بند کرلو۔“ یعنی اگر وہ چیزیں تمھیں دی جائیں تو تم انھیں کبھی نہ لو الا یہ کہ ان سے چشم پوشی کرلو، اللہ تعالیٰ تو تمھاری نسبت ان سے زیادہ بے نیاز ہے، لہٰذا جسے تم اپنے لیے ناپسند کرتے ہو، اسے اللہ تعالیٰ کے لیے کیوں پسند کرتے ہو۔ اس آیت کریمہ: ﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ﴾ کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں: ”تم حلال مال سے اعراض کرکے حرام مال کا قصد نہ کرو، پھر اس میں سے خرچ کرو۔“
امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ جب کھجوریں چننے کے دن آتے تو وہ اپنے باغوں میں سے گدّر (نیم پختہ) کھجوروں کے خوشے نکالتے اور انھیں اس رسی کے ساتھ لٹکا دیتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں دو ستونوں کے درمیان بندھی ہوئی تھی، فقراء مہاجرین ان کھجوروں کو کھا لیتے تھے، کچھ لوگ گدّر کھجوروں کے ان خوشوں کے ساتھ ردی قسم کی کھجوروں کو بھی شامل کر دیتے اور سمجھتے کہ یہ جائز ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ وحی نازل فرمائی: ﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ﴾ یعنی بری اور خراب چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرو۔[1]

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اگر تمھارا کسی پر کوئی حق ہو اور وہ اس سے، جتنا تمھارا حق بنتا ہے، کم لے کر آئے تو تم اسے کم سمجھتے ہوئے نہیں لو گے حتی کہ اسے ناقص قرار دو گے۔ اور ﴿اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ﴾ کے یہی معنی ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میرے لیے اس چیز کو کیسے پسند کرتے ہو جسے تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے؟ میرا تم پر حق یہ ہے کہ اپنے پاکیزہ اور عمدہ ترین مال کو میرے لیے خرچ کرو۔ اسے امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔[2] نیز امام ابن جریر نے بھی اسے روایت کیا ہے اور انھوں نے یہاں اس ارشاد باری تعالیٰ کا بھی حوالہ دیا ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران 3:92) ”(مومنو!) جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمھیں عزیز ہیں (اللہ کی راہ میں) صرف نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے۔“[3]
فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ ”اور جان رکھو کہ اللہ بے پروا (اور) قابل ستائش ہے۔“ یعنی اگرچہ اس نے تمھیں یہ حکم دیا ہے کہ صدقات و خیرات کرو اور عمدہ مال سے کرو مگر وہ تمھارے اموال سے بے نیاز ہے، اس نے

[1] تفسیر الطبری: 114/3 و تفسیر ابن أبي حاتم: 528/2. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 528/2، 529. [3] تفسیر الطبری: 117/3.

تو یہ حکم اس لیے دیا ہے تا کہ غنی وفقیر میں مساوات پیدا کر دی جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ﴾(الحج22:37) ”اللہ تک ان (قربانی کے جانوروں) کا نہ گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون لیکن اس تک تمھاری پرہیز گاری پہنچتی ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوق سے بے نیاز ہے اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے، وہ بے حد وحساب فضل وکرم کا مالک ہے، اس کے خزانے کبھی ختم نہیں ہو سکتے، چنانچہ جو شخص اپنی پاک کمائی سے صدقہ کرے اسے جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور بے حد وحساب عطا فرمانے والا ہے، وہ کریم وجواد ہے، وہ اپنے بندوں کے صدقات وخیرات کا بدلہ دے گا اور کئی گنا زیادہ بدلہ عطا فرمائے گا، کون ہے جو اسے قرض دے جو نہ تو محتاج ہے اور نہ ظالم؟[1] بلکہ وہ تو ہر اعتبار سے قابل ستائش ہے، یعنی وہ اپنے تمام افعال واقوال اور شرع وقدر کے اعتبار سے قابل ستائش ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے سوا کوئی پروردگار نہیں۔

خرچ کرنے کے بارے میں شیطانی وسوسے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ ”(اور دیکھنا) شیطان (کا کہنا مانناوہ) تمھیں تنگ دستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ بڑی کشائش والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔“

امام ابن ابو حاتم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَّةً بِابْنِ آدَمَ، وَلِلْمَلَكِ لَمَّةً ، فَأَمَّا لَمَّةُ الشَّيْطَانِ فَإِيعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَكْذِيبٌ بِالْحَقِّ ، وَأَمَّا لَمَّةُ الْمَلَكِ فَإِيعَادٌ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيقٌ بِالْحَقِّ، فَمَنْ وَّجَدَ ذٰلِكَ فَلْيَعْلَمْ أَنَّهُ مِنَ اللّٰهِ ، فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ، وَمَنْ وَّجَدَ الْأُخْرٰى فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ﴾] ”بے شک شیطان کی بھی ابن آدم سے قربت ہے اور فرشتے کی بھی قربت ہے: شیطان کی قربت یہ ہے کہ وہ انسان کو شر کی طرف لوٹاتا اور اس سے حق کی تکذیب کرواتا ہے، اور فرشتے کی قربت یہ ہے کہ وہ اسے نیکی کی طرف لوٹاتا اور اس سے حق کی تصدیق کرواتا ہے جو شخص اُسے (فرشتے کی قربت) پائے تو وہ جان لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرے، اور اگر کوئی دوسری صورت پائے تو وہ شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ﴾[2] امام ترمذی اور نسائی نے بھی اپنی اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں اس حدیث کو اسی طرح بیان فرمایا ہے۔[3]

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ شیطان تمھیں تنگ دستی کا خوف دلاتا ہے تا کہ تم

---

① صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في الدعاء......، حديث: 758. ② تفسير ابن أبي حاتم: 530,529/2 وتفسير الطبري: 122/3. ③ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، حديث: 2988 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، قوله تعالى: ﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ ﴾ :305/6، حديث: 11051.

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ

اور تم کسی قسم کا خرچ کرو یا کوئی بھی نذر مانو تو بے شک اللہ اسے جانتا ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ﴿270﴾ اگر تم ظاہر کر کے

اَنۡصَارٍ ﴿270﴾ اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ

صدقات دو تو یہ اچھی بات ہے اور اگر تم اسے چھپا کر فقیروں کو دو تو وہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے، وہ (اللہ) تم سے تمھارے گناہ دور

لَّكُمۡ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿271﴾

کر دے گا اور تم جو بھی عمل کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھتا ہے ﴿271﴾

اپنے ہاتھوں کو روک لو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے اپنا مال خرچ نہ کرو ﴿وَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ﴾ یعنی تنگ دستی کے خوف سے خرچ کرنے سے منع کرنے کے ساتھ ساتھ وہ تمھیں گناہوں، بے حیائیوں اور حرام کاموں کا حکم بھی دیتا ہے تاکہ تم اپنے خالق و مالک کے حکم کی مخالفت بھی کرو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاللّٰهُ يَعِدُكُمۡ مَّغۡفِرَةً مِّنۡهُ﴾ یعنی شیطان نے تمھیں جو بے حیائی کا حکم دیا ہے تو اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ ﴿وَفَضۡلًا ؕ﴾ یعنی شیطان نے تمھیں جو تنگ دستی سے ڈرایا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں تم سے اپنے فضل و کرم کا وعدہ فرمایا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿268﴾ۙ﴾ ''اور اللہ بڑی کشائش والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔''

حکمت کے معنی: اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے: ﴿يُّؤۡتِى الۡحِكۡمَةَ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ﴾ ''وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہاں حکمت سے مراد قرآن کریم اور اس کے ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، مقدم و مؤخر، حلال و حرام اور امثال کی پہچان ہے۔[1]

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ : رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلٰى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ وَآخَرُ آتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا] ''صرف دو آدمیوں پر رشک کیا جا سکتا ہے: ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے نواز رکھا ہو، پھر اسے حق میں خوب خرچ کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائی ہو اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانش اور علم سے نواز رکھا ہو اور وہ اسی کے مطابق فیصلے کرتا ہو اور اسے لوگوں کو سکھاتا بھی ہو۔''[2] اور اسی طرح اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔[3] ﴿وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿269﴾﴾ ''اور نصیحت تو وہ لوگ قبول کرتے ہیں جو عقل مند ہیں۔'' یعنی وعظ و نصیحت سے صرف وہی لوگ فائدہ حاصل کرتے ہیں جو اصحابِ عقل و دانش ہوں، اللہ تعالیٰ

---

① تفسير الطبري:124/3. ② مسند أحمد:432/1. ③ صحيح البخاري، العلم، باب الاغتباط في العلم والحكمة، حديث:73 وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل من يقوم بالقرآن ويُعلمه......، حديث:816 والسنن الكبرى للنسائي، العلم، باب الاغتباط في العلم:426/3، حديث:5840 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب الحسد، حديث:4208.

کے فرمان اور اس کے کلام کے معنی کو جانتے ہوں۔

تفسیر آیات:271,270

اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ وہ عمل کرنے والوں کے تمام اعمال خیرات، صدقات اور نذروں سے آگاہ ہے۔ اور اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کی رضا کے حصول کے لیے اور اس کے وعدوں کی امید پر عمل کرنے والوں کو وہ پوری پوری جزا عطا فرمائے گا۔ اور جو اس کی اطاعت کے مطابق عمل نہ کریں بلکہ اس کے حکم کی مخالفت کریں، اس کی خبر کی تکذیب کریں اور اس کے ساتھ کسی اور کی بھی عبادت کریں تو انھیں اللہ تعالیٰ نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۲۷۰﴾ یعنی قیامت کے دن ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی سزا سے انھیں نجات دلا سکے۔

صدقے کو ظاہر اور پوشیدہ دینے کی فضیلت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ﴾ یعنی اگر تم خیرات ظاہر کر کے دو تو وہ بھی خوب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ﴾ ''اور اگر تم پوشیدہ کر کے اہل حاجت کو دو تو وہ بھی تمھارے لیے خوب تر ہے۔'' میں اس بات کی دلیل ہے کہ صدقہ و خیرات پوشیدہ طور پر دینا ظاہر طور پر دینے سے افضل ہے کیونکہ یہ ریاکاری سے دور ہے۔ ہاں، البتہ ظاہری طور پر دینے میں اگر کوئی راجح مصلحت ہو، مثلاً: دوسرے لوگ بھی اس کی اقتدا کرنے لگیں تو اس اعتبار سے ظاہر طور پر دینا افضل ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ، وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ] ''ظاہری طور پر قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا ظاہری طور پر صدقہ کرنے والے کی طرح ہے اور پوشیدہ طور پر تلاوت کرنے والا، پوشیدہ صدقہ کرنے والے کی طرح ہے۔''[1] لیکن اس آیت کے پیش نظر اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ پوشیدہ طور پر صدقہ دینا ہی افضل ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [سَبْعَةٌ يُّظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ، يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَّشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلٰى ذٰلِكَ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَّجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفٰى حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ] ''سات قسم کے انسان ایسے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے[2] (یعنی عرش کے) سائے میں جگہ عطا فرمائے گا جبکہ اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا: (1) عدل و انصاف کرنے والا حکمران۔ (2) اللہ تعالیٰ کی عبادت میں نشو و نما پانے والا نوجوان۔ (3) وہ شخص کہ (جب مسجد سے باہر نکل جائے تو واپس آنے تک) اس کا دل مساجد ہی سے وابستہ ہو۔ (4) وہ دو شخص جو اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتے، اسی پر آپس میں جمع ہوتے اور اسی پر ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہوں۔ (5) وہ شخص جسے کوئی صاحب منصب و جمال

[1] سنن أبي داود، التطوع، باب رفع الصوت بالقراءة في صلاة الليل، حديث: 1333. [2] اکثر شارحین حدیث نے [ظِلّه] سے عرش کا سایہ مراد لیا ہے، دیکھیے التمهيد: 431/17 و فتح الباري، حديث: 660 کے ذیل میں۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

(اے نبی!) لوگوں کو ہدایت دینا آپ کی ذمہ داری نہیں لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم اپنے مال میں سے جو خرچ کرو، وہ تمھارے اپنے

فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ

فائدے کے لیے ہے اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو وہ اللہ کی رضا حاصل کرنے ہی کے لیے کرتے ہو اور تم اپنے مال میں سے جو خرچ کرو گے اس کا تمھیں

وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿272﴾ لِلْفُقَرَاۗءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا

پورا پورا صلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿272﴾ (صدقات تو) ان ضرورت مندوں کے لیے ہیں جو اللہ کے کاموں میں ایسے مشغول ہوں کہ (اپنے

فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُھُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاۗءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُھُمْ بِسِيْمٰھُمْ ۚ لَا يَسْـــَٔـلُوْنَ

روزگار کے لیے) زمین میں دوڑ دھوپ نہ کر سکتے ہوں، ناواقف شخص ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے انھیں مالدار خیال کرے، تم انھیں ان کے چہروں

النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿273﴾ ع اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ 37 ع 7 5

سے پہچان لو گے، وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے اور تم اپنے مال میں سے جو کچھ خرچ کرتے ہو، بے شک اللہ اسے خوب جاننے والا ہے ﴿273﴾

اَمْوَالَھُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

جو لوگ اپنے مال خرچ کرتے ہیں رات اور دن میں، چھپا کر اور ظاہر، ان کے رب کے ہاں ان کے لیے اجر ہے، نہ انھیں کوئی خوف ہو گا اور

وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿274﴾

نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿274﴾

عورت (اپنے نفس کی طرف) دعوت دے اور وہ کہے کہ میں اللہ (رب العالمین) سے ڈرتا ہوں۔ ⑥ وہ شخص جو اس قدر پوشیدہ طور پر صدقہ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی یہ علم نہ ہو کہ دایاں ہاتھ کیا خرچ کرتا ہے اور ⑦ وہ شخص جو خلوت میں اللہ کا ذکر کرے اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو جائیں۔''[1]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ﴾ ''اور وہ (اللہ) تم سے تمھارے گناہوں کو بھی دور کر دے گا۔'' یعنی صدقات و خیرات کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تمھارے گناہوں کو معاف فرما دے گا خصوصاً جب صدقہ پوشیدہ طور پر دیا جائے تو اس سے درجات بلند ہوں گے اور گناہوں کو بھی دور کر دیا جائے گا۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿271﴾﴾ ''اور اللہ کو تمھارے سب کاموں کی خبر ہے۔'' یعنی اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں اور وہ تمھارے ان اعمال کے مطابق ہی تمھیں جزا دے گا۔

تفسیر آیات: 272-274

مشرکین کے لیے صدقہ: امام ابوعبدالرحمن نسائی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ وہ اپنے مشرک رشتہ داروں کو تھوڑا سا عطیہ بھی دیں، چنانچہ اس سلسلے میں جب انھوں نے

① صحيح البخاري، الأذان، باب من جلس في المسجد......، حديث: 660 وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل إخفاء الصدقة، حديث: 1031.

رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے تھوڑا سا خرچ کرنے کی اجازت دے دی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٢﴾ ﴾ ''(اے نبی!) آپ ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے اور (مومنو!) تم اپنے مال میں سے جو خرچ کرو گے تو اس کا فائدہ تمھی کو ہے اور تم جو خرچ کرو گے اللہ کی خوشنودی کے لیے کرو گے اور جو مال تم خرچ کرو گے وہ تمھیں پورا پورا دے دیا جائے گا اور تمھارا کچھ نقصان نہیں کیا جائے گا۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ ﴾ ''اور (مومنو!) تم جو مال خرچ کرو گے تو اس کا فائدہ تمھی کو ہے۔'' اسی طرح ہے جس طرح فرمایا: ﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ﴾ (حٰمٓ السجدة 46:41) ''جو اچھا کام کرے، پس وہ اپنی جان کے لیے کرتا ہے۔'' اور اس طرح کی قرآن مجید میں بہت سی مثالیں ہیں۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اور تم جو خرچ کرتے ہو وہ اللہ کی خوشنودی کے لیے کرتے ہو۔'' امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مومن کا خرچ کرنا اپنے ہی فائدے کے لیے ہوتا ہے اور مومن جب بھی خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول ہی کے لیے خرچ کرتا ہے۔[2] عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ جب تم اللہ کی رضا کے لیے دو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لینے والے کا عمل کیسا ہے۔[3]

یہ ایک بہت اچھی بات ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ صدقہ کرنے والا اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صدقہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا اجر و ثواب ثابت ہو جاتا ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس نے صدقہ کس پر کیا ہے؟ نیک پر یا بد پر؟ مستحق پر یا غیر مستحق پر، اُسے اپنے قصد و ارادے کے مطابق ثواب مل جائے گا جیسا کہ آیت کریمہ کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے: ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٢﴾ ﴾ ''اور تم جو مال خرچ کرو گے وہ تمھیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمھارا کچھ نقصان نہیں کیا جائے گا۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[قَالَ رَجُلٌ: لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ، فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ سَارِقٍ، فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ: تُصُدِّقَ عَلٰى سَارِقٍ، فَقَالَ: اللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ، لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ، فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ زَانِيَةٍ، فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ: تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلٰى زَانِيَةٍ، فَقَالَ: اللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى زَانِيَةٍ، لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ، فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهٖ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ غَنِيٍّ فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ: تُصُدِّقَ عَلٰى غَنِيٍّ. فَقَالَ: اللّٰهُمَّ! لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى سَارِقٍ، وَّعَلٰى زَانِيَةٍ وَّعَلٰى غَنِيٍّ. فَأُتِيَ فَقِيلَ لَهٗ: أَمَّا صَدَقَتُكَ عَلٰى سَارِقٍ، فَلَعَلَّهٗ أَنْ يَّسْتَعِفَّ عَنْ سَرِقَتِهٖ،

---

[1] السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ ﴾: 306,305/6، حديث: 11052 و تفسير ابن أبي حاتم: 537/2. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 539/2. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 539/2.

وَأَمَّا الزَّانِيَةُ فَلَعَلَّهَا أَنْ تَسْتَعِفَّ عَنْ زِنَاهَا، وَأَمَّا الْغَنِيُّ فَلَعَلَّهُ أَنْ يَعْتَبِرَ، فَيُنْفِقَ مِمَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ]

''ایک آدمی نے کہا: میں ضرور صدقہ کروں گا، وہ صدقہ لے کر نکلا مگر اس نے اسے چور کے ہاتھ میں رکھ دیا، صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے کہ چور کو صدقہ دیا گیا ہے۔ اس نے کہا: اے اللہ! چور کے ہاتھ میں صدقہ جانے پر تیرا شکر ہے۔ اس نے پھر کہا: میں ضرور صدقہ کروں گا، وہ صدقہ لے کر نکلا اور اس نے اسے ایک زانیہ کے ہاتھ میں رکھ دیا، صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے کہ رات زانیہ پر صدقہ کیا گیا ہے۔ اس نے کہا: اے اللہ! زانیہ کے ہاتھ میں صدقہ جانے پر تیرا شکر ہے۔ اس نے پھر کہا: میں ضرور صدقہ کروں گا، وہ صدقہ لے کر نکلا اور اس نے اسے ایک دولت مند کے ہاتھ میں رکھ دیا، صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے کہ رات دولت مند کو بھی صدقہ دے دیا گیا ہے۔ اس نے کہا: اے اللہ! چور، زانیہ اور دولت مند کے ہاتھ میں صدقہ جانے پر بھی تیرا شکر ہے۔ تو اسے (خواب میں) کوئی شخص ملا تو اس سے کہا گیا: تو نے جو چور پر صدقہ کیا ہے ممکن ہے چور آیندہ چوری سے باز آ جائے۔ اور تو نے جو زانیہ پر (صدقہ کیا ہے) ممکن ہے کہ وہ زنا سے باز آ جائے۔ اور تو نے جو دولت مند پر (صدقہ کیا ہے) ممکن ہے کہ وہ عبرت حاصل کرے اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرنے لگ جائے۔''[1]

صدقے کا زیادہ مستحق کون ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''(اور تم جو خرچ کرو گے تو وہ) ان حاجت مندوں کے لیے ہے جو اللہ کی راہ میں رکے بیٹھے ہیں۔'' یعنی وہ مہاجرین جنھوں نے اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول کے لیے وقف کر دیا ہے، مدینہ میں سکونت اختیار کر لی ہے اور اپنے لیے کچھ کمانے کے ان کے پاس کوئی اسباب ووسائل نہیں ہیں ﴿ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اور وہ زمین میں کسی طرف جانے کی طاقت نہیں رکھتے۔'' یعنی طلب معاش کے لیے وہ سفر نہیں کر سکتے۔ ﴿ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ﴾ سے یہاں ''سفر'' مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ﴾ (النسآء 4:101) ''اور جب تم زمین میں سفر کر رہے ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو۔'' اور فرمایا: ﴿ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (المزمل 73:20) ''اسے علم ہے کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوں گے اور بعض اللہ کے فضل (معاش) کی تلاش میں زمین میں سفر کریں گے اور بعض اللہ کی راہ میں لڑیں گے۔''

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ﴾ یعنی ان کے معاملے اور حال سے ناواقف شخص ان کے نہ مانگنے کی وجہ سے اور ان کے لباس، حال اور گفتگو کو دیکھ کر سمجھتا ہے کہ یہ غنی ہیں۔ یہی معنی ہیں اس متفق علیہ حدیث کے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ (وَالْأُكْلَةُ وَالْأُكْلَتَانِ)، وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ] ، [قَالُوا: فَمَا

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب إذا تصدق على غني وهو لايعلم، حديث: 1421 وصحيح مسلم، الزكاة، باب ثبوت أجر المتصدق......، حديث: 1022.

الْمِسْكِينُ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيهِ ، وَلَا يُفْطَنُ لَهُ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ، وَلَا يَسْأَلُ النَّاسَ شَيْئًا] ''مسکین وہ نہیں ہے جو چکر لگاتا ہے اور اسے ایک یا دو لقمے اور ایک نوالہ یا دو نوالے اور ایک یا دو کھجوریں لوٹا دیں۔ صحابہ نے کہا: پھر مسکین کون ہے؟ اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: مسکین وہ ہے جس کے پاس اس قدر مال نہ ہو جو اس کی ضرورت پوری کر دے اور نہ اس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا ہو کہ یہ فقیر ہے تاکہ اس پر صدقہ کیا جائے اور نہ وہ لوگوں سے کچھ مانگے۔''① اسے امام احمد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔② اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ﴾ ''تم انھیں ان کے چہروں سے پہچان لو گے (کہ حاجت مند ہیں۔)'' یعنی عقل مند انھیں ان کی صفات سے پہچان لیتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ ﴾ (الفتح48:29) ''ان کی پہچان ان کی پیشانیوں (پر پڑے نشان) سے ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ﴾ (محمد47:30) ''اور یقیناً آپ ان کو (ان کے) اندازِ گفتگو سے پہچان لیتے ہیں۔''

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ﴾ ''وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔'' یعنی لوگوں سے لپٹ کر نہ سوال کرتے ہیں اور نہ لوگوں کو غیر ضروری سوال سے مشکل میں ڈالتے ہیں۔ جو شخص سوال کرے، حالانکہ اس کے پاس وہ چیز موجود ہو جو اسے سوال سے بے نیاز کر دینے والی ہو تو اس نے بھی گویا لپٹ کر سوال کیا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مجھے میری والدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ سوال کرنے کے لیے بھیجا، میں آکر آپ کے پاس بیٹھ گیا، آپ نے میری طرف رخ انور کیا اور فرمایا: [مَنِ اسْتَغْنٰى أَغْنَاهُ اللّٰهُ ، وَمَنِ اسْتَعَفَّ أَعَفَّهُ اللّٰهُ، وَمَنِ اسْتَكْفٰى كَفَاهُ اللّٰهُ، وَمَنْ سَأَلَ وَلَهُ قِيمَةُ أُوقِيَّةٍ فَقَدْ أَلْحَفَ] ''جو شخص بے نیازی اختیار کرے اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دیتا ہے جو عفت اختیار کرنا چاہے، اللہ تعالیٰ اسے پاکباز بنا دیتا ہے جو کفایت اختیار کرنا چاہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور جو شخص سوال کرے اور اس کے پاس ایک اوقیہ (چالیس درہم) کی قیمت (کی کوئی چیز) موجود ہو تو اس نے بھی لپٹ کر سوال کیا۔'' ابوسعید بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے جی میں کہا کہ میری یاقوتہ اونٹنی تو ایک اوقیہ سے زیادہ قیمتی ہے، لہٰذا میں واپس آ گیا اور میں نے آپ سے سوال نہ کیا۔③ اور اسی طرح اس حدیث کو امام ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔④

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور تم جو مال خرچ کرو گے کچھ شک نہیں کہ اللہ

① اس کا پہلا حصہ صحیح البخاری، الزكاة، باب قول الله عزوجل: ﴿ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ﴾ حدیث:1479 کے اور آخری حصہ صحیح مسلم، الزكاة، باب المسكين الذي لا يجد غنى......، حدیث:1039 کے مطابق ہے جبکہ قوسین والا حصہ صحیح البخاری، حدیث:1476 میں ہے، البتہ کسی ایک حدیث میں یہ دونوں لفظ: [الأكلة ......و اللقمة] اکٹھے نہیں آئے۔ ② مسند أحمد:384/1 . ③ مسند أحمد:9/3. ④ سنن أبي داود، الزكاة، باب من يُعطى من الصدقة وحدّ الغنى، حدیث:1628 مختصراً و سنن النسائي، الزكاة، باب من الملحف؟ حدیث:2596.

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ

جو لوگ سود کھاتے ہیں، وہ (قیامت کے دن) اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جسے شیطان نے چھو کر بدحواس کر دیا ہو۔ یہ (سزا) اس لیے (ملے گی) کہ

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ

وہ کہتے تھے: تجارت بھی سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام، پھر جس شخص کے پاس اس کے رب کی طرف سے

جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ

نصیحت آ جائے اور وہ (سود کھانے سے) باز رہے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا، سو کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، اور جو شخص دوبارہ (سودی معاملہ)

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿275﴾

کرے تو ایسے لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿275﴾

وقف لازم

اس کو جانتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ سے وہ ہرگز مخفی نہیں رہے گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی اس وقت پوری پوری اور مکمل جزا عطا فرمائے گا جبکہ بندے کو اس کی بہت شدید ضرورت بھی ہو گی۔

صدقہ کرنے والوں کی تعریف: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿274﴾ ﴾ ''جو لوگ اپنا مال رات، دن اور پوشیدہ اور ظاہر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں، ان کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہو گا اور نہ غم۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی تعریف فرمائی ہے جو اس کی راہ میں، اس کی رضا کے حصول کی خاطر رات اور دن کے تمام اوقات میں اور پوشیدہ و ظاہر تمام حالات میں اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں حتی کہ انسان اپنے اہل و عیال پر جو خرچ کرتا رہتا ہے وہ بھی اس میں داخل ہے جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمایا جبکہ وہ مریض تھے اور آپ نے ان کی فتح مکہ کے سال۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حجۃ الوداع کے سال۔ عیادت فرمائی: [وَلَسْتَ تُنْفِقُ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا، حَتَّى اللُّقْمَةَ تَجْعَلُهَا فِي فِي امْرَأَتِكَ ...... إِلَّا ازْدَدْتَّ بِهِ دَرَجَةً وَّرِفْعَةً] ''تم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جو بھی خرچ کرو گے اس سے تمھیں اجر دیا جائے گا حتی کہ اس لقمے سے بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو...... اس سے تمھارے درجے اور رفعت میں اضافہ ہو گا۔''[1]

امام احمد نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا أَنْفَقَ عَلٰى أَهْلِهِ نَفَقَةً وَّهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةً] ''مسلمان جب اپنے اہل و عیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔''[2] اور اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

① صحيح البخاري، الوصايا، باب أن يترك ورثته أغنياء......، حديث: 2742 و صحيح مسلم، الوصية، باب الوصية بالثلث، حديث: 1628 واللفظ له لیکن آخری جملے [إِلَّا ...... رِفْعَةً] کا سیاق مختلف ہے۔ ② مسند أحمد: 120/4-122.

③ صحيح البخاري، النفقات، باب فضل النفقة......، حديث: 5351 و صحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة......، حديث: 1002.

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ''ان کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس ہے۔'' یعنی نیکی وطاعت کے کاموں میں انھوں نے جو کچھ بھی خرچ کیا، اس کا صلہ اللہ تعالیٰ انھیں قیامت کے دن عطا فرمائے گا۔ ﴿ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ ''اوران کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ غم۔'' اس کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[1]

تفسیر آیت:275

سود کھانے والوں کی مذمت: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ان نیکوکار بندوں کا تذکرہ فرمایا جو اس کی راہ میں خرچ کرتے، زکاۃ ادا کرتے اور تمام احوال واوقات میں ضرورت مندوں اور رشتہ داروں کے ساتھ نیکی اور صدقہ وخیرات کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں تو اب اس نے ان لوگوں کا ذکر شروع کر دیا ہے جو سود کھاتے اور لوگوں کے اموال کو باطل طریقوں سے اور مختلف حیلوں بہانوں سے کھاتے ہیں اور ان کے بارے میں بتایا ہے کہ جب قیامت کے دن یہ اپنی قبروں سے نکلیں گے تو ان کی کیفیت یہ ہوگی: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ﴾ ''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس شخص کی طرح (حواس باختہ) اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر دیوانہ بنا دیا ہو۔'' یعنی قیامت کے دن وہ قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جیسا کہ آسیب زدہ حالتِ آسیب میں اٹھتا ہے کہ جن نے لپٹ کر اسے دیوانہ بنا رکھا ہوتا ہے، یعنی وہ بہت ہی بری حالت میں کھڑا ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ سود کھانے والے کو روز قیامت اس طرح اٹھایا جائے گا جیسے وہ مجنون ہو اور اس کا گلا گھٹ رہا ہو۔ اسے امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ عوف بن مالک، سعید بن جبیر، سدی، ربیع بن انس، اور مقاتل بن حیان سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب والی ایک طویل حدیث میں یہ بیان کیا ہے: [فَأَتَيْنَا عَلٰى نَهَرٍ۔ حَسِبْتُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ۔: أَحْمَرَ مِثْلِ الدَّمِ ، وَإِذَا فِي النَّهَرِ رَجُلٌ سَابِحٌ يَّسْبَحُ ، وَ إِذَا عَلٰى شَطِّ النَّهَرِ رَجُلٌ قَدْ جَمَعَ عِنْدَهُ حِجَارَةً كَثِيرَةً، وَّإِذَا ذٰلِكَ السَّابِحُ سَبَحَ مَا سَبَحَ ثُمَّ يَأْتِي ذٰلِكَ الَّذِي قَدْ جَمَعَ عِنْدَهُ الْحِجَارَةَ ، فَيَفْغَرُلَهُ فَاهُ فَيُلْقِمُهُ حَجَرًا] ''پھر ہم (میں اور وہ دو آدمی جو خواب میں میرے ساتھ تھے) ایک نہر پر آئے، میرے خیال میں انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ وہ نہر خون کی طرح سرخ تھی اور اس نہر میں ایک آدمی تیر رہا تھا اور اس نہر کے کنارے پر بھی ایک آدمی تھا جس نے اپنے پاس بہت سے پتھر جمع کر رکھے تھے، یہ تیرنے والا شخص جب تک چاہتا تیرتا اور جب اس شخص کے پاس آتا جس نے اپنے پاس پتھر جمع کر رکھے تھے، وہ اس کے منہ کو کھولتا اور اس میں ایک پتھر کو داخل کر دیتا۔'' پھر اس کی تعبیر میں بتایا کہ اس سے مراد سود کھانے والا ہے۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ ''یہ

---

[1] دیکھیے البقرۃ، آیت:38 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 544/2. [3] صحیح البخاري، التعبیر، باب تعبیر الرؤیا بعد صلاۃ الصبح، حدیث:7047.

سزا اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ تجارت سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ تجارت کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔'' یعنی انھوں نے اسے جائز اس لیے قرار دیا کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ احکام شریعت پر اعتراض تھا، انھوں نے سود کو بیع پر قیاس نہیں کیا کیونکہ مشرکین تو اصل بیع کی مشروعیت ہی کے معترف نہیں تھے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جائز قرار دیا ہے اور اگر ان کی یہ بات قیاس پر مبنی ہوتی تو پھر وہ اس طرح کہتے: إِنَّمَا الرِّبَا مِثْلُ الْبَيْعِ ''بلاشبہ سود تجارت ہی کی طرح ہے۔'' جبکہ انھوں نے تو یہ کہا تھا: ﴿ إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ﴾ ''بلاشبہ تجارت سود ہی کی طرح ہے۔'' یعنی جب بیع سود ہی کی طرح ہے تو پھر اس کو حرام اور اس کو حلال کیوں قرار دیا گیا؟ ان کا یہ اعتراض شریعت پر تھا کہ جب یہ دونوں چیزیں ایک جیسی ہیں تو ان میں سے ایک کو حلال اور دوسری کو حرام کیوں قرار دیا گیا ہے؟

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ ''حالانکہ تجارت کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔'' اس جملے کے متعلق یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ان کی تردید کے سلسلے میں انھی کے کلام کا حصہ ہو، یعنی یہ ان کے اعتراض ہی کا جواب ہو کہ باوجود اس کے کہ انھیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے حکم میں فرق کیا ہے (پھر بھی وہ نہیں مانتے۔) اور وہ ذات گرامی علیم و حکیم ہے، کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا اور جو وہ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے پوچھا نہیں جا سکتا جبکہ تمام بندگانِ الٰہی اس کی بارگاہ میں جواب دہ ہیں۔ وہی تمام امور و معاملات کے حقائق اور مصلحتوں کو جانتا ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ اس کے بندوں کے لیے کون سی چیز نفع بخش ہے تو اسے وہ ان کے لیے جائز قرار دے دیتا ہے اور کون سی چیز ان کے لیے نقصان دہ ہے تو اس سے وہ انھیں منع فرما دیتا ہے۔ اس قدر کوئی ماں بھی اپنے بچے پر شفقت نہیں کر سکتی جس قدر وہ اپنے بندوں کو شفقت و رحمت سے سرفراز فرماتا ہے۔

اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ﴾ ''پھر جس شخص کے پاس اس کے رب کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آ گیا تو جو کچھ پہلے ہو چکا سو ہو چکا اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔'' جس شخص تک یہ بات پہنچ گئی کہ اللہ تعالیٰ نے سود سے منع فرمایا ہے اور وہ اس حکم شریعت کے معلوم ہونے کے بعد سود لینے سے رک گیا تو جو سود کا معاملہ اس حکم سے پہلے ہو چکا وہ اسی کا کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ ﴾ (المائدۃ 95:5) ''جو پہلے ہو چکا وہ اللہ نے معاف کر دیا۔'' جیسا کہ نبی ﷺ نے بھی فتح مکہ کے دن فرمایا تھا: [وَإِنَّ كُلَّ رِبًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ (تَحْتَ قَدَمَيَّ) ...... وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَا الْعَبَّاسِ] ''اور بے شک زمانۂ جاہلیت کا سود میرے دونوں پاؤں کے نیچے رکھا ہوا (ختم) ہے...... اور سب سے پہلے میں (اپنے چچا) عباس کے سود کو معاف کرتا ہوں۔''[1]

[1] قوسین سے پہلا حصہ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورۃ التوبۃ، حدیث: 3087 اور بعد والا حصہ صحیح ابن حبان، الحج، باب ماجاء فی حج النبی ﷺ: 257/9، حدیث: 3944 کے مطابق ہے جبکہ قوسین والے الفاظ اور بالفاظ دیگر یہ حدیث دیگر کتب احادیث میں بھی ہے، دیکھیے صحیح مسلم، الحج، باب حجۃ النبی ﷺ، حدیث: 1218 و سنن أبی داود، البیوع، باب فی وضع الربا، حدیث: 3334 و سنن ابن ماجہ، المناسك، باب حجۃ رسول اللہ ﷺ، حدیث: 3074 و 3055 مطوّلاً۔ اور یہ حدیث جابر بن عبداللہ اور عمرو بن الأحوص رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

آپ نے یہ حکم نہیں دیا تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں وہ جو سود لے چکے ہیں، اسے بھی واپس کریں بلکہ جو پہلے ہو چکا، اسے آپ نے کالعدم فرما دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی فرمایا ہے: ﴿ فَلَهُ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ﴾ ''تو جو کچھ پہلے ہو چکا وہ اسی کا اور (قیامت میں) اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔'' سعید بن جبیر اور سدی فرماتے ہیں: ﴿ فَلَهُ مَا سَلَفَ ؕ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے اس نے جو سود کھایا (وہ معاف ہے)۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ عَادَ ﴾ یعنی جو شخص پھر سودی معاملہ کرے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ممانعت کے حکم کے پہنچنے کے بعد ایسا کیا ہے، لہٰذا وہ مستوجب سزا ہے کیونکہ اس پر حجت قائم ہو چکی ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ ''تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ اس دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔''

امام ابوداود نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ﴾ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ لَّمْ يَذَرِ الْمُخَابَرَةَ فَلْيُؤْذَنْ بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ] ''جو شخص بٹائی پر زمین دینے کو ترک نہ کرے تو وہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔''[2] امام حاکم نے اس حدیث کو اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور مسلم کی شرط کے مطابق ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔[3]

''بیع مخابرہ''[4] زمین کی پیداوار کے کچھ حصے، مثلاً: ثلث یا ربع دینے کی شرط پر مزارعت۔ ''بیع مزابنہ'' کھجور کے درختوں پر لگی ہوئی تر و تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے عوض خریدنا۔ ''بیع محاقلہ'' خوشوں میں موجود دانوں کو زمین پر ڈھیر خشک دانوں کے عوض خریدنا اور اس طرح کی دیگر بہت سی اشیاء کو اسی لیے حرام قرار دیا گیا ہے تاکہ سود کا خاتمہ کیا جا سکے کیونکہ خشک ہونے سے قبل دونوں چیزوں کے مساوی ہونے کو معلوم نہیں کیا جا سکتا۔

سود کا مسئلہ بہت سے اہل علم کے لیے ایک مشکل مسئلہ ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: تین مسئلے ایسے ہیں کہ میری خواہش ہے کہ اے کاش! رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ایسا واضح حکم فرمایا ہوتا جس سے ہم مطمئن ہو جاتے: (1) دادا کا حصۂ میراث۔ (2) کلالہ کا حصۂ میراث اور (3) ربا سے متعلق بعض مسائل۔[5] آپ کا اشارہ ان بعض

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:546/2. [2] سنن أبي داود، البيوع، باب في المخابرة، حديث:3406. [3] المستدرك للحاكم، التفسير، من سورة البقرة:286,285/2، حديث:3129. [4] ''مخابرہ'' کے بارے میں دونوں قسم کی روایات آتی ہیں، ممانعت کی بھی (جیسا کہ یہ حدیث ہے) اور جواز کی بھی حتی کہ اس صورت کا نام ہی مخابرہ اس لیے پڑا کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہودیوں سے خیبر کی زمین کی بابت یہی معاملہ فرمایا تھا، اس لیے زمین کو ثلث یا رُبع حصے پر دینے کا نام ہی مخابرہ پڑ گیا۔ اس لیے اس کے جواز میں کیا شک ہو سکتا ہے! یہی وجہ ہے کہ صحابہ و تابعین اور مابعد امت میں یہ طریقہ جائز تسلیم ہوتا چلا آ رہا ہے، البتہ بعض روایات میں جو ممانعت وارد ہے تو اس سے مراد اس کی بعض وہ صورتیں ہیں جن میں ظلم کا شائبہ پایا جاتا ہے جیسے زمین کو بٹائی (کرائے) پر دیتے وقت یہ شرط لگائی جائے کہ نہر کے دونوں طرف زمین کی پیداوار یا فلاں حصے کی پیداوار ہماری ہو گی۔ اس قسم کی شرط میں چونکہ ظلم و زیادتی کا امکان ہے، اس لیے یہ ممنوع ہو گی اور احادیث میں ممانعت سے مراد اسی قسم کی صورتیں ہوں گی۔ (مترجم) [5] صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء في أن الخمر ما خامر العقل من الشراب، حديث:5588 و صحيح مسلم، التفسير، باب في نزول تحريم الخمر، حديث:3032.

مسائل کی طرف ہے جن میں ربا کا شائبہ ہے لیکن شریعت شاہد ہے کہ ہر وہ چیز جو حرام ہو تو جو چیز اس کا وسیلہ بنے وہ بھی حرام ہوگی کیونکہ جو چیز حرام کا سبب بنے وہ بھی حرام ہے جیسا کہ ہر وہ چیز بھی واجب ہے جس کے بغیر واجب کی تکمیل نہ ہوسکتی ہو۔

صحیحین میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ، وَّإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ ، (وَّبَيْنَ ذٰلِكَ أُمُورٌ) مُّشْتَبِهَاتٌ ...... فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهٖ وَعِرْضِهٖ، وَمَنْ وَّقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ، كَالرَّاعِي يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوشِكُ أَنْ يَّرْتَعَ فِيهِ] ’’بے شک حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان کے درمیان بہت سے امور متشابہ ہیں......تو جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین وعزت کو محفوظ کرلیا اور جو شبہات میں پڑ گیا تو وہ حرام میں پڑ گیا جس طرح کہ وہ چرواہا جو چراگاہ کے اردگرد اپنے جانور چراتا ہے ہوسکتا ہے کہ وہ چراگاہ ہی میں چرانے لگ جائے۔‘‘①

سنن میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلٰى مَا لَا يَرِيبُكَ] ’’جس چیز میں شک ہو اسے چھوڑ دو اور جس میں شک نہ ہو اسے لے لو۔‘‘② امام احمد نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت، آیتِ ربا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تفسیر (جو اس کی تمام جزئیات کو شامل ہو اور قیاس کی ضرورت بھی نہ رہنے دے) فرمانے سے قبل اللہ تعالیٰ کے حضور تشریف لے گئے، لہٰذا ہر ربا کو بھی چھوڑ دو اور ہر اس چیز کو بھی جس کے ربا ہونے کا شک ہو۔③

امام ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلرِّبَا سَبْعُونَ حُوبًا ، أَيْسَرُهَا أَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهٗ] ’’سود کے ستر درجے ہیں، ان میں سے سب سے کم درجے کا گناہ اس قدر ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے نکاح کرے۔‘‘④ اسی طرح امام حاکم نے بھی اسے مستدرک میں روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ روایت شیخین کی شرط کے مطابق ہے لیکن انھوں نے اسے بیان نہیں کیا۔⑤

اسی قبیل سے، یعنی وہ وسائل بھی حرام ہیں جو محرمات تک پہنچانے والے ہوں، وہ حدیث ہے جسے امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب ربا سے متعلق سورۂ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف

---

① صحیح البخاری، الإیمان، باب فضل من استبرأ لدینه، حدیث:52 وصحیح مسلم، المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، حدیث:1599 واللفظ له. اور قوسین کے الفاظ جامع الترمذی، البیوع، باب ماجاء فی ترك الشبهات، حدیث:1205 کے مطابق ہیں۔ ② جامع الترمذی، صفة القیامة، باب حدیث:[اعقلها وتوکل ......]، حدیث:2518 و سنن النسائی، الأشربة، باب الحث علی ترك الشبهات، حدیث:5714. ③ مسند أحمد:36/1 وسنن ابن ماجه، التجارات، باب التغلیظ فی الربا، حدیث:2276. اور دیکھیے صحیح البخاری، التفسیر، باب:﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ﴾ (البقرة2:281)، حدیث:4544 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما. ④ سنن ابن ماجه، التجارات، باب التغلیظ فی الربا، حدیث:2274. ⑤ المستدرك للحاکم، البیوع:37/2، حدیث:2259 لیکن یہاں:[ثَلَاثَةٌ وَّ سَبْعُونَ بَابًا] کے الفاظ ہیں۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿276﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے، اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو پسند نہیں کرتا﴿276﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

نے نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے رہے، ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿277﴾

وہ غمگین ہوں گے﴿277﴾

لائے اور آپ نے ان کی تلاوت فرمائی، پھر آپ نے شراب کی تجارت کو بھی حرام قرار دے دیا۔[1] اسے امام ترمذی کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔[2] جیسا کہ ایک متفق علیہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: [لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ، حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ فَجَمَّلُوهَا، فَبَاعُوهَا وَأَكَلُوا أَثْمَانَهَا] ”اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت فرمائے، ان کے لیے چربیوں کو حرام قرار دے دیا گیا تو انھوں نے انھیں پگھلایا اور انھیں بیچ کر ان کی قیمت کو کھانا شروع کر دیا تھا۔“[3]

اور فرمان الٰہی: ﴿ حَتّٰى تَنْكِحَ ...... ﴾ (البقرة2:230) کی تفسیر میں حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے حلالہ کرنے والے پر لعنت والی حدیث میں یہ فرمان گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَعَنَ اللّٰهُ آكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَكَاتِبَهُ] ”سود کھانے والے، کھلانے والے، دونوں گواہی دینے والوں اور اس کے لکھنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔“[4] علماء نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو سودی لین دین کے بارے میں گواہی دے یا سودی دستاویز کو لکھے اور اگر کسی معاملے کو بظاہر شرعی صورت میں پیش کیا جائے لیکن حقیقی طور پر وہ فاسد ہو تو اس کی ظاہری صورت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے گا کیونکہ اعمال کا دارومدار اور انحصار نیتوں پر ہے۔

تفسیر آیات:277,276

سود بے برکت ہے: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ سود کو نابود، یعنی ختم کر دیتا ہے یا تو اسے اس کے مالک کے ہاتھ سے لے کر بالکل ختم کر دیتا ہے یا اسے اُس کے مال کی برکت سے محروم کر دیتا ہے اور وہ اس سے نفع حاصل نہیں کر سکتا بلکہ اس کی وجہ سے اسے دنیا میں بھی سزا دیتا ہے اور قیامت کے دن بھی عذاب دے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ لَّا يَسْتَوِي

[1] مسند أحمد: 45/6. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب تحريم تجارة الخمر في المسجد، حديث: 459 و صحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر، حديث: 1580 و سنن أبي داود، البيوع، باب في ثمن الخمر ...... ، حديث: 3490 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، قوله تعالى: ﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ (البقرة2:275): 306/6، حديث: 11055 و سنن ابن ماجه، الأشربة، باب التجارة في الخمر، حديث: 3382. [3] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، حديث: 3460 و 2224 و صحيح مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة ......، حديث: 1583,1582 عن أبي هريرة و ابن عباس رضی اللہ عنہم. [4] صحيح مسلم، المساقاة، باب لعن آكل الربا وموكله، حديث: 1597 و مسند أحمد: 402/1 لیکن آیت: 230 کے تحت: [لعن رسول الله ﷺ] ہے۔

الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ﴾ (المائدۃ5:100) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ ناپاک کی کثرت آپ کو بھلی ہی لگے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ﴾ (الأنفال8:37) ''اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھ کر وہ سب کو ایک ڈھیر بنا دے، پھر اس کو دوزخ میں ڈال دے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاۡ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (الروم30:39) ''اور تم سود پر جو (قرض) دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو اللہ کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی۔''

امام ابن جریر نے ﴿ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا ﴾ ''اللہ سود کو نابود (بے برکت) کرتا ہے۔'' کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ آیت اس حدیث کی طرح ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: [اَلرِّبَا وَإِنْ كَثُرَ ، فَإِنَّ عَاقِبَتَهٗ تَصِيرُ إِلٰى قُلٍّ] ''سود اگرچہ زیادہ ہی ہو، تاہم اس کا انجام بہر حال قلت ہی ہے۔''[1] اس حدیث کو امام احمد نے بھی اپنی مسند میں اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ صدقات کی اس طرح پرورش کرتا ہے جس طرح تم اپنے گھوڑے کے بچے کی: اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ﴾ ''اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے۔'' یعنی انھیں پروان چڑھاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ انھیں پالتا پوستا ہے جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِّنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ، وَّلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ، وَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهٖ، ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهٖ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ] ''جو شخص پاک کمائی میں سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ کرے، اور اللہ تعالیٰ پاک مال ہی کو قبول فرماتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرمالیتا ہے، پھر اسے صدقہ کرنے والے کے لیے اس طرح پالتا پوستا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کی پرورش کرتا ہے حتی کہ وہ صدقہ (بڑھ کر) پہاڑ کی طرح ہو جاتا ہے۔''[3]

ناشکرا گناہ گار اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴾ ''اور اللہ کسی ناشکرے گناہ گار کو دوست نہیں رکھتا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اسے دوست نہیں رکھتا جو دل کے اعتبار سے ناشکرا اور قول و فعل کے اعتبار سے گناہ گار ہو۔ اس آیت کریمہ کا اختتام ان صفات (كفّار، أثيم) کے ساتھ اس لیے کیا گیا ہے کہ ان صفات کی آیت کے مضمون کے ساتھ بہت مناسبت ہے اور وہ یہ کہ سود خور اس پر خوش نہیں ہوتا جو رزق حلال اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرما رکھا ہے اور نہ اس جائز کمائی پر اکتفا کرتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت عطا فرما رکھی ہے بلکہ وہ باطل طریقے سے لوگوں کے مال کھانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے کمائی کے مختلف ناپاک طریقے اختیار کرتا ہے تو یہ گویا اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا انکار

---

[1] تفسير الطبري:3/144. [2] مسند أحمد:1/395 وسنن ابن ماجه، التجارات، باب التغليظ في الربا، حديث: 2279 والمستدرك للحاكم، البيوع:2/37، حديث:2262. [3] صحيح البخاري، الزكاة، باب الصدقة من كسب طيب......، حديث:1410 و صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب و تربيتها، حديث:1014.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿278﴾ فَاِنْ لَّمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی ہے وہ چھوڑ دو اگر تم مومن ہو﴿278﴾ پھر اگر تم نے یہ نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے

تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ

جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، اور اگر تم توبہ کر لو تو تمھارے لیے تمھارے اصل مال ہی ہیں، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے ﴿279﴾ اور اگر

وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿279﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

(تمھارا مقروض) تنگدست ہو تو آسانی تک اسے مہلت دو اور تمھارا صدقہ کرنا (قرض معاف کر دینا) تو تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿280﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ

علم رکھتے ہو﴿280﴾ اور اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص نے جو کچھ کیا ہوگا اسے اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿281﴾ ع 38 8 6

اور کسی پر ظلم نہ ہوگا﴿281﴾

ہے جو اس نے اسے عطا فرما رکھی ہے، پھر وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھانے کی وجہ سے ظالم اور گناہ گار بھی ہے۔

شکر کرنے والوں کی تعریف: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں، اس کے حکم کی اطاعت بجالاتے ہیں، اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور اقامت صلاۃ اور ادائے زکاۃ کے ذریعے سے اس کی مخلوق پر احسان کرتے ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بے حد وحساب اجر وثواب تیار فرما رکھا ہے اور قیامت کے دن کی سختیوں سے بھی محفوظ ہوں گے، فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿277﴾﴾ ”جو لوگ ایمان لائے، نیک عمل کرتے، نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے رہے ان کو ان کے کاموں کا صلہ اللہ کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔“

تفسیر آیات: 281-278

تقویٰ کے اختیار کرنے اور سود سے اجتناب کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اپنے تقویٰ کے اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے اور ان باتوں سے منع کرتے ہوئے جو اس کی ناراضی کے قریب اور اس کی رضا سے دور کر دیں، فرما رہا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ”اے مومنو! اللہ سے ڈرو۔“ یعنی اللہ سے ڈرو اور اپنے افعال بجالاتے ہوئے اس کے حکم کو پیش نظر رکھو۔ ﴿وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا﴾ ”اور جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔“ یعنی تمھارے اپنے اصلی اموال سے زیادہ جو لوگوں کے ذمے ہے اب اس ڈراوے کے بعد اسے چھوڑ دو ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿278﴾﴾ ”اگر تم ایمان رکھتے ہو۔“ یعنی اس پر جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

زید بن اسلم، ابن جُرَیج، مُقاتِل بن حَیّان اور سدی نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیات خاندان ثقیف کے بنو عمرو بن عمیر اور

خاندان مخزوم کے بنومغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، زمانۂ جاہلیت میں ان کا آپس میں سودی لین دین تھا، جب اسلام آیا اور یہ لوگ بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے تو خاندان ثقیف کے لوگوں نے خاندان مخزوم کے لوگوں سے اپنے سود کا مطالبہ کیا تو بنومغیرہ نے کہا کہ ہم اسلام قبول کرنے کے بعد اب سود ادا نہیں کریں گے۔ اس سلسلے میں مکہ کے نائب عَتّاب بن اُسَید نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں لکھا تو یہ آیت نازل ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اسے لکھوا بھیجا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ ﴾ ''اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، پھر اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' یہ آیت سن کر وہ کہنے لگے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرتے ہیں اور جتنا سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دیتے ہیں، چنانچہ انھوں نے سارے سود کو چھوڑ دیا۔[1] اس ڈراوے کے بعد بھی اگر کوئی شخص سودی لین دین کو جاری رکھے تو اس کے لیے یہ زبردست تہدید و وعید ہے۔

سود کھانا اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ ہے: ابن جریج نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے: اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا یقین کر لو۔[2] آپ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ سود خور سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ جنگ کے لیے تم مسلح ہو جاؤ، پھر آپ نے پڑھا: ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ ﴾.[3] اور علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جو شخص سود پر قائم رہے اور اس سے باز نہ آئے تو مسلمانوں کے حکمران کا یہ فرض ہے کہ اس سے توبہ کرائے اگر وہ باز آ جائے تو بہت خوب ورنہ اس کی گردن اڑا دے۔[4]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ ﴾ ''اور اگر تم توبہ کر لو گے (اور سود چھوڑ دو گے) تو تمھارے لیے تمھارے اصل مال ہی ہیں نہ تم کسی پر ظلم کرو۔'' کہ تم ان سے زیادہ لے لو ﴿ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ ﴾ ''اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔'' کہ تمھیں اصلی رقم بھی نہ دی جائے، لہٰذا تم اپنی اصلی رقم کسی کمی بیشی کے بغیر لے سکتے ہو۔ امام ابن ابوحاتم نے سلیمان بن احوص کی اپنے باپ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں ارشاد فرمایا تھا: [أَلَا إِنَّ كُلَّ رِبًا كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ عَنْكُمْ كُلُّهُ، لَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ، وَأَوَّلُ رِبًا مَّوْضُوعٍ رِبَا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، مَوْضُوعٌ كُلُّهُ] ''خبردار! آگاہ ہو جاؤ کہ زمانۂ جاہلیت کا سارا سود تمھیں معاف کر دیا گیا ہے، اب تمھیں کسی کمی بیشی کے بغیر صرف اپنی اصلی رقم ملے گی اور سب سے پہلے میں (اپنے چچا) عباس بن عبدالمطلب کے سارے سود کو (جو انھوں نے لوگوں سے لینا ہے) معاف کرتا ہوں۔''[5]

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 549,548/2 و تفسیر الطبري: 147,146/3 لیکن آخری جملے کا مفہوم تفسیر قرطبی میں بیان ہوا ہے، دیکھیے تفسیر القرطبي: 363/3. [2] تفسیر الطبري: 148/3. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 550/2. [4] تفسیر الطبري: 148/3 و تفسیر ابن أبي حاتم: 550/2. [5] تفسیر ابن أبي حاتم: 551/2.

تنگ دست سے احسان: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور اگر (قرض لینے والا) تنگ دست ہو تو (اسے) کشائش (کے حاصل ہونے) تک مہلت (دو) اور اگر (زرِقرض کو) صدقہ کر دو تو وہ تمھارے لیے زیادہ اچھا ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے کہ اگر کوئی قرض لینے والا تنگ دست ہے اور وہ قرض ادا نہیں کر سکتا تو تم صبر کرو اور اسے کشائش کے حاصل ہونے تک مہلت دو اور اس طرح نہ کہو جیسا کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ اپنے مقروض سے قرض کی مدت ختم ہونے پر یہ کہتے تھے کہ یا تو تم میرا قرض ادا کرو یا پھر تمھیں سود بھی دینا پڑے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی کہ اگر تنگ دست کو قرض معاف کر دیا جائے تو یہ بہت بڑی نیکی ہے اور اس کا تمھیں بے پایاں اجر و ثواب ملے گا، پس فرمایا: ﴿ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور اگر (زرِقرض کو) صدقہ کر دو (قرض معاف کر دو) تو تمھارے لیے بہت اچھا ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔'' یعنی اگر مقروض کو قرض بالکل معاف کر دو اور اپنے رأس المال کو بھی چھوڑ دو تو یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے سلیمان بن بریدہ سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِّثْلُهُ صَدَقَةٌ ، قَالَ: ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِّثْلَيْهِ صَدَقَةٌ ، قُلْتُ: سَمِعْتُكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! تَقُولُ: مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِّثْلُهُ صَدَقَةٌ ثُمَّ سَمِعْتُكَ تَقُولُ: مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِّثْلَيْهِ صَدَقَةٌ ؟ قَالَ : لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِّثْلُهُ صَدَقَةٌ قَبْلَ أَنْ يَّحِلَّ الدَّيْنُ ، فَإِذَا حَلَّ الدَّيْنُ فَأَنْظَرَهُ، فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِّثْلَيْهِ صَدَقَةٌ] ''جس شخص نے کسی تنگ دست کو مہلت دی تو اسے ہر دن اس قرض کے برابر صدقے کا ثواب ملے گا، پھر میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا: جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی تو اسے ہر دن اس قرض سے دوگنا صدقے کے برابر ثواب ملے گا، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دے تو اسے ہر دن اس قرض کے برابر صدقے کا ثواب ملے گا لیکن پھر میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا: جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دے تو اسے ہر دن اس قرض سے دوگنا صدقے کے برابر ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا: قرض چکانے کی مدت تک تو اسے قرض کے برابر صدقے کا ثواب ملے گا اور اگر قرض چکانے کی مدت کے آنے پر مہلت دے تو اسے قرض سے دوگنا صدقے کے برابر ثواب ملے گا۔''[1]

امام احمد نے محمد بن کعب قُرظی سے روایت کیا ہے کہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے قرض لینا تھا، یہ قرض کی واپسی کا تقاضا کرنے کے لیے جاتے تو وہ چھپ جاتا۔ ایک دن یہ گئے تو ایک بچہ باہر آیا، انھوں نے بچے سے اس کے بارے میں پوچھا تو بچے نے بتایا کہ وہ گھر میں موجود ہے اور خَزِیرَہ[2] کھا رہا ہے تو انھوں نے اسے آواز دی اور کہا: اے فلاں! باہر آؤ، معلوم ہوا

---

[1] مسند أحمد: 360/5 و سنن ابن ماجه ، الصدقات ، باب إنظار المعسر ، حديث: 2418 و المستدرك للحاكم ، البيوع: 29/2 ، حديث: 2225. [2] عربوں کے ہاں ایک کھانا جس میں گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے زیادہ پانی میں اُبال کر، پھر اس میں آٹا یا دلیا مکس کرتے ہیں۔

ہے کہ تم یہاں موجود ہو، وہ باہر آ گیا تو انھوں نے پوچھا کہ تم مجھ سے چھپتے کیوں ہو؟ اس نے جواب دیا کہ میں بہت تنگ دست ہوں، میرے پاس قرض ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! کیا تم واقعی تنگ دست ہو؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں، تو یہ سن کر ابوقتادہ رونے لگ گئے اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: [مَنْ نَفَّسَ عَنْ غَرِيمِهِ ، أَوْ مَحَا عَنْهُ، كَانَ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ''جس شخص نے اپنے مقروض کو مہلت دی یا اسے قرض معاف کر دیا تو وہ قیامت کے دن عرش الٰہی کے سائے میں ہوگا۔''[1] اور امام مسلم نے بھی اس (حدیث کے ہم معنی) حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔[2]

حافظ ابویعلیٰ مَوصلی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:)

[أَنَّ رَجُلًا أَتَى بِهِ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَقَالَ: مَاذَا عَمِلْتَ لِي فِي الدُّنْيَا؟ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ: مَا عَمِلْتُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ أَرْجُوكَ بِهَا، فَقَالَهَا لَهُ ثَلَاثًا وَّقَالَ فِي الثَّالِثَةِ: أَيْ رَبِّ! كُنْتَ أَعْطَيْتَنِي فَضْلًا مِّنْ مَّالٍ فِي الدُّنْيَا فَكُنْتُ أُبَايِعُ النَّاسَ، وَكَانَ مِنْ خُلُقِي أَتَجَاوَزُعَنْهُ وَكُنْتُ أُيَسِّرُ عَلَى الْمُوسِرِ وَأُنْظِرُ الْمُعْسِرَ ، فَقَالَ عَزَّوَجَلَّ: نَحْنُ أَوْلَى بِذٰلِكَ مِنْكَ، تَجَاوَزُوا عَنْ عَبْدِي، فَغُفِرَلَهُ]

''ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ لائے گا اور پوچھے گا: تو نے دنیا میں کیا عمل کیا؟ تو آدمی کہے گا: میں ذرہ برابر نیکی کا کام نہ کر سکا جس کی آج تجھ سے امید کر سکوں، وہ تین بار یہ عرض کرے گا اور تیسری مرتبہ کہے گا: یا اللہ! تو نے دنیا میں مجھے بہت مال دے رکھا تھا اور میں لوگوں سے خرید وفروخت کرتا تھا اور میری عادت تھی کہ میں درگزر سے کام لیتا تھا، خوش حال سے بھی آسان معاملہ کرتا اور تنگ دست کو مہلت دے دیا کرتا تھا تو اللہ عزوجل فرمائے گا: میں اس بات کا تجھ سے زیادہ حق دار ہوں، (اے فرشتو!) میرے بندے سے تم بھی درگزر کرو تو اس کو معاف کر دیا جائے گا۔'' ابومسعود فرماتے ہیں: اسی طرح میں نے رسول اللہ ﷺ کے منہ سے سنا ہے۔[3] امام بخاری، مسلم اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے اس حدیث کو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے عقبہ بن عامر اور ابومسعود بدری رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اسی طرح فرمایا۔[4]

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نصیحت کی اور انھیں یاد دلایا ہے کہ یہ دنیا زوال پذیر ہے اور یہاں کے اموال اور دیگر سب نعمتیں ختم ہو جانے والی ہیں۔ آخرت آنے والی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اپنی مخلوق کے اعمال کا محاسبہ کرے گا اور اچھے اور برے اعمال کی جزا یا سزا دے گا، بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب سے ڈراتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾﴾ ''اور

---

[1] مسند أحمد:308/5. [2] صحيح مسلم،الزهد، باب حديث جابر الطويل ......، حديث:3006. [3] مسند أحمد: 118/4 و المعجم الكبير للطبراني:235/17 ، حديث:650,649. [4] صحيح البخاري، البيوع، باب من أنظر موسرًا ، حديث:2077 و صحيح مسلم، المساقاة، باب فضل إنظار المعسر......، حديث:(29)-1561,1560 و سنن ابن ماجه، الصدقات،باب إنظار المعسر، حديث:2420.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم آپس میں ایک مقررہ مدت کے لیے ادھار کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمھارے

كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ

درمیان انصاف کے ساتھ تحریر کر دے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے اسے لکھنا چاہیے، اور وہ شخص لکھوائے

عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ

جس کے ذمے قرض ہو اور اسے اپنے رب، اللہ سے ڈرنا چاہیے اور (لکھواتے وقت) وہ (مقروض) اس میں سے کوئی چیز کم نہ کرے لیکن اگر

سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا

وہ جس کے ذمے قرض ہے نادان یا کمزور ہو یا لکھوا نہ سکتا ہو تو اس کا مختار انصاف کے ساتھ لکھوائے، اور تم اپنے مسلمان مردوں میں سے دو

شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ

گواہ بنا لو، پھر اگر دو مرد (میسر) نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہی دیں) جنھیں تم گواہوں کے طور پر پسند کرو، (یہ اس لیے) کہ ایک عورت

الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا

اگر بھول جائے تو ان میں سے دوسری اسے یاد دلا دے، اور گواہ جب بلائے جائیں تو وہ انکار نہ کریں اور معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اسے مقررہ

مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ

مدت کے ساتھ لکھوانے میں سستی نہ کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور گواہی کے لیے زیادہ درست طریقہ ہے اور

وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ

(اس طرح) تمھارے شک میں پڑنے کا امکان بھی کم رہ جاتا ہے۔ ہاں، تم آپس میں نقد جو تجارتی لین دین کرو، اسے نہ لکھا جائے تو تم پر

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ

کوئی حرج نہیں اور جب تم آپس میں سودا کرو تو گواہ بنا لیا کرو اور کاتب اور گواہ کو ستایا نہ جائے اور اگر تم (ایسا) کرو گے تو یقیناً یہ تمھاری

وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿282﴾

طرف سے نافرمانی ہوگی اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تمھیں (یہ احکام) سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿282﴾

اس دن سے ڈرو جبکہ تم اللہ کے حضور لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور کسی کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔“

روایت کیا گیا ہے کہ قرآن عظیم کی یہ وہ آیت ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔ امام نسائی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: یہ قرآن مجید کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے۔[1] امام ضحاک اور عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیت:282

[1] السنن الكبرى للنسائي، التفسير: 307/6، حديث: 11058,11057. [2] تفسير الطبري: 157/3.

قرض کے معاملات کو لکھنے کا حکم: یہ آیت کریمہ قرآن عظیم کی سب سے طویل آیت ہے۔امام ابوجعفر بن جریر نے حضرت سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ انھیں یہ بات پہنچی ہے کہ عرش سے قرآن مجید کا سب سے آخر میں نازل ہونے والا مقام آیت دَین ہے۔[1]

پس ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ﴾ ''مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔''یعنی یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی رہنمائی فرمائی ہے کہ جب وہ آپس میں کسی میعاد معین کے لیے قرض کے معاملات کریں تو انھیں لکھ لیا کریں تاکہ اس سے قرض کی مقدار اور اس کے ادا کرنے کا وقت یاد رہ سکے اور گواہ کو گواہی دینے میں بھی زیادہ سہولت رہے،اس حکمت کی طرف آیت کریمہ کے آخر میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا ﴾ ''یہ بات اللہ کے نزدیک نہایت قرین انصاف ہے اور شہادت کے لیے بھی یہ بہت درست طریقہ ہے،اس سے تم کو کسی طرح کا شک وشبہ بھی نہیں پڑے گا۔''

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ پھلوں کی دو یا تین سال کے لیے ادھار بیع کیا کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ فَفِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ، وَّوَزْنٍ مَّعْلُومٍ ، إِلَى أَجَلٍ مَّعْلُومٍ]''جو شخص ادھار کی بیع کرے تو وہ معلوم ماپ،معلوم تول اور معلوم مدت کے لیے کرے۔''[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاكْتُبُوْهُ ﴾ ''تو اس کو لکھ لیا کرو۔''اللہ تعالیٰ نے لکھنے کا حکم دیا ہے تاکہ بات پختہ ہو اور یاد بھی رہ سکے۔ابن جریج کہتے ہیں کہ جو قرض دے وہ لکھ لے اور جو خریدے وہ گواہ بنا لے۔[3] ابوسعید،شعبی،ربیع بن انس،حسن، ابن جریج،اور ابن زید رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ پہلے یہ واجب تھا مگر پھر اس (کے وجوب) کو ان الفاظ کے نازل ہونے کے بعد منسوخ کر دیا گیا: ﴿ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ ﴾ ''اور اگر کوئی کسی کو امین سمجھے تو امانت دار کو چاہیے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کر دے۔''[4]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ﴾ ''اور لکھنے والا تم میں (کسی کا نقصان نہ کرے بلکہ) انصاف سے لکھے۔''یعنی عدل اور حق کے ساتھ لکھے اور لکھنے میں کسی پر ظلم نہ کرے اور کسی کمی بیشی کے بغیر صرف وہی لکھے جس پر فریقین کا اتفاق ہوا ہو۔اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ﴾ ''لکھنے والا جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے، لکھنے سے انکار بھی نہ کرے، پس چاہیے کہ وہ لکھے۔''یعنی جو شخص لکھنا جانتا ہے تو لوگ جب اس سے لکھنے کے لیے کہیں تو وہ لکھنے سے انکار نہ کرے کیونکہ انکار کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔تو جیسے اللہ تعالیٰ نے اسے وہ سکھایا جو وہ جانتا نہیں تھا تو اسے بھی چاہیے کہ جو لکھنا نہیں جانتا اس پر صدقہ کرے اور اسے لکھ دے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:[تُعِينُ

[1] تفسير الطبرى:157/3. [2] صحيح البخارى، السلم، باب السلم فى وزن معلوم، حديث: 2240 و صحيح مسلم، المساقاة، باب السلم، حديث: 1604. [3] تفسير الطبرى:160/3. [4] تفسير الطبرى:160/3.

صَانِعًا أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ] ’’(یہ بھی صدقہ ہے کہ) تم کسی کام کرنے والے کی مدد کر دو یا جو کام کرنا نہیں جانتا اسے کام کر دو۔‘‘[1]
ایک دوسری حدیث میں ہے: [مَنْ كَتَمَ عِلْمًا يَّعْلَمُهُ ، أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنْ نَّارٍ] ’’جو شخص کسی ایسے علم کو چھپائے جسے وہ جانتا ہو تو اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔‘‘[2] مجاہد اور عطاء فرماتے ہیں کہ ’’کاتب‘‘ کے لیے واجب ہے کہ وہ لکھے۔[3] اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ﴾ ’’اور جو شخص قرض لے وہی (دستاویز کا) مضمون بول کر لکھوائے اور اللہ سے خوف کرے جو اس کا مالک ہے۔‘‘ یعنی مقروض کاتب کو لکھوائے کہ اس کے ذمے کس قدر قرض ہے اور اس سلسلے میں اللہ سے ڈرے ﴿ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ﴾ ’’اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے۔‘‘

﴿ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا ﴾ ’’اور اگر قرض لینے والا بے عقل ہو‘‘ یعنی فضول خرچی وغیرہ کی وجہ سے مالی امور میں تصرف سے اسے روک دیا گیا ہو ﴿ اَوْ ضَعِيْفًا ﴾ ’’یا ضعیف ہو‘‘ یعنی چھوٹا بچہ یا مجنون ہو ﴿ اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ ﴾ ’’یا مضمون لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو‘‘ عاجزی و درماندگی کی وجہ سے یا صحیح اور غلط کو نہ جاننے کی وجہ سے ﴿ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ﴾ ’’تو جو اس کا ولی ہو وہ انصاف کے ساتھ مضمون لکھوائے۔‘‘

کتابت کے ساتھ ساتھ شہادت کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ﴾ ’’اور اپنے میں سے دو مردوں کو (ایسے معاملے کے) گواہ کر لیا کرو۔‘‘ اللہ تعالیٰ نے کتابت کے ساتھ ساتھ شہادت کا بھی حکم دیا ہے تاکہ معاملے میں مزید پختگی پیدا ہو جائے۔ ﴿ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ ﴾ ’’پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہی دیں۔)‘‘ یہ مالی معاملات میں شہادت کا نصاب ہے۔ عورت کی عقل کی کمی کی وجہ سے دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے جیسا کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

[يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ! تَصَدَّقْنَ وَأَكْثِرْنَ الْإِسْتِغْفَارَ ، فَإِنِّي رَأَيْتُكُنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ ، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِّنْهُنَّ جَزْلَةٌ: وَّمَا لَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَكْثَرَ أَهْلِ النَّارِ؟ قَالَ: تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ، مَا رَأَيْتُ مِنْ نَّاقِصَاتِ عَقْلٍ وَّدِينٍ أَغْلَبَ لِذِي لُبٍّ مِّنْكُنَّ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ وَالدِّينِ؟ قَالَ: أَمَّا نُقْصَانُ الْعَقْلِ ، فَشَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ تَعْدِلُ شَهَادَةَ رَجُلٍ ، فَهٰذَا نُقْصَانُ الْعَقْلِ، وَتَمْكُثُ اللَّيَالِيَ مَا تُصَلِّي وَتُفْطِرُ فِي رَمَضَانَ، فَهٰذَا نُقْصَانُ الدِّينِ]

’’اے عورتوں کے گروہ! صدقہ کیا کرو اور کثرت سے استغفار بھی کیا کرو، میں نے دیکھا ہے کہ جہنم میں اکثریت تمھاری تھی۔ انتہائی سمجھ بوجھ رکھنے والی ایک عورت نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا وجہ ہے، جہنم میں ہماری اکثریت کیوں تھی؟ فرمایا: اس لیے کہ تم بہت لعنت بھیجتی ہو اور خاوند کی نافرمانی کرتی ہو، میں نے نہیں دیکھا کہ تمھارے عقل و دین میں ناقص ہونے

[1] صحيح البخاري، العتق، باب أيُّ الرقاب أفضل؟ حديث:2518 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال، حديث:84 و اللفظ له عن أبي ذر رضي الله عنه. [2] المعجم الكبير للطبراني:5/11 ، حديث: 10845 عن ابن عباس رضي الله عنهما . [3] تفسير الطبري:162/3 و تفسير ابن أبي حاتم:556/2.

کے باوجود کوئی عقل مند آدمی پر تم سے زیادہ غالب ہو۔ اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم میں دین اور عقل کی کیا کمی ہے؟ آپ نے فرمایا: عقل کی کمی کی وجہ سے دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر رکھی گئی ہے تو یہ ہے عقل کی کمی اور کچھ راتیں یہ نماز نہیں پڑھ سکتی اور نہ رمضان کے روزے رکھ سکتی ہے تو یہ دین کی کمی ہے۔''[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ ﴾ ''جن کو تم گواہ پسند کرو۔'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ گواہوں کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ عادل ہوں۔ اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا ﴾ ''یہ کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے۔'' یعنی دو عورتوں میں سے ایک جب شہادت کو بھول جائے ﴿ فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ﴾ ''تو دوسری اسے یاد دلا دے گی۔'' تو اس سے اسے بھی وہ یاد آجائے گا جس کے بارے میں گواہی لی گئی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ﴾ ''اور جب گواہ (گواہی کے لیے) طلب کیے جائیں تو انکار نہ کریں۔'' اس کے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ گواہوں کو جب گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ اسے قبول کر لیں اور آ جائیں۔ امام قتادہ اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔[2] اور یہ اس طرح ہے جیسا کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ﴾ ''اور لکھنے والا جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے، لکھنے سے انکار نہ کرے، اسے چاہیے کہ وہ لکھے۔''

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تحمل شہادت فرض کفایہ ہے۔ اور جمہور کے مذہب کے مطابق یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ﴾ سے مراد یہ ہے کہ جب گواہوں کو گواہی دینے کے لیے بلایا جائے تو اس وقت وہ انکار نہ کریں۔ اور لفظ ﴿ الشُّهَدَآءُ ﴾ کی حقیقت اس معنی پر دلالت کناں ہے کیونکہ شاہد حقیقت میں اسے کہتے ہیں جو گواہ بن چکا ہو، لہٰذا جب گواہی اس کے لیے معین کر دی جائے تو اسے گواہی دینے کے لیے ضرور آ جانا چاہیے جبکہ اس کے سوا کوئی اور گواہ موجود ہی نہ ہوں، اور اگر کوئی اور گواہ بھی موجود ہوں تو پھر ان کی حاضری فرض کفایہ ہوگی۔ واللہ أعلم.

مجاہد، ابومجلز اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر فرماتے ہیں کہ جب آپ کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو آپ کو اختیار ہے لیکن جب آپ گواہ بن جائیں اور آپ کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو پھر گواہی کے لیے ضرور آئیں۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس آیت میں جو حکم بیان کیا گیا ہے، وہ عام ہے اور یہ گواہ بننے اور گواہی دینے کی دونوں حالتوں کے لیے ہے۔[4]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ﴾ ''اور قرض تھوڑا ہو یا بہت مقرر مدت تک اس کے لکھنے میں کاہلی نہ کرنا۔'' اس مقام پر رہنمائی کی انتہا کر دی گئی ہے اور وہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ حق، خواہ تھوڑا ہو یا بہت اسے ضرور لکھ لیا کرو، پس فرمایا: ﴿ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا ﴾ یعنی مقررہ مدت تک حق کے لکھنے میں تم اکتاؤ نہیں، خواہ قلت و کثرت کے اعتبار سے اس کی کوئی بھی حالت ہو۔ اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا ﴾

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان نقصان الإیمان بنقص الطاعات......، حدیث: 79. [2] تفسیر الطبری: 172/3.
[3] تفسیر الطبری: 173/3 و تفسیر ابن أبی حاتم: 563/2. [4] تفسیر الطبری: 173/3 و تفسیر ابن أبی حاتم: 563/2.

’’یہ بات اللہ کے نزدیک نہایت قرین انصاف ہے اور شہادت کے لیے بھی یہ بہت درست طریقہ ہے اور اس سے تم کو کسی طرح کا شک وشبہ بھی نہیں پڑے گا۔‘‘ یعنی یہ جو ہم نے تمھیں حکم دیا ہے کہ حق (قرض) لکھ لیا کرو جبکہ اس کا تعلق کسی میعاد معین سے ہو یہ اللہ کے ہاں نہایت قرینِ انصاف ہے، یعنی گواہی کے لیے نہایت درست طریقہ ہے، اس سے شاہد کے لیے ثابت قدمی حاصل ہوگی کہ جب وہ کچھ لکھے، پھر اپنی اس تحریر کو دیکھے تو اس سے گواہی بھی یاد آ جائے گی کیونکہ نہ لکھنے کی صورت میں بھول جانے کا احتمال ہے جیسے کہ اکثر وبیشتر ایسا ہوجاتا ہے۔

﴿ وَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَرْتَابُوْۤا ﴾ ’’اور اس سے تمھیں کسی طرح کا شک وشبہ بھی نہیں پڑے گا۔‘‘ یعنی لکھنے کی صورت میں تمھیں شک وشبہ بھی نہیں پڑے گا اور اختلاف کے وقت تم اس دستاویز کی طرف رجوع کرلو گے جسے تم نے لکھا ہوگا تو اس سے تمھارے مابین کسی شک وشبہ کے بغیر فیصلہ ہوجائے گا۔ ﴿ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ﴾ ’’ہاں، اگر سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو تو اگر (ایسے معاملے کی) دستاویز نہ لکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔‘‘ یعنی جب سودا نقد اور دست بدست ہو تو پھر اس کی دستاویز نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس صورت میں کسی خرابی کا کوئی ڈر نہیں ہے۔

بیع کے لیے گواہی کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ اَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ﴾ ’’اور جب خرید وفروخت کیا کرو تو بھی گواہ کرلیا کرو۔‘‘ یہ حکم منسوخ ہے اور اس کا ناسخ یہ ہے: ﴿ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ ﴾ (البقرۃ283:2) ’’اور اگر کوئی کسی کو امین سمجھے تو امانت دار کو چاہیے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کردے۔‘‘ یا یہ حکم استحباب پر محمول ہے وجوب پر نہیں۔ اور اس کی دلیل خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے عمارہ بن خزیمہ انصاری سے روایت کیا ہے کہ ان کے چچا نے، جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں، ان سے بیان کیا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے پیچھے لگا لیا تاکہ اس گھوڑے کی رقم ادا فرمادیں، چنانچہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی تشریف لے جارہے تھے جبکہ اعرابی کی رفتار سست تھی راستے میں لوگوں کی اس اعرابی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے اس کے گھوڑے کی قیمت لگانا شروع کردی کیونکہ انھیں یہ معلوم نہ تھا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے خرید چکے ہیں حتی کہ بعض لوگوں نے اس سے بھی زیادہ قیمت لگادی جس پر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خریدا تھا۔

یہ سن کر اعرابی نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی اور (اپنا ارادہ بدلتے ہوئے) کہا کہ اگر گھوڑا خریدنا چاہتے ہو تو خرید لو ورنہ میں یہ کسی اور کو بیچ دوں گا۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی کی آواز کو سن کر کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے: [أَوَ لَيْسَ قَدِ ابْتَعْتُهُ مِنْكَ؟ قَالَ الْأَعْرَابِيُّ: لَا وَاللّٰهِ! مَا بِعْتُكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: بَلٰى قَدِ ابْتَعْتُهُ مِنْكَ] ’’کیا یہ گھوڑا میں نے تم سے خرید نہیں لیا؟ اعرابی نے جواب دیا: نہیں، اللہ کی قسم! میں نے تو یہ آپ کو نہیں بیچا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں! بلکہ میں نے تو اسے تم سے خرید لیا ہے۔‘‘

لوگ نبیٔ اکرم ﷺ اور اعرابی کے پاس جمع ہو گئے۔ جب نبی ﷺ اور اعرابی کی اس مسئلے میں گفتگو ہو رہی تھی، اعرابی نے اپنی گفتگو کے دوران میں کہہ دیا کہ اچھا اگر یہ گھوڑا میں نے آپ کو بیچا ہے تو کوئی گواہ پیش کریں، چنانچہ جو بھی مسلمان آتا وہ اس اعرابی سے یہ کہتا کہ تم پر بہت افسوس ہے! کیونکہ رسول اللہ ﷺ تو ہمیشہ سچی بات فرماتے ہیں حتی کہ جب حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے نبیٔ اکرم ﷺ اور اس اعرابی کی گفتگو سنی اور اعرابی کی یہ بات بھی سنی کہ آپ کوئی گواہ پیش کریں کہ یہ گھوڑا میں نے آپ کو بیچا ہے تو حضرت خزیمہ کہنے لگے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے یہ گھوڑا آپ کو بیچا ہے۔

نبیٔ اکرم ﷺ خزیمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے: [بِمَ تَشْهَدُ؟ فَقَالَ: بِتَصْدِيقِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ شَهَادَةَ خُزَيْمَةَ شَهَادَةَ رَجُلَيْنِ] ''تم یہ گواہی کس بنا پر دے رہے ہو؟ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس لیے کہ آپ تو ہمیشہ سچ ہی فرماتے ہیں۔ اس واقعے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دے دیا۔''[1] اور اسی طرح اس حدیث کو امام ابوداود اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ۬ ﴾ ''اور کاتبِ دستاویز اور گواہ (معاملہ کرنے والوں کا) کسی طرح کا نقصان نہ کریں۔'' اس کے معنی یہ ہیں کہ کاتب اور گواہ نقصان نہ کریں کہ کاتب کو جو لکھوا دیا جائے اس کے خلاف لکھ دے اور گواہ جو سنے اس کے خلاف گواہی دے یا اسے بالکل چھپا لے۔ یہ امام حسن اور قتادہ وغیرہ کا قول ہے۔[3] اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ ﴾ ''اگر تم (لوگ) ایسا کرو تو یقیناً یہ تمھارے لیے گناہ کی بات ہے۔'' یعنی اگر تم نے اس کی مخالفت کی جس کا تمھیں حکم دیا گیا ہے اور وہ کام کیا جس سے تمھیں منع کیا گیا ہے تو یہ تمھارے لیے گناہ کی بات ہے کہ تم اس سے بچ نہ سکو گے۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرو۔'' اس کی اطاعت بجالاؤ، اس کے حکم کی پیروی کرو اور جس سے اس نے منع فرما دیا ہے اس سے باز آ جاؤ۔ اور فرمان الٰہی: ﴿ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ ﴾ ''اور (دیکھو کہ) وہ تم کو (کیسی مفید باتیں) سکھاتا ہے۔'' یہ ایسے ہے جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا ﴾ (الأنفال 29:8) ''مومنو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمھارے لیے امر فارق (دلیل حق) پیدا کر دے گا (تم کو ممتاز کر دے گا۔)'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ ﴾ (الحدید 28:57) ''مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ وہ تمھیں اپنی رحمت سے دوگنا اجر عطا فرمائے گا اور تمھارے لیے روشنی کر دے گا جس میں تم چلو گے۔'' اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿282﴾ ﴾ ''اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔'' یعنی وہ تمام امور کے حقائق، مصالح اور اثرات ونتائج کو خوب جانتا ہے کہ اس سے کوئی چیز

[1] مسند أحمد: 216,215/5. [2] سنن أبي داود، القضاء، باب إذا علم الحاكم صدق شهادة الواحد......، حديث: 3607 وسنن النسائي، البيوع، باب التسهيل في ترك الإشهاد على البيع، حديث: 4651. [3] تفسير الطبري: 183,182/3 وتفسير ابن أبي حاتم: 567/2.

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمۡ تَجِدُوۡا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقۡبُوۡضَةٌ ؕ فَاِنۡ اَمِنَ بَعۡضُكُمۡ بَعۡضًا فَلۡيُؤَدِّ

اور اگر تم سفر میں ہو اور تمھیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو کوئی چیز گروی (رہن کے طور پر) قبضے میں دے دی جائے، اور اگر تم میں سے کوئی دوسرے پر اعتبار

الَّذِى اؤۡتُمِنَ اَمَانَـتَهٗ وَلۡيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكۡتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنۡ يَّكۡتُمۡهَا فَاِنَّهٗۤ

کرے تو جس شخص پر اعتبار کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ دوسرے کی امانت واپس ادا کردے اور اپنے رب، اللہ سے ڈرے اور تم گواہی نہ چھپاؤ اور جو شخص

آثِمٌ قَلۡبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ ﴿283﴾ ع 39/2/7

گواہی چھپائے گا تو بے شک اس کا دل گناہ گار ہے اور جو عمل تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے ﴿283﴾

بھی مخفی نہیں بلکہ اس کا علم تمام کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

تفسیر آیت:283

رہن کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ عَلٰى سَفَرٍ ﴾ ''اور اگر تم سفر میں ہو'' یعنی مسافر ہو اور میعاد متعین کے لیے قرض کا لین دین کرو ﴿ وَلَمۡ تَجِدُوۡا كَاتِبًا ﴾ ''اور (دستاویز) لکھنے والا نہ مل سکے۔'' یعنی جو تمھارے لیے لکھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یا کاتب تو موجود ہو مگر کاغذ یا دوات یا قلم نہ ہو تو کوئی چیز رہن با قبضہ رکھ کر قرض لے لو اور دستاویز کے بدلے صاحب حق کے ہاتھ میں یہ رہن با قبضہ ہونا چاہیے۔ اور فرمان الٰہی: ﴿ فَرِهٰنٌ مَّقۡبُوۡضَةٌ ؕ ﴾ سے استدلال کیا گیا ہے کہ رہن اسی صورت میں ہوگا جب وہ با قبضہ ہو۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تو آپ کی زرہ تیس وسق جو کے عوض ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، یہ جو آپ نے اپنے اہل خانہ کی خوراک کی ضرورت کی خاطر لیے تھے۔ اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے مدینہ کے یہودیوں میں سے ایک یہودی کے پاس اسے رہن رکھا ہوا تھا۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنۡ اَمِنَ بَعۡضُكُمۡ بَعۡضًا فَلۡيُؤَدِّ الَّذِى اؤۡتُمِنَ اَمَانَـتَهٗ ﴾ ''اور اگر کوئی کسی کو امین سمجھے (رہن کے بغیر قرض دے دے) تو امانت دار کو چاہیے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کردے۔'' امام ابن ابوحاتم نے جید سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت نے ﴿ فَرِهٰنٌ مَّقۡبُوۡضَةٌ ؕ ﴾ یعنی رہن با قبضہ کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔[2] امام شعبی فرماتے ہیں کہ اگر تمھارے بعض، بعض کو امین سمجھیں تو پھر کوئی حرج نہیں کہ نہ لکھواؤ اور نہ گواہ بناؤ۔[3]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلۡيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے۔'' یعنی جسے امین سمجھا گیا ہے اسے اللہ سے ڈرنا چاہیے جیسا کہ اس حدیث میں بھی ہے جسے امام احمد اور اہل سنن نے بروایت قتادہ، عن حسن، عن سمرہ بیان کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتّٰى تُؤَدِّيَهُ] ''ہاتھ نے جو کچھ لیا ہے وہ اس کے ذمے واجب ہے حتی کہ

[1] صحیح البخاری، البیوع، باب شراء النبی ﷺ بالنسیئة، حدیث:2069 و صحیح مسلم، المساقاة، باب الرهن و جوازه فی الحضر کالسفر، حدیث:1603 لیکن صحیح مسلم میں یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ [2] تفسیر ابن أبی حاتم:570/2. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:570/2.

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے (سب) اللہ ہی کا ہے اور تمھارے دلوں میں جو کچھ ہے، خواہ تم اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا،

اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿284﴾

پھر جسے وہ چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿284﴾

اسے ادا کردے۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ ﴾ یعنی شہادت کو چھپاؤ نہ خیانت کرو اور نہ ہی اسے پس پشت ڈالو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ جھوٹی گواہی بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے، نیز اس کا چھپانا بھی اسی طرح کبیرہ گناہ ہے۔[2] اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ ﴾ ''جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گناہ گار ہوگا۔'' سدی فرماتے ہیں: اس کا دل گناہ گار ہو جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ○ ﴾ (المآئدة5:106) ''اور نہ ہم اللہ کی شہادت کو چھپائیں گے اگر ہم ایسا کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۗ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ○ ﴾ (النسآء4:135) ''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لیے سچی گواہی دو، خواہ (اس میں) تمھارا یا تمھارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو اللہ ان کا خیر خواہ ہے، لہٰذا تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا۔ اگر تم نے توڑ مروڑ کر بات کی یا (گواہی دینے سے) منہ موڑا تو (جان رکھو!) اللہ تمھارے سب کاموں سے خوب واقف ہے۔''

اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿283﴾ ﴾ ''اور (دیکھنا) شہادت کو مت چھپانا جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گناہ گار ہوگا اور اللہ تمھارے سب کاموں کو خوب جاننے والا ہے۔''

تفسیر آیت: 284

کیا دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں کا بھی محاسبہ ہوگا؟ اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اور جو ان کے درمیان ہے، ان سب کا وہ بادشاہ ہے، ان سب کی اسے اطلاع ہے، اس سے نہ ظاہر باتیں مخفی ہیں اور نہ پوشیدہ اور نہ کوئی چھوٹی بات مخفی ہے اور نہ بڑی، نیز اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے افعال کا اور جسے انھوں نے اپنے سینوں میں چھپایا ہوگا ان سب کا محاسبہ کرے گا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ ﴾ (آل عمران3:29) ''(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ

① مسند أحمد:13/5 و سنن أبي داود، البيوع، باب في تضمين العارية، حديث:3561 و جامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء في أن العارية مؤداة، حديث:1266 و السنن الكبرى للنسائي، العارية، المنيحة:411/3، حديث:5783 و سنن ابن ماجه، الصدقات، باب العارية، حديث:2400۔ ② تفسير الطبري:191/3۔

دیجیے: اگر تم وہ بات چھپاؤ جو تمھارے سینوں میں ہے یا اسے ظاہر کرو اللہ اس کو جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اس کو سب کی خبر ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ 7:20) ''وہ تو چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ بات تک کو جانتا ہے۔'' اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

درحقیقت اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم (کی وسعت) کے ساتھ ساتھ مزید ایک اور بات کی طرف راہنمائی فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ان کا محاسبہ بھی کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت گراں گزری اور وہ اس بات سے ڈر گئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے چھوٹے بڑے تمام اعمال کا محاسبہ کرے گا۔ اور یہ بات ان کے ایمان و یقین کی پختگی کی علامت تھی۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٨٤﴾ ﴾ تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ بہت گراں گزری، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور دو زانو بیٹھ کر عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! ہمیں نماز، روزہ، جہاد اور صدقے جیسے اعمال کا حکم دیا گیا جن کی ہمیں طاقت تھی اور اب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اور ہمیں اس کی طاقت نہیں ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَ تُرِيدُونَ أَنْ تَقُولُوا كَمَا قَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ: ﴿ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ﴾؟ (النسآء 46:4) بَلْ قُولُوا: ﴿ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ (البقرة 285:2)] ''کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اس طرح کہو جس طرح تم سے پہلے دونوں کتابوں (تورات و انجیل) والوں نے کہا تھا: ''ہم نے سنا اور نافرمانی کی؟'' بلکہ یہ کہو: ﴿ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ ''ہم نے (تیرا حکم) سنا اور قبول کیا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

جب حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کا اقرار کر لیا اور یہ الفاظ ان کی زبانوں پر رواں دواں ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس موقع پر فوراً نازل فرما دیا: ﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ (البقرة 285:2) ''رسول اس (کتاب) پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی، سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں:) ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی ایک میں بھی کچھ فرق نہیں کرتے اور وہ (اللہ سے) عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سنا اور قبول کیا، اے پروردگار! ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو منسوخ کر کے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا

تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ (البقرۃ2:286) ''اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اچھے کام کرے گا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا، برے کام کرے گا تو اسے ان کا نقصان پہنچے گا۔ اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول چوک ہو گئی ہو تو ہمارا مؤاخذہ نہ کرنا۔''[1]

امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: [فَلَمَّا فَعَلُوا ذٰلِكَ نَسَخَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ] ''جب انھوں نے ایسا کیا تو اللہ نے اسے منسوخ کر دیا اور یہ نازل فرمادیا: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ ''اللہ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا، اچھے کام کرے گا تو اس کا فائدہ اسے ہی حاصل ہوگا، برے کام کرے گا تو اس کا وبال اسے پہنچے گا۔ اور اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو ہمارا مؤاخذہ نہ کرنا۔'' تب اللہ نے فرمایا: ہاں! (میں نے قبول فرمالیا، پھر انھوں نے کہا:) رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ ''اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔'' اللہ نے فرمایا: ہاں! (میں نے قبول فرمالیا، پھر انھوں نے دعا کی:) رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ ''اے ہمارے رب! جس بوجھ کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں وہ ہم سے نہ اٹھوا۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں! وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ○ (البقرۃ2:286) ''اور ہم سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا کارساز ہے، پس تو کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔'' اللہ نے فرمایا: ہاں! (میں نے قبول فرمالیا۔)''[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت مجاہد کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گیا تو میں نے عرض کی: اے ابو عباس![3] میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا، انھوں نے اس آیت کو پڑھا تو رو پڑے، انھوں نے پوچھا کون سی آیت؟ میں نے جواب دیا: وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بہت شدید غم میں مبتلا ہو گئے تھے اور انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم تو تباہ و برباد ہو گئے، ہمارے قول و عمل کا تو مؤاخذہ ہوتا تھا مگر (اب دلوں کا مؤاخذہ بھی شروع ہو گیا ہے اور) دل تو ہمارے ہاتھوں میں نہیں ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم کہہ دو: سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڤ (البقرۃ2:285) ''ہم نے (حکم) سنا اور اطاعت کی۔''

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: تو اسے اس آیت: اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ تا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ (البقرۃ2:286,285) نے منسوخ کر دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دل میں آنے والے خیالات کو معاف فرما دیا اور اعمال کے مؤاخذے کو باقی رکھا۔[4]

---

[1] مسند أحمد:412/2. [2] صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان تجاوز اللّٰہ تعالی عن حدیث النفس......، حدیث: 125 عن أبي هريرة رضي الله عنه. [3] یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے۔ [4] مسند أحمد:332/1.

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

رسول (ﷺ) اس (ہدایت) پر ایمان لائے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کی گئی ہے اور سارے مومن بھی، سب اللہ پر اور اس کے

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ قف لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں:) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿285﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا

اور وہ کہتے ہیں: ہم نے (حکم) سنا اور اطاعت کی، اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش چاہتے ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے ﴿285﴾ اللہ کسی کو

مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج

اس کی برداشت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا، کسی شخص نے جو نیکی کمائی اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو اس نے برائی کی اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا

اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو ہماری گرفت نہ کر۔ اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا

مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَاعْفُ عَنَّا وقفة وَاغْفِرْ لَنَا وقفة وَارْحَمْنَا وقفة اَنْتَ مَوْلٰىنَا

تھا۔ اے ہمارے رب! جس بوجھ کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں وہ ہم سے نہ اٹھوا اور ہم سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے، اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا

فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿286﴾ ع 40 3 8

کارساز ہے، پس تو کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما ﴿286﴾

اصحاب کتب ستہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو بیان کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ أَوْ تَتَكَلَّمْ] ''اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلوں میں آنے والے خیالات کو معاف فرما دیا ہے جب تک عمل نہ کریں یا کلام نہ کریں۔''①

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: إِذَا هَمَّ عَبْدِي بِسَيِّئَةٍ فَلَا تَكْتُبُوهَا عَلَيْهِ، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا سَيِّئَةً ، وَّإِذَا هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوهَا حَسَنَةً ، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا عَشْرًا] ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرا بندہ جب کسی برائی کا ارادہ کرے تو اسے اس کے ذمے نہ لکھو اور اگر وہ اس کے مطابق عمل کر لے تو ایک برائی لکھ لو اور جب وہ نیکی کا ارادہ کرے اور ابھی تک اسے نہ کرے تو پھر بھی ایک نیکی لکھ لو اور اگر اس نیکی کو کر لے تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دو۔''②

① صحيح البخاري، الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق والكره ......، حديث:5269 وصحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله تعالى عن حديث النفس ...... ، حديث:127 وسنن أبي داود، الطلاق ، باب في الوسوسة بالطلاق، حديث:2209 وجامع الترمذي،الطلاق، باب ماجاء فيمن يحدث نفسه ......، حديث:1183 وسنن النسائي، الطلاق، باب من طلق في نفسه، حديث:3463 وسنن ابن ماجه، الطلاق ، باب من طلّق في نفسه ولم يتكلم به، حديث: 2040. ② صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ﴾ (الفتح 48:15)،حديث: 7501 وصحيح مسلم، الإيمان، باب إذا هم العبد بحسنة كتبت......، حديث:128 واللفظ له .

تفسیر آیات: 286,285

ان دو آیتوں کی فضیلت کے بارے میں احادیث مبارکہ: امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنۡ قَرَأَ بِالۡآيَتَيۡنِ مِنۡ آخِرِ سُورَةِ الۡبَقَرَةِ فِي لَيۡلَةٍ كَفَتَاهُ] ''جو شخص رات کو سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ لے تو وہ اس کے لیے کافی ہوں گی۔''[1] ائمۂ ستہ میں سے دیگر ائمہ نے بھی اس حدیث کو اسی طرح بیان فرمایا ہے۔[2] صحیحین میں یہ حدیث مختلف سندوں سے مروی ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو معراج کرائی گئی اور آپ کو سدرۃ المنتہٰی کے پاس لے جایا گیا جو کہ چھٹے آسمان میں ہے[4] اور زمین سے اوپر جانے والی چیزیں یہیں پہنچتی ہیں، پھر ان کو قبضے میں لے لیا جاتا ہے اور اوپر سے جو کچھ زمین پر آتا ہے وہ بھی یہاں تک پہنچتا ہے، پھر اس کو وہاں سے لے لیا جاتا ہے، فرمایا: ﴿ اِذۡ يَغۡشَى السِّدۡرَةَ مَا يَغۡشٰى ۙ﴾ (النجم 16:53) ''جبکہ اس بیری پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔'' فرمایا یہ سونے کے پتنگے تھے۔ فرمایا: اس مقام پر رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں عطا فرمائی گئیں: (1) پانچوں نمازیں عطا کی گئیں۔ (2) سورۂ بقرہ کی آخری آیات عطا کی گئیں اور (3) آپ کی امت میں سے جو شخص شرک نہ کرے، اس کے ہلاک کرنے والے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا۔[5]

سورۂ فاتحہ کے فضائل میں قبل ازیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث بیان کی جا چکی ہے، رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، حضرت جبریل علیہ السلام بھی آپ کے پاس تھے کہ آپ نے اپنے اوپر ایک آواز سنی تو جبریل نے اپنی نظر کو آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا کہ آسمان کا ایک ایسا دروازہ کھولا گیا ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا تھا اور اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا ہے، وہ فرشتہ بھی آج سے پہلے کبھی زمین کی طرف نہیں اترا تھا تو اس نے نبی ﷺ سے سلام کہا اور عرض کی: آپ کے لیے خوش خبری ہے کہ آپ کو دو ایسے نور عطا کیے گئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیے گئے: (1) فاتحۃ الکتاب اور (2) سورۂ بقرہ کی آخری آیات، آپ ان میں سے جو بھی حرف پڑھیں گے وہ آپ کو دیا جائے گا۔ اسے امام مسلم اور نسائی نے روایت کیا

---

[1] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب فضل سورة البقرة، حديث:5009. [2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل الفاتحة وخواتيم سورة البقرة......، حديث:808 و سنن أبي داود، تفريع أبواب قراءة القرآن، باب تحزيب القرآن، حديث:1397 و جامع الترمذي، فضائل القرآن ، باب ماجاء في آخر سورة البقرة، حديث:2881 و السنن الكبرى للنسائي، فضائل القرآن، الآيتان من آخر سورة البقرة:14/5، حديث:8018 و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فيما يرجى أن يكفي من قيام الليل، حديث:1369. [3] مسند أحمد:118/4. [4] جبکہ بعض صحیح روایات، جیسے: صحيح البخاري، حدیث: 3207 وغیرہ میں سدرۃ المنتہٰی کے ساتویں آسمان میں ہونے کا ذکر ہے، محدثین رحمہم اللہ نے ان دونوں لفظوں کے درمیان تطبیق یوں دی ہے کہ سدرۃ المنتہٰی کی جڑیں چھٹے آسمان میں ہیں اور باقی حصہ ساتویں آسمان میں ہے۔ واللہ أعلم، دیکھیے: النووي شرح صحيح مسلم میں مذکورہ حدیث۔ [5] صحيح مسلم، الإيمان، باب في ذكر سدرة المنتهى، حديث:173.

ہے اور یہ الفاظ مسلم کی روایت کے مطابق ہیں۔ ①

ان دو آیتوں کی تفسیر: اللہ تعالیٰ نے سب کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ﴾ ''سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں۔'' یعنی مومن اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ واحد، احد، یکتا اور بے نیاز ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، نہ کوئی پروردگار ہے، وہ تمام انبیاء اور رسولوں کی بھی تصدیق کرتے ہیں اور ان تمام کتابوں کو بھی مانتے ہیں جو آسمان سے اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور نبیوں پر نازل ہوئیں، وہ انبیائے کرام میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے کہ بعض کے ساتھ تو ایمان رکھیں اور بعض کا کفر کریں بلکہ وہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نبی اور رسول سچے، راست باز، نیکوکار، ہدایت یافتہ اور نیکی کے راستوں کی طرف رہنمائی فرمانے والے ہیں۔ گو بعض، بعض کی شریعت کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے منسوخ کر سکتے ہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے ساتھ سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ فرما دیا اور اب قیامت آپ ہی کی شریعت پر قائم و دائم ہو گی۔ اور آپ کی امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم و دائم رہے گا۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ﴾ ''اور وہ (اللہ سے) عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سنا اور قبول کیا۔'' یعنی اے ہمارے پروردگار! ہم نے تیرے حکم کو سن لیا، اسے سمجھ لیا اور ہم اس کے مطابق عمل بھی بجالائیں گے۔ ﴿ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا ﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ سے بخشش، رحمت اور لطف و کرم کا سوال کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا اور یہ بھی اپنی مخلوق کے ساتھ اس کا لطف و کرم اور شفقت و احسان ہے۔ اور فرمان الٰہی: ﴿ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ﴾ (البقرۃ284:2) سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جو خوف دامن گیر ہوا، اس آیت کریمہ نے اسے منسوخ کر کے ختم کر دیا ہے، یعنی اگرچہ وہ حساب کر سکتا اور سوال کر سکتا ہے لیکن وہ عذاب اسی پر دے گا جسے دور کرنا انسان کے لیے ممکن ہو اور دل میں آنے والے جن وسوسوں اور خیالات کو دور کرنا انسان کے لیے ممکن نہ ہو تو ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی انسان کا محاسبہ نہیں کرے گا بلکہ برے وسوسے اور خیال کو ناپسند کرنا بھی ایمان کی علامت ہے۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ﴾ ''اچھے کام کرے گا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا، برے کرے گا تو اسے ان کا نقصان پہنچے گا۔'' لیکن یہ ان اچھے اور برے اعمال کے حساب سے ہے جو دائرہ تکلیف کے اندر ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی فرمائی کہ انھیں اس سے مانگنا کس طرح ہے، اس نے کمال لطف و مہربانی سے اپنے بندوں کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازنے کی ذمہ داری بھی لے لی ہے اور اپنے بندوں کی رہنمائی فرماتے ہوئے اور مانگنے کا طریقہ سکھاتے ہوئے فرمایا کہ کہو: ﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے

① صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل الفاتحة وخواتيم سورة البقرة ......، حديث:806 والسنن الكبرىٰ للنسائي، فضائل القرآن، فضل فاتحة الكتاب:12/5، حديث:8014.

بھول چوک ہوگئی ہوتو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا۔'' اگر بھول کر ہم نے کوئی فرض ترک کر دیا ہو یا بھول کر کسی فعل حرام کا ارتکاب کر لیا ہو یا ازراہِ جہالت ہم کسی کام کو شریعت کے مقرر کردہ طریقے کے مطابق سرانجام نہ دے سکے ہوں تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا۔ قبل ازیں صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو بیان کیا جا چکا ہے جس میں یہ ہے: [قَالَ اللّٰهُ: نَعَمْ] ''(اس کے جواب میں) اللہ نے فرمایا: ہاں!''① اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے: [قَالَ اللّٰهُ: قَدْ فَعَلْتُ] (اس کے جواب میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اسی طرح کیا۔''②

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔'' یعنی ہمیں اعمال شاقہ کی تکلیف نہ دینا، خواہ ہمیں ان کی طاقت بھی ہو جیسا کہ تو نے سابقہ امتوں پر ان کے بوجھ ڈال دیے تھے اور انھی بوجھوں کے دور کرنے اور ان کے ہٹانے ہی کے لیے تو نے اپنے نبیٔ رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد آسان اور سہل دین حنیف کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ : نَعَمْ] ''(اس کے جواب میں بھی) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں!''③ اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ : قَدْ فَعَلْتُ] ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اسی طرح کر دیا۔''④

کئی سندوں سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ] ''مجھے دینِ حنیف کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا جو انتہائی آسان ہے۔''⑤

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! جس بوجھ کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اس کو ہمارے سر پر نہ رکھنا۔'' یعنی ہمیں ایسی تکلیفوں، مصیبتوں اور آزمائشوں میں مبتلا نہ کرنا جن کے برداشت کرنے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ مکحول فرماتے ہیں کہ اس سے مراد غربت (وطن سے دوری) اور شدت شہوت ہے۔⑥ اسے ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہاں!'' اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں نے اسی طرح کیا۔''⑦

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاعْفُ عَنَّا ۣ ﴾ ''اور (اے پروردگار!) ہمارے گناہوں سے درگزر کر۔'' یعنی ہم سے جو گناہ، کوتاہی اور لغزش ہوئی جس کا تعلق ہمارے اور تیرے مابین ہے اور جسے تو خوب جانتا ہے، اس سے درگزر فرما۔ ﴿ وَاغْفِرْ لَنَا ۣ ﴾

---

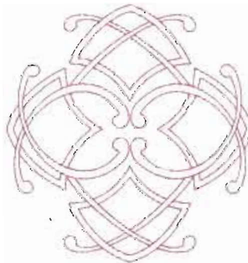
① صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان تجاوز اللّٰہ تعالٰی عن حدیث النفس......، حدیث:125 اور دیکھیے البقرۃ، آیت:284.
② صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان تجاوز اللّٰہ تعالٰی عن حدیث النفس......، حدیث:126. ③ صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان تجاوز اللّٰہ تعالٰی عن حدیث النفس......، حدیث:125. ④ صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان تجاوز اللّٰہ تعالٰی......، حدیث:126. ⑤ مسند أحمد:266/5 عن أبی أمامۃ رضی اللہ عنہ. ⑥ تفسیر ابن أبی حاتم:581/2.
⑦ تفسیر ابن أبی حاتم:580/2.

''اور ہمیں بخش دے۔'' یعنی ان گناہوں کو جن کا تعلق ہمارے اور تیرے بندوں کے حقوق سے ہے اور تو انھیں ہماری برائیوں اور ہمارے برے اعمال پر مطلع نہ کرنا۔ ﴿ وَارْحَمْنَا ﴾ اور مستقبل میں ہم پر رحم فرما۔ اور ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم کسی اور گناہ میں مبتلا نہ ہوں۔

علماء نے کہا ہے کہ گناہ گار کو تین چیزوں کی ضرورت ہے: (1) اس کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین جو ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے۔ (2) بندوں سے اسے چھپائے اور ان میں اسے ذلیل و رسوا نہ کرے (3) اور آئندہ اسے بچائے، پھر اس طرح کے گناہ میں مبتلا نہ کرے۔ قبل ازیں اس حدیث کو بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے جواب میں فرمایا: ''ہاں!'' اور دوسری حدیث کے مطابق فرمایا: ''میں نے اسی طرح کیا۔''[1]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَنْتَ مَوْلٰىنَا ﴾ ''تو ہی ہمارا مالک ہے۔'' تو ہی ہمارا والی اور ناصر ہے، ہم نے تجھی پر توکل کیا تو ہی ہمارا مددگار ہے اور تو ہی ہمارا سہارا ہے اور تیری حفاظت کے بغیر ہمیں گناہ سے بچنے کی قدرت نہیں اور تیری مدد اور توفیق کے بغیر ہمیں تیری اطاعت کی طاقت نہیں۔ ﴿ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''اور ہم کو کافروں پر غالب کر۔'' ان پر جنھوں نے تیرے دین کا انکار کیا، تیرے سوا غیر کی عبادت کی، تیرے بندوں کو تیرا شریک بنایا، ان پر ہمیں فتح و نصرت عطا فرما اور ان کے مقابلے میں دنیا و آخرت میں ہماری عاقبت کو اچھا کر دے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہاں!'' اور اس حدیث میں ہے جسے امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: ''میں نے اسی طرح کیا۔''[2]

امام ابن جریر نے ابو اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب اس سورت (کے آخر): ﴿ فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ سے فارغ ہوئے تو کہا: آمین۔[3]



① دیکھیے البقرة ،آیت: 284 کے ذیل میں۔ ② صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تجاوز الله تعالى عن حديث النفس ......، حدیث: 126,125. ③ تفسير الطبري: 218/3.

تفسیر
سُورۂ آلِ عِمران

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ① اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ؕ② نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ

الٓمّٓ ① وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہے، سب کو سنبھالنے والا ہے ② اسی نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے

یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۙ③ مِنْ قَبْلُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ

پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اسی نے تورات اور انجیل کو نازل کیا ③ اس سے پہلے، لوگوں کی ہدایت کے لیے اور اسی نے فرقان (قرآن)

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ④

نازل کیا۔ بے شک وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا ان کے لیے شدید عذاب ہے اور اللہ غالب ہے، بدلہ لینے والا ④

یہ سورت مدنی ہے: اس لیے کہ اس کے آغاز سے لے کر تراسی (83) آیات وفد نجران کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اور یہ وفد 9 ہجری میں آیا تھا جیسا کہ ''آیت مباہلہ'' کی تفسیر کے موقع پر اس کی تفصیل آئے گی۔ إن شاء اللّٰه.[1] سورۂ آل عمران اور سورۂ بقرہ کی فضیلت میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ ہم نے سورۂ بقرہ کی تفسیر کے آغاز میں ذکر کر دیا ہے۔

تفسیر آیات: 1-4

ہم نے قبل ازیں وہ حدیث بیان کی ہے جس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ان آیتوں میں ہے: (1) ﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ ﴾ اور (2) ﴿ الٓمّٓ ① اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ؕ② ﴾ ہم نے یہ حدیث آیت الکرسی کی تفسیر کے موقع پر بیان کی ہے۔[2]

﴿ الٓمّٓ ① ﴾ کے بارے میں سورۂ بقرہ کے آغاز میں بحث کی جا چکی ہے، لہٰذا اب اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح ﴿ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ؕ② ﴾ کے بارے میں بھی آیت الکرسی کی تفسیر میں بحث ہو چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ﴾ ''اس نے (اے نبی ﷺ!) آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) اس نے آپ پر قرآن کو حق کے ساتھ نازل کیا کہ جس میں کوئی شک و ریب نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ فرشتے بھی اس بات کے گواہ ہیں اور گواہ تو اللہ ہی کافی ہے۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ﴾ ''جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔'' یعنی یہ کتاب ان

① دیکھیے آل عمران، آیت: 61 کے ذیل میں۔ ② دیکھیے البقرۃ، آیت: 255 کے ذیل میں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ⑤ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ

بے شک اللہ سے زمین اور آسمان میں کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ⑤ وہی ہے جو (تمھاری) ماؤں کے پیٹ میں تمھاری صورتیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے۔

كَيْفَ يَشَآءُ ط لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑥

اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غالب، خوب حکمت والا ہے ⑥

تمام کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے جنھیں آسمان سے اللہ کے بندوں، یعنی انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل کیا گیا۔ ان کتابوں میں زمانۂ قدیم سے اس قرآن کے بارے میں جو خبریں اور بشارتیں دی گئی ہیں وہ سچی ہیں اور یہ قرآن سابقہ کتب کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارسال فرمانے اور قرآن عظیم کے نازل کرنے کا جو وعدہ فرمایا تھا، ان کتابوں میں اس کی خبر اور بشارت موجود ہے۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ ﴾ ''اور اس نے تورات نازل کی'' موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر ﴿ وَالْاِنْجِيْلَ ③ ﴾ ''اور انجیل نازل کی'' عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام پر ﴿ مِنْ قَبْلُ ﴾ ''اس سے پہلے'' یعنی اس قرآن سے پہلے۔ ﴿ هُدًى لِّلنَّاسِ ﴾ ''لوگوں کی ہدایت کے لیے۔'' یعنی تورات وانجیل کے زمانے کے لوگوں کی ہدایت کے لیے (نازل فرمایا۔) ﴿ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ط ﴾ ''اور اس نے فرقان (قرآن) نازل کیا۔'' جو ہدایت وضلالت، حق وباطل اور گمراہی اور رشد وبھلائی کو الگ الگ کر دینے والا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے روشن اور واضح دلائل اور قطعی براہین کا ذکر فرمایا ہے۔ اور قرآن مجید ان سب باتوں کو واضح، روشن اور صاف صاف بیان کرتا اور رہنمائی کا مکمل سامان فراہم کرتا ہے۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ یعنی بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور باطل طریقے سے انھیں رد کرتے ہیں۔ ﴿ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ط ﴾ یعنی قیامت کے دن ان کو سخت عذاب ہوگا۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ﴾ ''اور اللہ زبردست ہے۔'' یعنی وہ بہت عالی جاہ اور عظیم الشان بادشاہ ہے۔ ﴿ ذُو انْتِقَامٍ ④ ﴾ اور ان لوگوں سے انتقام لینے والا ہے جو اس کی آیات کی تکذیب کرتے اور اس کے مرسلین کرام وانبیائے عظام علیہم السلام کی مخالفت کرتے ہیں۔

تفسیر آیات:6,5

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کی تمام چھپی باتوں کو جانتا ہے اور اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔ ﴿ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ط ﴾ ''وہی تو ہے جو ماں کے پیٹ میں جیسی چاہتا ہے تمھاری صورتیں بناتا ہے۔'' یعنی وہ جس طرح چاہتا ہے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں لڑکا اور لڑکی، حسین وقبیح اور بدبخت وسعادت مند پیدا فرماتا ہے۔

﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑥ ﴾ ''اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔'' یعنی اسی نے پیدا فرمایا ہے تو وہی مستحق الوہیت (عبادت) ہے۔ وہ واحد ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہ ایسی عزت کا مالک ہے کہ جس کا قصد نہیں کیا جا سکتا، اسی کی حکمت اور احکام ہیں۔

اس آیت کریمہ میں تعریض نہیں بلکہ تصریح ہے کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام بھی اللہ کے بندے اور مخلوق ہیں۔ انھیں بھی اللہ

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ

وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی جس میں کچھ آیات محکم (واضح) ہیں جو اس کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور کچھ دوسری متشابہات (غیر واضح) ہیں،

مُتَشٰبِهٰتٌ ط فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ

پھر جن لوگوں کے دل میں ٹیڑھ ہے وہ ان میں سے انھی آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو متشابہ (غیر واضح) ہیں، ان کا مقصد محض فتنے اور تاویل کی

وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ج وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ م وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ

وقف لازم

تلاش ہوتا ہے، حالانکہ اللہ کے سوا کوئی بھی ان کی تاویل نہیں جانتا، اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں: ہمارا ان (متشابہات) پر ایمان ہے، یہ سب

اٰمَنَّا بِهٖ لا كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ج وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑦ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا

ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقل مند ہی حاصل کرتے ہیں ⑦ (وہ دعا کرتے ہیں:) اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد

بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ج اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧ رَبَّنَآ اِنَّكَ

ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور عطا کر ہمیں اپنے پاس سے رحمت، بے شک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے ⑧ اے ہمارے رب! یقیناً تو لوگوں کو ایک دن

جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ⑨ ع

ع 1 9

جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں، بے شک اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا ⑨

تعالیٰ نے اسی طرح پیدا فرمایا ہے جس طرح دیگر تمام انسانوں کو کیونکہ ان کی صورت بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی ماں کے رحم میں بنائی اور انھیں بھی جس طرح چاہا پیدا فرمایا، لہٰذا وہ الٰہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟ جیسا کہ عیسائیوں کا گمان ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنتیں ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی شکم مادر میں پرورش پائی اور دیگر انسانوں کی طرح وہ بھی ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہوتے رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ط ﴾ (الزمر 6:39) ”وہی تم کو تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں ایک پیدائش (مرحلے) کے بعد، پھر دوسری پیدائش میں تین قسم کے اندھیروں (پردوں) میں پیدا کرتا ہے۔“

تفسیر آیات: 7-9

آیات متشابہات و محکمات کا بیان: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ قرآن مجید کی کچھ آیات محکمات ہیں، اور وہی اصل کتاب ہیں کیونکہ یہ دلالت کے اعتبار سے واضح اور روشن ہیں، ان میں کسی کے لیے کوئی التباس نہیں اور کچھ دوسری آیات ہیں جن کی دلالت میں بہت سے یا بعض لوگوں کے لیے اشتباہ ہے تو جو مشتبہ کو واضح کی طرف لوٹا دے اور متشابہ کے بجائے محکم کے مطابق عمل کرے تو وہ ہدایت پا جائے گا اور جس نے اس کے برعکس صورت حال اختیار کی اس کا معاملہ اس کے الٹ ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آیات محکمات کے بارے میں فرمایا: ﴿ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴾ ”وہی اصل کتاب ہیں۔“ یعنی یہ آیات اصل کتاب ہیں اور اشتباہ کی صورت میں انھی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ ﴿ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ط ﴾ ”اور بعض متشابہ ہیں“ جن میں یہ احتمال بھی ہوتا ہے کہ ان کی دلالت آیات محکمات کے مطابق ہو اور لفظ و ترکیب کے اعتبار سے دیگر احتمالات بھی ہو سکتے ہیں، معنی

ومراد کے اعتبار سے نہیں۔

آیات محکمات ناسخ، حلال، حرام، احکام، حدود، فرائض اور جن امور پر عمل کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، ان پر مشتمل ہوتی ہیں جبکہ متشابہات منسوخ، مقدم ومؤخر، امثال واقسام اور ایسی باتوں پر مشتمل ہوتی ہیں جن پر ایمان تو لایا جاتا ہے مگر ان پر عمل کا حکم نہیں ہوتا۔

محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ ﴿ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان میں رب کی حجت، بندوں کی عصمت، مدمقابل اور باطل کا رد ہوتا ہے۔ اور ان میں کوئی تصریف وتحریف نہیں ہو سکتی جبکہ متشابہات بھی مبنی برصدق ہوتی ہیں لیکن ان میں تصریف وتحریف اور تاویل ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے بندوں کی آزمائش کرتا ہے جیسا کہ حلال وحرام میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کرتا ہے کہ ان کو باطل کی طرف نہ پھیرا جائے اور حق سے انھیں الگ نہ کیا جائے۔ [1]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ ﴾ ''پھر جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے۔'' یعنی گمراہی ہے اور وہ حق سے نکل کر باطل کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ ﴿ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ﴾ ''تو وہ متشابہات کی اتباع کرتے ہیں۔'' یعنی وہ اس کی متشابہ آیات کو لے لیتے ہیں تاکہ ان کے لیے یہ ممکن ہو کہ اپنے فاسد مقاصد کے لیے ان میں تحریف کر سکیں کیونکہ ان کے الفاظ میں بظاہر ایسا احتمال ہوتا ہے جبکہ محکم آیات میں اس طرح کی ذرّہ برابر گنجائش نہیں ہوتی بلکہ وہ تو ان کے خلاف محکم اور قطعی دلیل ہوتی ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ ﴾ ''(ان کا مقصد) فتنے کی تلاش ہوتا ہے۔'' یعنی اپنے پیروکاروں کو گمراہ کر سکیں اور ان سے یہ کہہ سکیں کہ اپنی بدعت کے سلسلے میں وہ بھی قرآن مجید ہی سے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ یہ بات خود ان کے حق میں نہیں بلکہ ان کے خلاف دلیل ہے۔

اس کی مثال ایسے ہے جیسے عیسائی یہ استدلال کریں کہ خود قرآن نے یہ کہا ہے کہ عیسیٰ روح اللہ اور اللہ کا وہ کلمہ ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف ڈالا ہے اور اس آیت سے استدلال نہ کریں: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ ﴾ (الزخرف 43:59) ''وہ تو صرف ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا۔'' نیز اس آیت کو بھول جائیں: ﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ ﴾ (آل عمران 3:59) ''بے شک عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے (پہلے) مٹی سے ان کا قالب بنایا، پھر فرمایا: (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے۔''

اسی طرح یہ ان دیگر محکم آیات سے بھی استدلال نہ کریں جن میں یہ صراحت ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے ایک عبد اور رسول ہیں۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ﴾ ''اور اس کی تاویل تلاش کریں۔'' یعنی اپنے ارادے کے مطابق تحریف کریں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2/592-594.

اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۞ اور فرمایا: [فَإِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِيهِ فَهُمُ الَّذِينَ عَنَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ، فَاحْذَرُوهُمْ] ''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو اس میں جھگڑا کریں تو یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، لہٰذا تم ان سے بچ جاؤ۔''[1]

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسی آیت کی تفسیر کے موقع پر، امام مسلم نے اسے اپنی صحیح کی کتاب العلم میں اور امام ابوداود نے اپنی سنن کی کتاب السنة میں بیان کیا ہے اور ان تینوں ائمہ نے اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ: ﴿ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ ﴾ تا ﴿ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۞ ﴾ تلاوت فرمائی، پھر آپ نے فرمایا: [فَإِذَا رَأَيْتِ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ، فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَّى اللّٰهُ فَاحْذَرُوهُمْ] ''تم جب ان لوگوں کو دیکھو جو قرآن مجید کی متشابہ آیات کی پیروی کرتے ہیں تو یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے، لہٰذا تم ان سے بچ جاؤ۔'' یہ الفاظ صحیح بخاری کی روایت کے ہیں۔[2]

متشابہات کی مرادِ اصلی کو اللہ ہی جانتا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ ﴾ ''حالانکہ مرادِ اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' قراء کا اس مقام پر وقف کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہاں وقف اسم جلالہ پر ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے کہ تفسیر چار طرح سے ہے: (1) جس کے سمجھنے میں کسی کو بھی معذور قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (2) جسے عرب اپنی لغات کے حوالے سے جانتے ہیں۔ (3) جسے علم میں دستگاہ کامل رکھنے والے جانتے ہیں اور (4) جسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔[3] یہ قول، یعنی اس کی حقیقی مراد صرف اللہ ہی جانتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، عروہ، ابوالشعثاء اور ابونہیک وغیرہ سے بھی مروی ہے۔[4]

کچھ قراء ﴿ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ ﴾ پر وقف کرتے ہیں۔ بہت سے مفسرین اور اہل اصول نے بھی انھی کی پیروی کی ہے اور کہا ہے کہ جس بات کو سمجھا ہی نہ جا سکے اس سے خطاب بعید ہے۔ ابن ابونجیح نے مجاہد سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں ان راسخین علم میں سے ہوں جو ان کی مرادِ اصلی کو جانتے ہیں۔[5] حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے دعا کی: [اَللّٰهُمَّ! فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ] ''اے اللہ! انھیں دین میں سمجھ بوجھ عطا فرما اور تفسیر کا علم عطا فرما۔''[6]

---

[1] مسند أحمد: 48/6. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ ﴾ (آل عمران 3:7)، حديث: 4547 وصحيح مسلم، العلم، باب النهي عن اتباع متشابه القرآن......، حديث: 2665 وسنن أبي داود، السنة، باب النهي عن الجدال واتباع المتشابه من القرآن، حديث: 4598. [3] دیکھیے تفسير الطبري: 54/1. [4] تفسير ابن أبي حاتم: 599/2. [5] تفسير الطبري: 249/3. [6] صحيح البخاري، العلم، باب قول النبي ﷺ: [اللّٰهم علّمه الكتاب]، حديث: 143،75 اور یہاں [التأويل] کے بجائے [الكتاب] ہے۔ و مسند أحمد: 266/1 واللفظ له عن ابن عباس رضي الله عنهما.

قرآن میں تأویل کا لفظ دو معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے: (1) کسی چیز کی حقیقت اور انجام کے معنی میں، مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ﴾ (یوسف 12:100) ”اور (یوسف نے) کہا: ابا جان! یہ میرے اس خواب کی حقیقت ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا۔“ اور فرمایا: ﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ ...... ﴾ (الأعراف 7:53) ”کیا یہ لوگ اس کے وقوع کے منتظر ہیں؟ جس دن وہ واقع ہو جائے گا......“ یعنی اس امر معاد کی حقیقت ان کے سامنے آ جائے گی جس کی انھیں خبر دی گئی ہے اگر تأویل کے یہ معنی ہوں تو پھر وقف لفظ جلالہ پر ہوگا کیونکہ امور کے حقائق اور ان کی کنہ کو واضح طور پر اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اور ﴿ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ ﴾ مبتدا اور ﴿ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ ﴾ اس کی خبر ہے۔ اور (2) اگر تأویل سے دوسرے معنی مراد ہوں، یعنی کسی چیز کی تفسیر، بیان اور تعبیر جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ ﴾ (یوسف 12:36) ”ہمیں اس کی تعبیر بتا دیجیے۔“ اور اگر اس کے یہ معنی مراد ہوں تو پھر ﴿ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ ﴾ پر وقف ہوگا کیونکہ اس اعتبار سے وہ اسے جانتے اور سمجھتے ہیں جس کے ساتھ انھیں مخاطب کیا گیا ہے گو اشیاء کے حقائق اور علم کا انھوں نے احاطہ نہیں کیا تو اس اعتبار سے ﴿ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ ﴾، ﴿ وَالرّٰسِخُوْنَ ﴾ سے حال ہوگا۔

اور یہ بھی مناسب ہے کہ وہ معطوف ہو، معطوف علیہ نہ ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ ﴾ تا ﴿ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا ﴾ (الحشر 59:8-10) میں ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّجَاۗءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ۚ ﴾ (الفجر 89:22) یعنی وَجَاءَتِ الْمَلَائِكَةُ صُفُوفًا صُفُوفًا ”اور فرشتے صف در صف آئیں گے۔“

اللہ تعالیٰ نے ان راسخین کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ ﴾ ”وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ ایمان لائے۔“ یعنی متشابہ آیات کے ساتھ ﴿ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ ﴾ ”یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔“ یعنی تمام آیات، خواہ محکم ہوں یا متشابہ حق اور سچ ہیں، ان میں سے ہر ایک دوسری کی تصدیق کرتی اور اس کے حق ہونے کی شہادت دیتی ہے کیونکہ یہ تمام آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پاس سے آنے والی آیات میں نہ اختلاف ہو سکتا ہے اور نہ تضاد کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ ﴾ (النسآء 4:82) ”کیا پھر یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو وہ یقیناً اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔“

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ﴾ ”اور نصیحت تو عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔“ یعنی معانی کو صحیح طور پر وہی لوگ سمجھ سکتے اور ان میں غور و فکر کر سکتے ہیں جو سلیم عقل اور صحیح فکر کے مالک ہیں۔ ابن منذر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں نافع بن یزید سے روایت کیا ہے کہ ”راسخ فی العلم“ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرنے والے ہوں، اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے اپنے آپ کو کھپا دینے والے ہوں، اپنے سے بڑوں کے حفظ مراتب کا لحاظ رکھتے ہوں اور

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے (بچانے میں) ان کے کچھ بھی کام نہیں آئیں گے اور وہی لوگ آگ کا

وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ⑩ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا

ایندھن ہیں ⑩ (ان کا انجام) آل فرعون اور ان لوگوں کا سا ہو گا جو ان سے پہلے تھے، انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کے گناہوں کے

بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑪

باعث انھیں پکڑ لیا اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے ⑪

چھوٹوں کو حقیر نہ سمجھتے ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ اپنے رب سے یہ دعا بھی کرتے ہیں: ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا ﴾ ''اے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔'' یعنی دلوں کو جب تو نے ہدایت پر قائم کر دیا ہے تو اب انھیں اس سے دور نہ کرنا اور ہمیں ان لوگوں کی طرح نہ بنا دینا جن کے دلوں میں کجی ہے اور جو قرآن مجید کے متشابہات ہی کی اتباع کرتے رہتے ہیں بلکہ ہمیں اپنے صراط مستقیم اور مضبوط و مستحکم دین پر قائم اور ثابت قدم رکھنا۔ ﴿ وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ﴾ ''اور ہمیں اپنے ہاں سے رحمت عطا فرما۔'' جس سے تو ہمارے دلوں کو ثابت رکھے، ہمارے انتشار کو اجتماعیت سے بدل دے اور ہمارے ایمان و یقین میں اضافہ فرمائے۔ ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧ ﴾ ''بے شک تو ہی بڑا عطا فرمانے والا ہے۔''

امام ابن ابو حاتم اور ابن جریر نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: [يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ] ''اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔'' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧ ﴾.[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ ﴾ ''اے پروردگار! یقیناً لوگوں کو تو ایک دن جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔'' یعنی اپنی دعا میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو قیامت کے دن اپنی مخلوق کو جمع فرمائے گا، ان میں فیصلہ فرمائے گا اور ان کے ان امور میں بھی فیصلہ فرمائے گا جن میں انھوں نے اختلاف کیا تھا اور دنیا میں انھوں نے اچھے یا برے جو عمل کیے تو ان کے مطابق انھیں بدلہ دے گا۔

تفسیر آیات: 11,10

قیامت کے دن مال اور بیٹے کام نہ آئیں گے: اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں فرما رہا ہے کہ وہ جہنم کی آگ کا ایندھن ہیں ﴿ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ○ ﴾ (المؤمن 52:40) ''جس دن ظالموں کو ان کی

[1] تفسير الطبري :255/3 و تفسير ابن أبي حاتم :602,601/2 اور دیکھیے جامع الترمذي، القدر، باب ما جاء أن القلوب بين إصبعي الرحمن، حديث:2140 و مسند أحمد :294/6.

معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت اور برا گھر ہے۔'' دنیا میں انھیں جو مال اور اولاد ملے تھے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ کام نہ آسکیں گے اور نہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی دردناک سزا سے بچا سکیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ (التوبة55:9) ''چنانچہ ان کے مال اور اولاد آپ کو حیرت وتعجب میں نہ ڈال دیں، یقیناً اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیا کی زندگی ہی میں ان کو عذاب دے اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) وہ کافر ہی ہوں۔'' اور فرمایا: ﴿ لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۫ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ ﴾ (آل عمران 197,196:3) ''(اے پیغمبر!) کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکا نہ دے۔ (یہ دنیا کا) تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر (آخرت میں) تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔''

جیسا کہ یہاں فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''بے شک جو لوگ کافر ہوئے۔'' یعنی انھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا، اس کے رسولوں کی تکذیب کی، اس کی کتاب کی مخالفت کی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی طرف جو وحی کی اس سے انھوں نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ ﴿ لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝۱۰ ﴾ ''(اس دن) نہ تو ان کا مال ہی اللہ (کے عذاب) سے ان کو بچا سکے گا اور نہ ان کی اولاد ہی (کچھ کام آئے گی) اور یہ لوگ آتش (جہنم) کا ایندھن ہوں گے۔'' یہ وہ ایندھن ہوں گے جس سے جہنم کی آگ کو جلایا اور بھڑکایا جائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ ﴾ (الأنبياء98:21) ''(کافرو!) بے شک اس روز تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہوگے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ﴾ ''(ان کا حال بھی) فرعونیوں کا سا ہوگا۔'' امام ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا حال بھی فرعونیوں کے کرتوت کی طرح ہے۔① عکرمہ، مجاہد، ابو مالک، ضحاک اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔② بعض نے دأب کے معنی ''(فرعونیوں کے) طریقۂ کار'' بعض نے ''(آل فرعون کے) کام'' اور بعض نے ''مشابہ'' کے بیان کیے ہیں۔③ اور یہ تمام الفاظ قریب قریب ہم معنی ہیں۔ دأب کے معنی کرتوت، حالت، شان، امر اور عادت کے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے: لَا يَزَالُ هٰذَا دَأْبِي وَدَأْبُكَ ''میری اور آپ کی یہ عادت ہمیشہ رہے گی۔''

آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ کفار کے مال اور اولاد کام نہ آسکیں گے بلکہ انھیں ہلاک کر کے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا جیسا کہ فرعونیوں اور ان سے پہلے ان لوگوں کا حال ہوا جو اللہ تعالیٰ کے پاس سے آیات اور روشن دلائل لانے والے انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کرتے رہے۔ اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝۱۱ ﴾ ''اور اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔''

① تفسير الطبري:259/3. ② تفسير ابن أبي حاتم:603/2. ③ تفسير ابن أبي حاتم:603/2 وتفسير الطبري:259/3.

قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَتُغۡلَبُوۡنَ وَتُحۡشَرُوۡنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ⑫ قَدۡ

(اے نبی!) جن لوگوں نے کفر کیا، ان سے کہہ دیجیے: عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور تم جہنم کی طرف اکٹھے کیے (ہانکے) جاؤ گے اور وہ برا ٹھکانا

كَانَ لَكُمۡ اٰيَةٌ فِىۡ فِئَتَيۡنِ الۡتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَاُخۡرٰى كَافِرَةٌ

ہے⑫ تحقیق تمھارے لیے ان دو گروہوں میں ایک بڑی نشانی ہے جو (بدر میں) باہم ٹکرائے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ

يَّرَوۡنَهُمۡ مِّثۡلَيۡهِمۡ رَاۡىَ الۡعَيۡنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصۡرِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ

کافر تھا۔ مسلمان ظاہری آنکھوں سے اُن کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے اور اللہ اپنی مدد سے جس کو چاہتا ہے قوت دیتا ہے، بے شک اس میں

لَعِبۡرَةً لِّاُولِى الۡاَبۡصَارِ ⑬

بصیرت والوں کے لیے عبرت ہے⑬

یعنی اس کی پکڑ بہت سخت اور اس کا عذاب بہت دردناک ہے، کوئی اس سے بچ نہیں سکتا اور نہ کوئی چیز اس سے مخفی رہ سکتی ہے، وہ جو ارادہ فرمائے اسے کر گزرتا ہے، وہ ہر چیز پر غالب ہے، ہر چیز اس کی مطیع فرمان ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار۔

تفسیر آیات:13,12

یہود کو مغلوب ہونے کی ترہیب اور غزوۂ بدر سے عبرت حاصل کرنے کی ترغیب: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! آپ کافروں سے کہہ دیں: ﴿سَتُغۡلَبُوۡنَ﴾ ”تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے۔“ یعنی دنیا میں ﴿وَتُحۡشَرُوۡنَ﴾ ”اور اکٹھے کیے جاؤ گے۔“ یعنی قیامت کے دن ﴿اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ⑫﴾ ”جہنم کی طرف اور وہ بری جگہ ہے۔“

محمد بن اسحاق بن یسار نے عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنگ بدر کے حالات وواقعات سے فارغ ہونے کے بعد جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے بنوقینقاع کے بازار میں یہودیوں کو جمع کیا اور فرمایا: اے یہودیو! مسلمان ہو جاؤ کہ کہیں تمھیں بھی قریشیوں کی سی سزا اور ذلت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ انھوں نے جواب دیا: اے محمد (ﷺ)! تو ہمیں اپنے ساتھیوں کی طرح خیال کرتا ہے اور تجھے وہ معرکہ گھمنڈ میں نہ ڈال دے جس میں تو نے فنونِ جنگ سے نابلد چند لوگوں کو ہرا دیا تھا، یہ تو تجھے ان کے مقابلے میں ایک موقع مل گیا تھا۔ اللہ کی قسم! اگر ہم سے لڑائی ہوئی تو بتا دیں گے کہ ہم جنگجو ہیں۔ اور ہم جیسوں سے تو نے کبھی پنجہ آزمائی نہ کی ہوگی، تو اللہ تعالیٰ نے ﴿قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَتُغۡلَبُوۡنَ وَتُحۡشَرُوۡنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ⑫﴾ تا ﴿اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِى الۡاَبۡصَارِ ⑬﴾ آیات نازل فرما دیں۔[1]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قَدۡ كَانَ لَكُمۡ اٰيَةٌ﴾ ”تحقیق تمھارے لیے (اللہ کی قدرت کی عظیم الشان) نشانی تھی۔“ یعنی یہودیو! تم نے جو کچھ کہا اس میں بھی اللہ کی قدرت کی ایک عظیم الشان نشانی تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرنے والا، اپنے رسول کی مدد کرنے والا، اپنے کلمے کو ظاہر کرنے والا اور اپنے امر کو سربلند کرنے والا ہے۔ ﴿فِىۡ فِئَتَيۡنِ﴾ ”دو گروہوں

[1] تفسیر الطبری:261/3 و السیرۃ النبویۃ لابن ھشام ، أمر بنی قینقاع:50/3.

میں۔'' ﴿ اِلْتَقَتَا ؕ ﴾ ''جو آپس میں ٹکرائے۔'' یعنی لڑائی کے لیے ﴿ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا۔'' اور وہ مسلمانوں کا گروہ تھا۔ ﴿ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ ﴾ ''اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا۔'' اس سے مراد مشرکین قریش ہیں جنھوں نے بدر میں مسلمانوں سے لڑائی کی تھی۔[1]

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ ﴾ ''وہ ان کو اپنی (ظاہری) آنکھوں سے اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔'' یعنی مشرکین جنگ بدر کے دن مسلمانوں کو اپنے سر کی آنکھوں سے اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔ اور اس طرح مسلمانوں کی تعداد کے دیکھنے کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی فتح و نصرت کا سبب بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ ﴾ کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ مسلمان کافروں کو تعداد میں اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انھیں کافروں پر فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے مشرکوں کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ وہ ہم سے دوگنا ہیں اور ہم نے پھر انھیں دیکھا تو یوں نظر آیا کہ تعداد میں ہمارے برابر ہیں، ان میں ایک آدمی بھی زیادہ نہیں ہے۔ یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ ﴾ (الأنفال 44:8) ''اور اس وقت جب تم ایک دوسرے کے مدمقابل ہوئے تو کافروں کو تمھاری نظروں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا اور تم کو ان کی نگاہوں میں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا۔''[2]

ابو اسحاق ابو عبیدہ سے اور وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کافر ہماری نظروں میں بہت تھوڑے کر کے دکھائے گئے حتی کہ میں نے اپنے پاس کھڑے ایک شخص سے پوچھا کیا کافروں کی تعداد ستر (70) ہوگی؟ اس نے کہا کہ میرے خیال میں ایک سو ہوں گے۔ اور ہم نے جب ان کے ایک قیدی سے یہ پوچھا کہ تمھاری تعداد کتنی تھی؟ تو اس نے بتایا کہ ایک ہزار۔[3]

جب دونوں میں سے ہر ایک گروہ نے دوسرے کو دیکھا تو مسلمانوں نے دیکھا کہ مشرک تعداد میں ان سے دوگنا ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں، اسی کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اسی کی ذات گرامی سے مدد طلب کریں۔ اسی طرح مشرکوں نے بھی مسلمانوں کو اپنی تعداد سے دوگنا دیکھا تاکہ ان کے دلوں میں رعب و خوف اور جزع و فزع پیدا ہو جائے، پھر جب معرکہ آرائی شروع ہوئی اور دونوں گروہ ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک گروہ کو دوسرے کی نظر میں کم کر کے دکھایا تاکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے پر حملہ آور ہو جائے۔ ﴿ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ ﴾ (الأنفال 44:8) ''تاکہ اللہ کو جو کام کرنا منظور تھا اسے کر ڈالے۔'' یعنی حق و باطل میں فرق کر دے، کلمۂ ایمان کو کفر و طغیان پر غلبہ عطا فرمائے، مومنوں کو عزت و سربلندی سے نوازے اور کافروں کو ذلت و رسوائی سے دوچار کر دے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ ﴾ (آل عمران 123:3) ''اور تحقیق اللہ نے جنگ بدر میں بھی تمھاری مدد کی تھی اور اس وقت تم بے سروسامان تھے۔''

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:605/2. [2] تفسیر الطبری:265/3. [3] تفسیر الطبری:269/3.

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ

لوگوں کے لیے خواہشات نفس کی محبت مزین (پرکشش) کر دی گئی ہے، یعنی عورتوں سے، بیٹوں سے، سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے

وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ

ڈھیروں سے، نشان لگے (عمدہ) گھوڑوں سے، مویشیوں سے اور کھیتی سے، یہ سب دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور اچھا ٹھکانا اللہ ہی کے

عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿14﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ

پاس ہے ﴿14﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: کیا میں تمھیں ان سے بہتر چیز بتاؤں؟ پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی

جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ

ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور انھیں اللہ کی رضا حاصل ہوگی اور اللہ اپنے بندوں پر

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿15﴾ ۚ

خوب نظر رکھنے والا ہے ﴿15﴾

اور یہاں فرمایا ہے: ﴿وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿13﴾﴾ ”اور اللہ اپنی نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے بے شک بصیرت والوں کے لیے اس (واقعے) میں بڑی عبرت ہے۔“ یعنی اس واقعے میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جس میں بصیرت وفہم ہو جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور افعال تک رہنمائی حاصل کر سکے اور اللہ تعالیٰ کی اس جاری وساری تقدیر کو معلوم کر سکے کہ وہ اپنے مومن بندوں کی اس دنیا کی زندگی میں بھی مدد فرماتا ہے اور آخرت میں بھی انھیں اپنی مدد اور رحمت سے نوازے گا۔

تفسیر آیات:15,14

دنیا کی زندگی کا بیان: یہاں اللہ تعالیٰ ان چیزوں کا ذکر فرما رہا ہے جو لوگوں کے لیے دنیا کی اس زندگی میں مزین کر دی گئیں اور ان کا مختلف لذتوں اور نعمتوں سے تعلق ہے۔ ان میں سے سب سے پہلے عورتوں کا ذکر کیا کیونکہ عورتوں کا فتنہ سب سے زیادہ شدید ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: [مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ] ”میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ ہو۔“[1]

اور اگر عورتوں سے مقصود عفت و پاکدامنی اور کثرت اولاد کا حصول ہو تو یہ بات مطلوب ومرغوب اور پسندیدہ ہے جیسا کہ احادیث میں نکاح اور کثرت اولاد کی ترغیب دی گئی ہے، مثلاً: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: [فَإِنَّ خَيْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ كَانَ أَكْثَرَهَا نِسَاءً] ”اس امت کے بہترین لوگ وہ ہوں گے جن کی عورتیں زیادہ ہوں گی۔“[2] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَّخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ]، [إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ ، وَإِذَا أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ، وَإِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ]

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب ما يتقى من شؤم المرأة ......، حديث:5096 عن أسامة بن زيد رضی اللہ عنہ. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب كثرة النساء، حديث:5069 موقوفًا. ومسند أحمد:231/1 واللفظ له.

فِي نَفْسِهَا وَمَا لِهِ] ”دنیا ساز وسامان ہے اور دنیا کا بہترین سامان وہ نیک بیوی ہے، جب اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے، اگر اسے حکم دے تو اس کی اطاعت بجالائے اور اگر وہ اس سے غائب ہو تو یہ اپنے نفس اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔“[1] ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا: [حُبِّبَ إِلَيَّ النِّسَاءُ وَالطِّيبُ وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ] ”عورتوں اور خوشبو سے مجھے محبت ہے اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔“[2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبت عورتوں کے علاوہ گھوڑوں سے تھی۔[3]

بیٹوں سے محبت کبھی تو فخر اور زینت کے لیے ہوتی ہے اور اس کا یہی وہ پہلو ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ اور کبھی محبت اس لیے ہوتی ہے تا کہ نسل انسانی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ان لوگوں میں اضافہ کیا جائے جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں، چنانچہ یہ محبت قابل تعریف اور قابل ستائش ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ، فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ] ”زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جنم دینے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ (قیامت کے دن) تمھاری کثرت کی وجہ سے میں امتوں پر فخر کروں گا۔“[4]

اسی طرح مال کی محبت کبھی فخر، غرور، کمزوروں پر تکبر اور فقیروں پر ظلم کے لیے ہوتی ہے تو یہ محبت مذموم ہے۔ اور کبھی یہ محبت اس لیے ہوتی ہے کہ مال کو تقرب الٰہی کے حصول، صلہ رحمی اور نیکی وتقویٰ کے دیگر کاموں میں خرچ کیا جائے۔ تو یہ محبت شرعاً قابل تعریف اور قابل ستائش ہے۔

قنطار ”خزانے کا ڈھیر“ کی مقدار کے بارے میں مفسرین میں اختلاف ہے اور اس کے بارے میں کئی اقوال ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بہت زیادہ مال کو عربی میں قِنطَار کہا جاتا ہے جیسا کہ امام ضحاک وغیرہ نے فرمایا ہے۔[5]

گھوڑے سے محبت کی تین قسمیں ہیں: (1) گھوڑوں والے کبھی تو انھیں اللہ کی راہ کے لیے تیار رکھتے ہیں اور جب ضرورت پیش آئے تو گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کرتے ہیں تو ان لوگوں کو گھوڑے پالنے کی وجہ سے اجر وثواب ملتا ہے۔ (2) کچھ لوگ اہل اسلام سے دشمنی اور ان پر فخر کرنے کے لیے گھوڑے پالتے ہیں، انھیں گھوڑے پالنے کی وجہ سے گناہ ہوتا ہے اور (3) کچھ لوگ معاش کمانے اور گھوڑوں کی نسل کے بقا کے لیے انھیں پالتے ہیں اور ان کے بارے میں اللہ کے حق کو بھی فراموش نہیں کرتے تو یہ گھوڑے اپنے مالکان کے لیے ستر پوشی کا کام دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس سلسلے میں ایک حدیث کو بھی ارشاد

---

① ابتدائی حصہ صحیح مسلم، الرضاع، باب خیرمتاع الدنیا المرأة الصالحة، حدیث:1469 وسنن ابن ماجه، النکاح، باب أفضل النساء، حدیث:1855 عن عبداللّٰہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور آخری حصہ سنن أبي داود، الزکاة، باب فی حقوق المال، حدیث:1664 وسنن ابن ماجه، النکاح ، باب أفضل النساء، حدیث:1857 عن ابن عباس و أبی أمامة رضی اللہ عنہم میں ہے۔ ② سنن النسائي، عشرة النساء، باب حب النساء، حدیث:3392 ومسند أحمد:128/3 عن أنس رضی اللہ عنہ۔ ③ سنن النسائي، عشرة النساء، باب حب النساء، حدیث:3393 عن أنس رضی اللہ عنہ۔ ④ سنن أبي داود، النکاح، باب النهی عن تزویج من لم یلد من النساء، حدیث:2050 عن معقل بن یسار رضی اللہ عنہ۔ ⑤ تفسیر الطبری:274/3.

باری تعالیٰ: ﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ ﴾ (الأنفال 60:8) کی تفسیر میں ذکر کیا جائے گا۔

﴿ الْمُسَوَّمَةِ ﴾ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد چرنے والے، موٹے تازے اور خوبصورت (گھوڑے) ہیں۔ ① مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ، سُدّی، ربیع بن انس اور ابوسنان وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ② مکحول فرماتے ہیں کہ اس سے مراد پانچ کلیاں گھوڑے ہیں۔ ③ اس سلسلے میں اور اقوال بھی ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَيْسَ مِنْ فَرَسٍ عَرَبِيٍّ إِلَّا يُؤْذَنُ لَهُ مَعَ كُلِّ فَجْرٍ يَدْعُو بِدَعْوَتَيْنِ يَقُولُ: اللّٰهُمَّ! إِنَّكَ خَوَّلْتَنِي مَنْ خَوَّلْتَنِي مِنْ بَنِي آدَمَ ، فَاجْعَلْنِي مِنْ أَحَبِّ أَهْلِهِ وَمَالِهِ إِلَيْهِ ، أَوْ أَحَبَّ أَهْلِهِ وَمَالِهِ إِلَيْهِ] ''ہر عربی گھوڑے کو صبح کے وقت دو دعائیں کرنے کی اجازت دی جاتی ہے تو وہ یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! تو نے انسانوں میں سے جسے بھی میرا مالک بنایا ہے تو مجھے اس کے سب سے پسندیدہ اہل اور مال میں سے بنا دے یا یہ کہا کہ مجھے اس کا سب سے زیادہ پسندیدہ اہل و مال بنا دے۔'' ④

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَالْاَنْعَامِ ﴾ ''اور مویشی'' یعنی اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریاں وغیرہ ﴿ وَالْحَرْثِ ﴾ ''اور کھیتی'' یعنی زراعت و کاشت کاری کے لیے استعمال کی جانے والی زمین، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ''یہ سب دنیا کی زندگی کے سامان ہیں۔'' یعنی یہ تو دنیا کی زندگی کی سج دھج اور اس کی فانی اور زوال پذیر ہو جانے والی زینت ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ⑭ ﴾ ''اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہے۔'' اچھا ٹھکانا بھی ہے اور اچھا اجر و ثواب بھی ہے۔

پرہیزگاروں کی جزا دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے: اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ﴾ ''(اے پیغمبر! ان سے) کہہ دیجیے: کیا میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو ان چیزوں سے کہیں اچھی ہو؟'' یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں سے کہہ دیجیے بھلا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلاؤں جو دنیا کی رعنائی و زیبائی اور یقینی طور پر زوال پذیر ہو جانے والی ان نعمتوں سے کہیں اچھی ہے جو لوگوں کو بڑی زینت اور باعث کشش معلوم ہوتی ہیں؟ پھر اس کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ''(سنو!) جو لوگ پرہیزگار ہیں ان کے لیے اللہ کے ہاں باغات (بہشت) ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔'' یعنی ان باغات بہشت کے اطراف و اکناف میں مختلف قسم کے مشروبات شہد، دودھ، شراب اور پانی وغیرہ کی نہریں رواں دواں ہیں اور یہ جنت کی ان نعمتوں میں سے ہیں جنھیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور کسی انسان کے دل میں ان کا تصور تک نہیں آ سکتا۔ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ ''ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔'' یعنی ابد الآباد تک اور ان سے نکل کر کہیں اور جانے کا ان کے دل میں کبھی خیال تک بھی نہ آئے گا۔ ﴿ وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ﴾ ''اور پاکیزہ عورتیں ہیں۔'' جو کہ میل کچیل، بول و براز اور حیض و نفاس جیسی ان تمام نجاستوں سے پاک ہیں جو دنیا کی

① تفسیر ابن أبی حاتم: 610/2. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 610/2 و تفسیر الطبری: 275/3. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 611/2. ④ مسند أحمد: 170/5 و سنن النسائی ، الخیل ، باب دعوۃ الخیل ، حدیث: 3609.

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ⑯ اَلصّٰبِرِيْنَ

جولوگ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! بے شک ہم ایمان لائے، پس تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا⑯ (یہ لوگ) صبر کرنے

وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ⑰

والے، سچ بولنے والے، حکم بجالانے والے، خرچ کرنے والے اور سحری کے اوقات میں بخشش طلب کرنے والے ہیں⑰

عورتوں کو پیش آتی ہیں۔

﴿ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''اور (سب سے بڑھ کر) اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ انھیں اپنی خوشنودی سے سرفراز فرمائے گا اور کبھی بھی ان سے ناراض نہ ہوگا۔ اسی لیے سورۂ براءت کی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾ (التوبۃ 9:72) ''اور اللہ کی رضا مندی تو سب سے بڑھ کر (نعمت) ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں جن ابدی وسرمدی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہوگا، ان میں سے سب سے بڑی نعمت اللہ کی رضا مندی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ⑮ ﴾ ''اور اللہ (اپنے نیک) بندوں کو دیکھ رہا ہے۔'' اور ہر ایک کو اس نعمت سے سرفراز فرمائے گا جس کا وہ مستحق ہے۔

تفسیر آیات: 17,16

پرہیزگاروں کی دعا اور ان کی صفات: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ان پرہیزگار بندوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمارہا ہے جن سے اس نے بے پایاں اجر وثواب کا وعدہ فرما رکھا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا ﴾ ''وہ جو اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! بے شک ہم ایمان لائے۔'' یعنی تیری ذات گرامی پر اور تیری کتاب اور تیرے رسول پر ﴿ فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا ﴾ ''لہٰذا تو ہمارے گناہ معاف فرما۔'' یعنی تیری ذات پاک کے ساتھ اور جن کے ساتھ تو نے حکم دیا ہے، ہم ایمان لے آئے ہیں، لہٰذا تو اپنے فضل وکرم اور رحمت کے ساتھ ہمارے گناہوں اور غلطیوں کو معاف فرما دے ﴿ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ⑯ ﴾ ''اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔''

اور فرمایا: ﴿ اَلصّٰبِرِيْنَ ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جو (مشکلات میں) صبر کرتے ہیں۔'' یعنی اطاعات کے بجالانے میں اور محرمات کے ترک کرنے میں صبر کرتے ہیں۔ ﴿ وَالصّٰدِقِيْنَ ﴾ ''اور سچ بولتے ہیں۔'' یعنی اپنے ایمان کے بارے میں اور اعمال شاقہ کے بجالانے کے بارے میں انھوں نے جو کچھ کہا اس میں یہ بالکل سچے ہیں۔ ﴿ وَالْقٰنِتِيْنَ ﴾ ''اور حکم کی بجا آوری کرتے ہیں۔'' قنوت کے معنی اطاعت اور خضوع کے ہیں۔ ﴿ وَالْمُنْفِقِيْنَ ﴾ ''اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی اپنے مالوں کو وہ اطاعت کی ان تمام صورتوں میں جن کا انھیں حکم دیا گیا ہے، صلہ رحمی اور قرابت داری میں، ضرورتوں کے پورا کرنے اور ضرورت مند کی ہمدردی وغم گساری میں خرچ کرتے ہیں۔

﴿ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ⑰ ﴾ ''اور اوقاتِ سحر میں (گناہوں کی) معافی مانگا کرتے ہیں۔'' یہ آیت کریمہ اوقاتِ سحر میں توبہ واستغفار کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب اپنے بیٹوں سے یہ کہا تھا: ﴿ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ﴾ (یوسف 12:98) ''میں عنقریب اپنے پروردگار سے تمھارے لیے بخشش مانگوں گا۔'' انھوں نے اپنی دعا

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ

اللہ نے گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، فرشتوں اور اہل علم نے بھی (گواہی دی ہے) درآں حالیکہ وہ انصاف کے ساتھ قائم ہے، اس کے سوا

اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿18﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

النصف

کوئی معبود نہیں، وہ غالب ہے، خوب حکمت والا ﴿18﴾ بے شک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ اور اہل کتاب نے (صحیح) علم آ جانے کے بعد

الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ

صرف اس لیے اختلاف کیا کہ وہ باہم ضد اور حسد رکھتے تھے اور جو کوئی اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے تو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿19﴾

اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿19﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ

(اے نبی!) پھر اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو کہہ دیجیے: میں نے اپنا سر اللہ کے آگے جھکا دیا ہے اور میری اتباع کرنے والوں نے بھی، اور ان اہل

لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے پوچھیں: کیا تم اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر منہ موڑیں تو آپ کے ذمے صرف

ع 2 11 10

عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿20﴾ ع

پیغام پہنچانا ہے، اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿20﴾

کو وقتِ سحر تک مؤخر کر دیا تھا۔

صحیحین، مسانید اور سنن میں کئی سندوں سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَنزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلٰى سَمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ ، يَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ ؟ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ؟ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ؟] ''اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر اس وقت نزول فرماتا ہے جب رات کا آخری ثلث باقی رہ جاتا ہے اور فرماتا ہے: کون دعا کرنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون مجھ سے مانگنے والا ہے کہ میں اسے دوں؟ ہے کوئی اپنے گناہوں کی معافی مانگنے والا کہ میں اسے معاف کر دوں؟''[1]

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: [مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ قَدْ أَوْتَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ وَ أَوْسَطِهِ وَآخِرِهِ ، فَانْتَهٰى وِتْرُهُ إِلَى السَّحَرِ] ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے پہلے، درمیانی اور آخری ہر حصے میں وتر پڑھے ہیں، آپ نے وتروں کو سحر تک ادا فرمایا ہے۔''[2] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو نماز ادا فرماتے تو کہتے: اے نافع! کیا ہم وقت

① صحيح البخاري، التهجد، باب الدعاء والصلاة من آخر الليل،حديث:1145و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في الدعاء والذكر في آخر الليل والإجابة فيه، حديث:758 وسنن أبي داود، السنة، باب في الرد على الجهمية، حديث:4733 و جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في نزول الرب تبارك وتعالى......،حديث:446 عن أبي هريرة رضي الله عنه. وصحيح مسلم ،حديث:(172)-758 عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه. وسنن ابن ماجه ، إقامة الصلوات ، باب ماجاء في أي ساعات ......، حديث:1367عن رفاعة الجهني رضي الله عنه. ومسند أحمد:81/4عن جبير بن مطعم رضي الله عنه. و مسند أحمد:388/1 عن ابن مسعود رضي الله عنه. ② صحيح البخاري ، الوتر، باب ساعات الوتر ، حديث:996 و صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ في الليل ......، حديث:(137)-745 واللفظ له.

سحر میں داخل ہو گئے ہیں؟ وہ (نافع) کہتے: نہیں، ابن عمر دوبارہ نماز شروع کر دیتے جب میں کہتا: ہاں! سحر ہو گئی ہے تو وہ دعا اور استغفار میں مصروف ہو جاتے حتی کہ صبح ہو جاتی۔ ①

تفسیر آیات:18-20

شہادتِ توحید: اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے اور اللہ ہی کافی شاہد ہے اور وہ شہادت دینے والوں میں سب سے سچا، سب سے عادل اور سب سے زیادہ سچی بات فرمانے والا ہے۔ ﴿ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ ''(اللہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے) کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' وہ تمام مخلوقات کے لیے الوہیت میں متفرد ہے۔ تمام اس کے بندے، مخلوق اور اس کے محتاج ہیں جبکہ وہ سب سے بے نیاز ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اِلَيْكَ ﴾ (النسآء4:166) ''لیکن اللہ نے جو (کتاب) آپ پر نازل کی ہے اس کی نسبت اللہ گواہی دیتا ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور اصحابِ علم کی گواہی کو بھی اپنی گواہی کے ساتھ ہی ملایا اور فرمایا ہے: ﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ ﴾ ''اللہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے لوگ بھی (گواہی دیتے ہیں۔)''

اس مقام پر علماء کی یہ ایک عظیم خصوصیت ہے۔ اور ﴿ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ ﴾ ''وہ (اللہ) انصاف کے ساتھ قائم ہے۔'' یعنی وہ تمام احوال میں اسی طرح ہے۔ ﴿ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ ''اس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں۔'' یہ سابقہ بات کی تاکید ہے۔ ﴿ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ ''وہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔'' یعنی وہ اس قدر غالب ہے کہ عظمت و کبریائی میں اس کی جناب کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور وہ اپنے تمام اقوال و افعال اور شرع و قدر میں حکمت والا ہے۔

دین اسلام ہی ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ ''بے شک دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اسلام کے سوا کسی اور دین کو قبول نہیں فرمائے گا اور اسلام یہ ہے کہ ان تمام رسولوں کی اتباع کی جائے جنھیں اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات میں مبعوث فرمایا تھا حتی کہ ان کے سب سے آخر میں اس نے خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور حضرت محمد ﷺ کے راستے کے سوا اپنے تک پہنچنے کے تمام راستوں کو بند کر دیا، لہٰذا حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بعد کوئی آپ کے دین و شریعت کے سوا کسی اور دین و شریعت کے ساتھ اللہ کے پاس جائے گا تو وہ اس سے ہرگز قابلِ قبول نہ ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ ﴾ (آل عمران3:85) ''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ دین صرف اور صرف اسلام ہے۔ ﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ ''بے شک دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں کو پہلے کتاب دی گئی تھی تو انھوں نے رسولوں کی بعثت اور کتابوں کے نزول کی حجت پوری ہونے کے بعد اختلاف کیا، پس فرمایا: ﴿ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ ﴾

---

① تفسیر ابن أبي حاتم: 616/2.

''اور اہل کتاب نے جو (اس دین سے) اختلاف کیا تو علم حاصل ہونے کے بعد آپس کی ضد سے کیا۔'' یعنی بعض نے بعض سے ضد کی اور حسد، بغض اور دشمنی کی وجہ سے حق میں اختلاف کیا۔ بعض کو بعض کے بغض نے اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اس کے تمام اقوال وافعال میں اس کی مخالفت کرنے لگے، خواہ وہ حق ہی ہوں، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ ''اور جو شخص اللہ کی آیتوں کو نہ مانے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو نازل فرمایا ہے اس کا انکار کرے ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ⑲ ﴾ ''تو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اسے اس کے بدلے میں سزا دے گا اور اپنی تکذیب پر اس کا محاسبہ فرمائے گا اور اپنی کتاب کی مخالفت پر سزا دے گا۔

پھر اللہ نے فرمایا: ﴿ فَاِنْ حَاجُّوْكَ ﴾ ''(اے پیغمبر!) پھر اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑنے لگیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید میں جھگڑا کریں ﴿ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ ﴾ ''تو کہنا کہ میں اور میرے پیرو تو اللہ کے فرمانبردار ہو چکے۔'' میں تو اس اللہ وحدہ لاشریک ہی کی خالص عبادت کرتا ہوں جس کا کوئی ساجھی نہیں جس کا کوئی بیٹا اور جس کی کوئی بیوی نہیں۔ ﴿ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ ﴾ یعنی جنھوں نے میرے دین کو قبول کر لیا ہے وہ بھی وہی بات کہتے ہیں جو میں کہتا ہوں۔ یہ آیت کریمہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ ﴾ (یوسف 12:108) ''(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے! میرا رستہ تو یہی ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور وہ لوگ جنھوں نے میری اتباع کی، بصیرت پر ہیں۔''

اسلام سب لوگوں کا دین ہے اور نبی ﷺ کو سب کی طرف مبعوث کیا گیا ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد اور رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ اہل کتاب کی دونوں ملتوں یہود و نصاریٰ اور ان پڑھ مشرکوں کو اپنے طریقہ و دین اور شریعت میں داخل ہونے کی دعوت دیں، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ ﴾ ''اور اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہیں کہ کیا تم (اللہ کے فرمانبردار بنتے اور) اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو تحقیق ہدایت پا گئے اور اگر (آپ کا کہا) نہ مانیں تو آپ کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ کے ذمے ان کا حساب ہے۔ اور اسی کی طرف ان سب کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ جس کو چاہتا ہدایت عطا فرماتا اور جس کو چاہتا گمراہ کر دیتا ہے اور اس کے تمام کام حکمت و مصلحت پر مبنی ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ⑳ ﴾ ''اور اللہ (اپنے) بندوں کو دیکھ رہا ہے۔'' اور وہ جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے اور ضلالت کا مستحق کون؟ اور اس کی شان یہ ہے: ﴿ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ ﴾ (الأنبیاء 21:23) ''وہ جو کام کرتا ہے اس کی بابت اس سے پرسش نہیں ہوگی اور (جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اس کی) ان سے پرسش ہوگی۔'' اور یہ بھی اسی کی حکمت و رحمت کا تقاضا ہے۔

یہ اور اس طرح کی دیگر آیات کریمہ اس بات کی صریح دلیل ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کو ساری کائنات کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے جیسا کہ آپ کے دین سے یہ بات بداہۃً معلوم ہے اور کتاب و سنت کے بے شمار دلائل سے یہ ثابت ہے، مثلاً:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ

بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں، نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں جو انصاف کا حکم

بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿21﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا

دیتے ہیں تو آپ انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے ﴿21﴾ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے اور ان

وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿22﴾

کا کوئی مددگار نہیں ﴿22﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ﴾ (الأعراف 158:7) ’’(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ ﴾ (الفرقان 1:25) ’’وہ (اللہ عزوجل) بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان (قرآن) نازل فرمایا تاکہ وہ جہان والوں کے لیے ڈرانے والا بنے۔‘‘

صحیح بخاری ومسلم اور دیگر کتب حدیث میں حدتواتر تک پہنچی ہوئی احادیث ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دنیا کے بادشاہوں اور مختلف انسانی گروہوں، یعنی عرب وعجم، اہل کتاب اوران پڑھ لوگوں کو خطوط لکھ کر دعوت الی اللہ دی تاکہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت بجالائیں۔[1] امام عبدالرزاق نے معمر سے انھوں نے ہمّام سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ ! لَا یَسْمَعُ بِی أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ یَهُودِیٌّ وَّ لَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ یَمُوتُ وَ لَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِی أُرْسِلْتُ بِهٖ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ] ’’اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اس امت میں سے اگر کوئی بھی یہودی یا عیسائی میرے بارے میں سنے اور اس دین پر ایمان نہ لائے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے تو وہ جہنمی ہوگا۔‘‘[2] اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے: [وَ بُعِثْتُ إِلَی الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ] ’’مجھے ہر سرخ وسیاہ کی طرف بھیجا گیا ہے۔‘‘[3] نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: [كَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ إِلٰی قَوْمِهٖ خَاصَّةً ، وَّبُعِثْتُ إِلَی النَّاسِ عَامَّةً] ’’ہر نبی کو خاص اسی کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔‘‘[4]

تفسیر آیات: 22,21

[1] صحیح البخاری، بدء الوحی، باب کیف کان بدءُ الوحی إلی رسول اللهﷺ......، حدیث:7 عن أبی سفیانؓ. و صحیح مسلم، الجهاد، باب: کتب النبیﷺ إلی هرقل ملك الشام......، حدیث:1774,1773 عن أنسؓ. و صحیح البخاری، العلم، باب مایذکر فی المناولة......، حدیث:65,64 عن أنسؓ. والطبقات الکبری لابن سعد:258/1 ودلائل النبوة للبیهقی:376/4 وتاریخ الطبری:288/2. [2] صحیح مسلم، الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة نبینا محمدﷺ......، حدیث:153. [3] مسند أحمد:145/5 عن أبی ذرؓ. [4] صحیح البخاری، التیمّم، باب:1، حدیث: 335 عن جابر بن عبداللهؓ.

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب (کے علم) میں سے کچھ حصہ ملا، انھیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ

ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿23﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ

کرے، پھر ان میں سے ایک گروہ منہ موڑ لیتا ہے اور وہ (حق سے) پھرنے والے ہیں ﴿23﴾ یہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے کہا: ہمیں آگ چند دنوں کے

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿24﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ

سوا ہرگز نہیں چھوئے گی۔ اور ان کو ان کے دین کی بابت ان باتوں نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے جو وہ خود گھڑتے ہیں ﴿24﴾ پھر کیا حال ہوگا جب ہم انھیں

لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿25﴾

اس دن جمع کریں گے جس میں کوئی شک نہیں اور (اس روز) ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿25﴾

کفر اور انبیاء وصالحین کو قتل کرنے کی وجہ سے یہودیوں کی مذمت: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل کتاب کی مذمت ہے کہ انھوں نے زمانۂ قدیم وجدید میں ان آیات الٰہی کی تکذیب کر کے جنھیں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے ان تک پہنچایا تھا، گناہوں اور محرمات کا ارتکاب کیا اور یہ سب کچھ انھوں نے تکبر، عناد، حق سے دشمنی اور حق کی اتباع سے انکار کے پیش نظر کیا تھا، پھر انھوں نے بغیر کسی سبب اور گناہ کے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے مقدس خون سے ہولی کھیلنے سے بھی اس وقت دریغ نہ کیا جب انھوں نے اللہ کی شریعت کو ان تک پہنچایا تھا۔ اس کے سوا ان کا اور کوئی جرم نہ تھا کہ وہ حق کے داعی تھے۔ ﴿وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ﴾ ''اور جو انصاف کا حکم دیتے ہیں انھیں بھی مار ڈالتے ہیں۔'' یہ تکبر کی انتہا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ] ''تکبر حق کو ہٹ دھرمی سے نہ ماننا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔''[1] یہی وجہ ہے کہ انھوں نے تکبر کا اظہار کرتے ہوئے جب حق سے منہ موڑا اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو حقیر سمجھا تو اللہ تعالیٰ نے بھی انھیں دنیا میں ذلت ورسوائی سے اور آخرت میں رسوا کن عذاب سے دوچار کر دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿21﴾﴾ یعنی ان کو دکھ دینے والے اور ذلیل ورسوا کر دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿22﴾﴾ ''یہ ایسے لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہیں (ہوگا۔)''

تفسیر آیات:23-25

اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے نہ کرنے کی وجہ سے اہل کتاب کی مذمت: اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں جو بزعم خود اپنی دونوں کتابوں، یعنی تورات وانجیل کے مطابق عمل پیرا تھے کہ جب انھیں یہ دعوت دی جاتی کہ ان دونوں کتابوں کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور حضرت محمد ﷺ کی اتباع کرو تو یہ تورات وانجیل سے منہ پھیرتے ہوئے اعراض کرتے ہیں۔ اس میں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت وعناد کے حوالے سے ان کے ذکر کرنے میں ان

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم الكبر و بيانه، حديث:91 عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه.

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ

آپ کہہ دیجیے: اے اللہ! اے بادشاہی کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دیتا ہے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لیتا ہے اور تو ہی جسے

تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿26﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي

چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت دیتا ہے۔ سب بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿26﴾ تو رات

النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۫

کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو مردے سے زندے کو اور زندے سے مردے کو نکالتا ہے اور جسے تو چاہے

وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿27﴾

بے حساب رزق دیتا ہے ﴿27﴾

کی حد درجے مذمت کی گئی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ﴾ ''یہ اس لیے کہ یہ اس بات کے قائل ہیں کہ (دوزخ کی) آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی۔'' یعنی حق کی مخالفت پر اس بات نے انھیں آمادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کرتے ہوئے اپنے لیے یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ دنیا کے ایک ہزار سال کے عوض ایک دن کے حساب سے انھیں کل سات دن تک جہنم میں عذاب دیا جائے گا جیسا کہ قبل ازیں سورۂ بقرہ میں اس کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے۔ [1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿24﴾ ﴾ ''اور جو کچھ یہ دین کے بارے میں بہتان باندھ رہے ہیں اس نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔'' یعنی ان کے اس فاسد گمان نے انھیں اپنے اس باطل دین پر ثابت قدم رکھا جس کے ساتھ انھوں نے اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہوئے یہ کہا کہ ان کے گناہوں کی وجہ سے جہنم کی آگ انھیں صرف چند دن تک چھوئے گی، حالانکہ انھوں نے اس افترا پردازی کو از خود ایجاد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ ''تو اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ان کو جمع کریں گے (یعنی) اس روز جس (کے آنے) میں کچھ بھی شک نہیں۔'' یعنی ان کا کیا حال ہوگا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے، اس کے رسولوں کی تکذیب کی ہے، انبیاء وعلماء کو قتل کیا ہے جو کہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے ان سب باتوں کے بارے میں پوچھے گا، ان کا محاسبہ کرے گا اور انھیں سزا دے گا۔ اسی لیے تو فرمایا ہے: ﴿ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ ''تو اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ان کو جمع کریں گے (یعنی) اس روز جس (کے آنے) میں کچھ بھی شک نہیں۔'' یعنی اس کے وقوع پذیر ہونے میں کچھ شک نہیں۔ ﴿ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿25﴾ ﴾ ''اور ہر نفس اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

تفسیر آیات: 27,26

[1] دیکھیے آیت: 80 کے ذیل میں۔

شکر کی طرف رہنمائی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلِ ﴾ (اے نبی ﷺ!) آپ اپنے رب کی تعظیم بجالاتے ہوئے، اس کا شکر ادا کرتے ہوئے، اپنے آپ کو اس کے سپرد کرتے ہوئے اور اس کی ذات گرامی پر توکل کرتے ہوئے کہہ دیجیے: ﴿ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ ﴾ ''اے اللہ! (اے) بادشاہی کے مالک!'' یعنی ساری بادشاہت تیرے ہی لیے ہے۔ ﴿ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ ﴾ ''تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔'' یعنی تو ہی دینے والا ہے اور تو ہی محروم کردینے والا ہے، تو ہی جو چاہے وہ ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔

اس آیت کریمہ میں اس طرف توجہ مبذول کروائی گئی اور رہنمائی فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ اور اس امت کو جس نعمت سے سرفراز فرمایا ہے اس کا شکر بجالانا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو بنی اسرائیل سے اپنے نبی عربی، قُرشی، مکی کی طرف منتقل کردیا ہے جو علی الاطلاق خاتم الانبیاء ہیں جو تمام انسانوں اور جنوں کی طرف اللہ کے رسول ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تمام انبیاء کے محاسن کو جمع فرمادیا اور ایسے ایسے خصائص سے سرفراز فرمایا جو سابقہ انبیاء اور رسولوں میں سے کسی کو بھی عطا نہیں کیے گئے آپ کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی شریعت کا علم عطا کیا گیا، ماضی اور مستقبل کی غیب کی باتوں سے مطلع کیا گیا، حقائقِ آخرت کو منکشف کیا گیا، زمین کے مشرق ومغرب اور اطراف وآفاق میں آپ کی امت کو پھیلا دیا گیا اور آپ کے دین وشریعت کو سابقہ تمام ادیان وشرائع پر غالب کردیا گیا۔ قیامت تک اور جب تک لیل ونہار کی یہ گردش جاری ہے آپ کی ذات گرامی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے درود وسلام ہو۔

اسی لیے اللہ نے فرمایا: ﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ ﴾ ''کہہ دیجیے: اے اللہ! (اے) بادشاہی کے مالک!'' تو ہی اپنی مخلوق میں تصرف کرنے والا ہے۔ تو جو ارادہ فرماتا ہے اسے کر گزرتا ہے۔ کچھ لوگوں نے جب اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: ﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ (الزخرف 31:43) ''اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا؟'' تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ ﴾ (الزخرف 32:43) ''کیا وہ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟'' یعنی ہم جس طرح چاہیں اپنی مخلوق میں تصرف کریں، ہمیں کوئی روک ٹوک نہیں سکتا اور ہمارے فیصلے مکمل حکمت ومصلحت پر مبنی ہوتے ہیں، لہٰذا ہم جس کو چاہیں نبوت سے سرفراز فرمائیں ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ ﴿ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ ﴾ (الأنعام 124:6) ''اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کا کام کس کو سونپے۔'' اور فرمایا: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ ﴾ (بنی إسرآئیل 21:17) ''دیکھ لیں کہ ان میں ایک کو ایک پر ہم نے کس طرح فضیلت دے رکھی ہے۔''

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۫ ﴾ ''تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔'' یعنی ان میں سے ایک کے طول کا کچھ حصہ لے کر دوسرے میں اضافہ فرمادیتا ہے جس سے دونوں

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

اہل ایمان، مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو ہرگز دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا تو اس کا اللہ سے کوئی تعلق

فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ

نہیں الا یہ کہ تم ان (کافروں کے شر) سے بچنا چاہو اور اللہ تمھیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور تمھیں اللہ ہی کی طرف

وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿28﴾

لوٹ کر جانا ہے ﴿28﴾

برابر ہو جاتے ہیں، پھر ایک میں سے کچھ حصہ لے کر دوسرے میں داخل کر دیتا ہے تو پھر یہ دونوں ایک دوسرے سے متفاوت ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد پھر برابر ہو جاتے ہیں اور سال کے مختلف موسموں بہار، خزاں، گرمی اور سردی میں یہ سلسلہ اسی طرح جاری وساری رہتا ہے۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ﴾ ''تو ہی بے جان سے جان دار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے۔'' یعنی تو ہی کھیتی سے دانہ اور دانے سے کھیتی پیدا کرتا ہے، کھجور سے گٹھلی اور گٹھلی سے کھجور پیدا کرتا ہے اور اسی طرح مومن سے کافر اور کافر سے مومن، انڈے سے مرغی اور مرغی سے انڈہ پیدا فرماتا ہے، اسی طرح دیگر اشیاء بھی۔ ﴿ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿27﴾ ﴾ ''اور تو ہی جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق بخشتا ہے۔'' یعنی تو جس کو چاہتا ہے اس قدر مال عطا فرما دیتا ہے جسے کوئی گن نہیں سکتا اور تو جس کے رزق کو چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور یہ سارے فیصلے تیرے ارادے، عدل، حکمت اور تیری مشیت پر مبنی ہیں۔

تفسیر آیت:28

کافروں اور مشرکوں کی دوستی سے ممانعت: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اس بات سے منع فرما دیا ہے کہ وہ کافروں سے دوستی رکھیں، انھیں دوست بنائیں اور مومنوں کو چھوڑ کر ان سے محبت کریں اور ایسا کرنے والوں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ ﴾ ''اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔'' یعنی جو اس کا ارتکاب کرے گا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے بری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ﴾ (الممتحنة1:60) ''مومنو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم تو ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو۔'' پھر سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ○ ﴾ (الممتحنة1:60) ''اور جو کوئی تم میں سے ایسا کرے گا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ○ ﴾ (النسآء144:4) ''اے اہل ایمان! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف (کارروائی کے لیے) کھلی حجت دے دو؟'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

آپ کہہ دیجیے: اگر تم وہ بات چھپاؤ جو تمھارے سینوں میں ہے یا اسے ظاہر کرو، اللہ اسے جانتا ہے اور وہ اسے بھی جانتا ہے جو کچھ آسمانوں

الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿29﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ

اور زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿29﴾ جس دن ہر شخص اپنے کیے ہوئے اچھے عمل کو اور اپنے کیے ہوئے برے عمل کو اپنے سامنے

مُّحْضَرًا ۚۛ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ

پائے گا، وہ خواہش کرے گا کاش! اس کے اور اس کی برائی کے درمیان دور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تمھیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ

3 ع 10 11 وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿30﴾

اپنے بندوں سے بڑی شفقت کرتا ہے ﴿30﴾

اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ ﴾ (المآئدة 5:51) ''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انھی میں سے ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کرنے کے بعد کہ مومن، مومن مہاجرین وانصار اور اعراب کے دوست ہیں، یہ فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴾ (الأنفال 8:73) ''اور جو لوگ کافر ہیں (وہ بھی) ایک دوسرے کے رفیق ہیں تو (مومنو!) اگر تم یہ (کام) نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد مچے گا۔''

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ ﴾ ''ہاں! اگر اس طریق سے تم ان (کے شر) سے بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں۔)'' کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی بعض علاقوں یا بعض اوقات میں ان کے شر سے ڈرے تو وہ باطن اور نیت میں نہیں بلکہ ظاہر میں ان کے شر سے بچاؤ کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔

جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے: [إِنَّا لَنَكْشِرُ فِي وُجُوهِ أَقْوَامٍ وَّإِنَّ قُلُوبَنَا لَتَلْعَنُهُمْ] ''ہم بعض لوگوں کے سامنے مسکرا دیتے ہیں لیکن ہمارے دل انھیں لعنت کر رہے ہوتے ہیں۔''[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے امام حسن بصری کا یہ قول بھی بیان کیا ہے کہ کفار کے شر سے بچاؤ کی یہ صورت قیامت تک باقی رہے گی۔[2] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ ﴾ ''اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں اپنی سزا سے ڈراتا ہے کہ اگر تم نے اس کے دشمنوں کو دوست بنا لیا اور اس کے دوستوں سے دشمنی شروع کر دی تو وہ تم پر اپنا عذاب مسلط کر دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿28﴾ ﴾ یعنی اللہ ہی کی طرف (تم کو) لوٹ کر جانا ہے، چنانچہ وہ ہر ہر انسان کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا۔

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب المداراة مع الناس، قبل الحديث:6131 تعليقًا. [2] صحيح البخاري، الإكراه، قبل الحديث:6940 تعليقًا.

تفسیر آیات:30,29

اللہ تعالیٰ سینوں کے بھید کو جانتا ہے اور وہ بندے کے تمام اعمال قیامت کے دن حاضر کرے گا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آگاہ فرما رہا ہے کہ وہ چھپی اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے۔ کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں۔ اس کا علم تمام حالات، زمانوں، دنوں اور تمام لحظات واوقات کو محیط ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کو جمع کرے گا۔ اس سے ذرّہ برابر بھی کوئی چیز غائب نہیں ہوسکتی۔ تمام اطراف واکنافِ زمین، دریاؤں اور پہاڑوں کا کوئی ذرہ یا ذرے سے بھی چھوٹی چیز اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝29 ﴾ ”اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ اس کی قدرت ان سب چیزوں میں نافذ ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تنبیہ فرمائی ہے تاکہ اس کے خوف وخشیت کو اپنے دلوں میں پیدا کریں اور ان امور کا ارتکاب نہ کریں جن سے اس نے منع فرمایا اور جو اس کی ناراضی کا باعث ہیں۔ وہ اپنے بندوں کے تمام امور کو جانتا ہے اور اس بات پر قادر ہے کہ انھیں جلد اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے اور اگر وہ مہلت دیتا ہے تو یہ اس کی طرف سے ڈھیل ہے، پھر وہ غالب اور قدرت والے کی طرح اپنی گرفت میں لے لے گا۔

اسی لیے اس کے بعد فرمایا: ﴿ یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۖ ...... ﴾ ”جس دن ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی سامنے پائے گا......“ یعنی قیامت کے دن بندے کے سامنے اس کے تمام اچھے اور برے اعمال پیش کیے جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝ ﴾ (القیمة 13:75) ”اس دن انسان کو جو (عمل) اس نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑے ہوں گے سب بتا دیے جائیں گے۔“ اس وقت وہ اپنے اچھے اعمال کو دیکھ کر خوشی ومسرت کا اظہار کرے گا اور برے اعمال کو دیکھے گا تو وہ انھیں بہت برا محسوس کرے گا اور اسے بہت دکھ ہوگا اور خواہش کرے گا کہ وہ ان سے بے زاری کا اظہار کردے اور اس کے اور اس کے برے اعمال کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوجائے جیسا کہ وہ اپنے اس شیطان سے بھی کہے گا جو دنیا میں اس کا ساتھی تھا اور جس نے اسے برے اعمال پر اکسایا تھا: ﴿ یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ ۝ ﴾ (الزخرف 38:43) ”اے کاش! مجھ میں اور تجھ میں مشرق ومغرب کا فاصلہ ہوتا، تو بڑا برا ساتھی ہے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی مزید تاکید اور سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ ﴾ ”اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو امید دلاتے ہوئے فرمایا تاکہ وہ اس کی رحمت سے مایوس اور اس کے لطف وکرم سے ناامید نہ ہوجائیں۔ ﴿ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝30 ﴾ ”اور اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔“

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی اس کی رحمت وشفقت ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو اپنی ذات سے ڈرایا ہے۔[1] اور کئی دوسرے علماء نے فرمایا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ نہایت رحم فرمانے والا ہے اور وہ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے صراط مستقیم پر چلیں، اس کے دین اسلام سے وابستہ رہیں اور اس کے رسول کریم کی اتباع کریں۔

---

[1] تفسیر الطبری:314/3 والدر المنثور:30/2.

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

آپ کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم

رَّحِيْمٌ ﴿31﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿32﴾

کرنے والا ہے ﴿31﴾ آپ کہہ دیجیے: تم اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ منہ موڑیں تو بے شک اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا ﴿32﴾

تفسیر آیات: 32,31

اللہ کی محبت کا تقاضا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی جائے: اس آیت کریمہ نے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعوٰی تو کرے لیکن وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر نہ ہو وہ اپنے اس دعوائے حب الٰہی میں اس وقت تک جھوٹا ہے جب تک وہ اپنے تمام اقوال وافعال اور احوال میں شریعت محمدی اور دین نبوی کی پیروی نہ کرے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ] ''جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ ''(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔'' یعنی تمھیں تمھاری طلب سے بھی بڑھ کر اللہ کی محبت حاصل ہو گی اور وہ یہ کہ بجائے اس کے کہ تم اللہ سے محبت رکھو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت رکھے گا اور یہ مقام پہلے سے بڑھ کر ہے۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ اور دیگر کئی علماء نے فرمایا ہے کہ کئی لوگوں نے یہ گمان کیا کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں تو اللہ نے اس آیت کریمہ کے ذریعے سے انھیں آزمائش میں ڈال دیا ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ ''(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿31﴾﴾ ''اور وہ تمھارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔'' رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی برکت سے تمھیں یہ سب کچھ حاصل ہو جائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے ہر خاص و عام کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ ''آپ کہہ دیجیے: اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو، پھر اگر وہ نہ مانیں'' یعنی اس کے حکم کی مخالفت کریں ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿32﴾﴾ ''تو اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔''

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے کی مخالفت کفر ہے اور جو شخص آپ کے طریقے کی مخالفت کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے دوست نہیں رکھتا، خواہ بزعم خود وہ حب الٰہی اور تقرب الٰہی کے کیسے ہی بلند بانگ دعوے کیوں نہ کرے۔ وہ اپنے اس دعوے میں صرف اور صرف اس وقت سچا ہو گا جب وہ رسول نبی امی، خاتم الرسل اور تمام ثقلین، یعنی جنوں اور انسانوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرے۔ آپ کے زمانے میں اگر سابقہ

[1] صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام ......، حديث: (18)-1718 عن عائشة رضي الله عنها.

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿33﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا

بے شک اللہ نے آدم کو، نوح کو، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں میں سے (نبوت کے لیے) چن لیا ہے ﴿33﴾ یہ ایک دوسرے کی اولاد تھے

مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿34﴾

اور اللہ خوب سننے والا، جاننے والا ہے ﴿34﴾

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ

جب عمران کی بیوی نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں نے منت مانی ہے کہ جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے، وہ تیرے ہی لیے وقف ہے، چنانچہ تو

اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿35﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ

(اسے) مجھ سے قبول فرما، بے شک تو ہی ہے خوب سننے والا، جاننے والا ﴿35﴾ پھر جب اس نے بچی کو جنم دیا تو کہنے لگی: میرے رب! بے شک میں نے تو

بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَ اِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ اِنِّيْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا

لڑکی کو جنم دیا ہے اور اللہ خوب جانتا تھا جو اس نے جنا تھا اور لڑکا (اس) لڑکی کی مثل نہیں اور بے شک میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور بے شک میں

مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿36﴾

اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ﴿36﴾

انبیاء و مرسلین حتی کہ اولوالعزم پیغمبر بھی ہوں تو ان سب کے لیے بھی آپ کی اتباع کے بغیر چارہ کار نہیں جیسا کہ اس کی تفصیل آیت کریمہ: ﴿ وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ﴾ (آل عمران 3:81) کی تفسیر میں بیان کی جائے گی۔ إن شاء الله تعالیٰ.

تفسیر آیات: 34,33

اہلِ زمین میں سے منتخب لوگ: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس نے ان گھرانوں کو تمام روئے زمین کے لوگوں میں سے منتخب فرما لیا تھا۔ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو منتخب فرمایا، انھیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، ان میں اپنی طرف سے روح پھونکی، انھیں اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا، انھیں تمام چیزوں کے نام سکھائے، انھیں اپنی جنت میں بسایا، پھر حکمت و مصلحت کے پیش نظر انھیں زمین میں اتار دیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو منتخب فرمایا، انھیں اہل زمین کی طرف پہلا رسول بنایا جب لوگوں نے بتوں کی پوجا شروع کر دی تھی اور اللہ تعالیٰ کے دین میں ایسی ایسی باتوں کو شامل کر دیا تھا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی تھی۔ پھر جب انھوں نے اپنی قوم میں ایک طویل عرصہ گزارا، انھیں دن رات، خفیہ اور ظاہر ہر طرح دعوت الی اللہ دی مگر انھوں نے راہِ فرار ہی اختیار کی تو انھوں نے ان کے لیے بد دعا کی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو پانی میں غرق کر دیا اور ان میں سے صرف وہ بچا جس نے حضرت نوح علیہ السلام کے دین کو قبول کر کے آپ کی پیروی کی تھی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آل ابراہیم کا انتخاب فرمایا۔ سید البشر اور خاتم الانبیاء علی الاطلاق حضرت محمد ﷺ کا تعلق بھی اسی خاندان سے ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے آل عمران کو منتخب فرمایا۔ اس عمران سے مراد مریم بنت عمران والدۂ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

والد ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جیسا کہ إن شاء الله تعالی سورۂ انعام کی تفسیر میں اس کا ذکر آئے گا۔[1] وَبِهِ الثِّقَةُ.

تفسیر آیات:36,35

قصۂ ولادتِ مریم: عمران کی بیوی سے مراد حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ہیں اور ان کا نام حَنّہ بنت فاقوذ ہے۔ محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ ایک ایسی خاتون تھیں جنھیں حمل قرار نہیں پاتا تھا۔ انھوں نے ایک دن ایک پرندے کو دیکھا جو اپنے بچے کو اپنے منہ سے کھلا رہا تھا تو انھیں بھی بچے کی خواہش پیدا ہوئی اور انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انھیں بھی ایک بچہ عطا فرمائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور ان کے شوہر نے مقاربت کی تو انھیں حمل قرار پا گیا، پھر جب حمل نمایاں ہو گیا تو انھوں نے نذر مانی کہ ان کا بچہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف ہو گا۔[2]

چنانچہ انھوں نے کہا: ﴿ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿35﴾ ﴾ ”میرے پروردگار! جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے اس کو تیری نذر کرتی ہوں، (اسے دنیا کے کاموں سے) آزاد رکھوں گی تو (اسے) میری طرف سے قبول فرما۔ یقیناً تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔“ یعنی تو میری دعا کو سنتا اور میری نیت کو جانتا ہے جبکہ وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ ان کے پیٹ میں کیا ہے لڑکا یا لڑکی؟ اس لیے کہا: ﴿ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ﴾ ”پھر جب اس نے بچی کو جنم دیا تو کہنے لگی: میرے پروردگار! بے شک میں نے لڑکی کو جنم دیا ہے، حالانکہ اللہ کو خوب معلوم تھا جو اس نے جنم دیا تھا۔“ ﴿ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۖ ﴾ ”اور (نذر کے لیے) لڑکا (موزوں تھا کہ وہ) لڑکی کی طرح (ناتواں) نہیں ہوتا۔“ اور اسے عبادت اور مسجد اقصیٰ کی خدمت کی قوت و طاقت حاصل ہوتی۔ ﴿ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ ﴾ ”اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔“

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ ولادت کے دن بھی نام رکھنا جائز ہے جیسا کہ کلام کے سیاق سے بظاہر معلوم ہو رہا ہے کیونکہ یہ ہم سے پہلے لوگوں کی شریعت کی بات ہے اور اسے کئی بار بیان کیا گیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی یہی ثابت ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا: [وُلِدَ لِيَ اللَّيْلَةَ غُلَامٌ فَسَمَّيْتُهُ بِاسْمِ أَبِي إِبْرَاهِيمَ] ”آج رات میرے گھر بچہ پیدا ہوا ہے اور میں نے اپنے باپ (ابراہیم علیہ السلام) کے نام پر اس کا نام ابراہیم رکھا ہے۔“[3] اسی طرح صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ نے جب بچے کو جنم دیا تو وہ اپنے بھائی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے تو آپ نے گھٹی دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔[4]

---

[1] دیکھیے آیات:84,83 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الطبری:319/3. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب قول النبي ﷺ: [إِنَّا بِكَ لَمَحْزُونُونَ]، حديث:1303 وصحيح مسلم، الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبيان والعيال ......، حديث:2315 عن أنس بن مالك رضي الله عنه. [4] صحيح البخاري، العقيقة، باب تسمية المولود غداة يولد لمن لم يعق عنه و تحنيكه، حديث:5470 وصحيح مسلم، الآداب، باب استحباب تحنيك المولود عند ولادته ......، حديث:2144 عن أنس رضي الله عنه.

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ

چنانچہ اس کے رب نے اس (لڑکی) کو اچھے طریقے سے قبول کرلیا اور اس کی بہت اچھی پرورش کی اور زکریا کو اس کا سرپرست بنا دیا۔ زکریا جب بھی

عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ

محراب میں داخل ہوتے تو اس کے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں پاتے، وہ کہتے: اے مریم! تیرے پاس یہ کہاں سے آئیں؟ وہ کہتی: یہ اللہ کی طرف

عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿37﴾

سے (آئی) ہیں، بے شک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے ﴿37﴾

اسی طرح ثابت ہے کہ بہت سے دوسرے لوگوں کے نام بھی ان کی ولادت ہی کے دن رکھے گئے تھے۔ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جسے قتادہ نے امام حسن بصری سے اور انھوں نے حضرت سمرہ بن جُندُب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كُلُّ غُلَامٍ رَّهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ ، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ وَيُسَمّٰى فِيهِ وَيُحْلَقُ رَأْسُهُ] ''ہر بچہ اپنے عقیقے کے عوض گروی ہے، ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور اس کے سر کو مونڈا دیا جائے۔'' اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے روایت کیا ہے۔[1] امام ترمذی نے ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ بعض روایات میں [يُسَمّٰى] کے بجائے [وَيُدَمّٰى] ''اور اس کے سر پر خون ملا جائے۔'' اور یہ زیادتی ثابت اور محفوظ ہے۔[2] واللہ أعلم.

اللہ تعالیٰ نے والدۂ مریم کے بارے میں سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھوں نے یہ بھی کہا تھا: ﴿وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿36﴾﴾ ''اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔'' یعنی میں اسے شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں اور ان کی اولاد کو بھی، ان کی اولاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ان کی اس دعا کو بھی اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا تھا۔

جیسا کہ امام عبدالرزاق نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنْ مَّوْلُودٍ يُّولَدُ إِلَّا وَالشَّيْطَانُ يَمَسُّهُ حِينَ يُولَدُ ، فَيَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِّنْ مَّسِّ الشَّيْطَانِ إِيَّاهُ ، إِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا] ''ہر بچہ جب پیدا

[1] مسند أحمد:8,7/5 و سنن أبي داود، الضحايا، باب في العقيقة، حديث:2838 و جامع الترمذي، الأضاحي، باب من العقيقة، حديث:1522 و سنن النسائي، العقيقة، باب متى يعق؟ حديث:4225 و سنن ابن ماجه، الذبائح، باب العقيقة، حديث:3165. [2] سنن أبي داود، الضحايا، باب في العقيقة، حديث:2837 و مسند أحمد:17/5. ملحوظہ: امام ابوداود نے [وَيُدَمّٰى] کو ہمام رحمہ اللہ کا وہم قرار دیا ہے لیکن محققین نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسی حدیث میں ہے کہ قتادہ رحمہ اللہ سے جب بھی خون کے متعلق پوچھا جاتا تو وہ اس کی مکمل وضاحت فرماتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ وہم نہیں ہے، البتہ درج ذیل حوالوں کی روشنی میں منسوخ ہے: سنن أبي داود، حديث:2843 و سنن ابن ماجه، حديث:3166 و صحيح ابن حبان: 124/12، حديث:5308 مزید دیکھیے فتح الباري:593/9، تحت الحديث:5472 والموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 272-274/33.

ہوتا ہے تو شیطان اسے چھوتا ہے اور شیطان کے اس چھونے کی وجہ ہی سے بچہ روتا ہے۔ ہاں! البتہ حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام شیطان کے چھونے سے محفوظ رہے تھے۔'' یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم چاہو تو یہ آیت کریمہ پڑھ لو: ﴿ وَإِنِّيٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ ﴾ .[1]

تفسیر آیت:37

حضرت مریم علیہا السلام کی نشوونما اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی عزت افزائی: ہمارا رب تعالیٰ ہمیں یہ بتا رہا ہے کہ اس نے حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کی نذر کی وجہ سے اسے پسندیدگی کے ساتھ قبول فرمایا۔ ﴿ وَأَنۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ﴾ ''اور اس کی اچھی طرح پرورش کی۔'' یعنی انھیں خوبصورت شکل اور پررونق صورت عطا فرمائی، اسباب قبولیت کو ان کے لیے آسان کر دیا اور انھیں اپنے نیک بندوں کی رفاقت عطا فرمائی جن سے انھوں نے نیکی، علم اور دین کو سیکھا۔ ﴿ وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ﴾ ''اور زکریا کو ان کا سرپرست بنایا۔'' یعنی ان کا کفیل بنا دیا اور یہ بھی ان کی سعادت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کا کفیل بنایا تاکہ ان سے علم نافع اور عمل صالح حاصل کر سکیں، پھر وہ ان کی خالہ کے شوہر بھی تھے جیسا کہ ابن اسحاق، ابن جریر اور دیگر کئی اہل علم نے ذکر کیا ہے۔[2]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ان کی بہن کے شوہر تھے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے: [إِذَا يَحْيٰى وَعِيسٰى وَهُمَا ابْنَا خَالَةٍ] ''وہاں (دوسرے آسمان پر معراج کی رات) یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام تھے جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔''[3] ابن اسحاق نے جو ذکر کیا ہے اس پر بھی توسّعًا اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس طرح گویا حضرت مریم اپنی خالہ کی حفاظت میں تھیں۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمارہ بنت حمزہ کے بارے میں فیصلہ فرمایا تھا کہ وہ اپنی خالہ، جعفر بن ابو طالب کی بیوی، کی حفاظت میں رہے کیونکہ [اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ] ''خالہ ماں کے قائم مقام ہوتی ہے۔''[4]

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے مقام عبادت میں ان کی سیادت و جلالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا ٱلْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ﴾ ''زکریا جب کبھی عبادت گاہ میں اس (مریم) کے پاس جاتے تو اس کے پاس کھانا پاتے۔'' امام مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابو الشعثاء، ابراہیم نخعی، ضحاک، قتادہ، ربیع بن انس، عطیہ عوفی اور سدی رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ وہ ان کے پاس سردیوں میں موسم گرما کا پھل اور گرمیوں میں موسم سرما کا پھل پاتے تھے۔[5] پھر جب حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دیکھا، ﴿ قَالَ يَٰمَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ ''(تو) پوچھنے لگے کہ اے مریم! یہ کھانا تمھارے پاس کہاں سے آتا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: وہ اللہ کے ہاں سے (آتا)

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَإِنِّيٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ ﴾ (آل عمران 3:36)، حديث: 4548 و صحيح مسلم، الفضائل، باب فضائل عيسى عليه السلام، حديث: 2366. [2] تفسير الطبري: 331/3. [3] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب المعراج، حديث: 3887 عن مالك بن صعصعة رضي الله عنه. [4] صحيح البخاري، المغازي، باب عمرة القضاء، حديث: 4251 عن البراء رضي الله عنه. [5] تفسير ابن أبي حاتم: 640/2.

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ

وہیں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہا: میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا کر، بے شک تو ہی دعا سننے والا ہے (38) پھر

الدُّعَآءِ (38) فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى

جب وہ حجرے میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا تو فرشتوں نے اُسے آواز دی: بے شک اللہ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے، وہ اللہ کے ایک

مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (39) قَالَ رَبِّ اَنّٰى

کلمے (عیسیٰ) کی تصدیق کرے گا اور سردار اور پارسا اور نبی ہو گا نیکوکار (39) زکریا نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیونکر

يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا

ہو گا جبکہ میں خود بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟ فرشتے نے کہا: اللہ اسی طرح جو چاہے کرتا ہے (40) زکریا نے کہا:

يَشَآءُ (40) قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا

میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما۔ اللہ نے کہا: تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن تک لوگوں سے اشارے کے سوا بات چیت

رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (41) ع 4/11/12

نہ کر سکے گا اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کر اور صبح وشام اس کی تسبیح کر (41)

ہے۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔‘‘

تفسیر آیات:38-41

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا اور یحییٰ علیہ السلام کی بشارت: حضرت زکریا علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ مریم علیہا السلام کو سردیوں میں گرمیوں کا پھل اور گرمیوں میں سردیوں کا پھل عطا فرماتا ہے تو ان کے دل میں بچے کی خواہش پیدا ہوئی، حالانکہ وہ بے حد بوڑھے تھے، ان کی ہڈیاں کمزور اور سر کے بال بہت زیادہ سفید ہو چکے تھے اور بیوی بھی معمر اور بانجھ تھیں لیکن اس سب کچھ کے باوجود انھوں نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا کی اور اسے دبی آواز سے پکارا اور عرض کی: ﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ (38) ﴾ ’’میرے پروردگار! مجھے اپنی جناب سے صالح اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا سننے (اور قبول کرنے) والا ہے۔‘‘ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ﴾ ’’پھر جب آپ ابھی عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے آپ کو آواز دی۔‘‘ یعنی فرشتوں نے بالمشافہ آپ سے یہ گفتگو کی جسے آپ نے سنا جبکہ آپ اپنی عبادت کی محراب، محل خلوت اور مقام مناجات وصلاۃ میں کھڑے نماز ادا فرما رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی بتلایا ہے کہ فرشتوں نے آپ کو یہ بشارت دی: ﴿ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى ﴾ ’’اللہ تمھیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔‘‘ یعنی آپ کی پشت سے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ امام قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ آپ کو یحییٰ کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایمان کے ساتھ زندہ رکھا تھا۔[1]

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:641/2 .

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''جو اللہ کے کلمے (عیسیٰ) کی تصدیق کرے گا۔'' عوفی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور امام حسن بصری، قتادہ، عکرمہ، مجاہد، ابوالشعثاء، سدی، ربیع بن انس اور ضحاک وغیرہ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ کَلِمَةُ اللّٰهِ سے مراد حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں۔[1]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَسَيِّدًا ﴾ ''اور سردار ہوگا۔'' ابوالعالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ سید کے معنی حلیم [2] کے ہیں۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ثوری اور ضحاک فرماتے ہیں کہ سید سے مراد حلیم اور متقی ہے۔[4] سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فقیہ و عالم ہے۔[5] عطیہ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے خُلق اور دین کے اعتبار سے سردار ہوں گے۔[6] عکرمہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انھیں غصہ مغلوب نہیں کر سکے گا۔[7] ابن زید نے اس کے معنی شریف کے بیان کیے ہیں۔[8] اور مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت معزز ہوں گے۔[9]

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَحَصُورًا ﴾ ''اور وہ پارسا ہوگا۔'' اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ عورتوں کے پاس نہیں جائیں گے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ فواحش و منکرات سے پاک ہوں گے اور یہ اس بات سے مانع نہیں کہ وہ حلال طریقے سے عورتوں سے نکاح کریں، ان سے مقاربت کریں اور بچے پیدا کریں بلکہ حضرت زکریا علیہ السلام کی سابقہ دعا ہی سے ان کی نسل کی بقا کا مفہوم بھی سمجھ میں آتا ہے کہ ان کی دعا کے الفاظ یہ تھے: ﴿ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ﴾ ''مجھے اپنی جناب سے اولاد صالح عطا فرما!'' یعنی ایسی اولاد جس سے ذریت اور نسل کی بقا کا سلسلہ آگے بھی جاری رہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى أَعْلَمُ.

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿39﴾ ﴾ ''اور (اللہ کا) پیغمبر (یعنی) نیکوکاروں میں ہوگا۔'' حضرت یحییٰ کی ولادت کی بشارت کے بعد یہ دوسری ان کی نبوت کی بشارت ہے اور یہ پہلی سے بھی زیادہ بلند پایہ بشارت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ (القصص 28:7) ''بلاشبہ ہم اس کو تمھارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر) اسے پیغمبر بنا دیں گے۔''

جب حضرت زکریا علیہ السلام کو یہ بشارت مل گئی تو انھوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ بڑھاپے میں ان کے ہاں کس طرح بچہ ہوگا؟ ﴿ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ﴾ ''زکریا علیہ السلام نے کہا: میرے پروردگار! میرے ہاں لڑکا کیونکر پیدا ہوگا جبکہ میں تو بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے؟'' ﴿ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿40﴾ ﴾ ''(فرشتے نے) کہا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کا امر عظیم ہے، اسے کوئی چیز مغلوب نہیں کر سکتی اور نہ کوئی امر اس پر غالب آ سکتا ہے۔

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:642/2 وتفسیر الطبری:344,343/3. [2] تفسیر کے بعض نسخوں میں [حکیم] ہے جبکہ عبدالرزاق مھدی اور سامی سلامہ کے نسخوں اور تفسیر ابن ابوحاتم وتفسیر الطبری میں [حلیم] ہے۔ [3] تفسیر ابن أبی حاتم:642/2. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:642/2. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:642/2. [6] تفسیر الطبری:346/3. [7] تفسیر ابن أبی حاتم:642/2. [8] تفسیر الطبری:346/3. [9] تفسیر الطبری:346/3.

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ

اور (یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے چن لیا ہے اور تجھے پاکیزگی عطا کی ہے اور دنیا بھر کی عورتوں میں سے تجھے منتخب

الْعٰلَمِيْنَ ﴿42﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿43﴾ ذٰلِكَ مِنْ

کیا ہے ﴿42﴾ اے مریم! اپنے رب کی فرمانبرداری کر، سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر ﴿43﴾ (اے نبی!) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی

اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ

طرف وحی کرتے ہیں اور آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کا سرپرست ہو اور نہ آپ

مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿44﴾

اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ باہم جھگڑ رہے تھے ﴿44﴾

﴿ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ ﴾ ”زکریا نے کہا: میرے پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما۔“ یعنی ایسی نشانی جس سے مجھے یہ معلوم ہو کہ واقعی میرے گھر میں بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ ﴿ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ ﴾ ”اللہ نے فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین دن تک اشارے کے سوا بات نہ کر سکے گا۔“ یعنی آپ صحیح سلامت ہونے کے باوجود لوگوں سے بات نہ کر سکیں گے اور صرف اشارے کر سکیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ ﴾ ”(نشانی یہ ہے کہ تو) صحیح سلامت ہو کر تین رات (دن) لوگوں سے بات نہ کر سکے گا۔“ (مریم 10:19)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں کثرت سے ذکر، شکر اور تسبیح کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿41﴾ ﴾ ”اور تو (ان دنوں میں) اپنے پروردگار کی کثرت سے یاد کر اور صبح و شام اس کی تسبیح کر۔“ سورۂ مریم کے آغاز میں اس کی تفسیر شرح و بسط کے ساتھ بیان کی جائے گی۔ إن شاء اللّٰه.

تفسیر آیات: 42-44

حضرت مریم کی معاصر عورتوں پر فضیلت: اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام سے وہ بات کی جس کا اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کثرت عبادت، زہد، شرف اور نجاستوں اور وسوسوں سے طہارت کے باعث انھیں منتخب فرما لیا ہے۔ اور انھیں دوبارہ اہل عالم کی عورتوں پر فضیلت بخشنے کے لیے منتخب فرمایا۔ ہشام بن عروہ نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ ، وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ] ”اُس امت کی عورتوں میں سب سے بہتر مریم بنت عمران تھیں اور اس امت کی عورتوں میں سے بہتر خدیجہ بنت خویلد ہیں۔“[1]

امام ابن جریر نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: ﴿ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ ..... ﴾، حديث:3432 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة......، حديث:2430 واللفظ له.

كَثِيرٌ، وَّلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ......] ’’مردوں میں سے تو بہت سے کامل ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں سے حضرت مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون ہی کامل ہوئی ہیں......‘‘[1] اس حدیث کو امام ابوداود کے سوا محدثین کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے۔[2] صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:[كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ، وَّلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا آسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ، وَمَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَإِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ] ’’مردوں میں سے تو بہت سے کامل ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں سے آسیہ زوجۂ فرعون اور مریم بنت عمران کامل ہوئی ہیں اور عورتوں پر عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت اس طرح ہے جس طرح ثرید کو باقی کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔‘‘[3]

میں نے اپنی کتاب البداية و النهاية میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے اس حدیث کے تمام طرق اور الفاظ بیان کیے ہیں۔[4] وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو حکم دیا کہ وہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، خشوع و خضوع کا اظہار کریں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے خوب خوب رکوع اور سجدے کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ اب ایک ایسے امر کا اظہار چاہتا ہے جس کا اس نے پہلے سے فیصلہ فرما رکھا ہے جس میں ان کے لیے آزمائش بھی ہے اور یہ امر ان کے لیے دونوں جہانوں میں رفعت و شوکت کا باعث بھی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ اپنی عظیم قدرت کا اظہار فرمائے گا اور بغیر باپ کے ان کے ہاں بچہ پیدا کرے گا، پس فرمایا: ﴿ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾ ’’اے مریم! اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرنا اور سجدہ کرنا اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنا۔‘‘

قنوت کے معنی خشوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○ ﴾ (البقرة 2:116) ’’بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور سب اس کے فرمانبردار ہیں۔‘‘

پھر اللہ تعالیٰ نے اس واقعے سے مطلع کرنے کے بعد اپنے پیغمبر سے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ ﴾ ’’(اے نبی ﷺ!) یہ باتیں اخبار غیب میں سے ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔‘‘ یعنی آپ کو سناتے ہیں۔ ﴿ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَھُمْ اَيُّھُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴾ ’’اور آپ ان کے پاس

[1] تفسير الطبري:3/358. [2] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة......، حديث:2431 وجامع الترمذي، الأطعمة، باب ماجاء في فضل الثريد، حديث:1834 والسنن الكبرى للنسائي، المناقب، باب مناقب مريم بنت عمران:5/93، حديث:8353 وسنن ابن ماجه، الأطعمة، باب فضل الثريد على الطعام، حديث:3280 عن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه. [3] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ...... ﴾، حديث:3411 عن أبي موسى رضي الله عنه. [4] البداية والنهاية، قصة عيسى ابن مريم عليه من الله أفضل الصلاة والسلام:2/56،57.

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى

جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے، اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا، وہ دنیا اور آخرت

ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿45﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ

میں بڑے مرتبے والا اور اللہ کے قریبی بندوں میں سے ہوگا﴿45﴾ اور وہ لوگوں سے کلام کرے گا ماں کی گود میں اور بڑی عمر میں بھی اور نیکوکاروں میں

وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿46﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۖ قَالَ

سے ہوگا﴿46﴾ مریم نے کہا: میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، حالانکہ مجھے کسی شخص نے نہیں چھوا؟ فرشتے نے کہا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا

كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۖ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿47﴾

کرتا ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اسے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے﴿47﴾

نہیں تھے جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے کہ مریم کا سرپرست کون بنے؟ اور نہ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ)! آپ تو اس وقت ان کے پاس نہیں تھے کہ دیکھی ہوئی بات کے بارے میں انھیں خبر دے رہے ہوں بلکہ اس کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا ہے اور آپ اس کے بارے میں انھیں اس طرح بتا رہے تھے گویا آپ وہاں حاضر اور موجود تھے اور یہ آپ کا چشم دید واقعہ ہے کہ وہ مریم کے بارے میں قرعہ ڈال رہے تھے کہ کون ان کا کفیل بنے؟ کیونکہ وہ سب کفیل بن کر اجر و ثواب حاصل کرنا چاہتے تھے۔

امام ابن جریر نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ پھر حضرت مریم کی والدہ مریم کو لے کر نکلیں، وہ انھیں ایک کپڑے میں لپیٹ کر اٹھائے ہوئے تھیں اور وہ انھیں بنی کاہن بن ہارون (یہ ہارون موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں) کے پاس لے گئیں۔ ان کی ان دنوں بیت المقدس میں وہی حیثیت تھی جو بیت اللہ کے دربانوں کی ہوتی ہے۔ وہ ان سے کہنے لگی کہ نذر کی اس بچی کو لے لو میں نے اسے آزاد کر دیا ہے۔ یہ میری بیٹی ہے۔ کنیسہ میں چونکہ نفاس والی عورت داخل نہیں ہو سکتی (اس لیے باہر ہی سے مجھ سے لے لو) میں اسے اب گھر لے کر نہیں جاؤں گی تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو ہمارے امام کی بیٹی ہے، عمران ان کے نماز کے امام تھے، اور وہ ہماری قربانیوں کے نگہبان ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا کہ اس بچی کو میرے سپرد کر دو کیونکہ اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے دل نہیں چاہتے کیونکہ یہ ہمارے امام کی بیٹی ہے تو اس موقع پر انھوں نے اپنے ان قلموں سے قرعہ اندازی کی جن سے وہ تورات لکھا کرتے تھے تو حضرت زکریا علیہ السلام کے نام کا قرعہ نکل آیا اور وہ اس کے کفیل بن گئے۔ ① عکرمہ، سدی، قتادہ، ربیع بن انس اور دیگر کئی ائمہ تفسیر نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ② جبکہ بعض کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ان لوگوں نے ''نہر اردن'' میں جا کر قرعہ اندازی کی اور اس میں اپنے قلموں کو ڈالا اور کہا کہ جس کا قلم پانی کے بہاؤ میں ثابت رہے وہی اس کا کفیل ہوگا تو سب کے قلم پانی میں بہ گئے صرف حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم ثابت رہا۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پانی کے بہاؤ کو چیرتا ہوا اوپر

① تفسیر الطبری: 3/330،331. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 2/649،650.

اٹھ آیا، پھر حضرت زکریا علیہ السلام تو ان کے رہنما، سید، عالم، امام اور نبی بھی تھے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى سَائِرِ النَّبِيِّينَ.

تفسیر آیات:45-47

مریم علیہا السلام کو پیدائشِ عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت: فرشتوں نے حضرت مریم کو یہ بشارت دی کہ ان کے ہاں ایک بڑی عظمت اور شان والا بچہ پیدا ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ﴾ ''(وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا: اے مریم! بے شک اللہ آپ کو اپنی طرف سے ایک کلمے کی بشارت دیتا ہے۔'' یعنی ایک ایسے بیٹے کی جو اللہ تعالیٰ کے کلمے کے ساتھ وجود میں آئے گا، یعنی اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تو پیدا ہو جا تو وہ پیدا ہو جائے گا۔ اللہ کے فرمان: ﴿ مُصَدِّقًاۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ (آل عمران3:39) کی یہی تفسیر ہے جیسا کہ جمہور نے ذکر کیا ہے۔ ﴿ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ﴾ ''جس کا نام مسیح (اور مشہور) عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔''

یعنی دنیا میں اس نام سے مشہور ہوگا اور مومن اسی نام سے انھیں جانتے ہوں گے۔ آپ کا نام مسیح اس لیے تھا کہ آپ جب بیماریوں میں مبتلا لوگوں کے جسم پر ہاتھ پھیرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے صحت یاب ہو جاتے تھے۔ اور فرمان الٰہی: ﴿ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ﴾ میں عیسیٰ کی نسبت ماں کی طرف اس لیے کی گئی کہ آپ کا کوئی باپ نہ تھا۔

﴿ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ ﴾ ''اور وہ دنیا اور آخرت میں بڑے مرتبے والا اور اللہ کے قریبی بندوں میں سے ہوگا۔'' یعنی دنیا میں انھیں اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و وجاہت اور بلند مرتبہ حاصل ہوگا، اللہ تعالیٰ انھیں وحیٔ شریعت سے نوازے گا۔ ان پر کتاب نازل فرمائے گا اور دیگر نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان لوگوں کی شفاعت کریں گے جن کے بارے میں شفاعت کی اللہ تعالیٰ اجازت عطا فرمائے گا اور ان کے اولوالعزم پیغمبر بھائیوں کی طرح ان کی شفاعت کو بھی قبول فرمائے گا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ.

ماں کی گود میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گفتگو: اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ﴾ ''اور وہ ماں کی گود میں اور بڑی عمر کا ہو کر (دونوں حالتوں میں) لوگوں سے (یکساں) گفتگو کرے گا۔'' یعنی معجزہ اور نشانی کے طور پر اپنی چھوٹی ہی عمر میں لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دے گا اور بڑی عمر میں بھی، جب اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی نازل فرمائے گا۔

محمد بن اسحاق نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا تَكَلَّمَ مَوْلُودٌ فِي صِغَرِهٖ إِلَّا عِيسٰى وَصَاحِبُ جُرَيْجٍ] ''عیسیٰ اور صاحب جریج کے سوا اور کسی بچے نے چھوٹی عمر میں گفتگو نہیں کی۔''[1] اور امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَمْ يَتَكَلَّمْ فِي الْمَهْدِ إِلَّا ثَلَاثٌ : عِيسٰى، وَصَبِيٌّ كَانَ فِي زَمَنِ جُرَيْجٍ ، وَّصَبِيٌّ آخَرُ] ''صرف تین بچوں نے ماں کی گود میں گفتگو کی ہے: (1) حضرت عیسیٰ علیہ السلام

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 652/2 لیکن بخاری و مسلم کی حدیث میں تین بچوں کے کلام کا تذکرہ ہے جو آ رہی ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿48﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬

اور اللہ اسے کتاب وحکمت اور تورات وانجیل کی تعلیم دے گا﴿48﴾ اور اسے بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرر کریگا (وہ کہے گا:) بے شک میں تمھارے

اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ

پاس تمھارے رب کی نشانیاں لے کر آیا ہوں، بے شک میں تمھارے لیے گارے سے پرندے کی شکل بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو اللہ

فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

کے حکم سے وہ واقعی پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے پیدائشی اندھے اور برص والے کو اچھا کرتا ہوں اور مُردوں کو زندہ کرتا ہوں اور میں تمھیں

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

بتاتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو، بے شک اس میں تمھارے لیے بہت بڑی نشانی ہے اگر تم مومن ہو﴿49﴾ اور میں

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿49﴾ ۚ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ

اس کی تصدیق کرتا ہوں جو تورات مجھ سے پہلے (نازل کی گئی) ہے اور تاکہ میں تمھارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کردوں جو تم پر حرام کر دی گئی

حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿50﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ

تھیں اور میں تمھارے پاس تمھارے رب کی نشانی لے کر آیا ہوں، چنانچہ تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو﴿50﴾ بے شک اللہ میرا اور تمھارا رب ہے،

وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿51﴾

چنانچہ اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے﴿51﴾

(2) وہ بچہ جو جریج کے زمانے میں تھا اور (3) ایک اور بچہ۔''[1] ﴿ وَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿46﴾ ﴾ ''اور نیکوکاروں میں ہوگا۔'' یعنی وہ اپنے قول وعمل میں نیک ہوگا اس کا علم صحیح اور عمل صالح ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے: حضرت مریم علیہا السلام نے جب اللہ تعالیٰ کی اس بشارت کو فرشتوں سے سنا تو اپنی مناجات میں کہا: ﴿ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ ﴾ ''میرے پروردگار! میرے ہاں بچہ کیونکر ہوگا کہ کسی انسان نے تو مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا؟'' یعنی میرے ہاں یہ بچہ کس طرح پیدا ہوگا؟ میرا تو کوئی شوہر ہی نہیں ہے، نہ میرا شادی کرنے کا ارادہ ہے اور اللہ کی پناہ کہ نہ میں بدکار ہوں تو فرشتے نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا: ﴿ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ ﴾ ''اللہ اسی طرح جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کا امر اسی طرح عظیم ہے کہ کوئی چیز اسے مغلوب نہیں کر سکتی اور یہاں اپنے فرمان کے ساتھ یہ بھی صراحت فرمائی: ﴿ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ ﴾ ''اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔'' یہاں یہ نہیں فرمایا کہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کے قصے میں فرمایا بلکہ یہاں واضح طور پر

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ... ﴾، حديث:3436 وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تقديم بر الوالدين على التطوع بالصلاة وغيرها، حديث:2550 وتفسير ابن أبي حاتم:652/2 واللفظ له.

فرمایا کہ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے تاکہ کسی باطل پرست کے دل میں کوئی شبہ بھی باقی نہ رہے اور مزید تاکید کے طور پر فرمایا: ﴿ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ ﴾ ''جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔'' یعنی وہ جب ارشاد فرماتا ہے تو کوئی چیز مؤخر نہیں ہو سکتی بلکہ اس کے حکم کے فوراً بعد وہ ہو جاتی ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ۝ ﴾ (القمر 50:54) ''اور ہمارا حکم تو آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک (کلمہ) ہی ہوتا ہے۔'' یعنی ہم ایک ہی بار حکم دیتے ہیں، دوبار نہیں تو وہ چیز فوراً آنکھ جھپکنے کی طرح ہو جاتی ہے۔

تفسیر آیات: 48-51

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات و معجزات اور دعوت: فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو بشارت سنائی، اللہ تعالیٰ اس کے ذکر کو مکمل کرتے ہوئے بیان فرما رہا ہے: ﴿ وَ یُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ﴾ ''اور وہ اسے لکھنا (پڑھنا) اور دانائی سکھائے گا۔'' ظاہر ہے کہ کتاب سے یہاں مراد لکھنا ہے اور حکمت کے بارے میں قبل ازیں سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔[1] ﴿ وَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ ۝ ﴾ ''اور تورات اور انجیل۔'' تورات سے مراد وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا اور انجیل سے مراد وہ کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام پر نازل فرمایا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان دونوں کتابوں کے حافظ تھے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ ﴾ ''اور (عیسیٰ) بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو کر جائیں گے۔'' اور ان سے کہیں گے: ﴿ اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ ﴾ ''میں تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، وہ یہ کہ میں تمھارے لیے مٹی سے بشکل پرند بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے (سچ مچ) پرندہ ہو جاتا ہے۔'' آپ اسی طرح کیا کرتے تھے کہ مٹی کے گارے سے پرندے کی شکل کی مورت بناتے، پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ اس اللہ کے حکم سے آنکھوں کے سامنے اڑنے لگتا جس نے آپ کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا تاکہ یہ اس بات کی دلیل ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ ﴾ ''اور اندھے کو تندرست کر دیتا ہوں۔'' اس سے مراد وہ ہے جو مادرزاد اندھا ہو اور یہ ایک زبردست معجزہ اور ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ ﴿ وَ الْاَبْرَصَ ﴾ ''اور ابرص کو بھی (تندرست کر دیتا ہوں۔)'' برص ایک مشہور بیماری ہے (جس سے جسم پر سفید داغ پڑ جاتے ہیں اور اس میں مبتلا انسان کو اَبرَص کہتے ہیں۔) ﴿ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ ﴾ ''اور اللہ کے حکم سے مردے میں جان ڈال دیتا ہوں۔''

بہت سے علمائے کرام نے یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو معجزات ان کے زمانے کے لوگوں کی مناسبت سے عطا فرمائے، مثلاً: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا بڑا چرچا تھا اور جادوگروں کی بہت تعظیم کی جاتی تھی تو

[1] دیکھیے آیت: 129 کے ذیل میں۔

اس مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایسا معجزہ عطا فرمایا جس سے آنکھیں چندھیا گئیں اور تمام جادوگر حیران و ششدر رہ گئے۔ اور جب انھیں یقین ہو گیا کہ یہ معجزہ اللہ صاحبِ عظمت و جبروت کی طرف سے ہے تو وہ مشرف بہ اسلام ہو کر نیکوکار بن گئے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو وہ اطباء اور ماہرین علم طبیعیات کا دور تھا تو اس مناسبت سے وہ ایسے ایسے معجزات لے کر آئے جن کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا سوائے اس کے جسے اس ذات گرامی کی تائید و حمایت حاصل ہو جو شریعت کو نازل فرمانے والا ہے۔ غور فرمائیے! کہ کسی طبیب کو یہ قدرت کیسے حاصل ہو سکتی ہے کہ وہ جمادات کو زندہ کر دے یا وہ مادر زاد نابینے اور برص میں مبتلا مریض کو تندرست کر دے یا قبر میں مدفون انسان کو زندہ کر کے اٹھا دے۔

اسی طرح جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو آپ کے دور میں فصحاء، بلغاء اور بہت عظیم شعراء کا بڑا چرچا تھا تو اس مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کتاب عطا فرمائی کہ اگر کائنات کے تمام جن وانس مل کر بھی اس جیسی کتاب لانا چاہیں تو ہرگز نہ لا سکیں۔ پوری کتاب کا لانا تو کجا اس جیسی دس سورتیں بلکہ ایک سورت بھی کبھی نہ لا سکیں گے، خواہ ایک دوسرے کے مدد و معاون ہی کیوں نہ بن جائیں، اس لیے کہ یہ اللہ رب العالمین کا کلام ہے اور مخلوق میں سے کسی کا کلام کبھی بھی اس کے مشابہ ہو ہی نہیں سکتا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاُنَبِّئُكُمۡ بِمَا تَاۡكُلُوۡنَ وَمَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِىۡ بُيُوۡتِكُمۡ ؕ ﴾ ''اور جو کچھ تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو سب تم کو بتا دیتا ہوں۔'' یعنی میں تم کو یہ بتا دیتا ہوں کہ اس وقت تم میں سے کوئی کیا کھا کر آیا ہے اور اس نے اپنے گھر میں کل کے لیے کیا کچھ جمع کر رکھا ہے۔ ﴿ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ ﴾ بے شک ان سب باتوں میں ﴿ لَاٰيَةً لَّكُمۡ ﴾ ''البتہ تمھارے لیے نشانی ہے۔'' اس بات کی کہ جو کچھ میں تمھارے پاس لے کر آیا ہوں یہ سچ ہے۔ ﴿ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝٤٩ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ ﴾ ''اگر تم صاحب ایمان ہو۔ اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی اس کی میں تصدیق بھی کرتا ہوں۔'' اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا۔

﴿ وَلِاُحِلَّ لَـكُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ حُرِّمَ عَلَيۡكُمۡ ﴾ ''اور (میں) اس لیے بھی (آیا ہوں) کہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو تمھارے لیے حلال کر دوں۔'' یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کے بعض احکام کو منسوخ کیا اور جس کے بارے میں وہ غلطی سے جھگڑتے رہتے تھے، اس کی صورتحال کو واضح کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ تَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ‌ ۚ ﴾ (الزخرف 63:43) ''نیز اس لیے کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو، تم کو سمجھا دوں۔'' واللہ أعلم. پھر فرمایا: ﴿ وَجِئۡتُكُمۡ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ﴾ ''اور میں تو تمھارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔'' جو اس بات کی حجت و دلیل ہے کہ میں تم سے جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بالکل سچ ہے۔

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۝٥٠ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىۡ وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ ﴾ ''چنانچہ تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ کچھ شک نہیں

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ

پھر جب عیسیٰ نے ان میں کفر محسوس کیا تو ان سے کہا: اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار بنے گا؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے انصار ہیں، ہم اللہ پر ایمان

اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿52﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ

لائے ہیں اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں ﴿52﴾ اے ہمارے رب! ہم اس پر ایمان لائے ہیں جو تو نے نازل کیا اور ہم نے رسول کی پیروی کی ہے،

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿53﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿54﴾ ع 5/13 13

چنانچہ ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لے ﴿53﴾ اور انھوں نے تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے ﴿54﴾

کہ اللہ ہی میرا اور تمھارا پروردگار ہے تم اسی کی عبادت کرو۔'' یعنی اس کی عبادت کرنے اور اس کے سامنے عجز وانکسار کرنے کے اعتبار سے میں اور تم سب برابر ہیں۔ ﴿هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿51﴾﴾ ''یہی سیدھا رستہ ہے۔''

تفسیر آیات: 52-54

حواریوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نصرت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ﴾ ''جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے نافرمانی دیکھی۔'' اور یہ محسوس فرمایا کہ وہ کفر اور ضلالت ہی پر ڈٹے رہیں گے تو فرمایا: ﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ﴾ ''کوئی ہے جو اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہو؟''

مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کون ہے جو اللہ کی طرف میری پیروی کرے؟[1] بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ کون ہے جو دعوت الی اللہ میں میرا مددگار بن جائے؟ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ ہجرت سے قبل موسم حج میں یہ فرمایا کرتے تھے: [مَنْ يُّؤْوِينِي مَنْ يَّنْصُرُنِي حَتّٰى أُبَلِّغَ رِسَالَةَ رَبِّي؟]، [فَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ مَنَعُونِي أَنْ أُبَلِّغَ كَلَامَ رَبِّي] ''کون ہے جو مجھے ٹھکانا دے؟ کون ہے جو میری نصرت کرے تاکہ میں اپنے رب کی رسالت کو پہنچا دوں؟ کیونکہ قریش نے کلام باری تعالیٰ کی تبلیغ سے مجھے روک دیا ہے۔''[2] حتی کہ آپ نے انصار کو پا لیا جنھوں نے آپ کو ٹھکانا دیا، آپ کی نصرت واعانت کی، پھر آپ نے جب ان کی طرف ہجرت فرمائی تو انھوں نے آپ کی غم خواری کی اور ہر سیاہ وسرخ کے مقابلے میں آپ کی مدد کی۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ أَرْضَاهُمْ.

اسی طرح حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے پاس بھی بنی اسرائیل کی ایک جماعت آ گئی جو آپ پر ایمان لائی اور جس نے آپ کی تائید وحمایت کرتے ہوئے اس نور کی پیروی شروع کر دی جسے آپ پر اتارا گیا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿52﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿53﴾﴾ ''حواری کہنے لگے: ہم اللہ کے (طرفدار اور آپ کے) مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ ہمارے پروردگار! جو (کتاب) تو نے نازل فرمائی ہے ہم اس

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 659/2. [2] اس کا ابتدائی حصہ مسند أحمد: 322/3 اور آخری حصہ سنن أبی داود، السنة، باب فی القرآن، حدیث: 4734 و جامع الترمذی، فضائل القرآن، باب: [ألا رجل یحملنی......]، حدیث: 2925 کے مطابق ہے۔

پر ایمان لے آئے اور (تیرے) پیغمبر کے متبع ہو چکے، چنانچہ تو ہمیں گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔‘‘

حواریوں کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ان سے مراد دھوبی ہیں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حواری کے معنی مددگار کے ہیں جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث سے یہ ثابت ہے، رسول اللہ ﷺ نے احزاب کے دن جب لوگوں کو بلایا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ کی آواز پر فوراً لبیک کہا، آپ نے پھر بلایا تو پھر بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہی نے فوراً لبیک کہا تو نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوَارِيًّا، وَّحَوَارِيَّ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ] ’’ہر نبی کا ایک حواری (مددگار) ہوتا ہے اور میرے حواری زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہ ہیں۔‘‘[1] اور امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۵۳﴾ سے مراد یہ ہے کہ ہمیں امت محمد ﷺ کے ساتھ لکھ رکھ۔[2] اس کی سند جید ہے۔

یہودیوں کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ: پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مطلع فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں برا ارادہ کیا۔ انھوں نے اس وقت آپ کو قتل کر دینا یا پھانسی دے دینا چاہا جب وہ سب آپ کے خلاف جمع ہو گئے تھے اور انھوں نے اس دور کے بادشاہ کے پاس آپ کی چغلی کی تھی۔ اور وہ بادشاہ کافر تھا۔ انھوں نے اس سے کہا کہ یہاں ایک آدمی ہے جو لوگوں کو گمراہ کرتا، انھیں بادشاہ کی اطاعت سے روکتا، رعایا کو خراب کرتا اور باپ بیٹے میں جدائی ڈال دیتا ہے۔

الغرض انھوں نے اس طرح کے بہت سے جھوٹے الزامات آپ پر لگائے اور انھوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ حرامی ہے۔ اس طرح انھوں نے بادشاہ کو آپ کے خلاف بہت بھڑکایا تو اس نے آپ کی تلاش میں کچھ لوگوں کو بھیجا جو آپ کو پکڑ کر سزا دیں اور پھانسی پر لٹکا دیں۔ انھوں نے آپ کے مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور جب یہ گمان کیا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سے نجات دی اور اس مکان کے روشن دان سے نکال کر آپ کو آسمان پر اٹھا لیا اور مکان میں موجود ایک انسان کو آپ کا ہم شکل بنا دیا۔

جب وہ لوگ رات کی تاریکی میں مکان میں داخل ہوئے تو انھوں نے اسے عیسیٰ سمجھتے ہوئے اسے پکڑ لیا، اس کی توہین و تذلیل کی، پھر اسے پھانسی دے کر اس کے سر پر کانٹے رکھ دیے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف یہ تدبیر کی کہ اپنے نبی کو بچا لیا، انھیں ان کے درمیان سے اوپر اٹھا لیا اور انھیں اپنی گمراہی میں پڑا بھٹکتا ہوا چھوڑ دیا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا کہ وہ ہمیشہ حق کے ساتھ بغض اور عناد رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں ذلت و رسوائی میں مبتلا کر دیا جو قیامت تک ان کا پیچھا نہ چھوڑے گی۔ اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۵۴﴾ ’’اور انھوں نے چال چلی اور اللہ نے بھی (عیسیٰ کو بچانے کی) تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔‘‘

[1] صحیح البخاری، الجهاد والسير، باب هل يبعث الطّليعة وحده ؟حديث:2847 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل طلحة والزبير، حديث:2415 عن جابر بن عبدالله۔ [2] تفسير ابن أبي حاتم:660/2.

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰٓى إِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ

جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰ ! بے شک میں تجھے پورا لے لوں گا اور اپنی طرف اٹھا لوں گا اور ان کافروں سے تجھے پاک کر دوں گا، اور جن لوگوں نے تیری

اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ

پیروی کی، انھیں کافروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا، پھر تمھیں میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور میں تمھارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دوں

فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿55﴾ فَأَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫

گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿55﴾ پھر جن لوگوں نے کفر کیا، انھیں میں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿56﴾ وَأَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ أُجُوْرَهُمْ ۭ

اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہو گا ﴿56﴾ اور لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے تو اللہ انھیں ان کا پورا پورا اجر دے گا

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿57﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿58﴾

اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ﴿57﴾ (اے نبی!) یہ جو ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں، آیتیں ہیں اور حکمت والی نصیحت ہے ﴿58﴾

تفسیر آیات:55-58

﴿مُتَوَفِّيْكَ﴾ کے معنی: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿إِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ میں وفات سے مراد نیند ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ﴾ (الأنعام 60:6) ''اور وہی تو ہے (اللہ) جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمھاری روح قبض کر لیتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ﴾ (الزمر 42:39) ''اللہ ہی لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحیں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں (ان کی روحیں) سوتے میں (قبض کر لیتا ہے۔)''

اور رسول اللہ ﷺ جب نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے: [اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ] ''سب طرح کی تعریف اس اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں مارنے کے بعد ہمیں زندہ کر دیا اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''[1] اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۙ وَّقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَإِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ﴾ (النسآء 4:156-159) ''اور ان کے کفر کے سبب اور مریم پر ایک بہتان عظیم باندھنے کے سبب (ہم نے ان پر لعنت کی۔) اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا ہے، حالانکہ انھوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انھیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو شبہے میں ڈال دیا گیا۔ اور بے شک جنھوں نے عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا وہ ضرور ان کے متعلق شک میں ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کے بارے میں کوئی علم نہیں، سوائے گمان کی پیروی کے اور انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب (اور) حکمت والا

[1] صحيح البخاري، الدعوات، باب ما يقول إذا نام، حديث: 6312 و6314 عن حذيفة ﷺ.

ہے۔اور کوئی اہل کتاب نہیں ہو گا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔‘‘

اس ارشاد باری تعالیٰ میں : ﴿ قَبْلَ مَوْتِهٖ ﴾ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، یعنی کوئی اہل کتاب نہیں ہو گا مگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا اور یہ اس وقت ہو گا جب قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نازل ہوں گے جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔[1] تو اس وقت تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لے آئیں گے کیونکہ آپ جزیہ ختم کر دیں گے اور صرف اسلام ہی قبول فرمائیں گے۔

امام ابن ابو حاتم نے حضرت حسن بصری کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے ﴿ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد وفاتِ نیند ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نیند میں آسمانوں پر اٹھایا تھا۔[2]

دینِ مسیح میں تحریف: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ یعنی تمھیں آسمان کی طرف اٹھا کر کافروں (کی صحبت) سے پاک کر دوں گا۔ ﴿ وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ ’’اور جو لوگ تمھاری پیروی کریں گے، ان کو کافروں پر قیامت تک فائق (وغالب) رکھوں گا۔‘‘ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھا لیا تو آپ کے بعد آپ کے اصحاب کئی فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔

ان میں سے کچھ لوگوں کا تو آپ کے بارے میں اسی طرح ایمان تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا کہ آپ اللہ کے بندے، اس کے رسول اور اس کی باندی کے بیٹے ہیں۔اور کچھ لوگوں نے آپ کے بارے میں غلو کرتے ہوئے آپ کو اللہ کا بیٹا بنا دیا اور کچھ نے یہ کہا کہ آپ ہی اللہ ہیں اور کچھ نے کہا کہ آپ تین خداؤں میں سے ایک ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اقوال قرآن مجید میں ذکر کر کے ان میں سے ہر ایک کی تردید فرمائی ہے۔یہ قریباً تین سو سال تک انھی عقائد پر رہے۔

پھر یونان میں ’’قسطنطین‘‘ نامی ایک بادشاہ ظاہر ہوا جو دین نصرانیت میں داخل ہو گیا۔بعض کہتے ہیں کہ وہ درحقیقت ایک فلسفی تھا، عیسائیت کو قبول کرنا ایک حیلہ بہانہ تھا اور درحقیقت وہ عیسائیت کو خراب کرنا چاہتا تھا۔اور بعض کہتے ہیں کہ اس نے از راہ جہالت عیسائیت کو قبول کیا تھا۔ بہر حال اس نے دینِ مسیح میں تبدیلی و تحریف کی، کمی بیشی کی اور اس نے قوانین اور امانت کبریٰ کو وضع کیا جو حقیقت میں ایک نہایت حقیر خیانت تھی۔[3] اس نے اپنے زمانے میں خنزیر کے گوشت کو بھی حلال قرار دے دیا تھا، عیسائیوں نے اس کے لیے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دی۔اس کے لیے کنیسے بنائے اور ان کے خیال کے مطابق اس نے اپنے کسی گناہ کی وجہ سے ان کے روزوں میں دس دن کا اضافہ کر دیا۔اس طرح دینِ مسیح حقیقت میں دینِ قسطنطین بن کر رہ گیا۔

قسطنطین نے ان کے لیے بارہ ہزار سے زیادہ گرجے، کنیسے اور عبادت کدے تعمیر کروائے اور وہ شہر بھی آباد کیا جو اس کے نام سے منسوب ہے۔عیسائیوں کے فرقہ مَلَکِیَّہ نے اس کی پیروی کی اور ان تمام باتوں میں انھیں یہودیوں پر غلبہ حاصل تھا

---

[1] دیکھیے النسآء، آیت:156-159 کے ذیل میں۔ [2] الدر المنثور:64/2 و تفسیر الطبری:394/3 عن الربیع رحمہ اللہ مثلہ۔ [3] تفصیل دیکھیے النسآء، آیت:171 کے ذیل میں عنوان: ’’عیسائیوں کے فرقے۔‘‘

کیونکہ یہودیوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی تھی کیونکہ یہودیوں کی نسبت یہ حق کے زیادہ قریب تھے، گو یہ سب کافر ہیں۔ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنتیں ہوں۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو آپ پر ایمان لانے والوں کا صحیح طریقے کے مطابق اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر بھی ایمان تھا۔ وہ روئے زمین پر تشریف لانے والے ہر نبی کے پیروکار تھے کیونکہ انھوں نے اس رسول نبی اُمی، خاتم الرسل اور سید ولد آدم ﷺ کی تصدیق کی تھی جنھوں نے تمام حق کی تصدیق کرنے کی انھیں دعوت دی تھی، لہٰذا وہ ہر نبی کے اس کی اس امت کی نسبت زیادہ قریب تھے جو اس کی ملت اور طریقے پر ہونے کی دعوے دار تھی، حالانکہ انھوں نے تو اس کے دین میں تبدیلی و تحریف کر دی تھی، پھر اگر انھوں نے تحریف نہ بھی کی ہو تو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے ساتھ سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے کہ قیامت تک جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا جا سکتا، یہ دین ہر دوسرے دین کے مقابلے میں منصور و غالب رہے گا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو زمین کے مشرق و مغرب میں فتح عطا فرمائی۔ انھوں نے تمام ملکوں پر قبضہ کر لیا۔ تمام حکومتیں ان کے سامنے سرنگوں ہو گئیں۔ اور قیصر و کسریٰ کی عظمت و شوکت کو خاک میں ملا دیا۔ ان کے خزانے ان کے قدموں میں ڈھیر ہو گئے، پھر انھیں اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا گیا جیسا کہ ان کے نبی نے اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے اس کی خبر دی تھی: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ١۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا١ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا١ؕ﴾ (النور 24:55) ”جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین میں ضرور خلافت دے گا جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے، ضرور جما دے گا اور یقیناً ان کی حالتِ خوف کو بدل کر انھیں امن بخشے گا، وہ میری عبادت کریں گے (اور) میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔“

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت مسیح کے ساتھ بھی سچے ایمان لانے والے یہی لوگ تھے، انھوں نے عیسائیوں سے بلادِ شام کو چھین لیا اور انھیں روم کی طرف جلا وطن کر دیا حتی کہ یہ لوگ اپنے شہر قسطنطنیہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اور اسلام اور مسلمان قیامت تک ان پر غالب رہیں گے اور پیغمبر صادق مصدوق ﷺ نے اپنی امت سے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ آخر زمانے میں شہر قسطنطنیہ کو فتح کریں گے، اس کے تمام اموال کو غنیمت کے طور پر حاصل کر لیں گے اور رومیوں سے ان کی ایسی زبردست جنگ ہوگی کہ اس طرح کی جنگ نہ لوگوں نے پہلے کبھی دیکھی ہوگی اور نہ اس کے بعد کبھی دیکھیں گے۔ [1]

[1] دیکھیے صحیح مسلم، الفتن، باب فی فتح قسطنطينية......، حديث:2897 وباب إقبال الروم فی كثرة القتل، حديث: 2899 و سنن أبی داود، الملاحم، باب فی أمارات الملاحم، حديث:4294 و صحيح ابن حبان، التاريخ، ذكر ذَوَبان الدجّال......: 224/15.

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿59﴾ الْحَقُّ

بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے، اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس سے کہا کہ ہو جا، تو وہ ہو گیا﴿59﴾ (یہ)

مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿60﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ

آپ کے رب کی طرف سے حق ہے، لہٰذا آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں ﴿60﴾ پھر علم آ جانے کے بعد جو کوئی عیسیٰ کے

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ قف ثُمَّ

متعلق آپ سے جھگڑا کرے تو آپ کہہ دیں: آؤ ہم اور تم اپنے اپنے بیٹوں کو اپنی اپنی عورتوں کو بلالیں اور خود بھی (حاضر ہوں)

نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿61﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا

پھر گڑ گڑا کر اللہ سے دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو ﴿61﴾ بے شک یہی بیان سچا ہے ، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور

مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿62﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ

بے شک اللہ ہی غالب، خوب حکمت والا ہے ﴿62﴾ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو بے شک اللہ فساد کرنے والوں کو

بِالْمُفْسِدِينَ ﴿63﴾ ع 6/9/14

خوب جانتا ہے﴿63﴾

میں نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ترتیب دی ہے۔ [1]

کفار کے لیے دنیا و آخرت میں عذاب کی وعید: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۖ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿55﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿56﴾ ﴾ ''اور جو لوگ آپ کی پیروی کریں گے، ان کو کافروں پر قیامت تک فائق (وغالب) رکھوں گا، پھر تم سب میرے پاس لوٹ کر آؤ گے تو جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے اس دن تم میں ان کا فیصلہ کر دوں گا لیکن جو کافر ہوئے ان کو دنیا اور آخرت (دونوں) میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔''

حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے والے یہودیوں یا آپ کے بارے میں غلو کرنے والے اور آپ کی تعریف میں حد سے بڑھ جانے والے عیسائیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کیا کہ انھیں دنیا میں یہ سزا دی کہ قتل ہوئے، قید ہوئے، ان کے اموال لوٹ لیے گئے اور ان کے ملکوں کو ان سے چھین لیا گیا اور آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت اور شدید ہوگا۔ ﴿ وَمَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ﴾ (الرعد34:13) ''اور ان کو اللہ (کے عذاب) سے کوئی بھی بچانے والا نہیں۔'' ﴿ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ ﴾ ''اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کو اللہ پورا پورا صلہ دے گا۔'' یعنی دنیا و آخرت میں کہ دنیا میں انھیں فتح و نصرت سے نوازے گا اور آخرت میں بلند و بالا باغ ہائے بہشت سے۔ ﴿ وَاللَّهُ

[1] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی یہ کتاب الفتن والملاحم کے نام سے مطبوع ہے۔ اور امام موصوف کے فتح القسطنطينية کے موضوع پر ایک کتابچے کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔

لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿57﴾ ”اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿58﴾ ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) یہ ہم آپ کو (اللہ کی) آیتیں اور حکمت بھری نصیحتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔“ یعنی اے محمد (ﷺ)! یہ جو ہم نے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ، ان کی ولادت کا واقعہ اور ان کے معاملے کی کیفیت کو بیان کیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان اور اس کی وحی ہے جسے اس نے بلاشک وشبہ لوح محفوظ سے نازل فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ مریم میں فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ○ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۭ ﴾ (مریم 19:34،35) ”یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں (اور یہ) سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔ اللہ کو سزاوار ہی نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے، وہ پاک ہے جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو بس یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔“

تفسیر آیات:59-63

حضرت آدم و عیسیٰ علیہما السلام کی پیدائش میں مماثلت: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ”بے شک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال اللہ کے نزدیک“ یعنی اللہ تعالیٰ کے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا کرنے کی مثال: ﴿ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ ﴾ ”آدم کی سی ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں (اپنی قدرت کے ساتھ) باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا فرمایا تھا بلکہ ﴿ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿59﴾ ﴾ ”اللہ نے مٹی سے ان (کے قالب) کو بنایا، پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے۔“ جس ذات گرامی نے حضرت آدم علیہ السلام کو ماں اور باپ کے بغیر پیدا فرمایا، وہ عیسیٰ علیہ السلام کو بطریق اولیٰ پیدا کرنے پر قادر ہے اور اگر اس بنیاد پر عیسیٰ کے بارے میں بیٹا ہونے کا دعویٰ جائز ہے کہ وہ باپ کے بغیر پیدا ہوئے ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یہ دعویٰ بالاولیٰ جائز ہوگا لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ دعویٰ باطل ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا شدید باطل اور بالکل فاسد ہے۔

اللہ نے یہ ارادہ فرمایا تھا کہ اپنی مخلوق کے سامنے اپنی قدرت کا اظہار فرمائے اور اس کے لیے اس نے حضرت آدم کو ماں اور باپ کے بغیر پیدا فرمایا، حضرت حوّاء کو حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت مریم سے پیدا کیا جبکہ باقی ساری مخلوق کو نر اور مادہ سے پیدا فرمایا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ مریم میں فرمایا: ﴿ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ﴾ (مریم 19:21) ”تاکہ ہم ان کو لوگوں کے لیے (اپنی طرف سے) نشانی بنائیں۔“ اور یہاں بھی فرمایا: ﴿ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿60﴾ ﴾ ”(یہ بات) آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے، لہٰذا آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں۔“ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ بات حق ہے، اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں اور نہ اس کے علاوہ کوئی اور بات صحیح ہے اور حق کے بعد تو ضلالت ہی باقی رہ جاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس شخص سے مباہلہ کرنے کا حکم دیا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں صحیح صورتِ حال کے واضح ہونے کے بعد بھی حق کی مخالفت کرے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دعوتِ مباہلہ: ﴿ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ

اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ﴾ ''پھر علم آ جانے کے بعد جو کوئی عیسیٰ کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرے تو اس سے کہنا کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں گے اور تم خود بھی آؤ۔'' یعنی ہم ان سب کو مباہلے کی حالت میں حاضر کریں۔ ﴿ ثُمَّ نَبْتَهِلْ ﴾ ''پھر ہم دونوں فریق (اللہ سے) دعاء والتجا کریں۔'' ﴿ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝ ﴾ ''اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔'' یعنی ہم اور تم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

اس مباہلے اور اس سورت کے اول سے لے کر یہاں تک کے نزول کا سبب وفد نجران تھا کہ یہ عیسائی جب مدینہ میں آئے تو انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جھگڑنا شروع کیا کیونکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ''ابن اللہ'' اور ''الٰہ'' ہونے کے قائل تھے تو ان کی تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا ابتدائی حصہ نازل فرمایا جیسا کہ امام محمد بن اسحاق بن یسار وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

چنانچہ ابن اسحاق نے اپنی ''سیرت'' کی مشہور کتاب میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا جو کہ ساٹھ سواروں پر مشتمل تھا اور ان میں ان کے چودہ سردار بھی تھے جن کے پاس اختیارات تھے۔ سرداروں کے نام یہ تھے: عاقب، اس کا نام عبدالمسیح تھا، سید، یعنی ایہم، ابو حارثہ بن علقمہ جو کہ خاندان بکر بن وائل میں سے تھا، اویس بن حارث، زید، قیس، یزید، نبیہ، خویلد، عمرو، خالد، عبداللہ اور یُحَنَّس اور ان میں سے تین سردار زیادہ بڑے تھے جن کے پاس ان کے مکمل اختیارات تھے۔ ان میں سے ایک تو عاقب تھا جو کہ امیر قوم تھا، صاحب رائے تھا، اسی سے مشورہ لیا جاتا تھا، اس کی رائے کے بغیر وہ کوئی کام نہیں کرتے تھے دوسرا رہنما سید تھا جو ان میں سے بڑا عالم تھا۔ اسی کے ہاتھ میں آمد و رفت کے اختیارات تھے اور تیسرا رہنما ابو حارثہ بن علقمہ تھا جو ان کا پوپ، عالم اور امام تھا اور ان کی تعلیم گاہ کا نگران تھا۔ اس کا تعلق عرب کے خاندان بنی بکر سے تھا لیکن یہ عیسائی ہو گیا تھا جس کی وجہ سے رومیوں اور ان کے بادشاہوں نے اس کی بہت تعظیم کی، قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا، اس کے لیے کنیسے بنائے، مال و دولت سے نوازا اور ان کے دین میں اس کی پختگی کی وجہ سے انھوں نے اس کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔[1]

یہ شخص رسول اللہ ﷺ کو جانتا اور آپ کے اوصاف کو پہچانتا تھا کیونکہ اس نے انھیں سابقہ کتابوں سے معلوم کیا تھا لیکن جہالت کی وجہ سے یہ نصرانیت ہی سے وابستہ رہا، پھر اس وجہ سے بھی کہ عیسائی اس کی بہت تعظیم کرتے تھے اور عیسائیوں کے ہاں اسے خوب جاہ و عزت حاصل تھی۔

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن جعفر بن زبیر نے بیان کیا کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں مدینہ میں آئے اور مسجد نبوی میں اس وقت داخل ہوئے جب آپ نے نماز عصر ادا فرمالی تھی۔ انھوں نے علماء کا لباس پہن رکھا تھا جو

① السيرة النبوية لابن هشام، أمر السيد والعاقب وذكر المباهلة: 576,575,573/2 ودلائل النبوة للبيهقي، وفد نجران ......: 383,382/5.

بحیرۂ روم
القدس
دریائے اردن
بلقاء
مؤتہ
بحیرۂ مردار
اردن
وادی سرحان
شمال
صحرائے نفود الکبریٰ
بتراء (پٹرا)
قلزم
ایلہ
دومۃ الجندل
کلب بن وبرہ
عذرہ
ذات اطلاح
اسد/طے
تبوک
سیناء
حسمی
تیماء
تمیم
عمر مرزوق
مویلح
ضبا
ذات السلاسل
فدک
فید (قطن)
المیفعہ
الوجہ
وادی القریٰ
ذوخشبہ
خضرہ
نجد
مصر
الخبط
خیبر
الطرف
الجثوم
بطن نخل
(یمامہ کی طرف)
الغابہ
رضوی
مدینہ منورہ
ذوالقصہ
بئر معونہ
ینبع
اضم
الکبرات
السی
ودان
العیص
بنو سلیم
القردہ
ثنیۃ المرۃ
قدید
رابغ
خرار
ذات عرق
کدید
عرنہ
عضل اور قارہ
عسفان
مکہ مکرمہ
الرجیع
ہوازن
جدہ
تربہ
نجد
طائف
شعیبہ
خثعم
نوبیہ
بحیرۂ قلزم (احمر)
سودان
بیشہ
نجران
جزائر فرسان
صعدہ
ہمدان
قمران
صنعاء
یمن

0 200 400 600 800 1000 کلومیٹر



جبوں اور چادروں پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ بنو حارث بن کعب کے لوگوں کی طرح خوب صورت تھے۔

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بیان کیا کرتے تھے کہ ہم نے ان لوگوں کے بعد اس طرح کا کوئی وفد نہیں دیکھا جب یہ آئے تو ان کی نماز کا وقت ہو گیا تھا اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہی میں نماز پڑھنا شروع کر دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [دَعُوهُمْ] ''انھیں کچھ نہ کہو۔'' چنانچہ انھوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ [1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان میں سے ابو حارثہ بن علقمہ، عاقب عبدالمسیح اور سید ایہم نے گفتگو کی تھی اور یہ نصرانیت میں بادشاہ کے دین پر تھے اور باہمی اختلاف کے باوجود کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ ہیں، (یا وہ کہتے:) اللہ کے بیٹے ہیں (یا وہ کہتے:) تینوں میں سے تیسرے ہیں۔ [2] اللہ تعالیٰ کی ذات ان کی اس طرح کی باتوں سے بہت بلند و بالا اور ارفع واعلیٰ ہے۔

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ ہونے کے بارے میں دلیل یہ دیتے ہیں کہ آپ مردوں کو زندہ کرتے تھے، نابینا، ابرص اور دیگر بیماریوں میں مبتلا لوگوں کو تندرست کر دیتے تھے، غیب کی باتیں بتا دیتے تھے اور مٹی سے پرندے کی مورت بنا کر جب اس میں پھونک مارتے تو وہ پرندہ بن جاتا تھا، حالانکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا تھا تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دے۔ آپ کے ابن اللہ ہونے کے بارے میں وہ دلیل یہ دیتے تھے کہ آپ کا کوئی باپ نہیں ہے، آپ نے ماں کی گود میں ایسی بات کی ہے کہ آپ سے پہلے کسی انسان نے اس طرح کی گفتگو نہیں کی تھی، اسی طرح وہ آپ کے تینوں میں سے ایک ہونے کے بارے میں یہ دلیل دیا کرتے تھے کہ اللہ فرماتا ہے: ہم نے کہا، ہم نے حکم دیا، ہم نے پیدا کیا اور ہم نے فیصلہ کیا۔ اگر وہ واحد ہوتا تو اس طرح کہتا کہ میں نے کہا، میں نے حکم دیا، میں نے پیدا کیا اور میں نے فیصلہ کیا۔ لیکن ''الٰہ'' اللہ، عیسیٰ اور مریم ہیں۔ [3] اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اس بات سے بہت ہی بلند و بالا اور ارفع واعلیٰ ہے جو ظالم اور کافر کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی ان سب باتوں کی تردید فرمائی ہے۔

پھر ابن اسحاق نے ان آیات کی تفسیر بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر آ گئی، آپ اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا اور آپ کو حکم دیا گیا کہ اگر وہ آپ کی بات کی مخالفت کریں تو آپ ان سے مباہلہ کر لیں، چنانچہ آپ نے انھیں مباہلے کی دعوت دی تو انھوں نے کہا کہ اے ابو القاسم! ہمیں مہلت دو تاکہ ہم غور کر لیں، پھر ہم بتا دیں گے کہ آپ نے ہمیں جو دعوت دی ہے اس کے بارے میں ہمارا کیا ارادہ ہے۔ یہ کہہ کر وہ آپ کے پاس سے چلے گئے اور عاقب کے ساتھ مل کر خلوت میں غور کرنے لگے، عاقب ان میں صاحب رائے تھا، چنانچہ انھوں نے کہا: اے عبدالمسیح! تمھاری کیا رائے ہے؟ عبدالمسیح نے کہا: اے گروہ نصاریٰ! واللہ! تم یہ جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبیٔ مرسل ہیں، وہ تمھارے نبی کے بارے میں فیصلہ کن خبریں لائے ہیں اور تمھیں معلوم ہے کہ جو قوم کسی نبی سے مباہلہ کرے تو پھر ان کا نہ کوئی

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام، صلوتهم إلى المشرق:574/2. [2] السيرة النبوية لابن هشام، أسماء الوفد......: 575/2. [3] السيرة النبوية لابن هشام، أسماء الوفد ومعتقدهم ومناقشتهم الرسول ﷺ:575/2.

بڑا باقی بچتا ہے اور نہ چھوٹا۔ اگر تم نے رسول اللہ ﷺ سے مباہلہ کیا تو صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیے جاؤ گے۔ اگر تم اپنے دین ہی سے محبت کرنا چاہتے ہو اور اپنے نبی کے بارے میں اپنی ہی بات پر قائم رہنا چاہتے ہو تو اس شخص سے الوداع ہو کر اپنے شہر کی طرف لوٹ جاؤ۔ اس مشورے کے بعد وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ ابوالقاسم! ہماری رائے یہ ہے کہ ہم آپ سے مباہلہ نہ کریں۔ آپ کو آپ کے دین پر چھوڑ دیں اور ہم اپنے دین پر رہتے ہوئے لوٹ جائیں۔ ہاں، البتہ اپنے ساتھیوں میں سے اپنے پسند کے کسی ایک آدمی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تا کہ وہ مالی امور میں ہمارے چند باہمی اختلافات کا فیصلہ کر دے کیونکہ آپ لوگ ہمارے نزدیک پسندیدہ ہیں۔ [1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وفد نجران کے سردار عاقب اور سید (ایہم) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کا ارادہ مباہلہ کرنے کا تھا تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے مباہلہ نہ کرو کیونکہ اگر آپ اللہ کے نبی ہیں اور ہم نے آپ سے مباہلہ کر لیا تو نہ ہم بچیں گے اور نہ ہماری آئندہ نسل بچے گی۔ دونوں نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ نے جو فرمایا ہے وہ ہم آپ کو دے دیں گے۔ آپ ہمارے ساتھ کسی امین آدمی کو بھیج دیں اور کسی اور کو نہیں بلکہ امین ہی کو بھیجیں، آپ نے فرمایا: [لَأَبْعَثَنَّ مَعَكُمْ رَجُلًا أَمِينًا حَقَّ أَمِينٍ فَاسْتَشْرَفَ لَهُ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ، فَقَالَ : قُمْ يَا أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ ! فَلَمَّا قَامَ ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هٰذَا أَمِينُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ] ''یقیناً میں تمھارے ساتھ ایک سچے اور پکے امانت دار شخص کو بھیجوں گا۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نظریں اٹھا کر دیکھنا شروع کر دیا کہ یہ سعادت کسے میسر آتی ہے تو آپ نے فرمایا: اے ابوعبیدہ بن جراح! تم کھڑے ہو جاؤ۔ جب وہ کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ اس امت کے امین ہیں۔'' [2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ ، وَّأَمِينُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ] ''ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن جراح ہے۔'' [3]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ابوجہل قَبَّحَهُ اللّٰهُ نے کہا کہ اگر میں محمد (ﷺ) کو کعبے کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھوں تو آپ کی گردن کو پامال کر دوں۔ آپ نے فرمایا: [لَوْ فَعَلَ لَأَخَذَتْهُ الْمَلَائِكَةُ عِيَانًا وَّلَوْ أَنَّ الْيَهُودَ تَمَنَّوُا الْمَوْتَ لَمَاتُوا، وَرَأَوْا مَقَاعِدَهُمْ مِّنَ النَّارِ، وَلَوْ خَرَجَ الَّذِينَ يُبَاهِلُونَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، لَرَجَعُوا لَا يَجِدُونَ مَالًا وَّلَا أَهْلًا] ''اگر وہ ایسی حرکت کرتا تو آنکھوں کے سامنے فرشتے اسے پکڑ لیتے۔ اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو وہ مر جاتے اور جہنم میں اپنے ٹھکانے دیکھ لیتے اور اگر عیسائی رسول اللہ ﷺ سے مباہلے کے لیے نکلتے تو وہ اس طرح لوٹتے کہ نہ ان کا مال بچتا اور نہ اہل وعیال۔ [4] اس حدیث کو امام بخاری، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ نے بھی روایت کیا

[1] السيرة النبوية لابن هشام، إباؤهم الملاعنة:2/583، 584. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب قصة أهل نجران، حديث:4380. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب قصة أهل نجران، حديث:4382. [4] مسند أحمد:1/248.

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا

آپ کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور

نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا

اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے، پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تم کہہ دو: اس بات کے گواہ رہو

اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿64﴾

کہ بے شک ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں ﴿64﴾

ہے۔[1] اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب صحیح قرار دیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ﴾ ”بے شک یہی بیان سچا ہے۔“ یعنی اے محمد (ﷺ)! عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہم نے یہ جو بیان کیا ہے یہ بالکل صحیح ہے۔ اس میں ذرہ بھر بھی کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔ ﴿وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿62﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ ”اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ غالب (اور) صاحب حکمت ہے، پھر اگر وہ منہ موڑیں“ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿63﴾﴾ ”تو یقیناً اللہ مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔“ یعنی جو حق سے اعراض کر کے باطل کو اختیار کرے تو وہ مفسد ہے اور اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے اور اس کی وہ اسے بدترین سزا دے گا اور وہ اس پر قادر ہے اور کوئی چیز اس کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں ہے۔ وہ ذات پاک ہے ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اس کی ناراضی اور اس کی سزا سے اسی کی پناہ چاہتے ہیں۔

تفسیر آیت: 64

مسئلہ توحید سب کے ہاں معلوم ہے: یہ خطاب عام ہے جو اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے لیے بھی ہے اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے لیے بھی کہ ﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ﴾ ”کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! ایک بات کی طرف آؤ۔“ کلمہ کا اطلاق جملۂ مفیدہ پر ہوتا ہے جیسا کہ یہاں فرمایا ہے اور اس کلمہ کی تعریف میں کہا: ﴿سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ ”جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے۔“ یہ بات عدل و انصاف پر مبنی ہے اور اس میں ہم اور تم برابر ہیں، پھر اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے: ﴿اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا﴾ ”وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں۔“ نہ کسی بت کو، نہ صلیب کو، نہ صنم کو، نہ طاغوت کو، نہ آگ کو اور نہ کسی اور ہی چیز کو بلکہ ہم صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔

تمام رسولوں کی بھی یہی دعوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْۤ اِلَيْهِ

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله تعالى: ﴿كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ﴿15﴾﴾ (العلق 96:15)، حدیث: 4958 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة اقرأ باسم ربك، حدیث: 3348 والسنن الکبری للنسائی، التفسیر، سورة العلق: 6/518 ، حدیث: 11685 مختصرًا.

اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ ﴾ (الأنبیاء 21:25) ”اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے، ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا میری ہی عبادت کرو۔“ اور فرمایا: ﴿ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ (النحل 16:36) ”اور یقیناً ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ ”اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔“ ابن جریج فرماتے ہیں: یعنی ہم میں سے کوئی کسی کی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اطاعت نہ کرے۔ ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝۶۴ ﴾ ”اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (اللہ کے) فرمانبردار ہیں۔“ یعنی اگر وہ لوگ اس عدل و انصاف اور اس دعوت کو نہ مانیں تو تم انھیں گواہ بنا لو کہ تم اس اسلام پر عمل پیرا ہو جسے اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے مقرر فرمایا ہے۔

وہ نامۂ مبارک جو نبی کریم ﷺ نے ہرقل کی طرف ارسال فرمایا تھا، اس میں لکھا تھا:

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ!

سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى.

أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ ، وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ، فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ ، وَ ﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝۶۴ ﴾

”اللہ کے نام سے (شروع) جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، محمد رسول اللہ کی طرف سے روم کے بادشاہ ہرقل کے نام! سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

حمد و ثنا کے بعد:

میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، مسلمان ہو جاؤ سلامت رہو گے، اسلام قبول کر لو اللہ تعالیٰ تمھیں دوگنا اجر و ثواب عطا فرمائے گا اگر تم نے نہ مانا تو پھر کسانوں کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔ اور ”اے اہل کتاب! جو بات ہمارے اور تمھارے دونوں کے درمیان یکساں (تسلیم کی گئی) ہے، اس کی طرف آؤ، وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ (اس بات کو) نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم (اللہ کے) فرمانبردار ہیں۔“[1]

محمد بن اسحاق اور کئی دیگر ائمہ نے ذکر کیا ہے کہ سورۂ آل عمران کا ابتدائی حصہ، آغاز سے لے کر اَسّی (80) سے زائد

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ .... ﴾ (آل عمران 3:64)، حديث:4553 و تفسير ابن أبي حاتم:669/2 عن أبي سفيان رضي الله عنه .

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ

اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ تورات اور انجیل تو اس کے بعد ہی نازل

بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿65﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ

کی گئی ہیں، کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ﴿65﴾ آگاہ رہو! تم وہ لوگ ہو کہ تم نے اس بات میں جھگڑا کیا جس کا تمھیں کچھ علم

فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿66﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا

تھا تو اب تم اس چیز کی بابت کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمھیں کوئی علم نہیں؟ اللہ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے ﴿66﴾ ابراہیم

وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿67﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ

نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ صرف حق پرست، فرمانبردار تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ﴿67﴾ بے شک ابراہیم سے

بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿68﴾

قریب تر وہی لوگ ہیں جنھوں نے ان کی پیروی کی، پھر یہ نبی اور مومن لوگ۔ اور اللہ مومنوں کا دوست ہے ﴿68﴾

آیات تک، وفد نجران کے بارے میں نازل ہوا ہے۔[1] امام زہری فرماتے ہیں کہ یہ پہلے لوگ تھے جنھوں نے جزیہ ادا کیا۔ اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آیت جزیہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے، پھر سوال یہ ہے کہ فتح مکہ سے قبل ہرقل کے نام مکتوب گرامی میں اس آیت کے لکھے جانے اور امام محمد بن اسحاق اور امام زہری نے جو ذکر کیا ہے اس میں تطبیق کس طرح ہوگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ احتمال ہے کہ وفد نجران کی آمد حدیبیہ سے پہلے ہوئی ہو اور وفد نجران نے جو کچھ ادا کیا وہ مباہلے کے بجائے مصالحت کی وجہ سے ہو نہ کہ جزیے کے طور پر اور اس کے بعد آیت جزیہ اس کی تائید وحمایت اور موافقت میں نازل ہوئی ہو جیسا کہ خُمُس کی فرضیت اور پانچ میں سے باقی چار حصوں کا حکم حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے اس عمل کے مطابق نازل ہوا تھا جو انھوں نے بدر سے پہلے ایک سَرِیّے میں اختیار کیا تھا، پھر مال غنیمت کی تقسیم کا حکم اسی کے مطابق نازل ہوا تھا۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ جب اپنے نامۂ مبارک میں لکھوائے، اس وقت تک نازل ہی نہ ہوئے ہوں اور بعد میں آپ کی تائید وحمایت میں یہ الفاظ قرآن مجید میں نازل ہو گئے ہوں جیسا کہ قرآن مجید میں پردہ، قیدیوں اور منافقوں کی نماز جنازہ نہ پڑھنے سے متعلق آیات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی موافقت میں نازل ہوئی تھیں۔

اسی طرح فرمانِ الٰہی: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ﴾ (البقرۃ 2:125) ''اور (حکم دیا کہ) تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔'' اور فرمان باری: ﴿عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ﴾ (التحریم 66:5) ''اگر وہ (نبی) تمھیں طلاق دے دے تو شاید اس کا رب اس کو تم سے بہتر بیویاں بدلے میں دے۔'' بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی موافقت میں نازل ہوئے۔[2]

[1] السيرة النبوية لابن هشام، مانزل من آل عمران فيهم: 576/2. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ﴾ (التحريم 66:5)، حديث: 4916.

تفسیر آیات:65-68

دین ابراہیم خلیل علیہ السلام کے بارے میں یہود و نصاریٰ کا جھگڑا: یہود و نصاریٰ نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے دین کے بارے میں جو جھگڑا کیا اور ان میں سے ہر ایک نے جو یہ دعویٰ کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان میں سے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی مقام پر ان کی تردید فرمائی ہے جیسا کہ امام محمد بن اسحاق بن یسار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نجران کے عیسائی اور یہودی علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے اور آپس میں جھگڑنے لگے۔

یہودی علماء نے کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی ہی تھے۔ عیسائیوں نے کہا کہ نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام تو عیسائی ہی تھے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ ''اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟'' یعنی اے یہودیو! تم یہ کیسے دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیم یہودی تھے؟ کیونکہ آپ کا زمانہ تو اللہ تعالیٰ کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کرنے سے پہلے کا ہے۔ اور اے عیسائیو! تم یہ کیونکر دعویٰ کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے؟ جبکہ عیسائیت نے تو ان کے ایک طویل عرصے بعد جنم لیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾ ''تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟''[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ ﴾ ''دیکھو! ایسی بات میں تو تم نے جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمھیں کچھ علم بھی تھا مگر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو کچھ بھی علم نہیں؟'' یہ اس شخص کی تردید ہے جو علم کے بغیر جھگڑا کرے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں علم کے بغیر جھگڑا کیا تھا۔ اگر یہ اس علم کے مطابق جھگڑا کرتے جو ان کے پاس موجود تھا اور ان کے ان دینوں سے متعلق تھا جن کے مطابق عمل کرنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک تھا تو یہ ان کے لیے زیادہ مناسب تھا لیکن انھوں نے تو اس کے بارے میں گفتگو کی جس کا انھیں علم ہی نہ تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی اور حکم دیا کہ جس بات کا علم نہ ہو اسے اس عالم الغیب والشہادہ کی طرف لوٹا دیا جائے جو تمام امور کو ان کے حقائق کے مطابق جانتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ ''اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' پھر فرمایا: ﴿ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ ﴾ ''ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی عیسائی بلکہ سب (گمراہیوں) سے بے تعلق ہو کر (اللہ کے) فرمانبردار تھے۔'' یعنی شرک سے بے زار اور ایمان کے طلب گار تھے۔ ﴿ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ ''اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' یہ آیت اسی طرح ہے جیسے سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہے: ﴿ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ ﴾ (البقرۃ 2:135) ''اور انھوں نے کہا: تم یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو تم ہدایت پا جاؤ گے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ ''بے شک ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ لوگ

---

[1] تفسیر الطبری: 414/3.

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا

اہل کتاب میں سے ایک گروہ تمھیں گمراہ کرنا چاہتا ہے جبکہ وہ اپنے آپ ہی کو گمراہ کر رہے ہیں اور وہ شعور نہیں رکھتے (69) اے اہل کتاب!

يَشْعُرُوْنَ ﴿69﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿70﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ

تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو، حالانکہ تم خود (ان کی سچائی کے) گواہ ہو؟ (70) اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں خلط ملط

7 8 15 لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿71﴾ ع وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ

کرتے ہو اور تم جانتے بوجھتے حق کو کیوں چھپاتے ہو؟ (71) اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے (اپنے لوگوں سے) کہا: مسلمانوں پر جو چیز نازل

اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ

کی گئی ہے اس پر تم صبح ایمان لاؤ اور شام کو اس کا انکار کر دو تاکہ وہ بھی (ایمان سے) پھر جائیں (72) اور تم اسی کا یقین کرو جو تمھارے دین کا

يَرْجِعُوْنَ ﴿72﴾ ج وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ

پیروکار ہے، آپ کہہ دیجیے: حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے۔ (اور کہتے ہیں: مت مانو) کہ کسی کو ویسی چیز مل سکتی ہے جو تمھیں ملی ہے یا

مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

(جس سے) وہ تمھارے رب کے ہاں تم پر حجت قائم کر سکیں۔ کہہ دیجیے: بے شک فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿73﴾ ج يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿74﴾

ہے اور اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے (73) وہ خاص کرتا ہے اپنی رحمت سے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے (74)

جو ایمان لائے ہیں اور اللہ مومنوں کا دوست ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام کی پیروی کے سب سے زیادہ حق دار تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کے دین کی اتباع کی اور یہ نبی محمد ﷺ اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والے آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مہاجرین وانصار اور ان کے بعد آپ کی پیروی کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ حقدار ہیں۔ سعید بن منصور نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ وُلَاةً مِّنَ النَّبِيِّينَ وَإِنَّ وَلِيِّي مِنْهُمْ أَبِي وَخَلِيلُ رَبِّي] ''ہر نبی کے نبیوں میں سے قریبی دوست ہوتے ہیں اور ان میں سے میرے قریبی دوست میرے باپ اور میرے رب کے قریبی دوست ابراہیم علیہ السلام ہیں۔'' پھر آپ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ ... ﴾[1] فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿68﴾ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان تمام مومنوں کا قریبی دوست ہے جو اس کے رسولوں پر ایمان لانے والے ہیں۔

تفسیر آیات: 69-74

[1] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ آل عمران، حدیث: 2995، [مِنْهُمْ] دیکھیے المستدرک للحاکم: 292/2، التفسیر، باب من سورۃ آل عمران، حدیث: 3151 وسنن سعید بن منصور، تفسیر سورۃ آل عمران، قولہ تعالیٰ: ﴿ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ ... ﴾: 1047/3، حدیث: 501 وتفسیر الطبری: 418/3.

یہودیوں کا مسلمانوں سے حسد اور مکروفریب: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہودی مومنوں سے حسد رکھتے ہیں اور ان کا مقصد مومنوں کو گمراہ کرنا ہے لیکن اس کا وبال انھی پر لوٹے گا اور انھیں اس بات کا شعور بھی نہیں کہ ان کے خلاف ایک خفیہ چال چلی جا رہی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝70 ﴾ ”اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو، حالانکہ تم خود (ان کی سچائی کے) گواہ ہو؟“ یعنی تم جانتے ہو کہ یہ آیات سچی ہیں اور تم ان کی حقیقت کو بھی جانتے ہو۔ ﴿ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝71 ﴾ ”اے اہل کتاب! تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ خلط ملط کیوں کرتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو، حالانکہ تم جانتے بھی ہو؟“ یعنی تمھاری کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کی جو صفات لکھی ہوئی ہیں تم انھیں چھپاتے ہو، حالانکہ تم انھیں جانتے اور سچ مانتے ہو۔

اور اللہ کا فرمان: ﴿ وَقَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ ﴾ ”اور اہل کتاب ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ جو (کتاب) مومنوں پر نازل ہوئی ہے اس پر دن کے شروع میں تو ایمان لے آیا کرو اور اس کے آخر میں انکار کر دیا کرو۔“ یہ یہودیوں کی ایک سازش تھی جس کے ساتھ انھوں نے کمزور لوگوں پر ان کے دین کے معاملے کو خلط ملط کر دینا چاہا تھا اور وہ یہ کہ انھوں نے باہمی مشورے سے یہ بات طے کی کہ دن کے شروع کے حصے میں ایمان کا اظہار کر دیا کرو اور صبح کی نماز بھی مسلمانوں کے ساتھ مل کر ادا کر لیا کرو اور جب دن کا آخری حصہ آئے تو اپنے دین کی طرف پلٹ جایا کرو تاکہ جاہل لوگ یہ کہیں کہ مسلمانوں کے دین میں نقص وعیب کی وجہ سے یہ لوگ اپنے دین کی طرف پلٹ گئے ہیں۔ اسی لیے انھوں نے کہا تھا: ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝72 ﴾ ”تاکہ وہ (اسلام سے) برگشتہ ہو جائیں۔“ ابن ابو نجیح نے مجاہد سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہودیوں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز فجر ادا کی لیکن مکرو فریب کی وجہ سے دن کے آخری حصے میں پھر کافر ہو گئے تاکہ لوگوں کو یہ تاثر ملے کہ اسلام کو قبول کرنے کے بعد انھیں کوئی خامی نظر آئی تھی جس کی وجہ سے انھوں نے اسلام کو ترک کر دیا ہے۔[1]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ﴾ ”اور اپنے دین کے پیرو کے سوا کسی اور پر یقین نہ کرنا۔“ یعنی اپنے دین کے پیرو کے سوا اور کسی پر نہ مطمئن ہونا اور نہ اپنے راز کو اور جو کچھ تمھارے پاس ہے اسے ظاہر کرنا سوائے اس کے جو تمھارے دین کی پیروی کرے اور جو کچھ تمھارے پاس ہے اسے مسلمانوں پر بھی ظاہر نہ کرنا ورنہ وہ اسے تسلیم کر کے تمھارے خلاف بطور دلیل پیش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ﴾ ”کہہ دیجیے کہ حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے۔“ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی مومنوں کے دلوں کو اس مکمل ایمان کی رہنمائی فرماتا ہے جسے اس نے اپنے عبد و رسول حضرت محمد ﷺ پر روشن آیات، قطعی دلائل اور واضح براہین کے ساتھ نازل فرمایا ہے، خواہ اے یہودیو! تم نبیِ

[1] تفسیر الطبری:3/424 .

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ

اور اہل کتاب میں سے بعض وہ ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس خزانے کا ڈھیر امانت رکھیں تو وہ بھی آپ کو ادا کر دیں گے اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ

بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ

اگر آپ ان کے پاس ایک دینار امانت رکھیں تو وہ آپ کو ادا نہیں کریں گے الا یہ کہ آپ ہمیشہ ان (کے سر) پر کھڑے رہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں:

عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾ بَلٰى مَنْ

ہم پر اُمیوں (عربوں) کی بابت کوئی گناہ نہیں اور وہ جانتے بوجھتے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ﴿75﴾ کیوں نہیں! (بلکہ مؤاخذہ ہوگا، البتہ) جو شخص اپنا عہد پورا

اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿76﴾

کرے اور اللہ سے ڈرے تو بے شک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے ﴿76﴾

امی حضرت محمد ﷺ کی اس صفت وشان کو چھپا بھی لو جو تمھاری ان کتابوں میں موجود ہے جو تمھارے سابقہ انبیاء سے منقول ہیں۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَنْ يُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ ﴾ ’’(وہ یہ بھی کہتے ہیں:) یہ بھی (نہ مانتا) کہ جو چیز تم کو ملی ہے ویسی کسی اور کو ملے گی یا وہ تمھارے اللہ کے روبرو تم پر حجت قائم کر سکیں گے۔‘‘ یعنی وہ کہتے تھے کہ تمھارے پاس جو علم ہے اسے مسلمانوں کے سامنے ظاہر نہ کرو ورنہ وہ تم سے سیکھ کر تمھارے برابر ہو جائیں گے بلکہ شدت ایمان کی وجہ سے تم سے بڑھ جائیں گے یا وہ تمھارے اللہ کے روبرو تم پر حجت قائم کر سکیں گے، یعنی جو کچھ تمھارے پاس موجود ہے اسے تمھارے ہی خلاف بطور دلیل پیش کریں گے، پھر تمھارے ہی خلاف حجت قائم ہو جائے گی اور یہ حجت دنیا و آخرت دونوں میں قائم ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ ﴾ ’’(یہ بھی) کہہ دیجیے کہ بزرگی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔‘‘ یعنی تمام امور صرف اور صرف اس کے تصرف اور اختیار میں ہیں، وہ جس کو چاہے عطا فرمائے اور جس کو چاہے محروم کر دے جس پر چاہے ایمان، علم اور مکمل فہم کے ساتھ احسان فرمائے اور جسے چاہے گمراہ کر دے، اس کی بصیرت و بصارت کو اندھا کر دے، اس کے دل اور کان پر مہر لگا دے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دے، ہر ہر چیز میں اس کی حجت تامہ اور حکمت بالغہ کارفرما ہے۔

﴿ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿73﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿74﴾ ﴾ ’’اور اللہ کشائش والا (اور) علم والا ہے، وہ اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔‘‘ یعنی اے مومنو! اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنے اس خاص فضل سے سرفراز فرمایا ہے کہ تمھارے نبی کو دیگر تمام انبیائے کرام کے مقابلے میں بے حد و حساب اور بے پایاں فضل و شرف سے نوازا اور سب سے زیادہ کامل اور اکمل دین و شریعت کی طرف تمھاری رہنمائی فرمائی ہے۔

تفسیر آیات: 76,75

یہودیوں کی امانت کا حال: اللہ تعالیٰ مطلع فرما رہا ہے کہ یہودیوں میں کچھ لوگ حد درجہ خائن بھی ہیں، اس لیے وہ مومنوں کو

تلقین فرما رہا ہے کہ ان سے فریب خوردہ نہ ہونا کیونکہ ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے ﴿ مَنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِقِنۡطَارٍ ﴾ کہ اگر آپ اس کے پاس ڈھیر سارا مال بطور امانت رکھیں ﴿ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ ﴾ ''تو وہ آپ کو (فوراً) واپس دے دے گا۔'' یعنی اگر مال اس سے کم ہو تو اسے بطریق اولیٰ واپس دے دے گا۔ ﴿ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِدِيۡنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ اِلَّا مَا دُمۡتَ عَلَيۡهِ قَآئِمًا ﴾ ''اور کوئی ان میں سے اس طرح کا ہے کہ اگر آپ اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھیں تو جب تک اس (کے سر) پر ہر وقت کھڑے نہ رہیں آپ کو ادا نہیں کرے گا۔'' یعنی جب تک آپ بڑے شد و مد سے اور الحاح (منت وسماجت) و اصرار کے ساتھ مطالبہ نہ کریں وہ آپ کو ایک دینار بھی واپس نہیں دے گا اور اگر ایک دینار لوٹانے میں وہ پس و پیش کرتا ہے تو اس سے اندازہ لگائیے کہ اگر مال اس سے زیادہ ہو تو وہ کس طرح واپس کرے گا؟ دینار تو ایک معروف چیز ہے اور قنطار کے بارے میں اس سورت کے آغاز میں بحث ہو چکی ہے۔[1]

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَيۡسَ عَلَيۡنَا فِى الۡاُمِّيّٖنَ سَبِيۡلٌ ﴾ ''یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں: امیوں کے بارے میں ہم سے مؤاخذہ نہیں ہوگا۔'' یعنی انکار حق پر اس بات نے انھیں آمادہ کیا کہ وہ کہتے ہیں: ہمارے دین میں ان پڑھ لوگوں کے اموال کھانے میں کوئی حرج نہیں، ان پڑھ لوگوں سے مراد عرب ہیں، ان لوگوں کے اموال کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے حلال قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾ ﴾ ''یہ اللہ پر محض جھوٹ بولتے ہیں اور (اس بات کو) جانتے بھی ہیں'' کہ یہ بات انھوں نے خود گھڑی ہے، اس گمراہی کو اختیار کر کے یہ بہتان طرازی کر رہے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو ناحق مال کھانے کو حرام قرار دیا ہے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ یہودی ایک بہتان طراز قوم ہے۔

امام عبدالرزاق نے صَعۡصَعَہ بن یزید[2] سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ہمیں بسا اوقات میدان جنگ میں اہل ذمہ کے مال میں سے مرغی اور بکری وغیرہ مل جاتی ہے؟ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کے بارے میں پھر تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ تو وہی بات ہوئی جو اہل کتاب نے کہی تھی: ﴿ لَيۡسَ عَلَيۡنَا فِى الۡاُمِّيّٖنَ سَبِيۡلٌ ﴾ ''امیوں کے بارے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔'' وہ جب تمھیں جزیہ ادا کریں تو ان کا مال ان کی رضامندی کے بغیر تمھارے لیے حلال نہیں ہے۔[3]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ بَلٰى مَنۡ اَوۡفٰى بِعَهۡدِهٖ وَاتَّقٰى ﴾ ''کیوں نہیں! بلکہ جو شخص اپنے اقرار کو پورا کرے اور (اللہ سے) ڈرے۔'' یعنی اے اہل کتاب! جو تم میں سے اپنے اقرار کو پورا کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس عہد کو پورا کرے جو اللہ

---

[1] دیکھیے آل عمران، آیت:14 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر عبدالرزاق میں صعصعہ بن معاویہ ہے لیکن درست صعصعہ بن یزید ہی ہے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن یزید ہی روایت کرتے ہیں۔ دیکھیے التاریخ الکبیر، ق:2_ج:2، جلد:320/4، رقم:2984. [3] تفسیر عبدالرزاق، ومن سورۃ آل عمران:398/1، رقم:418.

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ

بے شک جو لوگ اللہ کا عہد اور اپنی قسمیں تھوڑی قیمت کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں، ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا اور قیامت

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿77﴾

کے روز اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿77﴾

تعالیٰ نے تم سے لیا تھا کہ جب محمد ﷺ مبعوث ہوں تو تم نے ان کے ساتھ ایمان لانا ہوگا جس طرح یہ عہد اللہ تعالیٰ نے سابقہ تمام انبیاء اور ان کی امتوں سے بھی لیا تھا اور جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے بچ جائے، اس کی اطاعت کرے اور اس کی اس شریعت کی پیروی کرے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خاتم الرسل اور سید البشر حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا ہے۔ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿76﴾﴾ ''تو بے شک اللہ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

تفسیر آیت: 77

عہد کی خلاف ورزی کرنے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ محمد ﷺ کی اتباع کریں گے، لوگوں کے سامنے آپ کی صفت کو ذکر اور آپ کی شان کو بیان کریں گے مگر انھوں نے اس عہد اور اپنی جھوٹی قسموں کے عوض تھوڑی سی قیمت حاصل کر لی۔ اس قیمت سے مراد اس فانی اور زوال پذیر دنیا کا ساز و سامان ہے۔ ﴿أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾ ''اور ان لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔'' ﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ ''اور ان سے اللہ نہ تو کلام کرے گا اور نہ قیامت کے روز ان کی طرف دیکھے گا۔'' یعنی نہ تو ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ لطف و مہربانی سے کلام کرے گا۔ ﴿وَلَا يُزَكِّيهِمْ﴾ ''اور نہ ان کو پاک کرے گا۔'' یعنی گناہوں اور میل کچیل سے بلکہ حکم دے گا کہ انھیں جہنم رسید کر دو۔ ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿77﴾﴾ ''اور ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔''

اس آیت کریمہ سے متعلق کئی احادیث بھی ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں: (1) امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ثَلَاثَةٌ لَّا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَنْ هُمْ؟ خَسِرُوا وَخَابُوا، قَالَ: فَأَعَادَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، قَالَ: الْمُسْبِلُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ أَوِ الْفَاجِرِ، وَالْمَنَّانُ] ''تین شخص ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ نہ تو کلام کرے گا اور نہ قیامت کے روز ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کون ہیں؟ وہ تو خائب و خاسر ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد کو تین بار دہرایا، پھر فرمایا: 1۔ اپنے کپڑے کو ٹخنے سے نیچے لٹکانے والا۔ 2۔ اپنے سودے کو جھوٹی یا حقیقت کے برعکس قسم کے ساتھ بیچنے والا اور 3۔ احسان کرکے جتلانے والا۔''[1] اور اس حدیث کو امام مسلم، ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے

[1] مسند أحمد: 148/5.

بھی روایت کیا ہے۔ ①

(2) امام احمد رحمہ اللہ نے عدی بن عُمیرہ کِندی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ کِندہ کے امرؤالقیس بن عابس نامی ایک شخص نے حضرموت کے ایک شخص سے زمین کے بارے میں اپنے جھگڑے کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرموت کے اس شخص سے کہا: گواہی پیش کرو مگر اس کے پاس کوئی گواہی نہیں تھی، پھر آپ نے امرؤالقیس سے کہا: تم قسم کھاؤ، حضرمی نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ اسے قسم کے ساتھ موقع دے دیں گے تو رب کعبہ کی قسم! وہ میری زمین کو لے جائے گا، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: [مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينٍ كَاذِبَةٍ لِّيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ أَخِيهِ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ ، قَالَ رَجَاءٌ: وَتَلَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾] ”جس شخص نے کسی کا مال ناحق لینے کے لیے جھوٹی قسم کھائی تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہوگا۔ اس حدیث کے ایک راوی رجاء بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت بھی فرمائی: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ ”بے شک جو لوگ اللہ کا عہد اور اپنی قسمیں تھوڑی قیمت کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں۔“ امرؤالقیس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جو اسے ترک کر دے اسے کیا ملے گا؟ فرمایا: جنت۔ تو اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ گواہ رہیں میں نے ساری زمین اس کے لیے چھوڑ دی ہے۔“ ②
اور اس حدیث کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ ③

(3) امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينٍ هُوَ فِيهَا فَاجِرٌ لِّيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ ، لَّقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ] ”جس شخص نے جھوٹی قسم کھائی تاکہ کسی مسلمان شخص کے مال کو ناحق حاصل کر لے تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہوگا۔“ اشعث نے کہا: واللہ! یہ میرے بارے میں تھا، میری اور ایک یہودی کی مشترکہ زمین تھی تو اس نے میرے حصے کا انکار کر دیا۔ میں اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: [أَلَكَ بَيِّنَةٌ؟ قُلْتُ: لَا، فَقَالَ لِلْيَهُودِيِّ: اِحْلِفْ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِذَنْ يَّحْلِفَ فَيَذْهَبُ مَالِي، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ..... ﴾] ”کیا تمھارے پاس گواہی موجود ہے؟ میں نے کہا: نہیں تو آپ نے یہودی سے فرمایا: پھر تم قسم کھاؤ، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ تو قسم کھا کر میرا مال لے

① صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية ......، حديث:106و سنن أبي داود، اللباس، باب ماجاء في إسبال الإزار، حديث:4087 وجامع الترمذي، البيوع، باب ماجاء فيمن حلف على سلعة كاذبًا، حديث:1211 وسنن النسائي ، الزينة ، باب إسبال الإزار:5335 وسنن ابن ماجه، التجارات، باب ماجاء في كراهية الأيمان في الشراء والبيع،حديث:2208. ② مسند أحمد :192,191/4. ③ السنن الكبرى للنسائي، القضاء، ذكر الاختلاف على عدي بن عدي فيمن حلف على مال امرئ مسلم:486/3،حديث:5996.

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ

اور بے شک ان میں سے ایک گروہ کتاب پڑھتے ہوئے زبان کو مروڑتا ہے تا کہ تم اسے کتاب کا حصہ سمجھو، حالانکہ وہ کتاب میں سے

وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿78﴾

نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی جانب سے نہیں اور وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ﴿78﴾

اڑے گا، تب اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ''بے شک جو لوگ اللہ کا عہد اور اپنی قسمیں تھوڑی قیمت کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں۔''[1]

(4) امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان فرمایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [ثَلَاثَةٌ لَّا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: رَجُلٌ مَّنَعَ ابْنَ السَّبِيلِ فَضْلَ مَاءٍ عِنْدَهُ، وَرَجُلٌ حَلَفَ عَلٰى سِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ۔ يَعْنِي كَاذِبًا۔ وَّ رَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا فَإِنْ أَعْطَاهُ وَفٰى لَهُ، وَإِنْ لَّمْ يُعْطِهِ لَمْ يُوفِ لَهُ] ''تین شخص ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ روز قیامت نہ کلام فرمائے گا، نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہوگا: (1) جو شخص اپنے پاس موجود زائد پانی سے مسافر کو روکے (2) جو شخص عصر کے بعد جھوٹی قسم کھا کر سودا بیچے اور (3) جو شخص کسی امام کی بیعت کرے اگر وہ اسے (مال) دیتا ہے تو بیعت کو پورا کرے اور اگر نہ دے تو اسے پورا نہ کرے۔''[2] امام ابو داود اور ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[3] اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

تفسیر آیت: 78

زبانوں کو مروڑ کر یہودیوں کی کلام الٰہی میں تحریف: اللہ تعالیٰ یہودیوں کے بارے میں فرما رہا ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنتیں ہوں۔ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کلام میں تحریف کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیتے ہیں اور اسے اصل مراد سے دور ہٹا دیتے ہیں تا کہ جاہلوں کو یہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں یہ کلام اسی طرح ہے۔ اور وہ اس تحریف شدہ کلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ ہے اور انھیں خود بھی معلوم ہے کہ یہ اس سارے معاملے میں کذب اور افترا پردازی سے کام لے رہے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿78﴾﴾ ''اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور وہ (یہ بات) جانتے بھی ہیں۔''

امام مجاہد، شعبی، حسن، قتادہ اور ربیع بن انس رحمہم اللہ ﴿يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ﴾ ''کتاب (تورات) کو زبان مروڑ مروڑ کر

[1] صحيح البخاري، الشهادات، باب سؤال الحاكم المدّعي: هل لك بينة؟......، حديث:2667 و صحيح مسلم، الإيمان، باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة بالنار، حديث:138 و مسند أحمد:379/1 واللفظ له. [2] مسند أحمد:480/2. [3] سنن أبي داود، البيوع، باب في منع الماء، حديث:3474 و جامع الترمذي، السير، باب ماجاء في نكث البيعة، حديث:1595.

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا

کسی شخص کو لائق نہیں کہ اللہ اسے کتاب و حکمت اور نبوت عطا کرے، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ

لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿79﴾

کر میرے بندے بن جاؤ ، بلکہ (وہ کہے گا:) تم رب والے بن جاؤ کیونکہ تم اس کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور خود بھی

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ

اسے پڑھتے ہو ﴿79﴾ اور وہ تمھیں یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو، کیا وہ تمھیں کفر کا حکم دے گا جبکہ

8 ع 9 16 مُّسْلِمُوْنَ ﴿80﴾ ع

تم مسلمان ہو چکے؟ ﴿80﴾

پڑھتے ہیں۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تورات میں تحریف کرتے ہیں۔ ①

اور اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان فرمایا ہے کہ وہ تحریف کرتے اور اس کو زائل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں سے کسی کتاب کے ایک لفظ کو بھی زائل کر سکے لیکن یہ لوگ تحریف کرتے اور اس کی غلط تاویل کرتے ہیں۔ ②

وہب بن مُنَبِّہ فرماتے ہیں کہ تورات وانجیل کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح نازل فرمایا تھا، ان میں سے کسی ایک حرف کو بھی بدلا نہیں جا سکا لیکن یہ لوگ اپنی تحریف وتاویل کے ذریعے سے لوگوں کو گمراہ کرتے تھے اور اپنی طرف سے کتابیں لکھ کر کہتے: ﴿ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ ''وہ اللہ کی طرف سے (نازل ہوا) ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا۔'' جہاں تک اللہ تعالیٰ کی کتابوں کا تعلق ہے تو وہ محفوظ ہیں، انھیں نہیں بدلا جا سکتا۔ ③

اگر وہب کی مراد ان کتابوں سے ہے جو اس وقت اہل کتاب کے پاس موجود ہیں تو بلا شک وشبہ ان میں تبدیلی، تحریف اور کمی بیشی ہو چکی ہے اور جہاں تک ان کے عربی تراجم کا تعلق ہے، ان میں بھی بہت بڑی غلطیاں، بہت کمی بیشی اور بہت نمایاں اوہام ہیں بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ عربی میں ترجمہ کرنے والوں نے از خود اپنی طرف سے تفسیر ہی کو کتابوں میں داخل کر کے انھیں اصل باور کرانے کی کوشش کی ہے جبکہ ان سب ترجمہ کرنے والوں کا فہم ہی فاسد ہے اور اگر وہب کا مقصد ان کتابوں کی طرف اشارہ کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں تو وہ واقعی محفوظ ہیں، ان میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے۔

تفسیر آیات: 80,79

نبی اپنی یا غیر اللہ کی عبادت کی دعوت نہیں دیتا: کسی آدمی کو یہ شایان نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ میری بھی عبادت کرو اگر یہ بات کسی نبی و رسول کو زیب نہیں دیتی تو

① تفسیر ابن أبی حاتم :689/2. ② صحیح البخاري، التوحید، باب قول اللہ تعالٰی: ﴿ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ ﴾ البروج:85/21,22، قبل الحدیث:7553. ③ تفسیر ابن أبی حاتم:689/2.

کسی اور کو بطریق اولیٰ زیب نہیں دیتی۔ جاہل علماء ورہبان اور گمراہی کے علمبردار اس مذمت وتوبیخ میں داخل ہیں نہ کہ انبیائے کرام اور ان کی اتباع کرنے والے باعمل علماء کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت بجالاتے ہیں اور جس کام سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہوتا ہے اس سے منع کرتے ہیں۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو ان تک پہنچا دیا ہوتا ہے، وہ تو اس پیغام کے ادا کرنے میں جس کے وہ حاملین ہوتے ہیں اور امانت کے پہنچانے میں، اللہ اور اس کی مخلوق کے مابین سفیر ہوتے ہیں۔ انھوں نے اپنے مشن کو بہت احسن انداز میں مکمل کیا، مخلوق کی ہمدردی وخیر خواہی کی اور اس تک پیغام حق کو بلا کم وکاست پہنچا دیا۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴾ ”اور البتہ تم ربانی ہو جاؤ کیونکہ تم کتاب پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو۔“ یعنی رسول کو تو لوگوں سے یہ کہنا سزاوار ہے کہ تم (علمائے) ربانی بن جاؤ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابورزین کے علاوہ بھی کئی ایک ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ ﴿ رَبّٰنِيّٖنَ ﴾ کے معنی حکماء، حلماء اور علماء ہیں۔[1] امام ضحاک ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن کا علم حاصل کرے تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ فقیہ بھی ہو۔[2] ﴿ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴾ یعنی اس لیے کہ تم اس کے الفاظ یاد رکھتے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ﴾ ”اور وہ تمھیں یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بنا لو۔“ یعنی وہ اللہ کے سوا کسی بھی نبی رسول یا ملک مقرب کی عبادت کی دعوت نہیں دیتا۔ ﴿ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ ”بھلا جب تم مسلمان ہو چکے ہو تو کیا اسے زیبا ہے کہ تمھیں کافر ہونے کو کہے؟“ نبی ایسا کر ہی نہیں سکتا کیونکہ جو غیر اللہ کی عبادت کی دعوت دے وہ تو کفر کی دعوت دیتا ہے جبکہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور ایمان یہ ہے کہ صرف اور صرف اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ (الأنبیآء 21:25) ”اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۔“ اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ (النحل 16:36) ”اور یقیناً ہم نے ہر جماعت میں ایک پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت (بتوں کی پرستش) سے اجتناب کرو۔“ اور فرمایا: ﴿ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴾ (الزخرف 43:45) ”اور (اے نبی ﷺ!) جو اپنے پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ہیں ان کے احوال دریافت کریں کہ کیا ہم نے (اللہ) رحمان کے سوا اور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟“ اور فرشتوں کے حوالے سے بات کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 691/2. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 692/2.

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ

اور (یاد کرو) جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جب میں تمھیں کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمھارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب)

مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ

کی تصدیق کرتا ہو جو تمھارے پاس ہے تو تمھیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اللہ نے فرمایا: کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد

قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿81﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

قبول کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا: تو تم گواہ رہنا اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں ﴿81﴾ پھر اس کے بعد جو بھی منہ موڑے

هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿82﴾

گا تو ایسے لوگ ہی نافرمان ہیں ﴿82﴾

دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ○ ﴾ (الأنبیآء 29:21) ”اور جو شخص کچھ اور کریں ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں بھی معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔“

تفسیر آیات: 82,81

انبیاء علیہم السلام سے ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا عہد: اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر بھی انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے ان سب سے یہ عہد لیا کہ اللہ تعالیٰ انھیں جس قدر بھی عظیم الشان کتاب وحکمت عطا فرمائے اور انھیں جس قدر بھی بلند وبالا مقام ومرتبے پر پہنچا دے، پھر ان کے پاس وہ رسول آ جائے تو اس کے ساتھ ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی اور علم ونبوت اس بعد میں آنے والے پیغمبر کی اتباع ونصرت میں رکاوٹ نہ بنے۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ ﴾ ”اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں، پھر تمھارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمھاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمھیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (مجھے ضامن بنایا؟)“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ربیع، قتادہ اور سدی فرماتے ہیں: ﴿ اِصْرِيْ ؕ ﴾ سے مراد ”میرا عہد“ ہے۔[1] محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں: کیا تم نے میرے شدید تاکید والے اس عہد وقرار کو تسلیم کیا؟[2] ﴿ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿81﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ ﴾ ”انھوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا: تو تم (اس عہد وپیمان کے) گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں، پھر جو اس کے بعد پھر جائیں۔“ یعنی اس عہد وقرار سے پھر جائیں ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿82﴾ ﴾ ”تو وہی بدکردار ہیں۔“

حضرت علی بن ابو طالب اور ان کے برادر عم زاد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر بھی

① تفسیر ابن أبي حاتم:695/2. ② تفسیر ابن أبي حاتم:695/2.

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ

کیا وہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ چاہتے اور نہ چاہتے ہوئے بھی اللہ کا

يُرْجَعُوْنَ ﴿83﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

فرمانبردار ہے اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے﴿83﴾ آپ کہہ دیجیے: ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر بھی جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا، اور جو ابراہیم،

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَاۤ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۪ لَا نُفَرِّقُ

اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر (نازل کیا گیا) اور ان (کتابوں) پر بھی جو موسیٰ عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئیں،

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿84﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ

ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ) کے فرمانبردار ہیں﴿84﴾ اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا تو وہ اس

مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿85﴾

سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا﴿85﴾

انبیائے کرام مبعوث فرمائے ان میں سے ہر ہر نبی سے یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ اگر ان کی زندگی میں حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کر دیا گیا تو انھوں نے آپ کے ساتھ ضرور ایمان لانا ہوگا اور آپ کی ضرور مدد کرنی ہوگی۔[1] اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر ہر نبی کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ اپنی امت سے بھی یہ عہد و پیمان لیں کہ اگر ان کی زندگی میں حضرت محمد ﷺ تشریف لے آئیں تو انھوں نے بھی آپ کے ساتھ ضرور ایمان لانا اور آپ کی ضرور مدد کرنی ہوگی۔ امام طاؤس، حسن بصری اور قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں گے۔[2] یہ بات حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی بات کے خلاف نہیں ہے۔

خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ پر تا قیامت دائمی طور پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو، آپ ہی امام اعظم ہیں کہ آپ جس عہد و عصر میں بھی ہوں واجب الطاعت ہیں، آپ کی ذات گرامی تمام انبیائے کرام سے مقدم ہے، یہی وجہ ہے کہ جب شب معراج تمام انبیائے کرام بیت المقدس میں جمع ہوئے تو امامت انبیاء کا تاج آپ کے سر مبارک پر رکھا گیا تھا۔[3] اسی طرح میدان حشر میں بھی اس وقت صرف آپ ہی کو شفاعت کا اعزاز حاصل ہوگا جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے مابین فیصلہ فرمانے کے لیے جلوہ افروز ہوگا۔ یہی وہ مقام محمود ہے جو آپ ہی کی ذات گرامی کے شایان شان ہے۔ اولوالعزم نبیوں اور رسولوں کو بھی یہ اعزاز حاصل نہ ہو سکے گا۔ سب شفاعت کرنے سے معذرت کر دیں گے حتی کہ لوگ آپ سے درخواست کریں گے تو یہ اعزاز آپ ہی کو نصیب ہوگا کہ آپ بندگان الٰہی کے لیے شفاعت فرمائیں گے۔[4] صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ.

① تفسیر الطبری:3/451,450. ② تفسیر الطبری:3/451,450. ③ ماخوذ از صحیح مسلم، الإیمان، باب ذکر المسیح ابن مریم ......، حدیث:172 و سنن النسائی ، الصلاۃ ، باب فرض الصلاۃ ......، حدیث:451 و مسند أحمد:1/257 عن أبی ہریرۃ و أنس و ابن عباس رضی اللہ عنہم. ④ دیکھیے صحیح البخاری، حدیث:4712 و حدیث:7440,7439 .

تفسیر آیات:83-85

اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے اس کے علاوہ کوئی دین قابل قبول نہ ہوگا: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے جو اس کے اس دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہوں جس کے ساتھ اس نے اپنی کتابوں کو نازل فرمایا اور اپنے رسولوں کو بھیجا اور وہ دین یہ ہے کہ صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے کیونکہ اس کی ذات گرامی تو وہ ہے ﴿ لَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''سب اہل آسمان وزمین اسی کے فرمانبردار ہیں۔'' جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ ﴿ طَوْعًا وَّ كَرْهًا ﴾ ''چاہتے ہوئے اور نہ چاہتے ہوئے بھی'' اسی اللہ کا فرمانبردار ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا ﴾ (الرعد 13:15) ''اور جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے یا زبردستی سے اللہ کے آگے سجدہ کرتی ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ○ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ ﴾ (النحل 16:48-50) ''کیا ان لوگوں نے اللہ کی مخلوقات میں سے ایسی چیزیں نہیں دیکھیں جن کے سائے دائیں (سے بائیں کو) اور بائیں اطراف (سے دائیں کو) لوٹتے رہتے ہیں (یعنی) اللہ کے آگے عاجز ہو کر سجدے میں پڑے رہتے ہیں۔ اور تمام جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی اور وہ ذرا غرور نہیں کرتے۔ وہ اپنے اوپر اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور جو ان کو ارشاد ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔''

مومن تو اپنے قلب وقالب سے اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے مگر کافر زبردستی اللہ کے حکم کا پابند ہے کہ وہ اس کی تسخیر، اس کے غلبے اور اس کی عظیم بادشاہت کے تابع ہے جس کی قطعاً خلاف ورزی اور حکم عدولی نہیں کی جا سکتی۔ امام وکیع نے اپنی تفسیر میں حضرت مجاہد سے ﴿ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ آیت اسی طرح ہے جس طرح یہ ہے: ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ ﴾ (لقمٰن 31:25) ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔''[1]

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں مروی ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے عہد و پیمان لیا تھا۔[2] ﴿ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿83﴾ ﴾ اور قیامت کے دن (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

پھر فرمایا: ﴿ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا ﴾ ''آپ کہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر نازل ہوئی۔'' یعنی قرآن، ﴿ وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ﴾ ''اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب پر نازل کیا گیا'' یعنی صحیفے اور وحی۔ ﴿ وَالْاَسْبَاطِ ﴾ ''اوران کی اولاد پر۔'' اس سے مراد اسرائیل، یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام

[1] تفسیر الطبری:456/3. [2] تفسیر الطبری:456/3.

کی اولاد سے تشکیل پانے والے بنی اسرائیل کے بارہ خاندان ہیں، ﴿ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى ﴾ ''اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو ملا۔'' اس سے مراد تورات اور انجیل ہے، ﴿ وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ﴾ ''اور دوسرے انبیاء کو ان کے پروردگار کی طرف سے (ملا)۔'' یہ کلمہ عام ہے اور اس سے مراد تمام انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ ﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾ ''ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔'' بلکہ سب کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔ ﴿ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾ ''اور ہم اسی (اللہ واحد) کے فرمانبردار ہیں۔''

اس امت کے مومن ہر اس نبی کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور ہر اس کتاب کو بھی مانتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، ان میں سے کسی چیز کا بھی کفر و انکار نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہر کتاب اور اللہ تعالیٰ کے مبعوث کردہ ہر پیغمبر کی تصدیق کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ﴾ ''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔'' یعنی جو شخص کسی ایسے رستے پر چلے جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر نہیں فرمایا تو وہ اس سے ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔ ﴿ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ ''اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔'' جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَّيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ] ''جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''[1]

امام احمد نے حضرت حسن بصری کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اس وقت بیان کی جب ہم مدینہ میں تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[تَجِيءُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، فَتَجِيءُ الصَّلَاةُ فَتَقُولُ : يَا رَبِّ! أَنَا الصَّلَاةُ ، فَيَقُولُ: إِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ ، فَتَجِيءُ الصَّدَقَةُ فَتَقُولُ : يَا رَبِّ ! أَنَا الصَّدَقَةُ ، فَيَقُولُ: إِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ ، ثُمَّ يَجِيءُ الصِّيَامُ فَيَقُولُ : يَا رَبِّ ! أَنَا الصِّيَامُ ، فَيَقُولُ: إِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ ، ثُمَّ تَجِيءُ الْأَعْمَالُ عَلٰى ذٰلِكَ فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : إِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ ، ثُمَّ يَجِيءُ الْإِسْلَامُ فَيَقُولُ : يَا رَبِّ ! أَنْتَ السَّلَامُ وَأَنَا الْإِسْلَامُ ، فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ : إِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ بِكَ الْيَوْمَ آخُذُ وَبِكَ أُعْطِي ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِي كِتَابِهِ: ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾]

''قیامت کے دن اعمال آئیں گے، نماز آئے گی اور کہے گی کہ میرے پروردگار! میں نماز ہوں تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو خیر پر ہے، صدقہ آئے گا اور کہے گا: میرے پروردگار! میں صدقہ ہوں، اللہ فرمائے گا: تو خیر پر ہے، پھر روزہ آئے گا اور کہے گا: میرے پروردگار! میں روزہ ہوں تو اللہ فرمائے گا: تو خیر پر ہے، پھر دیگر اعمال آئیں گے تو ہر ایک سے اللہ تعالیٰ یہی فرمائے گا کہ تو خیر پر ہے، پھر اسلام آئے گا اور کہے گا: میرے پروردگار! تو سلام ہے اور میں اسلام ہوں، تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو

[1] صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ...... ، حديث:1718 عن عائشة رضي الله عنها.

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ

اللہ ان لوگوں کو کیسے ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے جبکہ وہ گواہی دے چکے کہ بے شک رسول برحق ہیں اور ان

الْبَيِّنٰتُ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿86﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ

کے پاس واضح نشانیاں آچکیں؟ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا﴿86﴾ ان لوگوں کی سزا یہی ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿87﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ج لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿88﴾

کی لعنت ہے﴿87﴾ وہ اس (لعنت) میں ہمیشہ رہیں گے، ان سے نہ تو عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی ﴿88﴾

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا قف فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿89﴾

مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کرکے اپنی اصلاح کر لی، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے﴿89﴾

خیر پر ہے، آج میں تیری ہی بنیاد پر لوں گا اور تیری ہی بنیاد پر دوں گا، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿85﴾ ﴾ ''اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔''[1] اس حدیث کو بیان کرنے میں امام احمد متفرد ہیں۔

تفسیر آیات:86-89

ایمان کے بعد کفر اختیار کرنے والوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا: امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انصار میں سے ایک شخص مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا اور اس نے پھر شرک شروع کر دیا، پھر وہ نادم و پشیمان ہوا تو اس نے اپنی قوم کو یہ پیغام بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ پوچھو کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿86﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿87﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ج لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿88﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا قف فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿89﴾ ﴾ ''اللہ ایسے لوگوں کو کیونکر ہدایت دے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے جبکہ وہ پہلے اس بات کی گواہی دے چکے ہیں کہ بے شک یہ رسول برحق ہیں اور ان کے پاس واضح نشانیاں بھی آ چکی ہیں؟ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ وہ اس (لعنت) میں ہمیشہ (گرفتار) رہیں گے، ان سے نہ تو عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی۔ مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''[2] اس کے بعد اس کی قوم نے اس کی طرف یہ پیغام بھیج دیا تو وہ مسلمان ہو گیا۔ اس حدیث کو امام نسائی، حاکم اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ اور امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے بیان

[1] مسند أحمد:362/2 ومسند أبي يعلى:6231. لیکن یہ حدیث بوجہ انقطاع ضعیف ہے۔ [2] تفسیر الطبري:460/3.

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ

بے شک جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا' پھر وہ کفر میں بڑھتے گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور وہی لوگ

الضَّآلُّوْنَ ﴿90﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ

گمراہ ہیں﴿90﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور حالت کفر میں مرے ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا بھی قبول نہ کیا جائے گا

ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿91﴾ ع 9/11 17

اگرچہ وہ فدیے میں دینا چاہے۔ انھی لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا﴿91﴾

نہیں فرمایا۔[1]

پس فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ ﴾ ''اللہ ایسے لوگوں کو کیوں کر ہدایت دے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور (پہلے) اس بات کی گواہی دے چکے کہ یہ پیغمبر برحق ہے اور ان کے پاس دلائل بھی آ گئے؟'' یعنی رسول اللہ ﷺ ان کے پاس جس دین کو لے کر آئے اس کی صداقت پر دلائل و براہین بھی قائم ہو چکے اور اسلام کی حقانیت پوری طرح واضح بھی ہو گئی لیکن پھر یہ شرک کی ظلمت کی طرف پلٹ گئے تو اس اندھے پن کو اختیار کرنے کے بعد یہ لوگ ہدایت کے کس طرح مستحق ہو سکتے ہیں؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿86﴾ ﴾ ''اور اللہ بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

پھر فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿87﴾ ﴾ ''ان لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو۔'' یعنی ان پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور اس کی مخلوق بھی لعنت کرتی ہے۔ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿88﴾ ﴾ ''وہ ہمیشہ اس لعنت میں (گرفتار) رہیں گے، ان سے نہ تو عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انھیں مہلت ہی دی جائے گی۔'' یعنی ایک لمحہ بھر کے لیے بھی عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿89﴾ ﴾ ''ہاں، جنھوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنی حالت درست کر لی تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر بے حد لطف و مہربانی اور رحمت و شفقت ہے کہ جو اس کے حضور توبہ کر لے تو وہ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔

تفسیر آیات:91,90

موت کے وقت کافر کی توبہ اور قیامت کے دن فدیہ قبول نہیں ہوگا: اللہ تعالیٰ وعید اور خوف دلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان کے بعد کفر کو اختیار کر لیں، پھر کفر میں اور بڑھ جائیں حتی کہ اپنی موت تک کافر ہی رہیں تو بوقت موت ان کی توبہ

[1] السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ﴾: 311/6، حديث: 11065 والمستدرك للحاكم، الحدود: 366/4، حديث: 8092 وصحيح ابن حبان، الحدود، باب الردة: 329/10، حديث: 4477.

ہرگز قبول نہیں کی جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ ﴾ (النسآء4:18) ''اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو (ساری عمر) برے کام کرتے رہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آ موجود ہو تو وہ کہنے لگے: بے شک اب میں نے توبہ کی، اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو اس حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہی ہوتے ہیں۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴾ ''ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی اور یہی لوگ گمراہ ہیں۔'' یعنی سیدھے رستے سے ہٹ کر یہ گمراہی کے رستے پر بھٹک رہے ہیں۔

حافظ ابوبکر بزّار نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ مسلمان ہوئے، پھر مرتد ہوگئے، پھر مسلمان ہوگئے، پھر مرتد ہوگئے تو انھوں نے اپنی قوم کی طرف پیغام بھیج کر اپنے بارے میں پوچھا، چنانچہ انھوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آیت کریمہ: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ ﴾ نازل ہوگئی۔[1] اس حدیث کی سند جید ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ ﴾ ''بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کفر ہی کی حالت میں مرگئے وہ اگر (نجات حاصل کرنی چاہیں اور) بدلے میں زمین بھر کر سونا دیں تو ان سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔'' یعنی جو شخص حالت کفر میں مر جائے تو اس کی کوئی نیکی بھی قابل قبول نہ ہوگی، خواہ وہ کسی ایسے کام میں جسے وہ نیکی سمجھتا ہو، زمین بھر سونا خرچ کر دے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ عبداللہ بن جُدعان جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا تھا، مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا تو کیا ان اچھے کاموں کا اسے کوئی فائدہ ہوگا؟ فرمایا: [لَا يَنْفَعُهُ ، إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا: رَبِّ اغْفِرْلِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ] ''نہیں! اسے کوئی اچھا کام فائدہ نہ دے گا، اس لیے کہ اس نے کبھی زندگی میں ایک بار بھی یہ نہیں کہا تھا: اے اللہ! قیامت کے دن میرے گناہ بخش دینا۔''[2]

اسی طرح اگر وہ زمین بھر سونا فدیے میں دے تو وہ بھی قابل قبول نہیں ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ ﴾ (البقرة2:123) ''نہ اس سے کوئی بدل قبول کیا جائے گا اور نہ اسے کوئی سفارش نفع دے گی۔'' نیز فرمایا: ﴿ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ○ ﴾ (إبراهيم14:31) ''(اور اس دن کے آنے سے پیشتر) جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا اور نہ دوستی (کام آئے گی۔)'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ ﴾ (المآئدة5:36) ''بے شک جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے

---

[1] الدر المنثور:2/88. اور مسند البزار میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ [2] صحیح مسلم، الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات علی الکفر لاینفعه عمل، حدیث:214 وصحیح ابن حبان، البر والإحسان، ذکر البیان بأن الأعمال التی یعملها من لیس بمسلم و إن کانت أعمالاً صالحة......:2/39، 40، حدیث:330 ومسند أحمد:6/120 یہاں یہ بھی ہے: [يَفُكُّ الْعَانِيَ] ''قیدیوں کو آزاد کرواتا۔''

پاس روئے زمین (کے تمام خزانے اور اس) کا سب مال و متاع ہو اور اس کے ساتھ اسی قدر اور بھی ہوتا کہ قیامت کے روز عذاب (سے رُستگاری حاصل کرنے) کا بدلہ دیں تو ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کو درد دینے والا عذاب ہوگا۔''

اور اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّلَوِ افْتَدٰی بِہٖ ط ﴾ ''بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا بھی قبول نہ کیا جائے گا اگرچہ وہ فدیے میں دینا چاہے۔'' ﴿ وَّلَوِ افْتَدٰی بِہٖ ط ﴾ کا عطف پہلی بات پر ہے جس سے معلوم ہوا کہ فدیہ دینے کا عمل پہلے سے الگ ہے اور یہ تفسیر اس سے زیادہ بہتر ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہاں حرف واو زائد ہے۔ واللّٰہ أعلم. بہر حال اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے عذاب الٰہی سے کوئی چیز بچا نہ سکے گی، خواہ وہ زمین بھر کر سونا ہی کیوں نہ خرچ کرے یا ساری زمین، اس کے پہاڑوں، اس کے ٹیلوں، اس کی مٹی، اس کی ریت، اس کے میدانوں، اس کی گھاٹیوں، اس کی خشک جگہوں اور اس کے دریاؤں اور سمندروں کے وزن کے برابر سونا فدیے میں دے کر خود کو نجات دلوانا چاہے تو یہ فدیہ قبول نہ ہوگا۔

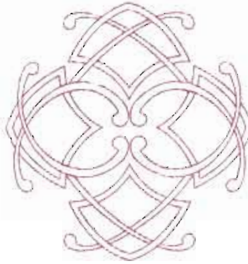
امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا:

[يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُولُ لَهُ: يَا ابْنَ آدَمَ! كَيْفَ وَجَدْتَّ مَنْزِلَكَ؟ فَيَقُولُ: أَيْ رَبِّ! خَيْرَ مَنْزِلٍ، فَيَقُولُ: سَلْ وَتَمَنَّ، فَيَقُولُ: مَا أَسْأَلُ وَأَتَمَنّٰى إِلَّا أَنْ تَرُدَّنِي إِلَى الدُّنْيَا فَأُقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ عَشْرَ مَرَّاتٍ، لِمَا يَرٰى مِنْ فَضْلِ الشَّهَادَةِ، وَيُؤْتٰى بِالرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَيَقُولُ لَهُ: يَا ابْنَ آدَمَ! كَيْفَ وَجَدْتَّ مَنْزِلَكَ؟ فَيَقُولُ: أَيْ رَبِّ! شَرَّ مَنْزِلٍ، فَيَقُولُ لَهُ: تَفْتَدِي مِنْهُ بِطِلَاعِ الْأَرْضِ ذَهَبًا؟ فَيَقُولُ: أَيْ رَبِّ! نَعَمْ، فَيَقُولُ: كَذَبْتَ، قَدْ سَأَلْتُكَ أَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ وَأَيْسَرَ فَلَمْ تَفْعَلْ، فَيُرَدُّ إِلَى النَّارِ]

''اہل جنت میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: اے ابن آدم! تو نے اپنے گھر کو کیسا پایا؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میرا گھر بہت اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کچھ مانگ اور کوئی تمنا کر، وہ عرض کرے گا: یا اللہ! میری کوئی خواہش اور تمنا نہیں ہے۔ ہاں، البتہ یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تو مجھے دنیا میں بھیج دے تاکہ میں تیرے رستے میں دس بار شہید کیا جاؤں، وہ یہ تمنا شہادت کی فضیلت کو دیکھ کر کرے گا۔ اسی طرح اہل جہنم میں سے بھی ایک شخص کو لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: اے ابن آدم! تو نے اپنے گھر کو کیسا پایا؟ وہ عرض کرے گا: میرے پروردگار! یہ بدترین گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: تو اس جگہ سے نجات حاصل کرنے کے لیے زمین بھر سونا بطور فدیہ دینے کو تیار ہے؟ وہ عرض کرے گا: ہاں، یا اللہ! تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹ بولتا ہے، میں نے تو تجھ سے بہت کم اور بہت آسان مطالبہ کیا تھا مگر تو نے اسے پورا نہ کیا، پھر اسے دوبارہ جہنم رسید کر دیا جائے گا۔''[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَهُمْ

[1] مسند أحمد: 208,207/3 و سنن النسائي، الجهاد، باب مايتمنى أهل الجنة، حديث: 3162 مختصرًا. اور ملاحظہ کیجیے صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، حديث: 3334 و صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب طلب الكافر الفداء بملء الأرض ذهبًا، حديث: 2805 اور اس کے تمام طرق۔

مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿91﴾ ''انھی لوگوں کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا اور ان کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔'' یعنی کوئی انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا نہیں سکے گا اور نہ انھیں اس کی دردناک سزا سے کوئی پناہ دے سکے گا۔



لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فَاِنَّ

تم ہرگز بھلائی نہ پا سکو گے جب تک ان چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جنھیں تم پسند کرتے ہو، اور تم جو بھی چیز خرچ کرو گے تو بے شک اللہ

اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿92﴾

اسے خوب جاننے والا ہے ﴿92﴾

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ

بنی اسرائیل کے لیے تمام کھانے سوائے ان چیزوں کے جنھیں تورات نازل ہونے سے پہلے یعقوب نے اپنے

تُنَزَّلَ التَّوۡرٰٮةُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰٮةِ فَاتۡلُوۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿93﴾ فَمَنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

اوپر حرام کرلیا تھا۔ (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے کہ تم تورات لے آؤ پھر اسے پڑھو اگر تم سچے ہو ﴿93﴾ اس کے بعد جس

الۡكَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿94﴾ قُلۡ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ

نے اللہ پر جھوٹ باندھا، وہی لوگ ظالم ہیں ﴿94﴾ کہہ دیجیے: اللہ نے سچ کہا، پس تم ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو حق

حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿95﴾

پرست تھا اور مشرکین میں سے نہ تھا ﴿95﴾

تفسیر آیت:92

پسندیدہ مال کو خرچ کرنا نیکی ہے: امام وکیع نے اپنی تفسیر میں عمرو بن میمون کی روایت بیان کی ہے: ﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ﴾ ''کبھی نیکی حاصل نہ کرسکو گے۔'' میں ﴿الۡبِرَّ﴾ سے مراد جنت ہے۔[1]

اور امام احمد نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں سب سے زیادہ مالدار انصاری تھے۔ اور انھیں اپنے مال میں سے بِیْرُ حاء (باغ) سب سے زیادہ پسند تھا جو کہ مسجد کی جانب تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس باغ میں تشریف لے جایا کرتے اور اس کے نفیس پانی کو نوش فرمایا کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ﴾ ''(مومنو!) جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمھیں عزیز ہیں (اللہ کی راہ میں) صرف نہ کرو گے، کبھی نیکی حاصل نہ کرسکو گے۔''

تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ﴾ اور مجھے اپنے مال میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ چیز بیرحاء نامی باغ ہے، میں اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کے اجر وثواب سے نوازے گا، لہٰذا آپ اس کے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرمائیں، یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [بَخٍ بَخٍ ، ذٰلِكَ مَالٌ رَّابِحٌ ، ذَاكَ مَالٌ رَّابِحٌ ، وَّقَدْ سَمِعْتُ ، وَأَنَا أَرٰى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِينَ] ''بہت خوب! بہت خوب! یہ منفعت بخش مال ہے، یہ منفعت بخش مال ہے، میں نے تمھاری بات سن لی ہے، میری رائے یہ

[1] تفسیر الطبری:469/3.

ہے کہ تم یہ باغ اپنے قریبی رشتے داروں کو دے دو۔‘‘ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں اسی طرح کرتا ہوں، چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ باغ اپنے قرابت داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔[1] اس حدیث کو امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

صحیحین میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے خیبر میں سے جو حصہ ملا ہے، اس سے بڑھ کر نفیس مال مجھے آج تک حاصل نہیں ہوا تو اس کے بارے میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ چنانچہ آپ نے فرمایا: [حَبِّسِ الْأَصْلَ وَسَبِّلِ الثَّمَرَةَ] ’’اصل اپنے پاس رکھو اور اس کے پھل کو اللہ کے رستے میں تقسیم کر دو۔‘‘[3]

تفسیر آیات:93-95

یہود کے نبی ﷺ سے سوالات: امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کی کہ ہماری کچھ باتوں کا جواب دیجیے کیونکہ ان کا جواب کوئی نبی ہی دے سکتا ہے، آپ نے فرمایا: [سَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ ، وَلٰكِنِ اجْعَلُوا لِي ذِمَّةَ اللّٰهِ ، وَمَا أَخَذَ يَعْقُوبُ عليه السلام عَلٰى بَنِيهِ ، لَئِنْ أَنَا حَدَّثْتُكُمْ شَيْئًا فَعَرَفْتُمُوهُ لَتُتَابِعُنِّي عَلَى الْإِسْلَامِ، قَالُوا: فَذٰلِكَ لَكَ، قَالَ: فَسَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ] ’’تم جو چاہو مجھ سے پوچھو لیکن مجھے اللہ تعالیٰ کا ذمہ اور اس عہد و پیمان کا ذمہ دے دو جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے لیا تھا کہ اگر میں تم سے کچھ بیان کروں اور تم اسے پہچان بھی لو تو پھر تمھیں اسلام قبول کرتے ہوئے میری اتباع کرنی ہوگی، انھوں نے جواب دیا کہ ہم آپ سے یہ عہد کرتے ہیں، تب آپ نے فرمایا کہ اب تم جو چاہو سو پوچھو۔‘‘ انھوں نے کہا کہ ہمیں چار باتوں کے بارے میں بتائیے: (1) ہمیں یہ بتائیں کہ وہ کھانے کی کون سی چیز تھی جسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے تورات کے نزول سے قبل اپنے لیے حرام قرار دے رکھا تھا؟ (2) عورت کا پانی اور مرد کا پانی کیسا ہوتا ہے؟ (3) اس سے نر یا مادہ کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ (4) یہ بتائیں کہ نبی اُمی کے سونے کی کیا کیفیت ہے اور فرشتوں میں سے اس کا دوست کون ہے؟ نبی ﷺ نے ان سے یہ عہد لے لیا تھا کہ اگر آپ نے ان کے سوالات کے جوابات دے دیے تو پھر انھیں آپ کی اتباع کرنی ہوگی، آپ نے فرمایا:

[أَنْشُدُكُمْ بِالَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰى مُوسٰى ، هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ إِسْرَائِيلَ يَعْقُوبَ عليه السلام مَرِضَ مَرَضًا شَدِيدًا ، فَطَالَ سُقْمُهُ ، فَنَذَرَ لِلّٰهِ نَذْرًا لَئِنْ شَفَاهُ اللّٰهُ مِنْ سَقَمِهِ لَيُحَرِّمَنَّ أَحَبَّ الشَّرَابِ إِلَيْهِ وَأَحَبَّ الطَّعَامِ إِلَيْهِ ، وَكَانَ أَحَبَّ الطَّعَامِ إِلَيْهِ لُحْمَانُ الْإِبِلِ وَأَحَبَّ الشَّرَابِ إِلَيْهِ أَلْبَانُهَا، قَالُوا: اَللّٰهُمَّ! نَعَمْ ، قَالَ : اَللّٰهُمَّ ! اشْهَدْ عَلَيْهِمْ .

[1] مسند أحمد:141/3 اور بَخ کا مکرر آنا: 256/3 میں ہے۔ [2] صحیح البخاري ، الزكاة، باب الزكاة على الأقارب، حديث:1461 و صحيح مسلم ، الزكاة ، باب فضل النفقة والصدقة على الأقربين......، حديث:998. [3] سنن ابن ماجه، الصدقات، باب من تصدق بصدقة ثم ورثها، حديث:2397 و السنن الكبرى للبيهقي ، الوقف، باب وقف المشاع:162/6، حديث:12126 و اللفظ له. بالفاظ دیگر یہ روایت کئی کتب احادیث میں ہے: صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الوقف ، حديث:2737 و صحيح مسلم ، الوصية ، باب الوقف ، حديث:1632 و سنن النسائي، الإحباس، باب حبس المشاع ، حديث:3633-3635 و مسند أحمد:156/2.

فَأَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰى مُوسٰى، هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ مَاءَ الرَّجُلِ أَبْيَضُ غَلِيظٌ ، وَّمَاءَ الْمَرْأَةِ أَصْفَرُ رَقِيقٌ ، فَأَيُّهُمَا عَلَا كَانَ لَهُ الْوَلَدُ وَالشَّبَهُ بِإِذْنِ اللّٰهِ ، إِنْ عَلَا مَاءُ الرَّجُلِ عَلٰى مَاءِ الْمَرْأَةِ كَانَ ذَكَرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ، وَإِنْ عَلَا مَاءُ الْمَرْأَةِ عَلٰى مَاءِ الرَّجُلِ كَانَ أُنْثٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ ؟ قَالُوا : اَللّٰهُمَّ ! نَعَمْ ، قَالَ: اَللّٰهُمَّ !اشْهَدْ عَلَيْهِمْ .

فَأَنْشُدُكُمْ بِالَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰى مُوسٰى ، هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ هٰذَا النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ تَنَامُ عَيْنَاهُ ، وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ ؟ قَالُوا: اَللّٰهُمَّ ! نَعَمْ ، قَالَ: اَللّٰهُمَّ ! اشْهَدْ، قَالُوا: وَأَنْتَ الْآنَ فَحَدِّثْنَا: مَنْ وَّلِيُّكَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ ؟ فَعِنْدَهَا نُجَامِعُكَ أَوْ نُفَارِقُكَ ، قَالَ : فَإِنَّ وَلِيِّي جِبْرِيلُ ، وَلَمْ يَبْعَثِ اللّٰهُ نَبِيًّا قَطُّ إِلَّا وَهُوَ وَلِيُّهُ]

''میں تمھیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل فرمایا تھا! کیا تمھیں اس بات کا علم ہے کہ حضرت اسرائیل، یعنی یعقوب علیہ السلام بہت شدید بیمار ہو گئے تھے، ان کی بیماری بہت طول اختیار کر گئی تھی تو انھوں نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انھیں شفا عطا فرما دی تو وہ اپنے سب سے پسندیدہ کھانے اور پینے کو ترک کر دیں گے، ان کا سب سے پسندیدہ کھانا اونٹ کا گوشت اور سب سے پسندیدہ مشروب اونٹنی کا دودھ تھا؟ یہ جواب سن کر یہودیوں نے تصدیق کی اور کہا: ہاں، یہ بات درست ہے، آپ نے فرمایا: اے اللہ! تو ان کے خلاف گواہ ہو جا۔

پھر آپ نے فرمایا: میں تمھیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل فرمایا تھا! کیا تم یہ جانتے ہو کہ مرد کا پانی سفید اور گاڑھا اور عورت کا پانی پیلا اور پتلا ہوتا ہے اور ان میں سے جو غالب آ جائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بچہ اور اس کی مشابہت اسی کے مطابق ہوتی ہے اگر مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آ جائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیٹا ہوتا ہے اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آ جائے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیٹی پیدا ہوتی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، آپ درست فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! تو ان کے خلاف گواہ ہو جا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ میں تمھیں اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کو نازل فرمایا تھا! کیا تم یہ جانتے ہو کہ اس اُمّی نبی کی آنکھیں تو سوتی ہیں مگر اس کا دل نہیں سوتا؟ تو انھوں نے کہا: ہاں، آپ درست فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! تو گواہ ہو جا۔ انھوں نے کہا: اچھا جناب! اب آپ یہ فرمائیں کہ فرشتوں میں سے آپ کا دوست کون ہے؟ اسی بات کے جواب کی وجہ سے ہم آپ سے مل جائیں گے یا الگ ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا: میرے دوست جبریل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا مگر جبریل ہی ان کے دوست تھے۔'' یہ جواب سن کر کہنے لگے کہ ہماری راہیں الگ الگ ہیں، اگر جبریل کے سوا کوئی اور فرشتہ آپ کا دوست ہوتا تو ہم آپ کی اتباع کر لیتے۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی تھی: ﴿ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ ﴾ (البقرة2:97) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے جو کوئی جبریل کا دشمن ہے۔'' تا ﴿ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُورِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ﴾ (البقرة2:101) ''اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے (پھینک دیا)

گویا وہ جانتے ہی نہیں۔'' اور اسی موقع پر وہ اس کے غضب بالائے غضب میں مبتلا ہو گئے۔ ①

اور فرمان الٰہی: ﴿ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ط ﴾ ''تورات کے نازل ہونے سے پہلے۔'' یعنی یعقوب علیہ السلام نے ان چیزوں کو اپنے اوپر تورات کے نازل ہونے سے پہلے حرام قرار دیا تھا۔

اس سیاق کی مذکورہ بات: ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ڛ ﴾ سے دو طرح سے مناسبت ہے: پہلی یہ کہ حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنی پسندیدہ اشیاء کو حرام قرار دے کر انھیں اللہ تعالیٰ کے لیے ترک کر دیا تھا اور ان کی شریعت میں ایسا کرنا جائز تھا، لہٰذا اس بات کی آیت کریمہ: ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ڛ ﴾ سے مناسبت واضح ہوگئی۔ ہمارے ہاں بھی یہ بات مشروع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے وہ مال خرچ کیا جائے جسے بندہ بہت چاہتا اور اپنے لیے پسند کرتا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ﴾ (البقرۃ 177:2) ''اور مال باوجود عزیز رکھنے کے خرچ کریں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ... ﴾ (الدھر 8:76) ''وہ کھانا کھلاتے ہیں اور باوجودیکہ ان کو خود طعام کی خواہش (اور حاجت) ہے......''

اور دوسری مناسبت یہ ہے کہ سابقہ سیاق میں عیسائیوں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ان کے باطل اعتقاد کی تردید اور ان کے غلط موقف کی وضاحت کی گئی تھی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کے بارے میں حق و یقین کو ظاہر کیا گیا تھا۔ اور اس بات کو بیان کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کس طرح اپنی مشیت و قدرت کے ساتھ پیدا فرمایا۔ اور بنی اسرائیل کی طرف اس لیے مبعوث فرمایا تاکہ انھیں رب تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیں تو اس کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی تردید شروع فرمادی ہے اور فرمایا کہ یہ لوگ جو نسخ کے وقوع اور جواز کے منکر تھے، وہ تو رونما ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی کتاب تورات میں یہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی سے باہر آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے زمین کے تمام جانوروں کو کھانا حلال قرار دے دیا تھا، پھر حضرت اسرائیل نے ان میں سے اونٹنی کے دودھ اور گوشت کو اپنے لیے حرام قرار دے لیا تھا۔ اور ان کے بیٹوں نے بھی ان کی پیروی کی اور تورات میں ان کو اور دیگر اشیاء کو بھی حرام قرار دے دیا گیا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو یہ اجازت دی تھی کہ وہ اپنی بیٹیوں کے اپنے بیٹوں کے ساتھ نکاح کر دیں لیکن بعد میں اسے حرام قرار دے دیا گیا۔ اسی طرح بیوی کے ساتھ لونڈی سے نکاح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں جائز تھا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ علیہا السلام کی موجودگی میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے نکاح کیا تھا لیکن تورات میں اسے حرام قرار دے دیا گیا تھا۔ اسی طرح پہلے دو بہنوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اسی طرح کیا تھا مگر بعد میں تورات میں اسے حرام قرار دے دیا گیا تھا اور یہ ساری باتیں تورات میں واضح طور پر لکھی ہوئی ہیں اور یہ بعینہ نسخ کی صورتیں ہیں۔

① مسند أحمد: 278/1، والمعجم الكبير للطبراني، ترجمة شَهر بن حَوْشَب عن ابن عباس رضي الله عنهما: 246/12، 247، حديث: 13012.

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿96﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ

بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ وہ تمام دنیا کے لیے بڑی برکت اور ہدایت والا ہے ﴿96﴾ اس میں واضح

بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ

نشانیاں ہیں (اور) مقام ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہو جائے، وہ امن والا ہو جاتا ہے، اللہ نے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے جو اس کی

اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿97﴾

طرف سفر کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ ساری دنیا سے بے پرواہ ہے ﴿97﴾

اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تورات میں لکھی ہوئی بعض حرام چیزوں کو حلال قرار دیا تو کیا وجہ ہے کہ انھوں نے ان کی اتباع نہیں کی؟ بلکہ انھوں نے آپ علیہ السلام کی تکذیب اور مخالفت کی۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کو دین قویم، صراطِ مستقیم اور ملتِ ابراہیم کے ساتھ مبعوث فرمایا تو ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کے ساتھ ایمان نہیں لاتے؟

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ ﴾ یعنی بنی اسرائیل کے لیے تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں علاوہ ان کے جو یعقوب نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿93﴾ ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ، پھر اسے پڑھو۔'' کیونکہ اس میں یہ بات موجود ہے جو ہم نے کہی ہے۔ ﴿ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿94﴾ ﴾ ''پھر اس کے بعد جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔'' جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کریں اور دعویٰ کریں کہ ان کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہفتے کا دن اور تورات کے مطابق عمل کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ اور نسخ کے وقوع اور ظہور کے بارے میں ہم نے جو یہ ذکر کیا ہے، اس کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کوئی دوسرا نبی نہیں بھیجا جو دلائل و براہین کے ساتھ اللہ کے دین کی دعوت دیتا ہو ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿94﴾ ﴾ ''تو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ ﴾ یعنی اے محمد (ﷺ)! کہہ دیجیے: اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ فرمایا ہے جو اس نے خبر دی اور جو اس نے قرآن مجید میں احکام بیان فرمائے ہیں، ﴿ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿95﴾ ﴾ یعنی اس ملتِ ابراہیم کی پیروی کرو جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کی زبانی شریعت قرار دے دیا ہے کیونکہ یہی دین بلا شک وشبہ حق ہے اور یہ وہ طریقہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی نبی اس سے زیادہ اکمل، واضح، روشن اور مکمل طریقہ لے کر نہیں آیا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ ﴾ (الأنعام 161:6) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: میرے رب نے مجھے یقیناً سیدھا رستہ دکھا دیا ہے (صحیح

دین) مذہب ابراہیم کا جو ایک (اللہ) ہی کی طرف کے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾ (النحل 123:16) ''(اے نبی!) پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کریں جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

تفسیر آیات: 97,96

کعبہ پہلا گھر ہے جو عبادت کے لیے مقرر کیا گیا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ ﴾ ''یقیناً پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا'' سب لوگوں کے عبادت کرنے اور قربانی کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا، نیز اس لیے کہ وہ اس گھر کا طواف کریں، اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں اور اس کے پاس اعتکاف کریں ﴿ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ ﴾ ''وہی ہے جو مکہ میں ہے۔'' یعنی کعبہ جسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا جن کے بارے میں یہود و نصاریٰ دونوں جماعتوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ ان کے دین اور طریقے پر ہیں لیکن یہ دونوں ہی اس گھر کا حج نہیں کرتے جسے انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعمیر کیا تھا اور لوگوں میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ اس گھر کا حج کریں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿ مُبٰرَكًا ﴾ ''بابرکت۔'' یعنی اسے بابرکت بنایا گیا ہے ﴿ وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ ''اور جہانوں کے لیے (موجب) ہدایت ہے۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ میں نے عرض کی: [يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَيُّ مَسْجِدٍ وُّضِعَ فِي الْأَرْضِ أَوَّلُ ؟ قَالَ : الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ . قُلْتُ : ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ : الْمَسْجِدُ الْأَقْصٰى ، قُلْتُ: كَمْ بَيْنَهُمَا ؟ قَالَ : أَرْبَعُونَ سَنَةً ، قُلْتُ : ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ : ثُمَّ حَيْثُمَا أَدْرَكْتَ الصَّلَاةَ فَصَلِّ ، فَكُلُّهَا مَسْجِدٌ] ''اے اللہ کے رسول! زمین میں کون سی مسجد سب سے پہلے بنائی گئی تھی؟ آپ نے فرمایا: مسجد حرام، میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! پھر کون سی؟ آپ نے فرمایا: پھر مسجد اقصیٰ، میں نے عرض کی: دونوں کے درمیان کتنی مدت ہے؟ فرمایا: چالیس سال، میں نے عرض کی: پھر کون سی؟ فرمایا: پھر جہاں وقت ہو جائے نماز ادا کرلو، ساری زمین مسجد ہے۔''[1] اس حدیث کو امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

بکہ کی وجہ تسمیہ اور مکہ کے دیگر نام: بَکّہ مشہور قول کے مطابق مکہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ ظالموں اور جابروں کی گردنوں کو جھکا دیتا ہے کہ وہ اس کے پاس آکر عجز و نیاز اور خاکساری کا اظہار کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ لوگ یہاں بکثرت حاضر ہوتے ہیں۔ اہل علم نے مکہ کے بہت سے نام بیان کیے ہیں، مثلاً: (1) مکہ (2) بکہ (3) بیتِ عتیق (4) بیت حرام (5) بلدِ امین (6) مامون (7) امّ القرٰی (8) امّ رُحم (9) صلاح (10) عَرْش بروزن بدر (11) قادس کیونکہ یہ گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔ (12) مُقدّسہ (13) ناسّہ (14) باسّہ (15) حاطمہ (16) نَسّاسہ (17) رأس (18) کُوثٰی (19) بَلْدَہ (20) بَنِيّہ (21) کعبہ۔

---

[1] مسند أحمد: 156/5 مطوّلًا. جبکہ اس روایت کا کچھ حصہ: 150/5 کے مطابق ہے۔ [2] صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، باب:10، حدیث:3366 و صحیح مسلم، کتاب و باب المساجد و مواضع الصلاۃ، حدیث:520.

مقام ابراہیم: فرمان الٰہی ہے: ﴿ فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ ﴾ یعنی اس میں واضح نشانیاں ہیں کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے عظمت وشرف سے نوازا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ ﴾ ''(جن میں سے ایک) ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔'' یعنی جب کعبے کی عمارت اونچی ہوگئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بنیادوں اور دیواروں کو استوار کرنے کے لیے اس کے اوپر کھڑے ہوتے تھے اور آپ کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام آپ کو پتھر پکڑاتے تھے۔ مقام ابراہیم پہلے بیت اللہ کی دیوار کے ساتھ ہی رکھا ہوا تھا، پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اسے مشرق کی جانب پیچھے ہٹا دیا[1] تاکہ طواف میں آسانی ہوجائے اور طواف کے بعد اس کے پاس نماز ادا کرتے ہوئے نمازیوں کو دشواری نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے پاس نماز ادا کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ ﴾ (البقرۃ2:125) ''اور جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوتے تھے، اس کو نماز کی جگہ بنالو۔'' اس کے بارے میں احادیث ہم قبل ازیں بیان کرچکے ہیں،[2] لہٰذا ان کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان روشن نشانیوں کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ان میں سے مقام ابراہیم اور مَشْعَر بھی ہیں۔[3] امام مجاہد فرماتے ہیں کہ مقام میں آپ کے قدموں کے نشان بھی ایک کھلی نشانی ہے۔[4] حضرت عمر بن عبدالعزیز، امام حسن بصری، قتادہ، سُدِّی اور مُقاتِل بن حَیّان رحمہم اللہ وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[5] ابوطالب نے اپنے مشہور قصیدہ لامیہ میں کہا ہے:

وَمَوْطِئُ إِبْرَاهِيمَ فِي الصَّخْرِ رَطْبَةٌ عَلٰى قَدَمَيْهِ حَافِيًا غَيْرَ نَاعِلِ

''اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کے نشان تازہ ہیں اور صاف نظر آرہا ہے کہ آپ برہنہ پا ہیں، پاؤں میں جوتے نہیں ہیں۔''

حرم مقامِ امن ہے: ارشادی باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ ﴾ ''اور جو شخص اس گھر میں داخل ہوا اس نے امن پالیا۔'' یعنی حرم مکہ میں جب کوئی خوف زدہ داخل ہوجائے تو وہ ہر برائی سے امن میں ہوجاتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی یہی حال تھا جیسا کہ امام حسن بصری وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے کہ آدمی قتل کرتا تو وہ اپنی گردن پر اون کا ایک ٹکڑا رکھ لیتا اور حرم میں داخل ہوجاتا، اس حالت میں مقتول کا بیٹا یا باپ بھی ملتا تو اسے کچھ نہ کہتا حتی کہ وہ حرم سے باہر نکل جاتا۔[6] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ ﴾ (العنکبوت29:67) ''کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے حرم (مکہ) کو مقام امن بنایا ہے جبکہ لوگ ان کے گردونواح سے اچک لیے جاتے ہیں؟'' اور فرمایا: ﴿ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ڏ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝ ﴾ (قُریش106:3،4) ''اس لیے ان (لوگوں) کو

[1] دیکھیے المصنف لعبد الرزاق:5/47،48. [2] دیکھیے البقرۃ، آیت:125 کے ذیل میں۔ [3] تفسیر الطبری:4/15. [4] تفسیر الطبری:4/16. [5] تفسیر ابن أبی حاتم:3/711. [6] تفسیر ابن أبی حاتم:3/712.

چاہیے کہ (اس نعمت کے شکر میں) اس گھر کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا۔“

حرمِ مکہ کی حرمت ہی کا یہ تقاضا ہے کہ یہاں کے شکار کو شکار کرنا، ان (جانوروں) کو ان کے گھروں سے بھگانا بھی حرام ہے حتی کہ یہاں کے درختوں بلکہ گھاس کو کاٹنا بھی حرام ہے جیسا کہ ان بہت سی احادیث و آثار سے ثابت ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مرفوعاً اور موقوفاً مروی ہیں، مثلاً: صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جبکہ یہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا:

[لَا هِجْرَةَ، وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ ، وَّإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا وَقَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَتْحِ مَكَّةَ: إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَلَمْ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ، وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا، وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا، فَقَالَ الْعَبَّاسُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِلَّا الْإِذْخِرَ، فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوتِهِمْ ، فَقَالَ: إِلَّا الْإِذْخِرَ]

”اب ہجرت نہیں لیکن جہاد اور نیت باقی ہے اور جب تم سے جہاد کے لیے گھروں سے نکلنے کے لیے کہا جائے تو نکل پڑا کرو۔ اور آپ نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اسی دن حرمت والا قرار دیا تھا جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا تو اللہ تعالیٰ کی حرمت کے ساتھ وہ قیامت کے دن تک کے لیے حرام ہے۔ اس میں مجھ سے پہلے کسی کے لیے قتال کرنا حلال نہ تھا اور میرے لیے بھی دن کی ایک گھڑی میں قتال حلال قرار دیا گیا تھا تو یہ اللہ تعالیٰ کی حرمت کے ساتھ قیامت کے دن تک کے لیے حرام ہے، لہٰذا اس کے کانٹے کو نہ توڑا جائے اور نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے اور نہ اس کے لقطے (گری پڑی چیز) کو اٹھایا جائے۔ ہاں، البتہ جو اس کا اعلان کرنا چاہے وہ اسے اٹھا سکتا ہے اور اس کی گھاس کو بھی نہ کاٹا جائے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اذخر گھاس کو مستثنیٰ قرار دے دیں کیونکہ یہ لوہاروں اور گھروں کے کام آتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اذخر کے سوا اور گھاس کو نہ کاٹا جائے۔“ [1]

صحیح بخاری و مسلم میں ابوشُرَیح عَدَوِی سے روایت ہے اور یہ الفاظ بھی صحیح مسلم ہی کی (مذکورہ) روایت کے مطابق ہیں کہ انھوں نے عمرو بن سعید سے کہا جبکہ وہ مکہ کی طرف لشکر روانہ کر رہے تھے: اے امیر! مجھے اجازت دیجیے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد گرامی بیان کروں جو آپ نے فتح مکہ کے اگلے دن بیان فرمایا تھا جسے میرے کانوں نے سنا، دل نے یاد رکھا اور آنکھوں نے دیکھا ہے تو آپ نے حمد و ثنا کے بعد خطاب شروع کیا اور فرمایا: [إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ ، وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ، فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَّسْفِكَ بِهَا دَمًا ، وَّلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً ، فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيهَا فَقُولُوا لَهُ: إِنَّ اللّٰهَ أَذِنَ لِرَسُولِهِ ﷺ وَلَمْ يَأْذَنْ لَّكُمْ ، وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِّنْ

[1] صحيح البخاري ، جزاء الصيد ، باب لا يحل القتال بمكة ، حديث:1834 و صحيح مسلم، الحج ، باب تحريم مكة و تحريم صيد ها...... ، حديث:1353.

نَّهَارٍ ، وَّقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ] ''بے شک مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے، اسے لوگوں نے حرمت والا قرار نہیں دیا، لہٰذا کسی ایسے شخص کے لیے جس کا اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان ہو، یہ حلال نہیں کہ وہ یہاں خون بہائے اور نہ یہ حلال ہے کہ وہ یہاں کے درخت کو کاٹے اور اگر کوئی شخص رخصت کی دلیل کے طور پر رسول اللہ ﷺ کے قتال کو پیش کرے تو اسے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دے دی تھی مگر تمھیں اس کی اجازت نہیں دی اور میرے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے دن کی ایک گھڑی کے لیے اجازت دی تھی اور آج پھر اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جیسا کہ کل تھی۔ جو شخص یہاں موجود ہے وہ اس تک یہ بات پہنچا دے جو موجود نہیں ہے۔''

ابوشریح سے پوچھا گیا کہ عمرو نے تم سے کیا کہا؟ انھوں نے جواب دیا: اس نے یہ کہا کہ اے ابوشریح! میں اسے تم سے زیادہ جانتا ہوں مگر حرم کسی عاصی اور نافرمان کو، خون ریزی کر کے بھاگنے والے کو اور تخریب کاری کر کے بھاگنے والے کو پناہ نہیں دیتا۔[1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [لَا يَحِلُّ لِأَحَدِكُمْ أَنْ يَّحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ] ''تم میں سے کسی کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے۔''[2] اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

عبداللہ بن عدی بن حمراء زہری سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جبکہ آپ مکہ کے حَزْوَرَہ بازار میں تشریف فرما تھے: [وَاللّٰهِ! إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ، وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ ، وَلَوْ لَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ] ''اللہ کی قسم! تو اللہ کی بہترین زمین ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ زمین ہے، اگر مجھے تجھ سے نکال نہ دیا جاتا تو میں یہاں سے نہ نکلتا۔''[3] یہ الفاظ امام احمد کی روایت کے مطابق ہیں۔ اسے امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[4] اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

وجوبِ حج کا بیان: ﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾ ''اور اللہ کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو اس گھر کی طرف جانے کی طاقت رکھتے ہوں۔'' یہ آیت وجوب حج کی دلیل ہے، متعدد احادیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ حج اسلام کے ارکان، ستونوں اور بنیادوں میں سے ایک ہے اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے، نص اور اجماع سے یہ بھی ثابت ہے کہ ہر مُکَلَّف شخص پر حج عمر میں صرف ایک بار فرض ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد

---

① صحيح البخاري ، العلم، باب ليبلغ العلم الشاهد الغائب، حديث:104 و صحيح مسلم ، الحج ، باب تحريم مكة وتحريم صيدها...... ، حديث:1354. ② صحيح مسلم ، الحج ، باب النهى عن حمل السلاح بمكة من غير حاجة، حديث:1356. ③ مسند أحمد:305/4. ④ جامع الترمذي ، المناقب ، باب فى فضل مكة ، حديث: 3925 والسنن الكبرىٰ للنسائي، الحج ، باب فضل مكة: 479/2 ، حديث: 4252 اور کئی نسخوں میں حزورة کے بجائے جرول ہے۔ و سنن ابن ماجه ، المناسك ، باب فضل مكة ، حديث:3108.

فرمایا:[أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوا، فَقَالَ رَجُلٌ : أَكُلَّ عَامٍ يَّا رَسُولَ اللّٰهِ؟ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَوْ قُلْتُ : نَعَمْ، لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ، ثُمَّ قَالَ: ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ]''اے لوگو! تم پر اللہ تعالیٰ نے حج کو فرض قرار دیا ہے، لہٰذا حج کیا کرو۔ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال؟ تو آپ خاموش ہو گئے حتی کہ اس نے تین بار یہ عرض کی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو یہ واجب ہو جاتا اور تمھیں اس کی استطاعت نہ ہوتی، پھر آپ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دیا کرو جب تک میں تمھیں چھوڑے رکھوں، تم سے پہلے لوگوں کو کثرت سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف ہی نے ہلاک کیا تھا اور جب میں تمھیں کسی چیز کا حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجا لایا کرو اور جب میں تمھیں کسی چیز سے منع کروں تو اسے ترک کر دیا کرو۔''[1]

استطاعتِ حج کے معنی: استطاعت کی کئی قسمیں ہیں: ایک شخص کبھی تو بنفسہ صاحبِ استطاعت ہوتا ہے اور کبھی بغیرہ جیسا کہ کتب احکام میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا:[مَنِ الْحَاجُّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ :الشَّعِثُ التَّفِلُ، فَقَامَ رَجُلٌ آخَرُ، فَقَالَ : أَيُّ الْحَجِّ أَفْضَلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ :الْعَجُّ وَالثَّجُّ ، فَقَامَ رَجُلٌ آخَرُ، فَقَالَ : مَا السَّبِيلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ : الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ]''اے اللہ کے رسول! حاجی کون ہے؟ فرمایا: غبار آلود اور میل کچیل سے اٹا ہوا، ایک دوسرے شخص نے کھڑے ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! کون سا حج افضل ہے؟ فرمایا: جس میں بلند آواز سے تلبیہ پکارا جائے اور کثرت سے قربانی کا خون بہایا جائے۔ ایک اور شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! رستے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: زادِ راہ اور سواری۔''[2]

امام حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے فرمان الٰہی: ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ کے بارے میں پوچھا گیا اور عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! سبیل سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: [اَلزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ]''زادِ راہ اور سواری۔'' امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح مسلم کی شرط کے مطابق ہے لیکن امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔[3]

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ أَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ]''جو شخص حج کا ارادہ کرے تو اسے جلدی کرنی چاہیے۔''[4]

---

[1] مسند أحمد:508/2. [2] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة آل عمران، حديث:2998. و سنن ابن ماجه، المناسك، باب مايوجب الحج؟ حديث:2896. یہ روایت ضعیف ہے، دیکھیے، إرواء الغليل:160/4-167، حديث: 988 . [3] المستدرك للحاكم، المناسك، أوّل كتاب المناسك:442/1، حديث:1614 دیکھیے سابقہ حاشیہ [4] مسند أحمد:225/1 و سنن أبي داود، المناسك، باب:5، حديث:1732 و سنن الدارمي:1784.

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿98﴾

(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو؟ اللہ اس پر گواہ ہے جو کچھ تم کرتے ہو﴿98﴾ کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! تم

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ

اس شخص کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو جو ایمان لے آیا؟ تم چاہتے ہو کہ وہ ٹیڑھے راستے پر چلے، حالانکہ تم خود اس (کے سیدھی راہ پر ہونے) کے

شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿99﴾

گواہ ہو، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے﴿99﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اہل کتاب کے ایک فریق کی بات مانو گے تو وہ تمھارے ایمان لانے کے بعد تمھیں کافر بنا کر چھوڑیں گے﴿100﴾ اور تم

كٰفِرِيْنَ ﴿100﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ

کیسے کفر کر سکتے ہو جبکہ تمھیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تمھارے اندر اس کا رسول (موجود) ہے؟ اور جو شخص اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑ

10 يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿101﴾ ع 10 1

لے تو اسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت مل جاتی ہے﴿101﴾

حج کا منکر کافر ہے: ﴿ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿97﴾ ﴾ ”اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ ساری دنیا سے بے پروا ہے۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر فرماتے ہیں کہ جو شخص فریضۂ حج کا انکار کرے، وہ کافر ہے۔[1] حافظ ابوبکر اسماعیلی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جس شخص کو حج کی طاقت ہو اور وہ حج نہ کرے تو برابر ہے، خواہ وہ یہودی ہو کر مر جائے یا عیسائی۔[2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک اس روایت کی سند صحیح ہے۔

تفسیر آیات: 99,98

کفر اور اللہ کے رستے سے روکنے کی وجہ سے اہل کتاب کی ملامت: یہ اللہ تعالیٰ نے کفار اہل کتاب کی ملامت کی ہے کیونکہ وہ حق سے عناد رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے رستے پر چلنے کا ارادہ کرنے والے اہل ایمان کو اس سے روکتے ہیں، حالانکہ انھیں اس بات کا خوب علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو لے کر آئے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے کیونکہ سابقہ انبیائے کرام و مرسلین عظام صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ کی طرف سے ان کے پاس علم ہے کہ ان تمام نبیوں اور رسولوں نے نبی اُمّی ہاشمی عربی مکی، سیدِ ولد آدم، خاتم الانبیاء اور رسول رب الارض و السماء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کیا اور آپ کی آمد کی بشارت دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں سرزنش بھی کی تھی کہ اسے ان کے اس

① تفسیر ابن أبي حاتم: 715/3 و تفسیر عبدالرزاق: 405/1. ② المصنف لابن أبي شيبة ، الحج ، باب في الرجل يموت ولم يحج وهو موسر: 293/3 ، حديث: 14452، 14453 و الدر المنثور: 101/2 اور دیکھیے تلخيص الحبير ، الحج: 222/2 ، حديث: 957.

کرتوت کا خوب علم ہے کہ ان کے پاس انبیاء کی طرف سے جو علم ہے، یہ اس کی مخالفت کر رہے ہیں اور جس رسول کی آمد کی ان کے نبیوں نے بشارت دی تھی، اپنے عناد کی وجہ سے ان کی تکذیب اور انکار کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے بلکہ وہ انھیں اس دن ان کے اعمال کا صلہ دے گا ﴿ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴾ (الشعرآء 88:26) ”جس دن مال اور بیٹے کچھ کام نہ آئیں گے۔“

تفسیر آیات:101,100

مسلمانوں کو اہل کتاب کی روش پر نہ چلنے کی تلقین: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو تلقین فرما رہا ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے ان لوگوں کی بات نہ مانیں جو مومنوں سے ان نعمتوں کی وجہ سے حسد رکھتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے فضل و کرم سے نوازا ہے اور اپنے رسول کی ان میں بعثت سے انھیں سرفراز فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ ..... ﴾ (البقرۃ 109:2) ”بہت سے اہل کتاب اپنے دل کے حسد سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لا چکنے کے بعد تم کو پھر کافر بنا دیں......“ اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴾ ”اگر تم اہل کتاب کے کسی فریق کا کہا مان لو گے تو وہ تمھیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے۔“

پھر فرمایا: ﴿ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ﴾ ”اور تم کیونکر کفر کرو گے جبکہ تم کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تم میں اس کے پیغمبر موجود ہیں؟“ یعنی تمھاری طرف سے کفر کا ارتکاب بہت بعید ہے اور اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے بچائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات اس کے رسول پر رات دن نازل کی جا رہی ہیں اور وہ ان آیات کی تم پر تلاوت فرما رہے ہیں اور تم تک انھیں پہنچا رہے ہیں، یہ آیت ایسے ہے جیسے کہ یہ آیت کریمہ ہے: ﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (الحدید 8:57) ”اور تم کیسے لوگ ہو کہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے جبکہ پیغمبر تمھیں بلا رہے ہیں کہ تم اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ اور یقیناً وہ تم سے (اس کا) پختہ عہد بھی لے چکا ہے اگر تم مومن ہو؟“

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن نبی ٔ اکرم ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام سے پوچھا: [أَيُّ الْمُؤْمِنِينَ أَعْجَبُ إِلَيْكُمْ إِيمَانًا ؟ قَالُوا: الْمَلَائِكَةُ ، قَالَ : وَكَيْفَ لَا يُؤْمِنُونَ وَ هُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؟ وَذَكَرُوا الْأَنْبِيَاءَ ، قَالَ: وَكَيْفَ لَا يُؤْمِنُونَ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ؟ قَالُوا: فَنَحْنُ . قَالَ : وَكَيْفَ لَا تُؤْمِنُونَ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟ قَالُوا : فَأَيُّ النَّاسِ أَعْجَبُ إِيمَانًا ؟ قَالَ : قَوْمٌ يَجِيئُونَ مِنْ بَعْدِكُمْ يَجِدُونَ صُحُفًا يُؤْمِنُونَ بِمَا فِيهَا] ”ایمان کے اعتبار سے کون سے مومن تمھارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: فرشتے، آپ نے فرمایا کہ وہ ایمان کیوں نہ لائیں جبکہ وہ تو اپنے رب تعالیٰ کے پاس ہیں؟ تو صحابہ نے عرض کی کہ پھر انبیاء ہیں، آپ نے فرمایا کہ حضرات انبیائے کرام

يَاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿102﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمھیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو ﴿102﴾

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۪ وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ

اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو، اور تم اپنے آپ پر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو، جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے

اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ

تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے احسان سے بھائی (بھائی) بن گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اس نے تمھیں اس

مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿103﴾

میں گرنے سے بچا لیا، اللہ تعالیٰ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے شاید کہ تم ہدایت پاؤ ﴿103﴾

کیوں نہ ایمان لائیں جبکہ ان پر تو وحی نازل ہوتی ہے؟ صحابۂ کرام نے عرض کی کہ پھر ہم ہیں، فرمایا کہ تم ایمان کیوں نہ لاؤ جبکہ میں تمھارے مابین موجود ہوں؟ تو صحابۂ کرام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! پھر آپ ہی ارشاد فرمائیں کہ کون لوگ ایمان کے اعتبار سے زیادہ پسندیدہ ہیں؟ فرمایا وہ لوگ جو تمھارے بعد آئیں گے اور وہ صحائف کو پائیں گے تو ان کے مطابق ایمان لے آئیں گے۔'' [1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنۡ يَّعۡتَصِمۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿101﴾ ﴾ ''اور جس نے اللہ (کی ہدایت کی رسی) کو مضبوط پکڑ لیا تو وہ سیدھے رستے لگ گیا۔'' یعنی اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی ہدایت کی رسی کو مضبوط پکڑنا اور اس کی ذات گرامی پر بھروسا کرنا ہی ہدایت کا ذریعہ، ضلالت سے دور رہنے کا سامان، رشد و بھلائی کا وسیلہ، سیدھا رستہ اور مراد پا لینے کا طریقہ ہے۔

تفسیر آیات:103,102

اللہ سے ڈرنے کا حق کیا ہے؟ امام ابن ابو حاتم رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ اللہ سے ڈرنے کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور نافرمانی نہ کی جائے، اسے یاد رکھا جائے اور بھولا نہ جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے اور کفر نہ کیا جائے۔ [2] یہ روایت موقوف ہے اور اس کا موقوف ہونا ہی درست ہے اور اس کی سند بھی صحیح ہے جبکہ ابن مردویہ نے اسے مرفوع بیان کیا ہے۔ واللہ أعلم. امام حاکم نے بھی اسے اپنی مستدرک میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی سے

---

[1] قریب قریب انھی الفاظ سے یہ روایت بزار کے حوالے سے مجمع الزوائد: 52,51/10 عن أنس وعمر ومعاذ بن جبل رضی اللہ عنہم اور مسند أبي يعلى: 147/1، حدیث: 160 میں بیان ہوئی ہے لیکن اس میں ضعف ہے بلکہ بعض الفاظ منکر بھی ہیں۔ دیکھیے سلسلة الأحاديث الضعيفة: 647 جبکہ اس باب میں صحیح روایات بھی موجود ہیں، مثلاً: مسند أحمد: 106/4 میں روایت ہے: ابو جمعہ حبیب بن سباع رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح سویرے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ہمارے ساتھ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی تھے تو انھوں نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا ہم سے بہتر بھی کوئی ہے؟ ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کے ساتھ مل کر جہاد کیا۔ تو آپ نے فرمایا: [نَعَمۡ، قَوۡمٌ يَّكُونُونَ مِنۡ بَعۡدِكُمۡ يُؤۡمِنُونَ بِي وَلَمۡ يَرَوۡنِي] ''ہاں، وہ لوگ جو تمھارے بعد ہوں گے مجھ پر ایمان لائیں گے لیکن انھوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔'' مزید دیکھیے المعجم الكبير للطبراني: 22/4. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 722/3.

روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے لیکن انھوں نے اس روایت کو بیان نہیں کیا۔ ①

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈر نہیں سکتا جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے جب تک وہ اپنی زبان کی حفاظت نہ کرے۔ ② اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ ''اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔'' کے معنی یہ ہیں کہ اپنی صحت وسلامتی کے زمانے میں اسلام کی حفاظت کرو تا کہ تمھارا اسلام ہی پر خاتمہ ہو کیونکہ اللہ کریم نے اپنے فضل وکرم سے اپنی یہ عادت قرار دے لی ہے کہ جو شخص جیسی زندگی بسر کرتا ہے، اسی کے مطابق اسے موت آتی ہے۔ ③ اور جس شخص کی جس حالت میں موت آئے، اسی کے مطابق اسے قبر سے اٹھایا جائے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں کہ ہم اسلام کے خلاف زندگی بسر کریں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت مجاہد کی روایت کو بیان کیا ہے کہ لوگ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس وقت بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے پاس ایک چھڑی بھی تھی، آپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ کی تلاوت کی اور فرمایا: [وَلَوْ أَنَّ قَطْرَةً مِّنَ الزَّقُّومِ قُطِرَتْ، لَأَمَرَّتْ عَلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ عَيْشَهُمْ ، فَكَيْفَ مَنْ لَّيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا الزَّقُّومُ؟] ''اور اگر (جہنم کے) تھوہر کے درخت کا ایک قطرہ گرا دیا جائے تو وہ تمام روئے زمین کے لوگوں کی زندگی تلخ کر دے تو ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جن کا کھانا ہی تھوہر ہو گا؟'' ④ اسی طرح اس حدیث کو امام ترمذی، نسائی، ابن ماجہ رحمہم اللہ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے اور امام حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق ہے لیکن انھوں نے اسے بیان نہیں کیا۔ ⑤

امام احمد رحمہ اللہ ہی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات سے تین دن قبل یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ] ''تم میں سے کوئی شخص فوت نہ ہو مگر وہ اللہ عزوجل کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو۔'' ⑥ اور صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

① المستدرك للحاكم، التفسير، من سورة آل عمران:294/2، حديث:3159 مختصرًا و الدرالمنثور:105/2. ② تفسير ابن أبي حاتم:722/3. ③ اس مسئلے کی مکمل تفصیل سورۂ بقرہ کی آیت:132 کے تحت گزر چکی ہے جو روایات کی تطبیق کو بھی شامل ہے۔ ④ مسند أحمد:301,300/1. ⑤ جامع الترمذي، صفة جهنم، باب ماجاء في صفة شراب أهل النار، حديث: 2585 لیکن ترمذی میں [لأمرّت] کے بجائے [لأفسدت] ہے۔ وسنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة النار، حديث:4325 وصحيح ابن حبان، إخباره عن مناقب الصحابة، باب صفة النار وأهلها:511/16، حديث:7470 والسنن الكبرٰى للنسائي، التفسير، (63) قوله تعالىٰ: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ (آل عمران 3:102): 313/6، حديث:11070 والمستدرك للحاكم، التفسير، من سورة آل عمران:294/2، حديث:3158 اور وہاں یہ الفاظ بھی ہیں: [في بحار الأرض] یعنی زمین کے سمندروں میں ایک قطرہ گرا دیا جائے۔ ⑥ مسند أحمد:293/3 لیکن یہاں [وهو يُحسن بالله الظنّ] ہے جبکہ مسلم کی روایت میں الفاظ اس کے مطابق ہیں: صحيح مسلم، الفتن، باب الأمر بحسن الظن بالله تعالىٰ عندالموت، حديث:2877.

نے فرمایا: [يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي] ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میرا بندہ میرے بارے میں جیسا گمان رکھتا ہے، میں اس کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتا ہوں۔''[1]

اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط تھامنے اور جماعت کے ساتھ مل کر رہنے کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾ ''اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔'' میں اللہ کی رسی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا عہد ہے جیسا کہ اس کے کچھ بعد ایک آیت میں ہے: ﴿ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ (آل عمران3:112) ''یہ جہاں نظر آئیں گے ذلت (کو دیکھو گے کہ) ان سے چمٹ رہی ہے سوائے اس کے کہ یہ اللہ اور (مسلمان) لوگوں کی پناہ میں آ جائیں۔'' یعنی عہد و ذمے میں آ جائیں۔

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿ وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾ ''اور متفرق نہ ہونا۔'' میں اللہ تعالیٰ نے اجتماعیت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور تفرقہ بازی سے منع فرمایا ہے۔ بہت سی احادیث مبارکہ میں بھی اختلاف و انتشار کی ممانعت اور اتفاق و اتحاد کا حکم موجود ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثًا، وَّيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا، فَيَرْضٰى لَكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَّأَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا، (وَأَنْ تَنَاصَحُوا مَنْ وَّلَّى اللّٰهُ أَمْرَكُمْ)، وَيَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا: قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ] ''اللہ تعالیٰ تین باتوں کو پسند فرماتا ہے اور تین باتوں کو تمھارے لیے ناپسند فرماتا ہے: وہ تمھارے لیے پسند یہ فرماتا ہے کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، تم سب اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو اور تفرقہ بازی اختیار نہ کرو اور جن کو اللہ تعالیٰ تمھارا حکمران بنا دے، ان کی خیر خواہی کرو اور جن باتوں کو اللہ تعالیٰ تمھارے لیے ناپسند فرماتا ہے: وہ بے مقصد ادھر ادھر کی باتیں، کثرتِ سوال اور مال ضائع کرنا ہے۔''[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ﴾ ''اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔'' یہ آیتِ کریمہ اوس و خزرج کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں ان کے مابین بہت سی جنگیں، شدید عداوت، کینہ پروری اور نفرتیں تھیں جن کی وجہ سے ان میں طویل جنگیں اور لڑائی جھگڑے ہوئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اسلام کو بھیجا اور ان دونوں خاندانوں کے لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے تو وہ

---

[1] صحیح البخاري، التوحيد، باب قول اللّٰه تعالٰى: ﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ﴾ (آل عمران3:28)، حدیث:7405 و صحیح مسلم، الذكر والدعاء، باب الحث على ذكر اللّٰه تعالٰى، حدیث:2675. [2] صحیح مسلم، الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل من غير حاجة...... ، حدیث:(11,10)-1715 لیکن قوسین والے الفاظ السنن الكبرٰى للبيهقي، قتال أهل البغي، باب النصيحة لله ولكتابه ورسوله......:163/8، حدیث:17123 میں ہیں۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ

اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے۔ اور وہی لوگ فلاح پانے

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿104﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

والے ہیں﴿104﴾ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے اور ان کے پاس واضح نشانیاں آجانے کے بعد انھوں نے ایک دوسرے سے

الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿105﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا

اختلاف کیا اور ان لوگوں کے لیے بہت بڑا عذاب ہے﴿105﴾ جس دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے، پھر جن لوگوں کے چہرے سیاہ

الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۫ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

ہوں گے (ان سے کہا جائے گا:) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ پس اب عذاب چکھو اس کفر کے بدلے جو تم کرتے رہے ہو﴿106﴾ اور جن لوگوں کے

تَكْفُرُوْنَ ﴿106﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿107﴾

چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے﴿107﴾ (اے نبی!) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو حق کے ساتھ سناتے

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿108﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي

ہیں اور اللہ جہان والوں پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا﴿108﴾ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، اور سب معاملے اللہ

11 ع 8 2 السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿109﴾ ع

ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں﴿109﴾

آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے جلال کے ساتھ ایک دوسرے سے محبت کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ایک دوسرے کے ہمدرد اور غمگسار اور نیکی و تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار بن گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ ﴾ (الأنفال 8:62، 63) ''وہی تو ہے جس نے آپ کو اپنی مدد سے اور مسلمانوں (کی جمیعت) سے تقویت بخشی اور اس نے ان (مومنوں) کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور اگر آپ دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے، تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے اور البتہ اللہ ہی نے ان میں الفت پیدا کی۔''

یہ لوگ اپنے کفر کے سبب جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں جہنم سے بچا لیا اور ایمان کی ہدایت سے نوازا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی حُنین کا مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے، اس وقت اللہ تعالیٰ کے اس احسان کی طرف اشارہ فرمایا، جب ان میں سے کچھ لوگوں نے آپ پر اس وجہ سے اعتراض کیا تھا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت کے مطابق کچھ لوگوں کو زیادہ حصہ دے دیا تھا تو آپ نے انھیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: [يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! أَلَمْ أَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِي؟ وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِينَ فَأَلَّفَكُمُ اللّٰهُ بِي، وَكُنْتُمْ عَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِي؟ كُلَّمَا قَالَ شَيْئًا قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمَنُّ] ''اے گروہ انصار! کیا میں نے تمھیں گمراہ نہیں پایا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے تمھیں میری وجہ سے ہدایت سے

نوازا، تم ایک دوسرے سے الگ الگ تھے مگر میرے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے تمھارے دلوں میں الفت ومحبت ڈال دی اور تم فقیر تھے مگر اللہ تعالیٰ نے تمھیں میری وجہ سے دولت مند بنا دیا؟ آپ جب بھی کچھ ارشاد فرماتے تو اس کے جواب میں وہ کہتے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ہم پر بہت احسان ہے۔''[1]

تفسیر آیات:104-109

دعوت الی اللہ کو قائم کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ﴾ ''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے'' جو نیکی اور اس کی دعوت اور نہی عن المنکر کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل پیرا ہو، ﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ ''اور یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔'' ضحاک فرماتے ہیں کہ ان سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، رواۃ حدیث، یعنی مجاہدین وعلماء مراد ہیں۔[2]

اس آیت کریمہ سے مقصود یہ ہے کہ اس امت میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو اس کام کے لیے سرگرم ہو، گو یہ بات امت کے ہر ہر فرد پر حسب مقدور واجب ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ رَّأٰى مِنكُمْ مُّنكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ] وَفِي رِوَايَةٍ : [وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ] ''تم میں سے کوئی شخص جب کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے سمجھا دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔''[3] اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: ''اس کے بعد رائی کے دانے کے بقدر بھی ایمان نہیں ہے۔''[4]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کی حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنكَرِ، أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِّنْ عِنْدِهِ ، ثُمَّ لَتَدْعُنَّهُ فَلَا يَسْتَجِيبُ لَكُمْ] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرو گے یا پھر قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیجے، پھر تم اس سے دعا کرو گے بھی تو وہ تمھاری دعا کو قبول نہیں فرمائے گا۔''[5] اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور اس کو حسن قرار دیا ہے۔[6] اس موضوع سے متعلق اور بھی بہت سی

---

[1] صحيح البخاري ، المغازي، باب غزوة الطائف في شوّال سنة ثمان، حديث:4330 وصحيح مسلم، الزكاة ، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم على الإسلام و تصبر من قوى إيمانه، حديث:1061 عن عبدالله بن زيد بن عاصم رضی اللہ عنہ.

[2] تفسير الطبري:53/4. [3] صحيح مسلم، الإيمان ، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان......، حديث: 49 مذکورہ روایت ابن کثیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے جبکہ صحیح مسلم وغیرہ میں اس کے راوی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔

[4] صحيح مسلم ، الإيمان ، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان......، حديث:50 عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ لیکن اس حدیث کا سیاق پہلی حدیث سے مختلف ہے۔ [5] مسند أحمد:389,388/5. [6] جامع الترمذي ، الفتن ، باب ماجاء في الأمر بالمعروف و النهي عن المنكر ، حديث:2169 .

آیات کریمہ اور احادیث مبارکہ ہیں جنھیں اپنے اپنے مقام پر بیان کیا جائے گا۔

تفرقہ بازی کی ممانعت: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾ ''اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو فرقوں میں بٹ گئے اور واضح احکام آنے کے بعد ایک دوسرے سے (خلاف و اختلاف کرنے لگے۔'' اللہ تعالیٰ اس امت کو منع فرما رہا ہے کہ وہ ان سابقہ امتوں کی طرح نہ ہوں جنھوں نے حجت قائم ہونے کے باوجود تفرقہ بازی اور اختلاف کو اختیار کیا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دیا تھا۔

امام احمد نے ابو عامر عبداللہ بن لُحَیّ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم نے معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے ساتھ حج کیا، جب ہم مکہ میں آئے تو نماز ظہر کے بعد وہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابَيْنِ افْتَرَقُوا فِي دِينِهِمْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً ، وَإِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً۔ يَعْنِي الْأَهْوَاءَ۔ كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً، وَهِيَ الْجَمَاعَةُ، وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ تَجَارٰى بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهِ ، لَا يَبْقٰى مِنْهُ عِرْقٌ وَّلَا مَفْصِلٌ إِلَّا دَخَلَهُ] ''یہود و نصاریٰ اپنے دین میں بہتر (72) فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور یہ امت تہتر (73) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ایک کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ اور اس سے مراد جماعت ہے۔ میری امت میں کچھ ایسی قومیں پیدا ہوں گی جن پر خواہشات کا اس طرح غلبہ ہوگا جس طرح داء الکلب کے مریض پر اس مرض کا غلبہ ہوتا ہے کہ اس کی کوئی رگ اور کوئی جوڑ باقی نہیں رہتا مگر اس میں یہ مرض سرایت کر جاتا ہے۔'' اللہ کی قسم! اے گروہِ عرب! اگر تم اس دین کو قائم نہیں کرو گے جسے تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تو دوسرے لوگ اسے بالاولیٰ قائم نہیں کریں گے۔[1] امام ابوداود نے اسے امام احمد بن حنبل اور محمد بن یحییٰ رحمہما اللہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

حشر کے دن الفت وتفرقہ کے ثمرات ونتائج: ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ ''جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے سیاہ۔'' یعنی قیامت کے دن اہل سنت والجماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت و فُرقت کے چہرے سیاہ ہوں گے، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔[3] ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ ''تو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے اللہ فرمائے گا:) کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے؟'' امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان سے مراد منافق ہیں۔[4] ﴿فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿106﴾﴾ ''سو (اب) اس کفر کے بدلے میں عذاب (کے مزے) چکھو۔'' یہ وصف عام ہے اور ہر کافر اس کا مصداق ہے۔

﴿وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿107﴾﴾ ''اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت (کے باغوں) میں ہوں گے اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔'' یعنی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور

---

[1] مسند أحمد:102/4 و المعجم الكبير للطبراني ، أبو عامر الهوزني عبدالله بن لحي......:377/19 ، حديث:885.

[2] سنن أبي داود، السنة ، باب شرح السنة، حديث:4597 . [3] تفسير ابن أبي حاتم:729/3. [4] تفسير ابن أبي حاتم:729/3 .

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ

تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿110﴾ لَنْ

رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا۔ ان میں بعض ایمان والے بھی ہیں مگر ان کے اکثر نافرمان ہیں ﴿110﴾

يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿111﴾ ضُرِبَتْ

وہ تمھیں تھوڑی سی ایذا کے سوا ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر وہ تم سے لڑیں تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے

عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ

گی ﴿111﴾ وہ جہاں کہیں بھی پائے گئے ان پر ذلت کی مار پڑی، الا یہ کہ وہ اللہ کی یا لوگوں کی پناہ میں تھے، وہ اللہ کی طرف سے غضب کے حقدار

اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

ٹھہرے اور ان پر محتاجی مسلط کر دی گئی، یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، اور اس وجہ

الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿112﴾

سے بھی کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ جاتے تھے ﴿112﴾

وہاں سے جگہ تبدیل کرنا نہیں چاہیں گے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی نے اس آیت کی تفسیر میں ابو غالب کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ابواُمامہ نے دمشق کے مینارے پر کچھ نصب شدہ سر دیکھے تو کہا کہ یہ جہنم کے کتے ہیں، آسمان کی چھت کے تلے یہ بدترین مقتول ہیں اور وہ بہترین مقتول ہے جسے یہ قتل کر دیں، پھر انھوں نے یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ﴾ الآية. میں نے ابواُمامہ سے کہا: کیا یہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر میں نے اس بات کو آپ ﷺ سے نہ سنا ہوتا تو تم سے یہ بیان ہی نہ کرتا، میں نے تو یہ ایک دو مرتبہ نہیں کئی بار آپ سے سنا ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔[1] اسے امام ابن ماجہ اور امام احمد نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ ﴾ ''(اے نبی!) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی آیات، اس کے روشن اور واضح دلائل و براہین ہیں۔ اے محمد (ﷺ)! جو ہم آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں ﴿ بِالْحَقِّ ؕ ﴾ ''حق کے ساتھ'' جن سے ہم دنیا و آخرت کے امور کو واضح فرماتے ہیں۔ ﴿ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿108﴾ ﴾ ''اور اللہ اہل عالم پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اہل عالم کے لیے ظالم نہیں ہے بلکہ وہ حکیم و عادل ہے

[1] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة آل عمران، حديث:3000. [2] سنن ابن ماجه، المقدمة، باب في ذكر الخوارج، حديث:176 بغیر واقعہ کے۔ ومسند أحمد:256/5 لیکن اس میں 105 اور 106 دو آیتوں کا ذکر ہے اور مسند أحمد:253/5 میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ وہ ازارِقہ (خارجی) تھے۔ اور انھیں نافع بن ازرق کی وجہ سے ازارقہ کہا جاتا ہے۔ اور المعجم الكبير میں بھی یہی روایت رؤوس الخوارج کے اضافے کے ساتھ ہے:267/8 أبو غالب صاحب المِحْجَن واسمه حَزَوَّر، حديث:8034.

جو ظلم نہیں کرتا کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہر چیز کو جانتا ہے، اسے اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ ﴾ ''اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اللہ ہی کا ہے۔'' یعنی سب اسی کی ملکیت اور اسی کے غلام ہیں ﴿ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴾ ''اور (سب) کاموں کا رجوع (اور انجام) اللہ ہی کی طرف ہے۔'' یعنی دنیا و آخرت میں صرف اور صرف وہی متصرف اور حاکم ہے۔

تفسیر آیات:110-112

امتِ محمدیہ سب سے افضل اور بہتر امت ہے: اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو دیگر تمام امتوں کی نسبت بہتر قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ ''تم تمام امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ تم لوگوں میں سے لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہو کہ تم ان کی گردنوں میں زنجیریں ڈال کر لاؤ گے حتی کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عَطِیّہ عوفی، عکرمہ، عطاء اور ربیع بن انس رحمہم اللہ نے بھی اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ تم لوگوں میں سے لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہو۔[2] معنی یہ ہے کہ تم سب سے بہترین امت اور لوگوں کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش ہو۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ ﴾ ''تم نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔''

مسند امام احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں حکیم بن معاویہ بن حَیْدَہ کی روایت ہے جسے انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَنْتُمْ تُوفُونَ سَبْعِينَ أُمَّةً ، أَنْتُمْ خَيْرُهَا وَأَكْرَمُهَا عَلَى اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى] ''تم سترویں امت ہو (تم سے پہلے 69 امتیں گزر چکی ہیں) اور تم ان سب سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ معزز ہو۔''[3] یہ مشہور حدیث ہے، امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے، حضرت معاذ بن جبل اور ابوسعید رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4] امت محمدیہ کو یہ فضیلت اور نیکی کے کاموں کی طرف سبقت کا شرف اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت حاصل ہوا کیونکہ آپ اللہ کی ساری مخلوق میں سے افضل اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام رسولوں سے زیادہ مکرم ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی کامل اور عظیم شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ آپ سے پہلے کسی نبی یا رسول کو اس طرح کی شریعت عطا نہیں کی گئی، آپ کی سیرت وسنت کے مطابق تھوڑا عمل بھی اس قدر شرف وفضل کا حامل ہوتا ہے کہ دوسروں کے طریقوں کے مطابق بڑے بڑے اعمال بھی اس طرح کی پذیرائی حاصل نہیں کر سکتے جیسا کہ امام احمد نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث کو

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ (آل عمران 3:110)، حديث: 4557. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 732/3. [3] مسند أحمد: 447/4 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة آل عمران، حديث: 3001 و سنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة أمة محمد ﷺ، حديث: 4288,4287 و المعجم الكبير للطبراني: 419/19، حديث: 1012 مطوّلًا. [4] مسند أحمد: 61/3 مطوّلًا عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ.

بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُعْطِيتُ مَا لَمْ يُعْطَ أَحَدٌ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَاهُوَ؟ قَالَ: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ ، وَأُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الْأَرْضِ ، وَسُمِّيتُ أَحْمَدَ ، وَجُعِلَ التُّرَابُ لِي طَهُورًا ، وَّجُعِلَتْ أُمَّتِي خَيْرَ الْأُمَمِ] ''مجھے وہ کچھ عطا کیا گیا ہے جو دیگر انبیائے کرام میں سے کسی کو بھی نہیں دیا گیا، ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کیا؟ فرمایا: رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے، مجھے زمین کی چابیاں عطا کی گئی ہیں، میرا نام احمد رکھا گیا ہے، میرے لیے زمین کو پاک بنا دیا گیا ہے اور میری امت کو سب سے بہتر امت قرار دیا گیا ہے۔''[1] اس حدیث کی سند حسن ہے۔[2]

اس سلسلے میں اور بھی کئی احادیث وارد ہیں جن میں سے بعض کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں بروایت زہری، سعید بن میسّب سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا ہے کہ [يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي زُمْرَةٌ هُمْ سَبْعُونَ أَلْفًا ، تُضِيءُ وُجُوهُهُمْ إِضَاءَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ] ''میری امت میں سے ایک جماعت، جو ستر ہزار افراد پر مشتمل ہوگی، جنت میں داخل ہوگی اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہ سن کر عُکّاشہ بن مِحصن اسدی رضی اللہ عنہ اپنی چادر اٹھاتے ہوئے کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے بنا دے، رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: [اَللّٰهُمَّ ! اجْعَلْهُ مِنْهُمْ ، ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يَّجْعَلَنِي مِنْهُمْ ، فَقَالَ: سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ] ''اے اللہ! انھیں ان میں سے بنا دے، پھر انصار میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے بنا دے تو آپ نے فرمایا: عکاشہ تم سے اس معاملے میں سبقت لے گیا ہے۔''[3]

اس امت کی فضیلت کے بارے میں کچھ دیگر احادیث: امام احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا: [أَرْجُو أَنْ يَّكُونَ مَنْ يَّتْبَعُنِي مِنْ أُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَ: فَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ: أَرْجُو أَنْ يَّكُونُوا ثُلُثَ النَّاسِ، قَالَ: فَكَبَّرْنَا ، ثُمَّ قَالَ: أَرْجُو أَنْ يَّكُونُوا الشَّطْرَ] ''مجھے امید ہے کہ میری امت کے میری اتباع کرنے والے لوگ قیامت کے دن جنت میں جانے والے ایک چوتھائی ہوں گے تو ہم نے اللہ اکبر کہا، پھر آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ وہ جنت میں جانے والوں کا ایک تہائی ہوں گے تو ہم نے پھر اللہ اکبر کہا تو آپ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ وہ نصف ہوں گے۔''[4] امام احمد نے اس کو ایک اور سند سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[5] یہ روایت صحیح مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔

---

① مسند أحمد:98/1 و المصنف لابن أبي شيبة ، الفضائل ، باب ما أعطى الله تعالى محمدا ﷺ:308/6، حديث: 31638. ② الموسوعة الحديثية (مسند أحمد):156/2، حديث:763 کے ذیل میں۔ ③ صحيح البخاري، الرقاق، باب يدخل الجنة سبعون ألفا بغير حساب، حديث:6542 لیکن [بها] صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة ...... ، حديث:216 میں ہے۔ ④ مسند أحمد:346/3. ⑤ مسند أحمد: 383/3 اور یہ حدیث پہلی کی تابع ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: [أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ ؟ فَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ :أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ ؟ قَالَ: فَكَبَّرْنَا، ثُمَّ قَالَ : إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟] ''کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ تم اہل جنت میں سے ایک چوتھائی بن جاؤ؟ ہم نے یہ فرمان سن کر اللہ اکبر کہا تو آپ نے فرمایا: کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ اہل جنت میں سے ایک تہائی بن جاؤ؟ ہم نے اللہ اکبر کہا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت میں سے نصف ہو گے۔''[1]

امام احمد نے حضرت بُرَیدہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [أَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُونَ وَمِائَةُ صَفٍّ ، هٰذِهِ الْأُمَّةُ مِنْ ذٰلِكَ ثَمَانُونَ صَفًّا] ''اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے اَسّی (80) صفیں اس امت پر مشتمل ہوں گی۔''[2] امام احمد نے اس حدیث کو ایک دوسری سند سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔[3] امام ترمذی نے بھی اسے بیان کیا اور حسن قرار دیا ہے۔[4] امام ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔[5]

امام عبدالرزاق نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [نَحْنُ الْآخِرُونَ الْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، نَحْنُ أَوَّلُ النَّاسِ دُخُولًا الْجَنَّةَ ، بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَأُوتِينَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ ، فَهَدَانَا اللّٰهُ لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ ، فَهٰذَا الْيَوْمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ، النَّاسُ لَنَا فِيهِ تَبَعٌ ، غَدًا لِّلْيَهُودِ، وَلِلنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ] ''ہم آخر میں آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن پہلے ہوں گے۔ ہم جنت میں سب لوگوں سے پہلے داخل ہوں گے باوجود اس بات کے کہ انھیں کتاب ہم سے پہلے دی گئی تھی اور ہمیں ان کے بعد دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس حق کے اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی ہے جس میں انھوں نے اختلاف کیا تھا پس یہ دن جس میں انھوں نے اختلاف کیا تھا لوگ اس میں ہمارے پیچھے ہیں کہ یہودی ایک دن بعد ہیں اور عیسائی ہم سے دو دن بعد ہیں۔''[6] امام بخاری و مسلم نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔[7]

امام مسلم نے اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری سند سے بھی بیان کیا ہے: [نَحْنُ الْآخِرُونَ الْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَنَحْنُ أَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ......] ''ہم آخر میں آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن پہلے ہوں گے، ہم جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے......۔''[8]

[1] صحیح البخاری، الرقاق، باب الحشر، حدیث:6528 و صحیح مسلم ، الإیمان ، باب بیان کون هذه الأمة نصف أهل الجنة ، حدیث:(376)۔221 واللفظ له. [2] مسند أحمد:355/5. [3] مسند أحمد:347/5. [4] جامع الترمذي، صفة الجنة، باب ماجاء في كم صف أهل الجنة ؟ حدیث:2546. [5] سنن ابن ماجه ، الزهد ، باب صفة أمة محمد ﷺ ، حدیث:4289 . [6] السنن الكبرى للنسائي ، الجمعة، باب إیجاب الجمعة:514/1 ، حدیث:1653. [7] صحیح البخاری، الجمعة ، باب هل علی من لم یشهد الجمعة غسل......؟ حدیث:896 و صحیح مسلم، الجمعة ، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة، حدیث:(21) - 855. [8] صحیح مسلم ، الجمعة ، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة ، حدیث:(20)-855.

یہ اور اس مفہوم کی دیگر تمام احادیث، اس ارشاد باری تعالیٰ کے معنی میں ہیں: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾ ''تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے، برے کاموں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' اس امت میں سے جو لوگ ان صفات کے ساتھ اتصاف پذیر ہوں گے، وہ اس مدح و ثنا کے مستحق ہوں گے جیسا کہ امام قتادہ نے کہا ہے کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک حج کے موقع پر لوگوں کی جلد بازی کو دیکھا تو انھوں نے اس آیتِ کریمہ: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ وہ اس بہترین امت میں سے بن جائے تو اسے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ شرط کو بھی پورا کرنا چاہیے۔ اسے امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[1]

اور جو شخص ان اوصاف سے اتصاف پذیر نہ ہو تو وہ ان اہل کتاب سے مشابہت رکھتا ہو گا جن کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ ﴾ (المآئدۃ5:79) ''وہ برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے، ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے بہت برا تھا جو وہ کرتے تھے۔''

یہی وجہ ہے کہ ان صفات کی وجہ سے اس امت کی مدح کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ ﴾ ''اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے'' اس دین و شریعت پر جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا: ﴿ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ ﴾ ''تو ان کے لیے بہت اچھا ہوتا۔ ان میں ایمان لانے والے بھی ہیں (لیکن تھوڑے) اور اکثر نافرمان ہیں۔'' یعنی ان میں سے کم ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو تمھاری طرف اور جو ان کی طرف نازل کیا گیا، اس پر ایمان لانے والے ہوں جبکہ ان میں سے اکثر لوگ ضلالت و کفر اور فسق و معصیت کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کو اہل کتاب کے مقابلے میں فتح و نصرت کی بشارت: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو خبر دیتے ہوئے اور انھیں بشارت سناتے ہوئے فرمایا ہے کہ کافر و ملحد اہل کتاب کے مقابلے میں انھیں فتح و نصرت حاصل ہو گی۔ ارشاد فرمایا: ﴿ لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ۝ ﴾ ''اور یہ تمھیں خفیف سی تکلیف کے سوا کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر ان کو مدد بھی (کہیں سے) نہیں ملے گی۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ تعالیٰ نے خیبر کے دن انھیں ذلیل و رسوا کر کے ان کی ناک کو خاک آلود کر دیا[1] اور اسی طرح اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے تمام یہودیوں بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ کو بھی ذلیل و رسوا کر دیا تھا۔[2] اسی طرح شام کے عیسائیوں کی شان و شوکت کو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے خاک میں ملا دیا تھا،[3] انھیں ملک شام سے ہمیشہ ہمیشہ کے

① تفسیر الطبری: 60/4.

لیے محروم کر دیا تھا، اسلام کی ایک جماعت ہمیشہ شام میں رہے گی (4) حتی کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور وہ اسی طرح اسلام ہی پر ہوں گے اور ان میں حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے اور جزیہ کو ختم کر دیں گے اور صرف اور صرف اسلام ہی کو قبول فرمائیں گے۔ (5)[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ ''یہ جہاں نظر آئیں گے ذلت (کو دیکھو گے کہ) ان سے چمٹ رہی ہے۔ سوائے اس کے کہ یہ اللہ اور (مسلمان) لوگوں کی پناہ میں آ جائیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ذلت و رسوائی کو ان پر مسلط کر دیا ہے، یہ جہاں کہیں بھی ہوں گے امن و سکون میں نہیں ہوں گے۔ ﴿ اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''سوائے اس کے کہ یہ اللہ کی پناہ میں آ جائیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے اس ذمے کو پورا کریں جو اس نے ان پر عائد کیا ہے اور انھیں جزیہ ادا کرنے اور احکام ملت کی پابندی کرنے کا حکم دیا ہے۔ ﴿ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ ''اور (مسلمان) لوگوں کی پناہ میں آ جائیں۔'' یعنی لوگوں کی طرف سے انھیں پناہ حاصل ہو جائے جیسا کہ کسی صلح جو، معاہد اور قیدی وغیرہ کو کوئی مسلمان حتی کہ کوئی عورت بھی اگر پناہ دے دے اسی پر بس نہیں بلکہ ایک قول کے مطابق اگر کوئی مسلمان غلام بھی پناہ دے دے تو اسے امن حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ﴿ اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ اور لوگوں کا عہد ہے۔[2] مجاہد، عکرمہ، عطاء، ضحاک، حسن، قتادہ، سدی اور ربیع بن انس رحمہم اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[3] ﴿ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''اور یہ لوگ اللہ کے غضب میں گرفتار ہیں۔'' کیونکہ یہ غضب الٰہی ہی کے مستحق ہیں۔ ﴿ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ﴾ ''اور ناداری ان سے لپٹ رہی ہے۔'' یعنی قدراً اور شرعاً اسے انھوں نے اپنے لیے لازم کر لیا ہے۔ اسی لیے تو فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ﴾ ''یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اس کے) پیغمبروں کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔'' اور اس بات کو انھوں نے تکبر، بغاوت و سرکشی اور حسد کی وجہ سے اختیار کیا تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بھی ذلت و رسوائی اور ناداری کو بھی ان پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مسلط کر دیا کہ دنیا کے بعد آخرت میں بھی ذلت و رسوائی ہی ان کا مقدر ہو گی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴾ ''یہ اس لیے کہ یہ نافرمانی کیے جاتے اور حد سے

---

[1] یہ اقتباسات بخاری و مسلم کی ان احادیث سے ہیں، دیکھیے (1) صحیح البخاری، المغازی، باب غزوة خيبر، حديث: 4196 عن سلمة بن الأكوع رضی اللہ عنہ. (2) صحيح البخاري، المغازي، باب حديث بني النضير......، حديث: 4028 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ. (3) صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل من يصرع في سبيل الله فمات فهو منهم، حديث: 2799 عن أم حرام رضی اللہ عنہا. وصحيح مسلم، الفتن، باب في فتح قسطنطينية ......، حديث: 2897 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. (4) صحيح البخاري، المناقب، باب: 28، حديث: 3641 عن معاوية بن أبي سفيان رضی اللہ عنہ (5) صحيح البخاري، المظالم، باب كسر الصليب و قتل الخنزير، حديث: 2476 وصحيح مسلم، الفتن، باب في فتح قسطنطينية وخروج الدجال، ونزول عيسى ابن مريم، حديث: 2897 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. [2] تفسير الطبري: 66/4. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 735/3.

لَيۡسُوۡا سَوَآءً ؕ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيۡلِ وَهُمۡ

وہ سب برابر نہیں ہیں' اہل کتاب میں سے ایک گروہ حق پر قائم ہے، وہ رات کی گھڑیوں میں اللہ کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں، اور وہ

يَسۡجُدُوۡنَ ﴿113﴾ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ

سجدہ کرتے ہیں﴿113﴾ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں اور سبقت کرتے ہیں

الۡمُنۡكَرِ وَيُسَارِعُوۡنَ فِي الۡخَيۡرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿114﴾ وَمَا يَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلَنۡ

بھلائی کے کاموں میں اور وہی نیکوکاروں میں سے ہیں ﴿114﴾ وہ جو بھی بھلائی کریں گے اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی، اور اللہ

يُّكۡفَرُوۡهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالۡمُتَّقِيۡنَ ﴿115﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِيَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَآ

پرہیز گاروں کو خوب جانتا ہے ﴿115﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، انھیں ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے ذرا بھی

اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿116﴾ مَثَلُ مَا يُنۡفِقُوۡنَ

چھڑا نہ سکیں گے اور وہی دوزخ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿116﴾ (کافر) اس دنیا میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں، اس کی مثال

فِيۡ هٰذِهِ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَثَلِ رِيۡحٍ فِيۡهَا صِرٌّ اَصَابَتۡ حَرۡثَ قَوۡمٍ ظَلَمُوۡٓا اَنۡفُسَهُمۡ

ایسی آندھی کی سی ہے جس میں سخت پالا ہو، وہ ان لوگوں کی کھیتی پر چلے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، تو وہ اسے تباہ کر ڈالے۔ اور اللہ نے

فَاَهۡلَكَتۡهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنۡ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿117﴾

ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ﴿117﴾

بڑھے جاتے تھے۔'' اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے قتل پر اس بات نے انھیں آمادہ کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی کثرت کے ساتھ نافرمانی کرتے تھے، گناہوں کا بہت زیادہ ارتکاب کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی شریعت میں حد سے بڑھ جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے ہمیں محفوظ رکھے۔ وَاللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمُسْتَعَانُ.

تفسیر آیات:113-117

اہل کتاب میں سے اسلام قبول کرنے والوں کی فضیلت: محمد بن اسحاق وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیات یہود کے ان علماء کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو ایمان لے آئے تھے، مثلاً: سیدنا عبداللہ بن سلام، اسد بن عُبید، ثعلبہ بن سَعْیَہ اور اُسَید بن سَعْیَہ رضی اللہ عنہم وغیرہ۔[1] یعنی اہل کتاب میں سے وہ لوگ جن کی قبل ازیں مذمت بیان کی گئی ہے، وہ اور ان میں سے مشرف بہ اسلام ہونے والے برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں سے مومن بھی ہیں اور مجرم بھی۔ اسی لیے فرمایا: ﴿مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ﴾ یعنی ان اہل کتاب میں کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم ہیں، اس کی شریعت کے مطیع ہیں اور اس کے نبی کے متبع ہیں تو یہ لوگ حق پر قائم اور مستقیم ہیں۔ ﴿يَتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيۡلِ وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ ﴿113﴾﴾ ''وہ رات کی گھڑیوں میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور وہ سجدہ کرتے ہیں۔'' یعنی رات کو قیام کرتے، کثرت سے

[1] تفسیر الطبری: 71/4.

نماز تہجد پڑھتے اور نمازوں میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ ﴿ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ یَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡخَیۡرٰتِ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۱۴﴾ ﴾ ''(اور) اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے اور اچھے کام کرنے کو کہتے اور بری باتوں سے منع کرتے اور نیکیوں پر لپکتے ہیں اور یہی لوگ نیکوکار ہیں۔'' اور انھی لوگوں کا اسی سورۂ مبارکہ کے آخر میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَ اِنَّ مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ لَمَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِمۡ خٰشِعِیۡنَ لِلّٰہِ ۙ لَا یَشۡتَرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿﴾ ﴾ (آل عمران3:199) ''اور بعض اہل کتاب ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور اس (کتاب) پر جو تم پر نازل ہوئی اور اس پر جو اُن پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں وہ اللہ کی آیتیں تھوڑی قیمت میں نہیں بیچتے وہی ہیں جن کا اجران کے رب کے پاس ہے بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔''

اسی طرح یہاں بیان فرمایا: ﴿ وَ مَا یَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَلَنۡ یُّکۡفَرُوۡہُ ؕ ﴾ ''اور یہ جس طرح کی نیکی بھی کریں گے تو اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ضائع نہیں ہوگی بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی پوری پوری جزا عطا فرمائے گا۔ ﴿ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۱۵﴾ ﴾ ''اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔'' یعنی اس سے کسی بھی عمل کرنے والے کا عمل مخفی نہیں ہے اور نہ کسی اچھے عمل کرنے والے کے عمل کا اجر ضائع ہوسکتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡہُمۡ اَمۡوَالُہُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ ﴾ یعنی جب اللہ تعالیٰ انھیں سزا دینے کا ارادہ فرمائے گا تو ان کے مال اور اولاد اللہ کی سزا یا اس کے عذاب کو ان سے ہرگز دور نہیں کر سکیں گے۔ ﴿ وَ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ ﴾ ''اور وہی لوگ اہل دوزخ ہیں کہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔''

کفار جو خرچ کرتے ہیں اس کی مثال: پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک مثال بیان فرمائی ہے جو کفار دنیا کی اس زندگی میں خرچ کرتے ہیں، یہ امام مجاہد، حسن اور سُدّی رحمہم اللہ کا قول ہے۔[1]

پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَثَلُ مَا یُنۡفِقُوۡنَ فِیۡ ہٰذِہِ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا کَمَثَلِ رِیۡحٍ فِیۡہَا صِرٌّ ﴾ ''یہ جو مال دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ہوا کی سی ہے جس میں سخت سردی ہو۔'' صِرٌّ کے معنی سخت سردی کے ہیں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ، ضحاک، ربیع بن انس رحمہم اللہ اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔[2] عطا نے اس کے معنی سردی اور کہر کے بیان کیے ہیں۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے معنی آگ کے ہیں۔[4] یہ معنی بھی پہلے ہی کی طرف راجع ہے کیونکہ سخت سردی خصوصاً کہر اور ژالہ باری بھی فصلوں اور پھلوں کو اسی طرح جلا دیتی ہے جس طرح آگ سے کسی چیز کو جلا دیا جاتا ہے۔

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:741/3. یعنی اس سے مراد کفار کا خرچ کیا ہوا مال ہے۔ [2] تفسیر ابن أبی حاتم:741/3. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:741/3. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:741/3.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اپنے لوگوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، دوسرے لوگ تمھیں برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، وہ چاہتے ہیں

مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ

کہ تم مصیبت میں پڑو، ان کے دلوں کی دشمنی ان کے منہ سے ظاہر ہو چکی ہے اور وہ اپنے سینوں میں جو (بغض وعناد) چھپاتے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم

بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿118﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ

نے تمھارے لیے آیتیں کھول کر بیان کی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو ﴿118﴾ خبردار! تم لوگ ان سے محبت رکھتے ہو جبکہ وہ تم سے محبت نہیں رکھتے تم سب کتابوں

وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ

پر ایمان رکھتے ہو (جبکہ وہ ایسا نہیں کرتے) وہ تمھارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں مگر جب تنہا ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں چباتے ہیں غصے

مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿119﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ

کے مارے۔ (ان سے) کہیے: تم اپنے غصے ہی میں مر جاؤ، بے شک اللہ دلوں کے راز خوب جانتا ہے ﴿119﴾ اگر تمھیں کوئی بھلائی پہنچے تو وہ انھیں بری لگتی ہے

حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ

اور اگر تمھیں کوئی برائی پہنچے تو وہ اس پر خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو ان کا مکر تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ بے شک

كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿120﴾ ع 12/11/3

اللہ نے ان کے اعمال کو گھیر رکھا ہے ﴿120﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ ﴾ ''وہ ایسے لوگوں کی کھیتی پر جو اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے، چلے پھر اسے تباہ کر دے۔'' یعنی اسے جلا دے، اس سے مراد آگ کا وہ بگولا ہے کہ جب وہ کسی ایسی کھیتی کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے جس کے پکنے اور کٹنے کا وقت قریب آ گیا ہو تو اسے تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے اور اس کی فصل اور پھل خراب ہو کر تہس نہس ہو جاتے ہیں، اور کھیتی کا مالک اپنے پھل اور فصل سے اس وقت محروم ہو جاتا ہے جب اسے اس کی بہت ضرورت تھی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے اعمال کے ثواب کو اسی دنیا ہی میں ختم کر دیتا ہے جس طرح اس کھیتی کے پھل کو اس کے مالک کے گناہوں کی وجہ سے تباہ و برباد کر دیتا ہے اسی طرح یہ لوگ ہیں کہ جنھوں نے کسی اصل اور اساس کے بغیر ہی اپنے کاموں کی بنیاد رکھی ہے۔ ﴿ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿117﴾ ﴾ ''اور اللہ نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔''

تفسیر آیات: 118-120

مومنوں کو چھوڑ کر دوسروں کو راز دار بنانے کی ممانعت: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اس بات سے منع فرما رہا ہے کہ وہ منافقوں کو راز دار بنائیں اور انھیں اپنے بھیدوں سے آگاہ کریں اور انھیں وہ باتیں بتائیں جو انھوں نے اپنے دشمنوں

سے چھپا رکھی ہوں کیونکہ منافقوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں، یعنی وہ مسلمانوں کی دشمنی میں ہر وقت اور ہر ممکن طریقے سے مستعد رہتے ہیں اور جس قدر بھی ممکن ہو مکر و فریب سے کام لیتے ہیں اور ایسے کاموں کو پسند کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے تکلیف اور مشقت کا باعث ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ ﴾ ''کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا راز دار نہ بنانا۔'' یعنی اپنے علاوہ دیگر اہل ادیان کے لوگوں کو راز دار نہ بناؤ۔ عربی زبان میں بِطَانَة آدمی کے ان خاص اہل و عیال کو کہتے ہیں جو گھر کے داخلی امور سے مکمل طور پر آگاہ ہوتے ہیں۔ [1]

امام بخاری، نسائی اور دیگر کئی محدثین نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَّبِيٍّ وَّلَا اسْتَخْلَفَ مِنْ خَلِيفَةٍ إِلَّا كَانَتْ لَهُ بِطَانَتَانِ: بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْخَيْرِ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ وَ بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالشَّرِّ وَتَحُضُّهُ عَلَيْهِ ، وَالْمَعْصُومُ مَنْ عَصَمَ اللّٰهُ] ''اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی مبعوث فرمایا اور جو بھی خلیفہ مقرر فرمایا تو اس کے دو قسم کے راز دار تھے۔ ایک قسم وہ جو خیر کا حکم اور ترغیب دیتے تھے اور دوسرے وہ جو برائی کا حکم اور ترغیب دیتے تھے اور معصوم تو وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ گناہ سے بچا لے۔'' [2]

امام ابن ابو حاتم رحمہ اللہ نے ابو دِہقانہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ یہاں اہل حِیرَہ کا ایک بڑا ماہر کاتب ہے، لہٰذا آپ اسے اپنے ہاں بطور کاتب مقرر فرما لیں تو آپ نے فرمایا کہ اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ میں مومنوں کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا راز دار بنا لوں۔ [3] آیت کے ساتھ ساتھ یہ اثر بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ذِمّیوں کو اس کتابت کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں جسے وہ مسلمانوں کی دشمنی کے لیے استعمال کر سکیں اور مسلمانوں کے ان داخلی امور سے آگاہ ہو جائیں جن کے بارے میں یہ خدشہ ہو کہ وہ جنگی دشمنوں کو ان سے مطلع کر دیں گے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ ﴾ ''یہ لوگ تمھاری خرابی (اور فتنہ انگیزی کرنے) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے، چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمھیں تکلیف پہنچے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ ﴾ ''ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں، وہ کہیں زیادہ ہیں۔'' یعنی ان کے چہروں کے نقوش

---

[1] صحيح البخاري، الأحكام ، باب بطانة الإمام ......، قبل الحديث:7198 عن أبي عبيدة. [2] صحيح البخاري ، الأحكام ، باب بطانة الإمام وأهل مشورته ......، حديث:7198 لیکن اس حدیث کا بعض حصہ صحیح بخاری کی دوسری روایت کے مطابق ہے: صحيح البخاري ، القدر ، باب المعصوم من عصم الله، حديث:6611 وسنن النسائي، البيعة ، باب بطانة الإمام ، حديث:4207 ومسند أحمد:237/2 ، حديث:7238 وجامع الترمذي ، الزهد ، باب ماجاء في معيشة أصحاب النبي ﷺ، حديث:2369 لیکن مسند احمد اور جامع الترمذی کے الفاظ مختلف ہیں اور اس کے راوی بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ [3] تفسير ابن أبي حاتم:743/3 والمصنف لابن أبي شيبة ، الأدب ، باب في اتخاذ كاتب نصراني:261/5 ، حديث:25863 .

اورزبانوں کے الفاظ ہی سے دشمنی نمایاں ہے۔اوراس کے ساتھ ساتھ اسلام اورمسلمانوں کے لیے اپنے سینوں میں جو بغض رکھتے ہیں وہ کسی بھی ذی شعوراورعقل مند شخص سے مخفی نہیں رہ سکتا۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ ''یقیناً اگر تم عقل رکھتے ہوتو ہم نے تم سے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں۔''

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ هٰاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ ﴾ ''دیکھو! تم ایسے (صاف دل) لوگ ہو کہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہو، حالانکہ وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے۔'' مطلب یہ ہے کہ مومنو! جب منافق تمھارے سامنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں تو تم ان سے دوستی رکھنے لگ جاتے ہومگر وہ ظاہری یا باطنی طور پر تم سے قطعاً دوستی نہیں رکھتے ﴿ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّھٖ ﴾ ''اورتم سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔'' تمھیں ان کتابوں کے بارے میں قطعاً کوئی شک وشبہ نہیں ہے جبکہ وہ شک وشبہ اور حیرت میں مبتلا ہیں۔

محمد بن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ تم اپنی کتاب پر بھی، ان کی کتاب پر بھی اوراس سے پہلے کی تمام کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہومگر وہ تمھاری کتاب پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں، لہٰذا ان کی نسبت تم اس بات کے زیادہ حق دار ہو کہ ان سے بغض رکھو۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ ﴾ ''اور وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔'' امام قتادہ کا قول ہے کہ ﴿ الْاَنَامِلَ ﴾ سے مراد انگلیوں کے پورے ہیں۔[2] منافقوں کی یہی حالت ہوتی ہے کہ مومنوں کے سامنے تو ایمان اور مودّت کا اظہار کرتے ہیں لیکن باطنی طور پر ان کی صورتحال اس کے بالکل خلاف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ ﴾ ''اور وہ جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔'' اوران کی یہ حالت غیض وغضب کی شدت کی وجہ سے ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ ''(ان سے) کہہ دیجیے کہ (بدبختو!) تم اپنے غصے ہی میں مرجاؤ، اللہ تمھارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔'' تم مسلمانوں سے جس قدر بھی حسد رکھو، ان سے جس قدر بھی بغض رکھو، اللہ تعالیٰ اپنے ان مومن بندوں پر اپنی نعمتوں کو مکمل فرما کر رہے گا، اپنے دین کی تکمیل کر کے رہے گا، اپنے کلمے کو ہر صورت سر بلندی عطا فرمائے گا اور اپنے دین کو بہر آئینہ غالب کر کے رہے گا، لہٰذا تم اپنے غصے میں مرجاؤ۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کے راز جانتا ہے۔'' یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ تمھارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تمھارے دلوں میں کیا کچھ ہے اور تمھارے سینوں میں مسلمانوں کے خلاف کس قدر بغض، حسد اور کینہ ہے! اور وہ تمھیں دنیا میں بھی اس کی سزا یہ دے گا کہ تمھیں تمھاری امیدوں کے خلاف صورت حال دکھائے گا اور آخرت میں تمھیں جہنم میں عذابِ شدید کا مزہ چکھائے گا جس میں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے

[1] تفسیر الطبری: 86/4. [2] تفسیر الطبری: 89/4.

وَاِذۡ غَدَوۡتَ مِنۡ اَهۡلِكَ تُبَوِّئُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ مَقَاعِدَ لِلۡقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿121﴾

اور (اے نبی! یاد کریں) جب آپ صبح سویرے اپنے گھر والوں سے روانہ ہوئے اور مومنوں کو جنگ (احد) کے لیے مورچوں پر بٹھا رہے تھے اور اللہ خوب

اِذۡ هَمَّتۡ طَّآئِفَتٰنِ مِنۡكُمۡ اَنۡ تَفۡشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿122﴾

سننے والا جاننے والا ہے ﴿121﴾ جب تمھارے دو گروہوں نے کم ہمتی دکھانے کا ارادہ کیا اور اللہ ان کا دوست تھا، اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے ﴿122﴾

وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ وَّاَنۡتُمۡ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿123﴾

اور اللہ نے بدر میں عین اس وقت تمھاری مدد کی جب تم کمزور تھے۔ پس تم اللہ سے ڈرو تاکہ تمھیں شکر ادا کرنے کی توفیق ہو ﴿123﴾

اور کبھی بھی اس سے باہر نہ آسکو گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۡ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا ؕ ﴾ ''اگر تمھیں آسودگی حاصل ہو تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر رنج پہنچے تو وہ خوش ہوتے ہیں۔'' ان کی یہ حالت اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمانوں سے انھیں شدید عداوت ہے کہ مسلمانوں کو جب خوش حالی، فتح و نصرت اور تائید و حمایت حاصل ہوتی ہے، ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کے انصار و مددگار بھی زیادہ ہو جاتے ہیں تو یہ بات منافقوں کو بہت بری لگتی ہے۔ اور اگر مسلمانوں کو قحط و خشک سالی کا سامنا کرنا پڑے یا اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت و مصلحت کی وجہ سے ان کے دشمنوں کو غلبہ حاصل ہو جائے جیسے کہ اُحد کے دن ہوا، تو اس سے منافق خوش ہوتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـًٔا ؕ ﴾ ''اور اگر تم (تکلیفوں کو) برداشت اور پرہیز گاری کرتے رہو گے تو ان کا فریب تمھیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچائے گا۔'' اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی رہنمائی فرما رہا ہے کہ شریروں کے شر اور فاجروں فاسقوں کے مکر و فریب سے محفوظ رہنے کے لیے صبر اور تقوے کو اختیار کرو۔ اور اس اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل کرو جو تمھارے دشمنوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اور مومنوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے بغیر اس کی نافرمانی سے بچنے کی قدرت نہیں اور نہ انھیں اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق کے بغیر اس کی اطاعت کی طاقت حاصل ہے۔ اللہ ہی جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ ہرگز نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر و مشیت کے بغیر کوئی چیز قطعاً وجود میں نہیں آسکتی اور جو اس کی ذات گرامی پر توکل کرے وہ اس کے لیے کافی ہے۔

اب اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد کو اور اس میں بندگانِ الٰہی کے لیے جو آزمائش تھی اور اس سے مومنوں اور منافقوں میں جو امتیاز ہوا اور مومنوں نے اس موقع پر جس طرح صبر کا مظاہرہ کیا، اسے بیان کرنا شروع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تفسیر آیات: 121-123

غزوۂ احد کا بیان: ان آیات میں مذکور اس واقعے سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک غزوۂ احد ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام حسن بصری، قتادہ، سُدّی اور کئی ایک ائمہ کا یہی قول ہے۔[1] غزوۂ احد کا یہ واقعہ ہفتے کے دن 3 ہجری میں پیش آیا اور بقول

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 748/3.

عکرمہ یہ ہفتے کے دن نصف شوال کو پیش آیا تھا۔① واللّٰہ أعلم.

اس کا سبب یہ تھا کہ جنگ بدر میں بہت سے مشرک سردار تو مارے گئے مگر وہ تجارتی قافلہ جو ابوسفیان کی سربراہی میں آرہا تھا، بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا اور جب وہ مکہ میں پہنچا تو مقتول سرداروں کے بیٹوں اور زندہ بچ جانے والے سرداروں نے ابوسفیان سے کہا کہ ان اموال کو محمد ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے وقف کر دو، چنانچہ انھوں نے مزید اموال اور لشکروں کو جمع کیا اور تین ہزار افراد پر مشتمل اس لشکر نے مدینہ کی جانب احد پہاڑ کے قریب آ کر پڑاؤ ڈال دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے نماز جمعہ ادا فرمائی اور نماز جمعہ کے بعد بنونجار کے ایک شخص مالک بن عمرو رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھائی، پھر لوگوں سے مشورہ کیا کہ ان لوگوں کا شہر سے باہر نکل کر یا مدینہ میں رہ کر ہی مقابلہ کریں۔ عبداللہ بن اُبی کی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر ہی مقابلہ کیا جائے۔ اگر وہ یہاں مقیم ہوئے تو بدترین قید سے دوچار ہوں گے، اگر وہ مدینہ میں داخل ہوئے تو مردان کا دوبدو مقابلہ کریں گے اور عورتیں اور بچے اوپر سے ان پر پتھر برسائیں گے اور اگر وہ لوٹ گئے تو ناکام ونامراد ہو کر لوٹیں گے، اس کے برعکس دیگر صحابۂ کرام خصوصاً جو غزوۂ بدر میں شرکت نہ کر سکے تھے، ان کی رائے یہ تھی کہ شہر سے باہر نکل کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ اندر کاشانۂ نبوت میں تشریف لے گئے اور آپ نے زرہ کو پہنا اور باہر تشریف لے آئے، بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ندامت محسوس کی اور سوچا شاید ہم نے رسول اللہ ﷺ کو باہر نکلنے کے لیے مجبور کر دیا ہے، اس لیے انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ پسند فرمائیں تو شہر کے اندر ہی رہ کر ان کا مقابلہ کریں گے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَنۡبَغِي لِنَبِيٍّ إِذَا لَبِسَ لَأْمَتَهُ أَنۡ يَّضَعَهَا حَتّٰى يَحۡكُمَ اللّٰهُ (بَيۡنَهُ وَبَيۡنَ أَعۡدَائِهِ)] ''کسی نبی کے یہ شایان شان نہیں کہ جب وہ زرہ پہن لے اللہ تعالیٰ کے (اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان) فیصلہ فرمانے سے قبل ہی اسے اتار دے۔''②

رسول اللہ ﷺ اپنے ایک ہزار ساتھیوں کے ہمراہ چلے اور جب مقام شَوط پر پہنچے تو عبداللہ بن اُبی اس بات پر ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے کہ اس کی رائے کو نہیں مانا گیا، لشکر کے ایک تہائی حصے کو لے کر واپس مدینہ چلا گیا۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے یہ بھی کہا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہو کہ آج لڑائی ہو گی تو ہم ضرور تمھارا ساتھ دیتے لیکن ہمارا خیال ہے کہ آج تم نہیں لڑو گے۔

بہر آئینہ رسول اللہ ﷺ سوئے منزل کشاں کشاں تشریف لے جا رہے تھے حتی کہ آپ وادی کے ناکے میں احد کی گھاٹی کے پاس فروکش ہو گئے۔ آپ نے اپنی پشت مبارک اور لشکر کی پشت احد کی طرف کر لی اور فرمایا: [لَا يُقَاتِلَنَّ أَحَدٌ حَتّٰى نَأْمُرَهُ بِالۡقِتَالِ] ''اس وقت تک تم میں سے کوئی بھی لڑائی شروع نہ کرے جب تک ہم لڑائی کا حکم نہ دے دیں۔''③

① البداية والنهاية، غزوة أحد في شوال سنة ثلاث:10/4 والدر المنثور:119/2 ودلائل النبوة للبيهقي، جماع أبواب غزوة أحد، باب ذكر التاريخ لوقعة أحد:201/3. ② الدر المنثور:121/2 والطبقات الكبرى لابن سعد:38/2 واللفظ له. ③ السيرة النبوية لابن هشام، غزوة أحد، نزول الرسول بالشعب......:69/3.



غابہ (جنگل)
شمال
مجمع الاسیال
(سیلابی نالوں کا سنگم)
العقیق
بئر رُومة
جبل احد
جنگ کے بعد مسلمانوں کا اجتماع
خالد بن ولید کا حملہ
مسلمانوں کا پڑاو
عبداللہ بن جبیر کے تیرانداز
جبل عینین
(جبل رُماۃ)
میمنہ
قلب
حمزہ
میسرہ
مقداد
مسلمان: 700 مجاہد
عکرمہ بن ابی جہل
اور ان کے ایک سو گھڑ سوار
پیدل فوج
صفوان بن امیہ یا عمرو بن عاص
کی قیادت میں
خالد بن ولید
اور ان کے ایک سو گھڑ سوار
مشرکین: 3000 جنگجو
عورتوں کے خیمے
جُرُف
بنوحارثہ
ثنیۃ الوداع
(وداع کی گھاٹی)
وادی العقیق
مزاد
عُبیت
بنوعبدالاشہل
اور زعوراء
وادی قناۃ
راتج
بنوظفر
بنوحارث بن خزرج
بنوسلمہ
السُّنح
حرہ واقم
(مشرقی سنگلاخ زمین)
مدینہ منورہ
(یثرب)
بدائع
مسجد نبوی
بنونجار
البقیع

رسول اللہ ﷺ اپنے سات سو جانثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ نے تیر اندازوں کا امیر عبداللہ بن جُبَیر رضی اللہ عنہ کو قرار دیا جن کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا، اس میں تیر اندازوں کی کل تعداد پچاس تھی، آپ نے فرمایا: [أَنْضِحِ الْخَيْلَ عَنَّا بِالنَّبْلِ لَا يَأْتُونَا مِنْ خَلْفِنَا إِنْ كَانَتْ لَنَا أَوْ عَلَيْنَا] ، [إِنْ رَأَيْتُمُونَا تَخْطَفُنَا الطَّيْرُ فَلَا تَبْرَحُوا مَكَانَكُمْ] ''تم دشمن کو تیروں کے ذریعے سے ہم سے دور رکھو، پشت کی طرف سے ہماری حفاظت کرتے رہنا تا کہ دشمن عقب سے حملہ آور نہ ہو سکے، خواہ ہمیں فتح ہو یا شکست، تمھیں اسی جگہ رہنا ہے اور اسے ہرگز نہیں چھوڑنا، خواہ تم پرندوں کو دیکھو کہ وہ ہمیں اچک کر لے جا رہے ہیں تو تمھیں پھر بھی اسی جگہ پر کھڑے رہنا ہے اور یہاں سے نہیں ہلنا۔''[1]

نبیٔ اکرم ﷺ نے دو زرہیں زیب تن فرمائی ہوئی تھیں، پرچم آپ نے خاندان عبدالدار کے فرزند مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، اس دن آپ نے بعض نوخیز لیکن تنومند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تو اجازت دے دی تھی لیکن بعض کم سن لڑکوں کو لڑائی میں شرکت کی اجازت نہیں دی تھی، انھیں آپ نے اس سے دو سال بعد غزوہ خندق کے موقع پر اجازت عطا فرما دی تھی۔

قریش نے بھی اپنے لشکر کو جو تین ہزار افراد پر مشتمل تھا، ترتیب دیا، ان کے پاس دو سو گھوڑے بھی تھے، انھوں نے شہسواروں کے میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابوجہل کو متعین کیا اور اپنا پرچم خاندان عبدالدار کے لوگوں کے سپرد کیا ، پھر مسلمانوں اور کافروں کی ان جماعتوں کے مابین جو واقعات رونما ہوئے، ان کی تفصیل ان آیات کی تفسیر کے دوران میں اپنے اپنے مقام پر بیان کی جائے گی۔[2] إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی.

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کریں) جب آپ صبح کو اپنے گھر سے روانہ ہو کر ایمان والوں کو لڑائی کے لیے مورچوں پر (موقع بموقع) متعین کرنے لگے۔'' یعنی آپ انھیں ان کے مورچوں پر متعین کرنے لگے اور میمنہ و میسرہ پر انھیں مقرر کرنے لگے تھے۔ ﴿وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾﴾ ''اور اللہ سب کچھ سنتا (اور) جانتا ہے۔'' وہ تمھاری باتوں کو سنتا اور تمھارے ضمیر میں جو کچھ تھا، اسے خوب جانتا تھا۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿إِذْ هَمَّت طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا﴾ ''اس وقت تم میں سے دو جماعتوں نے جی چھوڑ دینا چاہا۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ان دو جماعتوں سے ہم، یعنی بنو حارثہ اور بنو سلمہ مراد ہیں اور ہم اس بات کو پسند نہیں کرتے، اس حدیث کی سند کے ایک راوی سفیان نے ایک بار یہ کہا: (جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے

[1] پہلا حصہ دلائل النبوة للبيهقي، باب كيف كان الخروج إلى أحد ......؟: 227/3 والبداية والنهاية ، غزوة أحد في شوال سنة ثلاث: 16/4 اور دوسرا حصہ صحيح البخاري، الجهاد والسير ، باب مايكره من التنازع والاختلاف في الحرب وعقوبة ......، حديث: 3039 ومسند أحمد: 93/4 کے مطابق ہے۔ [2] غزوۂ احد کی یہ تفصیل مندرجہ ذیل حوالوں سے ماخوذ ہے: دلائل النبوة للبيهقي، باب سياق قصة خروج النبي ﷺ إلى أحد ......: 206/3 وصحيح البخاري، المغازي ، باب غزوة أحد والطبقات الكبرى لابن سعد، غزوة رسول الله ﷺ أحدا: 36/2. اور مزید دیکھیے آل عمران، آیات: 121 تا 127، 140 تا 145، 152 تا 155 اور 165 تا 175 اور دیکھیے البداية والنهاية ، غزوة أحد في شوال سنة ثلاث: 16/4.

یہ کہا) کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی کیونکہ اسی میں یہ فرمان باری تعالیٰ بھی موجود ہے: ﴿ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ﴾ ''اور اللہ ان کا مددگار تھا۔''① امام مسلم نے بھی اسے بروایت سفیان بن عیینہ ہی بیان کیا ہے۔②

تعداد اور سامان کی قلت کے باوجود بدر میں فتح ونصرت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ ﴾ ''اور اللہ نے جنگ بدر میں بھی تمھاری مدد کی تھی۔'' غزوۂ بدر جمعے کے دن 17 رمضان 2 ہجری کو پیش آیا تھا۔③ یہی وہ یوم فرقان ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو عزت وسربلندی سے نوازا اور شرک اور مشرکوں کو تباہ وبرباد کر دیا تھا، حالانکہ اس دن مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور وہ صرف تین سو تیرہ تھے④ جن میں سے دو گھوڑوں پر اور ستر اونٹوں پر سوار تھے⑤ اور باقی سب پیدل تھے، ان کے پاس حسب ضرورت سامان بھی نہیں تھا جبکہ اس دن دشمن کی تعداد نو سو سے لے کر ایک ہزار کے درمیان تھی۔⑥

دشمن ہر طرح کے سامان حرب اور کیل کانٹے سے لیس تھا۔ بہترین گھوڑے اس کے پاس تھے اور ضرورت کی تمام اشیاء اسے میسر تھیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس سب کچھ کے باوجود اپنے رسول کو عزت وسربلندی سے نوازا، اپنی وحی وتنزیل کو غلبہ عطا فرمایا، اپنے نبی ﷺ اور ان کے جان نثار رفقاء کو سرخرو کر دیا اور شیطان اور اس کے چیلوں کو ذلیل وخوار کر دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان دار اور بندگی شعار بندوں پر احسان جتلاتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ﴾ ''اور اللہ نے جنگ بدر میں بھی تمھاری مدد کی تھی جب تم کمزور تھے۔'' یعنی تمھاری تعداد بھی کم تھی تاکہ تم جان لو کہ فتح ونصرت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اس کا تعلق تعداد اور سامان کی کثرت سے نہیں ہے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا ﴾ تا ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (التوبہ 9:25-27) ''اور (جنگِ) حنین کے دن جبکہ تم کو اپنی (جماعت کی) کثرت پر غرّہ تھا تو وہ تمھارے کچھ بھی کام نہ آئی...... اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

بدر، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے جو اپنے کنویں کے نام سے معروف ہے اور یہ کنواں بدر بن نارین کی طرف منسوب ہے کیونکہ اسی نے اسے کھودا تھا۔ ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ ''پس تم اللہ سے ڈرو (اور اس احسان کو یاد کرو) تاکہ تم شکر کرو۔'' اور اس کی اطاعت بجالاؤ۔

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ﴾ (آل عمران 3:122)، حديث:4558. ② صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل سلمان وبلال وصهيب ﷺ، حديث:2505. ③ تفسير القرطبي: 4/190 والمصنف لابن أبي شيبه، غزوة بدر الكبرىٰ ......:7/353، حديث:36642. ④ دلائل النبوة للبيهقي، ذكر عدد أصحاب رسول الله ﷺ الذين خرجوا ......:3/40 وصحيح البخاري، المغازي، باب عدة أصحاب بدر، حديث: 3957,3958 عن البراء ﷺ. ⑤ دلائل النبوة للبيهقي:3/39 والسيرة النبوية لابن هشام، عدد إبل المسلمين:2/613. ⑥ دلائل النبوة للبيهقي:3/43.

غزوۂ بدر الکبریٰ

(میدان جنگ)

17 رمضان 2ھ، 13 مارچ 624ء

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ ”بلا شبہ اللہ پسند کرتا ہے ان لوگوں کو جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں صف بستہ، گویا کہ وہ ایک عمارت ہیں سیسہ پلائی ہوئی۔“ (الصف: 4/61)

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ ”اور البتہ تحقیق اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب کہ تم کمزور تھے پس ڈرو تم اللہ سے تاکہ تم شکر کرو۔“ (آل عمران: 123/3)

کھجوروں کے باغ

مسلمانوں کا پڑاؤ

اَلْعُدْوَةُ الدُّنْيَا (قریب والا کنارہ)

مدینہ منورہ کی طرف

صفوں کی ترتیب

تیغ زن

نیزہ باز

تیر انداز

مسلمانوں کا لشکر: 313 افراد

بدر کا کنواں

مقداد بن عمرو کا گھوڑا

زبیر بن عوام کا گھوڑا

حمزہ

عبیدہ

علی

جنگ مبارزت

عتبہ

شیبہ

ولید

مسلمان مشرکین کے تعاقب میں

مسلمان مشرکین کے تعاقب میں

مشرکین کی صفیں پلٹ گئیں

اَلْعُدْوَةُ الْقُصْوٰى (دور والا کنارہ)

مکہ مکرمہ کی طرف

مشرکین کا لشکر: 950 افراد

مشرکین کے لشکر کے دھاوے اور فرار کا راستہ



بدر کی طرف پیش قدمی

مدینہ منورہ

مسلمانوں کی پیش قدمی

حجاز

بدر

ابواء

الجحفہ

رابغ

مکہ سے

کفار کی پیش قدمی

بحیرۂ احمر

کلومیٹر

0

50

100

150

اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ

(اے نبی!) جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے: کیا تمھارے لیے کافی نہ ہوگا کہ اللہ آسمان سے تین ہزار فرشتے اتار کرتمھاری مدد

مُنۡزَلِيۡنَ ﴿124﴾ بَلٰٓی ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ

کرے؟ ﴿124﴾ کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور دشمن تم پر فوراً چڑھ آئے تو اسی لمحے تمھارا رب پانچ ہزار فرشتوں

بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ ﴿125﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشۡرٰی لَكُمۡ

سے تمھاری مدد کرے گا جن کے (خاص) نشان لگے ہوں گے ﴿125﴾ اور اللہ نے اسے تمھارے لیے خوشخبری بنادیا تاکہ اس سے تمھارے

وَلِتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُكُمۡ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ﴿126﴾ ۙ

دلوں کو تسلی ہو۔ اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت زبردست، نہایت حکمت والا ہے ﴿126﴾ اللہ کا مقصد یہ تھا کہ وہ کافروں

لِيَقۡطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَوۡ يَكۡبِتَهُمۡ فَيَنۡقَلِبُوۡا خَآئِبِيۡنَ ﴿127﴾ لَيۡسَ لَكَ مِنَ

کے ایک گروہ کو ہلاک کردے یا انھیں ذلیل کردے، پھر وہ نامراد ہوکر لوٹ جائیں ﴿127﴾ (اے نبی!) آپ کا اس معاملے میں کچھ اختیار

الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اَوۡ يُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿128﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

نہیں، اللہ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے، چاہے تو انھیں عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں ﴿128﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے،

13 ع 9 4 وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿129﴾

اللہ ہی کا ہے، وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿129﴾

تفسیر آیات:124-129

فرشتوں کے ساتھ نصرت: مفسرین کا اس وعدے کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ بدر کے دن سے متعلق ہے یا احد کے دن سے، اس سلسلے میں دو قول ہیں: (1) ان دونوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴾ ''جب آپ مومنوں سے یہ کہہ (کران کے دل بڑھا) رہے تھے۔'' کا تعلق ﴿ وَلَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدۡرٍ ﴾ سے ہے، یہ قول امام حسن بصری، عامر شعبی، ربیع بن انس رحمہم اللہ اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر سے مروی ہے۔[1] امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[2] عباد بن منصور نے اس آیت: ﴿ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ ﴿124﴾ ﴾ سے متعلق امام حسن بصری کا قول بیان کیا ہے کہ اس کا تعلق یوم بدر سے ہے۔[3] اسے امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے، پھر انھوں نے عامر شعبی رحمہ اللہ کی اس روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کو بدر کے دن جب یہ خبر ملی کہ کُرز بن جابر مشرکوں کی مدد کررہا ہے تو ان پر یہ بات بہت گراں گزری تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ ﴿124﴾ ﴾ تا ﴿ مُسَوِّمِيۡنَ ﴿125﴾ ﴾ ''کیا یہ کافی نہیں کہ تمھارا پروردگار تین ہزار فرشتے نازل کرکے تمھیں مدد دے؟...... جو (خاص) نشان والے ہوں گے۔'' جب کرز کو یہ خبر پہنچی کہ مشرکوں کو شکست

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 752/3 وتفسیر الطبری: 101/4. [2] تفسیر الطبری: 108/4. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 752/3.

ہوگئی ہے تو اس نے ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی پانچ ہزار فرشتوں کو نازل نہیں فرمایا۔[1]

ربیع بن انس کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ایک ہزار فرشتوں سے مدد فرمائی، پھر فرشتوں کی تعداد تین ہزار ہوگئی اور اس کے بعد یہ تعداد پانچ ہزار ہوگئی تھی۔[2]

اگر یہ کہا جائے کہ اس قول کی بنیاد پر اس آیت اور قصۂ بدر سے متعلق اس آیت میں تطبیق کس طرح ہوگی کہ ﴿ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ ﴾ (الأنفال 9:8) ''جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمھاری دعا قبول کر لی (اور فرمایا: تسلی رکھو) کہ بے شک میں ایک ہزار فرشتوں سے، جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے، تمھاری مدد کروں گا۔''

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ایک ہزار کی تعداد کا مذکور ہونا تین ہزار یا اس سے زیادہ تعداد کے منافی نہیں ہے کیونکہ ﴿ مُرْدِفِيْنَ ۝ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے، پہلے آنے والے فرشتوں کے بعد کئی ہزار فرشتے اور آ جائیں گے، یہ سیاق ایسے ہی ہے جیسے سورۂ آل عمران میں ہے اور بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق یوم بدر سے ہے کیونکہ مشہور بات یہی ہے کہ فرشتوں نے بدر کی لڑائی میں حصہ لیا تھا۔ و اللّٰہ أعلم.

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا ﴾ ''ہاں، اگر تم دل کو مضبوط رکھو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو۔'' یعنی دشمن سے مقابلے کے لیے صبر کرو گے، مجھ سے ڈرو گے اور میرے حکم کی اطاعت بجالاؤ گے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا ﴾ ''اور کافر تم پر جوش کے ساتھ دفعتاً حملہ کر دیں۔'' امام حسن بصری، قتادہ، ربیع اور سُدّی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ وہ تم پر اپنے اسی ارادے سے حملہ کر دیں۔[3] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اپنے اس سفر میں وہ تم پر حملہ کر دیں۔[4] اس کے یہ معنی بھی بیان کیے جاتے ہیں کہ وہ جوش و غضب میں آ کر حملہ کر دیں۔[5]

(2)___ دوسرا قول یہ ہے کہ اس وعدے کا تعلق ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ ﴾ (آل عمران 121:3) ''اور (اے نبی!) جب آپ صبح سویرے اپنے گھر والوں سے روانہ ہوئے اور مومنوں کو جنگ (اُحد) کے لیے مورچوں پر بٹھا رہے تھے۔'' سے ہے اور اس میں یوم احد کا ذکر ہے لیکن اس دن فرشتوں کے ذریعے سے امداد حاصل نہیں ہوئی تھی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا ﴾ ''ہاں، اگر تم دل کو مضبوط رکھو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو۔'' لیکن مسلمان صبر نہ کر سکے بلکہ بھاگ گئے جس کی وجہ سے ایک فرشتہ بھی ان کی مدد کے لیے نازل نہ ہوا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝۱۲۵ ﴾ ''تو تمھارا پروردگار پانچ ہزار فرشتے، جن پر نشان ہوں گے، تمھاری مدد کو بھیجے گا۔'' یعنی علامات کے ساتھ ان پر نشان لگے ہوں گے۔ ابو اسحاق سبیعی نے

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 752/3. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 752/3. [3] تفسير الطبري: 106/4. اور اس معنی میں کُرز بن جابر کے اس لشکر کی طرف اشارہ ہے جو بدر کے دن مشرکین کی امداد کا ارادہ رکھتا تھا۔ [4] تفسير الطبري: 107/4. [5] تفسير الطبري: 107/4.

حارثہ بن مُضَرِّب سے اور انھوں نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بدر کے دن فرشتوں کی نشانی سفید اونی لباس تھا۔ فرشتوں کے گھوڑوں کی پیشانیوں پر بھی نشان تھے۔[1] مکحول کا قول یہ ہے کہ ان کے نشان یہ تھے کہ انھوں نے پگڑیاں باندھی ہوئی تھیں۔[2] اور ان کی پگڑیاں سیاہ رنگ کی تھیں اور غزوۂ حنین کے دن ان کی پگڑیوں کا رنگ سرخ تھا۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فرشتوں نے عملی طور پر صرف غزوۂ بدر ہی میں حصہ لیا تھا۔[4] ابن ابو حاتم نے یحییٰ بن عباد سے روایت کیا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن زرد رنگ کا عمامہ پہنا اور اس سے ڈھاٹا باندھا ہوا تھا تو فرشتے جب نازل ہوئے تو ان سب کے عمامے بھی زرد رنگ کے تھے۔[5]

﴿ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَلِتَطْمَىٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ﴾ ”اور اس مدد کو تو اللہ نے تمھارے لیے (ذریعہ) بشارت بنایا تاکہ تمھارے دلوں کو اس سے تسلی ہو۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو فرشتوں کو نازل فرمایا اور ان کے نازل ہونے کے بارے میں تمھیں بتادیا تو یہ تمھارے لیے بشارت تھی ورنہ حقیقی طور پر مدد تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمھارے جنگ کرنے کے بغیر ہی اپنے دشمنوں سے بدلہ لے سکتا ہے اور اسے تمھارے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو جہاد کا حکم دینے کے بعد فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَاۡ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝ ﴾ (محمد 47:4-6) ”یہ (حکم یاد رکھو!) اور اگر اللہ چاہتا تو (خود ہی) ان سے انتقام لے لیتا لیکن اس نے چاہا کہ تمھاری آزمائش ایک (کو) دوسرے سے (لڑوا کر) کرے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے، ان کے عملوں کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا (بلکہ) ان کو سیدھے رستے پر چلائے گا اور ان کی حالت درست کر دے گا۔ اور ان کو بہشت میں، جس سے ان کو شناسا کر رکھا ہے، داخل کرے گا۔“

اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَلِتَطْمَىٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝126 ﴾ ”اور اس مدد کو تو اللہ نے تمھارے لیے (ذریعہ) بشارت بنایا تاکہ تمھارے دلوں کو اس سے تسلی حاصل ہو، ورنہ مدد تو اللہ ہی کی ہے جو غالب (اور) حکمت والا ہے۔“ یعنی اسے اس قدر غلبہ حاصل ہے کہ اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا اور اس کی تقدیر اور اس کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ﴾ ”تاکہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک کر دے۔“ ﴿ اَوْ

---

[1] تفسير ابن أبي حاتم:754/3. [2] تفسير ابن أبي حاتم:755/3. [3] مجمع الزوائد، التفسير، سورة آل عمران، قوله تعالى: ﴿ مُسَوِّمِيْنَ ﴾ (آل عمران3:125):327/6، حديث:10901 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اس میں حنین کے بجائے احد کا ذکر ہے، البتہ السيرة النبوية لابن هشام، شهود الملائكة ببدر:633/2 میں حنین ہی کا ذکر ہے۔ [4] تفسير الطبري:102/4 والمصنف لابن أبي شيبة، المغازي، غزوة بدر الكبرى ......:353/7، حديث:36647 عن مجاهد . [5] تفسير ابن أبي حاتم:755/3 والمستدرك للحاكم، معرفة الصحابة، ذكر مناقب حواري رسول الله ﷺ:361/3، حديث:5554.

﴿ یَکۡبِتَهُمۡ ﴾ ''یا انھیں ذلیل کر دے'' اور انھیں غصے سے مغلوب لوٹا دے کہ انھیں تمھارے مقابلے میں اپنے مقاصد حاصل نہیں ہو سکے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَیَنۡقَلِبُوۡا خَآئِبِیۡنَ ﴿۱۲۷﴾ ﴾ ''تو (جیسے آئے تھے ویسے ہی) ناکام واپس جائیں'' کہ انھیں جو امید تھی اسے وہ حاصل نہیں کر سکے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے درمیان میں ایک ایسا جملہ بیان فرما دیا ہے جس سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ دنیا اور آخرت میں صرف اسی وحدہ لاشریک کا حکم چلتا ہے، فرمایا: ﴿ لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ ﴾ ''(اے پیغمبر!) اس کام میں آپ کو کچھ اختیار نہیں۔'' بلکہ تمام تر تصرف اور اختیار میرا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنَّمَا عَلَیۡکَ الۡبَلٰغُ وَ عَلَیۡنَا الۡحِسَابُ ○ ﴾ (الرعد 40:13) ''تو آپ کا کام (ہمارے احکام کا) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَیۡسَ عَلَیۡکَ هُدٰىهُمۡ وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ ﴾ (البقرة 272:2) ''(اے نبی!) آپ ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّکَ لَا تَهۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ ﴾ (القصص 56:28) ''بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

امام محمد بن اسحاق نے فرمان باری تعالیٰ: ﴿ لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ ﴾ کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اے پیغمبر! میرے بندوں کے بارے میں آپ کا کوئی حکم نہیں ہے سوائے ان کے جن کے بارے میں نے تمھیں حکم دیا ہو۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے کفار کی باقی اقسام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡهِمۡ ﴾ ''یا اللہ ان کے حال پر مہربانی کرے'' کہ انھیں کفر سے نکال کر ضلالت کے بعد ہدایت عطا فرما دے ﴿ اَوۡ یُعَذِّبَهُمۡ ﴾ یا وہ ان کے کفر اور گناہوں کی وجہ سے دنیا و آخرت میں انھیں اپنے عذاب میں مبتلا کر دے ﴿ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ ﴾ کیونکہ وہ ظالم ہیں اور اسی بات کے مستحق ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سالم کی اپنے باپ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد سر اٹھاتے تو [سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنۡ حَمِدَهٗ ، رَبَّنَا وَلَكَ الۡحَمۡدُ] کے بعد بددعا کرتے: [اَللّٰهُمَّ ! الۡعَنۡ فُلَانًا وَّفُلَانًا وَّفُلَانًا] ''اے اللہ! فلاں، فلاں اور فلاں شخص پر لعنت فرما۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا: ﴿ لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ ﴾ ''(اے پیغمبر!) اس کام میں آپ کو کچھ اختیار نہیں۔''[2]

امام احمد نے بھی سالم کی اپنے باپ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [اَللّٰهُمَّ ! الۡعَنۡ فُلَانًا ، اَللّٰهُمَّ ! الۡعَنِ الۡحَارِثَ بۡنَ هِشَامٍ ، اَللّٰهُمَّ ! الۡعَنۡ سُهَيۡلَ بۡنَ عَمۡرٍو ، اَللّٰهُمَّ ! الۡعَنۡ صَفۡوَانَ ابۡنَ أُمَيَّةَ] ''اے اللہ! فلاں شخص پر لعنت فرما، اے اللہ! حارث بن ہشام پر لعنت فرما، اے اللہ! سہیل بن عمرو پر لعنت فرما۔ اے اللہ! صفوان بن اُمیّہ پر لعنت فرما۔'' تو اسی موقع پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿ لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡهِمۡ اَوۡ یُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ ﴾ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کے حال پر مہربانی فرما دی تھی۔[3]

---

[1] تفسير الطبرى:114/4. [2] صحيح البخارى، التفسير، باب: ﴿ لَیۡسَ لَکَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ ﴾...... (آل عمران 128:3)، حديث:4559. [3] مسند أحمد:93/2.

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو بھی بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے لیے دعا یا بددعا کا ارادہ فرماتے تو رکوع کے بعد قنوت کرتے۔ راوی نے بسا اوقات یہ بھی کہا ہے کہ آپ [سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنۡ حَمِدَهٗ، اَللّٰهُمَّ ! رَبَّنَا لَكَ الۡحَمۡدُ] کے بعد فرماتے: [اَللّٰهُمَّ! أَنۡجِ الۡوَلِيدَ بۡنَ الۡوَلِيدِ ، وَسَلَمَةَ بۡنَ هِشَامٍ ، وَّ عَيَّاشَ بۡنَ أَبِي رَبِيعَةَ ، وَالۡمُسۡتَضۡعَفِينَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِينَ ، اَللّٰهُمَّ !اشۡدُدۡ وَطۡأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ ، وَاجۡعَلۡهَا عَلَيۡهِمۡ سِنِينَ كَسِنِي يُوسُفَ] ”اے اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابو ربیعہ اور کمزور مومنوں کو نجات عطا فرما، اے اللہ! خاندان مُضَر کے لوگوں پر اپنی گرفت کو اور مضبوط کر دے۔ اور اے اللہ! انھیں اسی طرح قحط سالی میں مبتلا فرما دے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے دور میں قحط پڑا تھا۔“ آپ ان کلمات کو بلند آواز سے پڑھتے اور نماز فجر میں بعض اوقات عرب کے مختلف خاندانوں کے نام لے کر اس طرح بددعا بھی کرتے کہ [اَللّٰهُمَّ ! الۡعَنۡ فُلَانًا وَّفُلَانًا] ”اے اللہ! فلاں فلاں پر لعنت فرما۔“ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿ لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَيۡءٌ ﴾ الآية.[1]

امام بخاری نے حُمید اور ثابت کے حوالے سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ احد کے دن نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک زخمی ہو گیا تھا تو آپ نے فرمایا: [كَيۡفَ يُفۡلِحُ قَوۡمٌ شَجُّوا نَبِيَّهُمۡ؟] ”وہ قوم کس طرح فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے سر کو زخمی کر دیا؟“ تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَيۡءٌ ﴾[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ احد کے دن نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک شہید ہو گیا اور آپ کی پیشانی پر زخم آیا جس کی وجہ سے خون بہ کر چہرۂ اقدس پر آ گیا تو آپ نے فرمایا: [كَيۡفَ يُفۡلِحُ قَوۡمٌ فَعَلُوا هٰذَا بِنَبِيِّهِمۡ وَهُوَ يَدۡعُوهُمۡ إِلٰى رَبِّهِمۡ؟] ”وہ قوم کس طرح فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کیا جبکہ وہ انھیں اپنے رب عزوجل کی طرف دعوت دے رہے تھے؟“ تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَيۡءٌ اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ اَوۡ يُعَذِّبَهُمۡ فَاِنَّهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿128﴾ ﴾[3] اور اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ ؕ ﴾ یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ اسی اللہ کی ملکیت ہے اور آسمانوں اور زمین کے سب رہنے والے اسی کے غلام اور بندے ہیں۔ ﴿ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ ﴾ ”وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے۔“ اسی کا تصرف و اختیار ہے، کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا اور جو کچھ وہ کرتا ہے اس سے پوچھ نہیں سکتا جبکہ ان سب سے باز پرس ہو گی۔ ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿129﴾ ﴾ ”اور اللہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔“

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَيۡءٌ ﴾ (آل عمران3:128)، حديث:4560. ② صحيح البخاري، المغازي، باب: ﴿ لَيۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَيۡءٌ...... ﴾ ، قبل الحديث:4069 تعليقًا. وصحيح مسلم، الجهاد، باب غزوة أحد، حديث:1791. ③ مسند أحمد:93/2. ④ صحيح مسلم، الجهاد ، باب غزوة أحد ، حديث: 1791.

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۳۰﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تمھیں نجات مل سکے﴿۱۳۰﴾ اور اس آگ سے ڈرو جو

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾

کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے﴿۱۳۱﴾ اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے﴿۱۳۲﴾ اور اپنے رب کی بخشش

وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ

اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے﴿۱۳۳﴾ وہ لوگ جو

لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡكٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ

خوشی اور سختی کے موقع پر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کردینے والے ہیں۔ اور اللہ

النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِیۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ

نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے﴿۱۳۴﴾ اور وہ لوگ جب کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنے آپ پر ظلم کر گزرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے پھر اپنے

ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِهِمۡ ۪ وَمَنۡ یَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ۙ وَلَمۡ یُصِرُّوۡا

گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے؟ اور وہ اپنے کیے پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے﴿۱۳۵﴾ وہی

عَلٰی مَا فَعَلُوۡا وَهُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَجَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ

لوگ ہیں جن کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے بخشش اور جنت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان (باغوں) میں

مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ وَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِیۡنَ ﴿۱۳۶﴾

ہمیشہ رہیں گے اور عمل کرنے والوں کے لیے (اللہ کے ہاں) اچھا اجر ہے﴿۱۳۶﴾

تفسیر آیات:130-136

سود مطلقاً حرام ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو سود کے لین دین اور اسے دگنا چوگنا کھانے سے منع فرمایا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں جب قرض واپس کرنے کی مدت آجاتی تو وہ مقروض سے کہتے کہ یا تو وہ قرض ادا کرے یا وہ اضافہ کردے، اگر وہ قرض ادا کردیتا تو ٹھیک ورنہ وہ قرض ادا کرنے کی مدت میں اضافہ کردیتا تو دوسرا قرض کی مقدار میں اضافہ کردیتا اور اسی طرح ہر سال ہوتا جس کی وجہ سے بسا اوقات قرض کی معمولی رقم بڑھتے بڑھتے بہت زیادہ رقم کی صورت اختیار کرجاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس سلسلے میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی حاصل کرلیں اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں جہنم کی آگ سے ڈراتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡۤ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۳۲﴾﴾ ”اور (دوزخ کی) آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔“

نیک کاموں اور حصولِ جنت کی ترغیب: پھر اللہ تعالیٰ نے نیک اور تقرب الٰہی کے حصول کے کاموں کی ترغیب دیتے ہوئے

فرمایا: ﴿ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور جو (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔'' جس طرح دوزخ کو کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔①

کہا گیا ہے کہ ﴿ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ ﴾ ''جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔'' سے جنت کے طول کی وسعت کی طرف اشارہ ہے جس طرح جنت کے بچھونوں کے بارے میں فرمایا: ﴿ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ ﴾ (الرحمٰن 54:55) ''ان کے استر دبیز ریشم کے ہیں۔'' تو ان کے اوپر کے غلافوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنت کا عرض بھی اس کے طول ہی کی طرح ہے کیونکہ یہ عرش الٰہی کے تلے ایک قبے کی صورت میں ہے اور گول چیز کا عرض، طول ہی کی طرح ہوتا ہے۔ اس کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے: [فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَسَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ، فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ ، وَأَعْلَى الْجَنَّةِ ، وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ] ''جب تم اللہ سے (جنت کا) سوال کرو تو اس سے جنت الفردوس کا سوال کرو، یہ سب سے اعلیٰ اور افضل جنت ہے، اس سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں اور اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے۔''②

یہ آیت اسی طرح ہے جیسا کہ سورۂ حدید کی یہ آیت ہے: ﴿ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ ﴾ (الحدید 21:57) ''(بندو!) اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور جنت کی (طرف)، جس کا عرض آسمان اور زمین کے عرض کا سا ہے، لپکو۔'' امام بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ ﴾ ''اور جنت جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔'' تو سوال یہ ہے کہ پھر جہنم کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا: [أَرَأَيْتَ اللَّيْلَ (الَّذِي قَدْ أَلْبَسَ) كُلَّ شَيْءٍ ، فَأَيْنَ النَّهَارُ ؟ قَالَ: حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ ، قَالَ : فَكَذٰلِكَ النَّارُ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ] ''کیا تم نے دیکھا ہے کہ جب رات آتی ہے تو ہر چیز پر چھا جاتی ہے تو اس وقت دن کہاں ہوتا ہے؟ اس نے جواب دیا: جہاں اللہ چاہے، آپ نے فرمایا: اسی طرح جہنم کو بھی اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے رکھتا ہے۔''③

اس ارشاد نبوی کے دو معنی ہو سکتے ہیں: (1) جب دن آتا ہے تو رات کے عدم مشاہدہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وقت رات کسی جگہ بھی نہیں ہے، رات کہیں نہ کہیں موجود ہوتی ہے، خواہ ہمیں اس کا علم نہ ہو، اس طرح جہنم بھی وہیں ہوتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ اسے رکھتا ہے۔ (2) دوسرے اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ جب دن اس طرف سے روئے زمین کو ڈھانپ لیتا ہے تو رات اس کے دوسری طرف ہوتی ہے، اسی طرح جنت اعلیٰ علیین میں آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے اور اس کا عرض

① دیکھیے البقرة، آیت:24. ② صحیح البخاری، التوحید، باب: ﴿ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ﴾ (ھود 7:11)، حدیث: 7423 . ③ كشف الأستار:43/3، حدیث:2196، البتہ قوسین کے الفاظ کے بجائے [مَاأَلْبَسَ] ہے۔ اور قوسین والے الفاظ المستدرك للحاكم:36/1، حدیث:103 کے مطابق ہیں۔ اور دیکھیے صحیح ابن حبان:306/1، حدیث:103.

حسب فرمان باری تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جبکہ جہنم اسفل سافلین میں ہے، لہٰذا جنت کے عرض کے آسمانوں اور زمین کے برابر ہونے اور جہنم کے موجود ہونے میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ و اللّٰہ أعلم.

پھر اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ ﴾ ''جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی تنگی اور خوش حالی میں، خوشی و ناخوشی میں، صحت و بیماری میں اور ہر حال میں اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً ﴾ (البقرۃ 274:2) ''جو لوگ اپنا مال رات اور دن اور پوشیدہ اور ظاہر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں۔'' یعنی انھیں کوئی امر بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کی مرضی کے کاموں میں مال خرچ کرنے، اپنے قریبی رشتے داروں اور اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوق کے ساتھ احسان کرنے اور نیکی کے دیگر کام بجالانے سے روکتا نہیں ہے۔

﴿ وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ ﴾ ''اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں۔'' جب انھیں غصہ آئے تو اسے پی جاتے ہیں، یعنی اسے چھپا لیتے ہیں اور اس کا اظہار نہیں کرتے اور جو ان کے ساتھ برا سلوک کرے اسے معاف کر دیتے ہیں۔ امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَیْسَ الشَّدِیدُ بِالصُّرَعَةِ ، وَلٰكِنَّ الشَّدِیدَ الَّذِی یَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ] ''بہادر وہ نہیں ہے جو پچھاڑ دے بلکہ بہادر تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔''[1] اسے امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

امام احمد نے سہل بن معاذ بن انس کی اپنے باپ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَنْ كَظَمَ غَیْظًا وَّهُوَ قَادِرٌ عَلٰی أَنْ یُّنَفِّذَهُ دَعَاهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلٰی رُؤُوسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰی یُخَیِّرَهُ مِنْ أَیِّ الْحُورِ شَاءَ] ''جس شخص نے غصے کو پی لیا، حالانکہ وہ اس کے اظہار کرنے پر قادر تھا تو اسے اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے سامنے بلائے گا اور اختیار دے دے گا کہ جس حور کو چاہو اپنے لیے منتخب کر لو۔''[3] اس روایت کو امام ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے حسن غریب کہا ہے۔[4]

ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ جُرْعَةً أَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ جُرْعَةِ غَیْظٍ یَّكْظِمُهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰی] ''بندے نے کبھی ایسا گھونٹ نہیں پیا جو اس غصے کے گھونٹ سے افضل ہو جسے بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے پیتا ہے۔''[5] اسے امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔[6] اور فرمان الٰہی: ﴿ وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ ﴾ ''اور غصے کو روکتے ہیں۔'' یعنی لوگوں میں اپنے غصے کے

[1] مسند أحمد:236/2. [2] صحیح البخاری، الأدب ، باب الحذر من الغضب ،حدیث:6114 وصحیح مسلم ، البر والصلة ، باب فضل من یملك نفسه عند الغضب......، حدیث:2609. [3] مسند أحمد:440/3. [4] سنن أبی داود ، الأدب ، باب من كظم غیظًا، حدیث:4777 وجامع الترمذی، البر والصلة ، باب فی كظم الغیظ ، حدیث: 2021 وسنن ابن ماجه ، الزهد ، باب الحلم، حدیث:4186 . [5] مسند أحمد:128/2. [6] سنن ابن ماجه ، الزهد ، باب الحلم ، حدیث:4189 .

مطابق عمل نہیں کرتے بلکہ ان سے اپنے شر کو روک لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اس کے اجر وثواب کی امید رکھتے ہیں۔

﴿ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط ﴾ ''اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں۔'' یعنی شر کو روکنے کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں جو ان پر ظلم کریں اور کسی پر بھی وہ ناراضی کا اظہار نہیں کرتے۔ یہ اخلاق کی بلندی کی اکمل حالت ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣٤﴾ ﴾ ''اور اللہ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔'' یہ مقاماتِ احسان میں سے ہے۔ حدیث میں ہے: [ثَلَاثٌ أُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ...... : مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِّنْ صَدَقَةٍ] ، [وَّمَا زَادَاللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا ، وَّمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِّلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ] ''تین باتوں (کی حقیقت) پر میں قسم کھاتا ہوں: (1) صدقہ کرنے سے بندے کا مال کم نہیں ہوتا۔ (2) معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت میں اضافہ فرما دیتا ہے اور (3) جو اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اور انکسار سے کام لے، اللہ تعالیٰ اسے سر بلندی عطا فرماتا ہے۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ص ﴾ ''اور وہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں۔'' یعنی جب ان سے کوئی گناہ صادر ہو جائے تو توبہ واستغفار کر لیتے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[أَنَّ رَجُلًا أَذْنَبَ ذَنْبًا، فَقَالَ: رَبِّ! إِنِّي أَذْنَبْتُ ذَنْبًا أَوْ قَالَ: عَمِلْتُ عَمَلًا ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ ، فَقَالَ عَزَّوَجَلَّ : عَبْدِي عَمِلَ ذَنْبًا فَعَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ ، قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ، ثُمَّ عَمِلَ ذَنْبًا آخَرَ أَوْ أَذْنَبَ ذَنْبًا آخَرَ، فَقَالَ:رَبِّ! إِنِّي عَمِلْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ ، فَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى:عَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَ يَأْخُذُ بِهِ ، قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ، ثُمَّ عَمِلَ ذَنْبًا آخَرَ أَوْ أَذْنَبْتُ ذَنْبًا آخَرَ، فَقَالَ:رَبِّ! إِنِّي عَمِلْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ ، فَقَالَ : عَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ ، قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي ، ثُمَّ عَمِلَ ذَنْبًا آخَرَ أَوْقَالَ: أَذْنَبَ ذَنْبًا آخَرَ، فَقَالَ : رَبِّ! إِنِّي عَمِلْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ ، قَالَ : عَبْدِي عَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ ، أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِي فَلْيَعْمَلْ مَا شَآءَ]

''ایک بندے نے ایک گناہ کیا، پھر عرض کی: میرے رب! میں نے ایک گناہ کیا ہے یا گناہ کا کام کیا ہے تو اسے معاف فرما دے تو اللہ عزوجل نے فرمایا کہ میرے بندے نے گناہ کیا ہے تو کیا اسے یہ علم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف کرتا اور اس کی وجہ سے گرفت بھی کرتا ہے، میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا، پھر اس نے گناہ کا کام کیا یا ایک اور گناہ کیا اور عرض کی: میرے رب! میں نے ایک گناہ کیا ہے تو اسے معاف فرما دے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: کیا میرے بندے کو یہ علم ہے کہ

[1] ابتدائی حصہ جامع الترمذی ، الزهد، باب ماجاء مثل الدنيا مثل أربعة نفر، حديث: 2325 و مسند أحمد: 231/4 عن أبي كبشة الأنماري رضی اللہ عنہ اور دوسرا حصہ صحیح مسلم ، البروالصلة ، باب استحباب العفو والتواضع ،حديث:2588 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔ نوٹ: ابو کبشہ کی روایت کا سیاق اس سے مختلف ہے۔

اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف کرتا اور اس کی وجہ سے گرفت بھی کرتا ہے، میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا، پھر اس نے گناہ کا کام کیا یا ایک اور گناہ کیا اور عرض کی: یارب! میں نے ایک گناہ کیا ہے تو میرا یہ گناہ معاف فرما دے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے بندے کو یہ معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ معاف فرماتا اور اس کی وجہ سے گرفت بھی کرتا ہے، میں نے اپنے بندے کو معاف فرما دیا، پھر اس نے گناہ کا کام کیا یا وہ کہتا ہے میں نے ایک اور گناہ کیا ہے اور عرض کی: یارب! میں نے گناہ کیا ہے تو میرے اس گناہ کو معاف فرما دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے کو معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف فرماتا اور اس کی بنیاد پر گرفت بھی کرتا ہے، میں تمھیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا، وہ جو چاہے عمل کرے۔''[1] امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں اس حدیث کو تقریباً اسی طرح بیان فرمایا ہے۔[2]

امام عبدالرزاق نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ﴾ ''اور وہ لوگ جب کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کر گزرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں، پھر اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں۔'' تو ابلیس بہت رویا تھا۔[3] ﴿ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ ''اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟'' یعنی اس کے سوا اور کوئی نہیں بخش سکتا۔ ﴿ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ یعنی وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف جلد ہی رجوع کر لیتے ہیں، معصیت پر اڑے نہیں رہتے اور نہ اس پر اصرار کرتے ہیں، خواہ ان سے بار بار گناہ ہو، پھر بھی اس سے توبہ کر لیتے ہیں۔ ﴿ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور وہ جانتے ہیں۔''

مجاہد اور عبداللہ بن عبید بن عمیر نے کہا ہے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔[4] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ ﴾ (التوبة 9:104) ''کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتا ہے؟'' اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ (النسآء 4:110) ''اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کر لے، پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بخشنے والا (اور) مہربان پائے گا۔'' اسی کی نظیر اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں۔

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا: [اِرْحَمُوا تُرْحَمُوا ، وَاغْفِرُوا يُغْفَرْ لَكُمْ ، وَيْلٌ لِّأَقْمَاعِ الْقَوْلِ ، وَيْلٌ لِّلْمُصِرِّينَ الَّذِينَ يُصِرُّونَ عَلٰى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ] ''تم رحم کرو تم پر بھی رحم کیا جائے گا، تم معاف کرو تمھیں بھی معاف کیا جائے گا، ان لوگوں کے لیے تباہی و بربادی ہے جو بات کو سنتے تو ہیں مگر اسے یاد نہیں رکھتے (توجہ نہیں دیتے) اور ان اصرار کرنے والوں کے لیے بھی ہلاکت ہے جو جانتے بوجھتے ہوئے بھی

---

[1] مسند أحمد: 296/2. [2] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ﴾ (الفتح 15:48)، حديث: 7507 وصحيح مسلم، التوبة، باب قبول التوبة من الذنوب وإن تكررت الذنوب والتوبة، حديث: 2758. [3] تفسير عبدالرزاق: 414/1. [4] تفسير ابن أبي حاتم: 767/7.

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تم سے پہلے بھی ایسے واقعات گزر چکے ہیں، چنانچہ تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ (نبیوں کو) جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا؟ ⑬⑦ یہ (قرآن) لوگوں

الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿137﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿138﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا

کے لیے وضاحت اور پرہیز گاروں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے ⑬⑧ اور تم سستی نہ کرو، اور نہ غم کھاؤ، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو ⑬⑨

تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿139﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ

اگر تمھیں (احد میں) زخم لگے ہیں تو ایسے ہی زخم (بدر میں) کافروں کو بھی لگ چکے ہیں۔ ہم ان دنوں کو لوگوں کے درمیان ادل بدل کرتے رہتے

قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ

ہیں۔ اور (تمھیں یہ زخم اس لیے لگے کہ) اللہ جاننا چاہتا تھا کہ کون ایمان والے ہیں؟ اور وہ تم میں سے بعض کو شہادت کا مرتبہ دینا چاہتا تھا اور اللہ

مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿140﴾ ۙ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ

ظالموں کو پسند نہیں کرتا ⑭⓪ اور (ایک وجہ یہ تھی کہ) اللہ ایمان والوں کو پاک صاف کردینا اور کافروں کو مٹا دینا چاہتا تھا ⑭① کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو

الْكٰفِرِيْنَ ﴿141﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ

کہ تم (سیدھے) جنت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون لوگ اس کی راہ میں جانیں لڑانے

وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿142﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ

والے اور صبر کرنے والے ہیں ⑭② تحقیق تم جنگ سے پہلے ہی (شہادت کی) موت کی خواہش کرتے تھے، چنانچہ پس اب تم نے اسے اپنی

14 ع 14 5 رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿143﴾ ع

آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا ہے ⑭③

اپنے گناہوں پر اصرار کرتے ہیں۔''[1] پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے اوصاف کو بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ ''وہی لوگ ہیں جن کا صلہ ان کے رب کی طرف سے بخشش ہے۔'' ﴿ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ''اور باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔'' جو انواع واقسام کے مشروبات کی ہوں گی ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ﴾ ''(وہ) ان میں ہمیشہ (بستے) رہیں گے۔'' ﴿ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿136﴾ ﴾ ''اور (اچھے) کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔'' یہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی تعریف بیان فرمائی ہے۔

تفسیر آیات: 137-143

یومِ اُحد کے مصائب کی حکمت: اللہ تعالیٰ اپنے ان مومن بندوں سے جو احد کے دن مصائب میں مبتلا ہوئے اور جن میں سے ستر شہید بھی ہو گئے تھے، مخاطب ہوتے ہوئے فرما رہا ہے: ﴿ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ ﴾ ''تم لوگوں سے پہلے بھی بہت سے واقعات گزر چکے ہیں۔'' یعنی سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی امتوں کو بھی اس طرح کے واقعات کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر

[1] مسند أحمد: 165/2 و شعب الإيمان للبيهقي ، باب في معالجة كل ذنب بالتوبة: 449/5 ، حديث: 7236.

انجام کار اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح ونصرت سے سرفراز فرمایا اور تباہی و بربادی کافروں ہی کا مقدر ٹھہری تھی۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿137﴾ ﴾ ”تو تم زمین میں پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟“

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ ﴾ ”یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بیان صریح ہے۔“ اس میں تمام امور و معاملات کا نہایت صریح اور واضح بیان ہے اور بتایا گیا ہے کہ سابقہ امتیں اپنے دشمنوں کے ساتھ کس طرح تھیں۔ ﴿ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿138﴾ ﴾ ”اور اہل تقویٰ کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔“ یعنی قرآن میں تم سے پہلے لوگوں کی خبریں بھی ہیں، تمھارے دلوں کے لیے ہدایت کا سامان بھی اور متقین کے لیے نصیحت بھی کہ یہ قرآن حرام کاموں اور گناہ کی باتوں سے منع کرتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَا تَهِنُوْا ﴾ ”اور بے دل نہ ہونا۔“ یعنی جو کچھ ہوا اس کے سبب کمزور نہ پڑنا ﴿ وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿139﴾ ﴾ ”اور نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔“ یعنی مومنو! انجام کار تمھارا ہی اچھا ہو گا اور بالآخر فتح ونصرت سے تمھی سرفراز کیے جاؤ گے۔ ﴿ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ ﴾ یعنی اگر تمھیں زخم آئے ہیں اور تم میں سے کئی لوگ شہید ہوئے ہیں تو اس سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے تمھارے دشمن کو بھی اسی طرح زخم آئے تھے اور ان کے بہت سے آدمی بھی اسی طرح مارے گئے تھے۔ ﴿ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ ﴾ ”اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔“ یعنی ہم کبھی تمھارے دشمنوں کو بھی تم پر غالب کر دیتے ہیں کیونکہ اس میں ہماری طرف سے کوئی نہ کوئی حکمت و مصلحت ضرور ہوتی ہے جبکہ انجام کار فتح و نصرت مسلمانوں ہی کی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ”اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو ممتاز کر دے۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس طرح کی آیات کی تفسیر میں فرمایا ہے: تاکہ ہم یہ دیکھ لیں کہ دشمن کے مقابلے میں صبر کون کرتا ہے!

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ ﴾ ”اور تم میں سے شہداء بنائے“ جو اس کے رستے میں جہاد کریں اور اس کی رضا میں اپنے آپ کو کھپا دیں۔ ﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿140﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ”اور اللہ بے انصافوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو نکھار دے۔“ اور یہ بھی مقصود تھا کہ اللہ ایمان والوں کو اگر ان کے گناہ ہوں تو ان کے گناہوں کو مٹا دے ورنہ انھیں پہنچنے والی تکلیفوں کے باعث ان کے درجات میں اضافہ فرما دے ﴿ وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿141﴾ ﴾ ”اور کافروں کو نابود کر دے۔“ کیونکہ جب وہ کامیاب ہوتے ہیں تو بغاوت اور سرکشی کی روش اختیار کرتے ہیں اور یہ ان کی تباہی و بربادی، ناکامی و نامرادی اور ہلاکت کا سبب بنتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿142﴾ ﴾ ”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بلا آزمائش) تم بہشت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے

والوں کو تو (اچھی) طرح معلوم کیا ہی نہیں؟ اور (یہ بھی مقصود ہے کہ) وہ ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کرے۔'' یعنی کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ قتال اور آلام و مصائب میں مبتلا ہوئے بغیر جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں فرمایا ہے: ﴿ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلۡزِلُوۡا ﴾ (البقرة 214:2) ''کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ (یوں ہی) بہشت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو پہلے لوگوں کی سی (مشکلیں) تو پیش آئی ہی نہیں؟ ان کو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ (صعوبتوں میں) ہلا ڈالے گئے۔'' اور فرمایا: ﴿ الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 2,1:29) ''الٓمّٓ۔ کیا لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟''

اور اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَيَعۡلَمَ الصّٰبِرِيۡنَ ۝١٤٢ ﴾ ''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بلا آزمائش) تم بہشت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو اچھی طرح معلوم کیا ہی نہیں؟ اور (یہ بھی مقصود ہے کہ) وہ ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کرے۔'' یعنی تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک اللہ تعالیٰ تمھاری آزمائش نہ کر لے اور یہ نہ معلوم کر لے کہ تم میں سے اس کے راستے میں جہاد کرنے والے اور دشمنوں کے مقابلے میں صبر کرنے والے کون ہیں؟ ﴿ وَلَقَدۡ كُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَلۡقَوۡهُ ۖ فَقَدۡ رَاَيۡتُمُوۡهُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ۝١٤٣ ﴾ ''اور تم موت (شہادت) کے آنے سے پہلے اس کی تمنا کیا کرتے تھے سو تم نے اس کو آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا۔'' یعنی مومنو! تم اس دن کے آنے سے پہلے دشمن سے ملاقات کی تمنا کیا کرتے اور ان پر دانت پیسا کرتے اور ان سے مقابلے کی خواہش کیا کرتے تھے تو یہ آج تمھاری تمنا پوری ہو گئی، لہٰذا آؤ اور جہاد کرو اور صبر و ثبات کا مظاہرہ کرو۔

صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تَمَنَّوۡا لِقَاءَ الۡعَدُوِّ ، وَسَلُوا اللّٰهَ الۡعَافِيَةَ ، فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمۡ فَاصۡبِرُوا ، وَاعۡلَمُوا أَنَّ الۡجَنَّةَ تَحۡتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ] ''دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگتے رہا کرو۔ ہاں، البتہ جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو پھر صبر کا مظاہرہ کرو اور خوب جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔''[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَقَدۡ رَاَيۡتُمُوۡهُ ﴾ ''سو تم نے اس کو (آنکھوں سے) دیکھ لیا۔'' یعنی تلواروں کی چمک، نیزوں کی دمک، بھالوں کے ٹکرانے اور مردوں کے جنگ کے لیے صف آراء ہونے کے وقت تم نے موت کا مشاہدہ کر لیا۔ اہل منطق و بلاغت اس کو تخییل کا نام دیتے ہیں۔ اور وہ ایک غیر محسوس چیز کا ایسا مشاہدہ ہے جیسے کہ محسوس چیز کا ہو جیسا کہ بکری، بکرے کی دوستی اور بھیڑیے کی دشمنی کو محسوس کرتی ہے۔ (اسی طرح موت بھی غیر حسی چیز ہے جسے حسی کی جگہ پر لا کر کہا گیا کہ تم نے اس کا مشاہدہ کر لیا۔)

---

① صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب: [لاتمنوا لقاء العدوّ]، حديث:3025 وصحيح مسلم، الجهاد، باب كراهة تمني لقاء العدوّ ......، حديث:1742عن عبدالله بن أبي أوفى رضي الله عنه.

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ

اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم

عَلٰۤی اَعۡقَابِكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰی عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـًٔا ؕ وَسَيَجۡزِی اللّٰهُ

اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا

الشّٰكِرِيۡنَ ﴿144﴾ وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنۡ

کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا﴿144﴾ اور کوئی جاندار اللہ کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا، اس نے موت کا وقت لکھا ہوا ہے اور جو کوئی دنیا کا

يُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَةِ نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ؕ وَسَنَجۡزِی

بدلہ چاہتا ہو تو ہم اسے دنیا ہی میں کچھ دے دیتے ہیں اور جو کوئی آخرت کا بدلہ چاہتا ہو تو ہم اسے آخرت میں کچھ دے دیتے ہیں

الشّٰكِرِيۡنَ ﴿145﴾ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ

اور ہم شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دیں گے﴿145﴾ اور کتنے ہی نبی گزرے جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا، انھیں اللہ

فِیۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿146﴾ وَمَا كَانَ

کی راہ میں جو تکلیفیں پہنچیں انھوں نے ہمت نہ ہاری اور نہ کمزوری دکھائی اور نہ وہ (کافروں سے) دبے، اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا

قَوۡلَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَاِسۡرَافَنَا فِیۡۤ اَمۡرِنَا وَثَبِّتۡ

ہے﴿146﴾ اور ان کا کہنا یہی تھا کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے کاموں میں ہم سے جو زیادتیاں ہوئیں وہ معاف کر

اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿147﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا وَحُسۡنَ ثَوَابِ

دے۔ اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافر قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما﴿147﴾ چنانچہ اللہ نے انھیں دنیا میں ثواب دیا اور آخرت میں بہت اچھا

الۡاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿148﴾ ع 15 5 6

ثواب دیا۔ اور اللہ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے﴿148﴾

تفسیر آیات:144-148

غزوۂ احد میں رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ: جب احد کے دن کچھ مسلمان شکست کھا گئے اور کچھ شہید ہو گئے تو شیطان نے یہ اعلان کر دیا کہ محمد ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ ابن ابی قمیئہ مشرکوں کے پاس آ کر کہنے لگا: میں نے محمد (ﷺ) کو شہید کیا ہے تو بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ بات اتر گئی۔ اور انھیں یقین ہو گیا کہ واقعی رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔ اور انھوں نے خیال کیا کہ ایسا کچھ بعید بھی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ بہت سے انبیائے کرام علیہم السلام کو شہید کر دیا گیا تھا۔ اس افواہ کی وجہ سے مسلمانوں میں بہت کمزوری و بزدلی اور جنگ سے دوں ہمتی پیدا ہو گئی تو اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ﴾ ''اور محمد (ﷺ) تو صرف (اللہ کے) پیغمبر ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں۔'' یعنی نبوت و رسالت اور جواز شہادت میں وہ

آپ کے لیے اسوہ ہیں۔

ابن ابو نَجِیح نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ ایک مہاجر کا ایک انصاری کے پاس سے گزر ہوا جبکہ وہ خاک وخون میں تڑپ رہا تھا تو اس نے کہا: اے فلاں! کیا تجھے یہ معلوم ہے کہ حضرت محمد ﷺ تو شہید ہو گئے ہیں، اس حالت میں بھی انصاری نے یہ سن کر کہا کہ اگر حضرت محمد ﷺ جام شہادت نوش فرما گئے ہیں تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے دین کو پہنچا دیا ہے، لہٰذا جاؤ اور اپنے دین کو بچانے کے لیے جہاد کرو تو اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ﴾ اسے حافظ ابوبکر بیہقی نے ”دلائل النبوۃ“ میں روایت کیا ہے۔[1]

جو لوگ اس سلسلے میں کمزوری میں مبتلا ہوئے، ان کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَفَا۟ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ﴾ ”بھلا اگر انھیں موت آ جائے یا قتل کر دیا جائے تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ (مرتد ہو جاؤ) گے؟“ ﴿وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـئًا ؕ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ۝١٤٤﴾ ”اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور اللہ شکر گزاروں کو عنقریب (بڑا) ثواب دے گا۔“ یعنی ان کو جو اس کی اطاعت بجا لائیں گے، اس کے دین کی خاطر جہاد کریں گے اور اس کے رسول کی اتباع کریں گے، خواہ آپ ﷺ حیات ہوں یا وفات پا جائیں۔

صحاح، مسانید، سنن اور دیگر کتب اسلام سے متعدد سندوں سے، جو کہ تواتر کی حد تک پہنچ کر قطعیت اور علم یقینی کا فائدہ دیتی ہیں، ثابت ہے اور میں نے شیخین حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی مسندوں میں بھی اسے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کی اس وقت تلاوت کی تھی جب رسول اللہ ﷺ نے انتقال فرمایا تھا۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مقام سُنُح میں اپنی رہائش سے گھوڑے پر تشریف لائے اور گھوڑے سے اتر کر مسجد میں آ گئے، لوگوں سے کوئی بات نہ کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ کا قصد کیا، اس وقت آپ کو دھاری دار حِبَری کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس سے کپڑے کو ہٹایا، آپ پر جھک گئے، بوسہ دیا اور رونے لگ گئے اور کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ کی قسم! اللہ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں فرمائے گا جو موت آپ کے لیے لکھ دی گئی تھی وہ آپ پر وارد ہو چکی ہے۔[3]

امام زہری نے بطریق ابوسلمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب آئے تو حضرت

---

① دلائل النبوة ، أبواب غزوة أحد، باب تحريض النبي ﷺ أصحابه على القتال يوم أحد......:248/3. ② صحيح البخاري، الجنائز ، باب الدخول على الميت بعد الموت......، حديث:1242,1241 و سنن النسائي، الجنائز، باب تقبيل الميت، حديث:1841 و سنن ابن ماجه ، الجنائز، باب ذكر وفاته ودفنه ﷺ، حديث:1627 عن عائشة ﵂ و صحيح ابن حبان، التاريخ، باب وفاته ﷺ: 587/14-589، حديث:6620 و جامع المسانيد والسنن، مسند أبي بكر الصديق ﵁:120/17 و السنن الكبرى للبيهقي:406/3 و مسند أحمد:117/6. ③ صحيح البخاري، الجنائز، باب الدخول على الميت......، حديث:1242,1241.

عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا: عمر بیٹھ جاؤ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیٹھنے سے انکار کیا تو لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر آپ کی طرف متوجہ ہو گئے تو آپ نے فرمایا: اما بعد! جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی تو زندہ ہے جس کو فنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ ﴾ تا ﴿ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۴۴﴾ ﴾.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! یوں معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے حتی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت فرمائی، لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کو حاصل کیا اور جس جس نے بھی اس آیت کو سنا تو بے ساختہ اس کی تلاوت شروع کر دی۔ حضرت سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تلاوت سنی تو میں کھڑے کا کھڑا رہ گیا، میرے پاؤں مجھے اٹھا نہیں رہے تھے حتی کہ میں گر گیا۔ [1]

فرمان الٰہی: ﴿ وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ ﴾ یعنی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتا حتی کہ اپنی اس مدت کو پورا کر لے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر فرما رکھا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ ﴾ ''(اس نے موت کا) وقت مقرر کر کے لکھ رکھا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا يُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ ؕ ﴾ (فاطر 35:11) ''اور نہ کسی بڑی عمر والے کو عمر زیادہ دی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے مگر (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنۡدَهٗ ﴾ (الأنعام 6:2) ''وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر (مرنے کا) ایک وقت مقرر کر دیا اور ایک مدت اس کے ہاں اور مقرر ہے۔''

اس آیت کریمہ میں بزدلوں کو حوصلہ اور جہاد کی ترغیب دی جا رہی ہے اور سمجھایا جا رہا ہے کہ میدانِ کارزار میں جا کر پیش قدمی کرنے یا نہ کرنے سے عمر میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی جیسا کہ امام ابن ابو حاتم نے حبیب بن صُہبان کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حُجر بن عَدِی نامی ایک مسلمان نے کہا تھا کہ دِجلہ عبور کر کے دشمن تک پہنچنے میں آخر تمھیں کون سی بات مانع ہے؟ پھر انھوں نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ ﴾ ''اور کسی شخص میں طاقت نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر مر جائے (اس نے موت کا) وقت مقرر کر کے لکھ رکھا ہے۔'' کی تلاوت کی اور یہ کہہ کر انھوں نے دریائے دجلہ میں اپنا گھوڑا ڈال دیا جب انھوں نے اپنا گھوڑا ڈالا تو دیگر سب لوگوں نے بھی اپنے اپنے گھوڑے ڈال دیے، دشمن نے یہ منظر دیکھا تو کہا کہ یہ تو جن اور بھوت ہیں، پھر وہ بھاگ گیا۔ [2]

اور فرمایا: ﴿ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَةِ نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ؕ ﴾ ''اور جو شخص دنیا میں (اعمال کا) بدلہ چاہے اس کو ہم یہیں بدلہ دے دیں گے اور جو آخرت میں طالبِ ثواب ہو اس کو وہاں اجر عطا کریں گے۔''

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته ......، حديث: 4454. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 779/3.

یعنی جس کا عمل صرف دنیا کے لیے ہوگا تو وہ اس قدر دنیا حاصل کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں لکھ رکھی ہوگی۔اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور جو اپنے عمل سے آخرت کا طلب گار ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے آخرت کا اجر وثواب عطا فرمائے گا۔اور ساتھ ہی دنیا میں اس کے لیے جو لکھا ہوگا، وہ بھی اسے ضرور ملے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ ﴾ (الشوریٰ 20:42) ''جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو اس کے لیے ہم اس کی کھیتی میں افزائش کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہو، اس کو ہم اس میں سے دیں گے اور اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہ ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ ﴾ (بنی إسرآئیل 19,18:17) ''جو شخص دنیا (کی آسودگی) کا خواہش مند ہو تو ہم اس میں سے جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں، پھر اس کے لیے جہنم کو (ٹھکانا) مقرر کر رکھا ہے جس میں وہ ملعون ہو کر اور (اللہ کی درگاہ سے) راندہ ہو کر داخل ہوگا۔اور جو شخص آخرت کا خواستگار ہو اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اسے لائق ہے اور وہ مومن بھی ہو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگتی ہے۔'' اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴾ ''اور ہم شکر گزاروں کو عنقریب (بہت اچھا) صلہ دیں گے۔'' یعنی ان کے شکر اور عمل کے مطابق ہم انھیں اپنے فضل ورحمت سے دنیا وآخرت میں اچھا بدلہ عطا کریں گے۔

احد کے دن مسلمانوں کا جو جانی نقصان ہوا تھا، اس کی وجہ سے تسلی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ ﴾ ''اور بہت سے نبی ہو گزرے ہیں جن کے ساتھ مل کر اکثر اہل اللہ (اللہ کے دشمنوں سے) لڑے ہیں۔'' (یہ معنی موجودہ قراءت کی رو سے ہیں) یعنی قتال وجہاد میں ان کو جو مصیبتیں اور آزمائشیں پہنچیں وہ ان کی وجہ سے ضعف و استکانت کا شکار نہیں ہوئے۔اور ایک روایت میں ﴿ قٰتَلَ ﴾ کو [قُتِلَ] پڑھا گیا ہے۔اس صورت میں معنی ہوں گے: ''کتنے ہی نبی شہید ہوئے اور ان کے ساتھ ان کے اصحاب اور اہل اللہ میں سے بھی بہت سے لوگ شہید ہوئے تھے۔'' اس قول کو امام ابن جریر نے بھی اختیار کیا ہے۔[1]

اور دوسرا قول یہ بیان کیا گیا ہے کہ کتنے ہی نبیوں کے سامنے ان کے اصحاب اور اہل اللہ میں سے بہت سے لوگ شہید کیے گئے تھے۔ ''سیرت'' میں امام ابن اسحاق کا رجحان اس دوسرے قول کی طرف ہے، یعنی کتنے ہی نبیوں نے اللہ کے رستے میں اللہ کے دشمنوں سے جہاد کیا اور ان کے ساتھ بہت سے اہل اللہ بھی جہاد میں شریک تھے لیکن وہ اپنے نبی کے بعد کمزور نہ ہوئے، نہ انھوں نے اپنے دشمن کے مقابلے میں کسی دوں ہمتی کا ثبوت دیا اور نہ اللہ کے رستے میں جہاد کرنے کی وجہ سے انھیں جو تکلیفیں پہنچیں ان کی وجہ سے وہ بزدل ہی ہوئے اور یہی صبر ہے۔

[1] تفسیر الطبری:155/4.

﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ ”اور اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“① گویا انھوں نے ﴿ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ﴾ کو حال بنایا ہے۔ اس قول کی سُہیلی نے بھی خوب تائید کی ہے۔ اور اسے ﴿ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ ﴾ سے بھی تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اموی نے بھی اپنی مغازی میں محمد بن ابراہیم کی کتاب کے حوالے سے یہی بیان کیا ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا قول بیان ہی نہیں کیا۔

امام سفیان ثوری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ ﴿ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ﴾ سے مراد ہے کہ کئی ہزار لوگوں نے لڑائی کی۔② حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، حسن، قتادہ، سُدّی، ربیع اور عطاء خراسانی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ رِبِّيُّوْنَ ﴾ کے معنی ہیں بہت سی جماعتیں۔③ امام عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے حسن سے روایت کیا ہے کہ ﴿ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ﴾ کے معنی ہیں بہت سے علماء۔④ نیز آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس کے معنی ہیں ایسے علماء جو صبر کرنے والے اور ابرار و اتقیاء ہوں۔⑤

﴿ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ﴾ ”تو جو مصیبتیں ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں، ان کے سبب انھوں نے نہ تو ہمت ہاری اور نہ بزدلی دکھائی نہ (کافروں سے) دبے۔“ قتادہ اور ربیع بن انس نے بیان کیا ہے کہ ﴿ وَمَا ضَعُفُوْا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے اپنے نبی کے شہید ہونے کی وجہ سے ہمت نہ ہاری۔ ﴿ وَمَا اسْتَكَانُوْا ﴾ اور نہ اپنی بصیرت اور اپنے دین سے مرتد ہوئے بلکہ انھوں نے بھی اس طرح جہاد کیا جس طرح اللہ کے نبی نے جہاد کیا تھا حتی کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ گئے۔⑥ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ وَمَا اسْتَكَانُوْا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے جزع فزع کا اظہار نہیں کیا۔⑦ سُدّی اور ابن زید فرماتے ہیں کہ وہ اپنے دشمن کے سامنے عاجز و درماندہ نہیں ہوئے۔⑧

﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْۤ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ ”اور اللہ صبر کرنے والے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور (اس حالت میں) ان کے منہ سے کوئی بات نکلتی تو یہی کہ اے پروردگار! ہمارے گناہ اور زیادتیاں، جو ہم اپنے کاموں میں کرتے رہے ہیں، معاف فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت کر۔“ یعنی ان کی عادت یہی تھی۔

﴿ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا ﴾ ”تو اللہ نے ان کو دنیا میں بھی بدلہ دیا۔“ یعنی فتح و نصرت اور کامیابی سے سرفراز فرمایا۔ ﴿ وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ﴾ یعنی دنیا کے بدلے کے ساتھ آخرت میں بھی اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔ ﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ﴾ ”اور اللہ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔“

① السيرة النبوية لابن هشام، باب ذكر ما أنزل الله في أحد من القرآن، ذكره شجاعة المجاهدين......:118/3. ② تفسير الطبري:156/4. ③ تفسير ابن أبي حاتم:780/3. ④ تفسير ابن أبي حاتم:780/3 و تفسير عبدالرزاق:415/1، رقم:467. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم:781/3. ⑥ تفسير الطبري:159/4. ⑦ تفسير ابن أبي حاتم:782/3. ⑧ تفسير ابن أبي حاتم:782/3 و تفسير الطبري:159/4.

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمھیں پلٹا کر مرتد بنا دیں گے، پھر تم خسارہ پانے والے ہو گے ⑭⑨ بلکہ اللہ تمھارا مولا ہے

خٰسِرِيْنَ ⑭⑨ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ⑮⓪ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے ⑮⓪ جن لوگوں نے کفر کیا، ہم ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے، اس لیے کہ انھوں نے اللہ کے ساتھ ایسی چیزوں کو

الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ

شریک ٹھہرایا ہے جن کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ ظالموں کا بہت برا ٹھکانا ہے ⑮① یقیناً اللہ نے تم سے اپنا وعدہ

مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ⑮① وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا

سچ کر دکھایا جب تم (احد میں) اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے کم ہمتی اختیار کی اور اپنی ذمہ داری کے بارے میں

فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ

جھگڑنے لگے اور جونہی اللہ نے تمھیں وہ چیز (مال غنیمت کی جھلک) دکھائی جس سے تم محبت کرتے تھے تو تم نے نافرمانی کی (اس لیے کہ) تم میں سے

مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ

کچھ لوگ دنیا کو چاہتے تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے، پھر اللہ نے تمھیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا تاکہ تمھاری آزمائش کرے۔ بلا

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ⑮② اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى

شبہ (پھر بھی) اس نے تمھیں معاف کر دیا۔ اور اللہ مومنوں پر فضل کرنے والا ہے ⑮② جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف پلٹ کر نہ دیکھتے

اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى

تھے، اور رسول (ﷺ) تمھیں تمھارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے، پھر اللہ نے تمھیں غم پر غم دیے تاکہ تمھیں یہ سبق ملے کہ جو کچھ تمھارے ہاتھ سے

مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑮③

جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر تمھیں غمگین نہیں ہونا چاہیے اور تم جو عمل کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھتا ہے ⑮③

تفسیر آیات: 149-153

کفار کی اطاعت کی ممانعت اور احد میں فتح و شکست کے اسباب: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں اور منافقوں کی اطاعت سے منع فرما رہا ہے کیونکہ ان کی اطاعت دنیا و آخرت کی تباہی و بربادی کا سبب ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ⑭⑨ ﴾ ''اگر تم کافروں کا کہا مان لوگے تو وہ تم کو الٹے پاؤں پھیر (کر مرتد کر) دیں گے، پھر تم بڑے خسارے میں پڑ جاؤ گے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اسی کی اطاعت کریں، اس سے دوستی رکھیں، اسی سے مدد طلب کریں اور اسی کی ذات گرامی پر توکل رکھیں۔ ﴿ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ⑮⓪ ﴾ ''(یہ تمھارے مددگار نہیں ہیں) بلکہ اللہ تمھارا مددگار ہے اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ ان کے دشمنوں کے دلوں میں ان کا خوف ڈال دے گا اور ان کے کفر و شرک کی وجہ سے انھیں ذلیل و رسوا کر دے گا۔ اور آخرت میں بھی ان کے لیے بدترین عذاب تیار کر رکھا ہے۔ فرمایا:

﴿ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں تمھارا رعب بٹھا دیں گے کیونکہ یہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں جس کی اس نے کوئی بھی دلیل نازل نہیں کی اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، وہ ظالموں کا بہت برا ٹھکانا ہے۔''

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أُعْطِيتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِي : نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ ، وَّجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُورًا، وَّ أُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً ، وَّأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ] ''مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء میں سے کسی کو نہیں دی گئی تھیں: (1) ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔ (2) میرے لیے ساری زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے۔ (3) میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال قرار دے دیا گیا ہے۔ (4) مجھ سے پہلے ہر نبی کو بطور خاص ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے اور (5) مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ ﴾ ''اور اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا۔'' دن کے پہلے حصے میں ﴿ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ ﴾ ''جب تم (اُحد میں) کافروں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان پر غلبہ عطا فرما دیا تھا۔ ﴿ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ ﴾ ''حتی کہ جب تم نے ہمت ہار دی۔'' ابن جریج کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اَلْفَشَل کے معنی بزدلی کے ہوتے ہیں۔[2] ﴿ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ ﴾ ''اور حکمِ پیغمبر میں جھگڑا کرنے لگے اور اس کی نافرمانی کی۔'' جیسا کہ درّے پر مقرر کردہ تیر اندازوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ ﴿ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ ﴾ ''یہاں تک کہ تم جو چاہتے تھے اللہ نے تم کو دکھا دیا۔'' اور وہ یہ تھا کہ تمھیں ان کے مقابلے میں کامیابی حاصل ہو۔

﴿ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا ﴾ ''بعض تو تم میں سے دنیا کے خواستگار تھے۔'' یعنی وہ لوگ جو کفار کی شکست دیکھتے ہی مالِ غنیمت کی طرف راغب ہو گئے ﴿ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ﴾ ''اور بعض آخرت کے طالب تھے۔ اس وقت اللہ نے تم کو ان (کے مقابلے) سے پھیر (کر بھگا) دیا تاکہ تمھاری آزمائش کرے۔'' یعنی پھر انھیں تم پر غلبہ عطا کر دیا تاکہ تمھاری آزمائش و امتحان کرے۔ ﴿ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے

---

[1] صحیح البخاری ، الصلاة ، باب قول النبیﷺ:[جعلت لی الأرض مسجدًا و طهورًا]، حدیث:438 و صحیح مسلم، کتاب و باب المساجد و مواضع الصلاة ،حدیث:521. [2] تفسیر الطبری:172/4.

تمھاری اس غلطی کو معاف کر دیا کیونکہ دشمن کی تعداد بھی زیادہ تھی اور اس کے پاس سامان حرب کی بھی فراوانی تھی جبکہ دشمن کے مقابلے میں تمھاری تعداد بھی کم تھی اور تمھارے پاس سامان جنگ کی بھی کمی تھی۔ واللہ أعلم.

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس دن مشرکوں سے ہماری مڈ بھیڑ ہوئی تو نبی ﷺ نے تیر اندازوں کے ایک گروہ کو (درے پر) مقرر فرما کر عبداللہ بن جُبَیر رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا اور فرمایا: [لَا تَبرَحُوا، إِنْ رَأَيْتُمُونَا ظَهَرْنَا عَلَيْهِمْ فَلَا تَبرَحُوا، وَإِنْ رَأَيْتُمُوهُمْ ظَهَرُوا عَلَيْنَا فَلَا تُعِينُونَا] ''تم اسی جگہ پر ڈٹے رہنا، اگر تم یہ دیکھو کہ ہمیں فتح ہوگئی ہے تو اس جگہ سے نہ ہلنا اور اگر یہ دیکھو کہ دشمن ہم پر غالب آ گیا ہے تو پھر بھی اپنی جگہ چھوڑ کر ہماری مدد نہ کرنا۔'' ہمارا مقابلہ ہوا تو دشمن بھاگ اٹھا حتی کہ ہم نے دیکھا کہ ان کی عورتیں بھی اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے ہوئے پہاڑوں کی طرف بھاگ رہی تھیں جس کی وجہ سے ان کی پازیبیں نظر آ رہی تھیں، تو اس صورت حال کو دیکھ کر درے پر مقرر لوگوں نے کہنا شروع کر دیا: غنیمت! غنیمت! عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے مجھ سے یہ عہد لیا تھا کہ اپنی جگہ سے نہ ہلنا مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ اور جب انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی فتح کو شکست سے بدل دیا اور ستر مسلمان شہید ہو گئے۔

ابوسفیان نے مسلمانوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا: کیا ان میں محمد (ﷺ) موجود ہیں؟ آپ نے فرمایا: [لَا تُجِيبُوهُ] ''اسے کوئی جواب نہ دو۔'' پھر اس نے کہا: کیا ابن ابوقحافہ موجود ہیں؟ آپ نے فرمایا: [لَا تُجِيبُوهُ] ''اسے کوئی جواب نہ دو۔'' پھر اس نے کہا: کیا ابن خَطَّاب موجود ہیں؟ جب مسلمانوں کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو کہنے لگا کہ یہ سب لوگ قتل ہو گئے ہیں، اگر زندہ ہوتے تو میری بات کا ضرور جواب دیتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے اور کہنے لگے: اے اللہ کے دشمن! تو جھوٹ کہہ رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں کو تیرے لیے باقی رکھا ہے تاکہ تجھے غم وحزن لاحق ہو، پھر ابوسفیان نے کہا کہ ہُبَل بلند ہو! نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [أَجِيبُوهُ، قَالُوا: مَا نَقُولُ؟ قَالَ: قُولُوا: اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ] ''اسے جواب دو، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہم کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا: تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ ہی اعلیٰ اور اجل ہے۔'' ابوسفیان نے کہا کہ ہمارے پاس عُزّٰی ہے اور تمھارے پاس کوئی عزی نہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: [أَجِيبُوهُ، قَالُوا: مَا نَقُولُ؟ قَالَ: قُولُوا: اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ] ''اسے جواب دو، صحابۂ کرام نے عرض کی کہ اسے کیا جواب دیں؟ فرمایا: یہ کہو کہ اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمھارا کوئی مولیٰ نہیں۔''

ابوسفیان نے کہا کہ یہ دن جنگ بدر کے دن کا جواب ہے۔ اور لڑائی کنویں کے ڈول کی طرح ہوتی ہے، تم دیکھو گے کہ تمھارے کچھ لوگوں کا مثلہ کر دیا گیا ہے مگر اس کا میں نے حکم نہیں دیا تھا اور نہ یہ بات مجھے بری لگتی ہے۔[1] اس سند سے اس حدیث کو شیخین میں سے صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

① صحیح البخاری، المغازی، باب غزوۃ أحد، حدیث: 4043 و سنن أبی داود، الجهاد، باب فی الكُمَناء، حدیث: 2662 و مسند أحمد: 293/4. غزوۂ احد کا نقشہ ملاحظہ کیجیے: سورۂ آل عمران، آیات: 121-123 کے ذیل میں۔

امام محمد بن اسحاق نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ ان کے والد زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں نے ہند کی خادماؤں اور سہیلیوں کو دیکھا کہ انھوں نے پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے ہوئے تھے اور وہ تیز بھاگ رہی تھیں۔ اور کسی چیز کی طرف مڑ کر نہ دیکھتی تھیں۔ اور تیر انداز اس وقت مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کے لیے لشکر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور دشمن کے لیے ہماری پشت خالی کر دی بالآخر ہم پر پچھلی جانب سے حملہ ہو ہی گیا۔ اور چلانے والا چلایا: خبردار! محمد (ﷺ) شہید ہو چکے ہیں، چنانچہ ہم پلٹے اور علم برداروں تک پہنچے تو دشمن ہم پر ٹوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ پوری قوم میں سے کوئی بھی آپ کے قریب تک نہ ہوا۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ مشرکین کا جھنڈا گرا ہی پڑا تھا کہ عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نے تھام کر قریش کے حوالے کر دیا تو وہ سب اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ [1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ﴾ ’’پھر اس وقت اللہ نے تم کو ان (کے مقابلے) سے پھیر دیا تاکہ تمھاری آزمائش کرے۔‘‘ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے قاسم بن عبدالرحمٰن بن رافع نے بیان کیا ہے، جو خاندان عدِی بن نجّار سے تھے، وہ کہتے ہیں کہ انس بن نضر رضی اللہ عنہ جو کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا تھے حضرت عمر بن خطاب اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما کے پاس آئے جو مہاجرین وانصار کے کچھ لوگوں کے ساتھ تھے اور انھوں نے ہتھیار ڈال دیے تھے، انھوں نے پوچھا کہ تم لوگ کیوں الگ تھلگ بیٹھے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ہیں تو حضرت انس بن نضر نے کہا کہ اگر رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ہیں تو تم ان کے بعد زندگی کو کیا کرو گے؟ اٹھو تم بھی اسی مقصد کی خاطر اپنی جانوں کو قربان کر دو جس کی خاطر حضور اقدس ﷺ نے اپنی جان نثار فرمائی ہے، پھر وہ (انس بن نضر رضی اللہ عنہ) دشمنوں کی صفوں میں جا گھسے اور بڑی بے جگری سے لڑے حتی کہ خلعت شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو۔ [2]

امام بخاری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ان کے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے جس کا انھیں بڑا غم تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پہلے غزوے ہی میں شریک نہ ہو سکا، اگر اب اللہ تعالیٰ نے مجھے رسولَ اللہ ﷺ کے ساتھ (کسی جنگ میں) شرکت کا موقع عطا کیا تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں شجاعت کے کس طرح جوہر دکھاتا ہوں؟ چنانچہ انھیں غزوۂ احد میں شرکت کا موقع مل گیا، پھر جب انھوں نے یہ دیکھا کہ کچھ مسلمانوں نے سراسیمگی کے باعث ہتھیار ڈال دیے ہیں تو کہنے لگے: یا اللہ! ان لوگوں نے جو کچھ کیا ہے، میں اس کی معذرت کرتا ہوں اور مشرکوں نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے براءت کا اظہار کرتا ہوں، پھر وہ اپنی تلوار پکڑ کر دشمنوں کی صفوں کی طرف بڑھے۔

اس اثنا میں ان کی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے: سعد کہاں جا رہے ہو؟ اللہ کی قسم! مجھے تو احد کے پیچھے سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ پھر آپ دشمن کے لشکر پر ٹوٹ پڑے (حتی کہ بے شمار کافروں کو واصل جہنم کرنے کے بعد) خود بھی جام شہادت نوش فرما گئے حتی کہ میت پاک پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ ان کی بہن نے انھیں تِل کے نشان یا انگلیوں کے

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ، حدیث الزبیر عن سبب الھزیمۃ:3/82. [2] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ، شأن أنس بن النضر:3/88.

پوروں سے پہچانا تھا کیونکہ ان کے جسم مبارک پر تیروں، تلواروں، نیزوں اور بھالوں کے اسّی سے زیادہ زخم تھے۔ یہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں۔① جبکہ امام مسلم نے بھی اس روایت کو بطریق ثابت از حضرت انس تقریباً اسی طرح بیان کیا ہے۔②

احد کے دن بعض مسلمانوں کی شکست: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ ﴾ ''(وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب تم بھاگے جا رہے تھے اور کسی کو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے۔'' یعنی جب تم اپنے دشمنوں سے بھاگتے ہوئے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ امام حسن بصری اور قتادہ نے اس آیت کو اس طرح پڑھا ہے: [إِذْ تَصْعَدُونَ] تا اور عین کے فتحہ کے ساتھ، یعنی جب تم پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔③ ﴿ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ ﴾ یعنی دہشت، خوف اور رعب کی وجہ سے کسی کو پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ ﴿ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ ﴾ ''اور رسول اللہ تم کو تمھارے پیچھے سے بلا رہے تھے۔'' یعنی تم نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا تھا، وہ تمھیں پکار رہے تھے کہ دشمن سے ڈر کر مت بھاگو، واپس آؤ اور دشمن پر ٹوٹ پڑو۔

سُدّی بیان کرتے ہیں کہ جب مشرکوں نے احد میں مسلمانوں پر سخت حملہ کر دیا تو وہ بھاگ گئے حتی کہ بعض مدینہ میں داخل ہو گئے اور کچھ لوگ بھاگ کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے اور رسول اللہ ﷺ لوگوں کو بلا رہے اور فرما رہے تھے: [إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ، إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ] ''اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔'' یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے پہاڑ پر چڑھنے اور رسول اللہ ﷺ کے انھیں بلانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ ﴾ ''(وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب تم بھاگے جا رہے تھے اور کسی کو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ تم کو تمھارے پیچھے سے بلا رہے تھے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ، ربیع اور ابن زید نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔④

انصار و مہاجرین کا رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرنا: امام بخاری رحمہ اللہ نے قیس بن ابو حازم سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو دیکھا کہ وہ شل ہو چکا تھا کیونکہ اپنے اس ہاتھ کے ساتھ انھوں نے احد کے دن نبی ﷺ کا دفاع کیا تھا۔⑤ صحیحین میں ابو عثمان نہدی سے روایت ہے کہ ان ایام میں سے احد کے دن، جن میں رسول اللہ ﷺ نے جہاد کیا تھا، آپ کے ساتھ طلحہ بن عبید اللہ اور سعد (بن ابو وقاص) رضی اللہ عنہما کے سوا اور کوئی بھی نہ تھا۔⑥

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن

---

① صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة أحد، حديث:4048. ② صحيح مسلم، الإمارة، باب ثبوت الجنة للشهيد، حديث:1903. ③ تفسير الطبري:177/4 و تفسير القرطبي:239/4 و تفسير ابن أبي حاتم:790/3. ④ تفسير الطبري:178/4. ⑤ صحيح البخاري، المغازي، باب: ﴿ اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ﴾ الآية (آل عمران3:122)، حديث:4063. ⑥ صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب ذكر طلحة بن عبيدالله رضي الله عنه، حديث:3722 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب في فضل سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه، حديث:2414.

اپنے ترکش سے میرے لیے تیر نکالے اور فرمایا: [اِرْمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي] ''تیر پھینکو تم پر میرے ماں باپ نثار!'' اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔[1] اور صحیح بخاری و مسلم میں حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ میں نے احد کے دن رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں دو آدمیوں کو دیکھا جنھوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے اور وہ آپ کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے سخت لڑائی کر رہے تھے، میں نے ان کو اس سے پہلے یا بعد میں کبھی نہیں دیکھا وہ ان سے مراد جبریل و میکائیل علیہما السلام لے رہے تھے۔[2]

ابوالاسود نے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ خاندان جُمَح کے ایک شخص اُبَی بن خلف نے مکہ میں قسم کھائی تھی کہ وہ ضرور رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دے گا جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اس قسم کے بارے میں علم ہوا تو آپ نے فرمایا: [بَلْ أَنَا أَقْتُلُهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ] ''اسے تو میں ان شاء اللہ قتل کروں گا۔'' جب احد کا دن تھا تو اُبی لوہے میں ڈوبا ہوا آیا اور کہنے لگا: ''اگر میں بچ گیا تو محمد (ﷺ قتل ہونے سے) نہ بچ سکیں گے۔'' اس نے قتل کے ارادے سے رسول اللہ ﷺ پر حملہ کیا تو خاندان عبدالدار کے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اس کا سامنا کیا اور اپنی جان کو قربان کر کے رسول اللہ ﷺ کو بچایا، مصعب بن عمیر شہید ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی زرہ اور خَود کے درمیان خالی جگہ میں ہنسلی کو دیکھا تو آپ نے اپنے نیزے کے ساتھ اسے زخمی کر دیا جس کی وجہ سے وہ اپنے گھوڑے سے نیچے زمین پر گر گیا۔

ابی بن خلف کے زخم سے خون تک نہیں نکلا تھا لیکن اس کے باوجود جب اس کے ساتھی اسے اٹھانے کے لیے اس کے پاس آئے تو وہ بیل کی طرح آوازیں نکال رہا تھا، لوگوں نے اس سے کہا کہ یہ تو معمولی سی خراش ہے، تم اس قدر جزع فزع کیوں کر رہے ہو؟ تو اس نے لوگوں کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا ذکر کیا: [أَنَا أَقْتُلُ أُبَيًّا] ''(نہیں اُبی مجھے نہیں بلکہ) میں اُبی کو قتل کروں گا۔''

پھر اس نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس وقت مجھے جو تکلیف ہے، اگر یہ اہل ذوالمجاز کو ہو تو وہ سب کے سب اس تکلیف کی وجہ سے مر جائیں، چنانچہ اس کے فوراً بعد ہی وہ جہنم رسید ہو گیا۔ ﴿فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ۝﴾ (الملك 11:67) ''چنانچہ دوزخیوں کے لیے (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے۔''[3] موسیٰ بن عقبہ نے بھی اپنے مغازی میں زہری کے واسطے سے سعید بن مسیّب سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[4]

---

[1] صحیح البخاری، المغازی، باب: ﴿اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ....﴾ (آل عمران 3:122)، حدیث: 4055.
[2] صحیح البخاری، المغازی، باب: ﴿اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ....﴾ الآیة (آل عمران 3:122)، حدیث: 4054 وصحیح مسلم، الفضائل، باب إکرامه ﷺ بقتال الملائکة معه ﷺ، حدیث: (47,46)-2306. [3] دلائل النبوة للبیهقی، أبواب غزوة أحد، باب شدة رسول الله ﷺ فی البأس ......: 259,258/3 والبدایة والنهایة، فیما لقی النبی ﷺ: 33,32/4 والمصنف لعبدالرزاق: 356/5، رقم: 9731. [4] دلائل النبوة للبیهقی، أبواب غزوة أحد، باب سیاق قصة خروج النبی ﷺ إلی أحد ......: 212,211/3.

صحیحین میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر زخم آیا تھا، آپ کا (انیاب اور سامنے والے دو دانتوں کے درمیان اوپر والا) دانت مبارک شہید ہوگیا تھا اور خَود سر مبارک میں پیوست ہوگیا تھا، فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خون دھو رہی تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی ڈال رہے تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ دیکھا کہ پانی کے ساتھ خون کے بہنے میں تو اور بھی اضافہ ہو گیا ہے تو انھوں نے چٹائی کے ایک ٹکڑے کو لے کر جلایا اور جب وہ راکھ ہوگیا تو انھوں نے اسے زخم پر رکھ دیا تو اس سے خون بہنا رک گیا۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَاَثَابَكُمۡ غَمًّۢا بِغَمٍّ﴾ یعنی اس نے تمھیں غم پر غم پہنچایا مطلب یہ ہے کہ ﴿بِغَمٍّ﴾ میں باء بمعنی علی ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں نَزَلْتُ بِبَنِي فُلَانٍ وَّنَزَلْتُ عَلٰى بَنِي فُلَانٍ ''میں فلاں اور فلاں کے بیٹوں کے پاس بطور مہمان ٹھہرا۔'' یہاں بھی باء بمعنی علی ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اسی طرح ﴿وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمۡ فِيۡ جُذُوۡعِ النَّخۡلِ﴾ (طٰہٰ 20:71) کے معنی یہ ہیں کہ میں تم کو کھجور کے تنوں پر سولی چڑھا دوں گا۔ (یہاں فِی، عَلٰی کے معنی میں ہے۔)[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلا غم تو شکست کے سبب (اس وقت تھا جب یہ افواہ پھیلا دی گئی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ہیں) اور دوسرا غم اس وقت تھا جب مشرکوں نے آلیا۔[3] اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی کی تھی: [لَيۡسَ لَهُمۡ اَنۡ يَّعۡلُوۡنَا] ''اے اللہ! انھیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہم سے اونچے ہوں۔''[4] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پہلا غم شکست کے سبب تھا اور دوسرا اس افواہ کی وجہ سے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ہیں اور یہ غم تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے شکست سے بھی زیادہ اندوہ ناک تھا۔[5] ان دونوں روایتوں کو ابن مردویہ نے بیان کیا ہے۔

امام مجاہد کا قول ہے کہ پہلا غم اس افواہ کی وجہ سے تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ہیں اور دوسرا بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے شہید اور بعض کے زخمی ہونے کی وجہ سے تھا۔[6] جبکہ قتادہ اور ربیع بن انس کا قول اس کے برعکس ہے، یعنی پہلا غم شہید اور زخمی ہونا ہے اور دوسرا غم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ ہے۔[7] سُدّی کہتے ہیں کہ پہلا غم فتح و غنیمت سے محرومی کی وجہ سے تھا اور دوسرا دشمن کے غالب آجانے کی وجہ سے۔[8]

اور فرمان الٰہی: ﴿لِّكَيۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمۡ﴾ ''تاکہ جو چیز تمھارے ہاتھ سے جاتی رہی یا جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے، اس سے تم اندوہ ناک نہ ہو۔'' یعنی مال غنیمت اور دشمن پر فتح سے جو محرومی ہوئی یا زخمی و قتل ہونے کی صورت میں جو مصیبت تم پر واقع ہوئی۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عبدالرحمٰن بن عوف، حسن، قتادہ اور سُدّی کا قول

---

[1] صحیح البخاری، الجهاد والسير، باب لبس البيضة، حديث: 2911 اور اس حدیث کا بعض حصہ ''صحیح بخاری'' ہی میں ہے، دیکھیے المغازی، باب ما أصاب النبي ﷺ من الجراح يوم أحد، حديث: 4075 وصحيح مسلم، الجهاد......، باب غزوة أحد، حديث: 1790. [2] تفسير الطبری: 179/4. [3] تفسير الطبری: 184/4. [4] تفسير الطبری: 181/4 عن السُّدّی. [5] الدر المنثور: 154/2. [6] تفسير ابن أبي حاتم: 791/3. [7] تفسير الطبری: 180/4. [8] تفسير ابن أبي حاتم: 791/3.

ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغۡشٰى طَآٮِٕفَةً مِّنۡكُمۡ‌ۙ وَطَآٮِٕفَةٌ

پھر اس نے (غم کے بعد) تم پر سکون نازل کیا جس سے تمھارے ایک گروہ پر اونگھ طاری ہوگئی اور دوسرا گروہ جس کے نزدیک

قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ يَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ غَيۡرَ الۡحَـقِّ ظَنَّ الۡجَاهِلِيَّةِ‌ؕ يَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ لَّنَا

ساری اہمیت اپنی ذات ہی کی تھی، وہ اللہ کے بارے میں ناحق جاہلانہ طور پر گمان کرنے لگا۔ وہ کہتے تھے: کیا اس معاملے میں ہمارا

مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَىۡءٍ‌ؕ قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ‌ؕ يُخۡفُوۡنَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَّا لَا

بھی کوئی اختیار ہے؟ کہہ دیجیے: سب اختیار اللہ ہی کا ہے۔ وہ اپنے دلوں میں وہ بات چھپاتے ہیں جو آپ (ﷺ) کے سامنے ظاہر

يُبۡدُوۡنَ لَكَ‌ؕ يَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ كَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَىۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا هٰهُنَا‌ؕ قُلْ لَّوۡ

نہیں کرسکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اس معاملے میں ہمارا بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔ کہہ دیجیے: اگر تم اپنے گھروں

كُنۡتُمۡ فِىۡ بُيُوۡتِكُمۡ لَبَرَزَ الَّذِيۡنَ كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمۡ‌ۚ وَلِيَبۡتَلِىَ

میں ہوتے تو بھی جن کی قسمت میں قتل ہونا لکھا تھا وہ اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے، اور یہ اس لیے ہوا کہ جو کچھ تمھارے

اللّٰهُ مَا فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ

سینوں میں ہے اللہ اسے آزمائے اور تاکہ تمھارے دلوں میں سے وسوسے صاف کردے اور اللہ سینوں کے بھید خوب جانتا ہے ﴿154﴾

الصُّدُوۡرِ ﴿154﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡكُمۡ يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ‌ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ

بے شک جب دو لشکر (احد میں) آپس میں ٹکرائے تھے تو تم میں سے جن لوگوں نے پسپائی اختیار کی یقیناً وہ اپنی بعض کوتاہیوں کے

16 ع 7 7 الشَّيۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا كَسَبُوۡا‌ۚ وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ ﴿155﴾

سبب شیطان کے بہکاوے میں آگئے تھے اور بلاشبہ اللہ نے انھیں معاف کردیا، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بہت حوصلے والا ہے ﴿155﴾

ہے۔[1] ﴿وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿153﴾﴾ ''اور اللہ تمھارے اعمال سے خبردار ہے۔'' سُبۡحَانَهٗ وَبِحَمۡدِهٖ، لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ جَلَّ وَعَلَا.

تفسیر آیات:155,154

دورانِ جنگ مومنوں پر اونگھ کا طاری کرنا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے اس احسان کو جتلا رہا ہے جب اس نے ان پر سکینت اور اونگھ کو نازل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حزن وغم کی حالت میں جبکہ انھوں نے ہتھیار پہن رکھے تھے، ان پر اونگھ کو طاری کر دیا۔ اور اس حالت میں اونگھ کا طاری ہونا اس بات کی دلیل تھی کہ وہ امن وسکون میں تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ انفال میں غزوۂ بدر کے ضمن میں فرمایا ہے: ﴿اِذۡ يُغَشِّيۡكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنۡهُ﴾ (الأنفال 11:8) ''جب اس نے (تمھاری) تسکین کے لیے اپنی طرف سے تم پر اونگھ طاری کر دی۔''

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور انھوں نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 792/3.

جن پر احد کے دن اونگھ طاری ہوگئی تھی حتی کہ میرے ہاتھ سے کئی بار تلوار گری اور میں اسے اٹھالیتا، وہ پھر گر جاتی اور میں اسے پھر اٹھالیتا تھا۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی صحیح کی کتاب المغازی میں ''معلقًا'' اور کتاب التفسیر میں ''مسندًا'' روایت کیا ہے۔[2] امام ترمذی، نسائی اور حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے احد کے دن اپنے سر کو اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان میں سے ہر شخص اونگھ کی وجہ سے اپنی ڈھال کے نیچے کی طرف جھک رہا ہے۔ یہ الفاظ امام ترمذی کی روایت کے ہیں اور انھوں نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[3] امام نسائی نے بھی حضرت انس کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ابوطلحہ بیان کرتے ہیں: میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن پر اونگھ طاری ہوئی تھی۔[4]

﴿وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ﴾ میں اس دوسری جماعت سے مراد منافقین ہیں جنھیں اپنی ہی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اور یہ سب سے زیادہ بزدل، کم ہمت اور حق کی مخالفت کرنے والے تھے۔ ﴿يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ ''اللہ کے بارے میں ناحق (ایامِ) جاہلیت جیسے گمان کرتے تھے۔'' یعنی یہ جھوٹے لوگ تھے اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے بارے میں بھی شک وشبہ میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ﴾ ''پھر اللہ نے غم ورنج کے بعد تم پر تسلی نازل فرمائی کہ اونگھ تم میں سے ایک جماعت پر طاری ہوگئی۔'' یعنی ان لوگوں پر جو اہل ایمان ویقین تھے، اہل ثبات اور صحیح توکل کرنے والے تھے اور جنھیں پورا پورا وثوق تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور اپنے رسول کی مدد فرمائے گا اور ان کی امید کو برلائے گا اور اسی لیے فرمایا: ﴿وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ﴾ ''اور کچھ لوگ جن کو جان کے لالے پڑ رہے تھے۔'' اور قلق واضطراب اور گھبراہٹ وخوف کی وجہ سے ان پر اونگھ طاری نہیں تھی ﴿يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ ''اللہ کے بارے میں ناحق (ایامِ) جاہلیت جیسے گمان کرتے تھے۔'' جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا﴾ ''بات یہ ہے کہ تم لوگ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ پیغمبر اور مومن اپنے اہل وعیال میں کبھی نہیں لوٹیں گے۔'' (الفتح 12:48)

اسی طرح جب مشرک اس گھڑی غالب آ گئے تو انھوں نے بھی یہی سمجھ لیا تھا کہ بس یہی فیصلہ کن گھڑی ہے اور اب اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے گا، اہل ریب وشک کی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ وہ جب بھی کسی مشکل امر میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس قسم کے فاسد اوہام وظنون انھیں گھیر لیتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَقُوْلُوْنَ﴾ اور وہ اس حال میں کہتے تھے: ﴿هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ''بھلا ہمارے اختیار کی کچھ بات ہے؟'' اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

① صحیح البخاری، المغازی، باب: ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا ....﴾ (آل عمران 3:154)، حدیث:4068. ② صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿اَمَنَةً نُّعَاسًا﴾ (آل عمران 3:154)، حدیث:4562.

③ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورة آل عمران، حدیث:3007 و السنن الکبری للنسائی، التفسیر، سورة الأنفال:349/6، حدیث:11198 و المستدرك للحاکم، التفسیر، باب سورة آل عمران:297/2، حدیث:3164.

④ السنن الکبری للنسائی، التفسیر، سورة الأنفال:349/6، حدیث:11199.

ہے: ﴿ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ ﴾ ”آپ کہہ دیں کہ بے شک سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں یہ (وہ بات) دلوں میں مخفی رکھتے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کو بھی بیان فرما دیا جسے انھوں نے اپنے دل میں مخفی رکھا تھا اور وہ یہ کہ ﴿ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ ﴾ ”کہتے تھے کہ ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم یہاں قتل ہی نہ کیے جاتے۔“ وہ یہ بات رسول اللہ ﷺ سے چھپا کر کہتے تھے۔

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے، جب خوف بہت شدید ہوا تو اس وقت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس وقت شدید خوف کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر اونگھ کو طاری فرما دیا، نیند کی وجہ سے ہم میں سے ہر شخص کی ٹھوڑی اس کے سینے پر لگ رہی تھی، میں مُعَتِّب بن قُشَیر کی بات کو اس وقت اس طرح سن رہا تھا جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہوں، وہ اس وقت کہہ رہا تھا کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم یہاں قتل ہی نہ کیے جاتے، میں نے اس کی اس بات کو یاد کر لیا تھا، معتب کی اسی بات کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا ہے: ﴿ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ﴾[1] اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ﴾ ”کہہ دیجیے: اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا، وہ اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے۔“ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ اور لکھی ہوئی تقدیر ہے اور ایسا حتمی اور لازمی فیصلہ ہے کہ جس سے کوئی مفر نہیں اور جسے کسی بھی قیمت پر ٹالا نہیں جا سکتا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ ”اور تاکہ (اس سے) اللہ تمھارے سینوں کی باتوں کو آزمائے اور جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے اس کو خالص اور صاف کر دے۔“ یعنی جو کچھ تم پر بیتا اس کے بارے میں تمھاری آزمائش کرے تاکہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور لوگوں کے سامنے مومن اور منافق کے اقوال و افعال کے فرق کو واضح کر دے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ یعنی ان کے دلوں میں جو باتیں مخفی اور پوشیدہ ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ان سے بھی خوب آگاہ ہے۔

احد کے دن بعض مومنوں کا بھاگ جانا اور اللہ تعالیٰ کا انھیں معاف فرما دینا: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ﴾ ”بے شک جو لوگ تم میں سے جبکہ (مومنوں اور کافروں کی) دو جماعتیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں، (جنگ سے) بھاگ گئے تو ان کے بعض افعال کے سبب شیطان نے ان کو پھسلا دیا۔“ یعنی ان کے بعض سابقہ گناہوں کے سبب جیسا کہ بعض سلف نے کہا ہے کہ نیکی کا ثواب بعد میں نیکی کی صورت میں اور برائی کا بدلہ بعد میں برائی کی صورت میں ملتا ہے۔

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:3/795.

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے کفر کیا اور اپنے بھائی بندوں کے بارے میں کہنے لگے جب وہ سفر کے

اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ

لیے یا جہاد کے لیے نکلے کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے، یہ اس لیے کہ اللہ ان کی ایسی باتوں کو ان کے دلوں کا

قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿156﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

پچھتاوا بنا دے اور اللہ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے﴿156﴾ اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤ یا مر جاؤ تو

اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿157﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى

اللہ کی بخشش اور رحمت ان چیزوں سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں﴿157﴾ اور اگر تم مر جاؤ یا قتل کر دیے جاؤ تو یقیناً تم اللہ ہی کی طرف

اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿158﴾

اکٹھے کیے جاؤ گے﴿158﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ﴾ ''اور یقیناً اللہ نے ان (کے گناہ) کو معاف کر دیا'' جس کا انھوں نے فرار کی صورت میں ارتکاب کیا تھا، ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿155﴾﴾ ''بے شک اللہ بخشنے والا (اور) بردبار ہے۔'' وہ گناہ معاف فرما دیتا ہے، اپنی مخلوق سے حلم و بردباری سے پیش آتا ہے اور ان کی غلطیوں سے درگزر فرماتا ہے۔

امام احمد نے شقیق سے روایت کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ولید بن عقبہ سے ملاقات ہوئی تو ولید نے ان سے کہا: کیا بات ہے کہ آپ نے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جفا کی ہے؟ تو عبدالرحمٰن نے ان سے (بطور طعن) کہا کہ انھیں میری طرف سے یہ بات پہنچا دیں کہ میں عَیْنَیْن کے دن نہیں بھاگا تھا۔ عاصم (جو اس حدیث کے راوی ہیں) کہتے ہیں کہ آپ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ میں احد کے دن فرار نہیں ہوا تھا اور نہ میں بدر کے دن پیچھے رہا تھا اور نہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقے کو ترک کیا ہے۔

ولید گئے تو انھوں نے حضرت عثمان کو اس کی خبر دی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ انھوں نے جو یہ کہا ہے کہ میں جنگ احد سے نہیں بھاگا تو سوال یہ ہے کہ وہ مجھے ایسے گناہ کی وجہ سے طعنہ کیوں دیتے ہیں جسے معاف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ﴾ ''جو لوگ تم میں سے (احد کے دن) جبکہ (مومنوں اور کافروں کی) دو جماعتیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں، (جنگ سے) بھاگ گئے تو ان کے بعض افعال کے سبب شیطان نے ان کو پھسلا دیا مگر اللہ نے ان کا قصور معاف کر دیا۔'' ہاں، انھوں نے جو یہ کہا ہے کہ میں نے جنگ بدر میں شرکت نہیں کی تھی تو وہ اس لیے کہ رُقَیّہ بنت رسول اللہ ﷺ ان دنوں بیمار تھیں اور میں ان کی تیمارداری میں مصروف تھا حتی کہ وہ وفات پا گئیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مجھے بدر کے مال غنیمت میں سے حصہ بھی دیا تھا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کو رسول اللہ ﷺ نے مالِ

غنیمت سے حصہ دیا ہو تو وہ گویا جنگ میں شریک تھا۔ اور انھوں نے جو یہ کہا ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقے کو چھوڑ دیا ہے تو سوال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقے کے مطابق نہ تو میں عمل کر سکتا ہوں اور نہ وہ خود عمل کر سکتے ہیں، جاؤ انھیں میری یہ باتیں پہنچا دو۔[1]

تفسیر آیات:156-158

موت اور تقدیری امور کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کرنے کے بارے میں کفار سے مشابہت کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو کفار کے اس فاسد اعتقاد کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے جو ان کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے جو انھوں نے اپنے ان بھائیوں کے بارے میں کہی تھی جو سفروں اور جنگوں میں فوت ہو گئے تھے کہ اگر وہ ان سفروں اور جنگوں کو اختیار نہ کرتے تو اس صورت حال سے دوچار نہ ہوتے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ ﴾ ''مومنو! ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو کفر کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں'' ﴿ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ جب وہ تجارت وغیرہ کے لیے سفر کریں ﴿ اَوْ كَانُوْا غُزًّى ﴾ یا جہاد میں شرکت کریں: ﴿ لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا ﴾ ''اگر وہ ہمارے پاس رہتے۔'' یعنی شہر ہی میں ﴿ مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ﴾ ''تو نہ سفر میں مرتے اور نہ (جنگ میں) مارے جاتے۔'' ﴿ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ اعتقاد اس لیے پیدا کیا تا کہ اپنے بھائیوں کی موت اور ان کے قتل ہونے پر ان کی حسرت میں اور بھی اضافہ ہو جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ﴾ ''اور زندگی اور موت تو اللہ ہی دیتا ہے۔'' یعنی اسی کے ہاتھ میں پیدا کرنا ہے، ہر امر کا انجام اسی کی طرف ہے، اس کی مشیت و تقدیر کے بغیر نہ کوئی زندہ رہ سکتا ہے اور نہ مر سکتا ہے اور اس کی قضاء و قدر کے بغیر کسی کی عمر میں نہ کوئی اضافہ ہو سکتا ہے اور نہ کمی ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ ''اور اللہ تمھارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔'' اس کا علم و بصارت اس کی ساری مخلوق میں نافذ ہے اور مخلوق کے امور میں سے کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴾ ''اور اگر تم اللہ کے راستے میں مارے جاؤ تو جو (مال و متاع) لوگ جمع کرتے ہیں، اس سے اللہ کی بخشش اور رحمت (کہیں) بہتر ہے۔'' اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رستے میں قتل ہو جانا یا اللہ کی راہ میں موت کا آ جانا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت، عفو اور اس کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور یہ دنیا میں باقی رہنے اور اس کے فانی ایندھن کے جمع کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر وہ شخص جو مر جائے یا قتل ہو جائے، اسے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس لوٹ کر جانا

---

[1] مسند أحمد: 68/1. اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طریقے سے مراد آپ کی سیرت، طرزِ زندگی اور اندازِ حکمرانی ہے، کوئی خاص طریقہ مراد نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ

پس (اے نبی!) آپ اللہ کی رحمت کے باعث ان کے لیے نرم ہو گئے۔ اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ سب آپ کے پاس سے چھٹ

حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ

جاتے، چنانچہ آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے بخشش مانگیں اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ کریں۔ پھر جب آپ

عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿159﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ

پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسا کریں، بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں کو پسند کرتا ہے﴿159﴾ اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب

وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمھیں بے یارومددگار چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمھاری مدد کر سکے؟ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿160﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ

کرنا چاہیے﴿160﴾ یہ ناممکن ہے کہ کوئی نبی خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا تو جو اس نے خیانت کی ہوگی اس کے ساتھ قیامت

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿161﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ

کے دن حاضر ہوگا۔ پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا﴿161﴾ بھلا جو شخص اللہ کی رضا کے

بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿162﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

پیچھے چل رہا ہو، اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اللہ کی ناراضی لے کر لوٹے اور جس کا ٹھکانا جہنم ہے؟ اور وہ بدترین لوٹنے کی جگہ ہے﴿162﴾

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿163﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

ان کے لیے اللہ کے پاس درجے ہیں اور وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اسے دیکھ رہا ہے﴿163﴾ بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب ان

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ

میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا، وہ انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور

كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿164﴾

بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے﴿164﴾

النصف

ہے اور وہ ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے عمل کے مطابق اچھا یا برا بدلہ دے گا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾﴿158﴾ ”اور اگر تم مر جاؤ یا مارے جاؤ تو اللہ کے حضور میں ضرور اکٹھے کیے جاؤ گے۔“

تفسیر آیات: 159-164

ہمارے نبی ﷺ سراپا رحمت وشفقت تھے: اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر آپ پر اور آپ کی امت پر اپنے اس احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو آپ کی امت کے لیے اور ان لوگوں کے لیے بے حد نرم بنا دیا تھا جنھوں نے آپ کے حکم کی اتباع کی اور جس سے آپ نے منع فرمایا، اسے ترک کر دیا تھا۔ اور اس نے آپ ﷺ

کو ان کے لیے انتہائی شیریں کلام بنا دیا۔ ﴿ فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ﴾ ’’(اے نبی!) اللہ کی مہربانی سے آپ کی اُفتادِ مزاج ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئی ہے۔‘‘ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت آپ کے اور ان کے شامل حال نہ ہوتی تو کون سی چیز آپ کو نرم دل بناتی؟

یعنی ﴿ فَبِمَا ﴾ میں ’’ما‘‘ بمعنی أَيُّ شَيْءٍ ہے۔ امام قتادہ فرماتے ہیں [فَبِرَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ] ’’اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ آپ ان کے لیے نرم دل ہو گئے ہیں۔‘‘[1] یعنی ما زائدہ برائے تاکید ہے اور عرب اسے معرفہ کے ساتھ ملا کر بھی استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ﴿ فَبِمَا نَقۡضِهِمۡ مِّيۡثَاقَهُمۡ ﴾ (النسآء4:155) میں ہے۔ اور نکرہ کے ساتھ ملا کر بھی استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ﴿ عَمَّا قَلِيۡلٍ ﴾ (المؤمنون23:40) میں ہے، اسی طرح یہاں بھی فرمایا: ﴿ فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ﴾ أَيۡ بِرَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ آپ ان کے لیے نرم دل ہو گئے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت محمد ﷺ کا وہ اخلاق ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے۔[2]

یہ آیت کریمہ اس آیت کے مشابہ ہے: ﴿ لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ○ ﴾ (التوبة9:128) ’’بلاشبہ تمھارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔ تمھاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمھاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں۔ اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔‘‘ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَا نۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ ﴾ ’’اور اگر آپ بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔‘‘ فَظّ کے معنی سخت کے ہیں اور یہاں مراد سخت کلام ہے کیونکہ اس کے بعد ﴿ غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ ﴾ یعنی سخت دل کے الفاظ ہیں، یعنی اگر آپ کا کلام ناشائستہ ہوتا اور آپ دل کے سخت ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے اور آپ کو چھوڑ جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں آپ کے گرد جمع کر دیا۔ اور ان کی تالیفِ قلب کے لیے آپ کے دل کو نرم بنا دیا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ انھوں نے سابقہ کتابوں میں آپ کے یہ اوصاف لکھے ہوئے دیکھے ہیں کہ آپ نہ تندخو ہیں اور نہ سخت دل، نہ بازاروں میں شور مچانے والے اور نہ برائی کا برائی سے بدلہ دینے والے بلکہ آپ عفو و درگزر سے کام لینے والے ہیں۔[3]

شوریٰ کا حکم اور اس کے مطابق عمل: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِي الۡاَمۡرِ ﴾ ’’چنانچہ آپ ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے (اللہ سے) مغفرت مانگیں اور (اپنے) کاموں میں ان سے مشورہ لیا کریں۔‘‘ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو رسول اللہ ﷺ تالیفِ قلب کے لیے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا کرتے تھے تاکہ وہ بطیب خاطر امور سرانجام دے سکیں جیسا کہ آپ نے جب جنگ بدر کے دن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا

---

① تفسیر ابن أبي حاتم :800/3. ② تفسیر ابن أبي حاتم :800/3. ③ صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا ○ ﴾ (الفتح 48:8)، حدیث:4838.

تو (ان میں سے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے) عرض کی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ سمندر میں کودنے کا حکم فرمائیں گے تو ہم بے تکلف آپ کے ساتھ سمندر میں کود پڑیں گے، اگر آپ ہمیں برک غماد تک چلنے کے لیے کہیں گے تو ہم آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہیں۔ اور ہم اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح قوم موسیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ (اگر لڑنا ہی ضرور ہے تو) تم اور تمھارا رب جاؤ اور لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے بلکہ ہم تو یہ عرض کریں گے کہ آپ تشریف لے چلیں ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں، ہم آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہو کر لڑیں گے۔[1]

اسی طرح آپ نے مشورہ فرمایا تھا کہ ہم کہاں پڑاؤ ڈالیں تو منذر بن عمرو جن کا لقب اَلْمُعْنِقُ لِیَمُوتَ یعنی شوق شہادت سے سرشار تھا، انھوں نے مشورہ دیا کہ ہمیں دشمن کے سامنے نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے۔[2] اسی طرح آپ نے احد کے دن یہ مشورہ فرمایا تھا کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے یا مدینہ سے باہر نکل کر تو جمہور کی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے، لہٰذا اسی رائے کے مطابق آپ نے مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا۔[3] اسی طرح آپ نے خندق کے دن مشورہ فرمایا تھا کہ کیا ان لشکروں کے ساتھ مدینہ کے اس سال کے پھلوں کے ایک تہائی پر صلح کر لی جائے تو حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا تو آپ نے اس مشورے کے مطابق اس تجویز کو ترک فرما دیا۔[4]

اسی طرح حدیبیہ کے دن آپ نے مشرکوں کی اولاد پر حملہ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم کسی سے لڑنے کے لیے نہیں آئے بلکہ ہم تو صرف عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس رائے سے اتفاق فرمایا۔[5] اسی طرح واقعۂ اِفک کے سلسلے میں آپ نے فرمایا تھا: [(أَشِيرُوا عَلَيَّ مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ) فِي أُنَاسٍ أَبَنُوا أَهْلِي ، وَايْمُ اللّٰهِ! مَا عَلِمْتُ عَلٰى أَهْلِي مِنْ سُوءٍ قَطُّ، وَأَبَنُوهُمْ، بِمَنْ؟ وَاللّٰهِ ! مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ (إِلَّا خَيْرًا)] ''مسلمانو! مجھے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ دو جنھوں نے میرے اہل پر افترا پردازی کی ہے۔ اللہ کی قسم! میں اپنے اہل کے بارے میں کوئی بری بات نہیں جانتا، پھر انھوں نے الزام تراشی بھی کس پر کی ہے؟ اللہ کی قسم! میں تو اسے بہتر ہی جانتا ہوں۔''[6]

---

① ملخص از مسند أحمد: 219/3 و دلائل النبوة للبيهقي، أبواب غزوة بدر العظمى، باب ماجاء في دعاء النبي ﷺ على المشركين ......: 45/3. ② کتب احادیث، تاریخ اور سیَر میں اس حوالے سے کہ منذر بن عمرو المعنق لیموت نے یہ مشورہ دیا ہو، اس کا تذکرہ ہمیں نہیں ملا، البتہ بعض کتب میں اس طرح کا واقعہ انھی کے ماموں یعنی حُباب بن منذر سے ملتا ہے، دیکھیے الطبقات الكبرى لابن سعد: 567/3 و السيرة النبوية لابن هشام، مشورة الحباب على رسول الله ﷺ: 620/2. ③ الدر المنثور: 121/2. ④ ملخص از السيرة النبويّة لابن هشام، همّ الرسول ﷺ بعقد صلح بينه و بين غطفان ثم عدل 234/3. ⑤ ملخص از: صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4179,4178. ⑥ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ ﴾ (النور24: 20,19)، حديث: 4757 و صحيح مسلم، التوبة، باب في حديث الإفك وقبول توبة القاذف، حديث: (58)-2770 جبکہ پہلی قوسین والے الفاظ المعجم الكبير للطبراني: 106/23، قصة الإفك......، حديث: 149 اور دوسری قوسین والے الفاظ صحيح البخاري، الشهادات، باب: إذا عدل رجل رجلا ......، حديث: 2637 عن عائشة ﷺ میں ہیں۔

آپ نے حضرت علی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما سے (براءت سے قبل) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے علیحدگی اختیار کرنے کے بارے میں بھی مشورہ کیا تھا۔① بہر حال آپ جنگوں وغیرہ کے موقع پر تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بطور خاص مشورہ فرمایا کرتے تھے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ] ''جس سے مشورہ طلب کیا جائے، اسے امین سمجھا جاتا ہے۔''② اور اسے امام ابوداود اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔③

مشورے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ ''پھر جب آپ (کسی کام کا) عزمِ مصمّم کرلیں تو اللہ پر بھروسا کریں۔'' یعنی جب آپ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرلیں اور کسی کام کا عزم مصمم کرلیں تو پھر اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل کریں۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝١٥٩﴾ ''بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١٦٠﴾ ''اگر اللہ تمھارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمھیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ تمھاری مدد کرے؟ اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا کریں۔''

یہ آیت کریمہ ایسے ہے جیسا کہ پہلے یہ ارشاد باری تعالیٰ گزر چکا ہے: ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝﴾ (آل عمران3:126) ''اور مدد تو اللہ ہی کی ہے جو غالب (اور) حکمت والا ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اسی کی ذات گرامی پر توکل کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١٦٠﴾ ''اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا کریں۔''

خیانت کرنا نبی کی شان نہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن اور کئی ایک ائمۂ تفسیر فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی نبی کے یہ شایان شان نہیں کہ وہ خیانت کرے۔④ امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ یہ ایک سرخ چادر کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بدر کے دن گم ہوگئی تھی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ شاید اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لیا ہو اور جب یہ بات انھوں نے کہی تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''اور کبھی نہیں ہوسکتا کہ (اللہ کے) پیغمبر خیانت کریں اور خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز (اللہ کے

---

① صحيح البخاري، الشهادات، باب تعديل النساء بعضهن بعضًا، حديث:2661 مطوّلًا. ② سنن ابن ماجه، الأدب، باب المستشار مؤتمن، حديث:3754. ③ سنن أبي داود، الأدب، باب في المشورة، حديث:5128 وجامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء أن المستشار مؤتمن، حديث:2822. ④ تفسير ابن أبي حاتم:803/3.

روبرو) حاضر کرنی ہوگی۔''[1] اسی طرح اس حدیث کو امام ابوداود اور امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔[2] اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے پیغمبر صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ کو ادائے امانت اور تقسیمِ غنیمت میں ہر قسم کی خیانت سے پاک قرار دیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦١﴾ ﴾ ''اور خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز (اللہ کے روبرو) حاضر کرنی ہوگی، پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور بے انصافی نہیں کی جائے گی۔'' اس آیتِ کریمہ میں خیانت کرنے سے بہت شدید خوف دلایا گیا ہے اور اس سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ بہت سی احادیثِ مبارکہ میں بھی خیانت کی ممانعت آئی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَعْظَمُ الْغُلُولِ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ذِرَاعٌ مِّنَ الْأَرْضِ، تَجِدُونَ الرَّجُلَيْنِ جَارَيْنِ فِي الْأَرْضِ أَوْ فِي الدَّارِ، فَيَقْتَطِعُ أَحَدُهُمَا مِنْ حَظِّ صَاحِبِهِ ذِرَاعًا ، فَإِذَا اقْتَطَعَهُ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ''اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑی خیانت ایک ہاتھ زمین ہوگی، تم دیکھتے ہو کہ دو آدمی زمین یا گھر کے اعتبار سے پڑوسی ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک اپنے ساتھی کے حصے میں سے ایک ہاتھ زمین قطع کر لیتا ہے تو اس ایک ہاتھ زمین کے عوض اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق پہنائے گا۔''[3]

امام احمد نے حضرت ابوحُمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندان أَزد کے ایک شخص کو زکاۃ کا عامل بنا کر بھیجا، جب وہ واپس آیا تو کہنے لگا کہ یہ مال تو تمھارے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور آپ نے فرمایا: [مَا بَالُ الْعَامِلِ نَبْعَثُهُ فَيَجِيءُ فَيَقُولُ: هٰذَا لَكُمْ ، وَ هٰذَا أُهْدِيَ لِي، أَفَلَا جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ وَ أُمِّهِ فَيَنْظُرَ أَيُهْدٰى إِلَيْهِ أَمْ لَا ؟ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ ! لَا يَأْتِي أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنْهَا بِشَيْءٍ إِلَّا جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهِ ، إِنْ كَانَ بَعِيرًا لَّهُ رُغَاءٌ ، أَوْ بَقَرَةً لَّهَا خُوَارٌ، أَوْ شَاةً تَيْعَرُ ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى رَأَيْنَا عُفْرَةَ يَدَيْهِ ، ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ !هَلْ بَلَّغْتُ،ثَلَاثًا] ''اس عامل کو کیا ہو گیا ہے کہ ہم اسے بھیجتے ہیں اور جب وہ واپس آتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ تو تمھارے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے! وہ اپنے باپ اور ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھ رہا، پھر دیکھتا کہ اسے ہدیہ ملتا ہے یا نہیں؟ اس ذاتِ اقدس کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان جس کے ہاتھ میں ہے! جو شخص بھی کسی چیز کی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس کی گردن پر ہوگی، اگر اونٹ ہوگا تو وہ بلبلا رہا ہوگا، گائے ہوگی تو وہ ڈکرا رہی ہوگی

[1] تفسیر الطبری:206/4. [2] سنن أبی داود، الحروف والقراءات، باب:1، حدیث:3971 وجامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ آل عمران، حدیث:3009. [3] مسند أحمد:140/4.

اور اگر بکری ہوگی تو وہ ممیا رہی ہوگی۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھایا حتی کہ ہم نے آپ کی بغلوں کی سفیدی کو دیکھا اور تین بار فرمایا: اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟''

ہشام بن عروہ نے یہ الفاظ بھی بیان کیے ہیں کہ ابوحُمید نے اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا تھا، بے شک تم زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی پوچھ لو۔[1] اسے امام بخاری و مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی سنن (جامع) کی کتاب الأحکام میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا۔ اور جب میں روانہ ہوگیا تو آپ نے مجھے واپس بلایا، میں جب واپس آ گیا تو آپ نے فرمایا: [أَتَدرِی لِمَ بَعَثْتُ إِلَيكَ؟ لَا تُصِيبَنَّ شَيْئًا بِغَيرِ إِذْنِی ، فَإِنَّهٗ غُلُولٌ ﴿ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ لِهٰذَا دَعَوْتُكَ ، فَامْضِ لِعَمَلِكَ] ''کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمھیں واپس کیوں بلایا ہے؟ بات یہ ہے کہ میری اجازت کے بغیر کسی چیز کو اپنے پاس نہ رکھنا کیونکہ یہ خیانت ہے (اور خیانت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ﴿ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ ''اور خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز (اللہ کے روبرو) حاضر کرنی ہوگی۔'' میں نے اسی لیے بلایا تھا بس اب تم اپنے کام کے لیے روانہ ہو جاؤ۔''[3] امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔

امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں کھڑے ہوئے اور آپ نے خیانت کا ذکر فرمایا اور اسے بہت بڑا گناہ قرار دیا اور فرمایا:

[لَا أُلْفِيَنَّ يَجِیءُ أَحَدُكُم يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ بَعِيرٌ لَّهٗ رُغَاءٌ ، فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَغِثْنِی، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أُلْفِيَنَّ يَجِیءُ أَحَدُكُم يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَّهَاثُغَاءٌ، فَيَقُولُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ ! أَغِثْنِی، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُم يَجِیءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ فَرَسٌ لَّهَا حَمْحَمَةٌ، فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَغِثْنِی ، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا ، قَدْ أَبْلَغْتُكَ ، لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُم يَجِیءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ نَفْسٌ لَّهَا صِيَاحٌ، فَيَقُولُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ ! أَغِثْنِی، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَا أُلْفِيَنَّ يَجِیءُ أَحَدُكُم يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ رِقَاعٌ تَخْفِقُ، فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَغِثْنِی، فَأَقُولُ: لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ، لَا أُلْفِيَنَّ يَجِیءُ أَحَدُكُم يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهٖ صَامِتٌ ، فَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَغِثْنِی، فَأَقُولُ : لَا أَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا، قَدْ أَبْلَغْتُكَ]

---

① مسند أحمد:423/5. ② صحيح البخاری ، الهبة وفضلها...... ، باب من لم يقبل الهدية لعلة؟ حديث:2597 و صحيح مسلم ، الإمارة ، باب تحريم هدايا العمال، حديث:1832. اور ان دونوں میں [يديه] کے بجائے [إبطيه] ہے۔

③ جامع الترمذی ، الأحكام ، باب ماجاء فی هدايا الأمراء ، حديث:1335.

’’میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر اونٹ ہو جو بلبلا رہا ہو اور وہ عرض کرے کہ اے اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیں اور میں کہوں کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں، میں نے تجھ تک ساری بات پہنچا دی تھی۔ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر بکری ہو جو ممیا رہی ہو، اور وہ عرض کرے: اے اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیں اور میں کہوں کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں، میں نے تجھ تک ساری بات پہنچا دی تھی۔ میں تم میں سے کسی کو روزِ قیامت ایسے نہ پاؤں کہ وہ آئے اور اس کی گردن پر گھوڑا ہنہنا رہا ہو اور وہ عرض کرے کہ اے اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیں اور میں کہوں کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں، میں نے تجھ تک ساری بات پہنچا دی تھی۔ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر مقتول (یا مالِ غنیمت سے چوری کیا ہوا غلام ہو جو) چلا رہا ہو، اور وہ کہے: اے اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیں تو میں کہوں کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں، میں نے تجھ تک ساری بات پہنچا دی تھی۔ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر کپڑے حرکت کر رہے ہوں اور وہ عرض کرے کہ اے اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیں اور میں کہوں کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں، میں نے تجھ تک بات پہنچا دی تھی۔ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر سونا چاندی ہو اور وہ عرض کرے: اے اللہ کے رسول! میری مدد فرمائیں اور میں کہوں کہ میں کسی چیز کا مالک نہیں میں نے تجھ تک ساری بات پہنچا دی تھی۔‘‘[1] اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

امام احمد نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ خیبر کے دن کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لائے اور انھوں نے کہا کہ فلاں شہید ہے، فلاں شہید ہے حتی کہ ایک شخص کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ وہ بھی شہید ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كَلَّا إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا أَوْ عَبَاءَةٍ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : يَا ابْنَ الْخَطَّابِ ! اِذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ : إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ ، قَالَ : فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ : أَلَا إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ] ’’ہرگز نہیں! کیونکہ میں نے اسے اس چادر یا عبا کی وجہ سے جہنم میں دیکھا ہے جس کی اس نے خیانت کی تھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن خطاب! جاؤ اور لوگوں میں یہ اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے باہر نکل کر یہ اعلان کر دیا: (لوگو) خبردار! جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔‘‘[3] اسی طرح امام مسلم و ترمذی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔[4] اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح غریب قرار دیا ہے۔

---

① مسند أحمد:426/2. ② صحیح البخاری، الجهاد والسير، باب الغلول و قول الله عزوجل: ﴿ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾، حدیث:3073 و صحیح مسلم، الإمارة، باب غلظ تحريم الغلول، حدیث:1831. ③ مسند أحمد:30/1. ④ صحیح مسلم، الإيمان، باب غلظ تحريم الغلول وأنّه لايدخل الجنة إلاالمؤمنون، حدیث: 114 وجامع الترمذی، السير، باب ماجاء في الغلول، حدیث:1574.

امین اور خائن برابر نہیں ہو سکتے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴾ ''بھلا جو شخص اللہ کی خوشنودی کا تابع ہو، وہ اس شخص کی طرح (مرتکب خیانت) ہو سکتا ہے جو اللہ کی ناخوشی میں گرفتار ہو؟ اور جس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔'' یعنی جو شخص اللہ کی شریعت کی پابندی کر کے اس کی خوشنودی کا طلب گار ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی طرف سے بے پایاں اجر و ثواب کا مستحق ہو گا۔ اور عذاب الٰہی سے اسے بچا لیا جائے گا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ٹھہرا اور اسے عذاب الٰہی میں مبتلا کر دیا گیا تو وہ اس سے بچ نہیں سکے گا۔ اور اس کا ٹھکانا قیامت کے دن جہنم ہو گا جو بدترین ٹھکانا ہے۔

قرآن مجید میں اس طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں، مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰی ﴾ (الرعد 19:13) ''بھلا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے حق ہے، وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے؟'' اور فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِیْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﴾ (القصص 61:28) ''بھلا جس شخص سے ہم نے نیک وعدہ کیا اور اس نے اسے حاصل کر لیا تو کیا وہ اس شخص کا سا ہے جس کو ہم نے دنیا کی زندگی کے فائدے سے بہرہ مند کیا؟''

پھر فرمایا: ﴿ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''ان لوگوں کے اللہ کے ہاں (مختلف اور متفاوت) درجے ہیں۔'' امام حسن بصری اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ اہل خیر اور اہل شر کے درجات مختلف ہوں گے۔[1] ابو عبیدہ اور کسائی فرماتے ہیں (کہ اہل خیر کے جنت میں) منازل اور درجات متفاوت ہوں گے جبکہ اہل شر کے جہنم میں طبقات مختلف ہوں گے۔[2] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ ﴾ (الأحقاف 19:46) ''اور سب لوگوں کے بلحاظ اعمال درجے (مقرر) ہیں۔'' اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور اللہ ان کے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے۔'' اور ان کا پورا پورا انھیں بدلہ دے گا، نہ تو کسی کی نیکی میں کمی کرے گا اور نہ کسی کی برائی میں اضافہ کرے گا بلکہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت ایک عظیم نعمت ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ یعنی اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انھی میں سے ایک پیغمبر بھیجا، یعنی انھی کی جنس میں سے تاکہ وہ آپ ﷺ سے مخاطب ہو سکیں، آپ سے بوقت ضرورت سوال کر سکیں، آپ کی ہم نشینی اختیار کر سکیں اور آپ کی ذات گرامی سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا ﴾ (الروم 21:30) ''اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ تم ان کی طرف (مائل ہو کر) آرام حاصل کرو۔'' أَيْ مِنْ جِنْسِكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھاری عورتوں کو

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 807/3 و تفسیر الطبري: 216/4. [2] تفسیر القرطبي: 263/4.

اَوَ لَمَّآ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَدۡ اَصَبۡتُمۡ مِّثۡلَيۡهَا ۙ قُلۡتُمۡ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلۡ هُوَ مِنۡ

بھلا تمھارا کیا حال ہے جب (احد میں) تم پر مصیبت آ پڑی تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے آئی ہے؟ حالانکہ (بدر میں) تم نے اس سے دگنی مصیبت کافروں

عِنۡدِ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿165﴾ وَمَآ اَصَابَكُمۡ يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ

کو پہنچائی تھی۔ کہہ دیجیے کہ یہ مصیبت تمھاری اپنی لائی ہوئی ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے﴿165﴾ اور احد کے دن جب دونوں لشکر باہم ٹکرائے تو

فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ وَلِيَعۡلَمَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ﴿166﴾ وَلِيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ نَافَقُوۡا ۖۚ وَقِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا

تمھیں جو (نقصان) پہنچا وہ اللہ کے حکم سے تھا، اور اس لیے تھا کہ اللہ جان لے کہ مومن کون ہیں﴿166﴾ اور یہ بھی جان لے کہ منافق کون ہیں اور ان

قَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَوِ ادۡفَعُوۡا ؕ قَالُوۡا لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعۡنٰكُمۡ ؕ هُمۡ لِلۡكُفۡرِ

منافقوں سے کہا گیا تھا: آؤ! اللہ کے راستے میں لڑو یا (شہر کا) دفاع کرو۔ انھوں نے کہا: اگر ہمیں جنگ ہونے کا یقینی علم ہوتا تو ہم ضرور تمھارے ساتھ

يَوۡمَئِذٍ اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ ۚ يَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ مَّا لَيۡسَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ

چلتے۔ وہ اس روز ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جو ان کے دلوں میں نہیں تھی اور اللہ وہ بات خوب جانتا

وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يَكۡتُمُوۡنَ ۚ﴿167﴾ اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ وَقَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ

ہے۔ جسے وہ چھپاتے ہیں﴿167﴾ یہ وہی لوگ ہیں جو خود تو پیچھے بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں سے (جو لڑائی میں مارے گئے) کہنے لگے: اگر وہ ہماری بات مانتے

قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿168﴾

تو قتل نہ ہوتے۔ ان سے کہہ دیجیے: اگر تم اس بات میں سچے ہو تو اپنی موت آنے پر اسے ٹال کر دکھانا﴿168﴾

تمھاری ہی جنس سے پیدا فرمایا ہے۔ اور فرمایا: ﴿ قُلۡ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ﴾ (الکہف 110:18) ”کہہ دیجیے: میں تمھاری ہی طرح کا ایک بشر ہوں (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے کہ تمھارا معبود (وہی) ایک معبود ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّآ اِنَّهُمۡ لَيَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَيَمۡشُوۡنَ فِى الۡاَسۡوَاقِ ﴾ (الفرقان 20:25) ”اور ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں، سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى ؕ﴾ (یوسف 109:12) ”اور ہم نے آپ سے پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔“ اور فرمایا: ﴿ يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ ﴾ (الأنعام 130:6) ”اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمھارے پاس تمھی میں سے پیغمبر نہیں آتے رہے؟“

یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کے لیے انھی میں سے رسول بھیجا تاکہ یہ آپ سے مخاطب ہو سکیں اور آپ کے ارشادات کو سمجھنے کے لیے آپ کی طرف رجوع کر سکیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ ﴾ ”جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔“ یعنی قرآن مجید کی آیتیں ﴿ وَيُزَكِّيۡهِمۡ ﴾ ”اور ان کو پاک کرتے ہیں۔“ یعنی انھیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع فرماتے ہیں تاکہ ان کے نفس پاک ہو جائیں اور ان کے دل اس نجاست و خباثت

سے صاف ہو جائیں جس سے وہ حالت شرک و جہالت میں آلودہ تھے۔ ﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ ﴾ ''اور وہ ان کو (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں۔'' یعنی قرآن وسنت کی تعلیم دیتے ہیں۔ ﴿ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ ﴾ یعنی اس رسول سے پہلے ﴿ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ ﴾ ''تو یہ (لوگ) صریح گمراہی میں تھے۔'' یعنی ایسی سرکشی و جہالت میں جو ہر ایک کے لیے ظاہر وجلی اور بالکل واضح تھی۔

تفسیر آیات:165-168

احد کے دن کے مصائب کا سبب اور حکمت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ ﴾ ''(بھلا یہ) کیا (بات ہے کہ) جب تم پر مصیبت واقع ہوئی۔'' یہ احد کے دن ستر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے شہید ہونے کی طرف اشارہ ہے ﴿ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ﴾ ''حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دو چند مصیبت تمھارے ہاتھ سے ان پر پڑ چکی ہے۔'' کہ تم نے بدر کے دن ستر مشرکوں کو قتل کیا اور ستر کو قید کر لیا تھا۔ ﴿ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ﴾ ''تو تم چلا اٹھے کہ (ہائے) آفت (ہم پر) کہاں سے آپڑی؟'' ﴿ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ ﴾ ''کہہ دیجیے: یہ تمھاری ہی شامتِ اعمال ہے'' کہ تم نے پیغمبر کے حکم کے خلاف کیا۔

امام ابن ابو حاتم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ...... پھر اگلے سال جب احد کا دن تھا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی سزا ملی جو انھوں نے بدر کے دن فدیہ قبول کر لیا تھا، اس کے نتیجے میں ستر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے ہٹ گئے، آپ کا دانت مبارک شہید ہو گیا، خود سر مبارک میں دھنس گیا اور آپ کے چہرۂ انور پر خون بہنے لگا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ ﴾ ''(بھلا) کیا (بات ہے کہ) جب (احد کے دن کفار کے ہاتھ سے) تم پر مصیبت واقع ہوئی، حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دو چند مصیبت تمھارے ہاتھ سے ان پر پڑ چکی ہے تو تم چلا اٹھے کہ (ہائے) آفت (ہم پر) کہاں سے آپڑی؟ کہہ دیجیے: یہ تمھاری شامت اعمال ہے'' کہ تم نے (بدر کے موقع پر) فدیہ لے لیا تھا۔[1]

محمد بن اسحاق، ابن جریج، ربیع بن انس اور سُدّی رحمہم اللہ نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ یہ اس سبب سے کہ تم نے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی جب آپ نے یہ حکم دیا تھا کہ تم نے اس جگہ کو نہیں چھوڑنا مگر تم نے نافرمانی کی اور اس جگہ کو چھوڑ دیا۔[2] یہ تیر اندازوں کے درہ خالی چھوڑ دینے کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ ﴾ ''بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ فرماتا ہے، اس کے مطابق فیصلہ فرما دیتا ہے اور کوئی اس کے فیصلے کو ٹال نہیں سکتا۔

---

① مسند أحمد:30/1 و 32/1 عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ. اور مزید دیکھیے آل عمران، آیت:153 کے ذیل میں۔ ② تفسیر الطبری:220/4 و تفسیر ابن أبی حاتم:810/3.

پھر فرمایا: ﴿ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ ''اور جو مصیبت تم پر دونوں جماعتوں کے مقابلے کے دن واقع ہوئی سو اللہ کے حکم سے (واقع ہوئی۔)'' یعنی تم جو دشمن کے سامنے بھاگ اٹھے اور اس نے تم میں سے ایک جماعت کو شہید کر دیا اور کچھ لوگوں کو زخمی کر دیا تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر اور اس کی حکمت کے مطابق تھا۔ ﴿ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور (اس سے یہ مقصود تھا) تاکہ اللہ مومنوں کو اچھی طرح معلوم کر لے'' کہ کون ہیں جو صبر کرتے، ثابت قدم رہتے اور متزلزل نہیں ہوتے ہیں؟ ﴿ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ ؕ ﴾ ''اور منافقوں کو بھی معلوم کر لے اور (جب) ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کے رستے میں جنگ کرو یا (کافروں کے) حملوں کو روکو تو کہنے لگے کہ اگر ہم کو لڑائی کی خبر ہوتی تو ہم ضرور تمھارے ساتھ رہتے۔'' اس سے عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے وہ ساتھی مراد ہیں جو راستے ہی سے واپس آ گئے تھے [1] تو کچھ مومنوں نے ان کا پیچھا کیا اور انھیں لوٹ آنے، جنگ کرنے اور مسلمانوں کی مدد کرنے کی ترغیب دی۔[2]

اسی لیے فرمایا ﴿ اَوِ ادْفَعُوْا ﴾ ''یا (کافروں کے) حملوں کو روکو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، سعید بن جبیر، ضحاک، ابوصالح، حسن اور سُدِّی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر ان کی تعداد میں اضافے کا سبب بنو۔[3] حسن بن صالح فرماتے ہیں کہ دعا کے ساتھ کافروں کے حملوں کو روکو۔

اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ دشمن کے مقابلے کے لیے مورچوں پر جمے رہو۔[4] تو انھوں نے اس کے جواب میں یہ عذر پیش کیا: ﴿ لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ ﴾ ''اگر ہم کو لڑائی کی خبر ہوتی تو ہم ضرور تمھارے ساتھ رہتے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر ہمیں یہ خبر ہوتی کہ تم لڑائی کرو گے تو ہم آ جاتے لیکن تم لڑائی نہیں کرو گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ﴾ ''یہ اس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔'' اس آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ انسان کے حالات بدلتے رہتے ہیں، کسی حال میں وہ کفر کے زیادہ قریب ہو سکتا ہے اور کسی حال میں وہ ایمان کے زیادہ قریب ہو سکتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ ﴾ ''وہ مونھوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔'' یعنی وہ ایک بات تو کہتے ہیں مگر اس کے صحیح ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے اور ان کی زبانی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ''اگر ہم کو لڑائی کی خبر ہوتی تو ہم ضرور تمھارے ساتھ رہتے۔'' حالانکہ انھیں یہ یقین تھا کہ دور دراز کے علاقوں سے کافروں کا یہ جو لشکرِ جرار آیا ہے، یہ مسلمانوں سے زبردست معرکہ آرائی کرے گا کیونکہ یہ جنگ بدر میں اپنے قتل، زخمی اور قیدی ہونے والے آدمیوں کا بدلہ لینے کے لیے آیا ہے، لہٰذا انھیں یقین تھا کہ ان دونوں لشکروں کے مابین جنگ ضرور ہو گی، اس لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴾ ''اور یہ جو کچھ چھپاتے ہیں، اللہ اس سے

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام، ذكر ما أنزل الله في أحد من القرآن، ذكره المصيبة التي أصابتهم: 125/3. [2] تفسير الطبري: 224,223/4. [3] الدر المنثور: 167/2 و تفسير الطبري: 224/4. [4] تفسير الطبري: 224/4.

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿169﴾ۙ

ان لوگوں کو مردہ خیال نہ کرو، جو اللہ کے راستے میں مارے گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں، انھیں ان کے رب کے ہاں رزق دیا جاتا ہے﴿169﴾

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ

جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انھیں دیا اس پر وہ خوش ہیں اور ان (مومنوں) کے بارے میں بھی خوشی محسوس کرتے ہیں جو ابھی تک ان

خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿170﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وقف لازم

سے نہیں ملے اور ان کے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں کہ انھیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے﴿170﴾ وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل

وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿171﴾ۚۛ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ ع 17 16 8

عطا ہونے پر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اور بے شک اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا﴿171﴾ یہی لوگ ہیں جنھوں نے جنگ میں زخم لگنے

مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿172﴾ۚ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ

کے بعد اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا، ان میں سے جو لوگ نیکو کار اور پرہیز گار ہیں، ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے﴿172﴾ انھی سے

النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا

لوگوں نے کہا تھا کہ تمھارے خلاف ایک بڑی فوج جمع ہوئی ہے، پس تم ان سے ڈرو، تب اس بات نے ان کے ایمان میں اضافہ کر دیا

اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿173﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ

اور انھوں نے کہا: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے﴿173﴾ پھر وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹے، انھیں کوئی نقصان

وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿174﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠

نہ پہنچا، اور انھوں نے پیروی کی اللہ کی رضا کی، اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے﴿174﴾ یہ تو شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے،

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿175﴾

پس تم ان سے نہ ڈرو اور صرف مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو﴿175﴾

خوب واقف ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ ﴾ ''یہ خود تو (جنگ سے بچ کر) بیٹھ ہی رہے تھے مگر (جنھوں نے اللہ کی راہ میں جانیں قربان کر دیں) اپنے (ان) بھائیوں کے بارے میں بھی کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کہا مانتے تو قتل نہ ہوتے۔'' یعنی اگر وہ ہمارے مشورے پر عمل کرتے، گھروں میں بیٹھے رہتے اور میدان جنگ میں نہ جاتے تو قتل ہونے سے بچ جاتے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿168﴾ ﴾ ''کہہ دیجیے: اگر سچے ہو تو اپنے اوپر سے موت کو ٹال دینا۔'' یعنی اگر کوئی شخص اپنے گھر میں بیٹھے رہنے سے قتل یا موت سے بچ سکتا ہے تو پھر تمھیں مرنا نہیں چاہیے لیکن تمھیں موت تو ہر صورت میں آ کر رہے گی، خواہ تم مضبوط و مستحکم قلعوں میں کیوں نہ چھپ جاؤ اور اگر تم سچے ہو تو اپنے آپ سے موت کو ٹال کر دکھاؤ!

امام مجاہد نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ عبداللہ بن ابی ابن سلول کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ①

تفسیر آیات:169-175

شہداء کی فضیلت: اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ وہ دنیا میں قتل ہو گئے ہیں لیکن جنت میں ان کی روحیں زندہ ہیں اور انھیں رزق دیا جاتا ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں مسروق سے روایت کیا ہے کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ: ﴿ وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ ﴾ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا تھا:

[أَرۡوَاحُهُمۡ فِي جَوۡفِ طَيۡرٍ خُضۡرٍ ، لَهَا قَنَادِيلُ مُعَلَّقَةٌ بِالۡعَرۡشِ ، تَسۡرَحُ مِنَ الۡجَنَّةِ حَيۡثُ شَاءَتۡ ، ثُمَّ تَأۡوِي إِلَى تِلۡكَ الۡقَنَادِيلِ ، فَاطَّلَعَ إِلَيۡهِمۡ رَبُّهُمُ اطِّلَاعَةً ، فَقَالَ : هَلۡ تَشۡتَهُونَ شَيۡئًا ؟ قَالُوا : أَيَّ شَيۡءٍ نَشۡتَهِي وَ نَحۡنُ نَسۡرَحُ مِنَ الۡجَنَّةِ حَيۡثُ شِئۡنَا ؟ فَفَعَلَ ذٰلِكَ بِهِمۡ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، فَلَمَّا رَأَوۡا أَنَّهُمۡ لَنۡ يُتۡرَكُوا مِنۡ أَنۡ يُسۡأَلُوا ، قَالُوا : يَا رَبِّ ! نُرِيدُ أَنۡ تَرُدَّ أَرۡوَاحَنَا فِي أَجۡسَادِنَا حَتّٰى نُقۡتَلَ فِي سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخۡرٰى، فَلَمَّا رَأٰى أَنۡ لَّيۡسَ لَهُمۡ حَاجَةٌ ، تُرِكُوا]

’’ان (شہداء) کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہوتی ہیں اور ان کے لیے عرش الٰہی کے ساتھ قندیلیں معلق ہوتی ہیں اور جنت سے جہاں چاہتی ہیں کھاتی پیتی ہیں، پھر عرش کے نیچے لٹکی ہوئی انھی قندیلوں کو اپنا ٹھکانا بنا لیتی ہیں۔ تب ان کا پروردگار ان کی طرف دیکھتا ہے اور فرماتا ہے: کیا تم کچھ چاہتے ہو؟ تو یہ عرض کرتے ہیں کہ ہم اور کیا چاہیں کہ ہم جنت میں جہاں سے چاہتے ہیں کھاتے پیتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ یہ تین بار فرمائے گا۔ پھر جب وہ یہ دیکھیں گے کہ جب تک یہ کوئی سوال نہ کریں، انھیں چھوڑا نہیں جا رہا تو یہ عرض کرتے ہیں: یا رب! ہم یہ چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دے تاکہ تیرے رستے میں ہم ایک بار پھر شہید ہو جائیں۔ جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ ان کی کوئی ضرورت و حاجت باقی نہیں رہی تو انھیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔‘‘② اسی طرح کی احادیث حضرت انس رضی اللہ عنہ③ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہیں۔④

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنۡ نَفۡسٍ تَمُوتُ ، لَهَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَيۡرٌ ، يَسُرُّهَا أَنۡ تَرۡجِعَ إِلَى الدُّنۡيَا إِلَّا الشَّهِيدُ ، فَإِنَّهُ يَسُرُّهُ أَنۡ يَّرۡجِعَ إِلَى الدُّنۡيَا فَيُقۡتَلَ مَرَّةً أُخۡرٰى، لِمَا يَرٰى مِنۡ فَضۡلِ الشَّهَادَةِ] ’’شہید کے سوا اور کوئی ایسا نہیں کہ جو فوت ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لیے بہتری و بھلائی ہو،

① تفسیر الطبری:4/226. ② صحیح مسلم، الإمارة، باب بیان أن أرواح الشهداء في الجنة ......، حدیث:1887.
③ صحیح مسلم، الإمارة، باب فضل الشهادة في سبيل الله تعالى، حدیث:1877 عن أنس رضي الله عنه. ④ صحیح مسلم، الإمارة، باب بیان ما أعده الله تعالى للمجاهد في الجنة، حدیث:1884 عن أبي سعيد رضي الله عنه.

پھر بھی وہ دنیا لوٹنا پسند کرے لیکن شہید کو دنیا میں دوبارہ واپس جانا ضرور پسند ہوگا، شہادت کی فضیلت کی وجہ سے (وہ اس بات کو پسند کرے گا کہ ایک بار پھر دنیا میں جائے اور) دوبارہ شہید ہو جائے۔''[1] اس روایت کو (شیخین میں سے صرف) امام مسلم ہی نے بیان کیا ہے۔[2]

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَمَّا أُصِيبَ إِخْوَانُكُمْ بِأُحُدٍ ، جَعَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ أَرْوَاحَهُمْ فِي أَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ ، تَرِدُ أَنْهَارَ الْجَنَّةِ ، تَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا، وَتَأْوِي إِلٰى قَنَادِيلَ مِنْ ذَهَبٍ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ ، فَلَمَّا وَجَدُوا طِيبَ مَشْرَبِهِمْ وَ مَأْكَلِهِمْ ، وَحُسْنَ مُنْقَلَبِهِمْ قَالُوا: يَا لَيْتَ إِخْوَانَنَا يَعْلَمُونَ بِمَا صَنَعَ اللّٰهُ لَنَا ، لِئَلَّا يَزْهَدُوا فِي الْجِهَادِ، وَلَا يَنْكُلُوا عَنِ الْحَرْبِ ، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: أَنَا أُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ هٰؤُلَاءِ الْآيَاتِ عَلٰى رَسُولِهِ: ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝۱۶۹ ﴾] ''جب تمھارے بھائی احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز رنگ کے پرندوں کے قالبوں میں کر دیا جو جنت کی نہروں پر آتیں، جنت کے پھلوں کو کھاتیں اور عرش کے سائے میں سونے کی قندیلوں کے پاس ٹھہر جاتی ہیں۔ جب انھوں نے اپنے پاکیزہ کھانے اور پینے کو دیکھا اور اپنے حسن انجام کو ملاحظہ کیا تو کہنے لگے کہ اے کاش! ہمارے بھائیوں کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کیا اچھا سلوک فرمایا ہے تاکہ وہ جہاد سے غافل ہو کر جنگ سے منہ نہ موڑ لیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمھارا یہ پیغام میں پہنچا دیتا ہوں تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما دیں: ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝۱۶۹ ﴾ ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ نہ سمجھنا بلکہ (مردہ نہیں ہیں) اللہ کے ہاں زندہ ہیں اور ان کو رزق مل رہا ہے۔''[3] امام قتادہ، ربیع اور ضحاک رحمہم اللہ نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ آیات شہدائے احد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔[4]

امام ابوبکر بن مردویہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: [(يَا جَابِرُ!) مَالِي أَرَاكَ مُهْتَمًّا ؟ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! قُتِلَ أَبِي، وَتَرَكَ دَيْنًا وَّعِيَالًا ، فَقَالَ: أَلَا أُخْبِرُكَ مَا كَلَّمَ اللّٰهُ أَحَدًا قَطُّ إِلَّا مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ، وَّإِنَّهُ كَلَّمَ أَبَاكَ كِفَاحًا، فَقَالَ: يَا عَبْدِي! سَلْنِي أُعْطِكَ، فَقَالَ: أَسْأَلُكَ أَنْ تَرُدَّنِي إِلَى الدُّنْيَا فَأُقْتَلَ فِيكَ ثَانِيًا، فَقَالَ إِنَّهُ قَدْ سَبَقَ مِنِّي: أَنَّهُمْ إِلَيْهَا لَا يَرْجِعُونَ، قَالَ : يَا رَبِّ ! فَأَبْلِغْ مَنْ وَّرَائِي، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ ﴾] ''کیا بات ہے تم کچھ افسردہ نظر آتے ہو؟ تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے والد (غزوۂ احد

---

① مسند أحمد:126/3. ② صحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الشهادة في سبيل الله تعالى، حديث:1877.
③ مسند أحمد:266,265/1 اور بعض نسخوں میں [منقلبهم] کے بجائے [مقيلهم] ہے۔ ④ تفسير الطبري:229/4.

میں) شہید ہو گئے ہیں اور انھوں نے اپنے پیچھے قرض اور کثیر بچے چھوڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا: عبداللہ! میں تمھیں ایک بات بتاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کبھی کسی سے کلام فرمایا تو پس پردہ ہی فرمایا ہے مگر تمھارے باپ سے اللہ تعالیٰ نے روبرو کلام کیا اور فرمایا: اے میرے بندے! تم جو چاہو مانگو میں تمھیں دوں گا تو تمھارے باپ نے کہا: اے اللہ! میں یہ سوال کرتا ہوں کہ ایک بار پھر مجھے دنیا میں لوٹا دے تاکہ تیرے رستے میں دوبارہ شہید ہو جاؤں تو اللہ عزوجل نے فرمایا: میں پہلے سے یہ بات فرما چکا ہوں کہ یہاں آنے والوں کو دوبارہ دنیا میں نہیں لوٹایا جائے گا تو عبداللہ نے عرض کی: اللہ! میرے پیچھے رہ جانے والوں کو میرا پیغام پہنچا دے۔'' تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ؕ ﴾ .[1]

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلشُّهَدَاءُ عَلٰى بَارِقِ نَهَرٍ بِبَابِ الْجَنَّةِ ، فِي قُبَّةٍ خَضْرَاءَ ، يَخْرُجُ عَلَيْهِمْ رِزْقُهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا] ''شہداء جنت کے دروازے پر، نہر کے کنارے سبز رنگ کے قبے میں ہوں گے اور انھیں صبح و شام جنت سے رزق ملے گا۔'' اس حدیث کے بیان کرنے میں امام احمد متفرد ہیں۔[2] اسے امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی (کئی طرق سے) بیان کیا ہے۔[3] اس حدیث کی سند جید ہے۔

معلوم ہوتا ہے گویا شہداء کی کئی قسمیں ہیں: ایک تو وہ ہیں جن کی روحیں جنت میں آتی جاتی ہیں اور دوسرے وہ ہوں گے جو جنت کے دروازے پر اس نہر کے کنارے ہوں گے، اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس نہر کے پاس آکر ان کی سیر ختم ہو جاتی ہو، پھر وہ یہاں جمع ہو جاتے ہوں اور یہاں انھیں صبح و شام رزق دیا جاتا ہو۔ واللّٰه أعلم.

مسند امام احمد میں ایک ایسی حدیث بھی ہے جس میں ہر مومن کے لیے یہ بشارت ہے کہ اس کی روح جنت میں آئے جائے گی، جنت کے پھلوں کو کھائے گی، جنت کے جلووں کا نظارہ کرے گی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے عزت و کرامت کے جو سامان تیار فرما رکھے ہوں گے، ان کا مشاہدہ کرے گی۔ اس حدیث کی سند صحیح عزیز اور عظیم ہے کیونکہ اس میں ائمۂ اربعہ میں سے تین موجود ہیں، چنانچہ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ سے اور انھوں نے اسے امام مالک بن انس اصبحی رحمہ اللہ سے، انھوں نے اسے امام زہری سے اور انھوں نے اسے عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک سے اور انھوں نے اسے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَائِرٌ يَّعْلُقُ فِي شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَهُ اللّٰهُ إِلٰى جَسَدِهٖ يَوْمَ يَبْعَثُهٗ] ''یقیناً مومن کی روح ایک پرندے کی شکل میں جنت کے درختوں سے (پھل) کھاتی رہتی ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ اسے اس دن اس کے جسم میں لوٹا دے گا جب اسے اٹھائے گا۔''[4]

[1] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة آل عمران ، حدیث:3010 ودلائل النبوة للبیهقی، أبواب غزوة أحد، باب ماجری بعد انقضاء الحرب......:298/3 واللفظ له. جبکہ [یاجَابِرُ!] جامع الترمذی ومسند أحمد:361/3 ومسند أبی یعلٰی: 6/4، حدیث:2002 میں ہے۔ [2] مسند أحمد:266/1. [3] تفسیر الطبری:228/4. [4] مسند أحمد:455/3 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذکر القبر والبلی، حدیث:4271.

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ عام مومن کی روح جنت میں پرندے کی شکل میں ہوگی۔ جبکہ شہداء کی ارواح جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے سبز رنگ کے پرندوں کے قالبوں میں ہوں گی۔[1] اور عام مومنوں کی روحیں جو خود اڑتی ہوں گی ان کی نسبت یہ ستاروں کے مانند ہوں گی۔ ہم اللہ کریم ومنان سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھے!

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''جو کچھ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے بخش رکھا ہے اس پر وہ خوش ہیں۔'' یعنی وہ شہداء جنھوں نے اللہ کے رستے میں جام شہادت نوش کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انھیں جن نعمتوں اور رحمتوں سے سرفراز فرما رکھا ہے، ان سے وہ خوش ہیں۔ اور اپنے ان بھائیوں کی وجہ سے بھی خوشیاں منا رہے ہیں جو ان کے بعد اللہ کے رستے میں شہید ہوں گے کیونکہ وہ بھی ان کے پاس آ جائیں گے، انھیں بھی اپنے سامنے کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے دنیوی مال و اسباب پر کوئی غم کریں گے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی جنت عطا فرمائے!

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اصحابِ بئر مَعُونہ، یعنی ان ستر انصار صحابہ کے بارے میں روایت ہے جنھیں ایک ہی دن میں شہید کر دیا گیا تھا۔ اور جنھوں نے ان کو شہید کیا تھا رسول اللہ ﷺ نے قنوت میں ان کے لیے بددعا اور لعنت بھی فرمائی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے بارے میں قرآن مجید میں یہ الفاظ بھی نازل ہوئے تھے جو بعد میں منسوخ ہو گئے تھے: [بَلِّغُوا عَنَّا قَوْمَنَا أَنَّا لَقِينَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَأَرْضَانَا] ''ہماری طرف سے ہماری قوم تک یہ بات پہنچا دو کہ ہم نے اپنے رب سے اس طرح ملاقات کی ہے کہ وہ ہم سے خوش ہے اور اس نے ہمیں بھی خوش کر دیا ہے۔''[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اللہ کے انعامات اور فضل سے خوش ہو رہے ہیں اور اس سے کہ یقیناً اللہ مومنوں کے اجر ضائع نہیں کرتا۔'' امام محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کو پورا فرماتے ہوئے انھیں بے پایاں اجر و ثواب سے نوازا تو وہ اس سے بے حد خوش و خرم ہو گئے۔[3] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ شہداء و غیر شہداء تمام مومن اس آیت کریمہ کا مصداق ہیں اور کم ہی ایسا ہوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فضل و ثواب کا ذکر فرمایا ہو جس سے اس نے اپنے انبیائے کرام کو نوازا، پھر اس کے بعد اپنے اس فضل و رحمت کا ذکر نہ کیا ہو جس سے اس نے اپنے مومن بندوں کو سرفراز فرمایا ہے۔[4]

غزوۂ حمراء الأسد کا ذکر اور اس میں شریک ہونے والوں کی فضیلت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾ ''جنھوں نے باوجود زخم کھانے کے اللہ اور رسول (کے حکم) کو قبول کیا۔'' یہ حمراء الأسد والے دن کے واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ مشرک مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے بعد جب (جنگ احد سے)

---

[1] دیکھیے: اسی عنوان کا ابتدائی حصہ۔ [2] صحیح البخاری، المغازی، باب غزوة الرجیع، ورعل وذکوان ......، حدیث: 4090 و صحیح مسلم، المساجد، باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوٰت ......، حدیث: 677. [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 815/3. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 815/3 و الدرالمنثور: 171/2.

اپنے علاقوں کی طرف واپس جا رہے تھے تو انھوں نے راستے میں اس بات پر ندامت اور افسوس کا اظہار کیا کہ وہ مدینہ کا قصد کر کے اس جنگ کو فیصلہ کن کیوں نہ قرار دے سکے؟

جب رسول اللہ ﷺ کو اس خبر کا علم ہوا تو آپ نے مسلمانوں کو ان کا تعاقب کرنے کے لیے حکم دیا تا کہ انھیں مرعوب کیا جا سکے اور یہ بتایا جا سکے کہ مسلمانوں میں ابھی قوت اور دم خم موجود ہے۔ اور اس موقع پر آپ نے صرف انھی مسلمانوں کو تعاقب کی اجازت دی جنھوں نے غزوۂ احد میں شرکت کی تھی۔ ہاں، البتہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی مثال اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ ہم آگے ذکر کریں گے۔① مسلمانوں نے زخموں سے نڈھال اور چور ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہوئے اس حکم پر لبیک کہا۔

امام ابن ابوحاتم نے عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب مشرک احد سے واپس جا رہے تھے تو کہنے لگے کہ تم نے نہ تو محمد (ﷺ) کو قتل کیا اور نہ مسلمانوں کی دوشیزگان کو اپنے پیچھے سواریوں پر بٹھا کر لائے ہو، تم نے بہت برا کیا، لہٰذا تم لوٹ جاؤ، رسول اللہ ﷺ نے اس خبر کو سنا تو آپ نے مسلمانوں کو بلایا تو انھوں نے آپ کے حکم پر لبیک کہا حتی کہ وہ حمراء الأسد یا بئر ابی عِنَبہ تک کفار ومشرکین کے تعاقب میں آ گئے۔ شک سفیان کی طرف سے ہے کہ مسلمان کس مقام تک گئے تھے۔ یہ دیکھ کر مشرک کہنے لگے کہ اب تو پلٹ چلو آئندہ سال دوبارہ آئیں گے تو یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ بھی واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ یہ واقعہ بھی غزوہ شمار ہوتا ہے، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌۚ۝۱۷۲ ﴾ ''جنھوں نے باوجود زخم کھانے کے اللہ اور رسول (کے حکم) کو قبول کیا جو لوگ ان میں نیکوکار اور پرہیزگار ہیں، ان کے لیے بڑا ثواب ہے۔''②

ابن اسحاق کہتے ہیں غزوۂ احد پندرہ شوال ہفتے کے دن پیش آیا۔ اگلے دن (16) شوال کو رسول اللہ ﷺ کے منادی نے دشمن کا تعاقب کرنے کی صدا بلند کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اس تعاقب میں ہمارے ساتھ صرف وہی شامل ہوگا جو کل غزوۂ احد میں ہمارے ساتھ تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما یہ سن کر بارگاہ رسالت میں عرض کرنے لگے: اے اللہ کے رسول! میرے والد (جو کل احد میں شہید ہو گئے ہیں) نے مجھے سات بہنوں پر کفیل چھوڑا ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ اے لخت جگر! ہمیں ان خواتین کو بغیر مرد کے نہیں چھوڑنا چاہیے، ویسے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کرنے پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا (تو یہ عذر سن کر) رسول اللہ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی۔③

امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو بیان فرمایا ہے کہ میں نے عروہ سے کہا کہ اے بھانجے! تیرے باپ زبیر اور ابوبکر رضی اللہ عنہما بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ذکر فرمایا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا

① اگلے پیرے میں اس کا ذکر آ رہا ہے۔ ② تفسیر ابن أبی حاتم:816/3 والسنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب:72 قوله تعالٰی: ﴿ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ ﴾ :317/6، حدیث:11083 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ ③ السیرة النبویة لابن هشام، غزوة أحد، خروج الرسول فی إثر العدو لیرهبه:107/3.

غزوۂ حمراء الاسد

(16 شوال 3ھ)

﴿ اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ ﴾

یہی لوگ ہیں جنھوں نے جنگ میں زخم لگنے کے بعد اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا۔ ان میں سے جو لوگ نیکوکار اور متقی ہیں، ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے (آل عمران: 172/3)



حمراء الاسد: یہ مدینہ سے 8 میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے۔

﴿ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ﴾ ہوا یہ کہ نبیٔ اکرم ﷺ کو جب احد کے دن تکلیف پہنچی اور مشرکین واپس چلے گئے تو آپ کو خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں دوبارہ واپس نہ آ جائیں تو آپ نے فرمایا: [مَنْ يَّذْهَبُ فِي إِثْرِهِمْ؟] ''کون ہے جو ان کے تعاقب میں جائے؟'' تو آپ کے اس ارشاد پر ستر صحابہ رضی اللہ عنہم نے لبیک کہا، ان میں سے حضرت ابو بکر اور زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اسی سیاق میں بیان کیا ہے۔[1] امام مسلم نے اسے بغیر سیاق کے بیان کیا ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ﴾ ''(جب) ان سے لوگوں نے آکر بیان کیا کہ کفار نے تمھارے (مقابلے کے) لیے (لشکرِ جرار) جمع کیا ہے پس ان سے ڈرو تب ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا۔'' لوگوں نے تو انھیں دشمن کے لشکر جرار اور اس کی تعداد کی کثرت سے ڈرایا تھا مگر انھوں نے دشمن سے ڈرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل کیا اور اس سے استعانت کی ﴿ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿١٧٣﴾ ﴾ ''اور کہنے لگے کہ ہم کو اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ﴿ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿١٧٣﴾ ﴾ کا کلمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہا تھا جب انھیں آگ میں ڈالا گیا اور حضرت محمد ﷺ نے اس وقت کہا جب لوگوں نے کہا کہ کفار نے آپ کے مقابلے کے لیے لشکر جرار تیار کیا ہے تو ان سے ڈرو مگر اس سے آپ کے ایمان میں اور بھی اضافہ ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ ہمیں اللہ ہی کافی ہے۔ اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔[3]

امام ابو بکر بن مردویہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ سے احد کے دن کہا گیا کہ لوگوں نے تمھارے مقابلے کے لیے لشکر کثیر جمع کیا ہے تو ان سے ڈرو تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔[4] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ﴾ ''پھر وہ اللہ کی نعمتوں اور اس کے فضل کے ساتھ (خوش وخرم) واپس آئے، ان کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچا۔'' یعنی جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے غم و اندوہ کو دور فرما دیا، دشمنوں کے حملے سے انھیں محفوظ رکھا اور وہ اپنے علاقے کی طرف کامیاب واپس ہوئے اور ان کا دشمن اپنے پروگرام کے مطابق ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکا۔

﴿ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿١٧٤﴾ ﴾ ''اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔'' امام بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ یہاں نعمت سے مراد یہ ہے کہ مسلمان سلامت رہے اور فضل یہ ہے کہ موسم حج میں ایک تجارتی قافلہ گزر رہا تھا جس کے سامان کو رسول اللہ ﷺ نے خرید لیا تھا اور آپ کو اس سے بہت نفع

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب: ﴿ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ﴾، حديث:4077. [2] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل طلحة والزبير رضي الله عنهما، حديث:418. [3] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا ...... ﴾ (آل عمران3:173)، حديث:4563. [4] الدر المنثور:180/2.

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ

اور (اے نبی!) جو لوگ کفر میں تیزی دکھاتے ہیں ان کی سرگرمیاں آپ کو غم ناک نہ کریں۔ بے شک وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اللہ چاہتا ہے

اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿176﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ

کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ﴿176﴾ بے شک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خرید لیا،

بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿177﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اور ان کے لیے درد ناک عذاب ہے ﴿177﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا، وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ہم انھیں جو

اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

ڈھیل دیتے ہیں وہ ان کے لیے بہتر ہے۔ ہم تو انھیں صرف اس لیے ڈھیل دیتے ہیں کہ وہ گناہ میں بڑھ جائیں اور ان کے لیے رسوا کرنے

مُّهِيْنٌ ﴿178﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰي يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ

والا عذاب ہے ﴿178﴾ اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس میں تم اس وقت ہو، یہاں تک کہ وہ پاک کو ناپاک سے علیحدہ کر دے

مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ

اور اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ تم پر غیب ظاہر کرے لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے (غیب کی باتیں بتانے کے لیے) چن لیتا ہے، پس تم ایمان

مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿179﴾ وَلَا

لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیز گاری اختیار کرو گے تو تمھارے لیے بہت بڑا اجر ہے ﴿179﴾ اور جن لوگوں کو اللہ نے اپنے

يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ھُوَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ بَلْ ھُوَ

فضل سے بہت کچھ دیا ہے اور وہ اس میں کنجوسی کرتے ہیں تو وہ اس (بخل) کو اپنے لیے ہرگز بہتر نہ سمجھیں بلکہ وہ ان کے لیے بہت برا ہے۔ جس مال

شَرٌّ لَّھُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

میں انھوں نے کنجوسی کی، قیامت کے دن اسی کے انھیں طوق پہنائے جائیں گے۔ اور آسمانوں اور زمین کی ملکیت اللہ ہی کی ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿180﴾ ع ع 18/9/9

اللہ اس سے خوب باخبر ہے ﴿180﴾

حاصل ہوا جسے آپ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرما دیا تھا۔ ①

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاۗءَهٗ ﴾ یعنی شیطان تمھیں اپنے دوستوں سے ڈراتا اور تمھارے دل میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ وہ بہت سخت اور بہت شدید حملہ کرنے والے ہیں ﴿ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿175﴾ ﴾ ''تو اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا۔'' یعنی شیطان جب بھی تمھارے دل میں یہ خیال و وہم پیدا کرے تو تم مجھ ہی پر توکل کرو، میری ہی طرف رجوع کرو، میں تمھارے لیے کافی ہوں اور ان کے

① دلائل النبوۃ للبیہقی، باب خروج النبی ﷺ إلی حمراء الأسد: 318/3.

مقابلے میں میں تمھاری نصرت واعانت کروں گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ وَ يُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ تا ﴿ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۭ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ○ ﴾ (الزُّمر 39:36-38) ''کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں؟ اور یہ تم کو ان لوگوں سے جو اس کے سوا ہیں (غیر اللہ سے) ڈراتے ہیں...... کہہ دیجیے: مجھے اللہ ہی کافی ہے، بھروسا کرنے والے اسی پر بھروسا کرتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَاۗءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴾ (النسآء 4:76) ''سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو (اور ڈرو مت) کیونکہ شیطان کا داؤ بودا ہوتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ ﴾ (المجادلة 58:19) ''یہ (جماعت) شیطان کا لشکر ہے اور سن رکھو کہ شیطان کا لشکر نقصان اٹھانے والا ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○ ﴾ (المجادلة 58:21) ''اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے، بے شک اللہ زور آور (اور) زبردست ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ﴾ (الحجّ 22:40) ''اور جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے، اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ ﴾ (محمد 47:7) ''اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمھاری مدد کرے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ○ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ○ ﴾ (المؤمن 40:51,52) ''ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت کو بھی) جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت اور برا گھر ہے۔''

تفسیر آیات:176-180

رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی: اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے: ﴿ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ﴾ ''اور جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں وہ آپ کو غمگین نہ کریں۔'' اس لیے کہ آپ بڑے شدید خواہش مند تھے کہ لوگ ایمان لے آئیں اور کفار نے مخالفت، عناد اور دشمنی کی جو روش اختیار کر رکھی تھی اس سے آپ کو بہت غم ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اس سے غمگین نہ ہوں۔ ﴿ اِنَّھُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَھُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ ﴾ ''یہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے، اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کو کچھ حصہ نہ دے۔'' یعنی ان کے بارے میں اللہ کی حکمت یہ ہے کہ وہ اپنی مشیت وقدرت سے یہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہ ہو۔ ﴿ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''اور ان کے لیے بڑا عذاب (تیار) ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ ﴾ یعنی ایمان کے بدلے میں کفر کو لے لیا تو ﴿ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۚ ﴾ ''وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔'' ہاں، البتہ اپنے آپ کو ضرور نقصان پہنچاتے ہیں۔ ﴿ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ''اور ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا اَنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿178﴾ ﴾ ”اور کافر لوگ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ہم جو ان کو مہلت دیتے جاتے ہیں تو یہ ان کے حق میں اچھا ہے (نہیں بلکہ) ہم ان کو اس لیے مہلت دیتے ہیں کہ اور گناہ کر لیں آخر کار ان کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔“ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۙ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 56,55:23) ”کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں (تو اس سے) ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں؟ (نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (القلم 44:68) ”لہٰذا چھوڑ دیجیے مجھے اور اس کو جو اس حدیث (قرآن) کو جھٹلاتا ہے۔ ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔“ اور فرمایا: ﴿ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ (التوبۃ 85:9) ”اور (اے نبی!) ان کے مال اور اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں۔ ان چیزوں سے اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان کو دنیا میں عذاب دے اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) یہ کافر ہی ہوں۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ﴾ ”(لوگو!) جب تک اللہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے گا مومنوں کو اس حال میں جس میں تم ہو ہرگز نہیں رہنے دے گا۔“ اور اس کے لیے وہ کسی نہ کسی آزمائش میں ضرور مبتلا کرے گا جس میں وہ اپنے دوستوں کو سرخ رو کر دے گا اور دشمنوں کو روسیاہ، اور جان لے گا کہ مومن صابر کون ہے اور منافق فاجر کون؟

اس سے بھی یوم احد ہی کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا امتحان کیا تھا اور جس سے مومنوں کا ایمان، صبر وثبات، شجاعت وبسالت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ظاہر ہوگئی تھی۔ اور منافقوں کی اس سے پردہ دری ہوگئی تھی اور ظاہر ہوگیا تھا کہ یہ لوگ جہاد کے مخالف اور اس سے منہ موڑنے والے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کرنے والے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ﴾ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو احد کے دن الگ الگ کر دیا تھا۔[1] قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد اور ہجرت کے ساتھ ان کو الگ الگ کر دیا تھا۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ ﴾ ”اور اللہ تم کو غیب کی باتوں سے بھی مطلع نہیں کرے گا۔“ تم اللہ کی مخلوق میں اللہ کے غیب کو نہیں جانتے حتی کہ اس نے تمھارے لیے مومن اور منافق کو ایک دوسرے سے ان اسباب کی وجہ سے الگ الگ کر دیا جو اس سلسلے میں صورت حال کو واضح کرنے والے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلٰكِنَّ

[1] تفسیر الطبری: 249/4. [2] تفسیر الطبری: 249/4.

﴿ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ''اور البتہ اللہ اپنے پیغمبروں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ ﴾ (الجن 72:26,27) ''(وہی) غیب (کی بات) جاننے والا ہے اور وہ کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔ ہاں، جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس (کو غیب کی باتیں بتا دیتا ہے اور اس) کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ ﴾ ''تو تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔'' یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس نے تمھارے لیے جو احکام شریعت مقرر کیے ہیں، ان کی اتباع کرو۔ ﴿ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ ''اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیز گاری کرو گے تو تم کو اجر عظیم ملے گا۔''

بخل کی مذمت اور اس پر وعید: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ ﴾ ''اور جو لوگ مال میں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا ہے بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں (وہ اچھا نہیں) بلکہ ان کے لیے برا ہے۔'' یعنی بخیل یہ نہ سمجھے کہ اس کا مال جمع کرنا اس کے لیے نفع بخش ثابت ہوگا بلکہ یہ تو اس کے دین کو نقصان پہنچانے والا ہے بلکہ بسا اوقات دنیا کے اعتبار سے بھی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ پھر بتایا کہ قیامت کے دن اس کے مال کا انجام یہ ہوگا: ﴿ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ ﴾ ''وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں قیامت کے دن اس کا طوق (بنا کر) ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ شُجَاعًا أَقْرَعَ ، لَهُ زَبِيبَتَانِ ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ۔ يَعْنِي بِشِدْقَيْهِ۔ يَقُولُ: أَنَا مَالُكَ ، أَنَا كَنْزُكَ، ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ ﴾] ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اس کی زکاۃ ادا نہ کرے تو اس کے مال کو ایک گنجے سانپ کی شکل دے دی جائے گی جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے اور اس کا قیامت کے دن اسے طوق پہنا دیا جائے گا، وہ اسے اس کے منہ کے دونوں کناروں سے پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں، پھر آپ نے اس موقع پر اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ ﴾۔''[1] اسے اس طریق سے صرف امام بخاری ہی نے بیان کیا ہے۔ امام مسلم نے اسے اس طریق سے بیان نہیں کیا۔ ہاں، البتہ امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اسی مفہوم کی حدیث کو بیان کیا ہے۔[2]

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [لَا يَمْنَعُ عَبْدٌ زَكَاةَ مَالِهِ إِلَّا

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ ..... ﴾ (آل عمران 3:180)، حدیث: 4565. [2] صحيح ابن حبان، الزكاة، ذكر البيان بأن من خلف كنزا ......: 50/8 ، حدیث: 3258 نحوه. اور دیکھیے صحيح مسلم، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة ، حدیث: 987 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ و 988 عن جابر رضی اللہ عنہ.

وقف لازم

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا

اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ یقیناً ان کی یہ بات ہم لکھ لیں گے اور جو وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے

وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿181﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

رہے (وہ بھی ان کے اعمال نامے میں درج ہے) اور (قیامت کے دن) ہم ان سے کہیں گے: اب جلانے والے عذاب کو چکھو ﴿181﴾ یہ تمھارے ہاتھوں کی

اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿182﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ

کمائی کا بدلہ ہے اور بے شک اللہ اپنے بندوں پر ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ﴿182﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کہا: بے شک اللہ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی

اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ

رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لائے جسے آگ کھا جائے۔ کہہ دیجیے کہ مجھ سے پہلے تمھارے پاس کئی رسول کھلی

قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿183﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ

نشانیاں اور وہ (معجزہ) بھی لے کر آئے جس کا تم کہہ رہے ہو، پھر تم نے انھیں قتل کیوں کر ڈالا اگر تم سچے ہو؟ ﴿183﴾ (اے نبی!) پھر اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں

فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿184﴾

تو آپ سے پہلے کئی رسول جھٹلائے گئے تھے جو کھلی نشانیاں، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے ﴿184﴾

جُعِلَ لَهُ شُجَاعٌ أَقْرَعُ يَتْبَعُهُ، يَفِرُّ مِنْهُ وَ هُوَ يَتْبَعُهُ، فَيَقُولُ: أَنَا كَنْزُكَ] ''جو شخص اپنے مال کی زکاۃ ادا نہیں کرتا تو اس کے مال کو گنجے سانپ کی شکل دے دی جائے گی اور وہ اس کا پیچھا کرے گا، یہ اس سے بھاگے گا مگر وہ اس کا پیچھا کرے گا اور کہے گا کہ میں تیرا خزانہ ہوں۔'' پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی مصداق قرآن مجید کی اس آیت کو پڑھا: ﴿ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ ''وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں، قیامت کے دن اس کا طوق (بنا کر) ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا۔''[1] اس حدیث کو امام ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔[2] اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کا وارث اللہ ہی ہے۔'' لہٰذا ﴿ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ ﴾ (الحديد 7:57) ''اور جس (مال) میں اس نے تم کو (اپنا) نائب بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو۔'' کیونکہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں، لہٰذا اپنے اموال کو آگے بھیجو تا کہ وہ تمھیں قیامت کے دن فائدہ دیں۔ ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿180﴾ ﴾ ''اور جو عمل تم کرتے ہو اللہ کو معلوم ہے۔'' یعنی اسے تمھاری نیتوں اور تمھارے ضمیروں کا بھی علم ہے۔

---

① مسند أحمد:377/1. ② جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة آل عمران، حديث:3012 و السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب:13 قوله تعالى: ﴿ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ ﴾ :317/6، حديث:11084 و سنن ابن ماجه، الزكاة، باب ماجاء في منع الزكاة، حديث:1784 البتہ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

تفسیر آیات:181-184

مشرکوں کے لیے اللہ کی وعید: سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ ﴾ (البقرۃ2:245) ''کوئی ہے کہ اللہ کو قرض حسنہ دے کہ وہ اس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ دے؟'' تو یہودیوں نے کہا کہ اے محمد (ﷺ)! کیا تمھارا رب فقیر ہے جو اپنے بندوں سے قرض مانگتا ہے؟ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ ۘ ﴾ ''اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم امیر ہیں''۔ اسے ابن مردویہ اور ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔[1]

﴿ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا ﴾ ''یہ جو کچھ کہتے ہیں ہم اس کو لکھ لیں گے۔'' یہ زبردست وعید ہے، اسی لیے اس کے ساتھ یہ بات بھی ذکر فرمائی: ﴿ وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ ﴾ ''اور پیغمبروں کو جو یہ ناحق قتل کرتے رہے ہیں، اس کو بھی (قلمبند کر رکھیں گے۔)'' کہ اللہ کے بارے میں انھوں نے یہ کہا اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے یہ معاملہ کیا، اللہ تعالیٰ ان کی ان بداعمالیوں کی انھیں بدترین سزا دے گا۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۱۸۲﴾ ﴾ ''اور (قیامت کے روز) کہیں گے کہ عذاب (آتش) سوزاں (کے مزے) چکھتے رہو، یہ ان کاموں کی سزا ہے جو تمھارے ہاتھ آگے بھیجتے رہے ہیں اور اللہ تو بندوں پر مطلق ظلم نہیں کرتا۔'' یہ ان سے بطور ڈانٹ ڈپٹ، زجر و توبیخ اور تحقیر و توہین کے طور پر کیا جائے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَیْنَاۤ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ ﴾ ''جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ جب تک کوئی رسول ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر نہ آئے جس کو آگ (آ کر) کھا جائے تب تک ہم اس پر ایمان نہ لائیں گے۔'' اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تکذیب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جنھوں نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کتابوں میں انھیں یہ حکم دیا ہے کہ وہ کسی بھی رسول کے ساتھ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک ان کے معجزات میں ایک یہ بھی نہ ہو کہ اگر ان کی امت میں سے کوئی صدقہ کرے اور وہ اس سے قبول کیا جائے تو اس کی قبولیت کی علامت یہ ہوگی کہ آسمان سے نازل ہو کر آگ اسے کھا جائے گی۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ ﴾ ''(اے پیغمبر! ان سے) کہہ دیجیے: مجھ سے پہلے کئی پیغمبر تمھارے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے۔'' یعنی دلائل و براہین لے کر آئے ﴿ وَ بِالَّذِیْ قُلْتُمْ ﴾ ''اور وہ (معجزہ) بھی لائے جو تم کہتے ہو۔'' یعنی وہ آگ جو قبول ہونے والی قربانیوں کو کھا لے ﴿ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ ﴾ ''پھر تم نے ان کو قتل

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 828/3. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 831/3 و تفسیر الطبری: 262/4.

كُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَةُ الۡمَوۡتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ

ہر کوئی موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے، بے شک قیامت کے دن تمھیں پورے پورے اجر دیے جائیں گے۔ پھر جسے آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں

النَّارِ وَاُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ فَقَدۡ فَازَ ؕ وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَآ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿185﴾ لَتُبۡلَوُنَّ فِيۡۤ

داخل کر دیا گیا تو وہ یقیناً کامیاب ہو گیا، اور دنیا کی زندگی دھوکے ہی کا سامان تو ہے ﴿185﴾ البتہ تمھیں تمھارے مالوں اور تمھاری جانوں کے بارے میں

اَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ ۟ وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمِنَ الَّذِيۡنَ

ضرور آزمایا جائے گا اور تم ان لوگوں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جنھوں نے شرک کیا، ضرور تکلیف دینے والی باتیں سنو گے

اَشۡرَكُوۡۤا اَذًى كَثِيۡرًا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿186﴾

اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے ﴿186﴾

کیوں کیا؟'' تم نے تکذیب ومخالفت وعناد کے ساتھ ان کا مقابلہ کیوں کیا اور انھیں قتل کیوں کیا؟ ﴿ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿183﴾ ﴾ ''اگر تم سچے ہو'' اپنے اس دعوے میں کہ تم حق کی اتباع کرتے اور رسولوں کی اطاعت کرتے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقَدۡ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ جَآءُوۡ بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ﴿184﴾ ﴾ ''(اے نبی!) پھر اگر وہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر کھلی نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آ چکے ہیں اور لوگوں نے ان کو بھی سچا نہیں سمجھا۔'' یعنی یہ لوگ جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ دل آزردہ نہ ہوں، آپ سے پہلے کے انبیاء آپ کے لیے اسوہ ہیں۔ ان کی تکذیب کی گئی تھی، حالانکہ وہ دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ لے کر آئے تھے۔ ﴿ وَالزُّبُرِ ﴾ اس سے مراد آسمان سے نازل ہونے والی کتابیں اور رسولوں پر نازل ہونے والے صحیفے ہیں۔ ﴿ وَالۡكِتٰبِ الۡمُنِيۡرِ ﴿184﴾ ﴾ اور بیّن، واضح اور روشن کتابیں لے کر آئے تھے۔

تفسیر آیات:186,185

ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے: اللہ تعالیٰ اس مقام پر ایک ایسی خبر دے رہا ہے جو تمام مخلوقات کے لیے ہے اور وہ یہ کہ ہر ہر جاندار نے ایک نہ ایک دن موت کے ذائقے کو چکھنا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ ۚۖ وَّيَبۡقٰى وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ ۚ ﴾ (الرحمٰن 27,26:55) ''جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور آپ کے پروردگار کا جلال وعظمت والا چہرہ باقی رہے گا۔''

صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہے اور جسے کبھی موت نہیں آئے گی جبکہ تمام جن وانس ایک نہ ایک دن مر جائیں گے، اسی طرح تمام فرشتے حتی کہ حاملین عرش الٰہی بھی ایک دن موت کے جام کو پی لیں گے۔ بقا اور دوام صرف اللہ واحد وقہار ہی کی ذات گرامی کو حاصل ہے۔ وہ سب سے آخر ہو گا جیسا کہ سب سے اول بھی وہی تھا۔ اس آیت کریمہ میں تمام لوگوں کے لیے تسلی ہے کہ اس روئے زمین پر ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ رہے گا بلکہ ان میں

سے ہر ایک نے ایک نہ ایک دن موت کے جام کو پینا اور قبر کے دروازے سے داخل ہونا ہے۔ جب مدت تمام ہو جائے گی اور وہ نطفہ ختم ہو جائے گا کہ صُلبِ آدم سے جس کے وجود کو اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا تھا اور مخلوق ختم ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ قیامت برپا کر دے گا اور تمام مخلوق کو اس کے جلیل وحقیر، کثیر وقلیل اور کبیر وصغیر اعمال کا بدلہ دے گا اور کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرے گا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ ﴾ ''اور بلاشبہ تم کو قیامت کے دن تمھارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔''

کامیابی کس کے لیے ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ ﴾ یعنی جو آگ سے بچالیا گیا اور اس سے نجات پا گیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ مکمل طور پر کامیاب ہو گیا۔ امام ابن ابو حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَوْضِعُ سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا اِقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ] ''جنت میں ایک کوڑے کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اگر تم چاہو تو اس آیت کریمہ کو پڑھ لو: ﴿ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ ﴾۔''[1] یہ حدیث صحیحین میں بھی اس سند کے علاوہ اور ان زائد الفاظ کے بغیر کہ ''اگر تم چاہو تو پڑھو: ﴿ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ ﴾۔'' موجود ہے۔[2] جبکہ ان الفاظ کے ساتھ امام ابو حاتم ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اسے روایت کیا ہے۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿185﴾ ﴾ ''اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔'' یہ دنیا کی تصغیر وتحقیر ہے کہ یہ گھٹیا اور فانی ہے اور قلیل اور زوال پذیر ہو جانے والی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۖ﴿16﴾ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿17﴾ ﴾ (الأعلى 87:16,17) ''مگر تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہت بہتر اور پائندہ تر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ؕ ﴾ (القصص 28:60) ''اور جو چیز تم کو دی گئی ہے، وہ دنیا کی زندگی کا فائدہ اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ کے پاس ہے، وہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔''

اور حدیث میں ہے: [وَاللّٰهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا (كَمَا يَغْمِسُ) أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ...... فِي الْيَمِّ ، فَلْيَنْظُرْ بِمَ تَرْجِعُ؟] ''دنیا آخرت کے مقابلے میں اس طرح ہے جیسے کوئی اپنی انگلی کو سمندر میں ڈبوئے تو وہ دیکھے کہ اس کی انگلی کے ساتھ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:833/3. [2] صحیح البخاري، بدء الخلق ، باب ماجاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة، حديث: 3250 لیکن صحیح مسلم میں اس حدیث کا ایک حصہ ہے، دیکھیے الإمارة، باب فضل الغدوة......، حديث:1881 عن سهل بن سعد الساعدي رضی اللہ عنہ۔ [3] صحیح ابن حبان ، باب وصف الجنة وأهلها ، ذكر الأخبار بأن القليل من الجنة لأهلها ......: 434,433/16 ، حديث:7417 و المستدرك للحاكم، التفسير ،باب سورة آل عمران:299/2 ، حديث:3170 .

سمندر کے پانی میں کس قدر کمی آئی ہے!''[1] امام قتادہ، ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾ ''اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ سامان ہے جسے چھوڑ دیا جائے گا، اس ذات گرامی کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! قریب ہے کہ یہ دنیا، دنیا والوں سے روٹھ جائے، لہٰذا جس قدر ممکن ہو دنیا کے اس سامان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کر دو۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ.[2]

مومن بتلائے آزمائش کیا جاتا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ﴾ ''(اے اہل ایمان!) تمھارے مال و جان میں تمھاری آزمائش کی جائے گی۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ﴾ (البقرۃ2:155) ''اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمھاری آزمائش کریں گے۔'' یعنی مومن کی اپنے مال، جان، اولاد یا اہل میں ضرور آزمائش ہوگی۔ پھر مومن کی اس کے دین کے بقدر آزمائش کی جاتی ہے، اگر دین میں پختگی ہو تو اس کی آزمائش میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

﴿ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ﴾ ''اور تم اہل کتاب سے اور ان لوگوں سے جو مشرک ہیں، بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے۔'' یہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرمایا تھا جب مومن مدینہ میں آئے اور ابھی تک واقعۂ بدر پیش نہیں آیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں مشرکوں اور اہل کتاب کی طرف سے پہنچنے والی ایذا کے بارے میں تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہ صبر کا مظاہرہ کریں اور عفو و درگزر سے کام لیں حتی کہ اللہ تعالیٰ ان کی مشکلات کو ختم کر دے، پس فرمایا: ﴿ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ ''اور اگر تم صبر اور پرہیزگاری کرتے رہو گے تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گدھے کی سواری کو اختیار فرمایا جس پر اس وقت شہر فدک کی بنی ہوئی ایک موٹی چادر تھی، اور آپ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے سوار فرمایا اور آپ کا مقصد بنو حارث بن خزرج میں جا کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کرنا تھا جبکہ یہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ آپ کا گزر ایک ایسی مجلس کے پاس سے ہوا جس میں عبداللہ بن اُبَیّ ابنِ سلول بھی بیٹھا ہوا تھا اور اس نے ابھی اپنے اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا، اس مجلس میں مسلمان، مشرک، بت پرست اور یہودی ہر قسم کے لوگ موجود تھے، اس مجلس میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، مجلس کو جب جانور کے (چلنے کی وجہ سے) غبار نے ڈھانپ لیا تو عبداللہ بن اُبَیّ نے اپنی ناک کو اپنی

---

[1] صحیح مسلم، الجنة و نعیمها، باب فناء الدنیا وبیان الحشر......، حدیث:2858 لیکن قوسین والے الفاظ مسند البزار، مسند المستورد بن شداد......: 387/8، حدیث:3460 کے مطابق ہیں جبکہ صحیح مسلم میں ان کے بجائے [مِثْلُ مَا يَجْعَلُ......] ہے۔ و جامع الترمذی، الزهد، باب منه حدیث:[مالدنیا فی الآخرة......]، حدیث:2323 و مسند أحمد:228/4 عن المستورد ابن شداد رضی اللہ عنہ۔ [2] تفسیر ابن أبی حاتم:833/3.

چادر سے چھپالیا اور کہا کہ ہماری مجلسوں کو غبار آلود نہ کرو۔

رسول اللہ ﷺ نے سلام کہا، کچھ دیر کے لیے آپ رک گئے، پھر سواری سے نیچے اتر آئے اور حاضرین مجلس کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دی اور قرآن مجید بھی پڑھ کر سنایا، عبداللہ بن اُبیّ کہنے لگا: اے شخص! تم جو (ہماری مجالس میں آ کر ہمیں) یہ بات کہتے ہو اگر یہ حق ہے تو اس سے یہ اچھا ہے کہ تم ہماری مجلسوں میں ہمیں ایذا نہ دیا کرو، اپنے گھر واپس چلے جاؤ جو تمھارے پاس آئے تو اسے یہ پڑھ کر سناؤ۔

یہ سن کر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ ہماری مجلسوں میں یہ پیغام لے کر ضرور تشریف لائیں، ہم آپ کی تشریف آوری کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں، مشرکوں اور یہودیوں میں گالی گلوچ شروع ہوگئی حتی کہ قریب تھا کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ آور ہو جاتے، رسول اللہ ﷺ انھیں ٹھنڈا کرتے رہے حتی کہ وہ سب خاموش ہو گئے، پھر نبی ﷺ اپنے جانور پر سوار ہو گئے حتی کہ آپ ﷺ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا: [أَيَا سَعْدُ! أَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالَ أَبُو حُبَابٍ؟] ”سعد! کیا تم نے سنا نہیں کہ ابوحُباب نے کیا کہا ہے؟“ آپ کا اشارہ عبداللہ بن اُبیّ کی طرف تھا، اس نے یہ یہ بات کہی تھی تو سعد نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اسے معاف کر دیں اور درگزر فرمائیں۔ اس ذات گرامی کی قسم جس نے آپ پر کتاب کو نازل فرمایا ہے! اللہ تعالیٰ اس حق کو لے آیا ہے جسے اس نے آپ پر نازل فرمایا ہے۔

اس شہر والوں نے یہ پروگرام بنالیا تھا کہ اسے تاج پہنائیں اور اس کے گرد جمع ہو کر اسے اپنا سربراہ بنالیں جب اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اس حق کو بھیج کر انکار فرمایا جو آپ کو عطا کیا ہے تو یہ غصے سے تلملا اٹھا اور آپ نے جو مشاہدہ فرمایا ہے، یہ اسی غصے ہی کا اظہار ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے معاف فرما دیا۔ تو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مشرکوں اور اہل کتاب کو معاف فرما دیا کرتے تھے اور ان کی طرف سے پہنچنے والی ایذا پر صبر کیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ﴾ ”اور اپنے سے پہلے اہل کتاب اور ان لوگوں سے جو مشرک ہیں بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے۔“ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ﴾ (البقرۃ 109/2) ”بہت سے اہل کتاب اپنے دل کی جلن سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لے آنے کے بعد تم کو پھر کافر بنا دیں، حالانکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے تو تم معاف کر دو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے۔“

نبیٔ اکرم ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق معاف فرما دیا کرتے تھے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں جہاد کا حکم نازل فرما دیا جب رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر لڑی اور اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے سرداران قریش کو میدان بدر میں واصل جہنم

وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكۡتُمُوۡنَهٗ فَنَبَذُوۡهُ

اور جب اللہ نے ان لوگوں سے عہد لیا جنھیں کتاب دی گئی تھی کہ تم اسے لوگوں کے سامنے ضرور بیان کرو گے اور اسے ہرگز نہیں چھپاؤ گے، پھر انھوں

وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ وَاشۡتَرَوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَبِئۡسَ مَا يَشۡتَرُوۡنَ ﴿187﴾ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ

نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا اور اسے تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالا، پھر کس قدر بری ہے وہ قیمت جو وہ وصول کر رہے ہیں! ﴿187﴾ یہ لوگ جو اپنے کرتوت پر

يَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اَتَوۡا وَّيُحِبُّوۡنَ اَنۡ يُّحۡمَدُوۡا بِمَا لَمۡ يَفۡعَلُوۡا فَلَا تَحۡسَبَنَّهُمۡ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الۡعَذَابِ ۚ

خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انھوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریف کی جائے، آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ عذاب سے چھوٹ جائیں گے اور ان کے لیے

وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿188﴾ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿189﴾ ع 19/9/10

دردناک عذاب ہے ﴿188﴾ اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی حکومت، اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿189﴾

کر دیا تو عبداللہ بن اُبَیّ ابن سلول اور اس کے مشرک اور بت پرست ساتھیوں نے کہا کہ یہ امر تو اب غالب آ گیا ہے، لہٰذا انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کر کے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر دیا۔[1]

پس ہر وہ شخص جو حق کو لے کر آیا یا جس نے نیکی کا حکم دیا یا برائی سے منع کیا تو اسے ضرور ایذا دی گئی، راہ حق کے ہر مسافر کے لیے اس کے بغیر اور کوئی چارۂ کار ہی نہیں کہ وہ اللہ کے لیے صبر کرے، اللہ ہی سے مدد طلب کرے اور ہر حال میں اللہ عزوجل کی ذات گرامی ہی کی طرف رجوع کرے۔

تفسیر آیات: 187-189

عہد شکنی اور کتمانِ حق کی وجہ سے اہل کتاب کی مذمت: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان اہل کتاب کے لیے زجر و توبیخ اور سرزنش ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی زبانی یہ عہد لیا تھا کہ وہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائیں گے، لوگوں میں آپ کا چرچا کریں گے تاکہ وہ آپ کے دین کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ آپ کو مبعوث فرما دے تو وہ آپ کی اتباع کریں مگر انھوں نے اسے چھپایا۔ اور ان سے دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی کا جو وعدہ کیا گیا تھا اس کے بجائے انھوں نے دنیا کے حقیر و ذلیل مال کو ترجیح دی، بہت ہی برا مال ہے جو انھوں نے حاصل کیا اور بہت ہی بری تجارت ہے جو انھوں نے کی۔

اس سے علماء کو بھی ڈرایا گیا ہے کہ وہ ان کے نقش قدم پر نہ چلیں کہ کہیں یہ بھی اس سے دوچار نہ ہوں جس سے اہل کتاب ہوئے تھے، لہٰذا علماء کو چاہیے کہ وہ عمل صالح کی رہنمائی کرنے والے اپنے علم نافع کو پھیلائیں اور اسے قطعاً نہ چھپائیں کیونکہ مختلف سندوں سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [مَنۡ سُئِلَ عَنۡ عِلۡمٍ فَكَتَمَهٗ ، أُلۡجِمَ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِّنۡ نَّارٍ] ’’جس سے علم کے بارے میں پوچھا گیا اور اس نے اسے چھپایا تو اسے قیامت کے دن جہنم کی آگ کی لگام

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِيۡنَ﴾ ...... (آل عمران 3:186)، حدیث: 4566 و صحیح مسلم، الجهاد......، باب فی دعاء النبی ﷺ و صبره علی أذی المنافقین، حدیث: 1798 و مسند أحمد: 203/5.

پہنائی جائے گی۔‘‘[1]

دھوکا دینے اور بے جا تعریف پسند کرنے کی وجہ سے ان کی مذمت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اَتَوۡا وَّ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ یُّحۡمَدُوۡا بِمَا لَمۡ یَفۡعَلُوۡا ﴾ ’’جو لوگ اپنے (ناپسند) کاموں سے خوش ہوتے ہیں اور (پسندیدہ کام) جو کرتے نہیں، ان کے لیے چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے۔‘‘ یعنی اس سے مراد ریا کاری کرنے والے اور جو انھیں نہیں دیا گیا اُس پر اترانے والے ہیں جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [مَنِ ادَّعٰی دَعۡوٰی کَاذِبَةً لِّيَتَكَثَّرَ بِهَا ، لَمۡ يَزِدۡهُ اللّٰهُ إِلَّا قِلَّةً] ’’جس شخص نے جھوٹا دعویٰ کیا تا کہ اس کے ساتھ اپنے مال کو زیادہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو اور بھی کم کر دے گا۔‘‘[2] اسی طرح صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلۡمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمۡ يُعۡطَ كَلَابِسِ ثَوۡبَيۡ زُورٍ] ’’جو شخص تکلف کے ساتھ ایسی چیز کا اظہار کرے جو اسے دی ہی نہیں گئی تو وہ اس طرح ہے، جیسے کوئی دو جھوٹے کپڑے پہننے والا ہو۔‘‘[3]

امام احمد رحمہ اللہ نے روایت بیان کی ہے کہ مروان نے اپنے دربان رافع سے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور ان سے یہ کہو کہ اگر ہر شخص کو اس وجہ سے عذاب دیا جائے کہ وہ اپنے کام پر خوش ہوتا ہے اور جو اس نے نہیں کیا اور وہ چاہتا ہے کہ اس پر اس کی تعریف کی جائے، پھر تو ہم سب کو عذاب دیا جائے گا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت سے تمھارا کیا تعلق یہ تو اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ وَ اِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ ﴾ تا ﴿ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اَتَوۡا وَّ يُحِبُّوۡنَ اَنۡ يُّحۡمَدُوۡا بِمَا لَمۡ يَفۡعَلُوۡا ﴾ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے اہل کتاب سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تھا تو انھوں نے اسے آپ سے چھپایا اور اس کے بجائے کچھ اور بتا دیا اور یہ سمجھتے ہوئے کہ آپ نے جو سوال کیا تھا اس کا انھوں نے جواب دے دیا ہے، آپ کے پاس سے چلے گئے اور چاہتے تھے کہ اس کی وجہ سے ان کی تعریف کی جائے اور حقیقت میں اس بات کی وجہ سے بہت خوش تھے کہ آپ نے ان سے جو پوچھا تھا، اسے آپ سے چھپانے میں یہ کامیاب ہو گئے ہیں۔[4] امام بخاری نے بھی اسے کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے، امام مسلم نے بھی

[1] جامع الترمذي، العلم، باب ما جاء في كتمان العلم، حديث:2649 عن أبي هريرة رضي الله عنه وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب من سئل عن علم فكتمه؟ حديث:264 واللفظ له عن أنس بن مالك رضي الله عنه. و266 عن أبي هريرة رضي الله عنه. والمعجم الكبير للطبراني:334/8، حديث:8251 عن طلق بن علي رضي الله عنه. [2] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم قتل الإنسان نفسه......، حديث:110، البتہ صحيح البخاري، الأدب، باب ما ينهى من السباب واللعن، حديث:6047 عن ثابت بن الضحاك رضي الله عنه. میں اصلاً یہ حدیث تو موجود ہے لیکن یہ الفاظ نہیں ہیں۔ [3] صحيح البخاري، النكاح، باب المتشبع بما لم ينل......، حديث:5219 عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنها. وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب النهي عن التزوير......، حديث:2129 عن عائشة رضي الله عنها و1230 عن أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنها. [4] مسند أحمد:298/1.

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿190﴾

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش، اور رات اور دن کے اختلاف میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں﴿190﴾ جو لوگ کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ

پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچ بچار کرتے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں:) اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے فائدہ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿191﴾

پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے، پس تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا﴿191﴾ ہمارے رب! بے شک جسے تو آگ میں داخل کرے یقیناً اسے تو تو نے رسوا

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿192﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا

کر دیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں﴿192﴾ اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا، وہ ایمان کی طرف بلاتا ہے، یہ کہ اپنے

سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

رب پر ایمان لاؤ، پھر ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! پھر ہمارے گناہ بخش دے، اور ہم سے ہماری برائیاں دور کر دے اور ہمیں

ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿193﴾ ۚ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى

نیک لوگوں کے ساتھ فوت کر﴿193﴾ ہمارے رب! اور ہمیں وہ چیز دے جس کا تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے ہم سے وعدہ کیا تھا اور

رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿194﴾

ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ بے شک تو وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا﴿194﴾

اسے روایت کیا ہے، نیز امام ترمذی ونسائی نے بھی اسے اسی طرح اپنی اپنی کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں کچھ منافقوں کی یہ عادت تھی کہ جب رسول اللہ ﷺ جہاد کے لیے تشریف لے جاتے تو یہ پیچھے بیٹھے رہ جاتے اور آپ کے پیچھے بیٹھے رہ جانے پر خوش ہوتے اور جب رسول اللہ ﷺ جہاد سے واپس تشریف لے آتے تو یہ معذرت کرتے، جھوٹی قسمیں کھاتے اور اس بات کو پسند کرتے کہ ایسے کاموں کی وجہ سے ان کی تعریف کی جائے جو انھوں نے کیے ہی نہیں تو اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا﴾ ”جو لوگ اپنے (ناپسندیدہ) کاموں سے خوش ہوتے ہیں اور (پسندیدہ کام) جو کرتے نہیں، ان کے لیے چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے۔“[2]

امام مسلم نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

① صحيح البخاري، التفسير، باب:﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا﴾ (آل عمران3:188)، حديث:4568 وصحيح مسلم، كتاب وباب صفات المنافقين وأحكامهم، حديث:2778 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة آل عمران، حديث:3014 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، قوله تعالى:﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا﴾:318/6، حديث:11086. ② صحيح البخاري، التفسير، باب:﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا﴾ (آل عمران3:188)، حديث: 4567. ③ صحيح مسلم، كتاب و باب صفات المنافقين وأحكامهم، حديث:2777.

ارشاد ہے: ﴿ فَلَا تَحۡسَبَنَّهُمۡ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الۡعَذَابِ ۚ ﴾ ''تو آپ ان کی نسبت خیال نہ کرنا کہ وہ عذاب سے رستگار ہو جائیں گے۔'' اسے مخاطب مفرد کے صیغے کی وجہ سے ''تا'' کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور ان کو خبردار کرنے کی خاطر صیغہ غائب، یعنی ''یا'' کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ ① یعنی وہ یہ خیال نہ کریں کہ وہ عذاب سے نجات پا جائیں گے بلکہ عذاب میں تو ہرصورت مبتلا ہوکر رہیں گے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝١٨٨ ﴾ ''اور انھیں درد دینے والا عذاب ہوگا۔''

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝١٨٩ ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' وہ ہر چیز کا مالک ہے، ہر چیز پر قادر ہے اور اسے کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی، لہٰذا اس سے ڈرو اور اس کی مخالفت نہ کرو، اس کے غضب اور سزا سے ڈرو کہ وہ ذات گرامی اس قدر عظیم ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی عظیم نہیں اور وہ اس قدر قادر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی قدرت والا نہیں ہے۔

تفسیر آیات: 190-194

عقل والوں کے لیے دلائلِ توحید اور ان کی صفات، اقوال اور دعائیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ فِيۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ﴾ ''بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں۔'' یعنی آسمانوں کی بلندی اور وسعت میں اور زمین کی پستی و کثافت میں اور ان دونوں میں جو عظیم الشان نشانیاں نظر آرہی ہیں، مثلاً: کواکب، سیارات، ثوابت (وہ ستارے جو سات سیاروں کے علاوہ ہیں)، سمندر، پہاڑ، ریگستان، درخت، نباتات، فصلیں، پھل، حیوانات، معدنیات اور مختلف رنگوں، خوشبوؤں، ذائقوں اور خواص میں ﴿ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ ﴾ ''اور رات اور دن کے آنے جانے میں۔'' یعنی ان دونوں کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے اور جانے میں اور ایک دوسرے کے طول وقصر کے کاٹنے میں کہ کبھی رات لمبی ہوجاتی ہے اور دن چھوٹا اور کبھی دن چھوٹا ہوجاتا ہے اور رات لمبی، پھر دونوں برابر ہوجاتے ہیں اور پہلے جو چھوٹا تھا وہ بڑا ہونے لگتا ہے اور جو بڑا تھا وہ چھوٹا ہونے لگتا ہے اور یہ سب کچھ اللہ غالب وحکمت والے کے مقرر کردہ اندازے کے مطابق ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الۡاَلۡبَابِ ۝١٩٠ ۙ ﴾ ''عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔'' جن کی عقلیں تام اور پختہ ہیں جن کے ساتھ وہ اشیاء کا ان کے حقائق کے ساتھ ادراک کرلیتے ہیں اور وہ ان گونگوں اور بہروں کی طرح نہیں ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ يَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهَا وَهُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ ۝ وَمَا يُؤۡمِنُ اَكۡثَرُهُمۡ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمۡ مُّشۡرِكُوۡنَ ۝ ﴾ (یوسف 12:105،106) ''اور آسمان وزمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر یہ گزرتے ہیں اور ان سے اعراض کرتے ہیں اور یہ اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر (اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے عقل والوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ الَّذِيۡنَ يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰى جُنُوۡبِهِمۡ ﴾ ''جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں۔'' جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عمران بن حُصَین

① تفسير القرطبي: 307/4.

رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [صَلِّ قَائِمًا ، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا ، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰی جَنْبٍ] ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھ لو۔''[1] یعنی وہ اللہ کے ذکر کو موقوف نہیں کرتے بلکہ تمام حالات میں اپنے دلوں، ضمیروں اور زبانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

﴿ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ ''اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں۔'' یعنی آسمانوں اور زمین کی ان حکمتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جو ان کے خالق کی عظمت و قدرت، علم و حکمت اور اختیار و رحمت پر دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے جو اس کی ان مخلوقات سے نصیحت حاصل نہیں کرتے جو اس کی ذات و صفات، شرع و قدر اور آیات پر دلالت کرتی ہیں، چنانچہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَ كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ○ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ ○ ﴾ (یوسف 106,105:12) ''اور آسمان و زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر یہ گزرتے ہیں اور ان سے اعراض کرتے ہیں اور یہ اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر (اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں۔''

اور اپنے مومن بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ﴾ ''جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور کرتے ہیں۔'' اور کہتے ہیں: ﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا۔'' یعنی اس مخلوق کو تو نے عبث پیدا نہیں فرمایا بلکہ اسے تو نے حق کے ساتھ پیدا فرمایا ہے تاکہ تو برے عمل کرنے والوں کو ان کے مطابق بدلہ دے اور اچھے عمل کرنے والوں کو نیک جزا سے سرفراز فرمائے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کو یہ سب کچھ عبث اور بے فائدہ پیدا کرنے سے پاک قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ ﴿ سُبْحٰنَكَ ﴾ ''تو پاک ہے۔'' یعنی اس بات سے کہ کسی بھی چیز کو بے فائدہ پیدا کرے۔ ﴿ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿191﴾ ﴾ ''پس تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔'' یعنی اے وہ جس نے اپنی مخلوق کو حق اور عدل کے ساتھ پیدا فرمایا، اے وہ جو ہر قسم کے نقص، عیب اور عبث سے پاک ہے تو اپنی طاقت و قوت کے ساتھ ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا اور ہمیں ایسے اعمال بجالانے کی توفیق عطا فرما جن سے تو راضی ہو جائے۔ اور ہمیں ایسے عمل صالح کی توفیق عطا فرما جس سے تو ہمیں اپنی نعمتوں بھری جنت میں لے جائے اور اپنے دردناک عذاب سے بچالے۔

پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں: ﴿ رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ﴾ یعنی اسے ذلیل و رسوا کیا اور اس کی ذلت و رسوائی کو تمام اہل حشر کے سامنے ظاہر کر دیا۔ ﴿ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿192﴾ ﴾ ''اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔'' یعنی قیامت کے دن انھیں تجھ سے کوئی نہیں بچا سکے گا اور ان کے بارے میں جو ارادہ فرمائے گا، اسے کوئی ٹال نہیں سکے گا۔ ﴿ رَبَّنَآ

[1] صحیح البخاري، التقصیر، باب: إذا لم یطق قاعدًا صلی علی جنب، حدیث: 1117 .

﴿ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيۡ لِلۡاِيۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ فَاٰمَنَّا ۖ ﴾ ”اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا کہ ایمان کے لیے پکار رہا تھا۔“ یعنی ہم نے ایک داعی کی آواز کو سنا جو ایمان کی طرف دعوت دے رہے تھے، اس سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اور وہ فرما رہے تھے ﴿ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ فَاٰمَنَّا ۖ ﴾ ”کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے۔“ اور ہم نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور آپ کی اتباع و فرمانبرداری اختیار کر لی۔

﴿ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا ﴾ ”اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرما۔“ یعنی ہمارے ایمان لانے اور تیرے نبی کی اتباع کی وجہ سے ﴿ فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا ﴾ ”ہمارے گناہ معاف فرما۔“ یعنی ان کی پردہ پوشی فرما ﴿ وَكَفِّرۡ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا ﴾ ”اور ہماری برائیوں کو ہم سے محو کر“ جو ہمارے اور تیرے درمیان ہیں اور تیرے سوا انھیں کوئی نہیں جانتا تھا۔ ﴿ وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ﴿۱۹۳﴾ ﴾ ”اور ہم کو نیک بندوں کے ساتھ فوت کر“ اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔

﴿ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ ﴾ ”اے ہمارے پروردگار! تو نے جن جن چیزوں کے ہم سے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے وعدے کیے ہیں، وہ ہمیں عطا فرما۔“ اس کے ایک معنی تو یہ بیان کیے گئے ہیں کہ وہ وعدے جو اپنے رسولوں پر ایمان لانے کی وجہ سے تو نے ہم سے کیے ہیں اور دوسرے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ وہ وعدے جو تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے فرمائے ہیں اور یہ معنی زیادہ ظاہر اور نمایاں ہیں۔ ﴿ وَلَا تُخۡزِنَا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ ﴾ ”اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا“ ساری مخلوقات کے سامنے ﴿ اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ﴿۱۹۴﴾ ﴾ ”کچھ شک نہیں کہ تو خلافِ وعدہ نہیں کرتا۔“ وہ وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا جس کے بارے میں تیرے رسولوں نے بتایا ہے اور وہ قیامت کے دن تیرے سامنے پیش ہونا ہے۔

حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو سورۂ آل عمران کی ان آخری دس آیات کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ میں نے اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک رات بسر کی تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ کچھ دیر باتیں فرمائیں، پھر آپ استراحت فرمانے لگے۔ جب رات کا آخری ثلث ہوا تو آپ اٹھ بیٹھے، آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ اِنَّ فِيۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾ ﴾ پھر آپ کھڑے ہوئے، وضو فرمایا، مسواک فرمائی اور گیارہ رکعات پڑھیں، پھر حضرت بلال نے اذان دی تو آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر کاشانۂ نبوت سے تشریف لے آئے اور لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ [1]

ابن مردویہ نے عطاء سے روایت کیا ہے کہ میں، ابن عمر اور عبید بن عمیر، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے،

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ اِنَّ فِيۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾ ﴾ (آل عمران 3:190)، حدیث: 4569 اور صحیح بخاری ہی کی حدیث: 4570 میں ہے کہ آپ نے سورۂ آل عمران کی آخری دس (10) آیات کی تلاوت فرمائی...... وصحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب صلاۃ النبی ﷺ ودعائه باللیل، حدیث: 763-(191).

فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی ۚ

پھران کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ تم میں سے میں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ کوئی مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک

بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ

دوسرے کے ہم جنس ہو، پھر جن لوگوں نے ہجرت کی اور انھیں ان کے گھروں سے نکال دیا گیا اور انھیں میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں اور انھوں نے

وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا لَاُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا

جہاد کیا اور وہ قتل ہوئے تو میں ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کردوں گا اور یقیناً انھیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

الۡاَنۡهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ ﴿195﴾

یہ اللہ کی طرف سے ثواب ہوگا، اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے ﴿195﴾

ہمارے اور آپ کے مابین پردہ تھا، آپ نے فرمایا: عبید تم ہم سے ملنے کے لیے کیوں نہیں آتے؟ انھوں نے کہا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

زُرۡ غِـبًّـا تَـزۡدَدۡ حُـبًّـا

''وقفے کے بعد ملاقات کرو، اس سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ آپ یہ فرمائیں کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی سب سے زیادہ تعجب انگیز بات کون سی دیکھی ہے؟ تو آپ رونے لگ گئیں اور فرمانے لگیں کہ آپ کی تو ہر بات ہی تعجب انگیز تھی۔ آپ رات کو میرے پاس تشریف لائے حتی کہ آپ کا جسد اطہر میرے جسم سے چھونے لگا، پھر آپ نے فرمایا: [ذَرِینِی أَتَعَبَّدُ لِرَبِّی عَزَّوَجَلَّ] ''مجھے چھوڑ دو تاکہ میں اپنے رب عزوجل کی عبادت کروں۔'' میں نے عرض کی: اللہ کی قسم! میں آپ کے قرب کو پسند کرتی ہوں اور اس بات کو بھی پسند کرتی ہوں کہ آپ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کریں۔ آپ مشکیزے کی طرف کھڑے ہوگئے، وضو فرمایا اور بہت زیادہ پانی استعمال نہ کیا، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی اور رونے لگے حتی کہ آنسوؤں سے داڑھی مبارک تر ہوگئی، پھر سجدہ کیا اور سجدے میں اس قدر روئے کہ زمین تر ہوگئی، پھر پہلو کے بل لیٹ گئے اور رونے لگے حتی کہ بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر صبح کی اذان شروع کر دی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول! آپ کیوں روتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیے ہیں؟ آپ نے فرمایا: [وَیۡحَكَ یَا بِلَالُ! وَمَا یَمۡنَعُنِی أَنۡ أَبۡكِیَ وَقَدۡ أُنۡزِلَ عَلَیَّ فِی هٰذِهِ اللَّیۡلَةِ: ﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿190﴾﴾ ثُمَّ قَالَ: وَیۡلٌ لِّمَنۡ قَرَأَهَا وَلَمۡ یَتَفَكَّرۡ فِیهَا] ''بلال تم پر افسوس! میں کیوں نہ روؤں جبکہ آج رات مجھ پر یہ آیت نازل کی گئی ہے، پھر آپ نے فرمایا: افسوس ہے اس پر جو یہ آیت پڑھے، پھر اس میں غور نہ کرے۔''[1]

[1] الفاظ اور مفہوم میں اختلاف کے ساتھ یہ قصہ، دیکھیے صحیح ابن حبان، الرقائق، ذكر البيان بأن المرء عليه إذا......:386/2، حدیث:620 اور ملاحظہ کیجیے السلسلة الصحيحة :68.

تفسیر آیت:195

اہلِ دانش کی دعا کو قبول فرمانا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ ﴾ ’’تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول کرلی۔‘‘

سعید بن منصور نے آلِ ام سلمہ میں سے ایک شخص سلمہ بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ ام سلمہ نے عرض کی: یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے ضمن میں عورتوں کا کوئی ذکر نہیں فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی .... ﴾ الآیۃ ’’تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا......۔‘‘ انصار کہتے ہیں کہ یہ پہلی عورت تھی جو ہمارے پاس آئی۔[1] امام حاکم نے اسے اپنی مستدرک میں روایت کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری کی شرط کے مطابق ہے لیکن امام بخاری ومسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی ﴾ یہ قبولیت دعا کی تفسیر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے ہاں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص کو، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ ملتا ہے۔ ﴿ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ﴾ ’’تم ایک دوسرے کی جنس ہو۔‘‘ یعنی مجھ سے ثواب حاصل کرنے میں تم سب برابر ہو ﴿ فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا ﴾ ’’تو جو لوگ میرے لیے وطن چھوڑ گئے۔‘‘ یعنی انھوں نے دارشرک کو ترک کر دیا اور دار ایمان میں آگئے اور دوستوں، بھائیوں، ساتھیوں اور پڑوسیوں کو چھوڑ آئے ﴿ وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ ﴾ ’’اور اپنے گھروں سے نکالے گئے۔‘‘ یعنی مشرکوں نے انھیں ایذائیں اور تکلیفیں پہنچا کر اس قدر تنگ کیا کہ وہ ان کے ہاں سے نکل جانے پر مجبور ہو گئے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ ﴾ ’’اور میری راہ میں ستائے گئے۔‘‘

اور لوگوں کے نزدیک ان کا گناہ صرف یہ تھا کہ وہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات گرامی پر ایمان رکھتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ یُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَاِیَّاكُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ رَبِّكُمۡ ﴾ (الممتحنۃ 60:1) ’’(اس وجہ سے کہ) تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لاتے ہو پیغمبر کو اور تم کو جلا وطن کرتے ہیں۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۙ ﴾ (البروج 85:8) ’’اور ان کو مومنوں کی یہی بات بری لگتی ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب اور قابل ستائش ہے۔‘‘ اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَ قٰتَلُوۡا وَ قُتِلُوۡا ﴾ ’’اور لڑے اور قتل کیے گئے ہیں۔‘‘ وہ شخص بہت اعلیٰ مقام پر فائز ہے جو اللہ تعالیٰ کے رستے میں جہاد کرے اور اس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دی جائیں، پھر اسے بھی خاک وخون میں تڑپا دیا جائے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ فرمائیں کہ اگر میں صبر کرتے ہوئے، حصول ثواب

---

[1] سنن سعید بن منصور، تفسیر سورۃ آل عمران 3:1136، حدیث:552 و جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ النسآء، حدیث:3023. [2] المستدرك للحاکم، التفسیر، سورۃ آل عمران 2:300، حدیث:3174.

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿196﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ

جن لوگوں نے کفر کیا، ان کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے﴿196﴾ یہ تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے،

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿197﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور وہ برا ٹھکانا ہے ﴿197﴾ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے، ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں،

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿198﴾

وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے، اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے بہتر ہے﴿198﴾

کی نیت سے، پیش قدمی کرتے ہوئے اور پشت نہ پھیرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرما دے گا؟ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ، فَلَمَّا أَدْبَرَ الرَّجُلُ نَادَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَوْ أَمَرَ بِهِ فَنُودِيَ لَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: كَيْفَ قُلْتَ؟ فَأَعَادَ عَلَيْهِ قَوْلَهُ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: نَعَمْ، إِلَّا الدَّيْنَ، كَذٰلِكَ قَالَ لِي جِبْرِيلُ] ''ہاں، پھر جب وہ واپس ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے اسے بلایا یا پھر آپ کے حکم سے اسے بلایا گیا تو آپ نے فرمایا: تم نے کیا بات کہی ہے؟ اس نے اپنی بات کو دوہرایا تو آپ نے فرمایا: ہاں، اللہ تعالیٰ قرض کے سوا تمھارے باقی سب گناہوں کو معاف فرما دے گا، یہ جبریل نے مجھ سے (ابھی ابھی) کہا ہے۔''[1]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ''میں ان کے گناہ دور کر دوں گا اور ان کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔'' یعنی ان میں دودھ، شہد، شراب اور صاف وشفاف پانی کے انواع واقسام کے مشروبات کی نہریں بہ رہی ہیں اور دیگر ایسی ایسی نعمتیں ہیں جنھیں کسی آنکھ نے دیکھا نہیں، کسی کان نے سنا نہیں اور کسی انسان کے دل میں جن کا کوئی تصور نہیں آ سکتا۔[2] ﴿ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ''(یہ) اللہ کے ہاں سے بدلہ ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت اور نسبت اپنی طرف اس لیے کی ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ ثواب بہت بڑا ہوگا کیونکہ اللہ عظیم وکریم ہے، وہ بے پایاں اجر وثواب عطا فرمائے گا۔ ﴿وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿195﴾﴾ ''اور اللہ کے ہاں اچھا بدلہ ہے۔'' یعنی جو شخص نیک عمل کرے، اس کے لیے اللہ کے ہاں بہت اچھا بدلہ ہے۔

تفسیر آیات:196-198

دنیا داروں سے فریب خوردہ ہونے سے بچنا اور نیک لوگوں کے اجر کا بیان: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دنیا کی نعمتوں اور خوشیوں اور مسرتوں سے سرشار ان کافروں کی طرف نہ دیکھو کیونکہ ان کی یہ سب نعمتیں اور دولتیں عنقریب زوال پذیر ہو

① الموطأ للإمام مالك، الجهاد، باب الشهداء في سبيل الله، حديث:1025 و صحيح ابن حبان، السير، باب فضل الشهادة، ذكر البيان بأن الجنة إنما تجب للشهيد……:511/10، حديث:4654 و صحيح مسلم، الإمارة، باب من قتل في سبيل الله كفرت خطاياه إلا الدَّين، حديث:1885 عن أبي قتادة ﷺ. ② صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في صفة الجنة……، حديث:3244 عن أبي هريرة ﷺ.

جائیں گی اور یہ اپنے برے اعمال کے باعث گروی ہوں گے۔ ہم نے انھیں استدراج کے طور پر مہلت دے رکھی ہے۔ باقی رہا ان کا دنیوی ساز وسامان تو وہ ﴿ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴾ ''(دنیا کا) تھوڑا سا فائدہ ہے پھر (آخرت میں) توان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔''

یہ آیت اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَا يُجَادِلُ فِيٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝ ﴾ (المؤمن 4:40) ''اللہ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں تو ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ ﴾ (یونس 70,69:10) ''بلا شبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہیں پائیں گے (ان کے لیے) جو فائدے ہیں، دنیا میں (ہیں) پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اس وقت ہم ان کو عذابِ شدید (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ وہ کفر (کی باتیں) کیا کرتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ ﴾ (لقمٰن 24:31) ''ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے پھر عذاب شدید کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝ ﴾ (الطارق 17:86) ''تو آپ کافروں کو مہلت دیں بس چند روز ہی مہلت دیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ ﴾ (القصص 61:28) ''بھلا جس شخص سے ہم نے نیک وعدہ کیا اور اس نے اسے حاصل کر لیا تو کیا وہ اس شخص کا سا ہے جس کو ہم نے دنیا کی زندگی کے فائدے سے بہرہ مند کیا؟ پھر وہ قیامت کے دن ان لوگوں میں ہوگا جو (عذاب میں) حاضر کیے جائیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کفار کے حال اور آخرت میں ان کے جہنم رسید ہونے والے انجام کو ذکر کیا تو پھر اس کے بعد فرمایا: ﴿ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ ''لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے، ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے (یہ) اللہ کے ہاں سے (ان کی) مہمانی ہے۔'' ﴿ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴾ ''اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے، وہ نیکوکاروں کے لیے بہت اچھا ہے۔''

امام ابن جریر نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہر مومن کے لیے موت بہتر ہے اور ہر کافر کے لیے بھی موت بہتر ہے جو شخص (اس بات میں) میری تصدیق نہ کرے (تو وہ سن لے) کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴾ ''اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے، وہ نیکوکاروں کے لیے بہت اچھا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ﴾ (آل عمران 178:3) ''اور کافر لوگ یہ نہ خیال کریں کہ ہم ان کو مہلت دے رہے ہیں تو یہ ان کے حق میں اچھا ہے (نہیں! بلکہ) ہم ان کو اس

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ

اور بے شک اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور جو کچھ تمھاری طرف نازل کیا گیا اور جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا، اس پر

خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ

ایمان لاتے ہیں، وہ اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں، وہ اللہ کی آیتیں تھوڑی قیمت کے بدلے نہیں بیچتے، وہی ہیں جن کا اجر ان کے رب کے

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿199﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا

پاس ہے، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے﴿199﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر سے کام لو، ثابت قدم رہو اور حق کی خدمت میں سرگرم رہو،

20 ع 11 11 اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿200﴾ ع

اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ﴿200﴾

لیے مہلت دیتے ہیں کہ وہ اور گناہ کرلیں اور ان کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔''[1] (کافر مرجانے کے بعد مزید گناہ نہیں کرسکتا اس لحاظ سے موت اس کے حق میں بھی بہتر ہے۔)

تفسیر آیات:200,199

بعض اہل کتاب کا حال اوران کا اجر وثواب: اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور جو اس نے حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے، اس پر بھی صحیح صحیح ایمان رکھتے ہیں، اور سابقہ آسمانی کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع وخضوع، اطاعت وبندگی اور عاجزی وانکسار کا اظہار کرتے ہیں اور ﴿لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ﴾ ''وہ اللہ کی آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہیں لیتے۔'' یعنی ان کے پاس حضرت محمد ﷺ کے بارے میں جو بشارتیں اور آپ کے اوصافِ حمیدہ، آپ کی بعثت اور آپ کی امت کی صفات کا ذکر ہے، اسے چھپاتے نہیں۔

یہ اہل کتاب کے بہترین اور منتخب لوگ ہیں، خواہ یہ یہودی ہوں یا عیسائی، اللہ تعالیٰ نے سورۂ قصص میں ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا﴾ (القصص 28:52-54) ''جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی، وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور جب (قرآن) ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لے آئے۔ بے شک وہ ہمارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے (اور) ہم تو اس سے پہلے کے فرماں بردار ہیں، ان لوگوں کو دوگنا بدلہ دیا جائے گا کیونکہ وہ صبر کرتے رہے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ﴾ (البقرة 2:121) ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے، وہ اس کو

① تفسیر الطبری :288/4.

(ایسا) پڑھتے ہیں جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے یہی لوگ اس پر ایمان رکھنے والے ہیں۔" اور فرمایا: ﴿ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 159:7) "اور قوم موسیٰ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کا رستہ بتاتے اور اس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔" اور فرمایا: ﴿ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران 113:3) "یہ بھی سب ایک جیسے نہیں ہیں۔ ان اہل کتاب میں کچھ لوگ (اللہ کے حکم پر) قائم بھی ہیں جو رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے اور (اس کے آگے) سجدے کرتے ہیں۔" اور فرمایا: ﴿ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ ﴾ (بنی إسرآء یل 17:107-109) "کہہ دیجیے: تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (یہ فی نفسہ حق ہے) جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے جب وہ ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا اور وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گر تے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے خشوع کو اور زیادہ کرتا ہے۔"

یہ صفات یہودیوں کے بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ علمائے یہود میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جیسے ان صفات کے حامل چند لوگ ہی تھے اور ان کی تعداد دس سے زیادہ نہ تھی۔ ہاں، البتہ عیسائیوں میں سے بہت سے لوگ تھے جنھوں نے حق کو قبول کر کے راہ ہدایت کو اختیار کر لیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ﴾ تا ﴿ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ﴾ (المائدة 5:82-85) "(اے پیغمبر!) آپ دیکھیں گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے مومنوں سے قریب تر ان لوگوں کو پائیں گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں...... تو اللہ نے ان کو اس کہنے کے عوض (بہشت کے) باغ عطا فرمائے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔"

اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ﴾ "یہی لوگ ہیں جن کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں (تیار) ہے۔" حدیث سے ثابت ہے کہ جب حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے بادشاہِ حبشہ نجاشی کے پاس سورۂ مریم کی تلاوت فرمائی تو اس وقت ان کے پاس عیسائی علماء اور پادری بھی موجود تھے تو سورۂ مریم سن کر نجاشی اور علماء و مشائخ اس قدر روئے کہ اس کی داڑھی اور پادریوں کے مصاحف آنسوؤں سے تر ہو گئے۔[1] اور صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نجاشی کا جب انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو ان کی وفات کی خبر دی اور فرمایا: [إِنَّ أَخًا لَّكُمْ قَدْ مَاتَ فَقُومُوا، فَصَلُّوا

[1] السيرة النبوية لابن هشام، إحضار النجاشي للمهاجرين، وسؤاله لهم عن دينهم: 336/1.

عَلَيۡهِ]''(حبشہ میں) تمھارے ایک بھائی (اَصْحَمہ) کا انتقال ہوگیا ہے، لہٰذا اٹھو اور اس کی نماز جنازہ پڑھو۔''[1] چنانچہ آپ جنازہ گاہ کی طرف تشریف لے گئے، صفیں درست فرمائیں اور آپ نے نجاشی کی (غائبانہ) نماز جنازہ پڑھائی۔[2]

ابن ابونَجیح نے حضرت مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ ﴾ سے مراد اہل کتاب کے مسلمان ہیں۔[3] عباد بن منصور کہتے ہیں کہ میں نے امام حسن بصری سے آیت: ﴿ وَاِنَّ مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَمَنۡ يُّؤۡمِنُ بِاللّٰهِ ﴾ ''اور بے شک اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔'' کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اس سے مراد حضرت محمد ﷺ سے پہلے کے وہ اہل کتاب ہیں جنھوں نے آپ کی اتباع کی۔[4] اور (یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے) اسلام کو پہچان لیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں دوگنا اجروثواب عطا فرمایا ایک ثواب حضرت محمد ﷺ سے پہلے (کی شریعت پر) ایمان لانے کی وجہ سے۔ اور دوسرا حضرت محمد ﷺ کی اتباع کرنے کی وجہ سے۔ ان دونوں روایتوں کو امام ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ثَلَاثَةٌ يُؤۡتَوۡنَ أَجۡرَهُمۡ مَرَّتَيۡنِ] ...... فَذَكَرَ مِنۡهُمۡ ......: [وَأَيُّمَا رَجُلٍ مِّنۡ أَهۡلِ الۡكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهٖ وَآمَنَ بِي] ''تین قسم کے آدمیوں کو دوگنا اجروثواب عطا کیا جاتا ہے (آپ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک وہ شخص بھی ہے) جو اہل کتاب میں سے ہو اور اپنے نبی کے ساتھ ایمان لائے، پھر میرے ساتھ بھی ایمان لائے۔''[5]

اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَا يَشۡتَرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ﴾ ''وہ اللہ کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت نہیں لیتے۔'' کے معنی یہ ہیں کہ ان کے پاس جو علم ہے، اسے وہ چھپاتے نہیں جیسا کہ ان میں سے ایک مردود گروہ نے کیا تھا بلکہ علم کو وہ بغیر کسی طمع کے پھیلاتے رہتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ۝۱۹۹ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں (تیار) ہے بلاشبہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔'' مجاہد فرماتے ہیں: ﴿ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ۝۱۹۹ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ جلد شمار کرنے والا ہے۔ اس قول کو امام ابن ابوحاتم اور دیگر ائمہ تفسیر نے روایت کیا ہے۔[6]

صبر و استقامت کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اصۡبِرُوۡا وَصَابِرُوۡا وَرَابِطُوۡا ﴾ ''اے اہل

---

① صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب موت النجاشي، حديث:3877 عن جابر بن عبدالله الأنصاري رضي الله عنه. وصحيح مسلم ، الجنائز، باب في التكبير على الجنازة، حديث:953 واللفظ له عن عمران بن حصين رضي الله عنه. ② صحيح البخاري، الجنائز، باب الرجل ينعى إلى أهل الميت بنفسه، حديث:1245 عن أبي هريرة رضي الله عنه. ③ تفسير الطبري: 290/4 وتفسير ابن أبي حاتم:846/3. ④ تفسير ابن أبي حاتم:846/3. ⑤ صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل من أسلم من أهل الكتابين، حديث:3011 وكتاب النكاح، باب اتخاذ السراري......، حديث:5083 وصحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ، حديث:154. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم:847/3.

ایمان! (کفار کے مقابلے میں) صبر سے کام لو، ثابت قدم رہو اور (مورچوں پر) جمے رہو۔'' امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے اس دین پر ثابت قدم رہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اور وہ دین اسلام ہے، اسے خوشی غمی اور تنگ دستی وخوش حالی میں بھی نہ چھوڑیں حتی کہ حالت اسلام ہی میں فوت ہوں۔ [1] اور ان دشمنوں کے مقابلے میں استقامت کا مظاہرہ کریں جو اپنے دین کو چھپاتے ہیں۔ [2] علمائے سلف میں سے کئی ایک نے اسی طرح فرمایا ہے۔

مُرَابَطَه کے معنی عبادت کی جگہ پر ہمیشہ ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا ہے۔ اس کے معنی ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سہل بن حُنَیف اور محمد بن کعب قرظی وغیرہ کا قول ہے۔ [3] امام ابن ابوحاتم نے یہاں اس حدیث کو بھی ذکر کیا ہے جسے امام مسلم اور نسائی نے بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَلَا أُخبِرُكُم بِمَا يَمحُو اللّٰهُ بِهِ الخَطَايَا ، وَيَرفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ ؟ إِسبَاغُ الوُضُوءِ عَلَى المَكَارِهِ ، وَكَثرَةُ الخُطَا إِلَى المَسَاجِدِ ، وَانتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعدَ الصَّلَاةِ ، فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ، فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ ، فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ] ''کیا میں تمھیں وہ عمل نہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ تمھاری خطاؤں کو معاف فرمادے اور تمھارے درجات بلند کردے؟ فرمایا: وہ ہے ناپسندیدہ اوقات میں اچھی طرح وضو کرنا، مسجدوں کی طرف زیادہ آنا جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اور فرمایا: یہی رباط ہے، یہی رباط ہے، یہی رباط ہے۔'' [4]

ایک قول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہاں مُرَابَطَه سے مراد دشمن کے مقابلے میں مورچوں میں جمے رہنا اور اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے [5] تاکہ دشمن انھیں عبور کر کے مسلمانوں کے علاقوں میں داخل نہ ہو۔ بہت سی احادیث میں اس کی ترغیب اور اس پر بہت زیادہ ثواب ملنے کا بھی ذکر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [رِبَاطُ يَومٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ خَيرٌ مِّنَ الدُّنيَا وَ مَا عَلَيهَا] ''اللہ کے رستے میں ایک دن پہرہ دینا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔'' [6]

امام مسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [رِبَاطُ يَومٍ وَّلَيلَةٍ خَيرٌ مِّن صِيَامِ شَهرٍ وَّ قِيَامِهِ ، وَ إِن مَّاتَ، جَرٰى عَلَيهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعمَلُهُ ، وَأُجرِيَ عَلَيهِ رِزقُهُ ، وَأَمِنَ الفَتَّانَ] ''ایک دن رات پہرہ دینا ایک مہینے کے صیام وقیام سے بہتر ہے اور اگر اس حالت میں فوت ہوگیا تو اس کا وہ عمل جاری رہے گا جو وہ عمل کیا کرتا تھا اور اس کے مطابق اس کا رزق بھی جاری رہے گا اور وہ آزمائش میں ڈالنے والے (فرشتوں)

---

① تفسیر ابن أبي حاتم: 847/3. ② تفسیر الطبري: 292/4. ③ تفسیر ابن أبي حاتم: 850/3. ④ تفسیر ابن أبي حاتم: 849/3 و صحیح مسلم، الطهارة، باب فضل إسباغ الوضوء......، حدیث: 251 و سنن النسائي، الطهارة، باب الفضل في ذلك، حدیث: 143 واللفظ له. ⑤ تفسیر الطبري: 292/4 و تفسیر ابن أبي حاتم: 850/3. ⑥ صحیح البخاري، الجهاد والسیر، باب فضل رباط یوم في سبیل الله وقول الله عزوجل: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا ....﴾ (آل عمران 200:3)، حدیث: 2892.

سے بھی محفوظ رہے گا۔''[1]

امام احمد نے حضرت فَضالہ بن عُبَید کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا: [كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلٰى عَمَلِهٖ إِلَّا الَّذِي مَاتَ مُرَابِطًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، فَإِنَّهٗ يَنْمُو عَمَلُهٗ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَ يُأْمَنُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ] ''ہر میت کے عمل کو ختم کر دیا جاتا ہے سوائے اس کے جو اللہ کے رستے میں پہرہ دیتے ہوئے فوت ہوا تو اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور وہ قبر کے فتنے سے بھی محفوظ رہتا ہے۔''[2] امام ابوداود اور ترمذی نے بھی اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔[3] نیز امام ابن حبان نے بھی اسے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔[4]

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا: [عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ : عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ، وَ عَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی: (1) وہ آنکھ جو اللہ کے ڈر کی وجہ سے رو پڑی اور (2) وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں رات کو پہرہ دیتے ہوئے بیدار رہی۔''[5]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الْخَمِيصَةِ ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ ، وَ إِنْ لَّمْ يُعْطَ سَخِطَ ، تَعِسَ وَانْتَكَسَ، وَ إِذَا شِيكَ فَلَا انْتَقَشَ، طُوبٰى لِعَبْدٍ آخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، أَشْعَثَ رَأْسُهٗ ، مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ ، إِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ ، وَ إِنْ كَانَ فِي السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ ، إِنِ اسْتَأْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ ، وَ إِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ]

''دینار و درہم کا بندہ، چادر کا بندہ تباہ و برباد ہو گیا کہ اگر اسے دیا جائے تو وہ خوش ہو جائے اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض ہو جائے، ایسا شخص تباہ و برباد ہو جائے، پھر تباہ و برباد ہو جائے، اگر اسے کانٹا چبھے تو وہ نہ نکالا جائے۔ اور اس شخص کے لیے خوش خبری ہے جو اپنے گھوڑے کی لگام کو اللہ کے رستے میں پکڑے ہوئے ہو، اس کے سر کے بال بکھرے ہوئے اور پاؤں غبار آلود

---

① صحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الرباط في سبيل الله عزوجل، حديث:1913. ② مسند أحمد:20/6 اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جن اعمال کے اجر و ثواب کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، ان میں سے صرف اللہ کی راہ میں پہرہ دینا ایسا عمل ہے جس کا اجر و ثواب برابر تا قیامت لکھا جاتا رہے گا اور یہ صرف اسی کا خاصہ ہے، غرضیکہ یہ صدقہ جاریہ تو نہیں لیکن صدقہ جاریہ ہی کے ضمن میں شمار ہوتا ہے کیونکہ سرحد پر پہرہ دینے کے اثرات و ثمرات تادیر باقی رہتے ہیں۔ ملخص از الديباج، منة المنعم، عون المعبود، حاشية السندي.
③ سنن أبي داود، الجهاد، باب في فضل الرباط، حديث:2500 و جامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل من مات مرابطًا، حديث:1621. ④ صحيح ابن حبان، باب فضل الجهاد ذكر انقطاع الأعمال......:484/10، حديث:4624. ⑤ جامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل الحرس في سبيل الله، حديث:1639.

ہوں، اگر اسے پہرے داروں میں رکھا جائے تو وہ پہرے داروں میں رہے اور اگر اسے لشکر کے پچھلے حصے میں رکھا جائے تو وہ پچھلے لوگوں میں رہ جائے اور اگر وہ اجازت طلب کرے تو اسے اجازت نہ دی جائے اور اگر وہ سفارش کرے تو اس کی سفارش کو قبول نہ کیا جائے۔‘‘ (1)

امام ابن جریر نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا جس میں انھوں نے رومیوں کے خوفناک لشکر جرار کی اطلاع دی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ مومن پر جو بھی سختی نازل ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے بعد آسانی پیدا فرما دیتا ہے اور مشکل کبھی دو آسانیوں پر غالب نہیں آتی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿200﴾ ﴾ ’’اے ایمان والو! صبر سے کام لو، ثابت قدم رہو اور حق کی خدمت میں سرگرم رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔‘‘ (2)

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک کے حالات میں بروایت محمد بن ابراہیم بن ابوسکینہ لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے طَرَسُوس میں مجھے یہ اشعار لکھوائے جبکہ میں انھیں جہاد کے لیے روانہ ہونے کے لیے الوداع کہہ رہا تھا، آپ نے یہ اشعار لکھوائے اور میرے ہاتھ انھیں حضرت فُضَیل بن عیاض کی خدمت میں ارسال کرا دیا۔ یہ 170ھ یا 177ھ کا واقعہ ہے، اشعار یہ ہیں:

يَا عَابِدَ الْحَرَمَيْنِ لَوْ أَبْصَرْتَنَا لَعَلِمْتَ أَنَّكَ فِي الْعِبَادَةِ تَلْعَبُ

’’اے کبھی مکہ اور کبھی مدینہ میں عبادت کرنے والے اگر تو ہمارا حال دیکھے تو تجھے یقین آ جائے کہ تو نے عبادت کو اک کھیل بنا رکھا ہے۔‘‘

مَنْ كَانَ يَخْضِبُ خَدَّهُ بِدُمُوعِهِ فَنُحُورُنَا بِدِمَائِنَا تَتَخَضَّبُ

’’وہ جس نے اپنے رخسار (اللہ کی یاد میں) اپنے آنسوؤں سے تر کر لیے ہیں، میدان جنگ میں آ کر ہمیں دیکھے کہ ہماری گردنیں (اس کی محبت میں) خون سے رنگین ہو رہی ہیں۔‘‘

أَوْ كَانَ يُتْعِبُ خَيْلَهُ فِي بَاطِلٍ فَخُيُولُنَا يَوْمَ الصَّبِيحَةِ تَتْعَبُ

’’یا وہ جو اپنے گھوڑے کو باطل کاموں میں تھکا دیتا ہے، اگر ہمیں آ کر دیکھے تو ہمارے گھوڑے تو میدان جنگ میں تھکتے ہیں۔‘‘

رِيحُ الْعَبِيرِ لَكُمْ وَ نَحْنُ عَبِيرُنَا رَهَجُ السَّنَابِكِ وَالْغُبَارُ الْأَطْيَبُ

’’عطر کی مہک تمھارے لیے ہے، ہمارا عطر تو میدان جنگ میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے اٹھا ہوا پاکیزہ گرد و غبار ہے۔‘‘

وَلَقَدْ أَتَانَا مِنْ مَّقَالِ نَبِيِّنَا قَوْلٌ صَحِيحٌ صَادِقٌ لَّا يُكَذَّبُ

---

(1) صحیح البخاري، الجهاد والسير، باب الحراسة في الغزو في سبيل الله، حديث:2887. (2) تفسير الطبري:293/4 والمستدرك للحاكم، التفسير، سورة آل عمران:301,300، حديث:3176.

’’ہمارے پاس ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کا یہ صحیح اور سچا فرمان پہنچا ہے جس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔‘‘

لَا يَسْتَوِي وَ غُبَارَ خَيْلِ اللّٰهِ فِي أَنْفِ امْرِئٍ وَّ دُخَانَ نَارٍ تَلْهَبُ

’’اللہ کے رستے میں جہاد کرنے والے گھوڑوں کے ٹاپوں سے اٹھنے والا غبار اور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کا دھواں کسی شخص کی ناک میں جمع نہیں ہو سکتے۔‘‘

هٰذَا كِتَابُ اللّٰهِ يَنْطِقُ بَيْنَنَا لَيْسَ الشَّهِيدُ بِمَيِّتٍ لَّا يُكَذَّبُ

’’یہ اللہ کی کتاب ہمارے پاس شہادت دے رہی ہے کہ شہید مردہ نہیں ہے اور اس بات کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔‘‘

محمد بن ابراہیم بن ابوسکینہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہ خط حضرت فُضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو مسجد حرام میں پہنچایا جب انھوں نے اس خط کو پڑھا تو ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور فرمانے لگے: ابوعبدالرحمٰن (حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ) نے سچ کہا اور مجھے نصیحت کی ہے، پھر انھوں نے کہا: آپ کاتبین حدیث میں سے ہیں؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، تو انھوں نے کہا: اچھا یہ حدیث لکھو اور یہ معاوضہ ہے ابوعبدالرحمٰن کے اس خط کا جو آپ ہمارے پاس لے کر آئے ہیں۔

پھر حضرت فضیل بن عیاض نے مجھے یہ حدیث لکھوائی کہ ہم سے منصور بن معتمر نے یہ حدیث بیان کی انھوں نے ابوصالح سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے ایک ایسا عمل سکھا دیجیے جس سے میں اللہ کے رستے میں جہاد کرنے والے مجاہدین کے اجر و ثواب کو پا لوں؟ آپ نے فرمایا: [هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُصَلِّيَ فَلَا تَفْتُرَ ، وَتَصُومَ فَلَا تُفْطِرَ؟ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! أَنَا أَضْعَفُ مِنْ أَنْ أَسْتَطِيعَ ذٰلِكَ ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! لَوْ طُوِّقْتَ ذٰلِكَ مَا بَلَغْتَ فَضْلَ الْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ، أَ مَا عَلِمْتَ أَنَّ فَرَسَ الْمُجَاهِدِينَ لَيَسْتَنُّ فِي طِوَلِهٖ ، فَتُكْتَبُ بِذٰلِكَ الْحَسَنَاتُ] ’’تجھے اس بات کی طاقت ہے کہ تو ساری رات نماز پڑھتا رہے اور کبھی نہ اکتائے اور ساری زندگی روزے رکھتا رہے اور کبھی ناغہ نہ کرے؟ اس نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میں بہت زیادہ کمزور ہوں، مجھے اس کی استطاعت نہیں ہے، پھر نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تمھیں اس بات کی طاقت بھی ہو تو پھر بھی تم مجاہدین فی سبیل اللہ کے اجر و ثواب کو نہیں پا سکتے، کیا تمھیں معلوم نہیں کہ مجاہدین کا گھوڑا اپنی چراگاہ میں رسّی بندھے ہوئے بشاشت سے اچھلتا کودتا ہے تو اس کے عوض بھی نیکیاں لکھی جاتی ہیں؟‘‘[1]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ’’اور اللہ سے ڈرو۔‘‘ یعنی اپنے تمام امور و احوال میں اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ نبیٔ

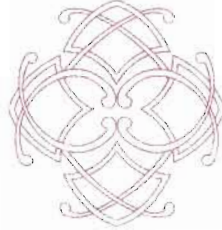
[1] تاریخ دمشق لابن عساكر، عبدالله بن المبارك بن واضح: 307/34 اور صحیحین میں یہی حدیث بالفاظ دیگر بغیر واقعے کے کچھ مرفوعًا اور کچھ موقوفًا مروی ہے، دیکھیے صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل الجهاد والسير، حديث: 2785 و صحيح مسلم، الإمارة، باب فضل الشهادة، حديث: 1878 و مسند أحمد: 344/2.

اکرم ﷺ نے حضرت معاذ سے اس وقت فرمایا تھا جب آپ نے انھیں یمن میں بھیجا تھا: [اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ ، وَ أَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا ، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ] ''اللہ سے ڈرو جہاں کہیں بھی ہو اور گناہ کے بعد نیکی کرتے رہو، نیکی اسے مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ حسنِ خلق کے ساتھ پیش آؤ۔''[1] ﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ ''تاکہ تم مراد حاصل کرو۔'' یعنی تم دنیا و آخرت میں کامیاب ہو جاؤ۔ امام ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم مجھ سے ڈرتے رہو تاکہ کل جب میری ملاقات کے لیے آؤ تو کامیاب ہو جاؤ۔[2]

سورۂ آل عمران کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہماری موت کتاب وسنت پر آئے۔ آمین!



---

① جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی معاشرة الناس، حديث:1987 و مسند أحمد:236/5. ② تفسير الطبری:295/4.

تحقیق و تخریج کے

مصادر و مراجع

اسم الكتاب	اسم المصنف	دار النشر	مدينة النشر	سنة النشر
الإتقان	للإمام جلال الدين أبى الفضل عبدالرحمٰن السيوطى (849-911ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	
الأحاديث المختارة	لأبى عبدالله محمد بن عبدالواحد أحمد بن الحنبلى المقدسى (567-643ھ)	مكتبة النهضة الحديثة	مكة المكرمة	1410ھ
أحكام القرآن	للإمام أبى بكر محمد بن عبدالله المعروف بابن العربى (468-543ھ)	دار الكتب العربى	//	1421ھ 2000م
الأدب المفرد	للإمام أبى عبدالله محمد بن إسماعيل البخارى (194-256ھ)	المكتبة الإسلامية	الأردن	1423ھ 2003م
إرشاد السارى	للإمام شهاب الدين أبى العباس أحمد بن محمد الشافعى القسطلانى (المتوفى 923ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1416ھ 1996م
إرواء الغليل	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانى (المتوفى 1420ھ)	المكتب الإسلامى	بيروت	1405ھ 1985م
أسد الغابة	لعز الدين ابن الأثير أبى الحسن على بن محمد الجَزَرى (المتوفى 630ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	
الإصابة	للإمام الحافظ أحمد بن على بن حجر العَسْقَلانى (773-852ھ)	دار الكتب العلمية	//	1415ھ 1995م
إكمال المُعلم بفوائد صحيح مسلم	للإمام الحافظ أبى الفضل عياض بن موسى بن عياض اليَحْصِبى (المتوفى 544ھ)	دار الوفاء	//	1419ھ 1998م
الأم	للإمام أبى عبدالله محمد بن إدريس الشافعى القرشى (المتوفى 204ھ)	دار إحياء التراث العربى	//	1420ھ 2000م

بائبل، قرآن اور سائنس (اردو)	موریس بوکائے	نگارشات	لاہور پاکستان	1999م
البحر الزخار المعروف بمسند البزّار	للإمام أبی بکر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق العَتکی البزّار (المتوفی 292ھ)	مؤسسة علوم القرآن ومکتبة العلوم والحکم	بیروت	1409ھ 1988م
البدایة والنهایة	لأبی الفداء الحافظ ابن کثیر الدِّمشقی (المتوفی 774ھ)	دار الریان للتراث	القاهرة	1408ھ 1988م
البیان فی عدّ آی القرآن	لأبی عمرو عثمان بن سعید الأموی الدانی (371-444ھ)	مرکز المخطوطات	الکویت	1414ھ 1994م
تاج العروس	للإمام محب الدین أبی فیض السید محمد مرتضی الحسینی الزبیدی (المتوفی 1205ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1414ھ 1994م
تاریخ بغداد	للحافظ أبی بکر أحمد بن علی الخطیب البغدادی (المتوفی 463ھ)	دار الفکر	//	1418ھ 1998م
تاریخ دمشق	للإمام الحافظ أبی القاسم علی بن الحسن الدمشقی الشافعی المعروف بابن عساکر (499-571ھ)	دار إحیاء التراث العربی	//	1421ھ 2001م
تاریخ الطبری	لأبی جعفر محمد بن جریر الطبری (المتوفی 310ھ)	//	//	
التاریخ الکبیر	للإمام أبی عبداللّٰه محمد بن إسماعیل بن إبراهیم الجُعفِی (194-256ھ)	دار الکتب العلمیة	//	1414ھ 1993م
تحفة الأحوذی	للإمام الحافظ أبی العلاء محمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم المبارکفوری (المتوفی 1353ھ)	دار الفکر	//	1415ھ 1995م
تحفة الأخیار	لأبی جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوی (239-321ھ)	دار بلنسیة	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
تحفة الأشراف	للحافظ جمال الدین أبی الحجاج یوسف المِزّی (654-742ھ)	دار الغرب الإسلامی	بیروت	1999م

تذكرة الحفاظ	للإمام شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي (المتوفى 748ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1419ھ 1998م
الترغيب والترهيب	للإمام الحافظ زكى الدين عبدالعظيم بن عبدالقوى المنذرى (المتوفى 656ھ)	دار الحديث	القاهرة	1407ھ 1987م
تفسير البغوى	للإمام أبى محمد الحسين بن مسعود الفراء البغوى الشافعى(المتوفى 516ھ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	1420ھ 2000م
تفسير البيضاوى	للإمام ناصر الدين أبى الخير عبداللّٰه بن عمر ابن محمد الشيرازى الشافعى البيضاوى (المتوفى 691ھ)	دار إحياء التراث العربى	//	1418ھ 1998م
تفسير ابن أبى حاتم	للإمامالحافظ عبدالرحمٰن بن محمد بن إدريس الرازى ابن أبى حاتم (المتوفى 327ھ)	مكتبة نزار مصطفى الباز	مكة المكرمة الرياض	1417ھ 1997م
تفسير الرازى	للإمام فخر الدين الرازى (المتوفى 606ھ)	دار إحياء التراث العربى	//	1415ھ 1995م
تفسير السمعانى	للإمام أبى المظفر منصور بن محمد بن عبدالجبار التميمى المَرُوَزِى الشافعى (426-489ھ)	دار الوطن	الرياض	1418ھ 1997م
تفسير الطبرى	لأبى جعفر محمد بن جرير الطَّبَرى (المتوفى 310ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
تفسير عبدالرزاق	للإمام المحدث عبدالرزاق بن همام الصنعانى (المتوفى 211ھ)	دارالكتب العلمية	//	1419ھ 1999م
تفسير القرطبى	لأبى عبداللّٰه محمد بن أحمد الأنصارى القُرطبى	دارالكتب العلمية	//	1413ھ 1993م
تفسير الماوردى	لأبى الحسن على بن محمد بن حبيب الماوردى البصرى (364-450ھ)	دار الكتب العلمية	//	1412ھ 1992م
التلخيص الحبير	للإمام الحافظ أبى الفضل أحمد بن على بن حجر العسقلانى (المتوفى 852ھ)	دار المعرفة	//	1406ھ 1986م

تمام المنّة	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	دار الراية	الرياض السعودية	1417ھ
التمهيد	للإمام الحافظ أبی عمر يوسف بن عبدالله ابن محمد بن عبدالبر النمری الأندلسی (368-463ھ)	مكتبة السوادی	جدة	1387ھ 1967م
تنوير المقباس	للإمام السيد حبر الأمة عبدالله بن عباس الهاشمی القرشی (المتوفی 68ھ)	مطبعة أمير	قم إيران	
جامع الترمذی	للإمام الحافظ أبی عيسی محمد بن عيسی ابن سورة الترمذی (200-279ھ)	دار السلام	الرياض السعودية	1420ھ 1999م
جامع المسانيد والسنن	للإمام عماد الدين أبی الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشی الدمشقی الشافعی (700-774ھ)	دار الفكر	بيروت	
حلية الأولياء	للإمام الحافظ أبی نُعَيم أحمد بن عبدالله الأصفهانی الشافعی (المتوفی 430ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1418ھ 1997م
الدر المنثور فی التفسير المأثور	للإمام جلال الدين عبدالرحمٰن بن أبی بكر السيوطی (المتوفی 911ھ)	دارالكتب العلمية	//	1421ھ 2000م
دلائل النبوة	لأبی بكر أحمد بن الحسين بن علی البيهقی (384-458ھ)	دار الكتب العلمية	//	1405ھ 1985م
الدِّيباج	للحافظ جلال الدين عبدالرحمٰن السيوطی (المتوفی 911ھ)	شركة دار الأرقم بن أبی الأرقم	//	
الرحيق المختوم (اردو)	للشيخ صفی الرحمن مباركفوری	المكتبة السلفية	لاهور باكستان	1416ھ 1995م
روح المعانی	للعلامة أبی الفضل شهاب الدين السيد محمود الألوسی البغدادی (المتوفی127ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1417ھ 1997م
زاد المسير	للإمام أبی الفَرَج جمال الدين عبدالرحمن ابن علی بن محمد الجوزی (المتوفی597ھ)	دار الكتب العلمية	//	1414ھ 1994م

زاد المعاد	للإمام شمس الدين أبی عبداللّٰه محمد بن أبی بکر الزرعی الدمشقی المشهور بابن قیم الجوزیة (691-751ھ)	مؤسسة الرسالة	//	1415ھ 1995م
سلسلة الأحادیث الصحیحة	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ)	مکتبة المعارف	الریاض السعودیة	1415ھ 1995م
سلسلة الأحادیث الضعیفة	// // //	//	//	1420ھ 2000م
سنن الدارقطنی	للإمام الحافظ علی بن عمر الدارقطنی (المتوفی 385ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1417ھ 1996م
سنن الدارمی	للإمام أبی محمد عبداللّٰه بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بهرام التمیمی السمرقندی الدارمی (المتوفی 255ھ)	دار الکتب العلمیة	//	1417ھ 1996م
سنن أبی داود	للإمام الحافظ أبی داود سلیمان بن الأشعث السِجستانی (المتوفی 275ھ)	دار السلام	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
سنن سعید بن منصور	للحافظ سعید بن منصور الخراسانی (المتوفی 227ھ)	دار الصمیعی	//	1420ھ 2000م
السنن الکبرٰی	للإمام أبی بکر أحمد بن الحسین بن علی البیهقی (384-458ھ)	إدارة تألیفات أشرفیة	ملتان باکستان	1414ھ 1993م
السنن الکبرٰی	للإمام أبی عبدالرحمٰن أحمد بن شعیب النسائی (المتوفی 303ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1411ھ 1991م
سنن ابن ماجه	للإمام الحافظ أبی عبداللّٰه محمد بن یزید الربعی ابن ماجه القَزوِینی (209-273ھ)	دار السلام	الریاض السعودیة	1420ھ 1999م
سنن النسائی	للإمام الحافظ أبی عبد الرحمٰن أحمد بن شعیب بن علی النسائی (215-303ھ)	دار السلام	//	1420ھ 1999م

السيرة النبوية	لولی الدین أبی زید عبدالرحمٰن بن محمد ابن عبدالرحیم الحضرمی الأشبیلی المالکی المعروف بابن خلدون (723-808ھ)	مکتبة المعارف	//	1418ھ 1998م
السیرة النبویة	لأبی محمد عبدالملك بن هشام بن أیوب الحِمْیَرِی (المتوفی 218ھ)	دار إحیاء التراث العربی	بیروت لبنان	1415ھ 1995م
شرح السنة	للإمام الحافظ مُحیی السنة أبی محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی (436-516ھ)	المکتب الإسلامی	بیروت	1403ھ 1983م
شرح معانی الآثار	لأبی جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوی (239-321ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت	1407ھ 1987م
شرح النووی	مُحیی‌الدین أبوزکریا یحیی بن شرف بن مری الحزامی الحواربی الشافعی (المتوفی 676ھ)	مؤسسة قرطبة	بیروت لبنان	1414ھ 1994م
شعب الإیمان	للإمام أبی بکر أحمد بن الحسین البیهقی (384-458ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1410ھ 1990م
صحیح البخاری	للإمام أبی عبدالله محمد بن إسماعیل البخاری الجعفی (194-256ھ)	دار السلام	الریاض السعودیة	1419ھ 1999م
صحیح الترغیب والترهیب	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	مکتبة المعارف	الریاض	1421ھ 2000م
صحیح الجامع الصغیر وزیادته	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	المکتب الإسلامی	بیروت لبنان	1408ھ 1988م
صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان الفارسی	للإمام الحافظ محمد بن حبان بن أحمد بن حبان	مؤسسة الرسالة	//	1414ھ 1993م
صحیح ابن خزیمة	للإمام أبی بکر محمد بن إسحاق بن خزیمة السلمی النیسابوری (المتوفی 311ھ)	المکتب الإسلامی	//	1412ھ 1992م

صحيح سنن أبي داود	للإمام المحدث الشيخ محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى 1420هـ 1999م)	مؤسسة غراس	الكويت	1423هـ 2002م
صحيح مسلم	للإمام أبي الحسين مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري (204-261هـ)	دار السلام	الرياض السعودية	1419هـ 1998م
ضعيف الجامع الصغير وزيادته	للشيخ محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى 1420هـ 1999م)	المكتب الإسلامي	بيروت لبنان	1410هـ 1990م
ضعيف سنن ابن ماجه	للشيخ محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى 1420هـ 1999م)	//	//	1415هـ 1994م
الطبقات الكبرىٰ	للحافظ محمد بن سعد بن منيع (المتوفى 230هـ)	دار صادر	بيروت	1418هـ 1998م
عمدة القاري	للشيخ الإمام العلامة بدر الدين أبي محمد محمود بن أحمد العيني (المتوفى 855هـ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1418هـ 1998م
عون المعبود	للعلامة أبي الطيب محمد شمس الحق العظيم آبادي	دار الكتب العلمية	//	1410هـ 1990م
فتح الباري	للإمام الحافظ أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (773-852هـ)	دار نشر الكتب الإسلامية	لاهور پاكستان	1401هـ 1981م
فتح البيان	لأبي الطيب صديق بن حسن بن علي الحسيني القِنَّوجي البخاري (المتوفى 1307هـ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1420هـ 1999م
كتاب الزهد	للإمام الشيخ عبدالله بن المبارك المروزي (المتوفى 181هـ)	//	//	1419هـ 1998م
كتاب العرش	لأبي عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي (المتوفى 748هـ)	مكتبة أضواء السلف ومكتبة الإمام البخاري	الرياض السعودية مصر	1420هـ 1999م
كتاب العظمة	لأبي محمد عبدالله بن محمد بن جعفر بن حيّان المعروف بأبي الشيخ (274-369هـ)	دار العاصمة	الرياض السعودية	1419هـ 1998م

الكشاف	للإمام محمود بن عمر الزَّمَخْشرى (المتوفى 528ھ)	دار الريان للتراث	القاهرة	1407ھ 1987م
كشف الأستار عن زوائد البزار	للحافظ نور الدين على بن أبى بكر الهيثمى (735-807ھ)	مؤسسة الرسالة	بيروت لبنان	1399ھ 1979م
كشف الظنون	للمؤرخ الكامل مصطفى بن عبداللّٰه المشهور بحاجى خليفة (1017-1067ھ)	دار إحياء التراث العربى	//	
اللآلئ المصنوعة فى الأحاديث الموضوعة	للإمام جلال الدين أبى الفضل عبدالرحمٰن ابن الكمال السيوطى (849-911ھ)	دار الكتب العلمية	//	1417ھ 1996م
مجمع الزوائد	للحافظ نور الدين على بن أبى بكر الهيثمى (المتوفى 807ھ)	دار الفكر	//	1414ھ 1994م
مجموعة الفتاوى	لشيخ الإسلام تقى الدين أحمد ابن تيمية الحَرَّانى (المتوفى 728ھ)	مكتبة العبيكان	الرياض السعودية	1419ھ 1998م
مختصر زوائد مسند البزار	للحافظ شهاب الدين أبى الفضل أحمد بن حجر العسقلانى (المتوفى 852ھ)	مؤسسة الكتب الثقافية	بيروت لبنان	1412ھ 1992م
مختصر سنن أبى داود	عبدالعظيم بن عبدالقوى بن عبداللّٰه بن سلامة بن سعد زكى الدين أبومحمد المنذرى الشامى المصرى (المتوفى 656ھ)	مكتبة السنة المحمدية مكتبة ابن تيمية	القاهرة	1423ھ 2002م
مختصر قيام الليل	للشيخ أبى عبداللّٰه محمد بن نصر المروزى (المتوفى 294ھ)	مكتبة المنار	الأُردُن	1413ھ 1993م
المراسيل	للإمام الحافظ أبى داود سليمان بن الأشعث السجستانى (المتوفى 275ھ)	مؤسسة الرسالة	بيروت لبنان	1418ھ 1998م
المستدرك	للإمام أبى عبداللّٰه محمد بن عبداللّٰه الحاكم النيسابورى (المتوفى 405ھ)	مكتبة نزار مصطفى الباز	مكة المكرمة السعودية	1420ھ 2000م
مسند أحمد (طبع ميمنية)	للإمام الحافظ أبى عبداللّٰه أحمد بن محمد ابن حنبل الشيبانى البغدادى (164-241ھ)	المكتب الإسلامى	بيروت دمشق	1403ھ 1983م

مسند أحمد (مجلد واحد)	للإمام الحافظ أبی عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل الشَّیبانی البغدادی (164-241ھ)	بیت الأفکار الدولیة	الریاض السعودیة	1419ھ 1998م
مسند أبی داود الطَّیالِسی	لسلیمان بن داود بن الجارود (المتوفی 204ھ)	هجر	أمبابة	1419ھ 1999م
المسند الضعیف	للإمام أبی جعفر محمد بن عمرو بن وهبی بن حماد العقیلی (المتوفی 322ھ)	مکتبة نزار مصطفی الباز	مکة المکرمة السعودیة	1422ھ 2001م
مسند أبی عوانة	للإمام أبی عوانة یعقوب بن إسحاق الأسفرائینی (المتوفی 316ھ)	دار المعرفة	بیروت لبنان	1419ھ 1998م
مسند أبی یعلی المَوصلی	للإمام الحافظ أحمد بن علی بن المثنی التمِیمی (210-307ھ)	دار الثقافة العربیة	بیروت دمشق	1412ھ 1992م
المصنف	للإمام الحافظ أبی بکر عبدالله بن محمد بن أبی شیبة (المتوفی 235ھ)	دار الکتب العلمیة	//	1416ھ 1995م
المصنف	للحافظ الکبیر أبی بکر عبدالرزاق بن همام الصنعانی (المتوفی 211ھ)	المکتب الإسلامی	//	1403ھ 1983م
المطالب العالیة	للحافظ ابن حجر أحمد بن علی العسقلانی (773-852ھ)	دار المعرفة	//	1414ھ 1993م
معجم البلدان	للإمام شهاب الدین أبی عبدالله یاقوت بن عبدالله الحموی الرومی البغدادی (المتوفی 626ھ)	دار صادر	//	1993م
معجم الصحابة	لأبی القاسم عبدالله بن محمد بن عبدالعزیز البغوی (المتوفی 773ھ)	مکتبة دار البیان	دولة الکویت	1421ھ 2000م
المعجم الکبیر	للحافظ أبی القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی (260-360ھ)	مطبعة الزهراء الحدیثیة	موصل	1420ھ 2000م
معجم ما استعجم	لعبدالله بن عبدالعزیز البکری الأندلسی (المتوفی 487ھ)	عالم الکتب	بیروت	1403ھ 1983م
المغنی	للإمام موفق الدین أبی محمد عبدالله بن أحمد بن قدامة (المتوفی 620ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1414ھ 1994م

منهاج السنة النبوية	لأبی العباس تقی الدین أحمد بن عبدالحلیم ابن تیمیة الحرانی الدمشقی (المتوفی 728ھ)	دار المعرفة	//	1406ھ 1986م
الموسوعة الحدیثیة (مسند الإمام أحمد)	للجماعة من العلماء، تحت إشراف عبداللّٰہ ابن عبدالمحسن الترکی	مؤسسة الرسالة	//	1420ھ 1999م
النجوم الزاهرة فی ملوك مصر والقاهرة	لجمال الدین أبی المحاسن یوسف بن تغری بُردی (813-874ھ)	وزارة الثقافة	مصر	
هدایة الرواة	للحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ)	دار ابن القیم ودار ابن عفان	القاهرة	1422ھ 2001م

